سہ ماہی امجدیہ کا

صدر الشریعہ نمبر

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے احوال و آثار پر جامع ترین دستاویز

ترتیب: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری

دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

طیبۃ العلماء، جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو

جلد ۱۶، شمارہ ۶۵
اپریل تا جون ۲۰۲۳ء

مجلس مشاورت

مراسلات و ترسیل زر کا پتہ
TAIBATUL OLAMA
JAMIA AMJADIA RIZVIA
GHOSI 275304 MAU (U.P.) INDIA

قیمت خصوصی شمارہ	:	۵۰ روپے
سالانہ ممبری فیس	:	۸۰ روپے
بیرونی ممالک سے	:	۲۰ امریکی ڈالر
فون نمبر	:	۰۵۴۶۱-۲۲۲۰۴۶

پرنٹر، پبلشر و پروپرائٹر علاء المصطفیٰ قادری نے اسٹار آفسیٹ پرنٹنگ پریس 2229/A احاطہ ججن بی، رود گران، لال کنواں، دہلی سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی امجدیہ، طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، ضلع مئو سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

ا	دعائیہ کلمات	حضور محدث کبیر قبلہ زید مجدہ	6
۲	حرف اولین	مولانا علاء المصطفیٰ قادری	8
۳	تہدیہ وانتساب	ادارہ	10
۴	**تاثرات**	شہزادۂ تاج الشریعہ قائد ملت حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قبلہ	11
	//	حضور گلزار ملت سید شاہ گلزار اسماعیل واسطی مدظلہ العالی	
	//	حضرت علامہ سید محمد حسینی میاں زید مجدہ ناگ پور	
	//	حبیب ملت حضرت علامہ غلام محمد حبیبی قبلہ دھام نگر شریف	
	//	شہزادۂ صدر الشریعہ مفتی بہاء المصطفیٰ قادری جامعۃ الرضا بریلی شریف	
	//	شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری گھوسی شریف	
	//	تاج الفقہاء حضرت علامہ مفتی اختر حسین علیمی صاحب قبلہ	
	//	قاضی شہر ممبئ نبیرۂ صدر الشریعہ مفتی محمود اختر القادری ممبئ	
	//	نبیرۂ صدر الشریعہ جانشین حضور محدث کبیر مفتی عطاء المصطفیٰ قبلہ قادری	
	//	نبیرۂ صدر الشریعہ شہزادۂ محدث کبیر حضرت مفتی جمال مصطفیٰ قادری	
	//	نبیرۂ صدر الشریعہ جانشین حضور محدث کبیر علامہ ابو یوسف محمد قادری ازہری	
	//	حضرت علامہ حافظ وقاری غلام سبحانی صاحب آرلنگٹن امریکہ	
۵	رشحات اداریہ	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	31

باب اول: سوانح واحوال

ا	صدر الشریعہ۔ احوال وواقعات	محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قبلہ	40
۲	صدر الشریعہ۔ اولاد کی تعلیم وتربیت	علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ	58
۳	صدر الشریعہ۔ احوال وسوانح کا اجمالی جائزہ	علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ	64
۴	صدر الشریعہ اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں	علامہ سید ظہیر الدین زیدی علیہ الرحمہ	70
۵	صدر الشریعہ کا جنازہ ممبئ سے گھوسی تک	علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ	91

۶	صدر الشریعہ۔ کچھ یادیں کچھ باتیں	علامہ محمد حسن علی ملتانی	98
۷	صدر الشریعہ اپنے معاصرین میں	علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ	107
۸	صدر الشریعہ۔ یادوں کے چراغ	علامہ مظفر احمد صدیقی	117
۹	آں قدح بشکست وآں ساقی نماند	علامہ سید رکن الدین اصدق	120
۱۰	صدر الشریعہ۔ احوال وکارنامے	مفتی بہاء المصطفیٰ قادری	122
۱۱	صدر الشریعہ اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	126
۱۲	صدر الشریعہ اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور	علامہ کوثر مصطفیٰ امجدی علیہ الرحمہ	159
۱۳	صدر الشریعہ۔ حالات وافکار	ڈاکٹر اقبال احمد، اختر القادری، کراچی	162
۱۴	امام احمد رضا اور صدر الشریعہ	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	166
۱۵	صدر الشریعہ۔ دین کے بے لوث خادم	مفتی محمد ابو الحسن قادری	169
۱۶	صدر الشریعہ اور اہل بنارس	ڈاکٹر شفیق اجمل (بنارس)	174
۱۷	صدر الشریعہ۔ اپنے اکابر کی نظر میں	مفتی نعیم نظامی برکاتی، (خلیل آباد)	185
۱۸	صدر الشریعہ۔ خانوادۂ رضویہ سے وفاداری ووابستگی	علامہ محمد حنیف حبیبی (ڑیسہ)	190
۱۹	صدر الشریعہ کے خاندانی اطبا	ڈاکٹر محب الحق صاحب مرحوم	199
۲۰	صدر الشریعہ۔ اعلیٰ حضرت کی نظر میں	مفتی ممتاز احمد نوری	204
۲۱	صدر الشریعہ۔ حیات وخدمات کا اجمالی جائزہ	مفتی عابد حسین مصباحی (جمشید پور)	212
۲۲	اولاد صدر الشریعہ اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت	مفتی طیب حسین امجدی	231

باب دوم: محاسن وکمالات

۱	صدر الشریعہ کا تبحر علمی	حافظ ملت علامہ عبد العزیز علیہ الرحمہ	238
۲	صدر الشریعہ۔ ایک پیکر اخلاص وعمل	شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی	240
۳	صدر الشریعہ۔ تدریسی خصوصیات پر ایک نظر	علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ	249
۴	صدر الشریعہ کی تدریسی خدمات	مفتی خلیل احمد خاں برکاتی علیہ الرحمہ	250
۵	صدر الشریعہ۔ ایک باکمال مشفق استاذ	مفتی محبوب رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ	252

۶	صدرالشریعہ۔ ایک جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت	شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی	259
۷	امام احمد رضا کا مسلک تصوف اور صدرالشریعہ	علامہ ایاز احمد مصباحی	293
۸	صدرالشریعہ۔ باطنی سفر تصوف و احسان کا اجمالی جائزہ	علامہ ارشاد احمد مصباحی	296
۹	صدرالشریعہ اور درس و تدریس	علامہ بدر القادری مصباحی	320
۱۰	صدرالشریعہ۔ ایک بلند پایہ شخصیت	علامہ احمد میاں برکاتی، کراچی	323
۱۱	صدرالشریعہ۔ ایک زندۂ جاوید شخصیت	علامہ ایوب صابر القادری، کراچی	326
۱۲	صدرالشریعہ کا علمی جاہ و جلال	مفتی حبیب اللہ مصباحی	332
۱۳	صدرالشریعہ۔ اربابِ علم و دانش کی نظر میں	مولانا فتح احمد مصباحی	336
۱۴	اعلیٰ حضرت کے ایک نامور خلیفہ	ڈاکٹر محمود حسین بریلوی	344
۱۵	صدرالشریعہ کی فقہی بصیرت	مفتی شمشاد احمد مصباحی	347
۱۶	صدرالشریعہ کا فقیہانہ و محدثانہ مقام	مفتی شمشاد احمد مصباحی	349
۱۷	صدرالشریعہ۔ اپنے تلامذہ کے جھرمٹ میں	مفتی عابد حسین مصباحی	354
۱۸	حدیث ظل عرش اور سیرتِ صدرالشریعہ	مفتی شمیم رضا اویسی امجدی	365

باب سوم: تصنیفی خدمات

۱	حضور صدرالشریعہ کا حاشیہ طحاوی	حضور محدث کبیر مدظلہ العالی	376
۲	صدرالشریعہ کا حاشیہ طحاوی شریف	علامہ مبین الدین محدث امروہوی	378
۳	صدرالشریعہ کی دینی اور قلمی خدمات	مولانا سید الزماں حمدوی	382
۴	بہار شریعت فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف	مولانا فروغ احمد مصباحی	392
۵	بہار شریعت۔ ایک تحقیقی مطالعہ	مفتی قمر الحسن مصباحی	396
۶	صدرالشریعہ کے آٹھ اہم کارنامے	مولانا علاء المصطفیٰ قادری	409
۷	صدرالشریعہ کی خدمت حدیث	مفتی محمد ناظم علی مصباحی	412
۸	صدرالشریعہ اور خدمت حدیث	مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی	435
۹	صدرالشریعہ اور ائمہ احناف پر اعتراضات کا جائزہ	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	440

۱۰	حضور صدر الشریعہ کی علم حدیث میں شانِ عبقریت	مفتی عابد حسین مصباحی	449
۱۱	امام احمد رضا کی تحقیقات اور صدر الشریعہ کی خدمات	مفتی شہاب الدین رضوی	462
۱۲	حاشیہ طحاوی آسمان تحقیق کا روشن ستارہ	مفتی رفیق عالم رضوی	475
۱۳	حاشیہ طحاوی کا اجمالی تعارف	مفتی قاضی فضل احمد مصباحی	488
۱۴	صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت فتاویٰ امجدیہ کی روشنی میں	مولانا صدر الوریٰ مصباحی	495
۱۵	صدر الشریعہ اور خدمت حدیث	مولانا صدر الوریٰ مصباحی	503
۱۶	کشف الاستار کا مطالعہ	مفتی حبیب اللہ مصباحی	516
۱۷	صدر الشریعہ اور علم اسماء الرجال	علامہ عبد الرحمٰن رضوی	521
۱۸	صدر الشریعہ کی عربی نثر نگاری	علامہ رضوان احمد شریفی	529
۱۹	صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت کشف الاستار کے حوالے سے	مفتی شمشاد احمد مصباحی	537
۲۰	معانی الآثار سے کشف الاستار تک	علامہ کوثر امام قادری	545
۲۱	کشف الاستار اور تراجم رجال	علامہ کوثر امام قادری	550
۲۲	کشف الاستار اور صدر الشریعہ کے افادات	مفتی محمد ابوالحسن مصباحی	565
۲۳	کشف الاستار ایک تحقیقی مطالعہ	مولانا عبد الرحمٰن مصباحی امجدی	573
۲۴	حضور صدر الشریعہ کی اشاعتی خدمات	مفتی نوید اختر قادری امجدی	580
۲۵	صدر الشریعہ اور خانوادۂ صدر الشریعہ کی تحریری و تصنیفی خدمات	مفتی حسان المصطفیٰ قادری امجدی	599
۲۶	صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت بہار شریعت کے آئینے میں	مفتی مشتاق احمد اویسی امجدی	619
۲۷	صدر الشریعہ کی علم حدیث میں مہارت، کشف الاستار کے حوالے سے	علامہ عارف اللہ صاحب	630
۲۸	صدر الشریعہ کا مرتب کردہ نصاب تعلیم	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	648

اختتامیہ

۱	مناقب در شان حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ	شعرائے کرام	653

دعائیہ کلمات

از حضور محدث کبیر ممتاز الفقہاء والمحدثین
علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قبلہ قادری
بانی وسربراہ طیبۃ العلماجامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی کثیر الجہات شخصیت پر آپ کی حیات ہی میں یا اس کے کچھ عرصے بعد تک کام کرنا شروع کیا گیا ہوتا تو آپ کی زندگی کے بہت سے خفیہ گوشے محفوظ ہو جاتے، کیوں کہ آپ اپنے زمانۂ طالب علمی سے ہی علماء کی امتیازی خصوصیات کے حامل تھے۔

میں اپنے زمانۂ طالب علمی کے آخری دور میں حضور حافظ ملت کے ساتھ کسی جلسے میں شرکت کے لیے جونپور پہنچا، وہاں ایک بزرگ جن کے رووئیں اور پلکیں بھویں تک سفید ہو چکے تھے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے تعارف میں یہ الفاظ ادا کیے:

''میں وہ ہوں جس نے آپ کے استاذ حضرت صدر الشریعہ کا دور طالب علمی دیکھا ہے، وہ جب کبھی بازار کی طرف سے گزرتے تو سارے دکان دار اپنی اپنی دکانیں چھوڑ کر نیچے اتر آتے''۔

یہ سن حضور حافظ ملت نے ارشاد فرمایا: ''اُس دور میں جیسے طلبا ہوتے تھے آج ویسے علما بھی نظر نہیں آتے''۔

اس دور میں سرکار آسی علیہ الرحمہ جن کی خانقاہ شریف کی عمارت حضرت علامہ ہدایت اللہ خان صاحب رامپوری علیہ الرحمہ کے مدرسۂ حنفیہ سے بالکل متصل تھی۔ روز آنہ حضرت صدر الشریعہ حضرت سرکار آسی رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے۔ زیارت کے پہلے ہی دن سرکار آسی علیہ الرحمہ نے آپ کا نام دریافت کیا، تو جب آپ نے اپنا اسم گرامی بتایا تو سرکار آسی علیہ الرحمہ فرمانے لگے: نہیں، آج سے تمہارا نام ''مخلص'' رہے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکارِ آسی علیہ الرحمہ پر آپ کا حال و مستقبل روشن ہو گیا تھا۔

صدر الشریعہ اپنے علم کے اعتبار سے معقولات واصول فقہ میں حضرت مولانا ہدایت اللہ رامپوری علیہ الرحمہ کے واسطے سے علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے سچے پرتو تھے۔ اور علم حدیث وفقہ میں حضرت محدث سورتی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس اللہ اسرارہما کے مظہر اتم تھے۔ اعلیٰ حضرت نے تفقہ کے معاملے میں اپنے حاشیہ نشین اصحاب افتاء علماء کے درمیان آپ کو سب پر برتری عطا فرمائی۔ اور اپنی مصروفیت کی بنا پر صرف آپ کو اپنا وکیل بیعت مقرر فرمایا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے علوم ظاہری وباطنی میں اپنے معاصرین پر سبقت رکھتے تھے۔

حضور حافظ ملت کے اصرار پیہم پر حضرت صدر الشریعہ نے مفتی عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ کو چند دن تک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کی خصوصیات اور اپنے کچھ حالات املا کرائے۔ جس کا اکثر حصہ اب تک شائع نہ ہوسکا۔ ان میں بھی کچھ اہم واقعات مذکور ہیں، اور کچھ ایسے حصے درج ہیں جن سے اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں آپ کی خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ کاش کسی صورت آپ کے ورثاء کو خرچ دے کر وہ پورا حصہ طبع کرالیا جائے تو ایک حصۂ حیات منظر عام پر آجائے۔

بہر حال، مجھ کو اس امر پر بہت مسرت ہوئی کہ مولانا علاء المصطفیٰ اور مولانا فیضان المصطفیٰ سلمہما نے حیات صدر الشریعہ کے کچھ اہم گوشوں پر انتھک تفتیش وجستجو کے بعد بہت سے تحقیقی وتفصیلی مواد فراہم کیے ہیں، اور ان کو سہ ماہی امجدیہ کے ''صدر الشریعہ نمبر'' میں شائع کر رہے ہیں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبول عطا فرمائے۔ اور تمام مضمون نگار حضرات کو بھی فیوض وبرکات سے مالا مال کرے۔ اور اس ''صدر الشریعہ نمبر'' کو مرجع وماخذ کا درجہ عطا فرمائے، اور قارئین کو حضور صدر الشریعہ کے فیوض وبرکات سے نوازتا رہے۔

فقط والسلام

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

۲۴ رشوال المکرم ۱۴۴۳ھ

حرفِ اولیں

از: نبیرۂ صدرالشریعہ شہزادۂ حضور محدث کبیر

حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری

ہمارے جدگرامی حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی حیات اور کارناموں پر مشتمل ایک نمبر نکالنا ہمارا دیرینہ خواب تھا، جو ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا، اور عنفوان شباب میں اس پر کوششیں شروع کیں، ہمارے پھوپھی زاد بھائی اور دیرینہ دوست گرامی وقار مفتی محمود اختر صاحب قادری ہمارے ساتھ تھے، ہم آپس میں باتیں کرتے پلان بناتے، اور اپنی استطاعت کے مطابق تگ ودو بھی کرتے رہے، ہم نے کوششیں کر کے مقتدر علمائے کرام سے مقالات بھی حاصل کر لیے، لیکن اس وقت ہمارے پاس وسائل کی کمی تھی، جس کے سبب ہم چاہتے ہوئے بھی صدرالشریعہ نمبر شائع نہ کر سکے۔ پھر ۱۹۹۳ء میں جب ماہنامہ اشرفیہ کی طرف سے صدرالشریعہ نمبر کی اشاعت کی تحریک شروع ہوئی تو ہم نے اپنے جمع کردہ تمام مقالات ماہنامہ اشرفیہ کو دیدیے۔ طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی کے شعبہ نشر و اشاعت نے جوں جوں ترقی کی اس کے ذریعہ صدرالشریعہ کی تصنیفات اور صدرالشریعہ کی حیات وخدمات پر کتابیں طبع ہو کر منظر عام پر آنے لگیں۔ فتاویٰ امجدیہ کی چار جلدوں اور کشف الاستار حاشیہ طحاوی کی دونوں جلدوں کی طبع واشاعت کے بعد اب ضرورت تھی کہ دائرۃ المعارف الامجدیہ کے ذریعہ "صدرالشریعہ نمبر" کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہو جائے۔ اور اس کے لیے رب کریم کی بارگاہ سے یہی وقت متعین تھا۔ بہرکیف، ہمیں بہت خوشی ہو رہی ہے کہ ایک طویل عرصہ سے جس کام کا انتظار تھا وہ اب پایہ تکمیل کو پہنچا۔

اس کام کے لیے ہماری کتنی محنت صرف ہوئی، قدیم مقالات کی کس طرح حفاظت کرنی پڑی، بعد کے اہل قلم سے مضامین لکھوانے میں کتنے جتن کرنے پڑے، اور اس پورے مجموعے کے لیے کتنا انتظار کرنا پڑا یہ ایک لمبی داستان ہے۔ شکر ہے رب کریم کا کہ اس نے یہ پروجیکٹ مکمل کرا دیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

میں اس مجموعے کے تمام قلم کاروں کا تہہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں، خصوصاً ان مشائخ کا جنھوں نے اس فقیر کی گزارش پر اپنے قیمتی تاثرات سے نوازا۔ اس مجموعہ کی ترتیب میں کسی قسم کا بھی تعاون کرنے والوں کے لیے دل سے دعا ہے، خصوصاً سہ ماہی امجدیہ کے مدیر برادرِ عزیز مفتی فیضان المصطفیٰ قادری کے لیے، اور ان کے معاونین مفتی شمیم رضا اویسی، مفتی حسان المصطفیٰ امجدی، اور دیگر اساتذۂ ادارہ، خصوصاً ہمارے ادارے کے سینئر استاذ حضرت مفتی شمشاد احمد مصباحی کے لیے جنھوں نے اس مجموعہ کی ترتیب کے آخری مرحلے میں خاطر خواہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا جس سے اس کی رونق دوبالا ہوگی۔

فجزاهم الله تعالىٰ احسن الجزاء في الدنيا والآخرة

فقیر علاء المصطفیٰ قادری

مدیر طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

3 مئی 2023ء

تهدیہ وانتساب

امام اہل سنت مجدّدِ دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے نام
جنھوں نے دلوں میں عشق رسالت کی شمع جلائی اور انبیائے کرام واولیائے عظام کی عظمتوں کا سکہ بٹھادیا

☆

غزالیٔ دوراں فقیہ اعظم ہند حضور صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے نام
جنھوں نے امام احمد رضا قدس سرہ کی تعلیمات کی اشاعت اور افراد سازی کے لیے پوری زندگی وقف کردی

☆

تاج الشریعہ، مظہر اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ کے نام
جنھوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کی صحیح ترجمانی فرما کر امام احمد رضا قدس سرہ کی نیابت کا حق ادا کردیا۔

☆

ممتاز الفقہاء والمحدثین محدث کبیر حضور علامہ ضیاء المصطفیٰ قبلہ قادری کے نام
جنھوں نے پوری دنیا میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کی فضا بنا کر اس کا دبدبہ قائم کردیا

فقیر فیضان المصطفیٰ قادری

تاثرات

علماء ومشائخ

توصیفی کلمات

از: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ تاج الشریعہ

قائدملت حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خان قبلہ

قاضی القضاۃ فی الہند، سجادہ نشیں آستانۂ تاج الشریعہ خانقاہِ رضویہ بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو گوناگوں خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تحصیل علم کے بعد اولاً آپ کا میلان طب اور حکمت کی جانب تھا اور اسی میں آگے بڑھنے کا ارادہ بھی تھا، مگر آپ کے استاذِ گرامی آپ کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو دین کی خدمت میں استعمال ہوتا دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے آپ کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے طب وحکمت سے آپ کی توجہ ہٹا کر علمی کاموں میں مشغول کر دیا۔ علمی میدان میں قدم رکھتے ہی آپ نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے، جنھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔

★ مدرسہ میں رہ کر ایسے شاگرد تیار کیے، جنھوں نے ہند و پاک کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی علم کی روشنی پھیلائی۔

★ مطبع اہل سنت بریلی شریف کی ادارت سنبھال کر دینی کتابوں کی نشر واشاعت کر کے لوگوں کو صحیح لٹریچر فراہم کیا۔

★ دارالافتا میں رہ کر لوگوں کی فقہی رہنمائی فرمائی، ملک و بیرونِ ملک سے آئے ہوئے سوالوں کا کتاب وسنت واقوالِ فقہا کی روشنی میں تحقیقی جواب عطا فرمایا۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ چار جلدوں میں ''فتاویٰ امجدیہ'' کے نام سے مطبوع و مشہور ہے۔

★ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سے قرآن پاک کا ترجمہ کروا کر مارکیٹ میں دستیاب غلط ترجموں سے لوگوں کو بچایا۔

★ امام ابو جعفر طحاوی کی ''شرح معانی الآثار'' کی جلد اول کے نصف اول پر عربی زبان میں معرکۃ الآراء حاشیہ تحریر فرما کر مذہب امام اعظم ابو حنیفہ کی تائید وترجیح اور فقہ حنفی کے اثبات واظہار میں عظیم کارنامہ انجام دیا۔ آپ کا یہ حاشیہ ''کشف الاستار'' کے نام سے دو جلدوں میں مطبوع ہے۔

★ آسان اردو زبان میں بہار شریعت تصنیف فرما کر ایسا کام کیا، جس سے نہ صرف آپ کے زمانہ میں بلکہ آپ کے بعد بھی عوام وعلمائے اہل سنت اس سے فیضیاب ہوتے رہیں گے اور آپ کو اس کا ثواب جاریہ پہنچتا رہے گا۔

ان کے علاوہ بے شمار دینی، ملی، سیاسی اور سماجی خدمات آپ کی ایسی خدمات ہیں، جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی بارگاہ سے وابستہ ہونے کے بعد آپ نے ہمیشہ اپنے آپ کو بھی وابستہ رکھا اور اپنے اعزاء، اقرباء اور تلامذہ کو بھی وابستہ رکھا۔ اس بارگاہ سے اپنی مضبوطی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میری خانقاہ، میرا مدرسہ، میرا گھر، سب کچھ یہی بارگاہ ہے۔ اس بارگاہ کے شہزادگان بھی آپ کو اپنا بھائی مانتے تھے۔ آپ کی اولادِ امجاد نے بھی اس وابستگی کو اور مضبوط رکھا، جس کا مشاہدہ ہم نے بارہا حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان اور حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ وغیرہ شہزادگان حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی باہمی ملاقاتوں کے دوران کیا۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے کارنامے اور ان کی روش یقیناً مثالی ہے، جس کا جاننا لوگوں کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔ مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک نمبر شائع کرنے جارہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جامعہ کی یہ کوشش قبول فرمائے اور اس نمبر سے لوگوں کو خوب فائدہ پہنچے اور اس کو ترتیب دینے والوں اور شائع کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبي الکریم علیه وعلیٰ آله افضل الصلاۃ واکرم التسلیم

محمد عسجد رضا قادری

بریلی شریف

۵ر شوال المکرم ۱۴۴۲ھ

خراجِ عقیدت بارگاہِ حضور صدرالشریعہ

از: حضور گلزار ملت سید شاہ گلزار اسماعیل واسطی مدظلہ النورانی
سجادہ نشیں آستانۂ فلک، بانی وسربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاسماعیلیہ، مسولی شریف ضلع بارہ بنکی، یوپی

لک الحمد یا اللہ والصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

علمائے شریعت اور مشائخ طریقت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے واقعات وحکایات سننے سے عام لوگوں کے اذہان وقلوب پر خوش گوار اثر مرتب ہوتا ہے، بلکہ لوگوں کے دلوں کی تربیت ہوتی ہے۔ نیک عمل کرنے کا جذبہ اور برائیوں سے بچنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ نکما شخص مردِ طالب بن جاتا ہے۔ دل میں یقین اور ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ تکبر وغرور میں مبتلا عابد وزاہد کو اس کے احکام کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔

غرض یہ کہ اولیائے کرام اور بزرگانِ اہل سنت وجماعت کے احوال وواقعات کے جاننے کے بہت فوائد ہیں۔

یہ بات سچ ہے کہ بزرگوں کے احوال وواقعات جاننے سے دل کو تقویت پہنچتی ہے اور عزم وصبر بڑھتا ہے۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کے واقعات سننے سے دلوں میں ان حضرات کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اولیائے کرام کی محبت خیر کثیر کا سبب ہے، دنیا وآخرت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

لطائف اشرفی میں ہے:

"قدوۃ الکبراء فرمودہ اند کہ سخن ہائے مشائخ ودوستان حق تعالیٰ ودوستی ایشاں ترا بایشاں افگند چنانچہ گفتہ اند المودۃ احدی القرابتین وگفتہ اند لا قرابۃ اقرب من المودۃ ولا بعد ابعد من العداوۃ"۔

یعنی حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ مشائخ اور دوستانِ خدا کی باتیں اور ان کی دوستی تم کو انھیں دوستوں میں داخل کر دیتی ہے۔ جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دوستی دونوں قرابتوں یعنی رشتۂ نسبی اور رشتۂ محبت میں سے ایک قرابت ہے۔ اور فرمایا کہ کوئی یگانگت دوستی سے زیادہ یگانگت نہیں ہے اور کوئی بے گانگی عداوت سے بڑھ کر بے گانگی نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ "المرء مع من احب"۔ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

فقیر قادری کو معلوم ہوتے ہی از حد خوشی ہوئی کہ عرسِ امجدی ۱۴۴۴ھ کے پُر نور وپُر بہار موقع پر حضور سیدنا صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ کی حیات و خدمات، احوال و واقعات، فضائل و کمالات پر مشتمل تاریخی دستاویز بنام ''صدر الشریعہ نمبر'' منظر عام پر آرہا ہے، جس میں ملک وملت کے مقتدر علما ومشائخ اور دانشوران کے گراں قدر علمی و تحقیقی مضامین شامل ہوں گے۔ میں اس تاریخی اور تحقیقی نمبر کی اشاعت پر خانوادۂ امجدیہ بالخصوص حضور سیدنا محدثِ کبیر مدظلہ العالی اور لکھنے والے تمام صاحبان قلم کو صمیم قلب سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صدر الشریعہ قدس سرہ کو گونا گوں اوصاف و کمالات سے سرفراز فرمایا تھا۔ علم وعمل، تقویٰ وطہارت میں بلند رتبہ پر فائز تھے۔

حضور صدر الشریعہ کو حضور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو والہانہ عقیدت تھی، وہ اظہر من الشمس ہے۔ اور حضور صدر الشریعہ کا حضور سیدنا حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خان اور حضور سرکار مفتی اعظم عالم اسلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو مضبوط تعلق تھا، وہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور الحمد للہ! آج بھی وہ دلی وروحانی تعلق ہے کہ پورے طور پر قول وفعل میں حکم وفتویٰ میں متفق ہیں اور معتمد نظر آتے ہیں۔ بالخصوص حضور محدثِ کبیر دام فیوضہ کی عبقری شخصیت جو برصغیر کے اندر علم وعرفان میں بے نظیر ہے۔ آپ کا تعلق حضور سیدنا تاج الشریعہ علیہ الرحمہ سے اس قدر گہرا تھا کہ حضور تاج الشریعہ اپنے فیصلے اور تحقیقی، فقہی مسائل اور فقہی سیمینار میں آپ کو ممتاز مقام وحیثیت دیتے اور اپنا معتمد خاص قرار دیتے۔

دعا گو ہوں کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل مدیر اعلیٰ سمیت جملہ رفقا اور معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضور صدر الشریعہ کے فیضانِ کرم سے مالا مال فرمائے اور ان کی برکتوں سے عالم اسلام کو بہرہ مند فرمائے۔ خانوادۂ امجدیہ کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی شریف کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ حضور سیدنا محدثِ کبیر کا سایۂ عاطفت ہم سبھی کے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دعا گو

سید گلزار اسماعیل واسطی

تاثرات

از حضرت علامہ سید محمد حسینی میاں زید مجدہ ناگ پور

میری نظر میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا علمی مقام اتنا بلند ہے کہ اگر یہ دور عالمگیری میں ہوتے تو شاہ اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان آپ کو فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں ضرور شامل فرماتے۔ آپ پر اجتہادی رنگ بالکل غالب تھا۔ جس طرح سرکار اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام بے عدیل و بے مثال ہے، اسی طرح صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان بھی اس میدان میں یکتائے روزگار نظر آتے ہیں۔ جب ہماری نگاہ آپ کی طرف اٹھتی ہے تو ہماری عقلیں حیران رہ جاتی ہیں کہ تنہا ایک انسان میں اتنی خوبیاں کیسے اکٹھے ہوسکتی ہیں؟ جب سے آپ سرکار اعلیٰ حضرت سے وابستہ ہوئے، پوری دنیا نے آپ کے علمی جاہ وجلال کو تسلیم کیا۔ آپ نے فقہی مسائل پر مشتمل جو کتاب بنام "بہار شریعت" تالیف فرمائی، وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔ آج کوئی ایسا دار الافتا نہیں، جس میں یہ کتاب موجود نہ ہو، اپنے تو اپنے غیر بھی اس کتاب سے استفادہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔

مجھے واقعہ یاد آتا ہے کہ جب حضور صدر الشریعہ اجمیر شریف میں پڑھا رہے تھے تو اس وقت آپ نے علم نحو کی معتبر اور مشہور کتاب "شرح جامی" کا حاشیہ تحریر فرمایا، جو میرے پاس امانت کے طور پر کسی نے بھیجا، میں نے اسے بہ حفاظت رکھ لیا اور بعدہٗ بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کے حوالے اس حاشیے کو یہ کہتے کر دیا کہ آپ اس پر کچھ کام کیجیے، مفتی صاحب قبلہ نے حامی بھری اور فرمایا کہ میں اس پر کام کرتا ہوں، لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ حاشیہ کہیں گم ہوگیا، جس کا مجھے بے حد افسوس ہوا کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا لکھا ہوا اتنا ضخیم حاشیہ آج میرے ہاتھوں گم ہوگیا۔ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اس پر کام کروں گا، لیکن پتہ نہیں کس طرح وہ حاشیہ آپ کے پاس سے گم ہوگیا۔ خیر مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے یہ حاشیہ حضور محدث کبیر دام ظلہ العالی کو دینے کے بجائے مفتی عبد المنان صاحب کو دے دیا۔ خیر اس حاشیہ سے بھی حضور صدر الشریعہ کے علمی معیار کا پتہ چلتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کے بعد فقہ حنفی پر جو کام ہوا، وہ فتاویٰ رضویہ کی صورت میں مسلم ہے، جس کی نظیر کئی صدی پہلے تک نہیں ملتی، لیکن اس باب میں بہار شریعت بھی کچھ کم نہیں، بلکہ اپنی ضخامت اور افادیت میں انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی بہت زیادہ قدر کرتا ہوں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میں صرف صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ہی نہیں، بلکہ آپ کے

خانوادے کے جملہ افراد کی بھی حد سے زیادہ قدر اور عزت کرتا ہوں۔

میری نظر میں محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری دام ظلہ العالی اس دور کے بہت بڑے فقیہ ہیں اور عظیم فقاہت کے درجے پر فائز ہیں، جب بھی اسلاف کے خلاف فتوے دیے گئے، آپ نے سب سے زیادہ اس کا تعاقب فرمایا اور لوگوں کو اسلاف شناسی کا درس دیا اور بعینہٖ یہی طریقہ حضور صدر الشریعہ اور حضور حافظ ملت کا بھی تھا، اور الحمد للہ! فقیر نے بھی ہمیشہ مسلک اعلیٰ حضرت کا دفاع کیا، جس کی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔

میری نظر میں صدر الشریعہ اعلیٰ حضرت کے بعد دنیائے سنیت کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت نے محضر علما میں آپ کے متعلق فرمایا کہ "میں ان کو ہندوستان کا قاضی القضاۃ مقرر کرتا ہوں" اور مفتی اعظم کے متعلق فرمایا کہ "یہ افتا کا کام کریں گے" اور حضور برہان ملت کے متعلق فرمایا کہ "یہ ان کی معاونت کریں گے"۔ یہ تین ایسی اہم شخصیات ہیں، جنہیں رہتی دنیا تک کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان حضرات کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ خدا اسلامت رکھے ان تینوں بزرگوں کے خوانوادوں کو، بالخصوص خانوادۂ صدر الشریعہ کو جس نے آج بھی فقاہت کو زندہ رکھا، جس کا ہر فرد فقیہ اور عورتیں بھی مرتبہ فقاہت پر فائز ہیں۔

میں اس وقت شدید پریشانی اور تکلیف میں گزر رہا ہوں، میرا پاؤں ٹوٹا ہوا ہے، میں چل نہیں سکتا، نہ ٹھیک سے بیٹھ سکتا ہوں، ورنہ میں کافی بہتر طریقے سے اپنے تاثرات لکھ کر پیش کرتا۔ بہر کیف میں نے جو کچھ بھی بیان کیا، اسے قبول کریں اور محفوظ کر لیں۔ اور میں آپ تمام لوگوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حوالے سے نمبر شائع کرنے کا عزم مصمم فرمایا اور مجھے بھی چند جملے پیش کرنے کی گزارش کی۔

خیر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ جب بھی اعلیٰ حضرت کے سچے جانشین کا نام لیا جائے گا تو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا نام ضرور آئے گا۔ آپ ایک عظیم فقیہ ہیں، عظیم مفتی ہیں، بے شمار فضائل و کمالات کے حامل ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی قبر انور کو جنت کی بہاروں میں سے ایک بہار بنائے۔ اور ایسا نہیں کہ صدر الشریعہ کا صرف مقام فقاہت ہی بلند ہے، بلکہ میں نے ایک صاحب کے ہاتھ میں ایک کتاب بنام "بہار طریقت" دیکھی، جو صدر الشریعہ کے شاگرد تھے اور چھتیس گڑھ کے رہنے والے تھے۔ ان کے پاس کچھ اوراق تھے، جسے پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ صدر الشریعہ نے طریقت کے باب میں بھی وہ نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے، جسے دیکھ کر علما اور صوفیا دنگ رہ جائیں۔

اخیر میں آپ حضرات کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے اس کم علم سے بھی کچھ الفاظ لکھوائے۔ رب قدیر آپ لوگوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

تاثرات

از حبیب ملت حضرت علامہ غلام محمد حبیبی قبلہ دھام نگر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحمدہ ونصلی ونسلم علی حبیبہ الکریم

یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے سہ ماہی رسالہ ''امجدیہ'' کا معلوماتی، معیاری اور ضخیم ''صدر الشریعہ نمبر'' بہت جلد منظر عام پر آنے والا ہے۔

حضور صدر الشریعہ، بدر الطریقہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے علمی فیضان سے جہاں پوری دنیا فیض یاب ہے، وہیں میرے آقا، میرے مرشد حضور مجاہد ملت قدس سرہ کے توسط سے صوبۂ اڑیسہ کا گوشہ گوشہ بھی تجلیاتِ امجدی سے روشن وتابناک ہے۔ آپ، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ارشد تلامذہ اور خصوصی فیض یافتہ افراد میں سے ہیں، جن کے بارے میں شفیق جون پوری نے بجا طور پر یہ شعر کہا تھا کہ ؎

ترے خدام اے صدر شریعت

جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں

حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری اور ان کے جملہ رفقا کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، جنھوں نے ایک عظیم علمی وروحانی شخصیت کی حیات وکارناموں سے نئی نسل کو روشناس کرانے کا اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی خدمات قبول فرمائے اور امجدی فیضان سے ہم سبھوں کو مالا مال کرے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم

فقیر سید غلام محمد حبیبی

خادم منصب تولیت وسجادگی خانقاہِ حبیبیہ، دھام نگر شریف، اڑیسہ

مورخہ ۲۷ر اپریل ۲۰۲۳ء

دعائیہ کلمات

از شہزادۂ صدر الشریعہ مفتی بہاء المصطفیٰ قادری جامعۃ الرضا بریلی شریف

بڑی مسرت کی بات ہے کہ جامعہ امجدیہ رضویہ سے صدر الشریعہ نمبر شائع ہورہا ہے۔ یہ کام بہت پہلے ہونا چاہیے تھا، مگر دیر آید درست آید، دیر سے منظر عام پر آنے کے سبب ہمیں توقع ہے کہ یہ نمبر اب تک صدر الشریعہ پر کیے گئے تمام کاموں میں سب سے جامع تر ہوگا۔ ہمارے خزینہ معلومات میں اباجی کے حوالے سے معلومات کی کمی نہیں تھی، لیکن اب لکھنے کا وقت گزر گیا اور بہت ساری باتیں یاد نہیں رہیں، پھر بھی ہم نے اپنی یادداشت سے کچھ معلومات تحریر کر کے پہلے ہی ارسال کر دیا تھا جو اس میں مجموعہ میں شامل ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ مولانا علاء المصطفیٰ قادری نے اس کام کی اہمیت کو سمجھا اور ہمارے بھتیجے مفتی فیضان المصطفیٰ قادری کو اس کام پر لگایا، اور ان دونوں کی محنتوں اور کوششوں سے آج اتنا ضخیم صدر الشریعہ نمبر منظر عام پر آرہا ہے۔ اس سے قارئین کو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے متعلق بہت سی نئی معلومات حاصل ہوں گی، اور اہل سنت کے لیے یہ ایک دستاویز ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سہ ماہی امجدیہ کی ٹیم کو سلامت رکھے، اور تمام مقالہ نگاروں کو دنیا و آخرت کی سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین

دعا گو

بہاء المصطفیٰ قادری

قادری منزل گھوسی شریف

☆☆☆

تاثرات

از شہزادۂ صدر الشریعہ علامہ فداء المصطفیٰ قادری گھوسی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرزمین گھوسی، زمانہ دراز سے علما اور حکما کا مرکز رہی ہے اور اسی وجہ سے لوگوں نے اس علاقہ کو مدینۃ العلما کا خطاب دیا ہے۔ یہاں کی سب سے عظیم شخصیت، جس نے اس علاقہ کو شہرتِ عام عطا فرمایا، وہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی تھی۔ حضرت صدر الشریعہ علم و حکمت کے بحرِ بے کراں تھے، جن کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہہ کرنے والے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

آپ کی تصنیفات سے آج سارا عالم اسلام مستفیض ہو رہا ہے۔ کوئی درس گاہ اور کوئی دار الافتا یا لائبریری نہیں ہے، جس میں حضرت صدر الشریعہ کی تصنیفات موجود نہ ہوں۔

یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ''سہ ماہی امجدیہ'' کے ادارہ سے صدر الشریعہ نمبر منظر عام پر لایا جا رہا ہے، جس میں حضرت صدر الشریعہ کے وہ کمالات اور وہ خوبیاں جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھیں، اس پر بھرپور روشنی ڈالی جائے گی۔

میں دعا گو ہوں کہ اس مجلّہ کو اللہ تعالیٰ شرفِ دوام عطا فرمائے اور لوگ حسب استطاعت اس سے استفادہ کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ اسے لوگوں کے لیے علم کا سرچشمہ بنا دے۔ آمین

فقیر فداء المصطفیٰ قادری غفرلہ

قادری منزل گھوسی مئو

۲۹/ اپریل ۲۰۲۳ء

☆☆☆

تاثرات

از: تاج الفقہاء حضرت علامہ مفتی اختر حسین علیمی صدر شعبہ افتاء دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی

دنیائے اسلام کا عظیم سرمایہ، اسلاف کی پاکیزہ امانتوں کا امین، آسمانِ فقہ وفتاویٰ کا بدرِ منیر، دنیائے علم وحکمت کا غواص، بحرِ فضل وکمال کا درِ نایاب، محاسن وفضائل کا عطر مجموعہ، معارف وکمالات کا گلدستہ، محدث سورتی کی زندگی کا انمول ہیرا، علامہ ہدایت اللہ رامپوری کا تلمیذِ یگانہ، مجددِ اعظم کا افقہ الفقہاء، حجۃ الاسلام کا بحرِ ذخار، صدر الافاضل کا عبقری مدرس، محدث اعظم ہند کا مجمع البحرین، علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی کی علم کی لائبریری، علامہ سید سلیمان اشرف کی یادگارِ اسلاف، علامہ ضیاء الدین پیلی بھیتی کا مرجع، مفتی اعظم ہند کا معتمد، اکابر کا اعتبار، اصاغر کا استناد، عشق رسالت کا پیکر جمیل، زہد وتقویٰ کا بلند مینار، صبر وشکیب کا کوہِ ہمالہ، توکل وقناعت کا مہر تاباں، شریعت وطریقت کا حسین سنگم، صدق وصفا کا مجسمہ، برصغیر کا وقار، متحدہ ہندوستان کا قاضی القضاۃ، بزم تفقہ کا صدر الشریعہ، ملک تصوف کا بدر الطریقہ، میدانِ تدریس کا استاذِ مطلق، اقلیم تربیت کا تاجدار، مملکتِ تفہیم کا شہنشاہ، جماعت اہل سنت کا نگہبان، چمنستان دین ودیانت کا پاسبان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا بے لوث نقیب وترجمان ہے وہ ذات پاک جس کا پیارا نام ابو العلی امجد علی رضوی اعظمی ہے۔

درسگاہ سے لے کر خانقاہ تک، مکتب سے لے کر جامعہ تک، کالج سے لے کر ایوانِ سیاست تک جس کی دانش وبینش کی خوشبو سے معطر ہے، حلقہ دعوت وتبلیغ محفل تصنیف وتالیف اور مجلس بحث ومناظرہ میں جس کے حسن جہاں آرا کے انوار بکھرے ہوئے ہیں، اس کے تعارف کے لیے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باتفاق عرب وعجم مجدد وقت تھے، اور مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: ''مجدد اپنے وقت کے اولیاء کا سردار ہوتا ہے''۔

اس ارشاد کی روشنی میں سیدنا امام احمد رضا قادری قدس سرہ بلاشبہ سردار اولیاء تھے، اور ارشاد وبیعت کے حوالے سے حضور صدر الشریعہ آپ کے وکیل بالبیعت تھے۔ اب اندازہ لگایا جائے کہ حضور صدر الشریعہ روحانی دنیا کے کس فلک پیما کا نام ہے۔ آج ہندوپاک کی علمی بہار کا خوشنما منظر اور خوشگوار ماحول صدر الشریعہ کی جہد مسلسل اور پیہم تگ ودو کی رہین منت ہے۔

مقررین وواعظین، محدثین ومفسرین، فقہاء ومتکلمین، مناظرین ومصنفین اور مشائخ ومدرسین کی مقدس جماعت کا علمی شجرہ

دیکھنے کے بعد زبان بے ساختہ کہتی ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اسی نابغۂ روزگار شخصیت کی تجلیات زیست سے امت مسلمہ کے قلوب واذہان کو تابندہ ودرخشندہ کرنے کے لیے خانوادۂ امجدیہ کے اربابِ بصیرت اور صاحبانِ علم وحکمت خصوصاً شہزادۂ حضور محدث کبیر فاضل جلیل حضرت علامہ علاء المصطفیٰ قادری ناظم اعلیٰ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی شریف ضلع مئو، اور نبیرۂ حضور صدر الشریعہ حامل علوم عقلیہ ونقلیہ نور دیدۂ خانوادۂ امجدیہ علامہ مفتی محمد فیضان المصطفیٰ قادری صاحب سربراہ جامعہ امام اعظم ابوحنیفہ بالا گنج لکھنؤ نے سہ ماہی امجدیہ کا ''صدر الشریعہ نمبر'' نکالنے کا منصوبہ بنایا، اور تائید ایزدی سے اس کے منصۂ شہود پر آنے کا مسرت انگیز اور فرحت بخش وقتِ ہمایوں بھی آپہنچا۔

اس پر بہار موقع پر فقیر دل کی گہرائی سے جملہ شرکاء بزم عمل کی خدمت میں ہدیہ تبریک اور گلدستہ تہنیت پیش کرتا ہے، اور بارگاہ صمدیت میں شرف قبول کے خلعت فاخرہ سے نوازش کی التجا کرتا ہے۔

محمد اختر حسین قادری

خادم دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی

۱۳؍شوال المکرم ۱۴۴۴ھ/۴؍مئی ۲۰۲۳ء

تاثرات

از: قاضی شہر ممبئی نبیرۂ صدر الشریعہ مفتی محمود اختر القادری ممبئی

یہ جان کر مسرت ہوئی کہ سہ ماہی امجدیہ کے ذریعہ ''صدر الشریعہ نمبر'' کی اشاعت ہورہی ہے۔ خانوادۂ امجدیہ پر یہ بہت بڑا قرض تھا جسے عزیز گرامی قدر مولانا علاء المصطفیٰ قادری اور ان کی ٹیم نے اب اتار دیا ہے۔ ہم لوگوں نے طالب علمی کے دور سے ہی اس پر کام شروع کیا تھا، اس کے لیے دائرۃ المعارف الامجدیہ کی بنا ڈالی گئی تھی، اس وقت بڑے حوصلوں کے ساتھ مقالات بھی لکھوائے گئے، لیکن اس وقت ہماری کوشش منظر عام پر نہ آسکی، اس لیے کہ اس کے لیے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ وقت متعین تھا، ہمیں بتایا گیا کہ سہ ماہی امجدیہ کا صدر الشریعہ نمبر اصالۃً انھیں مقالات پر مشتمل ہے جو اس وقت اکابر علمائے اہل سنت بلکہ چند تلامذۂ صدر الشریعہ سے لکھوائے گئے تھے۔

اس فقیر کو قلبی مسرت اس لیے بھی ہورہی ہے کہ اگر چہ اس وقت کسی مفصل مقالے سے ہم شرکت نہیں کر پارہے ہیں لیکن اس کی اولین کوششیں میں اس فقیر کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ رہا ہے۔

سہ ماہی امجدیہ کی بزم ادارت خصوصا مولانا فیضان المصطفیٰ قادری اور دیگر معاونین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم کام ان حضرات کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہنچنا لکھا تھا۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اوصاف وکمالات اور علمی خدمات اس قدر وسیع ہیں کہ ملک و بیرون ملک اہل سنت کی ہر مسجد ہر مدرسہ اور ہر خانقاہ ان کے علمی فیضان سے فیضیاب ہوا ہے۔ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا جو گراں قدر کارنامہ حضور صدر الشریعہ نے انجام دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، ان کی شخصیت پر یہ نمبر بہت پہلے معرض وجود میں آجانا چاہیے تھا، مگر ''صدر الشریعہ حیات وخدمات'' نے بھی صدر الشریعہ کے نیازمندوں کو بہت حد تک سامانِ تسکین فراہم کیے، اب صدر الشریعہ نمبر منظر عام پر آچکا تو ہم تمام اہل سنت کو اس کی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ جن جن کی مساعی اس میں شامل ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

فقیر محمود اختر القادری

امجدی رضوی دار الافتاء ممبئی

۵ر شوال المکرم ۱۴۴۴ھ

تاثرات

از: نبیرۂ صدر الشریعہ جانشین حضور محدث کبیر حضرت مفتی عطاء المصطفیٰ قبلہ قادری

بانی وسربراہ مدرسہ صادق الاسلام کراچی

باسمہ تعالیٰ

الحمد لله لوليه والصلوٰة والسلام علىٰ نبيه وعلى اله وصحبه اجمعين

گرامی قدر مولانا فیضان المصطفیٰ اعظمی زید حبہ نے حکم دیا کہ عرس امجدی کے پُر بہار و پُر نور موقع پر صدر الشریعہ نمبر شائع کیا جارہا ہے، جس میں ملک و بیرونِ ملک کی عظیم المرتبت شخصیات کے مضامین اور تاثرات شامل ہیں۔ مولانا موصوف کی خواہش ہے کہ حقیر فقیر سراپا تقصیر کے قلم سے بھی چند سطور شامل ہو جائیں، اگرچہ ناچیز اپنی کم علمی و بے بضاعتی کے باعث اس قابل نہیں کہ دنیائے اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق کچھ قلم بند کرے، لیکن اس امید پر چند سطور صفحۂ قرطاس کے سپرد کر رہا ہوں کہ حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ کی بارگاہ عالی میں قبول ہو گئے تو میری قسمت جگمگا اٹھے گی اور دنیا و آخرت کی کامیابی ہاتھ آجائے گی۔

حضور فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے اگرچہ بالاستیعاب سبقاً سبقاً اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت مجدد دین وملت کی بارگاہِ عالی مرتبت سے درس نہیں لیا، مگر ان کے پاس جو کچھ ہے سارے کا سارا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ہی کا فیض ہے، بلکہ خانوادۂ امجدیہ میں آج جو کچھ بھی فیض نظر آرہا ہے سب اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان ہی کا ہے۔ آج اگر ممتاز الفقہا سلطان الاساتذہ محدث کبیر مدظلہ العالی کا جو دنیا میں ڈنکا بج رہا ہے اور ان کی ذات سے دنیائے اسلام جو فیض پا رہی ہے وہ بھی اسی بارگاہِ عالی مرتبت کا فیض ہے۔ حضور صدر الشریعہ کی ذات میں جو شریعت کی بہار و صدارت نظر آرہی ہے وہ بھی فاضل بریلوی ہی کا فیض خاص ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے دل میں دین متین کی اہمیت، مذہب حق اہل سنت وجماعت کا درد اور خدمتِ مذہب وملت کا جذبہ بے دار ہوا، پھر آپ کے اندر احکام دینیہ کے پھیلانے اور مذہب حق کی اشاعت اور اس پر خواص وعوام کو استقامت کا پہاڑ بنانے میں حضور صدر الشریعہ نے جو کردار ادا کیا رہتی وہ سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ اسی لیے خود حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فخر کے ساتھ فرماتے: ”اگر یہ کام (بہار شریعت کی تصنیف) مجدد وقت شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب علیہ الرحمہ دیکھتے تو مجھے سونے سے تولتے“۔ اس کے علاوہ آپ نے دنیا میں خدام دین علمائے کرام کی لمبی قطار کھڑی کر دی اور عوام الناس کو احکامِ دینیہ سیکھنے کا حوصلہ دیا، اسی لیے

بہار شریعت کی تصنیف کا عزم وارادہ فرمایا۔ آج بھی صدر الشریعہ کے خون میں یہ سلسلہ کسی نہ کسی نہج پر جاری اور برقرار ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ فاضل ومحدث بریلوی کا یہ فیض حضور صدر الشریعہ کے ذریعہ ان کی نسل پاک سے وسیع سے وسیع تر پیمانہ پر پھیلتا رہے اور حضور صدر الشریعہ کے فیض کا باڑا بٹتا رہے۔

سلامی جا بجا ارض وسماں دیں
مہ وخورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خدام اے صدر شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں

ع .... آسماں ان کی لحد پر گہر افشانی کرے

عطاء المصطفیٰ قادری
کراچی، پاکستان

تاثرات

از: نبیرۂ صدرالشریعہ شہزادۂ محدث کبیر حضرت مفتی جمال مصطفیٰ قادری

پرنسپل جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی شریف

انتہائی مسرت وشادمانی حاصل ہورہی ہے کہ ہمارے عظیم محسن جد اعلیٰ سرکار صدرالشریعہ کی دینی خدمات پر مشتمل ''صدر الشریعہ نمبر'' عرس امجدی کے حسین موقع پر منظر عام پر آرہا ہے۔ یہ عظیم نمبر نبیرۂ صدرالشریعہ مولانا علاء المصطفیٰ قادری ناظم اعلیٰ جامعہ ھذا اور نبیرۂ صدرالشریعہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری کی کاوشوں اور جانفشانی سے دائرۃ المعارف الامجدیہ کے زیر اہتمام ناظرین کی بارگاہ میں حاضر ہے۔

حضور صدرالشریعہ قدس سرہ کی ذات کمالات کی جامع تھی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ حضور صدرالشریعہ قدس سرہ العزیز، امام اہل سنت مجدد دین ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احب الخلفا ومعتمد خاص تھے۔ آپ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ مجمع البحرین، فقیہ اعظم، صدر شریعت، بدر طریقت، حکیم الامت، محسن اہل سنت، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، بقیۃ السلف سیدنا مفتی محمد امجد علی مصنف بہار شریعت قدس سرہ علم وعمل وتواضع وانکساری، شفقت ومروت، عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، جود وسخا اور اخلاق حسنہ الغرض جملہ صفات عالیہ آپ کی ذات میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ حضرت صدرالشریعہ ساری زندگی خلوص وللّٰہیت کے ساتھ تصنیف وتالیف، درس وتدریس وتعلیم وتعلم کی صورت میں حقیقی دین اسلام کی خدمت کرتے رہے اور آپ نے اپنے بعد آنے والوں کے لیے ایسے ناقابل فراموش نقوش ثبت فرمائے ہیں کہ انشاء اللہ جس کا اثر قیام قیامت تک قائم رہے گا، اور خدام دین کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ حضور صدرالشریعہ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی خدمت میں اٹھارہ سال گزارے ہیں، آپ کی جدوجہد اور دینی مصروفیات دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ ایک انسان اتنے کام بھی کرسکتا ہے؟ آپ کو انجمن اہل سنت کی نظامت کے علاوہ مدرسہ میں درس وتدریس اور کتابوں کی ترسیل اور خطوط کے جوابات اور پریس کے سارے امور آپ تنہا انجام دیا کرتے تھے، ان کاموں کے علاوہ اعلیٰ حضرت کے پاس مسودات کا مبیضہ کرنا خطوط کی نقل اور ان کی خدمت میں فتویٰ لکھنا یہ سارے کام مستقل طور پر انجام دیتے تھے، پھر شہر وبیرون شہر کے دینی جلسوں میں شرکت فرماتے تھے، بعد نماز عصر مغرب تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں نشست فرماتے، بعد مغرب عشاء تک اور بعد عشا بارہ بجے رات تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں فتویٰ کا کام انجام

دیتے اس کے بعد گھر واپسی ہوتی اور کچھ تحریری کام کرنے کے بعد تقریباً دو بجے رات میں آرام فرماتے آپ کی اس محنت شاقہ وعزم واستقلال سے اس دور کے بڑے بڑے اکابر علما بھی حیران رہ جاتے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بھائی مولانا محمد امجد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "مولانا امجد علی کام کی مشین ہیں" اور وہ بھی ایسی مشین جو کبھی فیل نہ ہو، صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو ہمہ وقت دین کے کاموں کی ایسی دھن طاری تھی کہ دن رات اخلاص سے دینی امور میں محو رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ اقدس میں وہ مقبولیت حاصل تھی کہ جب اعلیٰ حضرت سخت علیل ہوگئے اور گھر سے دارالافتاء میں بھی آنے سے معذور ہوگئے تو گھر میں یہ فرمایا کہ موجودہ علما میں اگر صدرالشریعہ کبھی کسی وقت مجھ سے ملنے کی خواہش کریں تو فوراً پردہ کرکے میرے پاس آنے دیا جائے اتنی چاہت اعلیٰ حضرت کو صدرالشریعہ سے تھی، بخوف طوالت اتنے ہی پر اکتفاء کرتا ہوں، اور میں دعا گو ہوں کہ مولیٰ عزوجل اس کاوش کو مقبول خاص وعام بنائے اور اپنے محسنین کی خدمات کا ذکر جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمام قلم کاروں کو دارین کی سعودتوں سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

حقیر فقیر جمال مصطفیٰ قادری

خادم طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مؤ

تاثرات

از: نبیرۂ صدر الشریعہ جانشین حضور محدث کبیر حضرت علامہ ابو یوسف محمد قادری ازہری

ولی عہد آستانہ امجدیہ واستاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جانشین علامہ فضل حق خیر آبادی علامہ ہدایت اللہ رامپوری علیہ الرحمہ سے معقولات ومنقولات کا علم حاصل کر کے اپنے سینے کو لبریز کیا۔ امیر المومنین فی الحدیث علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ سے علوم حدیث نبویہ حاصل کر کے اپنے قلب مبارک کو منور کیا۔ امام العارفین آسی غازی پوری علیہ الرحمہ سے تصوف کا تاج اپنے سر پر آراستہ کیا۔ اور امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہِ فیض سے ظاہری وباطنی علوم سے خود کو سنوارا اور انھیں کی بارگاہ سے نور علم کے زیور سے اپنے وجود کو جگمگایا، جسے دنیا صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے لقب سے جانتی اور پہچانتی ہے، جس کے بارے میں سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا :

''میرا امجد مجد کا پکا جس سے بہت کچپاتے یہ ہیں''

ان کی عظمتِ شان کے لیے اعلیٰ حضرت کا یہی قول کافی ہے کہ:

''مولانا امجد علی جب میری بارگاہ میں ہوتے ہیں تو مجھ پر مضامین کے ورود کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ قلم ساتھ نہیں دیتا''۔ سیدنا صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے جنھیں مجمع البحرین کہا۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے اولین ترجمان حضور صدر الشریعہ کی بارگاہ جہاں طالبانِ علوم نبویہ کی سیرابی کے لیے کافی تھی وہیں معرفت وآگہی کے لیے آج بھی ان کا مزار پُر انوار مرکز خلائق ہے۔

آپ کی پوری زندگی خدمت دین اور اشاعت علم دین میں صرف ہوئی۔ احقاق حق اور ابطال باطل آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ صدر الشریعہ کا نام سن کر تھانوی ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگا پھرتا رہا، اور اسے کہیں جائے پناہ نہ ملی۔ اس دور پُر فتن میں ایسی عظیم شخصیت پر کام کرنے کی اشد ضرورت تھی، تاکہ ان کے کارناموں کو پڑھ اور سن کر کام کرنے والوں کو ہمت ملے اور رد بد مذہباں کے اصول وضوابط سیکھ سکیں۔

بہت مسرت کی بات ہے کہ نبیرۂ صدرالشریعہ حضرت علامہ مولانا فیضان المصطفیٰ قادری زید مجدہ نے بہت جانفشانی کے ساتھ یہ بیڑہ اٹھایا اور بہت ہی عرق ریزی سے اس موضوع پر کام کیا۔ ان کی کاوشوں کا یہ نتیجہ ہے کہ آج حضور صدرالشریعہ کی تفصیلی حیات وخدمات قوم کے ہاتھوں میں ہے۔

اس مشن کے مرکزی محرک میرے برادر اکبر حضرت علامہ مولانا علاء المصطفیٰ قادری زید شرفہ ناظم اعلیٰ طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اقبال کو بلندی ودوام بخشے اور ان کے کارہائے نمایاں کو قبول فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے، اور فیضانِ صدرالشریعہ سے ہم سب کو فیضیاب فرمائے، اور مفتی فیضان المصطفیٰ قادری کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر ابو یوسف محمد قادری

ولیعہد آستانہ امجدیہ گھوسی شریف

۱۵ر شوال المکرم ۱۴۴۲ھ

☆☆☆

تاثرات

از: علامہ حافظ وقاری غلام سبحانی صاحب آرلنگٹن امریکہ

مکرمی ومحترمی حضرت علامہ مولانا الحاج علاء المصطفیٰ قادری زید مجدہ وشرفہ!

سلام ورحمت

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ شاہ ابو العلاء حکیم امجد علی قادری رضوی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان مصنف بہار شریعت کی حالات زندگی اور ان کی حیات وخدمات کا مجموعہ یعنی صدر الشریعہ نمبر امسال عرس امجدی کے موقع پر شائع کررہے ہیں، اور اس کے لیے مفتی فیضان المصطفیٰ قادری کا انتخاب بھی بہت خوب ہے، موصوف صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے طرز عمل پر دینی خدمات پر ہندوستان ہی نہیں بلکہ امریکہ میں بھی داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں، اس سے پہلے مصنف اعظم نمبر اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا حاشیہ طحاوی بنام کشف الاستاران کی طرف سے قدرداں علمائے کرام کے لیے قیمتی علمی خزانہ ثابت ہوا۔

آپ اور آپ کی پوری ٹیم دائرۃ المعارف الامجدیہ کے پلیٹ فارم سے درجنوں کتابیں بالخصوص صدر الشریعہ کی سوانح حیات اور ان کی حیات وخدمات شائع کرنے پر قابل مبارکباد ہیں۔

رب قدیر اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ استاذ گرامی امین علوم صدر الشریعہ حضور محدث کبیر دامت برکاتہ کے زیر سر پرستی اس علمی کارواں کو مزید استحکام بخشے اور ان کاوشوں کو قبول عام وتام فرمائے، اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوات و اکمل التسلیم

فقیر غلام سبحانی رشیدی

خادم ضیاء القرآن مسجد، آرلنگٹن، امریکہ

☆☆☆

رشحات اداریہ

مفتی فیضان المصطفیٰ قادری

سہ ماہی امجدیہ کا صدر الشریعہ نمبر

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری

زندگی کی بھاگ دوڑ میں جو ہمیشہ سب سے آگے رہتا ہے اسی کا نام ہے ''وقت''، باقی سب اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، وقت سب کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے، اور خود بلا توقف بڑی بے نیازی کے ساتھ آگے بڑھتا جاتا ہے، ہم تو تھک کر راحت کے سانس بھی لے لیتے ہیں، لیکن وقت کا گھوڑا نہ رکتا ہے نہ تھکتا ہے۔ اسے کسی نے مجموعۂ آنات کہا کسی نے حرکتِ افلاک، مگر سچی بات یہ ہے کہ اس کی حقیقت لوگ سمجھ سکے نہ سمجھا سکے۔ عجیب بات ہے کہ اس دنیا میں کچھ کر گزرنے والوں کے لیے ''وقت'' ایک ایسی سواری ہے جو اپنے اوپر کسی کو سوار ہونے نہیں دیتا، بلکہ خود ہی سب پر سوار رہتا ہے۔ ڈوبتے سورج کو پلٹا دینے والوں کے علاوہ آج تک کسی کے قابو میں نہ آیا۔

یہ فقیر پر تقصیر چاہتا تو ہے کہ ہر کام جلد سے جلد ہو جائے مگر بہت وقت گزرنے کے بعد ہوتا اپنے وقت پر ہی ہے۔ اصل میں جہد مسلسل اور عمل پیہم کے بعد ہی تقدیر مبرم کا راز کھلتا ہے، کہ مالک حقیقی نے کس کام کے لیے کون سا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ صدر الشریعہ نمبر دائرۃ المعارف الامجدیہ کی طرف سے ایک دیرینہ خواب تھا جو آج بحمد اللہ تعالیٰ شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے۔ لیکن کسے اندازہ تھا کہ جس کام کا آغاز ۱۹۷۸ء میں ہوا تھا اس کو منظر عام پر آنے میں ۴۵ سال لگ جائیں گے۔ گزشتہ سال ہی سہ امجدیہ سے ''صدر الشریعہ نمبر'' کی اشاعت ہونی تھی، مگر کچھ خاص لوگوں کے مقالے باقی تھے اس لیے اس کی اشاعت روک دی گئی، اب ایک سال گزرنے کے بعد بھی کچھ خاص لوگوں کی تحریریں باقی رہ گئیں، اس لیے سوچنا پڑا کہ اب کیا کریں۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پر کاموں کے محرک اول حضرت مولانا علاء المصطفیٰ صاحب تاخیر کے حق میں نہیں، اور ہم خواص کو نظر انداز کرنا نہیں چاہتے۔ ہم نے عرض کیا کہ جانشین صدر الشریعہ حضور محدث کبیر کی یادداشت سے کچھ آجائے تو یہ ہمارے لیے بڑا سرمایہ اور قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان ہوگا۔ لیکن حضرت کی مصروفیات اور پیرانہ سالی دیکھ کر کچھ کہنے کے لیے بھی بڑی ہمت جٹانی پڑتی ہے، اس فقیر کی مصروفیات بھی روز افزوں ہیں، پھر بھی ہم عید کے بعد کل دو دن اس کام کے لیے نکال سکے، اور جو کچھ ہو سکا اسے اپنی ترتیب سے ایک گلدستے میں سجا کر اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دیا۔ حضور محدث کبیر قبلہ کی طرف سے ''حضور صدر الشریعہ احوال وواقعات'' کے عنوان سے یہ مضمون اس مجموعہ کا سب سے اہم اور متبرک حصہ ہے۔ اور اس کی پیش کش اس فقیر کے حصے میں آئی اس پر بھی مسرت ہے۔
حضور محدث کبیر قبلہ کے اس مضمون سے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زندگی اور خانگی حالات سے متعلق بہت سے بند دریچے

کھلیں گے، معلومات میں خوشگوار اضافہ ہوگا، اور اسے پڑھ کر اہل علم اپنی زندگی کی ترجیحات متعین کر سکیں گے۔

اس سے پہلے دادوں علی گڑھ سے متعلق ہماری متعدد قسطیں شائع ہو چکی ہیں، ان میں بھی حضور محدث کبیر قبلہ مدظلہ العالی کی یادداشت کا وافر حصہ شامل کیا گیا ہے۔ صدر الشریعہ کی شخصیت ایسی مختلف الجہات ہے کہ جس قدر کام کرتے جائیے نئی جہتیں سامنے آتی جاتی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس نمبر سے صدر الشریعہ کی مفصل سوانح حیات مرتب کرنے میں مدد ملے گی، اس لیے ہم اسے "سوانح صدر الشریعہ" کی تمہید کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اب کوئی بندۂ خدا اٹھے اور "صدر الشریعہ حیات و خدمات" اور اس صدر الشریعہ نمبر کی مدد سے یہ کام کر جائے تو امجدیات پر کاموں کا ایک سلسلہ اپنے انجام تک پہنچ جائے۔

"صدر الشریعہ نمبر" خاندانی حالات کے تناظر میں:

آج سے سو سال قبل ہندوستان کے گوشے گوشے میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی تدریس کا طوطی بولتا تھا۔ صدر الشریعہ پیدا تو ایک دور افتادہ بستی کے ایک غریب خاندان میں ہوئے تھے، جس بستی کا نام اجنبی اجنبی سا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو وہ مقامِ قبول عطا فرمایا کہ ان کے دم قدم سے ویرانے آباد ہو گئے اور آبادیاں علم وفن کی آماج گاہ بن گئیں، دشت و کہسار علم دین کے رنگ و نور سے زعفران زار ہو گئے۔ صدر الشریعہ کا خاندانی بیک گراونڈ حکمت و طبابت تھا، جس کی پہنچ علاقے کے مریضوں اور قرب و جوار کے بیماروں تک محدود تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے خاص ان کے ساتھ روزِ ازل خیر کا ارادہ فرمایا، اور انھیں علوم دینیہ کے حوالے سے وہ عروج بخشا کہ پورا خطہ ان کے تلووں کی برکت سے نہال ہو گیا۔ آج گھوسی جو پوری دنیا میں مشہور ہے، اس کی وجہ گھوسی کی صنعت و حرفت، محل وقوع یا کچھ قدرتی مناظر نہیں، بلکہ صرف اور صرف حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے نام کا حوالہ ہے، اسی نام نے گھوسی کو شہرۂ آفاق بنا دیا۔

حضور صدر الشریعہ گھوسی سے باہر نکلے اور جہاں جہاں گئے اپنی عظمتوں کے جھنڈے لہرائے، بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں جو مقبولیت تھی وہ جگ ظاہر ہے، اجمیر معلیٰ میں جامعہ معینیہ عثمانیہ میں ان کا تدریسی دور ہندوستان کی تعلیمی تاریخ کا ایک حوالہ ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کی نصاب سازی میں موثر کردار پھر نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے حلقۂ اثر میں ان کے علم وفن کا لوہا مانا گیا، پٹنہ میں ان کی تدریس کا غلغلہ، ہر جگہ ان کا نام سکہ رائج الوقت بن گیا۔ ان کے بعد ان کا نام ہی گھر والوں کے سروں کا تاج بنا۔ سچ ہے! ہم افرادِ خاندان کے لیے وہی ہماری شناخت ہیں، اور انھیں کا نام نامی مذہبی طبقے میں ہمارے لیے آئیکون کا کام کرتا ہے۔

وہ جب رخصت ہوئے خاندان یتیم ہو گیا، وہی وقت ہندوستان کی آزادی، ملک کے بٹوارے اور اس کے نتیجے میں پھیلنے والی افراتفری کا تھا، محدث کبیرؔ نے ابھی ہوش سنبھالا تھا، دیگر بھائی بہن چھوٹے چھوٹے تھے، جن کے سر سے اچانک اتنے عظیم باپ کا سایہ جاتا رہا، باپ کی موجودگی میں ان کی اولاد نے بڑے اچھے دن دیکھے تھے، ان کے رخصت ہونے کے بعد گھر کے اخراجات کا کوئی مناسب ذریعہ نہیں تھا۔ ایک بیوہ اور یتیم بچوں کے بسر اوقات کے لیے کرایہ پر اٹھائی کچھ دکانیں اور بٹائی پر دیا ایک چھوٹا سا

کھیت تھا، اسی متاعِ قلیل کے سہارے ہماری دادی جان نے اپنے شوہر کی صحبت سے خودداری، کفایت شعاری، وفاداری اور شرعی حدود میں رہ کر زندگی گزارنے کا جو سلیقہ سیکھا تھا وہ سب پوری توانائیوں کے ساتھ بروئے کار لائیں، اور اپنے عظیم شوہر کے گھر کا وقار بحال رکھا، عزت وغیرت پر حرف نہ آنے دیا۔ جائیداد پر لوگوں کی ترچھی نظر پڑ چکی تھی، اور گورنمنٹ نے تو سیدھا ہاتھ ڈال دیا تھا، ملک میں آزادی کا سورج طلوع ہوئے ابھی ایک سال ہی گزرے تھے، تقسیم ہند کے بعد جو لوگ ہجرت کر کے پاکستان جا رہے تھے ان کی جائیداد تحویل میں لینی تھی، اب گورنمنٹ نے کسٹوڈین کا مقدمہ خود ہمارے گھر پر کر دیا، ہماری دادی جان ''اہلیہ حضور صدرالشریعہ علیہا الرحمہ'' کی جرأت وہمت کو سلام! جن کی فہم وفراست اور فولادی عزم نے کام کر دکھایا، انھوں نے ایک ''آئرن لیڈی'' کی طرح اپنے شوہر کی عزت وناموس اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ ساتھ ایک ایک بالشت زمین کی حفاظت کی، اور اس نازک وقت میں گھر اور جائیداد بچا لے گئیں۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اولاد میں جو ہوشمند اور باپ کی جوانی اور بڑھاپے کا سہارا تھے ان میں دو (حکیم شمس الہدیٰ ومولانا یحییٰ) نے تو باپ کی زندگی ہی میں دارِ آخرت سدھار لیے، دو (حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری وقاری رضاء المصطفیٰ اعظمی علیہما الرحمہ) نے دیر سویر کراچی کی راہ لی، اور اپنی خوشحال دنیا بسالی۔ جو اولاد ننھے ننھے تھے، ان کی قسمت میں یتیمی کے دن دیکھنے تھے، کلیاں چٹخ کر کھلنے کو تھیں کہ خزاں رسیدہ ہو گئیں۔ ہمارے بڑے ابا حضور محدث کبیر کل تیرہ سال کے تھے، سب سے چھوٹے صاحبزادے میرے والد گرامی چار سال کے تھے۔ دو بچیاں تھیں، باقی سب اسی درمیان بچپن سے لڑکپن کے بیچ حالات کے سہارے آگے بڑھ رہے تھے۔ جس عمر میں ہر بچے کو باپ چاہیے ہوتا ہے اسی عمر میں عظیم باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، جو عمر انگلی پکڑ کر چلنے اور کندھے پر سوار ہونے کی تھی یتیمی کا درد جھیل رہی تھی۔ تاریک رات کا مسافر تاریکیوں کا عادی ہو جائے تو ظلمتیں اس کے لیے اذیت کی بجائے عافیت بھی ہو سکتی ہیں، مگر جس نے روشنی کی چکا چوندھ میں آنکھیں کھولی ہوں وہ شب دیجور کی تاریکیاں نہیں سہہ سکتا، اچھے دن دیکھنے کے بعد بُرے دن کے زخموں کی ٹیسیں ناقابل برداشت ہوتی ہیں، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا عہد تدریس شاہانہ کروفر کے ساتھ گزرا، آپ کے اہل خانہ نے اجمیر معلیٰ سے بریلی شریف تک پھر دادوں علی گڑھ کے جاگیرداروں کے نوابی دھان پان کا عادی تھا، اکتوبر ۱۹۴۸ء کی شام اس بے تاج بادشاہ نے اپنے روشن چہرے پر سرمدی پردہ تان لیا، پھر جو بچے اس چہرے کی نکہتیں دیکھ دیکھ کر اپنی صبح وشام کرتے تھے، اچانک ان کے صبح وشام بے نور اور بچپنا بے کیف ہو گیا۔ جس گھر سے رشتہ داروں اور قرابت داروں کے بھی وارے نیارے تھے، اب اسی گھر میں دن بھی گن گن کر گزرنے لگے۔

ہماری دادی جان علیہا الرحمہ نے گزراوقات کے لیے یتیم بچوں کو کام پر لگانے کی بجائے تعلیم پر لگایا، اور بدلتے حالات سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ حضور صدر الشریعہ نے جیتے جی اپنے چہیتے شاگرد حضور حافظ ملت کو اپنا خطہ سنبھالنے کے لیے مبارک پور بھیج دیا تھا، دادی جان نے اس کا فائدہ اٹھایا اور اپنے بیٹوں کو یکے بعد دیگرے تعلیم کے لیے حافظ ملت کے سپرد کرنا شروع کر دیا۔ قلیل رقم سے گھر کے اخراجات پورے کرتیں اور سب بچوں کو پڑھاتیں، دکان کا کرایہ چند روز میں ختم ہو جاتا تو قرض پر راشن منگاتیں، اگلے

ماہ دھیرے دھیرے قرض ادا کرتیں، پورے سال گھر پر راشن والوں کا بقایا رہتا، جو مسلسل اترتا چڑھتا رہتا۔ عرس امجدی کا موقع آتا تو اسی غربت میں زائرین کی ضیافت کا اہتمام کرتیں، اس دور میں کچھ زائرین دادی جان کی بارگاہ میں نذریں گزارتے تھے، جس سے ضیافت کے اخراجات کچھ حد تک نبٹ جاتے، مگر گھریلو اخراجات کا معاملہ یوں ہی چلتا رہتا۔ یہاں تک کہ بڑے بیٹے یعنی حضور محدث کبیرؒ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی، پھر آپ نے گھر کے اخراجات میں اپنی والدہ کا ہاتھ بٹانا شروع کیا، خانوادے کو سنبھالا دینے میں محدث کبیر کا اہم رول رہا ہے۔ پھر چھوٹے برادران بھی جوان ہوئے، زیورِ علم سے آراستہ ہوئے اور خود کفیلی کا دور شروع ہوا۔ تب تک صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی رحلت کو بیس پچیس سال گزر چکے تھے۔ صدر الشریعہ کی ذاتی لائبریری کی کتابیں متاثر ہونے لگیں، طبع و اشاعت تو بعد کی بات ہے سر دست ان کتابوں کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔ ان حالات میں تحریری کام اور طبع و اشاعت کا کام کیسے ہوتا؟ جب کہ گھر سے بہار شریعت کی طباعت بھی بند ہو چکی تھی۔ ان تمام ناگفتہ بہ حالات کے باوجود جو بات نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ صدر الشریعہ کی اولاد نے اپنی ماں کے مشن کو سمجھا، اور اپنے مقدس باپ کی ڈگر کو باقی رکھتے ہوئے خدمت دین کی شناخت کو کھونے سے بچالیا۔ یہی ان کے حصے کا بڑا کام تھا جو ان حضرات نے کر دکھایا، اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

ان اولاد کی اولاد میں جب حضرت مولانا علاء المصطفیٰ اور حضرت مفتی محمود اختر صاحبان نے ہوش سنبھالا تب انھوں نے سوچا کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی قرار واقعی حیثیت اور ان کے علمی کارنامے قید تحریر میں نہ لائے گئے تو دستبردِ زمانہ سے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ انھوں نے بھی پیش قدمی کی، اور اپنے حصے کا کام کیا، فتاویٰ امجدیہ کی جتنی نقلیں محفوظ کر سکتے تھے کیا، صدر الشریعہ کے احوال وخدمات پر جو دستاویز جمع کر سکتے تھے کیا اور اگلوں کو کام کرنے کا پلیٹ فارم مہیا کر دیا۔ بلکہ برادر گرامی مولانا علاء المصطفیٰ صاحب اپنی رفتار سے مسلسل کام آگے بڑھاتے رہے۔

پہلا صدر الشریعہ سیمینار:

آج سے 45 سال قبل ان حضرات نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پر ۱۹۷۸ء میں پہلا سیمینار کیا تھا، جو مدرسہ شمس العلوم گھوسی کے مدرسہ نسواں میں منعقد ہوا تھا، جس میں اس دور کے اکابر علمائے کرام نے شرکت کی اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے بعض تلامذہ نے مقالات بھیجے۔ وہ پہلا سیمینار حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پر کام کا نقطۂ آغاز تھا۔ اللہ تعالیٰ ''دائرۃ المعارف الامجدیہ'' کے اولین ارکان مفتی عبد المنان کلیمی، حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری اور مفتی محمود اختر قادری کی زندگی اور نیکیاں سلامت رکھے، جنھوں نے ''امجدیات'' کی بنیاد رکھی اور اگلی نسل کے لیے اس کام کی راہ کھولی اور نشانِ راہ بھی متعین کر دیے۔

دوسرا صدر الشریعہ سیمینار:

جس سال عرس امجدی کو پچاس سال پورے ہو رہے تھے، ٹھیک اسی سال جامعہ امجدیہ رضویہ میں اس فقیر کی تقرری ہوئی، اور تدریس کے ساتھ دائرۃ المعارف کے کچھ کام ہمارے ذمہ آگئے، نوجوان مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات کے لیے عزم جواں اور تحریر و قلم کے حوالے سے حوصلے بلند تھے، اور کچھ خاص کرنے کی نیت سے ہم نے اپنے دادا میاں کے اس مقدس آستانے سے

اپنے کیریر کا آغاز کیا تھا۔ اسی وقت پہلا کام یہ ہوا کہ پچاسویں عرس امجدی کے موقع پر ۱۹۷۱ء میں جو دوسرا سیمینار ہوا تھا، اس کے مقالات کے جمع وتدوین کا کام ہمارے حصے میں آیا۔ جسے ہم نے مکمل کر کے ''صدر الشریعہ حیات وخدمات'' کے عنوان سے قوم کے حوالے کیا۔ یہ پہلا ایڈیشن تھا، پچیس سال کے بعد اب اس کا دوسرا ایڈیشن تیار کرنے کا شرف بھی اس فقیر کو حاصل ہوا۔ پہلے ایڈیشن میں ترتیب کے ساتھ کتابت کے جو اغلاط آگئے تھے، ان کی اصلاح پر پوری توجہ دی۔

اس دوران اس کاروانِ شوق نے کافی مرحلے طے کر لیے ہیں، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زندگی کے بہت گوشے منظر عام پر آچکے ہیں۔ اور ان کے علمی کام بھی تقریباً سب ہی منظر عام پر آچکے ہیں۔ بہار شریعت کے باقی تین حصوں کی تکمیل، فتاویٰ امجدیہ کی چاروں جلدوں کی ترتیب اور طباعت واشاعت کا کام پہلے ہی ہو چکا تھا، اب باری تھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ایک عظیم علمی امانت کی، یعنی حاشیہ طحاوی جو باریک قلم سے ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کا قلمی مخطوطہ زائرین حیرت سے دیکھ کر حصولِ برکت کے لیے چوم لیا کرتے تھے، مگر اس کام کو ہاتھ لگانا بڑا کام تھا۔ امجدیہ میں تدریس کے دوران رمضان شریف کی چھٹیوں میں کچھ اضافی کام کرنے کی فقیر کی عادت ہو چکی تھی، ایک بار ہم نے یہ حاشیہ نکلوا کر دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی اور غور کیا کہ یہ کام مجھ سے ہو سکے گا یا نہیں؟ پھر پورا رمضان اس کے صفحات مرتب کرنے اور مطالعہ کرنے میں گزار دیا۔ اگلے سال طویل سفر پر امریکہ جانا ہوا، جہاں پہلی بار صرف امامت وخطابت کے فرائض ذمہ میں تھے اور پورا وقت بچ جاتا تھا، لگتا ہے دادامیاں کے روحانی تصرف سے ہمیں اسی کام کے لیے پہلی بار امریکہ بھیجا گیا تھا۔ دو چار ماہ کے بعد میں نے حاشیہ طحاوی کا قلمی نسخہ کاپی کروا کر منگوالیا، اور فرصت کے سارے اوقات اس کو پڑھنے اور کمپوز کرنے میں لگا دیے، فجر کے بعد چند گھنٹے پھر ظہر کے بعد پھر عشا کے بعد رات دیر تک اسی میں مصروف رہتا، ہر روز چھ سے آٹھ گھنٹے اس پر لگا دیے، یہاں تک کہ اس حاشیہ کو مدون کرنے کا شوق پیدا ہو گیا، فون پر حضور محدث کبیرؔ قبلہ سے اس کام کا تذکرہ کیا، حضرت نے حوصلہ افزائی فرمائی، تین سال کے عرصے میں اس کی تدوین مکمل ہوئی، مگر ہم نے اس کی طباعت کو اس وقت تک کے لیے موخر کیا جب تک کہ استاذ گرامی حضور محدث کبیرؔ کی بارگاہ میں خود حاضر ہو کر اس کے مشکل مقامات حل نہ کر لیں۔ چنانچہ ۲۰۰۸ء میں جب امریکہ سے واپسی ہوئی تو حضرت نے پورا وقت دیا اور حضرت کی توجہ سے سارے مشکل مقامات حل ہو گئے، اس طرح اس کی فائل کاپی پریس جانے کے لیے تیار ہو گئی، حضور محدث کبیرؔ نے اس سال عرس کے موقع پر اس کی تقریب اجرا کے لیے الگ سے اشتہار بنوانے کا حکم دیا، اور عرس امجدی میں پوری شان وشوکت کی ساتھ اس کی پہلی جلد اور اگلے سال دوسری جلد منظر عام پر آ گئی۔

<u>تیسرا صدر الشریعہ سیمینار:</u>

کشف الاستار کی اشاعت کیا ہوئی کہ اہل علم کو صدر الشریعہ پر کام کرنے کے لیے بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آ گیا۔ دوسری جلد کی اشاعت کے بعد اسی کشف الاستار کے علمی ابحاث اور نکات ودقائق سے اہل شوق کو روشناس کرانے کے لیے عرس امجدی کے موقع پر تیسرا سیمینار منعقد کیا گیا، جس میں علم حدیث پر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی مہارت سامنے آئی۔

اسی موقع پر اس فقیر نے کشف الاستار میں موجود خاص صدر الشریعہ کے علمی مباحث کو الگ کیا، اور انھیں اردو میں مرتب کر کے ''علم حدیث میں صدر الشریعہ کی تحقیقات'' کے نام سے پیش کیا۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اس کی ترتیب پر غور کرتا ہوں تو صاف لگتا ہے کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا علمی فیضان اس میں شامل رہا ہے، ورنہ ایسی ترتیب اور ایسا اسلوبِ بیان مشکل کام ہے۔ اس کے مطالعہ سے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا علمی رسوخ خوب واضح ہو جاتا ہے، اور مدرسین و متعلمین پر حضور صدر الشریعہ کا علمی دبدبہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب علم حدیث کے مدرسین اور طلبا کے لیے یکساں مفید ہے۔

اس کے بعد میرے شیخ حضور محدث کبیرؒ نے اگلے عرس امجدی پر یہ اعلان کر دیا کہ حاشیہ طحاوی کا جتنا کام صدر الشریعہ نے کیا تھا، اتنا پیش کر دیا گیا۔ اسی مجمع میں اس کام کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری اس فقیر پر ڈال دی، حضرت کا یہ اعتماد دیکھ سن کر ہمارے حوصلے بلند ہوئے اور ہم نے حضرت کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے مستقبل کے منصوبوں میں اسے شامل کر لیا۔ اس کے لیے ذرا فرصت کے اوقات کا انتظار ہے، نیز کتابوں کا ذخیرہ، اور وسیع مطالعہ درکار ہے، ان شاء اللہ نیت ہے کہ اگلے دو تین کام مکمل کرنے کے بعد باقاعدہ علما کی ایک ٹیم بنا کر اس کام کو شروع کیا جائے، حالانکہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حاشیہ طحاوی کی پہلی دو جلدوں پر بھی مزید کام کی ضرورت ہے، تخریج و تحقیق کے اور مبسوط مقدمے کے کام ابھی باقی ہیں۔ امید کرتے ہیں کہ یہ سب کام ساتھ ہی شروع ہوں گے۔

اسی کے ساتھ بہار شریعت کے طرز پر بہار طریقت کا صدر الشریعہ کا خواب بھی ہمیں جھنجھوڑتا ہے کہ کچھ سوچیں، کبھی کبھی جب اس طرف خیال جاتا ہے تو عالم تصور میں بہار شریعت کے اسلوب پر اس کے مشتملات کا خیالی ڈرافٹ اُبھرتا ہے، پھر اپنی نااہلی کے پیش نظر ہم خود ہی اس خیال کو دبا دیتے ہیں۔ پہلے کشف الاستار کی بقیہ جلدوں کا کام مکمل ہو جائے تو اس پر بھی غور کیا جائے گا۔

کچھ سہ ماہی امجدیہ کے صدر الشریعہ نمبر کے بارے میں:

ہم نے شروع میں ذکر کیا کہ اس مجموعہ کا سب سے اہم حصہ حضور محدث کبیر قبلہ زید مجدہ کا مضمون ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ کے صدر الشریعہ نمبر میں جو مقالات دائرۃ المعارف الامجدیہ نے پیش کیے تھے وہ اس میں شامل کر لیے گئے ہیں، اور متعدد مضامین جو لکھوائے جاتے رہے انھیں بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ ہاں ''صدر الشریعہ حیات و خدمات کے مقالات اس میں شامل نہیں کیے گئے، کیوں کہ اس کی دوبارہ اشاعت ہو چکی ہے۔ کچھ نئے مقالے عین وقت پر لکھوائے گئے جن میں مولانا نوید اختر کا مضمون حضور صدر الشریعہ کی اشاعتی خدمات بہت اہم ہے، اس مضمون کے لیے ہم نے کچھ عناصر اور مواد کی نشان دہی کر کے موصوف کو چند سال قبل ہی کچھ لکھنے پر لگا دیا تھا، ہم چاہتے تھے کہ صدر الشریعہ کی خدمات کا بہت بڑا حصہ بریلی شریف میں مطبع اہل سنت کے پلیٹ فارم سے علمائے سنت خصوصاً اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی اشاعت ہے، اسی کام پر انھیں ''کام کی مشین'' کا ٹائٹل دیا گیا تھا، مگر لوگ اسے کام ہی نہیں سمجھتے، ہم نے چاہا کہ صدر الشریعہ کے کاموں کی یہ جہت بھی آشکار ہو جائے، الحمد للہ اس پر مفصل مضمون اس مجموعہ میں شامل کیا جا چکا ہے۔ اس پر کام اور محنت تو مولانا نوید صاحب کی ہے مگر اپنے قارئین کی طرف سے تھوڑے موڑے شکریہ کے ہم بھی

مستحق ہیں۔ ہمارے قسط وار مضمون صدر الشریعہ اور حافظیہ سعیدیہ دادوں کی تاریخ سے تو ایک سال سے لوگ محظوظ ہو رہے ہیں، اس کی اگلی پچھلی ساری قسطوں کو جمع کر کے یہاں پیش کر دیا گیا ہے، جو لوگ اب تک اس کا مطالعہ نہ کر سکے ان کے لیے صدر الشریعہ نمبر کا یہ مضمون اہم ترین مضمون ثابت ہوگا۔

اس نمبر کے لیے نئے مضامین لکھوائے گئے ہیں۔ جن کی تفصیل فہرست مضامین میں دیکھی جاسکتی ہے، جن لوگوں نے ہماری گزارش پر اپنا قیمتی وقت نکال کر مضمون قلم بند کیا ہم کن الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کریں سمجھ میں نہیں آتا۔ مولانا کوثر امام صاحب نے صدر الشریعہ اور رجال حدیث پر بہت شاندار مضمون عنایت کیا ہے۔ ویسے کشف الآثار منظر عام پر آجانے کے بعد اب علوم حدیث میں حضور صدر الشریعہ کی خدمات پر مضامین کی کمی نہیں رہ گئی، قارئین اس مجموعہ میں ایک بڑا سلسلہ ایسے مضامین کا دیکھیں گے، ہر مقالہ اپنی جگہ پر اہم اور کسی نہ کسی جہت سے منفرد ہے۔

اکابر علماء و مشائخ کے تاثرات کے بغیر ہمارا یہ کام ہمیں پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا، ہم نے ناظم صاحب سے ضد کی کہ اس کی ذمہ داری آپ لیں، انھوں نے قبلہ مفتی شمشاد احمد صاحب کی مدد سے اسے بخوبی نبھایا۔ اور حضور قائد ملت علامہ عسجد رضا خاں قبلہ بریلی شریف، حضور گلزار ملت مسولی شریف، حسنی میاں ناگپور، مفتی محمد اختر صاحب ممبئی، مفتی عطاء المصطفیٰ امجدی کراچی، علامہ غلام سبحانی صاحب آرلنگٹن امریکہ، وغیرہ اور خاندان صدر الشریعہ سے اکثر حضرات کی طرف سے کچھ دعائیہ کلمات شامل ہیں۔

اس مجموعہ کے لیے ایک مبسوط اداریہ کی خواہش بہت دنوں سے انگڑائیاں لے رہی تھیں، مگر وہ جامعہ امام اعظم ابوحنیفہ کے جشن افتتاح کی گہما گہمی میں دب کر رہ گئیں۔ اور وقت ہو گیا کہ اب مجموعہ پریس کے حوالے کیا جائے لہٰذا سر دست جو کچھ ہو سکا قلمبند کیا۔ آخر میں عرض ہے کہ صدر الشریعہ نمبر کے تمام قلمکاروں کو اجر تو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا، ہم فی الحال اسی رسمی شکریہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سلامت رکھے۔ آمین

فقیر فیضان المصطفیٰ قادری

قادری منزل گھوسی شریف

۲۲ر شوال المکرم ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۳ر مئی ۲۰۲۳ء

باب اول

سوانح واحوال

حضور صدر الشریعہ کے احوال و واقعات

از: جانشین صدر الشریعہ ممتاز الفقہاء محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری

ترتیب و پیش کش: فیضان المصطفیٰ قادری

درج ذیل تحریر ہمارے شیخ حضور محدث کبیر اطال اللہ بقاءہ کے ساتھ بات چیت پر مشتمل ہے۔ حضرت نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا آخری زمانہ پایا اور انھیں بہت قریب سے دیکھا ہے، ہم نے سوچا کہ حضور صدر الشریعہ کی گھریلو زندگی اور ذاتی احوال و ترجیحات سے متعلق معلومات حاصل کی جائیں، چنانچہ دو دن کی متعدد نشستوں میں ہم نے حضرت سے یہ معلومات حاصل کیں اور انھیں سلکِ تحریر میں لا کر مرتب کر دیا۔ ان معلومات کے حصول پر ہمیں خوشی ہے، اور اس خوشی میں ہم اپنے قارئین کو شریک کرتے ہیں۔
اس میں کچھ مقامات پر تشنگی محسوس ہوگی، اور دل چاہے گا کہ کاش کچھ اور تفصیل مل جاتی تو جذبۂ شوق کی تسکین کا سامان ہوتا، مگر ہماری خواہش ہے کہ یہ تشنگی یوں ہی باقی رہے تاکہ مزید حصول کی صورت بنے۔ (مرتب)

خاندان صدر الشریعہ کا گھوسی میں آباد ہونا:

گورکھپور ضلع میں ایک گاؤں ہے جسے ”نوا پار“ کہتے ہیں، وہیں (ہمارے جد اعلیٰ مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ) رہتے تھے، مولانا غلام جیلانی صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ انھوں نے گائے کی قربانی کی، ہندوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے آکر گھر کو گھیر لیا، تو مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ نے جھٹ اس کا چمڑا اور سر کوٹیلہ میں چھپا دیا، جس میں غلہ رکھا جاتا تھا، وہ سب گھر میں گھس کر تلاش کرنے لگے، بولے: خون تو اتنا زیادہ بہا ہوا ہے آپ لوگوں نے گائے ذبح کی ہوگی، کہا: ہم نے بکرا ذبح کیا ہے، بولے: ٹھیک ہے ہم لوگ تلاشی لیتے ہیں، تو انھوں نے گھر کی تلاشی لی، کچھ ملا نہیں، کوٹیلہ میں انھیں ایک بکرے کا سر اور بکرے کی کھال ملی۔ یہ دیکھ کر وہ سب واپس ہو گئے۔ اس وقت مولانا خیر الدین صاحب علیہ الرحمہ نے گھر والوں سے کہا کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ دعا کی، اس نے دعا قبول کر کے ہماری جان اور عزت بچالی، اب ہم لوگوں کا یہاں رہنا مناسب نہیں، کبھی بھی کوئی حادثہ ہو سکتا ہے، یہاں سے چلو، تو وہاں سے گھریلو ساز و سامان لیکر یہاں گھوسی آ گئے۔ یہاں رہنے لگے۔ انھوں نے املی کا باغ خریدا جو پہلے سڑک کے اُس پار ایک شیوالہ ہے وہاں تک تھا۔ اُس وقت بہت املی ہوتی تھی، املی تو

ہم لوگوں کے بچپن میں بھی اتنی ہوتی تھی کہ ان کی نسل کے جتنے لوگ تھے سب کے گھر بقدرِ وراثت جس کا جتنا حصہ ہوتا بٹتی تھی۔

فقیر مرتب نے عرض کی:

خیر الدین دادا ہجرت کر کے آئے تھے تو انھوں نے گھوسی میں کدھر مکان بنایا؟

اس پر ارشاد فرمایا:

یہ مجھے معلوم نہیں کدھر مکان بنایا، ہوسکتا ہے باغ کے قریب ہی کہیں بسایا ہو، مگر ہمارے دادا (حکیم جمال الدین علیہ الرحمہ) کا ایک مکان وہ تھا کریم الدین پور والا، اور ایک بڑے گاؤں (بازار) میں، اور ایک مدرسے پر کا مکان (نوانیم تلے)، ان کے تین بیٹے تھے، بڑے بیٹے حکیم محمد علی تھے اور بعد والے حکیم احمد علی، ان کے بعد ابا جی تھے مولانا حکیم امجد علی، تو انھوں نے تینوں بیٹوں کو الگ الگ مکان دیا۔ حکیم محمد علی لاولد تھے، ان کو کوئی اولاد نہیں تھی، تو انھوں نے دکان کے بڑے ابا (حکیم احمد علی) سے ان کے بیٹے حکیم غلام مصطفےٰ کو متبنّیٰ بنانے کے لیے لے لیا۔ ابا جی پالی گئے ہوئے تھے، ابا جی ہر سال گیارہویں شریف میں پالی جاتے تھے، ایک مہینے کا دورہ ہوتا تھا پالی، ناگور اور کہاں کہاں، وہی ایک دورہ ابا جی پورے سال کے اندر کرتے تھے بس، پالی کے دورے پر ہی تھے کہ اُن (حکیم محمد علی صاحب) کا انتقال ہوگیا۔

قادری منزل کی زمین بہت بعد میں خریدی گئی ہے، ابا جی نے تین سو روپے میں قادری منزل کی پوری زمین خریدی تھی، اور اس پر یہ مکان بنوایا۔ ابا جی ایک بار بتا رہے تھے کہ یہ (قادری منزل) پورا مکان دس ہزار روپے میں تعمیر ہوا۔ اب ایک کروڑ سے زیادہ ہی لگے گا۔

کسٹوڈین کے مقدمہ سے جائیداد کی حفاظت کی سرگزشت:

فقیر مرتب نے عرض کی:

قادری منزل کے سامنے کھپریل والا مکان بھی صدر الشریعہ نے بنوایا تھا؟۔

اس پر ارشاد فرمایا:

ہاں، ابا جی نے بنوا تھا، نالے سے لے کر یہاں تک (قادری منزل کے گیٹ تک)، اس کی شکل ایسے تھی، ادھر (پورب) سے تو روڈ کے برابر تھی، اور پچھم سے ساجد کے حصے تک آتے ہوئے ترچھی ہوگئی تھی۔ جب جائیداد پر کسٹوڈین کا مقدمہ چلا تو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، اماں جی نے کہا کہ میں نے یہ پورا مقدمہ لڑا، کسٹوڈین کا سارا خرچہ میں نے برداشت کیا۔ وہاں والا (کریم الدین پور کا مکان) تو میں نے خرید لیا، وہاں جو آٹھواں حصہ علامہ ازہری صاحب کے نام تھا، کسٹودین کا فیصلہ ہوا کہ اس مکان سے آٹھواں حصہ جو عبد المصطفےٰ کا ہے اس کی قیمت ڈیڑھ سو روپے، اتنی رقم جمع کر کے اس کو خرید لیں، کیوں کہ جو حصہ کسٹوڈین اپنے قبضہ میں کرتا اسے نیلام کیا جاتا اور اسے خریدنے کا حق سب سے پہلے اس کے شرکاء کو دیا جاتا، تو وہ آٹھواں حصہ ہم لوگوں نے خرید لیا۔

فقیر مرتب نے عرض کی:

کسٹوڈین کے مقدمہ کی وجہ کیا تھی؟

اس پر ارشاد فرمایا:

علامہ ازہری پاکستان چلے گئے تھے، تو مکان میں ان کا

جتنا حصہ ہوتا تھا وہ سب گورنمنٹ کا، اسی کے لیے پورے ہندوستان میں کسٹوڈین کا ایک محکمہ قائم ہوا۔ تو جو جائیداد ان کے نام تھی اسے گورنمنٹ سے خرید لیا گیا، کسٹوڈین کے ایکٹ میں کھیت داخل نہیں تھا، صرف مکان، اسی لیے زکٹ نہیں آئی، اور ابا جی کے جو کھیت تھے اماں جی کے نام وہ بھی نہیں آئے، ورنہ وہ بھی آجاتے۔ کھیت ایک تو وہ تھا جسے رام نندن پہلے جوتا تھا، پھر کوئی اور جوتا تھا۔ چک بندی کے وقت اس (رام نندن) نے کہہ دیا یہ کھیت میرا ہے۔ چونکہ چک بندی کا قانون یہ تھا کہ تین سال جو آدمی کسی کا کھیت جوت لے وہ دفعہ ۶ کے اعتبار سے اس کھیت کا مالک ہو جاتا ہے، اِس کو شکمی کہتے تھے۔ مگر اس میں استثنا تھا کہ کھیت بیوہ کے نام نہ ہو اور کسی عورت کے نام نہ ہو، چونکہ کھیت ابا جی نے اماں جی کے نام کر دیا تھا اس بنیاد پر میں مقدمہ لڑا۔ شکمی کے نام پر وہ قبضہ کرنا چاہتا تھا، اماں جی کی طرف سے دعویٰ ہوا، اس مقدمہ کو اعظم گڑھ میں لڑتے تھے، جیت گئے، اس پر اس نے اپیل کی، اس میں بھی جیت گئے۔ چک بندی کے موقع پر کھیت کا مزید کچھ خیال نہیں آیا ورنہ مقدمہ لڑ کر میں زیادہ زمین (جو اپنی تھی) حاصل کر لیتا۔

فقیر مرتب نے عرض کی:

چک بندی کیا ہے؟

اس پر ارشاد فرمایا:

کسی کا کھیت ترچھا ہے کسی کا کھیت بس ایک پٹی کی مانند ہے، کسی کا کھیت (منتشر) تھوڑا تھوڑا الگ الگ جگہ پر ہے، تو اس کو جمع کر کے ایک جگہ دے دیا جائے، کسی کا تیڑھا ہے اس کو سیدھا کر دیا جائے، اسی کو چک بندی کہتے ہیں۔ تو چک بندی میں سو کڑی میں سے گورنمنٹ دو کڑی یا چار کڑی کاٹ لیتی تھی۔ چک بندی میں میں نے اماں جی کا کھیت آؤٹ آف چک بندی کرنے کی درخواست دی، مگر وہ رد ہو گئی منظور نہیں ہوئی، تو میں نے اس کی اپیل اعظم گڑھ میں کی، تو اعظم گڑھ سے پھر یہاں آئی، کہ اس کی تحقیق کر کے بھیجا جائے، تو یہاں (گھوسی) والے سی او نے جو فیصلہ کیا تھا وہی لکھ کر بھیج دیا، تو چک آؤٹ نہیں ہو سکا، چک آؤٹ ہو جاتا تو پورا ایک بیگھہ کھیت ملتا، پانچ سو ساٹھ کڑی کا ایک بیگھہ ہوتا تھا، تو چک بندی کی وجہ سے پانچ سو بیس کڑی دیا، چالیس کڑی کاٹ لیا۔

حضور صدرالشریعہ کی گھریلو زندگی:

فقیر مرتب نے دریافت کیا: صدرالشریعہ کی گھریلو زندگی کے متعلق بتائیں، کھانا پینا، پہناوا، وغیرہ

اس پر ارشاد فرمایا:

لباس بہت سادے ہوتے تھے، ایک چار یا پانچ کلی والی گول ٹوپی ہوتی تھی جس کے بیچ میں اس کے اوپر گھنڈی ہوتی تھی، وہ پہنتے، گاڑھے (کھدر) کا کرتا گاڑھے کا پاجامہ اور گاڑھے کی بنڈی (بنیائن) ہوتی تھی، اور اکثر اسی کی ٹوپی رہتی تھی، ہم لوگوں کے لیے لٹھا یعنی چھالٹی کا پاجامہ ہوتا تھا، اور کسی اور طرح کا پاپلین وغیرہ کی قمیص ہوتی، کبھی کھدر کی ایک صدری پہنتے تھے۔ مگر اس صدری کا انداز بہت صوفیانہ ہوتا تھا، اس کے اندر ایک جیب ہوتی تھی لمبی (گریبان سے سینے کے نیچے تک) کلائی سے اوپر تک آستین، گرمیوں میں وہ بھی نہیں ہوتی تھی۔

بستر ایک دری اس پر ایک چادر اور ایک تکیہ، اوڑھنے کی ایک چادر چھیپا کی یا کسی اور کپڑے کی ہوتی تھی، چھیپا کی سفید ہوتی تھی، آج کل یہ پیلی ہوتی ہے وہ سفید ہوتی تھی، جاڑوں

میں لحاف اوڑھتے تھے، اور کم جاڑہ ہوتا تو کمل ایک تھا، جس کے دونوں طرف مخمل ہوتا، اوپر کا اچھا سا اور اندر عام سا۔

کھانا پینا' دادوں میں جب تھے تو مسجد میں فجر کی نماز پڑھ کر دیر تک وظیفے میں مصروف رہتے، تو اماں جی ایک پیالہ ہریرہ بھیجتیں پھر اس کے کچھ دیر کے بعد دیسی مکھن، یہ مکھن کمپنی کا نہیں ہوتا تھا، مسلمان کی دوکان تھی وہ گھر سے بنا کر لاتے تھے، اور بڑا والا بسکٹ ہوتا تھا، بریلی وغیرہ میں گول گول ملتا ہے، مگر اب وہ چھوٹا ہوتا ہے، پہلے بڑا ہوتا تھا، بعض بعض تو بہت بڑا ہوتا تھا، وہی بسکٹ لیکر اماں جی الٹی طرف مکھن لگا کر تھوڑی سی شکر چھڑک دیتی تھیں، اور وہی پلیٹ میں لے کر ہم لوگ مسجد جاتے تھے، تو اسی کا ایک ٹکڑا لے کر تناول فرما لیتے تھے، پھر جب مسجد سے آتے تو ایک روٹی اور انڈا عموماً کھایا کرتے تھے، اور کبھی کبھی بلکہ اکثر اماں جی ایک ٹکیہ بناتی تھیں موٹی سی، اور گھی سے تلتی تھیں، آٹا گوندھتی تھیں تو اس میں بھی گھی ڈالتی تھیں، اور اسی کی ٹکیہ بنا کر اصلی گھی سے تل کر ناشتے میں دیتیں، اسی کو انڈا لگا لگا کر کھاتے،، اس کے بعد ایک چائے پی کر مدرسہ چلے جاتے، یہ تو دادوں کا معمول تھا۔

یہاں (گھوسی) میں جب پرانے گھر میں رہتے تھے تو مسجد میں وظیفہ وغیرہ کے دوران ہریرہ چلا جاتا۔ ہریرہ، جسے آج کل ترّی کہتے ہیں اماں جی ابا جی کے لیے ہمیشہ تیار کرتی تھیں، اس میں شاید پانچ یا سات بادام ہوتے تھے، اور چوکر جو آٹے کی بھونسی ہوتی تھی چلنی سے چال کر، اسی بھونسی کو ایک گھنٹہ پانی میں بھگو دیا جاتا تھا، اسی کو کپڑے سے چھان کر ہریرہ میں ملا دیا جاتا تھا، تو اس کو صبح ہی اماں جی وظیفے وغیرہ سے فارغ ہو کر سل پر پیستیں، اور پیس کر کے سل پر سے پانی کے ذریعہ اٹھا لیتی تھیں، پھر چوکر کا تھوڑا سا پانی ملا کر کے ہریرہ بنا دیتی تھیں، شاید یہ نسخہ ابا جی کا اپنا تھا۔ اس طرح سے ہریرہ صبح چلا جاتا تھا، پھر مسجد سے آتے تو ناشتے کے لیے چارپائی پر بیٹھ جاتے، اور ایک کونے پر آپا جان محمود اختر کی والدہ اپنا قرآن شریف لے کر بیٹھ جاتیں، اس کا ترجمہ کرتیں اور اس میں اصلاح کرتے جاتے، اس کے بعد ان کو مشکوٰۃ شریف پڑھاتے تھے، یہ تو یہاں کا معمول تھا، پھر اس کے بعد بیٹھک میں آجاتے تو چلم چڑھ جاتی، حقہ تازہ ہو جاتا، پھر چند کش پیتے، اس کے بعد حقہ چوبیس گھنٹے میں نہیں پیتے تھے۔ وہی صبح ناشتے کے بعد ایک مرتبہ حقہ چند کش لیتے، دادوں میں بھی یہی معمول تھا۔ یہاں البتہ دوکان پر کے بڑکے ابا جب رات مغرب بعد یا عشا بعد ملنے آتے تو اس وقت فرماتے: بھیا کے لیے حقہ تازہ کر کے لے آؤ۔ تو ان کے لیے ایک چلم تیار ہوتی تھی، اس میں سے کبھی ایک آدھ کش لے لیتے تھے، یا نہیں لیتے۔ یہی ان کا طریقہ تھا۔

کھانے میں بڑا گوشت، بڑے گوشت کا شامی کباب، کبھی کبھار مرغی، مرغیاں گھر میں بہت سی پلی ہوتی تھیں، تو ان میں سے کبھی کبھار مرغی کا چوزہ یا مرغا ذبح ہوتا تھا، ورنہ عام طور سے بس یہی۔ سبزی میں بھنڈی اور ترو ئیں، کبھی کبھی بربٹا یا باقلا سبزی میں بنتا، گوشت میں اکثر کدو پڑتا تھا، یہ کھانا تھا۔ ناشتہ جلد ہی کر لیتے تھے، یعنی چھ سات بجے تک گرمیوں میں، پھر اس کے بعد مولانا غلام یزدانی صاحب جب ہوتے تو ان کو بلواتے، فتویٰ لکھواتے تھے، اسی زمانے میں اخیر دور میں ایک دو سال تک مفتی شریف الحق صاحب جو نئے نئے فارغ ہو کر آئے تھے تو ان کو فتویٰ املا کراتے تھے۔

مدرسہ شمس العلوم کی تاریخ:

مدرسہ شمس العلوم اس وقت شمس العلوم نام سے نہیں تھا۔سب سے پہلے بھائی جان (حکیم شمس الہدیٰ) نے مدرسہ شروع کیا تھا، باغ میں جہاں اباجی کا مزار ہے وہیں پر مدرسہ شروع کیا، وہاں زمین ذرا صاف تھی ،اور تینوں طرف سے املی کے بڑے گھنے گھنے درخت تھے ،انھیں کے سائے میں اپنے پیسے سے ٹاٹ بچھا کر کے اور ایک چھوٹی سی تپائی بنادی تھی، وہ تپائی رہتی تھی ۔منشی نظام الدین کو مقرر کیا تھا، مولوی کمال اختر کے دادا مسٹر فیاض کے والد منشی نظام الدین، ان کو انھوں (حکیم شمس الہدیٰ بھائی جان) نے پانچ روپے مہینے پر پڑھانے پر مقرر کردیا تھا۔اس زمانے میں پانچ روپیہ آج کل کے دس ہزار سے زیادہ ہی ہوگا۔ایک دوروپیہ میں لوگوں کا گھر کا سارا خرچ چل جاتا تھا۔توپانچ روپیہ مہینہ ان کو دے کر پڑھواتے تھے۔اس کے بعد وہ مدرسہ وہاں سے ہٹ کر اِدھر آگیا جہاں پر بچوں کا اسکول مدرسہ بنادیا ہے، یعنی بھائی جان علیہ الرحمہ کی قبر کے پچھم طرف مسجد کے بغل میں، اس جگہ پر چوک تھا، وہاں چوک کے بغل میں بچے بیٹھ کر پڑھنے لگے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر کے مدرسہ باڑے میں چلا گیا،اور باڑے میں وہ جگہ جہاں ناصر نے بلڈنگ بنالی ہے وہاں دوچار قبریں تھیں، اسی کے بغل میں اونچی جگہ تھی، گڑھئی سے متصل،سب مٹی اسی میں چلی گئی۔ بھائی جان کے انتقال کے بعد وہ باڑے میں چلا گیا تھا، پھر مولانا غلام یزدانی صاحب علیہ الرحمہ گھر ہی پر رہنے لگے تو ان کو یہ شوق ہوا کہ (مدرسہ اچھی طرح چلائیں) منشی نظام الدین کمزور ہوگئے تھے، تو مولانا غلام یزدانی صاحب علیہ الرحمہ نے ایک کمیٹی بنائی اور سیٹھ محی الدین کو اس کا ناظم بنادیا۔ڈاکٹر محمد احمد کے دادا سیٹھ محی الدین، ڈاکٹر رضوان الحق کے مکان کے پچھم ایک دومکان چھوڑ کر سیٹھ محی الدین کا مکان تھا، اور اسی مکان کے سامنے ان کا ایک بیٹھک تھا جس میں وہ اپنی ساڑی سوٹ اور بنائی کے کپڑے کا ڈھیر لگائے رکھتے تھے۔تو مولانا غلام یزدانی صاحب علیہ الرحمہ نے کمیٹی بنادی خود اس کے صدر رہے اور سیٹھ محی الدین کو اس کا ناظم بنادیا،اور حاجی عمر بکھی سے کہہ کر ان کا ایک دالان خالی کرواکر وہاں مدرسہ منتقل کردیا۔وہ حاجی عمر بکھی پر حاجی عبدالملک کے والد، وہ عبدالحمید منیب جی حاجی عمر کا ہی لڑکا ہے، انھیں حاجی عمر کا ان کے گھر کے قریب ایک دالان بنا ہوا تھا، اسی میں اتر طرف مولوی سعید صاحب بیٹھتے تھے، دکھن طرف مفتی شریف الحق صاحب۔مولانا غلام یزدانی صاحب نے اس مدرسہ کو سنبھال لیا تھا۔

حاجی شکر اللہ کی زمینیں بہت تھیں، اور موجیا سنار کے ساتھ بھی ان کی مشترک زمینداری تھی، تو جہاں شمس العلوم ہے وہ زمین اور شمس العلوم کے اتر طرف کی زمین اور پچھم طرف کی زمین یہ سب حاجی شکر اللہ کی کئی بیگھہ زمین تھی ۔حضرت غلام یزدانی صاحب علیہ الرحمہ نے ان سے کہا کہ وہاں سڑک کے قریب آپ کی زمین پڑی ہے، اسے مدرسہ کے لیے وقف کردیجیے۔ وہاں کوئی آبادی نہیں تھی، یہاں قادری منزل سے لے کر ریلوے اسٹیشن تک کوئی آبادی نہیں تھی، قادری منزل کے بغل میں خیر اللہ عرف خلائی چچا کا جو مکان تھا اصل میں یہ عبدالسمیع کا مکان تھا، خلائی ان کے داماد تھے، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا، تو خلائی گھر داماد ہوکر اس کے مالک ہوگئے، یہی ایک مکان تھا اور حافظ محمد احمد، حاجی وزیران کا یہ مکان تھا، ریلوے

اسٹیشن سے یہاں تک ایک دم خالی میدان تھا۔ سب سے پہلا مکان فاروق بھیا کا بنا۔ یہ نسیم کے والد فاروق، عمر، مصطفےٰ جو بٹیا مسجد سے متصل پورب کا مکان انھیں لوگوں کا تھا، بڑی تنگی ہونے لگی، اسی میں فاروق اسی میں عمر اسی میں مصطفیٰ اسی میں نظام الدین اسی میں عاقل، یہ سب رہتے تھے، اور چھوٹا سا مکان تھا، یعنی گوڑوا کے پاس جو گلی ہے مسجد سے لیکر اس گلی تک کا مکان تھا، اسی میں سب تھے۔ تو فاروق بھیا نے پیسہ جمع کر کے دو تین سو یا چار سو میں یہ زمین خریدی، اور وہ سب میں تقسیم ہوئی، وہی اس طرف سب سے پہلا مکان بنا، تو وہ لوگ اب اِدھر آگئے، وہ پرانا مکان (کریم الدین کا) آدھا مصطفےٰ نے ایک کونے میں لے لیا آدھا عاقل نے لے لیا۔ فاروق بھائی، عمر، نظام الدین انیس الحق، یہ چاروں یہاں آگئے، نظام الدین کی اولاد میں کون ہے مجھے نہیں معلوم، انیس الحق کا بیٹا فرید تھا، اور عمر کے بیٹے پرائمری اسکول کے قریب چلے گئے۔

تو حاجی شکر اللہ صاحب سے حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب نے بات کی کہ اس میں سے کچھ زمین مدرسہ بنانے کے لیے وقف کر دیجیے، حاجی شکر اللہ صاحب نے کہا: میں نے تو وہاں مسجد بنانے کو سوچا ہے، کہ ایک منڈہ پر مسجد بناؤں، مسجد اس لیے بنانا چاہتا ہوں کہ اسٹیشن نزدیک ہے اور یہاں سے وہاں تک کوئی مسجد نہیں۔ راستے میں ایک مسجد بن جائے گی تو آنے جانے والوں کے لیے آسانی ہو جائے گی۔ مولانا غلام یزدانی صاحب نے کہا: ٹھیک ہے، بہت اچھی بات ہے۔ آپ ایک منڈہ مسجد اور دو منڈہ مدرسہ کے لیے دیدیں، مسجد سے مدرسہ آباد ہوگا اور مدرسہ سے مسجد آباد ہوگی۔ مولانا عبد الستار ان کے بیٹے تھے تو انھوں نے رجسٹری کر دی، رجسٹری میں لکھا:

"میں تین منڈہ مسجد اور مدرسے کے لیے وقف کر رہا ہوں، اس کو جو کمیٹی بھی چلائے وہ سنی مولانا امام احمد رضا کے مذہب اور ان کے طور طریقے پر رہے، اس میں اباجی کا بھی نام تھا۔ اور میں اس کا متولی تاحین حیات مولوی عبد الستار اپنے بیٹے کو بناتا ہوں، ان کی وفات کے بعد گاؤں کے سنی علمائے کرام جس کو چاہیں متولی بنائیں، سنی صحیح العقیدہ اعلیٰ حضرت کے طریقے پر جو ہو اس کو بنائیں"۔ خیر حاجی شکر اللہ کا انتقال ہوگیا، متولی یہ (مولانا عبد الستار صاحب) رہے، جھگڑا بھی ہوا، مدرسہ بھی پھر بعد میں ٹوٹ گیا۔ بعد میں مفتی شریف الحق صاحب اور اعظمی صاحب کھڑے ہوئے کہ اس کی کمیٹی بنے، مگر لوگ تیار ہی نہیں ہوئے کہ کیا ہم لوگ بیچ میں پڑیں۔ میں فرفرہ میں پڑھاتا تھا، سماری ڈیہہ (امجد نگر) کے مولانا حفیظ اللہ کے بڑے بھائی مولانا سمیع اللہ جو قاری یحییٰ صاحب کے ساتھیوں میں تھے، وہ اور مولانا غلام ربانی صاحب دونوں نے مجھ کو فرفرہ خط لکھا، کہ آپ گھوسی میں ایک متبادل مدرسہ قائم کریں، ہم لوگ آپ کا پورا ساتھ دیں گے۔ میں نے جواب میں لکھا، کہ وہاں مدرسہ شمس العلوم ہے، اس لیے میں کسی مدرسے کے قائم کرنے کی بات نہیں سوچ رہا ہوں۔ ان کی بات ختم ہوگئی۔ میں وہاں سے آیا تو سب روداد معلوم ہوئی۔ میں جمعہ کے دن (کریم الدین پور کی) جامع مسجد میں کھڑا ہوا، میں نے کہا: یہ جائیداد مذہب کی ہے وقف علی اللہ ہے۔ اب اگر اس مدرسے اور مسجد کو آباد کرنے سے آپ لوگوں نے انکار کیا تو سب عند اللہ ماخوذ اور گنہگار ہوں گے، سب کی ذمہ داری ہے کہ اس کو جاری کرنے کی فکر کریں۔ تو ایک شخص اٹھ کر کھڑا ہوگیا، کہنے لگا کہ ہم لوگوں کو جھگڑے میں نہیں پڑنا ہے،

میں نے کہا: جھگڑا مٹانا ہے۔ خیر اگلے جمعہ کو بھی میں نے تقریر کی، میں نے اندازہ کیا کہ مغرب بعد اور عشا بعد جگہ جگہ لوگ بیٹھ کر یوں ہی خوش گپیاں کرتے تھے۔ بشیر صاحب کے یہاں ایک بیٹھکی تھی، کریم الدین پور میں حکیم صاحب کے یہاں ایک بیٹھکی تھی، چار پانچ بیٹھکی تھی تو روز الگ الگ بیٹھکی میں جا جا کر میں نے لوگوں کو سمجھایا۔ تو اُدھ مرے دل سے لوگوں نے ہاں ہاں کردیا، اس کے بعد ایک دو جمعہ تقریر ایسی ہی چلتی رہی، اس کے بعد میں نے ایک جمعہ کو اعلان کیا، کہ کل آپ سب لوگ مدرسہ شمس العلوم میں جمع ہوجایئے، تا کہ ایک کمیٹی کا انتخاب کردیا جائے جو اس مدرسے کو چلائے، میں اس سلسلے میں پورا تعاون کرنے کو تیار ہوں۔ میں مولوی عبد الستار کے پاس گیا، جھگڑے کے ایک رکن وہ بھی تھے، میں نے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ مدرسہ برباد ہوجائے،؟ بولے: نہیں، میں تو چاہتا ہوں کہ مدرسہ چلے۔ میں نے کہا: تو چپ چاپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ بولے: میں کیا کروں، میں بیمار ہوں، کمزور ہوگیا ہوں، بڈھا ہوگیا ہوں، تو میں نے کہا: تو کم سے کم اس سلسلے میں آپ طاقت ور لوگوں سے مدد تو لیتے، کہنے لگے: کون ہے سننے والا، میں نے کہا: سننے والا میں موجود ہوں۔ بولے: آپ ذمہ لیتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں میں ذمہ لیتا ہوں، میں کمیٹی بناؤں گا، چلواؤں گا۔ تو کہنے لگے، آپ ذمہ لیتے ہیں تو ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔ اس کے بعد نذیر وکیل سے میں نے بات کی کہ ایک مضمون آپ وہاں لکھ دیجیے،

ان سے میں بات کروں گا، میں نے مولوی عبد الستار صاحب سے بات کی، تو انھوں نے کہا: میں مدرسہ آپ کو سونپتا ہوں، آپ چلایئے۔ میں نے کہا: لکھ کر دیجیے۔ تو نذیر وکیل سے انھوں نے کہا کہ لکھ دو، میں مولانا ضیاء المصطفیٰ کو سپرد کرتا ہوں، یہ جو کمیٹی بنائیں وہ کمیٹی منظور ہے، میں اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالوں گا، جس طرح سے یہ لوگ چاہیں مدرسہ چلائیں۔

اب میں نے کمیٹی بنائی اور مدرسہ چلنے لگا، اسی میں میں نے ممتاز کو ناظم اعلیٰ بنایا، حافظ عبد اللہ کو خزانچی بنایا، مولوی شفیق کو کچھ بنایا۔ ایک روز اعظمی صاحب اِدھر آئے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: حضرت! بہت اچھا ہوا آپ اِدھر آگئے، میں آپ سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ جو کام آپ نے شروع کیا تھا وہ کام میں نے پایہ تکمیل تک پہنچادیا۔ بولے: ارے یہ کریم الدین پور ہے، تم پہچانتے نہیں ہو۔ میں نے کہا: دعا کیجیے، اللہ تعالیٰ محنت اور جفا کشی کو رائیگاں نہیں کرتا ہے۔ اب مدرسہ چل پڑا، پانچ سال تک میں اس کا صدر رہا، اس کے بعد قاری عثمان صاحب کے حوالے کردیا۔

فقیر مرتب نے عرض کی:

کیا مدرسہ شمس العلوم کے یہ مدارج صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زمانے میں ہی طے ہوئے تھے؟

اس پر ارشاد فرمایا:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زمانے میں یہ مدرسہ وہیں تھا جہاں ان کا مزار ہے، دادوں جب رہتے تھے، وہاں سے آتے تو میں بھی لڑکوں کے ساتھ سیپارہ پڑھنے کے لیے منشی نظام الدین کے پاس وہاں بیٹھتا تھا، ٹاٹ کا انتظام بھائی جان (حکیم شمس الہدیٰ) نے کیا تھا، پھر وہاں سے اٹھ کر اِدھر آیا (مسجد کے بغل میں) پھر بھائی جان کے انتقال کے بعد اٹھ کر باڑے میں چلا گیا، اس کے بعد پھر مولانا غلام یزدانی صاحب

نے اس میں کام کیا، یہ سب اباجی کی حیات میں ہی ہوا۔ شمس العلوم کی زمین بھی مولانا غلام یزدانی صاحب نے حاجی شکر اللہ صاحب سے اباجی کی حیات میں ہی لی۔ اور مولانا عبدالستار صاحب چونکہ حاجی شکر اللہ کے بیٹے تھے اوران کو انھوں نے متولی بنایا تھا، مولوی عبدالستار صاحب اباجی کے مرید بھی تھے، تو مدرسہ کا نام رکھنے کا معاملہ آیا، مولوی عبدالستار نے کہا کہ "مدرسہ امجدیہ" نام رکھا جائے گا، تو مولانا غلام یزدانی صاحب نے کہا: نہیں، یہ پڑھائی کا سارا انتظام بھائی جان مرحوم (حکیم شمس الہدیٰ ابن صدرالشریعہ) نے کیا ہے، اس لیے اِس کا نام "شمس العلوم" رکھا جائے گا۔

فقیر مرتب نے عرض کی:

اس کا مطلب حکیم شمس الہدیٰ علیہ الرحمہ نے شمس العلوم کے لیے بڑی خدمات انجام دیں ہیں؟

اس پر اہل گھوسی کی تعلیم وتربیت کے لیے ان کی خدمات سے متعلق ارشاد فرمایا:

یہاں نوانیم تل کی سب زمین اباجی کی تھی، اس میں بھائی جان نے ایک مدرسہ لڑکوں کے لیے کھولا، جو دن میں بنائی کا کام کرتے تھے ان کے لیے رات میں پڑھائی کا انتظام کیا، انھیں لڑکوں کو لے کر کے دیوار چنوائی، پھر زریا تھپوا لگوا کر چھپر بنوایا، اور خود رات میں بیٹھ کر پڑھاتے تھے، کام کرنے والے جتنے لڑکے تھے ان کو بلاتے تھے۔ یہ سب رشید احمد صغیر احمد حاجی وزیر کے سب بیٹے اس میں پڑھتے تھے۔ بھائی جان کا ذوقِ تعلیم تھا کہ جو ذرا سا پڑھنے کے لائق ہوتا تھا اسے پکڑ کر اباجی کے پاس بھیجتے تھے، کہ اس کی پڑھائی کا انتظام کیجیے۔ یہ جتنے علما تھے پرانے انتقال کر گئے سب کو انھوں نے ہی بھیجا، اعظمی صاحب کو انھیں نے بھیجا، مولانا غلام یزدانی صاحب کو انھیں نے بھیجا، مولانا سالم صاحب کو انھیں نے بھیجا، سب کو پکڑ پکڑ کر سمجھا سمجھا کر بھیجا کرتے تھے۔

اس پر مرتب نے عرض کی:

اس کا مطلب، گھوسی میں علمی انقلاب انھیں (حکیم شمس الہدیٰ) کے ذریعہ آیا۔

ارشاد فرمایا:

ہاں۔ ورنہ عالم کے اعتبار سے صرف ہمارے دادا کا گھرانہ تھا، اسی میں مولانا صدیق وغیرہ بھی تھے مولانا غلام یزدانی صاحب کے والد، جو بہت بڑے عالم تھے، اصول فقہ اور منطق فلسفہ میں بے مثال عالم تھے۔ بلکہ اباجی کے کچھ استاذ بھی تھے، کافیہ اباجی نے انھیں سے پڑھی تھی، پڑھائی تو دادا نے کرائی تھی، مولانا صدیق صاحب مولانا ہدایت اللہ رامپوری صاحب کی بارگاہ میں پڑھتے تھے، تو دادا نے کہا: ان کو بھی وہیں لیتے جاؤ، یہ گئے۔ دادا نے اپنے بڑے لڑکے مدرسے کے حکیم محمد علی کو حکیم بنایا۔ مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ خود تو حکیم تھے، راجا عظمت گڑھ کے درباری طبیب تھے، اس لیے دادا نے اپنے بڑے لڑکے حکیم محمد علی کو اس زمانے کے جو بڑے حکیم تھے ان کے پاس لکھنؤ بھیجا، اور دکان پر کے بڑے ابا کو خود اپنے پاس پڑھایا۔

مدرسہ شمس العلوم کا نسواں:

فقیر مرتب نے عرض کی:

ایک بار آپ نے مجھے بتایا تھا کہ شمس العلوم نسواں کے لیے ہمارے خاندان کی زمین بھی دی گئی ہے۔

اس پر ارشاد فرمایا:

حلیمہ سعدیہ یا کیا نام تھا، بوڑھی خاتون تھیں، ان کی ایک لڑکی کی شادی بھائی جان سے ہوئی تھی، اور ایک لڑکی کی شادی غلام اشرف سیٹھ سے ہوئی، غلام اشرف سیٹھ اور بھائی جان دونوں ساڑھو تھے۔

ان (حلیمہ دائی) کا انتقال ہوا تو ان کی زمین آدھی آدھی ہوگئی، تو اس میں آدھی زمین بھائی جان کی، آدھی زمین ان غلام یٰسین کی، غلام اشرف کی، آدھی زمین بھائی جان کو ملی، تو غلام یٰسین صاحب کا جب انتقال ہونے لگا ان کا کوئی وارث نہیں تھا، تو انھوں نے مرنے سے پہلے یہ کہہ دیا کہ میری وہ زمین جو حلیمہ دائی والی ہے، وہ مدرسہ شمس العلوم اور جامع مسجد پر دیدی جائے، تو جب میں شمس العلوم کا صدر تھا تو میں نے پلان بنایا کہ لڑکیوں کا مدرسہ چلے، (غور کیا گیا کہ) کہاں بنے کہاں بنے؟ تو میں نے کہا کہ اسی زمین پر بنے گا، غلام یٰسین نے شمس العلوم اور جامع مسجد کو اپنا حصہ دیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حصے کا آدھا جامع مسجد میں اور آدھا مدرسے میں۔ میں بھائی جان کے حصے کے لیے اپنے بھائیوں اور مولوی قمر الہدیٰ کی طرف سے اجازت دیتا ہوں کہ یہ ہم لوگوں کا جو آدھا حصہ ہے یہ شمس العلوم میں جائے گا۔ اس لیے کہ بھائی جان کا انتقال ابا جی کی زندگی میں ہوا، تو ان کی جائیداد بطور وراثت منتقل ہوئی ابا جی اور بھائی جان کی اولاد کو اور ابا جی کا حصہ پھر ہم لوگوں کو۔ تو لڑکیوں کے لیے مدرسہ کی عمارت بن گئی۔ میں نے کہا کہ اس میں زمین ایک چوتھائی مسجد کی پڑ رہی ہے اس لیے پچیس روپیہ ماہانہ کرایہ جامع مسجد کو دیا جائے۔

ایک زمانے میں جب میں بالکل نیا فارغ ہوا تھا حضرت حافظ ملت نے مجھے یہاں پچھتر روپے تنخواہ پر رکھ دیا۔ اس زمانے میں مولوی فاروق صاحب نے بارہ سو روپے میں وہ زمین (دار الاقامہ والی) خریدی، اور رجسٹری آٹھ سو میں ہوئی، روداد میں اس کا خرچ بارہ سو چھاپا (جتنے میں خریدی گئی تھی)۔ اس پر مخالف گروپ نے روداد اور رجسٹری دونوں کے مقابلے کے ساتھ اعظم گڑھ کلکٹری میں ان کے خلاف غبن کا کیس کر دیا۔ آٹھ آدمی کو ملزم بنایا، ایک مولوی فاروق، ایک میں، ایک مولوی سمیع اللہ، اور کچھ دیگر کل آٹھ آدمی تھے۔ یہ مقدمہ چلتا رہا، پھر ایک سو سات کا مقدمہ چلا، میں کبیدہ خاطر ہوا، دو پارٹیاں بن گئیں۔ پورا کریم الدین پور اور بڑا گاؤں پریشان، قریب ستر آدمیوں پر ایک سو سات فوجداری مقدمہ ہو گیا، پھر صلح ہوئی۔ میں نے استعفا دیدیا، اور فرفرہ چلا گیا، فرفرہ جانے سے پہلے ہی مقدمہ کی تاریخ تھی، جم کر بحث ہوئی، اس میں فیصلہ دیدیا، کہ ایک شخص پر مقدمہ چلے گا اور باقی سات آدمیوں کو بری کیا جاتا ہے۔ تو ہم لوگ ساتوں ملزمان بری ہو گئے، اس کے بعد میں فرفرہ چلا گیا، پھر اس فیصلے کے خلاف بھی اپیل کر دی گئی، جس کے نتیجے میں کچھ اور دن مقدمہ چلا، اور ملزمان کے تعین کی بحث میں ساتوں آدمی پھر بری کر دیے گئے۔

مولانا سردار احمد صاحب کے انتقال کی خبر اور صدر الشریعہ کا خواب:

فقیر مرتب نے عرض کی:

آپ نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ مولانا سردار احمد صاحب کے انتقال کی غلط خبر آئی تھی، اس پر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ان کے متعلق تقریر کی تھی، اس کی تفصیل؟

اس پر ارشاد فرمایا:

بریلی میں فسادات چل رہے تھے اور ملک کے مختلف حصوں میں، تو بی بی جی کی مسجد میں جس میں مدرسہ بھی چلتا تھا، تو جو مدرس ہوتے تھے اسی میں رہتے تھے، تو حضرت مولانا سردار احمد صاحب جس حجرے میں رہتے تھے، اس کی ایک کھڑکی راستے کی طرف کھلتی تھی، جس میں کوئی جنگلہ وغیرہ نہ تھا، اور ایک ڈھلواں طرح کی دیوار تھی کہ کوئی چڑھ نہ سکے، اسی حجرے میں رہتے تھے، سن ۴۶، ۴۷ کی بات ہے۔

(گھوسی میں) رات کو دو بجے کے قریب کوئی ایک اخبار لے کر آیا، اس میں یہ خبر لکھی ہوئی تھی کہ مولانا سردار احمد صاحب بی بی جی کی مسجد میں جو حجرہ ہے اس میں آرام فرماتے، تو شرپسندوں نے پیچھے کی کھڑکی سے گھس کر ان کو شہید کر ڈالا، اس وقت (ابا جی) صبح تک نہیں سوئے، صبح ڈگڈگی پٹوائی کہ باغ والی مسجد میں قرآن خوانی ہے، اس وقت وہ مسجد سنیوں کے قبضے میں تھی، وہ مسجد تو دیو بندی کی نہیں ہے، ایک حافظ مشتاق تھے زبردستی اُدھر ملا رہے اور ادھر بھی رہے، مرنے سے کچھ پہلے فخر الدین کو امامت کے لیے بڑھانا شروع کر دیا، اسی کے بعد وہاں سے سنی نمازی چھٹنا شروع ہو گئے، اور دیو بندیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ورنہ دیو بندی وہاں کہاں تھے، صرف وہ تھا حاجی یعقوب اس کے بیٹے وغیرہ، مولوی اختر اور مولوی اختر کے دو تین بیٹے انوار الحق، فخر الدین وغیرہ، بس یہی دو تین گھر تھے۔ تو اس وقت مسجد تو اپنی ہی تھی، اس مسجد میں قرآن خوانی ہوئی، قرآن خوانی کے بعد ابا جی نے تقریر کی تھی، تو حضرت مولانا سردار احمد صاحب کے بارے میں فرمایا: آج رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک سفر میں پیدل ہم لوگ (نکلے)، میں، مولوی سردار احمد، ضیاء المصطفےٰ اور سبحان اللہ، یہ تینوں میرے ساتھ چل رہے تھے، راستے میں ایک سمندر پڑا اور وہاں کوئی کشتی بھی نہیں تھی، ہم لوگ اس کو پار کیسے کریں؟ تو میں نے ان لوگوں سے کہا: بسم اللہ کر کے چلتے رہو، تو اس سمندر کے پانی پر چلتے رہے، اسی بیچ میں مجھے اخبار لا کر کسی نے دروازہ پیٹ کر دیا، اس تقریری میں مولانا سردار احمد صاحب کے متعلق کچھ اور باتیں بھی تھیں ان کی تعلیم اور پڑھنے کے زمانے کے حالات وغیرہ۔

فقیر مرتب نے عرض کیا:

آخری ایام میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تو گھوسی میں ہی رہنے لگے تھے، اس کے کچھ احوال؟

اس پر ارشاد فرمایا:

دادوں چھوڑنے کے بعد چار مہینے یا اس کے قریب بنارس میں رہے، اصل میں بنارس میں جو یہ مدنپورہ کے لوگ تھے حاجی عبد الغفور یہ سب لوگ ابا جی سے اور حجۃ الاسلام سے سب علمائے اہل سنت سے بہت عقیدت رکھتے تھے، ان میں چند ابا جی کے مرید تھے اور زیادہ تر حجۃ الاسلام کے مرید تھے، تو ابا جی کو بھی وہ لوگ بلایا کرتے تھے۔ تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اگر آپ یہاں رہنا شروع کر دیں تو سنیت کا بہت بڑا کام ہو جاتا۔

فرمایا: اس درمیان کچی باغ کے مدرسے مظہر العلوم والوں نے بلایا، تو وہاں رہے، مدنپورہ والوں کو کہلوایا کہ میں یہاں آگیا ہوں، وہ لوگ نہیں آئے، ایک ہفتہ، دس پندرہ

بیس روز ہو گئے بار بار بھیجا، ایک مرتبہ بہت ڈانٹ کر کے بھیجا کہ ان سبھوں سے کہہ دینا کہ ان کو آنا ہے تو آئیں ورنہ میرا تعلق نہیں، اب آئے تو بہت ڈانٹ کر فرمایا: تم لوگ کہہ رہے تھے کہ بنارس میں آپ رہنے لگتے تو سنیت کا بڑا کام ہو جاتا، تو تم لوگ کیا کام کر پاؤ گے، میں آ گیا ہوں، یہاں کا ماحول بھی بنانا چاہیے، پورے بنارس کو سنبھالنا چاہیے، کیوں نہیں آتے؟ اس کے بعد پھر آپ چھوڑ کر چلے آئے۔ مدن پورے میں یہ برائی تھی کہ انکے یہاں اتریں تب مانیں گے، تا کہ بتا سکیں کہ میرے یہاں فلانے صاحب اترتے ہیں۔

اسی طرح میں نے بھی بنارس میں اپنے بہت تعلقات آہستہ آہستہ پھیلائے تو وہاں کے مولوی مولانا لوگ سمجھتے تھے کہ یہ بس ویسے ہی چالو پرزا مولانا ہیں، مگر جب ایک دو مرتبہ بحث ہوئی تو پتہ چل گیا کہ یہ بھاری ہیں۔ اس کے بعد کبھی کبھار میں جامعہ حمیدیہ رضویہ چلا جاتا تھا، اس میں حضرت مولانا سلیمان صاحب بھاگلپوری علیہ الرحمہ اور قاضی شمس الدین صاحب تھے ان حضرات سے علمی باتیں ہوتی تھیں، سوالات و جوابات ہوتے، تو وہ حضرات بہت متاثر تھے۔ میری ہی تحریک پر قاضی شمس الدین صاحب کو مبارک پور لایا گیا۔

فقیر مرتب نے عرض کیا:

مفتی شریف الحق علیہ الرحمہ کی کتاب اسلام اور چاند کا سفر کے متعلق سوال وجواب قاضی شمس الدین صاحب سے ہی تھا؟ فرمایا: نہیں، بلکہ حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔

کچھ چاند کے سفر کے متعلق سوال و جواب:

فقیر مرتب نے عرض کیا:

اس کتاب (اسلام اور چاند کا سفر) کے مباحث میں کافی مواد آپ نے فراہم کیا تھا، اس سلسلے میں کچھ ارشاد ہو۔

اس پر ارشاد فرمایا:

حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس مسئلے پر میری گفتگو ہوئی، انھوں نے بھی اپنا ایک پانچ چھ ورق کا چھوٹا سا کتابچہ شائع کیا تھا، تو اس میں انھوں نے ان (مفتی شریف الحق صاحب) پر اعتراض کیا تھا۔ اور کہا کہ چاند سورج آسمانوں میں ہے، تو اس میں انھوں نے جائے استاذ خالی است کے طور پر اعتراضات شروع کیا، اس میں انھوں نے لکھا کہ چاند سورج سب آسمانوں کے اندر ہیں اس لیے ان تک پہنچنا ناممکن ہے۔ **لَاتُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ** (الاعراف ۴۰) اور **جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا** (نوح ۱۶)

جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ کا معنی چاند ان میں یعنی آسمانوں میں ہے، اور تفسیر مدارک التنزیل میں "**كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ**" سورہ سبا میں بھی ہے سورہ یس میں بھی ہے۔ تو سورہ سبا والے میں "**كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ**" کی تفسیر میں لکھا ہے: **الفلک عند جمهور المفسرین موج مکفوف تحت السماء تجری فیه الشمس والقمر والنجوم**،، اور لکھا ہے: **وقال ابن عباس: الفلک هو السماء**، تو **كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ**، اگر فلک سے سماء مراد لیں تو سب آسمان میں ہو جائیں گے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہما کا قول تمام مفسرین سے زیادہ اہم مانا گیا ہے۔ یہ سب انھوں نے لکھا۔

میں عرس رضوی میں ایک بار گیا، تو وہ اپنا کتابوں کا کتب خانہ لے کر تشریف فرما تھے، میں نے دست بوسی وغیرہ کی، انھوں نے بیٹھایا، میں نے ان کا کتابچہ دیکھا اور کہا: یہ میں پڑھ سکتا ہوں؟، فرمایا: ہاں پڑھ لیجیے، آپ ہی کا ہے۔ یہ لے جایئے، میں نے پڑھا، پڑھنے کے بعد میں نے کہا کہ اس میں جو آپ نے یہ سب باتیں لکھی ہیں ان سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ چاند، سورج اور کواکب آسمانوں میں ہیں، یہ کہاں ثابت ہے؟۔ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوراً، (نوح ۱۶) جعل دو مفعول پر آتا ہے، تو اس کا معنی یہ نکلا کہ سورج اور چاند کو آسمان کا نور بنایا، جَعَلَ فِيهِنَّ کا تعلق "نوراً" سے ہے۔ تو آسمانوں میں اس کا نور جاتا ہے، زمین پر تو آتا ہی ہے اور آسمانوں میں بھی جاتا ہے، اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ سورج اور چاند دونوں کے نور کا جو اصل حصہ ہے وہ آسمان کی طرف ہے، اور یہ حصہ بھی روشن ہے، مگر اس کا چہرہ اُدھر ہے اور باقی اِدھر۔ فرمایا: نہیں، جمہور مفسرین کا جو قول ہے آپ اس سے استشہاد کر رہے ہیں، حالانکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ میں نے کہا کہ ابن منذر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: قال ابن عباس كل في فلك حوله يسبحون يدورون، تو اس سے یہ تو نہیں سمجھ میں آیا کہ یہ فلک کے اندر ہیں، کہ "حولہ" ہے، اس سے سمجھ میں آیا کہ وہ نیچے ہیں۔ بولے: "حولہ" اسم ہے، "فی" کا ترجمہ "حول" سے کیسے کریں گے؟۔ میں نے کہا: یہ سب نحو وصرف کی نئی اصطلاحیں ہیں، اور نزول قرآن جو ہوا ہے وہ محاورات عرب پر ہوا، اس لیے "فی"، "حول" کے معنی میں آتا ہے، مگر "حول" دو طرح کا ہوتا ہے، ایک "حولہ" یعنی "علیہ" اور ایک "حولہ" یعنی "فیہ"، تو "فی" کا "حولہ" ترجمہ ہو، اتو یہ معنی ہوا کہ فلک کے نیچے، فلک کے اوپر والے حصے میں نہیں، بلکہ نیچے کی سطح میں چکر کر رہے ہیں۔ جمہور مفسرین اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف فلک کے معنی میں ہے، اس میں نہیں ہے کہ شمس وقمر جرم سماء میں ہیں یا نہیں۔ تو "كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ" کا معنی ابن منذر نے ابن عباس سے یہ روایت کیا ہے: قال ابن عباس كل في فلك حوله يسبحون يدورون، تو اس کا معنی تو یہ ہوا کہ آسمان کے نیچے اس کی سطح اندرونی میں وہ گردش کر رہے ہیں۔ کہنے لگے: حول کا معنی اوپر ہوتا ہے۔ میں نے کہا: نہیں، ہم کہتے ہیں "ہوا گیند میں ہے" تو اس کا معنی یہ ہوا کہ ہوا اس کی سطح تحتانی کے اندر ہے "الهواء في الكرة"، کا معنی یہ ہوا کہ ہوا سطح اندرونی کے اندر ہے۔ اور علیہ اگر ہوتا تو سطح بیرونی کے اوپر ہوتا ہے۔ اس لیے "فی فلک" کا معنی جب وہ کہہ رہے ہیں "حولہ" تو یہ معنی ہوا کہ یہ سب آسمان کے نیچے ہیں، اور یہی تو جمہور مفسرین بھی کہہ رہے ہیں، فرق یہ ہے کہ (جمہور) فلک کا معنی "موج مکفوف تحت السماء" لیتے ہیں، وہ (حضرت ابن عباس) کہتے ہیں: نہیں، فلک کا معنی سماء، یہ فرق ہوا، بس، مگر اس پر تو دونوں کا اتفاق ہوا کہ شمس وقمر آسمان کے نیچے ہیں۔

فرمایا: یہ چیز لکھ کر مجھے دیدو، میں نے کہا: میں اسی پر لکھ دیتا ہوں۔ جو دلیل تھی اس پر میں نے لکھ دیا، اور کہا کہ لے

جایئے، انھوں نے کہا: لکھ دو میں اس کا جواب بعد میں دوں گا۔ مگر جواب نہیں آیا۔

یہ سب میں نے مفتی شریف الحق صاحب کو بتایا، تو مفتی صاحب مسکرا رہے تھے۔ پھر میں نے اسی سلسلے میں مفتی صاحب سے کہا کہ میں بریلی شریف چھٹیوں میں خاص طور سے بڑی چھٹی میں چلا جاتا تھا کہ مفتیٔ اعظم کے پاس رہ کر فتویٰ لکھتا رہوں، اور مفتی اعظم کو دکھاتا رہوں، تو اتفاق سے اسی دوران Appollo 11 (اپالو الیون) کے چاند پر جانے کا دعویٰ ہوا تھا۔ اسی درمیان اس کے متعلق بہت سے سوالات آئے تھے، وہاں دارالافتاء میں چار پانچ مفتی بیٹھتے تھے، سب نے ان سوالات کو اٹھا کر میری جھولی میں ڈال دیا، کہ آپ اس کا جواب دیں۔ تو میں نے اس کے لیے مطالعہ شروع کیا، اور سب کا جواب لکھ کر بھیج دیا۔ اب بڑی مشکل یہ ہے کہ اس وقت جو میں فتوے لکھتا تھا ان کی کوئی نقل میں نے نہیں رکھی۔

فقیر مرتب نے عرض کی:

آپ کے ان فتاویٰ پر مفتی اعظم ہند کا دستخط تھا؟

اس پر ارشاد فرمایا:

نہیں، اس وقت مفتی اعظم ممبئی گئے ہوئے تھے، اور وہاں سے جبل پور، پھر میری چھٹی ختم ہوگئی تو میں واپس آ گیا۔ دوسرے سفر میں گیا تو حضرت سے بات ہوئی، میں نے بتایا، تو فرمایا: یہ (امریکی) جھوٹے ہیں کہ چاند پر پہنچے، چاند پر مٹی کہاں ہے جو یہ لوگ لے کر آئے، بڑے کذاب ہیں۔ میں نے کہا: حضور مٹی کا مطلب یہ ہے۔ فرمایا: اوہ، یہ ہے وہ ہے، وہ جو چیز ہے اس کو بتاتے۔

اس وقت علامہ (عبدالمصطفیٰ) ازہری صاحب (گھوسی) آئے تھے، کہنے لگے کہ یہاں لوگ بیٹھ کر ٹی وی پر سب دیکھ رہے تھے کہ چاند پر وہ اتر رہا ہے، تم کیسے کہتے ہو؟ میں نے کہا: ٹی وی جو آتا ہے وہ ایک فلم ہے، فلم میں کوئی بھی نقشہ بنا کر کے دکھایا جاسکتا ہے۔ بولے: اس طرح کی کوئی فلم نہیں بنائی جاسکتی۔ میں نے کہا: بالکل وہ سب فلم ہے، میں اس کو فلم مانتا ہوں۔ بہت بعد میں امریکہ کا ایک بڑا سائنس داں چارلی اس کے نام کا حصہ تھا اس نے کہا: یہ سب فلمایا گیا ہے، وہاں آدمی کے پہنچنے اور رہنے کا کوئی امکان نہیں۔ پھر اس نے اس پر ایک اور شہادت دی کہ اس فلم میں ایک چیز اور میں نے ٹیلیویزن پر دیکھی کہ ایک درخت کسی کنارے پر ہے اور ہوا کہ جھوکے سے اس کی پتیاں جھول رہی ہیں، اب میں کیسے یہ مان لوں کہ جہاں پر آکسیجن اور ہوا کا پتہ نہیں ہے وہاں درخت ہوگا، اور پتیاں ہوا سے ہلتی ہوں گی۔ اس چیز نے سائنس دانوں میں بھونچال پیدا کر دیا۔ بہر حال، مفتی صاحب جو امکان لکھ رہے ہیں وہاں تک میں بھی قائل ہوں، امکان اور چیز ہے اور وقوع اور چیز ہے۔ کیسے وقوع مان لیا جائے۔

صدر الشریعہ کی کاوش اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں ابا جی نے گزارش کی کہ بدمذہبوں کا ترجمۂ قرآن بدمذہبی پھیلا رہا ہے، ایک صحیح ترجمہ آپ کرا دیجیے، تو ترجمہ کے لیے بہت مشکل سے انھوں نے قبول کیا، اس کی شرطیں رکھیں، پہلی شرط یہ ہے کہ تمام تراجم جمع کیے جائیں، اور وہ ڈاک سے نہ منگوائے

جائیں، بلکہ خود سفر کر کے ادب کے ساتھ ان کو لایا جائے۔تو اباجی کہتے ہیں کہ میں نے خود سفر کر کے وہ سارے تراجم جمع کیے اپنے پیسے سے، پھر دوسری شرط یہ کہ میں عصر کے بعد جتنا املا کراؤں تمام متداول تفاسیر سے اس کا تقابل کیا جائے اور اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش ہو تو وہ نوٹ کیا جائے، اور مجھ پر پیش کیا جائے تاکہ میں غور کرلوں، جب یہ ہو جائے گا تب اس کے بعد کا ترجمہ لکھواؤں گا۔ اس کام کے لیے کوئی تیار نہیں ہوا تو میں نے اپنے ذمہ لیا۔تفسیر کبیر، تفسیر ابوالسعود تفسیر جامع البیان للطبری اور بہت ساری تفسیروں سے اس کا موازنہ کرتا، عشا کی نماز کے بعد بیٹھ جاتا اور ڈھائی بجے رات تک اس کا موازنہ کرتا، اور جو جگہ قابل ترمیم سامنے آتی اس کو میں نوٹ کر لیتا، پھر دوسرے دن اس کو اعلیٰ حضرت کے سامنے پیش کرتا، اس طرح وہ سب دیکھنے کے بعد اعلیٰ حضرت جو فیصلہ کرتے تو ان کا ترجمہ ہی صحیح ثابت ہوتا، صرف چار یا پانچ جگہیں ایسی ہیں جہاں پر اعلیٰ حضرت نے چند الفاظ ترجمے میں تبدیل کیے، وہ اصلاح کے مقامات ترجمے کے مسودے سے بھی ظاہر ہیں۔

اباجی نے ازہری صاحب کو یہ بتایا: کہ تمہاری والدہ میرے انتظار میں اس وقت تک بیٹھی رہتیں، میں نے کئی دفعہ سختی سے بھی کہا کہ تم اپنا کھانا کھا کر سو جایا کرو مگر وہ نہیں مانیں، اور میرے کھانے کے بعد ہی کھانا کھاتیں۔آپ نے یہ سب باتیں علامہ ازہری صاحب کو بتائیں ، اور مفتی عبدالمنان صاحب کو جو لکھوایا اس میں بھی اس کا ذکر فرمایا۔آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ ترجمہ میں نے اپنے کاغذ اپنے قلم اپنی روشنائی سے تیار کیا، صدرالافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مجھ سے وہ ترجمہ مانگ کر اس شرط پر لے گئے کہ وہ اس کو نقل کروالیں اور تفسیر کی تکمیل تک مجھے واپس کر دیں گے، مگر مجھے اب تک واپس نہ ملا، کلیمی صاحب نے بعد میں بتایا کہ کباڑ خانہ ایک جگہ فروخت ہو رہا تھا تو میں نے کباڑ خانے سے کچھ کتابیں نکال لیں اور ان کو کچھ پیسہ دیدیا، ان میں وہ ترجمہ بھی تھا، وہ ترجمہ کلیمی صاحب نے نعمانی کو دیا، نعمانی نے بتایا کہ ہاں میرے پاس ہے اور وہ پانچ جگہیں بھی میں نے دیکھ لی ہیں، کہ وہاں پر کاٹ کر کے دوسرا لفظ لکھا ہوا ہے۔ہم لوگوں نے اس کا مطالعہ کرنا چاہا کہ دیکھ تولیں ان جگہوں کو، تاکہ اس پر کوئی تبصرہ کیا جاسکے، مگر وہ ترجمہ ان سے حاصل نہ ہوسکا۔

بحرالعلوم مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ کی کاوش "حیات صدرالشریعہ":

حضور حافظ ملت نے مفتی عبدالمنان صاحب کو اباجی کے پاس مقرر کیا تھا، حضرت صدرالشریعہ سے حافظ ملت نے عرض کی: حضور آپ اپنی حیات وخدمات کے متعلق ان کو کچھ لکھوا دیجیے۔تو مفتی صاحب لکھتے تھے، ان کا لکھا ہوا مولانا محمد احمد مصباحی جو مفتی عبدالمنان صاحب کے بڑے لڑکے تھا، (ان کا انتقال ہوگیا،) انھوں نے لاکر مجھے دیدیا، میں نے لاکر علاء المصطفیٰ کو دیا کہ اس کو فوراً نقل کر دو، انھوں نے اور مفتی عبدالمنان کلیمی نے مل کر مولوی سبحان اللہ سے بات کی کہ آپ زود نویس ہیں، اس کو نقل کر دیجیے، انھوں نے لیا اور مفتی عبدالمنان کو ویسے ہی واپس کر دیا، اور ایک سطر بھی نقل نہیں کیا۔اس میں سے تھوڑا سا چھپا، باقی رہ گیا۔اس مسودہ کو

میں نے پورا پڑھا، اس میں ابا جی نے اپنے اُس سفر کا بھی ذکر کیا ہے جو اعلیٰ حضرت کی حیات مبارکہ میں زیارتِ حرمین طیبین کے لیے گئے تھے۔ فرمایا:

"بمبئی پہنچے اور بہار شریعت کا حصہ ششم تیار بھی کر لیا اور روانگی سے پہلے پہلے اعلیٰ حضرت کی طرف سے نظر ثانی کے بعد واپس مل بھی گیا۔ میں اس کو ساتھ لیتا گیا۔ جہاز میں جو اسلامی جہاز تھا دو روز یا تین روز کے سفر کے بعد اس میں آگ لگ گئی، آگ تو بجھ گئی، اب حاجیوں میں اختلاف ہو گیا کہ جہاز جدہ جا رہا ہے یا بمبئی واپس جا رہا ہے۔ کپتان سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ واپس بمبئی جا رہا ہے، اس میں مرمت کروانی ہے۔

جہاز ممبئی آیا تو تقریباً چند روز اس کی مرمت میں لگ گئے، بالآخر ہم لوگ دوبارہ روانہ ہوئے، عدن میں جہاز رکا، وہاں سے کچھ لوگ سوار ہوئے ان میں نئی عمر کا ایک شخص سوار ہوا، اس کے ساتھ کچھ علما بھی تھے، اس نے (مجھے دیکھ کر) کہا کہ میں ان سے منطق کے کچھ سوالات کروں گا۔ لوگوں نے منع کیا مت کرو ہندوستان کے عالم ہیں، وہاں کے عالم بہت قابل ہوتے ہیں، وہ مانا نہیں، اب وہ مجھ سے بحث کرنے لگا میں اس کو ٹالنے والا جواب دیتا رہا، وہ اور زیادہ مجھ پر حملہ آور ہونے لگا، اب میں نے اس کو سنجیدگی کے ساتھ جوابات دیے اور جوابات کے ساتھ کچھ اعتراضات کیے، اور کہا کہ اس کا تم جواب دو، اب وہ بغلیں جھانکنے لگا"۔

منطق فلسفے وغیرہ کے معاملہ میں مکتب علامہ فضل حق خیر آبادی والے بہت معیاری ہوتے ہیں، ابا جی شرح مطالع وغیرہ پڑھایا کرتے تھے، شرح مطالع، افق مبین، حاشیہ افق مبین، قاضی مبارک اور قاضی مبارک کا پورا حاشیہ مولوی فضل حق' یہ سب حفظ کے درجے میں تھا۔ تو جب وہ عاجز آ گیا تو اس کے ساتھ کے جو علما تھے انھوں نے کہا کہ پہلے ہی تم کو ہم روک رہے تھے۔ خیر، جدہ اترے تو وہاں پر ہم لوگوں کو بتایا گیا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ جائیں گے تو حج فوت ہو جائے گا، اس لیے سیدھے آپ کو عرفات کے میدان لے جائیں گے، ہم لوگ عرفات کے میدان میں وقوف کے وقت تک پہنچے ظہر کے وقت۔

اس میں ابا جی نے اس کے بعد کی تفصیلات بھی بتائیں اور، وہاں کے علما سے ملاقات کا بھی کچھ اجمالی ذکر کیا۔

کچھ تعلیمی احوال:

مفتی عبدالمنان صاحب کو لکھوایا کہ حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ معقولات اور اصول فقہ کی تعلیم بے مثال دیتے اور اس میں وہ یکتائے روزگار تھے، میں نے انھیں کے پاس یہ تعلیم حاصل کی، اور جب فارغ ہوا تو خط لکھ کر کے محدث سورتی علیہ الرحمہ کے پاس بھیج دیا، تو حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب جو بعد میں اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ہوئے وہ اور ابا جی، دونوں مولانا ہدایت اللہ رامپوری کی درس گاہ میں ہم سبق تھے، حافظ ملت نے بھی بتایا کہ صدر الشریعہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت مولانا ہدایت اللہ رامپوری علیہ الرحمہ نے قطبی مع المیر سے تعلیم دینی شروع کی، اور ان کے پڑھانے کا یہ انداز تھا کہ عبارت پڑھواتے، ترجمہ کرواتے، اس کے بعد مطلب کا بیان کراتے، پھر اس پر خود اعتراض

کرتے اور جواب طلب کرتے، اور اگر جواب کمزور ہوتا تو اس کی اصلاح کرتے، یہ طریقہ تھا۔

آخری سفرِ حج اور وصال کے کچھ احوال:

فقیر مرتب نے عرض کی:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے آخری سفر حج کے وقت تو آپ موجود تھے، اس وقت آپ کہاں تھے؟ کچھ احوال ارشاد فرمائیں۔

اس پر ارشاد فرمایا:

اس وقت میں یہیں پر (گھوسی میں) شرح مأۃ عامل وغیرہ پڑھتا تھا، آخری حج کے وقت عجیب کیفیت تھی، مولوی سبحان اللہ صاحب رہتے تھے، مولوی سبحان اللہ کو طرز سے پڑھنے کا سلیقہ تھا، ان سے فرمایا: حدائق بخشش سے فلاں کلام پڑھو، وہ پڑھتے اور ابا جی بیٹھے ہوئے آنسو بہاتے رہتے اور خود ملا جامی علیہ الرحمہ کے کچھ اشعار پڑھا کرتے تھے، روتے رہتے، ایسے ہی آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہتے، اور پڑھتے رہے:

کے بود یارب کہ رو در طیبہ و بطحا کنم،

اس کو پورا پڑھتے تھے، اور ایک مصرع عربی کے شعر کا:

مرضت شوقا ومت هجراً فكيف اشكو

اليك شكوىٰ .

اس وقت کریم الدین پور کے مکان میں رہتے تھے۔ مگر وہاں جب مکان کی تعمیر ہونے لگی تو سامان وغیرہ یہاں (قادری منزل) آ گیا، ابا جی اماں جی ہم لوگ یہیں قادری منزل رہنے لگے، ابا جی اماں جی آنگن میں سوتے تھے اور ہم لوگ چھت پر سوتے تھے، گرمی کے دن تھے۔ صبح فجر کے بعد مجھے وہاں بھیج دیتے کہ جاؤ مزدور آئیں گے، چابی لے کر جاؤ اور ان کے اوزار پھاوڑا کدال وغیرہ نکال کر دو۔ وہ مکان مسجد کی طرف کا پوربی حصہ بیٹھک سمیت تعمیر ہو رہا تھا اور اس مکان کا پچھمی حصہ کھپریل کا کچا مکان سلامت تھا، اسی میں سب سامان رکھا جاتا تھا۔ کچے حصے میں دو کمرے تھے، الگ الگ، ایک کمرے میں اماں جی رہتی تھیں، دوسرے کمرے میں علامہ ازہری صاحب رہتے تھے، تو صبح صبح جا کر میں مزدور مستری کے لیے انتظام کر دیتا۔ صبح ابا جی آپا جان (سعیدہ خاتون) کو مشکوۃ شریف اور قرآن شریف کا ترجمہ وغیرہ پڑھاتے تھے، اسی درمیان بڑے ماموں آ گئے، یعنی مولانا غلام آسی صاحب، انھوں نے فرمائش کی کہ مجھے بھی کوئی کتاب پڑھا دیجیے، فرمایا: کیا پڑھو گے؟ سب تو پڑھ کر آئے ہو، عرض کی: تصریح پڑھا دیجیے، فرمایا: اچھا، ٹھیک ہے تصریح وغیرہ پڑھ لو، نہیں معلوم آگے کوئی پڑھانے والا ملے گا کہ نہیں۔ ابا جی کے پاس پیتل کا ایک کرہ تھا، اس کرے پر آسمانوں کے بروج وغیرہ کے سب اشکال ہیں، ابا جی کو نظر تو آتا نہیں تھا، ٹٹول کر بتاتے تھے، دیکھو یہ دائرہ، یہ دائرۂ معدل النہار ہے یہ دائرہ منطقۃ البروج ہے یہ دائرہ نصف النہار ہے، یہ دائرۂ افق ہے، یہ دائرۂ اول السموت ہے۔، دوپہر کے وقت پڑھاتے تھے، مفتی شریف الحق صاحب بھی ساتھ ہی بیٹھتے، اس وقت میری تعلیم اتنی نہیں تھی کہ میں یہ سمجھ سکتا، ابا جی کو علم ہیئت میں مہارت اتنی تھی کہ بینائی سے محروم ہونے کے باوجود سب صحیح طریقے پر بتا دیتے، دن کے چھوٹے بڑے ہونے کا سبب، اور اس میں قوس کے الٹے چلنے کا سبب بھی بتاتے۔

میں (محدث کبیر) نے تو تصریح پڑھنا شروع کیا تو

حافظ ملت نے چند سبق پڑھائے، پھر کہیں سفر میں جانے لگے تو فرمایا مولانا عبدالرؤف صاحب کے پاس پڑھو۔ واپس آئے تو فرمایا: انھیں کے پاس پڑھتے رہو، تو ہم نے انھیں کے پاس پوری کتاب پڑھی، وہ بھی باقاعدہ سمجھاتے تھے، خیر یہ ضمنی بات ہے۔

اسی دوران اباجی مفتی شریف الحق صاحب کو فتویٰ لکھنے کے لیے بلاتے، مجھے بھیج دیتے کہ جاؤ شریف الحق کو بلالاؤ، میں جاتا کہ اباجی بلا رہے ہیں، وہ چلے آتے، استفتا اور ڈاک جتنی ہوتی، فرماتے: کھولو، پڑھو ایک ایک کرکے، اور جواب لکھو، خط کا بھی جواب اور استفتا کا بھی جواب، سب اسی ایک بیٹھک میں لکھوادیتے۔ رمضان مبارک میں گھر بن ہی رہا تھا کہ اعتکاف کی تاریخ آگئی تو سب چھوڑ دیا اور مسجد چلے گئے (اعتکاف کریم الدین پور مکان سے متصل ہٹیہ مسجد میں کرتے تھے)، فجر کے بعد اباجی نے بیٹھک کے دروازے پر کھڑے ہوکر اماں جی سے کہا کہ تم یہاں آجاؤ یعنی کریم الدین پور کے مکان پر، تو میرے کھانے پینے کا انتظام ہوجائے گا، تو اماں جی اعتکاف سے دوروز پہلے ہی سامان لے کر چلی گئیں، اور دونوں آپا جان اور ہم لوگ بھی۔ ساجد کی والدہ یہاں (قادری منزل) رہ گئیں، اور بھائی جان کی بیٹیاں اور قمر الہدیٰ ساجد سب یہاں رہے، فرمایا کہ تم لوگ عید بعد وہاں آنا، تو ہم لوگ عید کے وقت سب وہیں شفٹ ہوگئے، تو وہیں مسجد میں اعتکاف کے دوران فتویٰ لکھواتے، لیکن مسجد میں خط کا جواب نہیں لکھواتے تھے کہ یہ سب دنیا کے کام ہیں۔ مفتی شریف الحق صاحب کو اسی دوران اعتکاف میں خلافت سے نوازا، وہ آخری خلیفہ ہیں اباجی کے۔

پھر عید کے بعد شوال کی پانچ تاریخ کو اباجی کو سفر حج کے لیے نکلنا تھا، غالباً تین شوال کو ہم لوگوں کو غلام آسی ماموں کے ساتھ ناگپور بھیج دیا کہ ان کو لے جاؤ اور ان لوگوں کو پڑھاؤ، ہم لوگوں کو تاکید فرمایا کہ دیکھو آپس میں تم لوگ یہاں کی زبان مت بولنا، اردو بولا کرنا، نہیں تو لوگ تم لوگوں پر ہنسیں گے۔

اُسی روز علامہ ازہری صاحب کو روانہ کیا، انھوں نے جھنگ میں پڑھانے کی بات چیت کرلی تھی، جھنگ جو بعد میں فیصل آباد کے نام سے مشہور ہوا، جھنگ پہلے ایک ریاست تھی اس کا نام بعد میں ہارون آباد ہوا، وہاں ایک مدرسہ تھا جس میں انھوں نے پڑھانے کے لیے بات چیت کرلی تھی، اباجی منع کررہے تھے مگر انھوں نے عرض کی کہ میں وہیں جاؤں گا۔ تو صبح فجر کے بعد ہم لوگوں کو روانہ ہونا تھا، پانچ بجے یا ساڑھے پانچ بجے صبح ایک ٹرین دوہری گھاٹ سے آتی تھی جو شاہ گنج جاتی تھی اس پر ہم لوگ سوار ہوئے اور ''اندارا'' اتر گئے، اندارا سے بنارس کی ٹرین پکڑی، بنارس پہنچے، تھوڑی دیر کے بعد ''اپر انڈیا اکسپریس'' آگئی، اس سے علامہ ازہری صاحب اور مولوی سیف الدین صاحب کے بھائی مولانا غلام یٰسین صاحب، اور غلام یٰسین کے بڑے ابا کے بیٹے تھے مولوی خلیل اشرف سب جھنگ چلے گئے، مولوی خلیل اشرف کا نام پہلے ''اشرف علی'' تھا، علامہ ازہری صاحب کے پاس مبارکپور میں پڑھا کرتے تھے، تو علامہ ازہری نے کہا: تمہارا نام اچھا نہیں ہے، اشرفعلی خبیث کے نام پر تمہارا نام ہے، ''خلیل اشرف'' رکھو، پھر اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ علامہ ازہری صاحب مولانا غلام یٰسین اور مولوی خلیل اشرف جھنگ چلے گئے، اور وہاں سے کہاں کہاں پڑھاتے پڑھاتے جب امجدیہ (کراچی)

تیار ہو گیا تو مفتی ظفر علی نعمانی صاحب نے ان کو بلایا، کہ آپ آیئے اور یہاں پڑھایئے، تو وہیں شفٹ ہو گئے۔

خیر، بنارس سے ہم لوگ بڑے ماموں کے ساتھ ناگپور چلے گئے، وہاں ناگپور میں میں علم الصیغہ، شرح ماۃ، منیۃ المصلی، وغیرہ سب پڑھ رہا تھا، تو دوذی قعدہ کو دس بجے دن میں ایک ٹیلیگرام آیا، ابا جی بمبئی پہنچ کر سخت بیمار ہو گئے تھے، تو اماں جی نے رحمت والا حاجی عبد الحکیم اور عبد العزیز وغیرہ سے کہا کہ غلام رشید کو یعنی ارشد ماموں کو بلا لو، ارشد ماموں بھی وہیں (ناگپور میں) رہتے تھے، ان کا مدرسہ مدرسہ شمس العلوم تھا، اور جامعہ عربیہ میں بڑے ماموں پڑھاتے تھے وہاں شیخ الحدیث تھے، تو ارشد ماموں بمبئی چلے گئے، تو دوذی قعدہ کو انھیں کا فون آیا دس بجے دن میں کہ ابا جی کا انتقال ہو گیا، اب یہ ہوا کہ کوئی فلائٹ مل جائے تو فوراً ہم لوگ بمبئی چلے جائیں، معلوم ہوا کہ فلائٹ چھوٹنے میں دس منٹ باقی ہیں تو فلائٹ سے نہیں جاسکے۔ تین بجے ناگپور سے بمبے میل تھا کلکتہ بمبے میل وایا ناگپور، اس وقت کلکتہ سے وایا الٰہ آباد ایک اور وایا ناگپور ٹاٹا ہوتے ہوئے چلتا تھا، تو بمبے میل سے ہم لوگ بڑے ماموں، ثناء المصطفٰے اور میں، ہم لوگ بمبئی کے لیے چلے، بمبئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ رات کے بمبے میل وایا الٰہ آباد سے جنازہ تو چلا گیا۔ تو (ہم لوگ اگلی) رات کو آٹھ بجے بمبے میل وایا الٰہ آباد جو مغل سرائے ہو کر جاتی تھی (اس سے نکلے)، مغلسرائے میں وہ بوگی جس میں جنازہ رکھا تھا وہ بوگی کٹ گئی، اور مغلسرائے سے سیالدہ اکسپریس کے ذریعہ وہ بوگی بنارس آئی، بنارس میں تالا کھول کر جنازہ نکالا گیا اور چھوٹی لائن کی ایک ٹرین میں جنازہ رکھا گیا۔ ہم لوگ جب رات میں بمبے میل سے ایک دن بعد چلے، وہاں پہنچے تو وہاں پر قلی وغیرہ کو سنا آپس میں باتیں کر رہے تھے، کہ کل پتہ نہیں کس کا جنازہ جا رہا تھا، بنارس سے اتنی بڑی بھیڑ تھی گاڑی میں گھسنے کی جگہ کیا لٹکنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔

ہم لوگوں نے فون کر دیا تھا کہ ہم لوگ بمبئی سے آ رہے ہیں جنازہ روک لیا جائے، حافظ ملت مبارکپور سے آ گئے، انھوں نے فرمایا: نہیں، جنازہ جلد سے جلد دفن کرنا ضروری ہے، اور ان لوگوں کے لیے انتظار کرنا درست نہیں ہے۔ وہ لوگ آ کر مزار پر فاتحہ پڑھ لیں گے۔ قبر کی جگہ طے ہوئی، قبر تیار ہوئی، جنازہ کی نماز حافظ ملت نے پڑھائی، تدفین ہو گئی، ہم لوگ دوسرے دن آئے۔ جب سے تار ملا تھا آنسو تو رک ہی نہیں رہا تھا، بمبئی پہنچے تب بھی رو رہے تھے، ٹرین میں بھی رو رہے تھے، گھر آئے تب بھی میں رو رہا تھا۔ دفن کے دو روز کے بعد ایسی بارش ہوئی ہے کہ باغ میں پانی پانی ہو گیا، اور قبر کا پائنتیں حصہ کھل گیا، اب قبر سے ایسی خوشبو پھوٹی ہے کہ پورا باغ گمگ رہا تھا، اور اعظمی صاحب کے گھر تک خوشبو آ رہی تھی۔ اسی پر (دیوبندی) مولوی فخر الدین مولوی اختر کا چچا کہنے لگا کہ مولوی امجد تو مرنے کے بعد بھی کرامت دکھا رہے ہیں۔ مگر اس نے یہ کرامت دیکھ کر بھی دیوبندیت سے توبہ نہیں کی۔ یہ واقعہ مشہور ہو گیا، اب لوگ دور دور سے آنے لگے، مئو سے ادری سے خوشبو سونگھنے کے لیے ادھر ادھر سے آنے لگے تو تیسرے روز وہ خوشبو بند ہو گئی، دو دن چند گھنٹے وہ خوشبو رہی پھر جب بہت بھیڑ ہونے لگی تو خوشبو بند ہو گئی۔ پھر مولانا غلام یزدانی صاحب نے ایک چبوترہ نما بیچ میں قبر بنوا کر مزار بنا دیا۔

☆☆☆

صدر الشریعہ

اولاد کی تعلیم و تربیت

علامہ عبد المصطفیٰ ازہری
شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی (پاکستان)

"کل فتاة بابیها معجبه" ہر اولاد اپنے باپ سے خوش ہے اور اسے پسند کرتی ہے۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے کہ لوگ اپنے والد اور دادا سے محبت کریں اور ان پر فخر کریں، لیکن ہم لوگوں کا فخر عالی نسبی شریف حسبی نہیں، بلکہ وہ علوم و معارف، وہ زہد و تقویٰ، وہ ورع اور للٰہیت ہے، جو ہم نے اپنی آنکھوں سے والد صاحب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ میں دیکھی اور پرکھی۔

حضرت کے تمام معاصرین اب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں اور اپنے رب کے حضور حاضر ہیں۔ تمام معاصرین میں سے حضرت کو یہ برتری ہماری نگاہ میں حاصل تھی کہ آپ نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس، تعلیم و تعلم، افتا و تذکیر میں گزار دی۔ اسباق پڑھانے کا اتنا شوق اور حوصلہ میں نے اور میرے ساتھیوں میں سے کسی نے بھی اور کسی میں نہیں دیکھا۔ صبح سویرے سے بارہ بجے تک دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں وقت کی پابندی سے درس دیتے، اس کے بعد مدرسہ کی تعلیم کا تعلیمی وقت ختم ہو جاتا تو مزید طلبۂ علم کو ایک بجے تک پڑھاتے، پھر گھر واپس آتے جو درگاہِ معلیٰ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی علیہ الرحمہ سے دس منٹ کے فاصلہ پر تھا، کھانا کھاتے اور مختصر قیلولہ فرماتے، پھر نماز ظہر ادا کرتے اور ۲/ بجے سے ۴/ بجے تک بعد دوپہر درس میں مشغول ہو جاتے، ۴/ بجے مدرسہ کا وقت ختم ہوتا تو اس کے بعد ۵/ بجے تک پھر طلبہ کو مزید درس علاوہ مدرسہ کے درس کے پڑھاتے، عصر کی نماز جامع مسجد شاہجہانی درگاہ معلیٰ میں پڑھتے اور لوگ کثرت سے آپ کے پیچھے جماعت ثانیہ میں شریک ہوتے، اکثر ائمہ مساجد کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے اور قراءت و رکوع و سجود کی خامیوں کی بنا پر ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے، البتہ جمعہ ہمیشہ بلا ناغہ درگاہ معلیٰ ہی میں ادا فرماتے تھے اور پھر احتیاطاً ظہر پڑھتے، سردیوں میں یہ لائحۂ عمل ہوتا۔ گرمیوں میں مدرسہ ۱۲۔۱۲ بجے تک رہتا، پھر اس کے بعد ایک ڈیڑھ بجے تک درس دیتے، گھر واپس آتے، کھانا کھاتے، قیلولہ کرتے اور ۳/ بجے سے ۶/ بجے تک از سر نو تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور عصر کے قریب ختم ہوتا، پھر عصر کی نماز درگاہ شریف میں پڑھتے، یا کسی اور مقام پر اور گھر سے دولت باغ جو تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا تفریح کے لیے جاتے (اس لیے کہ ڈاکٹروں اور حکیموں نے صحت اور جسم کی توانائی کے لیے اس کا مشورہ دیا تھا) لیکن یہ تفریح بھی برائے نام تھی، حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ

علیہ (محدث پاکستان) آپ کے ہم رکاب ہوتے اور اسباق کا سلسلہ جاری رہتا۔

ایک بار خود مولانا سردار احمد صاحب نے دارالعلوم امجدیہ کے جلسۂ دستار بندی میں اپنی خصوصیت تلمیذی اور شرف تلمذ کے بیان میں پوری تفصیل بیان کی اور خود میرا مشاہدہ بھی تھا، اس لیے کہ میں اور بہت سے دوست بھی روزانہ دولت باغ جاتے۔ دولت باغ میں حضرت مغرب کی نماز وہاں بڑے لان میں پڑھتے، اذان واقامت ہوتی اور نماز ہوتی، جماعت دیکھ کر باغ میں آنے والے کئی کئی سو آدمی اس جماعت میں شریک ہوجایا کرتے تھے۔ اس کے بعد رات کو گھر تشریف لاتے، کھانا کھاتے اور پھر کتابوں کا مطالعہ ہوتا، ہم سب لوگ لالٹین کے آمنے سامنے بیٹھ جاتے اور مطالعہ میں مصروف ہوتے، عشا کی نماز پڑھی جاتی اور پھر دس گیارہ بجے رات تک ہم لوگ سوجاتے اور حضرت کافی رات تک مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

صبح سویرے بے دار ہوتے، نماز فجر ادا کرتے اور ایک پارہ قرآن مجید کا ہمیشہ تلاوت کرتے اور شجرۂ طیبہ کا وِرد کرتے اور کچھ اوراد ووظائف پڑھتے، لیکن مختصر، وقت ہی بہت کم تھا۔ ناشتہ کرتے اور پھر سیدھے مدرسہ۔ جمعہ کے دن تعطیل ہوتی اور جمعرات کو آدھی تعطیل ہوتی تھی، اسباق کا ناغہ بالکل نہیں ہوتا تھا، سر میں درد کی اگر شکایت کی جاتی تو فرماتے کہ طالب علم کے سر میں درد نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا، سر کا درد کوئی بیماری نہیں، نہ خود چھٹی لیتے اور نہ چھٹی کو پسند کرتے، نہ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتیں، بس وقت شروع سبق شروع، وقت ختم سبق ختم۔ دوسرے کسی استاذ میں یہ بات نہ تھی، سوائے حضرت مولانا حکیم سید عبدالمجید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ بھی اس بات کو پسند نہ کرتے کہ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوں، لیکن ہم لوگ کچھ نہ کچھ وقفہ کبھی کبھی ان کے یہاں نکال لیا کرتے تھے، لیکن حضرت قبلہ صدرالشریعہ کے یہاں کسی کو اس کی جرأت ہی نہ ہوا کرتی تھی، تشفی وتسلی کے لیے اشکال پیش کرتے تو معقول ومدلل جواب عطا فرماتے، لیکن کسی کو فضول اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔

جہاں تک میں جانتا ہوں، اس زمانہ کے معاصرین میں بہت کم لوگ اس قدر جم کر پڑھاتے ہوں گے، جلسہ جلوس میں بھی شریک نہ ہوتے، صرف سال میں دو بار ناغہ کرتے اور رخصت لیتے۔ ایک گیارہویں شریف کے جلسہ کے لیے پالی مارواڑ جاتے، جو آخر عمر تک ہمیشہ معمول رہا۔ دوسرے اجمیر شریف یا جہاں بھی ہوں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس شریف میں برابر حاضری دیتے۔ میرے علم میں نہیں کہ کسی عرس سے آپ نے غیر حاضری کی ہو، ایک زمانہ میں عرس شریف سخت بارشوں میں آئے، لوگوں نے رائے دی کہ وقت کو ٹالا جائے، آپ نے سختی سے مخالفت کی۔ چنانچہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا صاحب سجادہ نشین اور حضرت مفتی اعظم نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔ ان دو چھٹیوں کے علاوہ کبھی چھٹی نہ کرتے، سوائے ان تعطیلات کے جو مسلمانوں میں یا مدارسِ دینیہ میں معمول تھیں۔

میں نے سب سے اہم کتاب "میزان" و "منشعب" حضرت سے پڑھی، اس کے بعد شرح مائۃ عامل، کافیہ، شرح

جامی، قطبی، میر قطبی، ملاحسن، میر زاہد، ملا جلال، رسالہ قاضی مبارک، چند اسباق شمس بازغہ اور امور عامہ کے۔ اس کے بعد میں مصر چلا گیا، واپسی کے بعد دادوں ضلع علی گڑھ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں تفسیر بیضاوی تا آخر سورۂ بقرہ، تشریح الافلاک، شرح چغمینی، صدرا، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابو داؤد شریف، نسائی شریف، شرح معانی الآثار امام ابو جعفر طحاوی دونوں جلدیں مکمل، میراث میں سراجی بھی اجمیر شریف میں پڑھی، اس (یعنی صرف سراجی کے) سبق میں حضرت مولانا حافظ عبد العزیز، مولانا سردار احمد صاحب اور ان کے بقیہ ساتھی سب ہی شریک تھے۔

نیز حضرت والد صاحب قبلہ سے ان کا تصنیف کیا ہوا اسلامی قاعدہ بھی ابتدا میں پڑھا اور پھر اردو کی دوسری کتاب پڑھی، فارسی میں میں نے والد صاحب قبلہ سے گلستاں باب ششم پہلے، پھر گلستاں باب سوم بعد میں پڑھے، غرض کہ حضرت والد صاحب کے تلامذہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے مجھ سے زیادہ کتابیں حضرت سے حاصل کی ہوں۔

ہر کتاب ان کتابوں میں اپنے اپنے مقام پر اہم ہیں، لیکن لوگ شاید کسی بڑی کتاب کو اہم تصور کرتے ہوں، یہ تصور میرے نزدیک صحیح نہیں، تمام کتابوں میں سب سے اہم اور مشکل قاعدہ بغدادی ہے، جس کے پڑھنے کے لیے وقت، وقت، محنت اور جانے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور سب سے بڑا استاذ شاید یہی پہلا استاذ ہو جس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اسی لیے کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ''من علمنی حرفا فقد صرت لہ عبدا'' جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھایا، میں اس کا غلام اور خادم ہو گیا۔

اب بتائیں کہ ''میزان'' و ''منشعب'' سے زیادہ کوئی کتاب علومِ عربیہ میں اہم ہے؟ اسی طرح شرح مائۃ کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے، خاص کر ہندو پاکستان کے متعلمین کے لیے۔ ایک زمانہ میں اس کتاب کو ندوے والوں نے اپنے نظام تعلیم سے خارج کر دیا تھا، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ کوئی طالب علم صحیح عبارت خوانی اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ یہ کتاب نہ پڑھ لے، لہٰذا دوبارہ اسے داخل نصاب کیا گیا۔

والد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے بالترتیب یہ لڑکے تھے:

مولانا حکیم شمس الہدیٰ مرحوم، مولانا محمد یحییٰ مرحوم، عبد المصطفیٰ الازہری غفرلہ (راقم الحروف) مولانا عطاء المصطفیٰ مرحوم، ہم چاروں بھائی ایک والدہ سے تھے، جن کا نام کریمہ تھا۔ یوں تو سب بھائیوں سے محبت کرتے تھے، لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے، میں بہت منہ لگا اور بے تکلف تھا، اگر دونوں بزرگ بھائیوں کو کوئی بات والد صاحب سے منوانی ہوتی تو مجھ کو فرمایا کرتے تھے۔ بڑے بھائی حکیم شمس الہدیٰ، حضرت والد صاحب قبلہ سے بہت ڈرا کرتے تھے، بڑا ادب کرتے تھے، کوئی بات کتنی ہی ضروری ہو، اسے پیش کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ باوجود شدتِ مرض کے اور منہ سے خون آنے کے والد صاحب قبلہ کے سامنے جب کہ تقریباً ۴۰ رسال کی عمر ہو چکی تھی، پان تک نہ کھاتے، حالاں کہ وہ پان کے عادی تھے۔ بیماری کے دوران حضرت والد صاحب قبلہ خود ان کو اپنے ہاتھ سے پان کھلایا کرتے تھے، جو محبت پدری ان سے تھی، اس کا مظاہرہ آخری وقت ہوا، لیکن میں سب کی فریادیں اور

فرمائشیں حضرت قبلہ تک پہنچایا کرتا تھا اور اکثر باتیں اگر لائق قبول ہوتیں تو مان لی جاتی تھیں۔ اسباق مجھے خصوصی طور پر پڑھاتے اور سچ تو یہ ہے کہ ہم سب کی والدہ نہیں تھیں، ہمارے بہت ہی بچپن میں انھوں نے وفات پائی، والد صاحب قبلہ نے باپ اور ماں دونوں کا کردار ادا کیا، حالاں کہ یہ بہت شاق کام ہے۔ سوتیلی والدہ سے ہم لوگوں کی کوئی غرض کبھی وابستہ نہیں رکھی۔ لباس، خوراک، عید بقرعید، پھل، میوے، مٹھائی، شیرینی، دوا دارو، علاج معالجہ ہر چیز کی خود ہی نگرانی فرماتے تھے۔ مجھے اپنے مصرف سے مصر تعلیم کے لیے بھیجا اور تقریباً سارے مصارف برداشت کیے۔ جب میں واپس آیا اور میں نے بمبئی سے اطلاع دی کہ فلاں گاڑی سے وطن جارہا ہوں تو آگرہ کے اسٹیشن پر آکر ملاقات کی اور سامان اتروایا اور ٹونڈلہ لاکر دوسری گاڑی میں سوار کیا اور فرمایا کہ مجھے مدرسہ کا ضروری کام ہے، اس لیے ساتھ نہیں جاؤں گا، ایک ہفتہ بعد گھر آؤں گا اور پھر گھر آکر عظیم ترین جلسۂ تہنیت و میلاد شریف کا اہتمام فرمایا، جس میں مبارک پور کے اکثر اساتذہ اور طلبہ، بالخصوص حضرت حافظ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ شریک ہوئے۔ اگر میں کسی وجہ سے کھانا نہ کھاتا تو اس کی اطلاع فوراً والد صاحب کو دی جاتی اور وہ اپنے سامنے بلا کر پوری شفقت اور مہربانی سے مجھے کھانا کھلواتے۔ ایک باپ، ایک استاذ اور ایک مربی کی حیثیت سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں میرے ساتھ سب سے زیادہ شفقت فرماتے تھے۔

اہم واقعاتِ تدریس و تبلیغ میں نے اپنے پہلے مضمون میں تحریر کر دیے ہیں۔

میرے رفقائے درس کے دو دور ہیں۔ پہلے دور میں اجمیر شریف اور بریلی شریف اور دوسرے دور میں مصر سے واپسی کے بعد دادوں ضلع علی گڑھ کے رفقا ہیں۔ فریق اول میں خاص ساتھی مولانا ابو الوفا شاہ مظفر پوری، مولانا غلام یٰسین صاحب مظفر پوری، مولانا سید محمد علی اجمیری، جناب سید حسین علی صاحب اجمیری کے صاحبزادے تھے اور اکثر اسباق میں شریک تھے، جو اجمیر شریف میں پڑھے گئے۔ سید اقبال صاحب اجمیری، مولانا یونس صاحب اجمیری، یہ لوگ خدامِ خواجہ میں سے وہ لوگ ہیں، جنھوں نے حضرت والد صاحب کی برکت سے اکثر علوم درس نظامی حاصل کیے، ورنہ اکثر خدام حضرات ایک دو کتابیں یا درجے پڑھنے کے بعد علم سے دور چلے جاتے تھے۔

حضرت کے شب و روز میں نے ابتدا میں ذکر کیے۔ یہ اس وقت کی بات ہے، جب کہ حضرت کی آنکھوں میں بینائی پوری تھی، کمی کی کوئی شکایت نہ تھی۔ اس کے بعد آخر عمر میں بینائی کافی کمزور ہوگئی تھی، پڑھنا لکھنا دشوار تھا، مگر اتنی تھی کہ بآسانی بغیر کسی کی مدد کے چل پھر لیتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت قبلہ نے سورۂ یٰس شریف، سورۂ ملک، سورۂ مزمل اور بہت سی سورتیں جو مجھے ٹھیک معلوم نہیں، زبانی یاد کرلی تھیں اور تقریباً روزانہ صبح اور رات کو ان کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں رمضان مبارک میں تو ضرور تہجد پڑھتے، بعد رمضان مجھے صحیح یاد نہیں کہ باقاعدہ تہجد پڑھتے تھے یا نہیں، لیکن فرائض اور سنن پر ہمیشہ مواظبت فرماتے اور جس زمانہ میں کریم الدین پور رہا کرتے تھے تو روزانہ بعد عصر ہمیشہ اپنے بڑے

بھائی حکیم احمد علی صاحب کے یہاں جاتے اور وہ روزانہ بعد مغرب ہمارے یہاں آتے۔ حکیم صاحب کا گھر موضع ڈیہہ کلاں (بڑا گاؤں) میں تھا اور وہیں قادری منزل بھی تھی اور بڑے بھائی حکیم شمس الہدیٰ کی دوکان کے سامنے کبھی کبھی ٹھہر جاتے یا کرسی پر بیٹھ جاتے۔

سیر و تفریح سے بہت انس تھا اور دوستوں کے ساتھ بہت بے تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ خاص کر حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب کے ماموں عبد اللطیف دلال جن کو والد صاحب ہمیشہ سیٹھوا کہا کرتے تھے، عید، بقر عید یا تفریح کے موقع پر ان کا اور رحمت الٰہی عرف ٹلاہی محمد ظاہر اور محمد عمر عرف کرو، جو والد صاحب کے بچپن کے دوست تھے اور اکثر اہل محلہ ساتھ ساتھ ہوتے۔ ہولے وغیرہ کھانے کے لیے دیہاتوں میں جایا کرتے تھے، پرانے دوستوں سے ملاقات ہمیشہ قائم رکھتے تھے۔ جب بھی گھوسی آتے تو محلہ بیسواڑہ میں عبد الحیٔ خاں صاحب سے ضرور ملاقات فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح فتح پور ہسوہ جاکر وہاں بزرگ عالم سنی سے ملنے وہاں ایک اشرف علی کا بھی مرید تھا، بڑا مکار، اس سے یا کسی بدمذہب سے کبھی بھی ملاقات نہ کرتے۔

میری شادی اور نکاح کا معاملہ اچانک ماموں صاحب کی لڑکی سے طے ہوگیا، والد صاحب کا خیال تھا کہ صرف نکاح کیا جائے اور شادی وغیرہ بعد میں اطمینان سے ہو، لیکن ماموں منشی حبیب اللہ صاحب نے کہا کہ ہمارے یہاں رسڑا ضلع بلیا میں یہ طریقہ نہیں۔ ہم لوگ نکاح، رخصتی وغیرہ سب ایک ہی وقت کرتے ہیں۔ والد صاحب قبلہ نے یہ سن کر فوراً نکاح اور شادی کے لوازمات کی تیاری کا کام بڑے بھائی حکیم شمس الہدیٰ مرحوم مغفور کے ذمہ لگا دیا، برادرِ معظم نے سارا کام بحسن وخوبی انجام دیا۔

حضرت والد صاحب قبلہ نے فرمایا کہ عبد المصطفیٰ کی شادی کے موقع پر ''تولا'' پکے گا، یہ طریق کار اب تو بالکل ختم ہوگیا، اس زمانہ میں بھی قریب قریب معدوم ہو چکا تھا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ مٹی کا ایک خاص قسم کا دیگ نما برتن ہوتا تھا، جس میں ہر برتن میں ۵/ سیر گوشت، نمک، مرچ، ہلدی، مصالحہ، پیاز، لہسن، تیل غرض تمام چیزیں بیک وقت ڈال کر اوپلے کی آنچ پر پکایا جاتا تھا اور برتن کا منہ آٹے سے جام کر دیتے تھے۔ یہ انتہائی لذیذ گوشت تیار ہوتا تھا اور اس کا سلسلہ یہ ہوتا کہ صبح ۶/ یا ۷/ بجے پہلا برتن چڑھتا اور اس کے بعد دوسرا، تیسرا، چھوٹے چھوٹے گڈھے کھود کر چولھا بنتا اور یوں تیس چالیس تولے چڑھتے، یا جتنے لوگوں کی دعوت ہوتی۔ میری شادی میں تمام اعزہ واقربا تو گھر بھر کے اور بستی میں ہر گھر سے ایک فرد اور اِرد گرد کے محلوں سے بہت سے افراد مدعو تھے۔ ۱۲/ بجے کے قریب سے کھلانا شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ تقریباً ۳، ۴/ بجے ختم ہوا۔ اس کے بعد پھر کسی دعوت میں بھی اس طریقہ کا کھانا کھانے کا اتفاق نہیں ہوا، بلکہ یہ برتن اس زمانہ میں بھی بڑی مشکل سے دستیاب ہوئے تھے اور اب تو شاید لوگوں کو اس کا نام بھی معلوم نہ ہو اور نہ ہی اسے پکانے کا کسی کو ڈھنگ آتا ہو۔ یہ خصوصیت والد صاحب قبلہ کی انتہائی محبت اور شفقت پر دلالت کرتی ہے۔ اور بھائیوں کی شادی میں بھی بہت اہتمام کیا گیا۔ برادرم عطاء المصطفیٰ مرحوم، اس کے بعد

برادر رضاء المصطفیٰ کی شادی کے موقع پر بھی خاص اہتمام تھا، لیکن اب کھانے کا حساب کتاب باورچیوں اور نان بائیوں کے سپرد تھا، وہ پرانا طریقہ کہ محلہ کے بزرگ اور نوجوان تمام کام خود کرتے، پکاتے، کھلاتے پلاتے، اب وہ باتیں کہاں رہ گئیں ہیں۔

والد صاحب قبلہ نے ہم چار بھائیوں کے حساب سے قادری منزل کی تعمیر کی تھی اور اس کا سلسلہ ایسا رکھا تھا کہ بوقت ضرورت چاروں اپنے آپ کو الگ کرسکیں۔ دیواروں میں جگہ رکھی گئی تھی، جو پلاسٹر میں دبا دی گئی، لیکن ہم سب لوگوں کو معلوم تھی۔ اس کے بعد قضائے الٰہی سے دونوں بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی والد صاحب کی موجودگی ہی میں فوت ہوگئے۔ برادرم مولانا یحییٰ مرحوم کا انتقال ہوا تو میں اس وقت بریلی میں تھا۔ والد صاحب نے لکھا کہ میں فلاں روز آگرہ ہوتا ہوا گیارہویں شریف کے موقع پر پالی جاؤں گا، میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، اس لیے تم مجھے راستے میں مل لو اور میرے ساتھ ساتھ پالی چلو۔ چنانچہ میں بریلی سے اچھنیرہ اسٹیشن پہنچ گیا، وہاں پر دونوں گاڑیوں کا میل ہوتا تھا۔ چنانچہ تھوڑی تلاش کے بعد والد صاحب قبلہ سے ملاقات ہوگئی، دونوں آبدیدہ ہوگئے، بعد میں تذکرہ فرمانے لگے کہ میں آگرہ میں آیا تو ایک قلی نے کہا کہ بڑے میاں میں آپ کا سامان اٹھاؤں؟ تو میرے دل پر چوٹ پڑی۔ اس سے قبل کسی نے بھی کبھی مجھے بڑے میاں نہیں کہا تھا۔ میں نے کہا کہ ہاں بھائی، اب میں بڑے میاں کہلانے کا مستحق ہوگیا ہوں، اس لیے کہ میرے بچے کے انتقال نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اس کے بعد جب بڑے بھائی حکیم شمس الہدیٰ کا انتقال ہوا تو آپ کی کمر بالکل جھک گئی تھی، صدمے کا اظہار تو نہ کیا، لیکن کمزوری اور کمر کے خم نے حالت کا پتہ سب کو بتا دیا تھا۔ پھر آخر میں برادرم مولانا عطاء المصطفیٰ مرحوم کے انتقال کے تیسرے ہی دن انتہائی صدمہ سے آنکھ کی بینائی میں کمی آگئی، وہ جو کہا جاتا ہے کہ اولاد آنکھ کا نور ہوتی ہے، ان کے انتقال سے اس کا ظہور ہوگیا اور باوجود آپریشن اور علاج ومعالجہ کے پھر بینائی حسب سابق واپس نہ آسکی۔ غرض جب تینوں بھائیوں کا انتقال ہوگیا تو اب سفر حج سے قبل والد صاحب علیہ الرحمہ نے مجھ سے پوچھا کہ بتاؤ مکان کس طرح تقسیم کیے جائیں؟ چوں کہ برادرم مولانا ضیاء المصطفیٰ سلمہ یہ چار بھائی ایک ہی والدہ صاحبہ سے تھے، جو ابھی تک زندہ ہیں۔ میں نے کہا کہ قادری منزل ان بھائیوں کو دے دیں اور قاری رضاء المصطفیٰ اور مجھے پرانا مکان دے دیں اور بھتیجوں، مولانا قمر الہدیٰ سلمہ اور قاری ساجد علی سلمہ کو بھی کچھ نہ کچھ دے دیں، تاکہ یہ سر چھپا سکیں۔ چنانچہ والد صاحب قبلہ نے تقریباً اسی کے مطابق کچھ ترمیم و تنسیخ کے ساتھ اپنا وصیت نامہ مرتب فرمایا تھا۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ علم کے دریا اور فقہ کے سمندر تھے۔ حدیث پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آپ کو پورا عبور تھا۔ بدمذہبوں کے تمام اشکال اور اعتراض کے مسکت و مدلل ومختصر جواب دینا آپ کی شان تھی۔ کبھی بھی طلبہ کے اعتراض پر برہم نہ ہوتے، ہر اعتراض کا جواب دیتے اور طلبہ کو اطمینان ہو جاتا۔ آج جب ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو دل لرز جاتا ہے۔

☆☆☆

صدر الشریعہ

احوال وسوانح کا اجمالی جائزہ

علامہ عبد المصطفی اعظمی
سابق استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

چودھویں صدی کے ان نامورانِ اسلام وسلاطین ملت میں آپ کا شمار ہے، جنھوں نے اپنے علم وفضل کی روحانی طاقتوں سے امت مسلمہ کی پشت پناہی اور سفینۂ اسلام کی ناخدائی کی جو اُفق ہند پر رشد وہدایت کا آفتاب عالم تاب بن کر چمکے اور اپنے فیوض وبرکات کی روشنی سے نہ صرف سرزمین ہند بلکہ تمام دنیائے اسلام کو منور کر دیا اور جن کی رحلت کے بعد تمام دنیائے اسلام نے محسوس کیا کہ واقعی "موت العالِم موت العالَم" آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے۔

علم وفضل کا یہ آفتاب عالم تاب تقریباً ۱۲۹۹ھ میں قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ کے ایک مشہور علمی ومذہبی خاندان میں طلوع ہوا۔ قصبہ گھوسی وہی تاریخی اور مردم خیز جگہ ہے، جہاں قدیم راجگاں، ہند کے بعض آثار اور ان کا قلعہ ''کوٹ'' کے نام سے آج بھی موجود ہے۔ مولانا غلام نقشبند یہیں کے رہنے والے تھے، جو لکھنؤ میں قیام کے باعث لکھنوی مشہور ہو گئے۔ اس سرزمین کو اور بھی بہت سے اعیانِ ملت کے مولد بننے کا فخر حاصل ہے، جو یہیں کی خاک میں آسودہ ہیں۔

آپ کے والد ماجد مولانا محمد حکیم جمال الدین صاحب ایک جلیل القدر عالم اور اپنے زمانے کے بے مثال طبیب حاذق تھے۔ معقول ومنقول میں حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کے شاگرد رشید اور فن طب میں حاذق الملک حکیم عبدالعلی صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ کے ارشد تلامذہ سے تھے۔

والدین نے اپنے علمی ومذہبی ذوق کے بموجب مولود مسعود کا نام محمد امجد علی رکھا، لیکن بعد کو اکابر ملت نے آپ کو ''صدر الشریعہ'' یا ''صدر صاحب'' کا لقب دیا اور آخر الذکر کو تو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ پُرانا نام تقریباً غائب ہی ہو گیا۔

تعلیم وتربیت:۔ بچپن ہی سے آپ میں آثار کمال پائے جاتے تھے۔ فطرتاً ذہن ثاقب اور طبیعت وقادر میں ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے، حافظہ بھی نہایت قوی تھا، اپنے بچپنے کی اکثر باتیں سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ کافیہ حفظ کرنے کا خیال پیدا ہوا تو پوری کتاب ایک ہی دن میں یاد ہو گئی۔

بالکل ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد مولوی خدا بخش صاحب مرحوم سے حاصل کی، جو اپنے زمانے کے ایک متدین عالم اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، ان کے انتقال کے بعد مولوی الٰہی بخش صاحب ساکن کوپا گنج تلمیذ مولانا تراب علی صاحب لکھنوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، جو ان دنوں گھوسی کے مدرسہ ناصر العلوم میں مدرس تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی چند اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا۔ لیکن درحقیقت آپ کی تعلیم وتربیت

کا حقیقی سلسلہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب آپ استاذ الاساتذہ خاتم المحققین مولانا ہدایت اللہ خان صاحب رامپوری کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

مولانا ہدایت اللہ خان صاحب جونپور:۔ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خان صاحب رامپوری ان دنوں مدرسہ حنفیہ امام بخش جون پور میں صدر مدرس تھے اور جون پور تشنگانِ علوم وفنون کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، بڑے بڑے ذی استعداد طلبہ وتبحر اساتذہ دور دور سے آکر آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہو رہے تھے۔ حضرت استاذ الاساتذہ اپنے ایک مخصوص طرز تدریس کے موجد وخاتم تھے، عمدۃ الحکما والمتکلمین علامہ فضل حق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے، منطق وفلسفہ اور اصولِ فقہ وکلام کی تعلیم ان کا خاص حصہ تھا۔ خصوصاً شفا، اُفق المبین شرح تجرید مع حواشی جدیدہ وقدیمہ، زواہد ثلثہ مع حواشی بحر العلوم کی تعلیم میں تو وہ تمام ہندوستان میں فرد مانے جاتے تھے۔

جون پور کا تعلیمی سفر:۔ ۲؍شوال ۱۳۱۴ھ کو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحصیل علوم کی غرض سے جون پور روانہ ہوئے۔ اس وقت اعظم گڑھ کے ضلع میں ریل گاڑی نہیں تھی اور دوسری سواریوں کا بھی معقول انتظام نہ ہوسکا، لیکن علم دین کی پیاس نے اس نوجوان مسافر کو گھوسی سے اعظم گڑھ تک پیدل سفر کرنے پر مجبور کر دیا۔ اعظم گڑھ سے جون پور اونٹ گاڑی پر پہنچے اور اپنے برادر عم زاد مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم کے پاس قیام کیا، جو وہاں پہلے سے بسلسلۂ تعلیم مقیم تھے۔

مولانا ہادی حسن صاحب مدرس دوم اور مولانا محمد صدیق کی خدمت میں چند دنوں تعلیم حاصل کی، لیکن حضرت استاذ الاساتذہ کی نکتہ شناس نگاہوں نے اس گوہر نایاب اور گدڑی کے لعل کی فطری صلاحیتوں کو بہت جلد بھانپ لیا اور خلافِ عادت شرح تہذیب وقطبی ہی سے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اپنے حلقۂ درس میں شامل کر لیا اور خصوصی توجہ مبذول فرمانے لگے۔

حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب بہاری مرحوم (پروفیسر دینیات علی گڑھ یونیورسٹی) کا بیان ہے کہ حضرت استاذ الاساتذہ یوں تو تمام طلبہ پر عنایت فرماتے تھے، لیکن تین اشخاص مولانا محمد صدیق، مولانا محمد امجد علی، سلیمان اشرف پر خاص الخاص نظر کرم تھی۔ چاہتے تھے کہ جو کچھ میرے سینے میں ہے نکال کر ان تینوں کو بخش دوں۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو مدرسہ حنفیہ کے تمام طلبہ میں ایک خصوصی امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ ملا حسن وغیرہ متوسطات کتب کے بہت سے اسباق حضرت استاذ الاساتذہ نے آپ کے سپرد فرما دیے تھے۔

حضرت محدث سورتی کے حلقۂ درس میں:۔ جون پور میں علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کے بعد حضرت استاذ الاساتذہ نے آپ کو پیلی بھیت حافظ الحدیث مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور تعارفی خط ان الفاظ میں تحریر فرمایا کہ:

> ''میں اپنا ایک مخصوص عزیز طالب علم آپ کے پاس بھیجتا ہوں، اس کی تعلیم وغیرہ میں آپ پوری توجہ فرمائیں''۔

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ ورع وتقویٰ میں بایزید وقت، علوم وفنون میں علامۃ العصر، خصوصاً فن حدیث ورجال میں امام زماں اور اپنے دور کے حافظ الحدیث تھے۔ بخاری شریف کے تمام نسخے زبانی یاد تھے، صحاح ستہ کی اکثر کتب پر

آپ کے بے نظیر شروح وحواشی مطبوعہ وغیر مطبوعہ اب بھی موجود ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ جب پیلی بھیت پہنچ کر اسباق میں شریک ہوئے تو حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ آپ کی استعداد علمی وتعلیمی شغف کو دیکھ کر گرویدہ ہو گئے۔ بعض مرتبہ فرماتے تھے کہ:

"مجھ کو ساری عمر میں ایک ہی طالب علم ملا ہے، جو محنتی بھی ہے اور سمجھدار بھی اور علم سے شوق اور دلچسپی بھی رکھتا ہے"۔

دن ورات درس کا سلسلہ جاری رہتا، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ چودہ مہینہ پیلی بھیت میں قیام رہا، لیکن ایک دن بھی چھٹی نہیں ملی، جمعہ کے دن بھی سبق ہوتا، بلکہ سفر میں بھی اسباق جاری رہتے تھے۔ پیلی بھیت میں صحاح ستہ، موطا امام محمد، کتاب الآثار، شرح معانی الآثار، مسند امام اعظم وغیرہ کتب حدیث اور بعض دوسری کتابیں بالاستیعاب قراۃً وسماعاً پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے اور وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی اور تین ماہ مکان پر قیام فرمایا۔

مسند تدریس پر:

قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم رئیس پٹنہ کے زیر اہتمام مدرسہ اہل سنت پٹنہ صوبہ بہار کی ایک ممتاز درس گاہ تھی۔ یہاں پہلے مولانا عبدالعزیز صاحب منطقی اینٹھوی، جو حضرت علامہ خیر آبادی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید تھے، مدرس اول رہ چکے تھے۔ اس کے بعد خود حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ یہاں برسوں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ قاضی صاحب موصوف کی طلب پر حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے مدرسہ اہل سنت کی صدارت کے لیے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا انتخاب فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی جگہ جہاں پہلے ایسی ایسی مقتدر ہستیاں اپنے علم وفضل کا جوہر دکھا چکی ہوں، ایک بالکل نئے فارغ التحصیل شخص کا تقرر کتنا اہم کام تھا، مگر استاذ کا حکم واجب التعمیل تھا، چارو ناچار اس عہدہ کو قبول کرنا ہی پڑا۔ مکان سے روانہ ہو کر سب سے پہلے جون پور بغرض تحصیل اجازت حضرت استاذ الاساتذہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور اپنی دعائیں شامل حال کیں۔

پٹنہ پہنچ کر قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم کے مہمان ہوئے، پہلی بار جب درس گاہ میں تشریف لے گئے تو قاضی صاحب مرحوم جو خود بھی ایک متبحر عالم تھے، علما وسامعین کے ایک جم غفیر کے ساتھ تعلیم گاہ میں امتحاناً آن موجود ہوئے اور سب سے پہلی کتاب جو درس کے لیے پیش کی گئی، ہدایہ جلد ثالث تھی، طلبہ بھی نہایت ذکی فہم اور ٹھوس استعداد کے مالک تھے۔ ظاہر ہے کہ نئی جگہ، مغلق کتاب، پھر متبحر علما وسامعین کی موجودگی، اس شخص کے لیے جو آج پہلے دن ذمہ دارانہ حیثیت سے مسند تدریس پر بیٹھا ہو، کس قدر پریشان کن مقام تھا، لیکن حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کا انتخاب کوئی معنی رکھتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ قدرت نے حضرت صدر الشریعہ کو اسی منصب کے لیے پیدا ہی فرمایا تھا، جس پر وہ آج بیٹھائے گئے تھے۔ پہلے ہی سبق میں تفہیم مطالب وکشف مغلقات سے حقائق ومعارف کے ایسے دریا بہا دیئے کہ تشنگانِ علوم سیراب ہو گئے اور علما وسامعین دنگ رہ گئے۔ چنانچہ قاضی صاحب مرحوم نے آپ کی علمی وجاہت وانتظامی صلاحیت پر اعتماد واطمینان فرما کر مدرسہ کے

تعلیمی امور کے سیاہ وسفید کا آپ کو مالک بنادیا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ سے پہلی ملاقات:

کچھ زمانہ کے بعد قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم بانی مدرسہ اہل سنت علیل ہو گئے۔ قاضی صاحب مرحوم ایک نہایت دین دار و دین پرور رئیس تھے اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ حافظ قرآن علوم عقلیہ ونقلیہ میں مولانا عبدالعزیز صاحب منطقی امیٹھوی کے شاگرد رشید اور انگریزی میں بی، اے تھے۔ ان کے والد انھیں بیرسٹری کے امتحان کے لیے لندن بھیجنا چاہتے تھے، لیکن قاضی صاحب مرحوم کے دین پروری کے مقدس جذبات نے یورپ کے ملحدانہ گندے ماحول کو سخت ناپسند کیا اور آپ نے اس سفر سے صاف انکار فرمادیا اور تاحین حیات حمایت حق وخدمت دین ہی کو آپ نے اپنا شعار بنایا۔ ان کی دین داری ودین پروری ہی کی مقبولیت وکشش تھی، جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ومحدث سورتی علیہ الرحمہ کو باوجود کثرتِ مشاغل دینیہ کے قاضی صاحب مرحوم کی عیادت کے لیے کشاں کشاں روہیل کھنڈ سے پٹنہ تک لائی۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں ہی کی موجودگی میں قاضی صاحب مرحوم نے وفات پائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے نماز جنازہ پڑھائی اور محدث سورتی علیہ الرحمہ نے قبر میں اتارا اور ایک مشہور بزرگ کے آستانہ کے قریب مدفن کی جگہ ملی۔ اسی موقع پر حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو پہلی بار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی نظر کیمیا اثر پہلی ہی نگاہ میں اپنا کام کر گئی اور دینی وروحانی مودت ومحبت کے اس شجر کی جس کا تناور وبارآور ہونا ازل سے مقدر تھا، داغ بیل پڑگئی، ایک کشش پیدا ہوئی اور بے اختیار حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا قلب مائل ہو گیا اور اپنے استاذ محترم حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے مشورہ سے سلسلۂ قادریہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے حلقہ بگوش بن گئے۔

استاذ محترم کی رحلت اور تدریس سے استعفا:

قاضی صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد مدرسہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا، جن کو علم دین سے بالکل تعلق نہ تھا۔ قرائن سے ایسا معلوم ہوا کہ خدمت دین جو مقصود اصلی ہے، اب یہاں ممکن نہیں، کبیدہ خاطر ودل برداشتہ تھے ہی، شعبان ۱۳۲۶ھ جون پور سے حضرت استاذ الاساتذہ کی علالت کا خط پہنچا، پٹنہ سے براہ راست جون پور پہنچے، حضرت استاذ الاساتذہ شدید فالج میں مبتلا تھے، زبان بند ہو چکی تھی، لیکن دماغی حالت درست تھی، مولانا سلیمان اشرف مرحوم حاضر خدمت تھے، عرض کیا کہ ”مولانا امجد علی آگئے“ حضرت استاذ الاساتذہ نے آنکھیں کھول دیں اور پہچان لیا، اشارہ سے سلام کا جواب عنایت فرمایا اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعائیں فرماتے رہے۔ حضرت صدرالشریعہ ۲۹ر شعبان تک جون پور میں حاضر خدمت رہے، اس کے بعد مولانا سلیمان اشرف مرحوم سے یہ کہہ کر وطن روانہ ہوئے کہ ”اگر مزاج اقدس میں کوئی تغیر رونما ہو تو بذریعہ تار مجھے اطلاع دیجیے گا“۔ عجیب اتفاق کہ جس دن حضرت صدرالشریعہ وطن پہنچے، اس کے دوسرے دن یکم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کو حضرت استاذ الاساتذہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت صدرالشریعہ کے قلب مبارک پر استاذ محترم کی رحلت کا نہایت گہرا اثر پڑا اور آخری وقت میں حاضر خدمت نہ رہنے کا تو انھیں تمام عمر

افسوس رہا، مکان پہنچتے ہی حضرت صدر الشریعہ نے مدرسہ اہل سنت کو اپنا استعفا بھیج دیا اور مطالعہ کتب کو مشغلہ بنا کر رمضان المبارک میں مکان ہی پر مقیم رہے۔

علم طب کی تحصیل:۔ پٹنہ میں مغرب زدہ لوگوں کے بُرے برتاؤ سے متاثر ہو کر ملازمت کی چپقلش سے بیزار ہو چکے تھے، معاش کے لیے کسی مناسب مشغلہ کی جستجو تھی، والد محترم کی نصیحت یاد آئی کہ ع

میراث پدر خور ہی علم پدر آموز

خیال آیا کہ کیوں نہ علم طب کی تحصیل کر کے خاندانی پیشہ طبابت ہی کو مشغلہ بنائیں۔ چنانچہ شوال ۱۳۲۶ھ میں لکھنؤ جا کر دو سال میں علم طب کی تحصیل و تکمیل کے بعد وطن واپس ہوئے اور مطب شروع کر دیا، خاندانی پیشہ اور خداداد قابلیت کی بنا پر مطب نہایت کامیابی کے ساتھ چل پڑا۔

تفریحی سفر اور بریلی کی حاضری:

ذریعہ معاش سے مطمئن ہو کر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ میں آپ بغرض سیر و تفریح لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں سے پیلی بھیت، پھر بریلی بھی حاضر ہوئے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کو جب معلوم ہوا کہ تدریس چھوڑ کر مطب میں مشغول ہو گئے ہیں تو انھیں انتہائی قلق ہوا، بریلی جاتے وقت انھوں نے ایک خط اس مضمون کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی خدمت میں تحریر فرما دیا تھا کہ جس طرح ممکن ہو آپ اس شخص (صدر الشریعہ) کو خدمت دین و علم کی طرف متوجہ کیجیے۔ جب آستانہ اقدس پر حاضری ہوئی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نہایت الطاف کریمانہ سے پیش آئے اور ارشاد فرمایا کہ ”آپ یہاں قیام کیجیے اور جب تک میں نہ کہوں واپس نہ جائیے“۔ اور دل بستگی کے لیے کچھ معمولی سے کام تحریر وغیرہ کے سپرد فرما دیئے۔ تقریباً دو ماہ بریلی میں قیام رہا اور اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کی صحبت میں علمی استفادہ اور دینی مذاکرہ کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ رمضان المبارک قریب آ گیا، وطن کی اجازت طلب کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ جائیے لیکن جب کبھی میں بلاؤں تو فوراً چلے آیئے گا۔ وطن پہنچ کر پھر مطب و معالجہ کا سلسلہ جاری کر دیا۔

دوسرا تفریحی سفر اور بریلی میں قیام:

وطن میں مطب اگرچہ بہت کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بچپن سے اہل علم کی صحبت اور علمی مشغلوں کے خوگر ہو چکے تھے۔ طبی مشغلہ کا ماحول چنداں پسند نہیں آیا، چند ماہ کے بعد پھر سیر و تفریح کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے، پھر پٹنہ میں حضرت صدر الشریعہ کے سینے میں جس مبارک شجر کی اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے تخم ریزی فرمائی تھی، بریلی کے دو ماہ کے قیام نے اسے کافی تناور بنا دیا تھا، طرفین سے محبت و کشش بڑھ رہی تھیں، بریلی سے خط آ گیا کہ آپ فوراً یہاں چلے آیئے۔ چنانچہ آپ لکھنؤ سے بریلی حاضر ہو گئے۔ اس مرتبہ انجمن اہل سنت کی نظامت اور اس کے پریس کے اہتمام کے علاوہ مدرسہ کا کچھ تعلیمی کام بھی سپرد کیا گیا، گویا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے بریلی میں آپ کے مستقل قیام کا انتظام فرما دیا۔

والد مرحوم کی وفات:

بریلی کے قیام کو کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ مکان سے تار پہنچا کہ والد صاحب کو طاعون ہو گیا ہے، فوراً آیئے۔ والدہ ماجدہ کا سایہ تو ابتدائے تعلیم ہی سے اُٹھ چکا تھا، اب والد ماجد

کے اس مہلک مرض میں مبتلا ہونے کی خبر سن کر سخت مضطرب اور بے چین ہوئے اور پہلی ٹرین سے روانہ ہو کر وطن پہنچے، دیکھا تو والد مرحوم شدید طاعونی بخار میں مبتلا تھے اور ران میں ایک بہت بڑی گلٹی نکلی، والد مرحوم کے حکم سے گلٹی کا آپریشن کیا گیا، ہڑکی مقدار میں نہایت سخت بالکل خام گلٹی نکلی، اس کے بعد سرسام ہو گیا، لیکن بعد میں سرسامی کیفیت دور ہو گئی اور سب بچوں کو پاس بلا کر ایک وصیت نامہ بھی لکھوا دیا، بعد مغرب سب بچوں کے علاوہ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم بھی حاضر خدمت تھے کہ فرمایا: ”صدیق دیکھو اب داہنے ہاتھ کی نبض ساقط ہو گئی“۔ دیکھا تو واقعی ساقط ہو چکی تھی۔ پھر فرمایا کہ: ”اب بائیں ہاتھ کی بھی ساقط ہو چکی، اچھا اب مجھے لٹا دو“۔ چنانچہ جوں ہی لٹایا گیا، کلمہ طیبہ زبان سے نکلا اور روح پرواز کر گئی۔ ۱۰ر صفر ۱۳۳۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی اور خاندانی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

اہل و عیال کے ساتھ بریلی میں مستقل انتظام:

والد مرحوم کے انتقال کے بعد اہل و عیال کی ذمہ داریوں کا بار آپ کے سر آن پڑا۔ چنانچہ مکان و جائداد وغیرہ کی تقسیم کے بعد آپ کے اہل و عیال کے ساتھ محلہ بہاری پور بریلی میں مستقل سکونت اختیار فرمائی اور اطمینان کے ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی خدمت میں اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔

بریلی کی مصروفیات:

بریلی میں دو مستقل کام تھے، ایک مدرسہ کی تعلیم کہ یہ خود ایک پورا کام ہے، دوسرے پریس کا کام یعنی کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح، کتابوں کی روانگی، خطوط کے جواب، آمد و خرچ کے حساب، یہ سارے کام تنہا انجام دیا کرتے تھے۔ ان کاموں کے علاوہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے بعض مسودات کا مبیضہ کرنا، فتووں کی نقل اور ان کی خدمت میں فتویٰ لکھنا، یہ کام بھی مستقل طور پر انجام دیتے تھے۔ پھر شہر و بیرونجات کے اکثر تبلیغی جلسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔

کاموں کی تقسیم اوقات یوں تھی کہ بعد نمازِ فجر ضروری وظائف و تلاوتِ قرآن پاک کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پریس کا کام انجام دیتے، پھر فوراً مدرسہ جا کر اخیر وقت مدرسہ تک تعلیم دیتے، دوپہر کے کھانے کے بعد مستقلاً دو تین بجے تک پھر پریس کا کام انجام دیتے، نماز ظہر کے بعد عصر تک پھر مدرسہ میں تعلیم دیتے، بعد نمازِ عصر مغرب تک اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں نشست فرماتے، بعد مغرب عشا تک اور عشا کے بعد سے بارہ بجے شب تک اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں فتویٰ نویسی کا کام انجام دیتے، اس کے بعد مکان واپس ہوتے اور بہار شریعت کی کچھ سطور تحریر فرما کر تقریباً دو بجے شب میں آرام فرماتے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے اخیر زمانۂ حیات تک یعنی کم و بیش دس برس تک روزمرہ کا یہی معمول رہا۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس محنت شاقہ و عزم و استقلال سے اس دور کے اکابر علما حیران تھے۔

حضرت ننھے[1] میاں صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ ”مولانا امجد علی کام کی مشین ہیں، لیکن ایسی مشین جو کبھی فیل نہ ہو“۔

☆☆☆

(۱) اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جو ننھے میاں کے نام سے مشہور تھے۔ یہ حضرت مفتی اعظم ہند کے خسر بھی تھے۔ امجدی

صدر الشریعہ

اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں

مولانا ظہیر احمد زیدی
بیت السادات دودھپور علی گڑھ

شرعاً غیر حقیقی مبالغہ آرائی جائز نہیں اور فی الواقع یہ مبالغہ آرائی نہیں کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ اُن دیدہ ور بزرگانِ دین میں سے تھے، جو چمنستانِ علم دین و بہارستانِ تقویٰ ویقین میں کم تر پیدا ہوتے آئے ہیں اور وہ بھی ایک لمبی اور تھکا دینے والی مدت کے بعد، سخت اور کٹھن منزلوں سے گزر کر۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کے عاداتِ کریمہ و خصائل حمیدہ اور علمی فضائل وکمالات حقائق ثانیہ کا مقام رکھتے ہیں۔ آپ صاحب تقویٰ وعمل، استاذِ کامل، فاضل محقق اور عالم متبحر تھے، جن کا اپنے دور میں کوئی مثل تھا نہ عدیل، اس فقیر بے بضاعت سے بدرجہا زیادہ آپ کی عالمانہ عظمت اور فاضلانہ رفعت وعلو مرتبت کو برادرانِ معظم روحانی حضرت مولانا الحاج سید غلام جیلانی (شیخ الحدیث میرٹھ) ومولانا حافظ عبد العزیز صاحب (شیخ الحدیث مبارک پور) ومولانا الحاج حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہم العالی ودامت فیوضہم جانتے ہیں۔

اہل اللہ اور علمائے صالحین کے حالاتِ زندگی قلم بند کرنا دینی ودنیوی حیثیت سے ایک مفید اور نفع بخش کام ہے، لیکن انتہائی دشوار اور مشکل بھی، کیوں کہ ان کے ہر فعل وعمل کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، جس کو نہ ہر بصارت دیکھ سکتی ہے اور نہ ہر بصیرت سمجھ سکتی ہے، پھر شریعت وطریقت کی باریکیوں کو سمجھنا ہر کس وناکس کی بات نہیں۔ بسا اوقات علمائے صالحین واہل معرفت ویقین کا عمل عین مطابق شرع ہوتا ہے، لیکن ظاہر میں اور سطحی نظر رکھنے والے اس کو نہیں سمجھ پاتے۔ حضرت صدر الشریعہ ابو العلی مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ایسے ہی صاحب فضل وکمال وصاحب عرفان ویقین علمائے صالحین میں سے ہے۔ وہ اس فقیر کے استاذ ہیں، قابل فخر ولائق صد احترام استاذ ظاہری وباطنی نہ معلوم کتنے فضائل وکمالات سے متصف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ حسن اتفاق تھا یا میرا اوجِ قسمت کہ اس ذرۂ خاک کو اس عظیم آفتابِ علم وکمال سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، جس نے میرے دین ودنیا کو سنوار دیا۔ فالحمد للہ تعالیٰ علی احسانہ۔

اس ناچیز کو آپ کی خدمت اقدس میں زندگی کے تقریباً سات سال گزارنے کا موقعہ ملا، اس درمیان میں میں نے آپ کی ذاتِ مقدسہ میں جو کچھ دیکھا، کوشش کر رہا ہوں کہ اسے قلم بند کروں اور اپنے برادر عزیز کی آرزو کی تکمیل کر دوں، ورنہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی مستغنی شخصیت نے ہمیشہ اس امر کو ناپسند فرمایا کہ کوئی آپ کی شان میں قصیدہ

خوانی کرے۔ میرا مقصد بھی اس مختصر سے یہ نہیں کہ میں حسن عقیدت میں غیر حقیقی تعریف وتوصیف بیان کروں، بلکہ صرف اظہار حق وواقعات ہیں تاکہ آپ کے متوسلین ومعتقدین آپ کے طریقہ پر عمل کر کے شریعت مصطفوی وسنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کریں اور اللہ عزوجل اور اس کے محبوب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا حاصل کریں۔

غالباً ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۳ھ میں میرے برادرِ نسبتی محترم قاری سید مظفر علی صاحب زیدی نے مجھے میرے وطن مالوف نگینہ ضلع بجنور سے بلا کر مدرسہ عربیہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ میں داخل کرایا، اس وقت بانی مدرسہ نواب ابوبکر خاں شیروانی مرحوم ومغفور حیات تھے، جنھوں نے اپنی قلیل جائداد کا ایک گراں قدر حصہ مبلغ چودہ ہزار روپیہ سالانہ کا وقف مدرسہ عربیہ کے لیے کر دیا تھا۔

نواب صاحب مرحوم شیروانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو ضلع علی گڑھ میں رؤسا وجاگیرداروں کا ایک معزز ترین خاندان ہے، مرحوم نہایت مخیّر، رحم دل، جواد وکریم النفس اور خداترس رؤسا میں سے تھے۔ صوم وصلاۃ کے پابند اور دین سے بڑی محبت اور لگاؤ۔ آپ نے عربی ومذہبی تعلیم کے فروغ کے لیے یہ دارالعلوم قائم کیا، علم دین حاصل کرنے والے طلبہ کی آمد سے آپ کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا، وہ طلبہ کے ہر آرام وآسائش کا ہر ممکن خیال فرماتے تھے اور ان کی دل داری میں کمی نہ فرماتے۔ اس کے ساتھ آپ کی داد ودہش کا سلسلہ الگ جاری رہتا۔ اس زمانہ میں انگریزی تعلیم کا رواج روز افزوں تھا اور مسلمانوں میں بھی اس کی مقبولیت بڑھتی جارہی تھی، انگریزی پڑھنے والے طلبہ میں احساسِ تفوق وبرتری پیدا ہو چکا تھا، اس کے بالمقابل علم دین حاصل کرنے والے طلبہ ایک گونہ احساسِ کمتری کی طرف جا رہے تھے۔ عربی مدارس میں طلبہ کی زبوں حالی انتظامیہ کی بدنظمی، طلبہ کی رہائش اور خورد ونوش میں پسماندگی کا فرق عربی طلبہ کو مزید احساس کمتری کی طرف لے جارہا تھا۔ ایسے وقت میں نواب صاحب مرحوم نے اپنے دارالعلوم میں طلبہ کے قیام وطعام اور تعلیم و تربیت کا ایک ایسا نظام قائم کیا، جو نہ صرف عربی طلبہ کو اس احساسِ کمتری سے نجات دلانے والا تھا بلکہ انگریزی تعلیم پانے والے طلبہ کے لیے بھی قابل رشک تھا۔ اب سے چالیس سال قبل کیا صورتِ حال تھی، یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن ان آخری چالیس سال کے دوران ہمارے عربی مدارس میں طلبہ کی غیرت وحمیت اور ان کی ذہنی واخلاقی تربیت کو بُری طرح پامال کیا گیا ہے۔ جب کہ اس طرف کامل توجہ کی ضرورت تھی، کیوں کہ یہی وہ زمانہ تھا جب مغربی افکار واقدار پوری شدت سے مشرقی افکار واقدار سے متصادم ہوئے اور ایک طرف مشرقی علومِ دینیہ عربیہ کا حصول اگر خود کو کفاف ومعاش میں مفلوج ومعطّل اور محتاج بنانے کے مترادف قرار پایا تو مغربی علومِ دنیا کا حصول معاشی ترقی کی ضمانت بن گیا، ظاہر ہے کہ مادیت پسندی کے اس دور میں اگر حصولِ علم کے بعد وسائل معاش فراہم نہ ہوسکیں تو کون ایسے علم کی طرف رغبت کرے گا۔ خصوصاً جب کہ متعلم میں روحانی قدریں بھی مفقود ہوں۔ آج اگر علومِ مغربی ان علمائے دین کے گھروں میں قبضہ جما رہے ہیں اور ان حضرات کی نسلیں علم دین سے منہ موڑ رہی ہیں، جنھوں نے یا جن کے بزرگوں نے علومِ مغربی کے حصول کو گمراہ وگمراہ کن فعل قرار دیا تھا تو یہ امر

مستوجب حیرت واستعجاب نہیں۔

فضلائے عربی کی جو قدر و منزلت ماضی میں تھی، اب نہیں ہے۔ کیوں کہ اب عوام کو دین و مذہب سے بے گانگی اور ذوقِ عمل کی کم یابی کی وجہ سے ان کی ضرورت باقی نہیں اور وہ خود معاشی اعتبار سے عوام سے مستغنی نہیں رہے۔ رہی سہی کسر جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت نام کی نام نہاد اسلامی جماعتوں نے پوری کردی، جب کہ اول الذکر جماعت نے دین میں کامل عقلیت پسندی کا رجحان پیدا کیا اور ثانی الذکر جماعت نے جہالت کو مسندِ تبلیغ و دین پر بٹھادیا۔ اب ہر وہ شخص جس نے جماعت اسلامی کا بے روح اور عقلیت زدہ لٹریچر کچھ بھی پڑھ لیا، وہ نہ صرف مجتہدِ وقت اور رہنمائے دین ہوگیا بلکہ بزعمِ خود بانی اسلام کے درجہ پر پہنچ گیا اور جس نے دو یا تین چلے کرلیے، وہ ہادیٔ دین و مبلغ اسلام بن گیا (العیاذ باللہ تعالیٰ)

موجودہ وقت میں مدارسِ عربیہ کی صورتِ حال یہ ہے کہ ایک طرف اگر عربی طلبہ جدید تہذیب کے تباہ کن اثرات کی لپیٹ میں ہیں اور علم دین سے ان کا مقصد بالعموم دین شناسی، رضائے الٰہی اور عاقبت سازی کم ہے اور مادی زندگی کی آسائشیں زیادہ ہیں تو دوسری طرف مدارسِ عربیہ کے منتظمین و مؤسسین حال کے تقاضوں سے بے خبر اُن ہی پُرانی بنیادوں پر عربی مدارس کا انتظام چلانا چاہتے ہیں، جن بنیادوں پر اس زمانہ میں تھا، جب اساتذہ و منتظمین کے روحانی تصرفات بھی کام کرتے تھے، آج یہ صورتِ حال نہیں ہے۔ خود اساتذہ و معلمین، منتظمین و مؤسسین اخلاقی و روحانی قدروں کے حامل نہیں رہے تو طلبہ کا ذہنی نشو و نما کس طرح ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم تو ہوتی ہے، لیکن روحانی و اخلاقی تربیت مفقود۔ انتہا یہ ہے کہ اب تو مدارسِ عربیہ و مکاتب اسلامیہ بھی کسب معاش اور حصولِ زر کے لیے قائم کیے جاتے ہیں۔ اب بانیانِ مدارس قلیل مدت میں صاحب جائداد بن جاتے ہیں اور ان کی خانگی زندگی آسائشوں سے بھرپور دکھائی دینے لگتی ہے۔ مدرسہ کے نام پر آنے والے چندے و عطیات کا ایک بڑا حصہ بحق تولیت و انتظام ان کے قوی الہضم معدے کی نذر ہوجاتا ہے، طلبہ کی آنکھیں بند نہیں ہوتیں، ان کا لازمی اثر ان کے اخلاق اور ذہن و دماغ پر پڑتا ہے، جو پہلے ہی مادیت سے متاثر و مغلوب تھا اور اب اور زیادہ مسموم ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اب عربی مدارس کے طلبہ میں وہ اخلاقی و روحانی قدریں نظر نہیں آتیں جو ماضی میں ان کا طرۂ امتیاز تھیں۔ بزرگانِ دین اور علمائے صالحین کو اس طرف خصوصی توجہ دینا ہوگی، ورنہ علومِ دینیہ کا مستقبل سخت خطرہ میں ہے۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، جو مبادیاتِ موضوع کی مناسبت سے درمیان میں آگیا۔ فی الوقت میرا موضوع یہ نہیں ہے، میرا موضوع تو حضرت صدر الشریعہ ابو العلی سیدی مولانا امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مقدس زندگی کے وہ نقوش سامنے لانا ہیں جن کو میری نگاہوں نے موصوف میں دیکھا۔ نواب ابوبکر خاں مرحوم بانی مدرسہ دادوں کا ذکر بھی اسی تسلسل میں آگیا اور اس لیے بھی کہ نواب ابوبکر خاں مرحوم جیسی خداترسی اور دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خادم شخصیت سے بھی حضرت صدر الشریعہ کے عقیدت مندوں کو ایک گونہ معرفت حاصل ہوجائے تو ممکن ہے کہ وہ ان کے لیے بھی دعائے مغفرت کریں اور یقیناً وہ اس کے مستحق بھی ہیں اور یوں تو چودہ ہزار روپیہ سالانہ کا وقف بالیقیں ان کا صدقہ جاریہ ہے۔ نواب صاحب مرحوم نے اس وقف

سے عربی مدرسہ قائم کیا اور اس کا نام مدرسہ عربیہ حافظیہ حضرت حافظ خیر آبادی کی طرف ہے، جو ایک اچھے بزرگ تھے اور نواب صاحب ان سے بیعت تھے۔ سعیدیہ کی نسبت نواب صاحب مرحوم کے والد کی طرف ہے۔ نواب صاحب مرحوم کو علم دین حاصل کرنے والے طلبہ کے ساتھ بڑی محبت تھی، مرحوم حصولِ ثواب آخرت کے لیے طلبہ کی بڑی ناز برداری فرماتے تھے، ان کی ذرا سی تکلیف بھی ان پر بڑی شاق گزرتی، علاوہ وظیفہ ماہانہ حسب موقع ومنشا داد و دہش کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ حتی کہ یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ اگر نواب صاحب کی خوش نودی اور رضا مطلوب ہے تو نواب صاحب کے طلبہ کو خوش کرنا چاہیے، لیکن نواب صاحب مرحوم کی اس محبت، اخلاص اور نوازشات کا طلبہ نے غلط فائدہ اٹھایا اور بجائے اس کے کہ وہ محنت، لگن اور کامل توجہ کے ساتھ حصولِ علم میں منہمک ہوجاتے، ان کا رجحانِ طبع تضیع اوقات، خوش گپیوں اور لہو ولعب کی طرف ہوگیا۔

مدرسہ میں میرے داخلہ کے ایک سال بعد ہی نواب ابو بکر خاں مرحوم بانی مدرسہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد مدرسہ کی تولیت، انتظام وانصرام نواب صاحب مرحوم کے برادرِ حقیقی جناب حاجی غلام محمد خاں شیروانی مرحوم رئیس موہن پورہ ضلع ایٹہ کے ہاتھوں میں آئی۔ حاجی میاں مرحوم حضرت حافظ خیر آبادی سے بیعت تھے اور ایک صوفی صفت انسان تھے۔ دسترخوان وسیع اور ہاتھ کھلا ہوا، علم دوست اور علما وصلحا کے عقیدت مند اور قدر دان، دین کی طرف خاص رغبت اور صوم وصلاۃ کے سختی سے پابند تھے۔ ساری زندگی شیخ کے قدموں میں گزاری اور وہیں یعنی خیر آباد شریف میں انتقال فرمایا۔ نعت گوئی سے خاص شغف تھا ''دیوانِ حافظی'' آپ کا مجموعۂ نعت ہے جو مطبوعہ ہے۔ متولی ہونے کے بعد آپ نے مدرسہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور مدرسہ کی تعلیمی حالت کو بہتر سے بہتر بنا دیا۔ سب سے پہلے آپ نے قابل ترین صدر مدرس کا انتظام فرمایا۔

اگر کسی عربی مدرسہ میں دورۂ حدیث نہیں ہوتا تو حقیقت میں اس مدرسہ کی کوئی اہمیت نہیں اور ''دورۂ حدیث شریف'' بغیر کسی کامل وماہر شیخ الحدیث کے ناممکن۔ مدرسہ عربیہ حافظیہ سعیدیہ دادوں میں اس وقت سب سے بڑی کمی یہ تھی کہ صدر مدرس میں وہ صلاحیتیں نہ تھیں جو دورۂ حدیث کی تعلیم کے لیے ضروری ہیں، میں احتراماً اُن بزرگ کا نام نہیں لینا چاہتا جو اس وقت اس منصب پر تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دور میں کوئی طالب علم بھی لائق وفائق اور حقیقی استعداد کا مالک نہیں نکل سکا اور مدرسہ کا ماحول قطعاً غیر درسی بن گیا، جہاں تعلیم سے زیادہ تفریحی مشاغل کا غلبہ تھا۔ حاجی میاں مرحوم کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے مدرسہ کو اس کی حقیقی روح واپس کردی۔ انھوں نے متولی ہونے کے بعد سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ایک ماہر وکامل صدر مدرس تلاش کیا، جس کے علم کا شہرہ اور اس کی عظمت وعلمی وجاہت ہندوستان گیر تھی، یعنی سیدی ابوالعلی صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی کوشش اور جد وجہد کے بعد دادوں تشریف لانے پر آمادہ کرلیا اور بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ لے کر آئے۔ اس زمانہ میں جب چاندی کا اصلی سکہ جاری تھا اور جس زمانہ میں حکومت کے افسران کو بھی ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ بمشکل ہی ملتا تھا۔ حاجی میاں مرحوم حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس مشاہرہ پر لائے۔ حاجی میاں مرحوم نے علم واہل علم کی جو قدر دانی فرمائی،

ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ان کی عاقبت کا ذخیرۂ عظیم بنے گی، وہ طلبہ جو علم کے پیاسے تھے اور جن کی روح علومِ دینیہ کے حصول کے لیے بے چین تھی، حاجی میاں مرحوم کے اس احسان سے سبک دوش نہیں ہو سکتے تھے۔ درحقیقت مرحوم کے اس حسن انتظام اور دینی خدمت کے جذبہ نے نہ معلوم کتنے طلبہ کی دنیا و دین کو سنوار دیا اور ان کے مستقبل کو تباہی سے بچا لیا۔ وہ حضرت صدر الشریعہ کے فیضِ علم سے دنیا و دین کی برکتوں سے مستفید ہوئے۔ مولائے کریم رؤف ورحیم اپنے حبیب پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ میں نواب صاحب مرحوم وحاجی میاں مرحوم کو اپنی رحمتوں بخششوں اور برکتوں سے نوازے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی دادوں تشریف آوری:

یہ غالباً ۱۹۳۶ء کی بات ہے، جب محترم جناب حاجی غلام محمد خاں عرف حاجی میاں مرحوم بڑے فخر وانبساط کے ساتھ حضرت صدر الشریعہ کو دادوں لے کر آئے، ان کا یہ فخر بالکل بجا تھا، کیوں کہ آپ کی تشریف آوری سے نہ صرف مدرسہ بلکہ دادوں کی یہ چھوٹی سی بستی ہندوستان گیر شہرت وعظمت کی حامل بن گئی، جس کا نام آج تک بڑے بڑے علما کی زبان پر آتا رہتا ہے۔ تشنگانِ علم دور دور سے کھنچ کر دادوں پہنچنے لگے، تاکہ حضرت صدر الشریعہ سے شرفِ تلمذ حاصل کریں، ایسا محسوس ہوا کہ جیسے سوکھی کھیتی پر ابر رحمت برسا اور خزاں رسیدہ چمن میں بہار آ گئی۔

حضرت صدر الشریعہ مدرسۂ دادوں میں بحیثیت صدر المدرسین وشیخ الحدیث تشریف لائے۔ آپ کی آمد سے دار العلوم میں علوم وعرفان کی بارشیں ہونے لگیں، وہ دار العلوم جہاں غیر درسی، غیر علمی مصروفیات کو غلبہ حاصل تھا اور جہاں کی فضاؤں میں تفریحی مشاغل کی گونج تھی اور جہاں مباحثہ و مکالمہ کے موضوعات فٹ بال اور اسی سلسلہ میں کھیلے جانے والے مقامی وبیرونی مقابلے اور ان مقابلوں میں حصہ لینے والے طلبہ کے فنی کردار، نیز نواب صاحب مرحوم کے مراحم خسروانہ اور نوازشاتِ کریمانہ وغیرہ ہوتے تھے۔ اب یہ موضوعات بدل چکے تھے اور ان کی جگہ علمی مباحث نے لے لی تھی، جو دار العلوم کا حقیقی مقصد تھا۔ اب دار الاقامہ منطق، فلسفہ، فقہ، حدیث، تفسیر، معانی وبیان اور نعت وادب کے مسائل پر گفتگو ہوتی۔ یقیناً یہ آپ کا عظیم اور محسوس روحانی تصرف تھا کہ بغیر کسی ظاہری جد وجہد اور سعی اصلاح کے فرسودہ ماحول یک لخت تبدیل ہو گیا۔ طلبہ کا ذہن، تفریحی مشاغل، غیر درسی امور اور علم دشمن مصروفیات سے ہٹ کر حصولِ علم کی طرف مائل ہو گیا اور اب دار العلوم اپنے حقیقی مقاصد کے ساتھ اپنی صحیح شکل وصورت میں نظر آنے لگا۔ ایک ہی سال میں مدرسہ عربیہ دادوں کی دھوم مچ گئی اور اسے ہندوستان گیر شہرت حاصل ہو گئی۔ مدرسۂ دادوں کے فارغ التحصیل طلبہ علم دین کے معیاری وقابل اعتماد فضلا شمار کیے جانے لگے اور مولانا کی علمی عظمت وجلالت کا سکہ اس اطراف ونواح میں بھی جاری ہو گیا۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم جو خاندانِ شیروانیاں کے بڑے علما میں سے ہیں اور صاحب مطالعہ وصاحب تصنیف وتالیف ہیں، ان کو بھی حضرت صدر الشریعہ کی عظمت کا اعتراف تھا اور وہ اعتراف کیوں نہ کرتے، جب مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ جیسے جید واعظم العلما آپ کی عظمت کو تسلیم فرماتے تھے۔

حضرت صدرالشریعہ کی عظمت و شہرت میں ''بہارشریعت'' نامی کتاب کی تالیف نے زبردست اضافہ کیا۔ مولانا کی یہ کتاب اردو میں ہے اور اس کے سترہ حصہ ہیں، آج تک یہ بے مثل کتاب ہے اور اپنی خصوصیات میں منفرد ہے۔ مولانا کا یہ علمی کارنامہ ہی آپ کی عظمت اور علمی مہارت کی ناقابل انکار دلیل ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آخرت کے لیے ''خیرالزاد'' ثابت ہوگا۔

مسائل فقہیہ پر لکھے ہوئے آپ کو بہت سی کتابیں، رسالے اور کتابچے ملیں گے، جن میں احکامِ شریعت اردو زبان میں بیان کیے گئے ہیں، لیکن ان میں سے ہر کتاب اور رسالہ کسی ایک خاص موضوع سے متعلق ہے، مثلاً کسی میں صرف عقائد ہیں، کسی میں فرائض اسلام کے ضروری مسائل اور کسی میں فقط نماز و روزہ کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کوئی ایسی کتاب مل جائے گی، جس میں فرائض وارکانِ اسلام کے مسائل قدرے تفصیل و وضاحت سے بیان کیے گئے ہوں اور ان تمام تصنیفات میں زیادہ تر کتابوں میں مسائل بیان کرنے کا انداز اس قسم کا ملے گا جیسے کوئی متبع شریعت بلکہ بانی شریعت لکھ رہا ہو، نہ اس میں قرآن کا حوالہ، نہ حدیث کا نہ اعاظم واکابر فقہائے کرام کا، اسی لیے ایسی کتابیں نہ قابل اعتماد و بھروسہ ہیں اور نہ لائق تقلید۔

بہارشریعت کی عظیم تر خصوصیت یہی ہے کہ اس میں ہر موضوع کو آیاتِ قرآنی اور احادیث مقدسہ سے واضح و ثابت کیا اور اس کے بعد فقہ کی معتبر و مستند کتابوں کے حوالہ سے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے دین سے لگاؤ اور عمل کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور پڑھنے والے کے اندر دین وایمان کا استحکام اور عقائد میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور اس یقین کو قوت حاصل ہوتی ہے کہ ''دین اسلام ایک کامل ضابطۂ حیات ہے، جس میں انسانی معاشرے کی جملہ ضروریات کا تسلی بخش حل موجود ہے اور جو انسانی زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کرتا ہے''۔

بہارشریعت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ دین اسلام کی تعلیمات انسانی زندگی کی ضروریات کا پورا پورا احاطہ کرلیتی ہیں۔ حضرت صدرالشریعہ نے بہارشریعت کے ذریعہ احکام واخلاق سے متعلق آیاتِ قرآن حکیم، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور فقہ اسلامی کو اردو میں منتقل کردیا ہے۔ بہارشریعت کی یہی عظمت اور بلندی ہے، جو اسے دوسری فقہی کتابوں میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا امت مسلمہ ہندیہ پر یہ وہ احسانِ عظیم ہے جس کا بدلہ دینا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اللہ رب العالمین ارحم الراحمین اپنے محبوب سید المرسلین من علی المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ میں آپ کی یہ سعی قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں آپ کا درجہ بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

جس وقت حضرت صدرالشریعہ کا ورودِ مسعود مدرسۂ داداوں میں ہوا، اس وقت یہ ناچیز کاتب السطور ابتدائی درجات کا طالب تھا۔ ہدایۃ النحو، قلیوبی، علم الصیغہ وغیرہ کتابیں زیردرس تھیں اور اس وقت رفقائے جماعت میں (۱) مولانا محمد خلیل خاں مارہروی جو حیدرآباد سندھ میں تھے اور ''دارالعلوم برکاتیہ'' کے بانی و موسس ہیں۔ (۲) مولانا حافظ غلام ربانی برادرِ خورد حضرت مولانا سید غلام جیلانی جو اس وقت بھی داداوں میں ہیں

اور مدرسہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔(۳) حافظ محمد اکرم اللہ خاں شیروانی برادرِ نسبتی نواب محمد مزمل اللہ خاں شیروانی بلونہ ضلع علی گڑھ جو اس وقت کراچی میں کوئی کاروبار کرتے ہیں، تعلیم نامکمل رکھی۔(۴) عبدالرشید انصاری گنج ڈونڈوارہ ضلع ایٹہ، انھوں نے بھی تعلیم نا تمام چھوڑ دی، اس وقت اپنے وطن میں ہیں اور کسی تھوک فروش کے یہاں کام کرتے ہیں۔(۵) مولوی حافظ اختر الزماں شیروانی حسن پور ضلع علی گڑھ، یہ اس وقت سہاور میں ہیں اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔(۶) خود یہ کاتب السطور جو اس وقت مسلم یونیورسٹی سٹی ہائی اسکول علی گڑھ کے اساتذہ درجہ اول میں سے ہے۔

اس کے بعد سالہائے ما بعد میں (۱) مولانا مجیب الاسلام ادری ضلع اعظم گڑھ جو اس وقت ضلع گڑھ ہی میں مدرس عربی ہیں۔(۲) مولانا الحاج الحافظ مبین الدین فاروقی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث۔(۳) مولانا الحاج الحافظ القاری الحکیم محبوب رضا خاں بریلوی جو اس وقت کراچی میں کسی مسجد جامع میں خطیب تھے اور طبابت بھی کرتے تھے۔ (۴) مولوی شمس الدین آنولہ ضلع بریلی کا اضافہ ہوا۔

حضرت صدرالشریعہ کو دادوں تشریف لائے ہوئے غالباً تین سال گزر چکے تھے، لیکن ہنوز ہماری کوئی کتاب حضرت کے درس میں نہ تھی۔ ہماری شدید خواہش اور تمنا تھی کہ کم از کم ہماری ایک کتاب تو ضرور حضرت کے درس میں ہو اور ہمیں بھی شرفِ تلمذ حاصل ہو جائے، لیکن آپ کو بڑی جماعتوں اور بڑی کتابوں سے ہی فرصت نہ تھی۔ ہم جملہ رفقائے جماعت نے طے کیا کہ سب کو مل کر درخواست کرنی چاہیے کہ حضرت ہماری بھی ایک کتاب اپنے درس میں رکھ لیں اور ہمیں بھی شرفِ تلمذ سے سرفراز فرمائیں۔ سب مل کر حاضر خدمت ہوئے، بمشکل عرض کیا، کیوں کہ حضرت کا عالمانہ جاہ و جلال اور رعب و دبدبہ اس قدر تھا کہ بات کرنے کا حوصلہ مشکل سے ہوتا تھا۔ حالاں کہ میں نے پورے زمانۂ حاضری میں آپ کو کبھی کسی پر ہاتھ اٹھاتے اور مارتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن اس کے باوجود آپ کے سامنے آنا بھی دشوار تھا اور نگاہ اٹھا کر بات کرلیں، یہ کسی کا حوصلہ نہ تھا۔

ابتداءً حضرت نے اظہار آمادگی نہ فرمایا، کیوں کہ واقعتاً اوقاتِ فرصت کم یاب تھے، لیکن ارکانِ وفد بھلا کب ناامید ہونے والے تھے، درخواست بار بار پیش کرتے رہے، اشتیاق بڑھتا گیا، آرزو جوان ہوتی گئی، اُمید و نا اُمیدی کے ملے جلے جذبات نے قلب پر رقت طاری کردی، حتیٰ کہ حضرت صدرالشریعہ کا جذبۂ رحم اُبھر آیا اور شفقت بے پناہ سے درخواست درجۂ قبولیت کو پہنچی، ادب و احترام مانع نہ ہوتا تو ہم لوگ وفورِ مسرت سے اُچھلنے لگتے، ہماری سب سے پہلی کتاب جو حضرت کے درس میں آئی، وہ منطق کی مشہور کتاب ''ملاحسن'' تھی۔

حضرت صدرالشریعہ کا طریقۂ تعلیم اور فیضِ روحانی:

بوقت درس کوئی کتاب حضرت کے سامنے نہ ہوتی تھی، بجز کتب تفسیر و احادیث کے کہ ادباً واحتساباً وہ سامنے رہتی تھیں۔ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ:

''وہ ایک لائق استاذ نہیں جو تعلیم دینے میں کتاب سامنے رکھنے کا محتاج ہو''۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی یہ بات اپنی جگہ قطعاً صحیح تھی، کیوں کہ جب استاذ عمیق مطالعہ اور مضمون کے مالہ وما علیہ پر وسیع غور و فکر کے بعد پڑھائیں گے تو مضمون خود بخود

ذہن میں محفوظ ہو جائے گا اور جب یہ عمل بار بار ہوگا تو تھوڑی مدت ہی میں معلم کتاب پر حاوی ہو جائے گا اور پھر کتاب سامنے رکھنے اور دیکھ کر پڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس معلم کو کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے، جس نے طالعہ نہ کیا ہو یا وہ مضمون پر حاوی نہ ہو۔

حضرت کا طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ اول کوئی ایک طالب علم عبارت خوانی کرتا اور جتنا سبق پڑھنا ہوتا، دو صفحے، تین صفحے ایک ساتھ عبارت پڑھ لی جاتی، پھر حضرت تشریح مطلب فرماتے۔ طلبہ کو عام اجازت تھی کہ وہ سوالات کریں، جوابات وافی و کافی ملتے، طلبہ کو ہر گونہ اطمینان ہو جاتا، لیکن عبارت خوانی ہی حضرت کے درس میں ''کارے دارد'' والا معاملہ تھا، کیوں کہ عبارت کی غلطی کو حضرت نہ کبھی نظر انداز فرماتے، نہ اس معاملہ میں عفو و درگزر سے کام لیتے، گرفت سخت ہوتی تھی، صرف و نحو کے بیشتر قاعدے سوالات کی زد میں آجاتے تھے، نہ صرف غلط خواں لرزہ براندام ہوتا، باقیوں کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو جاتی تھی، اظہار ناراضگی بھی اس انداز سے ہوتا کہ ایک چلو خون خشک ہو جانے میں کوئی مبالغہ نہیں۔ حالاں کہ عبارت خوانی کے لیے ہر طالب علم کا سلسلہ وار ایک دن مقرر تھا، لیکن اکثر طلبہ خوف سے اپنا نمبر چھوڑ دیتے تھے، مولانا محمد خلیل خاں اکثر کی ڈھال تھے، اگرچہ عبارت خوانی ان کی مکمل طور پر صحیح نہ تھی، تاہم وہ اتنے باحوصلہ تھے کہ سب کے بدلہ کی ناراضگی برداشت کرنے کے لیے آمادہ رہتے تھے، رفقا میں صرف مولانا حافظ مبین الدین تھے جو غلط خوانی سے محفوظ تھے، شاذ و نادر ہی عبارت میں غلطی ہوتی، یہ فقیر کاتب السطور اپنے نمبر پر ہمیشہ پوری تیاری کرتا، اس شب جس کی صبح عبارت خوانی کا نمبر ہوتا، سوائے ''ملا حسن'' کسی دوسری کتاب کا مطالعہ نہ کرتا، لیکن جب پڑھنے کا وقت آتا حوصلہ ہار دیتا۔ اپنی بنیادی کمزوری یہ تھی کہ قواعد صرف و نحو تو یاد تھے، لیکن ان کے نفاذ و اجرا کی مشق نہ تھی، اس لیے عبارت خوانی میں اکثر و بیشتر غلطیاں نکلتی تھیں۔ آخر اس طرح کب تک کام چل سکتا تھا، مولانا محمد خلیل خاں کی ہمت نے جواب دے دیا اور وہ درحقیقت یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ ''میں دوسروں کے عوض ناراضگی کیوں اٹھاؤں اور ڈانٹ کیوں کھاؤں''۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دو کو چھوڑ کر باقی تمام رفقائے درس نے اپنی اپنی باری پر عبارت خوانی شروع کر دی۔ لیکن ڈانٹ کھانے اور ناراضگی برداشت کرنے کا حوصلہ اس فقیر کو نہ تھا، لہٰذا اپنے نمبر پر کتاب کا مطالعہ پورے غور و خوض سے کیا اور یہ کام حساب لگا کر دو تین دن پہلے ہی سے شروع کر دیا، اعراب کو درست کیا اور وجوہاتِ اعراب حافظہ میں رکھیں اور اس سلسلہ میں سابقہ آموختۂ صرف و نحو کسی کسی جگہ باز خوانی بھی کی اور اللہ کا نام لے کر اعتماد کے ساتھ اپنے نمبر پر عبارت خوانی شروع کی، پہلے دن کی حالت قابل دید تھی، ممکن ہے کہ میرے رفقا کو اس کا احساس نہ ہوا ہو، لیکن مجھے تو اب تک یاد ہے (حالاں کہ اس واقعہ کو پورے ۳۳ ر سال گزر چکے ہیں) کہ دل میں خوف، چہرہ پر گھبراہٹ، آنکھوں کے نیچے اندھیرا سا، زبان میں لکنت اور لڑکھڑاہٹ جیسے غیر مانوس الفاظ ادا کرنا پڑ رہے ہوں۔ غرض اس عالم میں پہلے دن عبارت پڑھی، الحمد للہ تعالیٰ کہ کوشش کامیاب رہی، پھر تو جھجک نکل گئی اور میں بلا تکلف عبارت خوانی کرنے لگا۔

یہ محض حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی

تصرف اور فیض باطنی تھا کہ یہ فقیر اس قابل ہوگیا کہ نہ صرف یہ کہ عبارت صحیح پڑھ سکے بلکہ اس کا مطلب بھی سمجھ لے۔ اگر حضرت کی توجہ خاص نہ ہوتی تو مجھے آج بھی یقین ہے کہ میرا مستقبل تاریک و تباہ ہوجاتا، نہ میں کسی قابل ہوتا اور نہ کوئی علمی استعداد پیدا ہوتی۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے صرف ایک کتاب کے درس نے میری علمی استعداد میں ہمہ جہت اضافہ کردیا اور میرے اندر زبردست قوتِ اعتماد پیدا ہوگئی۔ اب تو میں منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، حدیث اور تفسیر، غرض جملہ علوم کی کتابوں کی عبارات صحیح پڑھنے لگا، سمجھنے لگا اور مطالعہ میں لطف آنے لگا، اسی طرح میرا مستقبل تباہی سے بچ گیا اور تعلیم و تعلم کی حقیقی استعداد پیدا ہوگئی۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ حضرت کے فیضِ علم سے حصہ ملا، حضرت کے حضور دستار بندی ہوئی اور حضرت ہی کی زیرِ سرپرستی دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ اس سے قبل یہ ناچیز شہر گجرات پنجاب کے ایک عربی مدرسہ میں دو سال خدمت انجام دے چکا تھا اور ۱۹۴۷ء سے تادمِ تحریر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات میں خدمت انجام دے رہا ہے اور یقیناً حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا فیض روحانی ہے کہ راقم الحروف اپنے رفقائے معلمین میں باوقار و باامتیاز ہے۔ فالحمد للہ تعالیٰ جل وعلا۔

غالباً ۱۹۳۸ء لغایۃ ۱۹۴۲ء پانچ سال راقم الحروف کو مولانا علیہ الرحمہ کے حلقۂ درس میں شریک رہنے کا موقع ملا۔ درحقیقت مولانا ایک بحرِ ناپیدا کنار تھے، جملہ علوم منقول پر حاوی درسیات و فقہیات پر آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور درس و تدریس پر عبورِ کامل حاصل تھا۔ طالب علم نے عبارت پڑھی اور مولانا نے معانی و مطالب پر جامع و مدلل اور پُر مغز تقریر فرمادی۔ انداز ایسا تھا کہ ہر مشکل سے مشکل مسئلہ آسانی کے ساتھ دل نشین ہوجائے اور یہ بھی مولانا کا ایک عظیم روحانی کرشمہ تھا کہ طالب علم کا ذہن درس سے غیر حاضر نہ ہونے پاتا تھا، ہر مضمون اور ہر علم کو اس طرح پڑھاتے گویا اسی علم میں آپ کو خصوصی مہارت ہے۔ پانچ سال کی لمبی مدت میں ہم قطعاً یہ امتیاز نہ کرسکے کہ مولانا علومِ منقول و معقول میں سے کس علم پر زیادہ مہارت رکھتے ہیں، ہر علم کی تدریس مساوی تھی۔

مولانا علیہ الرحمہ کے معمولات:

علی الصباح وقت مسنون میں آپ نماز فجر باجماعت ادا فرماتے اور مختصر سے وظیفہ کے بعد تلاوتِ قرآنِ حکیم میں مشغول ہوجاتے، طلوعِ آفتاب تک یہ سلسلہ جاری رہتا اور اشراق کا وقت ہوجانے پر نمازِ اشراق ادا فرماتے، پھر حویلی (گھر) تشریف لے جاتے، ناشتہ فرماتے اور صحیح وقت پر پابندی کے ساتھ مدرسہ تشریف لے آتے۔ اوقاتِ مدرسہ میں آپ کا کوئی گھنٹہ خالی نہ رہتا، پورے وقت درس جاری رہتا۔ درسِ حدیث اس درجہ انہماک و استغراق کے ساتھ ہوتا تھا کہ آپ کو کسی آنے اور جانے والے کی بھی مطلق خبر نہ ہوتی، اس استغراق میں علم حدیث کے ساتھ مولانا کے ادب و احترام کو بڑا دخل تھا۔ ایک بار متولی مدرسہ جناب حاجی غلام محمد خاں صاحب مرحوم کسی بدباطن کی حاسدانہ شکایت پر برائے تحقیق و معائنہ درجہ میں تشریف لائے، درسِ حدیث پاک کا سلسلہ جاری تھا، حضرت کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ متولی صاحب قریب ہی دروازہ پر کھڑے تھے، لیکن آپ کو اس طرف قطعاً توجہ نہ ہوئی، وہ خاموش واپس تشریف لے گئے اور مولانا کے

خلوص، استغراقِ للّٰہیت اور روحانیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ بعد میں جب متولی صاحب کے تشریف لانے کی اطلاع مولانا کو دی گئی تو مولانا نے قدرے استعجاب کے ساتھ سکوت فرمالیا۔

مدرسہ میں معمولاتِ درس سے فارغ ہو کر چھٹی کے معاً بعد آپ حویلی تشریف لے جاتے اور دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر قیلولہ مسنونہ ادا فرماتے اور نمازِ ظہر با جماعت سے فراغت پانے کے بعد آپ مطالعۂ کتب میں مشغول ہو جاتے۔ اُسی دور میں آپ نے ''بہار شریعت'' کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل فرمائی، نماز عصر ادا فرمانے کے بعد آپ بستی سے باہر چہل قدمی کے لیے تشریف لے جاتے، اس وقت ذہین وشوقین طلبہ کا ایک گروہ آپ کے جلوس ہوتا تھا اور یہ وقت بھی آپ کا علمی مذاکرات میں گزر جاتا تھا، طلبہ کو اس چہل قدمی سے بھی عظیم فوائد حاصل ہوتے، لیکن بعد میں کمزوریٔ صحت کی وجہ سے چہل قدمی کا یہ سلسلہ آپ کو موقوف کر دینا پڑا، نمازِ مغرب سے فارغ ہو کر آپ صلوٰۃِ اوابین ادا فرماتے اور طعامِ شب سے فارغ ہو کر مطالعۂ کتب میں مصروف ہو جاتے، نمازِ عشا کے بعد بھی مطالعۂ کتب جاری رہتا، کبھی کبھی طلبہ کی نگرانی کے لیے حویلی سے بارہ بھی تشریف لاتے، اگر چہ طلبہ کی مصروفیات ومعمولات اور مطالعہ کے لیے مولانا امین الدین جھروی مرحوم مستقل نگراں تھے، تاہم حضرت بھی کبھی کبھی دار الاقامہ کا معائنہ فرما لیتے تھے۔

مجھے سات سال کے عرصہ میں اَن گنت بار مولانا علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا، لیکن میں نے آپ کی مجلسوں کو اُن عیوب سے پاک پایا جو عام طور سے بلا امتیاز عوام وخواص ہمارے معاشرے کا جز بن گئے ہیں، مثلاً غیبت، چغلی، دوسروں کی بدخواہی، عیب جوئی وغیرہ۔ آپ کی زندگی نہایت پاک وصاف اور مقدس تھی، مجھے آپ کی زندگی میں دروغ بیانی کا کبھی شائبہ بھی نہیں گزرا، جہاں تک میرا علم ہے آپ کے معمولات قرآن وسنت کے مطابق تھے، گفتگو بھی نہایت صاف ستھری اور مہذب ہوتی، کوئی ناشائستہ یا غیر مہذب لفظ استعمال نہ فرماتے۔ اسی طرح معاملات میں بھی آپ نہایت صاف تھے، آپ کا ہر معاملہ شریعت مطہرہ کے احکام کے ماتحت تھا، دادوں میں قیام کے دوران کا میں عینی شاہد ہوں کہ آپ نے کبھی کسی کے ساتھ بد معاملگی نہ کی نہ کسی کا حق رکھا۔

چوں کہ آپ خود احکامِ شریعت کا اتباع فرماتے تھے، اس لیے اگر آپ کے ساتھ کوئی بد معاملگی کرتا تو اس پر آپ اظہار ناراضگی فرماتے، مثال کے طور پر اگر کوئی طالب علم بھاؤ اور وزن وغیرہ معلوم کیے بغیر (جن کا از روئے شریعت بوقت بیع وشرا معلوم کرنا ضروری ہے) کوئی چیز خرید لاتا تو اس پر اپنی سخت برہمی کا اظہار فرماتے، اس طریقہ سے طلبہ اور معاملہ دار کی شرعی تربیت بھی ہو جاتی تھی، یہ مولانا علیہ الرحمہ کی للّٰہیت اور خلوصِ محبت تھی کہ آپ جس طرح طلبہ کی روح اور علم کی تربیت فرماتے تھے، اسی طرح معاملات کی بھی عملی وعلمی تربیت فرماتے تھے۔

مولانا علیہ الرحمہ کی خانگی وازدواجی زندگی بھی شریعت مطہرہ کے مطابق تھی۔

ہمارے ہندوستان کی سماجی زندگی میں ''سوتیلے'' کا عجیب تصور ہے، ایک باپ سے دو ماؤں کے بچے بالعموم باہم حسن سلوک سے نہیں رہ سکتے، نہ صرف یہ کہ ان میں باہم حسن سلوک نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کو نفرت، عداوت اور بدخواہ

کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہر ایک ان میں سے اپنے لیے ترجیحی سلوک کا خواہش مند ہوتا ہے اور دوسرے کے ساتھ کم درجہ کا حسن سلوک بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ دوسری ماں مختلف راہوں سے باپ کو اپنے بچوں کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنے پر آمادہ کرلیتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ پہلی بیوی کے بچوں کو نالائق ونا کارہ اور نا اہل قرار دے کر باپ کو ان سے متنفر کر دیتی ہے، باپ سے انھیں مختلف الانواع تکالیف واذیتیں دلواتی ہے اور باپ اپنی دوسری بیوی کی سازشوں، مکر اور حیلہ سازیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ اتباعِ نفس اور شیطانی جذبات کی مغلوبیت میں باپ اور سوتیلی ماں قیودِ شریعت سے آزاد ہوجاتے ہیں، نہ اللہ جل جلالہ اور اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضگی کا کچھ خیال رہتا ہے اور نہ دنیا کی ذلت ورسوائی کا۔

مولانا علیہ الرحمہ کا عمل اس معاملۂ خاص میں بھی احکامِ شریعت کے مطابق تھا، حالاں کہ یہ وہ مشکل اور نازک معاملہ ہے جہاں عوام اور دنیا دار تو ایک طرف اصحابِ علم وفضل کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں، لیکن میں نے اس معاملہ میں بھی مولانا علیہ الرحمہ میں کوئی کمزوری نہ پائی، مختلف ازواج سے بچے ایک ہی گھر میں ایک ساتھ رہتے اور آپ سب کے ساتھ عادلانہ سلوک فرماتے۔

تعلیم وتربیت:

اولاد اور طلبہ کی عملی تعلیم وتربیت کا بھی آپ خصوصی خیال فرماتے تھے، آپ کا تقویٰ وتدین اس امر کا متحمل ہی نہ تھا کہ کوئی آپ کے سامنے خلافِ شرع کام کرے، اگر آپ کے علم میں طلبہ یا اولاد کے بارے میں کوئی ایسی بات آتی جو احکامِ شریعت کے خلاف ہوتی تو چہرۂ مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا، کبھی شدید ترین برہمی، کبھی زجر وتوبیخ اور کبھی تنبیہ وسزا اور کبھی موعظۂ حسنہ۔ غرض جس مقام پر جو طریقہ بھی آپ مناسب خیال فرماتے، استعمال میں لاتے تھے۔

مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری، دارالعلوم امجدیہ کراچی میں شیخ الحدیث تھے اور علم حدیث میں ان کی خاص نگاہ تھی، حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں، یہ شروع ہی سے نہایت ذکی الطبع، قوی الحفظ، ذہین اور علمی لحاظ سے بڑے نکتہ سنج ونکتہ فہم تھے، ان کا ظاہر ریا سے پاک اور باطن ظاہر سے بہت بہتر تھا۔ نہایت کم عمری میں انھوں نے علوم عربیہ دینیہ حاصل کرلیے اور دورۂ حدیث سے فراغت پائی، ان کی صلاحیتوں کے پیش نظر مولانا کو ان کی ذات سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں، اسی لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں جامعہ ازہر (مصر) مزید تعلیم کے لیے بھیج دیا، لیکن جامعہ ازہر کا ماحول اس وقت تک بدل چکا تھا اور وہاں مغربی استعمار اپنی بے دین تہذیب کا اثر ڈال رہا تھا، مصری قوم مغربی تہذیب کے شکنجہ میں تھی، مغربی لباس اور حلق لحیہ کا فیشن ترک کی طرح وہاں بھی عام ہوچکا تھا۔ مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب جس وقت مصر گئے، ان کی عمر دو دہائی سے زیادہ نہ تھی، جو عین اثر پذیری کا زمانہ ہوتا ہے، اس لیے ان کا اس ماحول سے متاثر نہ ہونا بڑا مشکل تھا، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اصلاح و تربیت کا خارجی دباؤ مفقود ہو اور اساتذہ نگراں کی طرف سے کسی خفگی یا تنبیہ کا خوف بھی نہ ہو۔ کئی سال کے بعد تعلیم مکمل کر کے جب مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب مصر سے ہندوستان واپس ہوئے تو ظاہر ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مسرتوں کی

کوئی انتہا نہ تھی، جذبۂ دینی اور محبت پدری کے بے پناہ جذبات قلب میں موجزن تھے۔ جامعہ ازہر میں تعلیم پا کر آنے والے بیٹے کی جو وضع قطع اور شکل وصورت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تصوراتِ مذہبی نے قائم کی تھی، اصلیت وحقیقت نے اس کی تصدیق کی نہ تطبیق، اس لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ مبارک پر صاحبزادے سے ملاقات کے بعد خوشی ومسرت کے وہ آثار نہ تھے جو ایسے موقع پر ہوتے ہیں۔ مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری، ازہر سے جو سرمایۂ علم لے کر آئے اس کا اظہار تو بعد میں ہونا تھا، سب سے پہلی چیز جو فوری طور پر مشہود ومحسوس تھی وہ ان کی وضع قطع تھی، جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی امیدوں اور امنگوں کے خلاف تھی، اس کا اثر آپ کے قلب مبارک پر اتنا شدید تھا کہ بہ ادنیٰ تامل محسوس کیا جاسکتا تھا، لیکن آپ نے جلد ہی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی اور زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ دیکھنے والوں نے مولانا کے تصرفِ روحانی کا اثر دیکھا۔ مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری بہت جلد اس فیض روحانی سے مستفید ہوئے اور الحمد للہ کہ انھوں نے بہت جلد اپنی وضع وقطع کو شریعت مطہرہ کے سانچہ میں ڈھال لیا۔ اس طرف سے اطمینان حاصل کر لینے کے بعد بعد ہی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب کو خود سے جدا ہونے اور دادوں چھوڑنے کی اجازت دی۔

اصلاح وتربیت کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا، جس نے میری زندگی بدل ڈالی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میرے ننھیال کی اکثریت علومِ عربیہ دینیہ کی حامل تھی، جب کہ ددھیال کی یہ حالت نہ تھی، یہ لوگ زیادہ تر سرکار برطانیہ کی ملازمتوں میں تھے، میں اپنے والد مرحوم کی اولاد میں وہ واحد فرد ہوں جس نے علومِ عربیہ حاصل کیے، جب کہ میرے برادرِ معظم سید افضال احمد صاحب زیدی نے انگریزی تعلیم حاصل کی، وہ علی گڑھ میں تعلیم پاتے تھے اور میں علی گڑھ سے تیس میل دور دادوں میں عربی کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور یہ صرف میری والدہ ماجدہ مرحومہ کا فیضِ کرم ہے کہ میں علم دین کی نعمت سے بہرہ مند ہوا۔ مرحومہ نیک سیرت، پاک باز، پابند صوم وصلاۃ اور علم دین سے محبت رکھنے والی بی بی تھیں، ان کی بڑی تمنا تھی کہ میرے بچے علم دین حاصل کریں۔ میرے برادرِ معظم کو انگریزی اسکول کے اساتذہ نے انگریزی تعلیم کی طرف راغب کر لیا، دوسرا حملہ میرے اوپر کیا لیکن میری والدہ محترمہ مرحومہ کسی قیمت پر مجھے انگریزی تعلیم دلانے پر رضا مند نہ ہوئیں اور مجھے میرے برادرِ نسبتی قاری حافظ سید مظفر علی زیدی کی تحریک وتجویز پر مدرسہ عربیہ حافظیہ سعیدیہ دادوں میں داخلہ دلا دیا۔ مرحومہ کا بڑا ارمان تھا کہ وہ میرے سر پر دستارِ فضیلت دیکھیں، لیکن حکیم مطلق، علام الغیوب، رب رحمٰن ورحیم کی مصلحت کہ یہ میری دستار بندی سے چند ماہ قبل بعارضۂ کالرا مبتلا ہو کر شہید ہو گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولائے کریم رؤف ورحیم ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین۔

خیر تو یہ ایک جملہ معترضہ تھا، عرض مدعا یہ ہے کہ میرا علی گڑھ کا ماحول مغرب زدہ تھا اور میں خود بھی اس ماحول سے متاثر تھا، سبزۂ خط کا آغاز ہوا تو میں نے مغربی تہذیب کے اثر میں اس کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ ابتداءً تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ ہوا، کیوں کہ میں اس قدر احتیاط رکھتا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کے سامنے ہی نہ آتا، لیکن تا بکے آخر ایک بار حضرت کو شبہ ہو ہی گیا اور بالآخر یہ بات آپ کے علم میں آگئی، اب

میرے خوف اور پریشانی کی انتہا نہ تھی، لیکن چوں کہ میرا سلسلۂ نسب سادات سے ہے اور حضرت مولانا سادات کا پاس وادب ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے، اس لیے اگر چہ میری یہ حرکت آپ کی صد ہزار ناراضگی کا باعث تھی، تاہم آلِ رسول ہونے کی نسبت سے میرے لیے ڈھال بن گئی اور میں آپ کی شدید زجر وتوبیخ اور بے پناہ غصہ کی زد سے بچا رہا، لیکن حضرت اس سے غافل قطعاً نہ تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک بار بہریا مہتر غیر حاضر ہوگیا، بیمار ہونے کی وجہ سے وہ کئی دن تک نہیں آیا، جس کی وجہ سے کمرہ گندہ اور غلیظ ہوگیا، جھاڑو تلاش کی تو کہیں نہ مل سکی، مجبوراً حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے کمرہ پر حاضر ہوا، آپ نے حاضری کی وجہ دریافت فرمائی، میں نے سامنے سے ایک طرف چھپتے ہوئے عرض کیا "حضور صفائی کے لیے جھاڑو کی ضرورت ہے"۔ بڑے پیار بھرے لہجہ میں فرمایا: "اگر کمرہ میں جھاڑو دینا ہے تو بہریا کو (مہتر کا نام تھا) بلا لے اور اگر منہ پر جھاڑو دینا ہے تو امیر بخش کو (حجام کا نام تھا) بلا لے"۔ معلوم نہیں کیا وقت تھا اور حضرت کا کیا انداز تھا کہ آپ کے اس سادہ سے جملے نے قلب پر گہرا وار کیا اور اس قدر ندامت ہوئی کہ اس دن کے بعد سے آج تک داڑھی نہیں منڈائی۔ حضرت سادات کا بے حد احترام فرماتے تھے، حالاں کہ میں ایک ادنیٰ خادم تھا اور میری بھی دوسرے طلبہ کی طرح یہی کوشش رہتی کہ میں بھی حضرت کی خدمت کیا کروں، لیکن آپ ہمیشہ احتیاط فرماتے، ہاتھ پیر دبانے کا موقع مجھے کبھی نہ دیتے، بہت اصرار کرتا تو سر میں تیل مالش کرنے پر رضامندی کا اظہار فرماتے، میں اسی کو اپنے لیے بڑی سعادت خیال کرتا۔ غرض اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں کہ آپ نے طلبہ کی ذہنی، روحانی، علمی اور عملی تربیت فرمائی اور ان کا تزکیۂ نفس فرمادیا۔

صبر واستقامت:

بارگاہِ رب العزت میں صابرین کا بڑا درجہ ہے۔ ان کو "أُولٰئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" کی نعمت کی بشارت دی گئی ہے اور فرمایا: "أُولٰئِکَ یُجْزَوْنَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلَامًا". (یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے صبر کا اجر دیے جائیں گے اور جنت میں ان پر سلام وتحیہ ہوگا) لیکن اسلام نے صابرین کو جتنا بلند اور بڑا درجہ عطا فرمایا ہے، عملی زندگی میں صبر کرنا اتنا ہی مشکل اور دشوار ہے، یہ صرف مومنین وموقنین ہیں جو ہر تکلیف، ہر مصیبت اور ہر بڑی سے بڑی آفت وبلا کے موقع پر بھی "الحمد للہ" کہتے ہیں اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھ کر سر تسلیم ورضا خم کر دیتے ہیں اور زبان پر قطعاً کوئی حرفِ شکایت نہیں لاتے، صبر کی سعادت وتوفیق بھی رب جلیل اپنے بندگانِ خاص کو ہی عطا فرماتا ہے۔

میں نے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو صبر واستقامت کا کوہِ پیکر پایا، اتنے عظیم تر صدمات کم تر ہی دوسروں کو ملے ہوں گے جتنے آپ نے برداشت فرمائے، یکے بعد دیگرے آپ نے تین ازواج کے صدمات دیکھے، لیکن یہ دادوں تشریف لانے سے پہلے کی بات ہے۔ دادوں تشریف لانے کے بعد آپ کو جو صدمات پہنچے اور جو ابتلا وآزمائش آپ کے رفع درجات کے لیے ہوئیں اور ان پر حضرت نے جس طرح صبر فرمایا، خاص طور سے اپنی جوان العمر صاحبزادی "بنو" کو جس تسلیم ورضا کے ساتھ اس دنیا سے رخصت فرمایا، اس کا نہ صرف یہ کہ راقم الحروف عینی شاہد ہے،

بلکہ وہ تمام طلبہ اور مدرسین بھی جو اس وقت موقع پر موجود تھے۔
واقعہ کی تفصیل ہے کہ حضرت مولانا کے بنو مرحومہ سے قبل کوئی صاحبزادی نہ تھی، اس لیے آپ کو اپنی اس بچی کے ساتھ بے حد محبت تھی اور اس لیے بھی کہ یہ بے ماں کی بچی تھی، اس کی والدہ حیات نہ تھیں، یہ صاحبزادی دادوں میں بیمار ہوئیں، مرض نے طوالت اختیار کی، متعدد حکما کا علاج ہوا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، صحت وافاقہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، ایک دن بعد نمازِ فجر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن خوانی کے لیے طلبہ وحاضرین کو روکا، بعد ختم قرآن مجید آپ نے مجلس کو خطاب فرمایا کہ:

''بنو کی علالت طویل ہوگئی ہے، کوئی علاج کارگر نہیں ہوا اور فائدہ کی کوئی صورت نہیں نکل رہی ہے، آج شب میں نے خواب میں دیکھا کہ سرور کونین رحمت عالم روحی فداہ گھر میں تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ''ہم بنو کو لینے آئے ہیں'' سید الانام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھنا بھی حقیقت میں بلاشبہ آپ ہی کو دیکھنا ہے، اس لیے یہ یقین ہے کہ بنو کی دنیاوی زندگی اب پوری ہوچکی ہے اور اس جہانِ فانی سے وہ اب رخصت ہونے والی ہے، مگر وہ بڑی ہی خوش نصیب ہے کہ اسے آقا ومولیٰ رحمت عالم محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لینے کے لیے تشریف لائے اور میں نے خوشی سے آپ کے سپرد کیا اور اجازت دی''۔

دعا کے بعد مجلس قرآن خوانی ختم ہوگئی، غالباً اسی دن یا دوسرے دن بنو کا انتقال ہوگیا اور حضرت صدر الشریعہ کی یہ لاڈلی پیاری پاک باز اور مقدس بیٹی آپ سے جدا ہوگئی، تسلیم و رضا کی منزل میں عظیم صبر و استقامت کے ساتھ آپ نے قضائے الٰہی کو قبول فرمایا، صد ہزار رحمتیں ہوں آپ کی روحِ پاک پر۔ آمین۔

یاد نہیں رہا کہ بنو مرحومہ کے انتقال سے قبل یا بعد میں آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے جن کی عمر غالباً تیس سال سے متجاوز تھی، حکیم مولوی شمس الہدیٰ کا انتقال ہوا اور اپنے پیچھے ایک بیوہ اور بچے چھوڑے، جن کی کفالت کی ذمہ داری بھی حضرت کے کاندھوں پر آئی۔ مرحوم حضرت کے قوتِ بازو تھے، وطن مالوف میں آپ کی عدم موجودگی میں گھر کے جملہ معاملات کا انتظام وانصرام ان کی ہی ذمہ داری میں رہتا تھا اور ان کی وجہ سے حضرت کو بڑی بے فکری تھی۔ ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مولوی یحییٰ بعارضۂ یرقان مبتلا ہوئے اور داعی اجل کو لبیک کہا، انھوں نے بھی اپنے پیچھے ایک بیوہ اور بچہ چھوڑا۔ ان دونوں کے انتقال سے جو قلبی صدمات حضرت کو پہنچے وہ تو اظہر من الشمس ہیں، لیکن ایک بڑی دشواری یہ سامنے آئی کہ وطن کے گھر کا سارا انظام درہم برہم ہوگیا۔

اللہ اکبر! صبر ہو تو ایسا ہو کہ اتنے عظیم اور پہاڑ جیسے صدمات، ان کے پیچھے عظیم مسائل، مگر زبانِ مبارک پر بجز صبر و شکر کوئی دوسرا لفظ نہ آیا، بے شک اللہ جل وعلا اپنے نیک بندوں کا شرح صدر فرما دیتا ہے، ان کا حوصلہ بلند فرما دیتا ہے، پھر ہر مصیبت ان کے لیے سہل اور آسان ہوجاتی ہے۔ ایک جوان بیٹی اور دو مددگار جوان بیٹوں کے انتقال کے بعد آپ کے تیسرے جوان العمر صاحبزادے مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کا انتقال ہوا، جو اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل ہی فارغ التحصیل

ہوئے تھے، اس طرح تین چار سال کی قلیل مدت میں آپ کے تین جوان صاجزادگان اور ایک صاجزادی نے مفارقت کی، لیکن تسلیم ورضا کی منزل سے آپ کے قدم استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ آئی، ایسے عظیم وشدید صدمات کو برداشت کر لینا کوئی آسان کام نہیں، اگر وہ ارحم الراحمین توفیق صبر عطا نہ فرمائے تو معلوم نہیں انسان کیا کر ڈالے، لیکن آپ سنت نبویہ واسوۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ثابت قدم رہے۔ میں نے دیکھا کہ مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کی موت کے بعد سے آپ کمر پکڑ کر اُٹھنے لگے تھے اور دھیرے دھیرے آنکھوں کی بینائی میں بھی ضعف پیدا ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے آخر میں آپ نے تدریس کا کام چھوڑ دیا اور ذکر اللہ میں استغراق رہنے لگے۔ آپ ضرور مرتبۂ ولایت پر تھے، کیوں کہ اپنے علم کے مطابق میں پورے وثوق واعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کا ہر فعل وعمل سنت کی اتباع میں تھا، خلاف شریعت امور کا صدور میں نے آپ کی ذات گرامی سے نہیں دیکھا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

عفوودرگزر:

حضرت صدر الشریعہ کو دادوں تشریف لائے ہوئے غالبًا چوتھا سال تھا کہ مولوی عبد الشاہد خاں صاحب اجمیر شریف سے فارغ التحصیل ہو کر آگئے، یہ حاجی غلام محمد خاں صاحب متولی مرحوم سے بہت قربت رکھتے تھے، انھیں کی خاندان سے تھے اور متولی صاحب مرحوم ہی ان کے مربی ومحسن تھے اور انھوں نے ہی ان کو اجمیر شریف تعلیم کے لیے بھیجا اور ان کے جملہ مصارف حصولِ ثواب آخرت کے لیے برداشت کیے۔ مولوی عبد الشاہد خاں صاحب مولانا معین الدین صاحب اجمیری کے تلمیذ خاص تھے اور انھیں کی خدمت میں رہ کر علوم معقول ومنقول حاصل کیے تھے۔ مولانا معین الدین صاحب اجمیری چوں کہ سیاسی میدان میں بھی اترے ہوئے تھے، اس لیے مولوی عبد الشاہد خاں صاحب بھی اسی سیاسی جماعت (یعنی مجلس احرار) سے متعلق ہوئے، جس کے ساتھ ان کے استاذ کا تعلق تھا۔ اس زمانہ میں جب حضرت صدر الشریعہ مدرسہ عربیہ اجمیر شریف میں تدریس و تعلیم پر مامور تھے، یہ مسئلہ سامنے آیا کہ دار العلوم کا صدر مدرس کون ہے؟ منتظمین مدرسہ و درگاہ شریف کی اکثریت حضرت صدر الشریعہ کے حق میں تھی اور طلبہ کی اکثریت کی حمایت بھی آپ ہی کو حاصل تھی، اس کے بر خلاف مولانا معین الدین صاحب ٹونکی۔ کے خلاف کچھ شکایات تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ درس گاہ میں صدر مدرس مقرر کر دیے گئے اور مولانا معین الدین صاحب ٹونکی اپنے چند تلامذہ کو لے کر جن میں مولوی عبد الشاہد خاں صاحب شیروانی بھی تھے، تارا گڑھ پر قیام پذیر ہوئے اور وہاں ایک چھوٹی سی مسجد میں اپنا تدریسی وسیاسی شغل جاری رکھا۔ دار العلوم اجمیر شریف سے مولانا معین الدین کے معزول ہونے میں اور کثیر تعداد میں طلبہ کے ان کے درس میں شرکت سے کنارہ کشی کرنے میں اگر چہ حضرت صدر الشریعہ کی کسی ادنیٰ کوشش کو بھی دخل نہ تھا، تاہم مولانا معین الدین صاحب اور ان کے تلامذہ نے ان تمام واقعات کا ذمہ دار حضرت صدر الشریعہ کی ذاتِ گرامی کو ٹھہرایا اور آپ کے خلاف اپنے دلوں میں کدورت، نفرت اور عداوت پیدا کر لی۔ مولوی عبد الشاہد خاں صاحب مولانا معین الدین صاحب کے علمی وسیاسی تلامذہ خصوصی میں سے تھے، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بھی

ان جذبات سے پوری طرح متاثر تھے۔ اجمیر شریف سے فراغت پا کر جب یہ واپس آئے تو حاجی میاں مرحوم متولی مدرسہ دادوں نے ان کی قدر افزائی فرماتے ہوئے ان کو نائب صدر مدرس مقرر فرمادیا۔ مولوی عبدالشاہد خاں صاحب کا ذہن حضرت کی طرف سے صاف نہ تھا، اس لیے انھوں نے حضرت کی ذاتِ گرامی کو اپنے جذبۂ انتام کا نشانہ بنایا۔ مولوی عبدالشاہد خاں صاحب کی تعلیم وتربیت چوں کہ سرگرم سیاسی ماحول میں ہوئی تھی اور زمانۂ طالب علمی میں بھی انھوں نے سیاست میں پُر جوش حصہ لیا تھا، اس لیے ان کا ذہن تعلیمی اور مذہبی سے زیادہ سیاسی تھا، جس کا عکس ان کے اعمال وافکار میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ نائب صدر مدرس مقرر ہو جانے کے بعد آتے ہی انھوں نے حضرت صدر الشریعہ کے انتظام وانصرام پر نکتہ چینی اور عیب جوئی شروع کردی اور ایک ایسی صورتِ حال پیدا کرنی چاہی جو لازماً تصادم پیدا کرنے والی تھی، ان خود ساختہ نکتہ چینیوں اور عیوب ونقائص پر انھوں نے سیاسی آئی گلاس لگالیا اور اپنے خصوصی انداز میں متولی صاحب مرحوم کے سامنے پیش کیا اور چاہا کہ انھیں حضرت سے بدگمان کر کے مدرسہ سے معزول کرا دیں اور اس طرح اپنے خیالِ خام کے مطابق اُن واقعات کا انتقام لیں جو اجمیر شریف میں ان کے استاذ مولانا معین الدین صاحب کے ساتھ پیش آئے تھے اور وہاں دار العلوم سے ان کی معزولی عمل میں آئی تھی۔ متولی صاحب مرحوم دینی جذبہ سے سرشار اور حضرت صدر الشریعہ کی عظمت کے معترف تھے، اس لیے ان پر ان کا جادو نہ چل سکا، اس محاذ پر پسپائی کے بعد انھوں نے متولی صاحب مرحوم سے دھیرے دھیرے جملہ انتظامی امور اپنی طرف منتقل کرالیے اور ایسی ایسی منتقمانہ کارروائیاں شروع کیں کہ حضرت بددل ہو کر خود بخود کنارہ کش ہو کر واپس تشریف لے جائیں اور یہ خود صدر مدرس بن جائیں، لیکن: ؎

ما در چہ خیالیم وفلک در چہ خیال است

حضرت صدر الشریعہ کی علمی وجاہت ودبدبہ وجلال ہر طالب علم کے دل میں جاگزیں تھا اور سب ہی طلبہ آپ کا زبردست ادب واحترام کرتے تھے، اس لیے یہ حضرت کے ساتھ کوئی گستاخی کرنے کی ہمت تو نہ کر سکے، لیکن اس حد تک پہنچ ضرور گئے تھے۔ مولوی عبدالشاہد خاں صاحب کے اس طریقۂ کار نے مدرسہ کا علمی ماحول یکسر بدل دیا، سیاسی ماحول غالب آنے لگا اور اندر ہی اندر شورش پرورش پانے لگی، منتہی اور بڑی جماعت کے طلبہ پر خصوصیت کے ساتھ اس کا زبردست اثر تھا، وہ ان کی ان نازیبا حرکات کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی عملی زندگی میں نہ تقویٰ تھا نہ تقدس اور نہ دین وشریعت میں جوہر اخلاص، ان کی ہر بات ذاتی مصلحت اور سیاسی حکمت عملی کے ماتحت ہوتی تھی، جس کا سب ہی کو احساس تھا۔ جب کہ عربی مدارس اور مذہبی ماحول میں صرف تقویٰ وطہارت ہی کسی استاذ کے ادب واحترام اور اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے، لیکن مولوی صاحب میں یہ وصف قطعاً مفقود تھا۔

حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ ان کے اس غیر معقول، غیر منصفانہ اور گستاخ طرزِ عمل نے نہ صرف یہ کہ طلبہ کو ان سے بدظن ومنحرف کردیا، بلکہ ان میں اس درجہ اشتعال پیدا ہو گیا کہ تصادم ناگزیر سا نظر آنے لگا۔ اگر حضرت کی عظیم و بزرگ شخصیت آڑے نہ آگئی ہوتی تو ممکن تھا کہ حالات ناقابل تصور حد تک بگڑ جاتے اور معلوم نہیں کہ اس دار العلوم کی پیشانی پر کیسا

کیسا بدنما داغ لگتا۔

انسان کی دینی و دنیاوی عظمت اور بزرگی، ضبط نفس، تحمل اور عفو و درگزر میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالی درگزر فرماتا ہے اور عفو غفور ہے اور اسی کی تعلیم قرآن مجید میں ہے۔ خود سرور کونین رسول ثقلین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مقدسہ میں صبر و تحمل اور عفو و درگزر کے بے شمار واقعات ملیں گے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت صدر الشریعہ نے ان صفات میں اتباع سنت کا بہترین طریقہ اپنایا، حالاں کہ آپ کی ذات کو ان سے شدید اذیت پہنچ رہی تھی اور یہ ہر آن مقابلہ کی صورت پیدا کر رہے تھے۔ لیکن آپ عظیم صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں۔ آپ کے ہمدردوں کا حلقہ جن میں طلبہ بھی شامل تھے، آپ کو حالات بتانے کی کرتا، لیکن آپ سننے سے بھی پہلو تہی فرماتے اور بسا اوقات روک دیتے، کیوں کہ اس میں غیبت کا عنصر شامل ہو جاتا تھا۔ ایک موقع پر ایک ہمدرد نے پُر جوش انداز میں کہا کہ ”حضور آپ ان کی ان غیر شائستہ حرکتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے“۔ آپ نے فرمایا کہ ”وہ میرے شاگردوں کے برابر ہیں، ان کی حرکتوں کا جواب دینا استاذ کے شایانِ شان نہیں“۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ خود درگزر فرمادیا بلکہ مشتعل طلبہ کو بھی کوئی گستاخانہ طرزِ عمل اختیار کرنے سے باز رکھا۔ طلبہ نے احتراماً ”سمعاً و طاعۃً“ کہا، لیکن طلبہ نے دوسرے مہذب ذرائع سے مولوی صاحب پر یہ ظاہر کردیا کہ اگر انھوں نے حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ کوئی بھی نامناسب یا غیر شائستہ طریقہ اختیار کیا تو طلبہ نظم و نسق کی ہر پابندی کو توڑ دیں گے۔

حضرت کا یہ صبر و تحمل اور عفو و درگزر اُس وقت سمجھ نہ آتا تھا، لیکن آج میں اس پر جتنا غور کرتا ہوں، اس کی عظمت میرے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں بڑھتی جاتی ہے۔ اتباعِ اخلاقِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ عملی نمونہ میرے لیے آج بھی مشعل راہ ہے اور الحمدللہ کہ بقدر مقدور میں اس پر عامل بھی ہوں۔ حضرت کی یہی تو وہ صفاتِ حسنہ تھیں جنھوں نے لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظیم قدر و منزلت پیدا کردی تھی، میرے علم کے مطابق آپ نے نہ کبھی انتقام لیا اور نہ کسی کو انتقام لینے پر ابھارا، آپ کی مجلس ہمیشہ علمی ہوتی، ادھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں اور فضولیات و تضیع اوقات سے آپ کی مجلسیں پاک صاف تھیں۔

بہار شریعت کی تکمیل:

جس وقت آپ دادوں تشریف لائے، اس وقت تک بہار شریعت کی تصنیف و تالیف مکمل نہ ہوئی تھی۔ یہ تو میرے علم میں نہیں کہ اس وقت کتنے حصے تالیف ہو چکے تھے، لیکن خیال ہوتا ہے کہ شاید طباعت اسی وقت تک نو یا دس حصوں کی ہوئی تھی (واللہ تعالیٰ اعلم) بہرحال جتنے حصے بھی تصنیف ہو چکے ہوں، یہ کتاب مکمل نہ تھی، کام جاری تھا، باقی حصوں کی تکمیل دادوں میں ہوئی۔

اس کتاب کی کچھ خصوصیات میں پہلے لکھ چکا ہوں، اس کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب کو آپ جتنی بار پڑھیں گے آپ کی نگاہ میں اس کی عظمت اور اہمیت وافادیت بڑھتی ہی چلی جائے گی، یہاں تک کہ مسائل شریعت کو معلوم کرنے کے لیے یہ ایک ناگزیر ضرورت محسوس ہونے لگے گی۔ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات تک اور معاملات میں بھی پیدائش سے لے کر موت تک ہر قسم کے معاملہ سے متعلق فقہی و شرعی احکامات کو اردو میں مرتب کردیا ہے۔ ان معاملات سے متعلق احادیث شریفہ اور آیاتِ قرآنی بھی ترجمہ

کے ساتھ لکھ دی گئی ہیں اور مسائل میں ہر مسئلہ اور ہر فقہی جزئیہ کو حوالۂ کتاب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے متعلق مسائل کا علم حاصل کرنے کے لیے تو آپ کو بہت سی کتابیں اردو زبان میں مل جائیں گی، لیکن اگر آپ خرید وفروخت، رہن، ہبہ، عاریت، اجارہ (کرایہ داری) وقف، شرکت (ساجھا وکمپنیز)، نکاح، طلاق، خلع، فسخ، نکاح، ایلا، ظہار، لعان، نان ونفقہ، حضانت (بچے کی پرورش) حق مہر، قضا (فیصلہ) قانونِ شہادت، حق شفعہ، قرض واستقراض، زراعت، بٹائی پر کاشت، لگان داری، قواعد آب پاشی، حدودِ شرعیہ یعنی زنا، سرقہ، اتہام زنا، قتل، قطع اعضا وغیرہ کی شرعی سزائیں وغیرہ معاملات سے متعلق احکامِ شریعت وفرامین الٰہی معلوم کرنا چاہیں تو آپ کو ان کے تفصیلی احکام اردو زبان کے اندر صرف بہار شریعت میں ملیں گے۔ اردو زبان میں آج تک ایسی کوئی جامع کتاب احکام شریعت پر نہ ملے گی، ان معاملات واحکام کے علاوہ اس کتاب میں اخلاقِ حسنہ، اخلاقِ سیئہ، آدابِ تلاوتِ قرآن، فضائل تلاوت، فضائل علم دین واحکام جہاد بھی بیان کیے گئے ہیں۔ آخر میں بعنوان حظر واباحت کا بیان، حرام وحلال، جائز وناجائز چیزیں بیان کی گئی ہیں، جس میں جزئیات بھی ہیں اور اصول بھی۔

ایک اور عظیم خصوصیت:

اس کتاب کی ایک اور عظیم خصوصیت اس کا فیض روحانی ہے، جو مؤلف کے اخلاص کی دلیل ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ جل وعلا اور اس کے حبیب پاک علیہ التحیۃ والسلام کی اطاعت وفرمانبرداری کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عقائد میں صحت اور اعتدال پیدا ہوتا ہے، اتباعِ نفس اور اتباعِ عقل جیسی خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں اور اتباعِ سنت، تزکیۂ نفس اور خشیت الٰہی جو اسلامی تعلیمات کا جوہر اعلیٰ اور مقصد اصلی ہے، وہ اس کتاب کے مطالعہ سے صحیح طریقہ سے مسلمانوں کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اعمالِ صالحہ کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور عبادت کی حقیقی لذت حاصل ہونے لگتی ہے۔ اس کے برعکس وہ تمام دیگر کتابیں جو زیادہ تر اس صدی کی تیسری اور چوتھائی میں لکھی گئی ہیں، وہ یا تو عقلیت اور تجدد پسندی کی طرف لے جاتی ہیں یا پھر جاہل اذہان کو ہمہ دانی، اجتہاد، انانیت اور عملی برتری کے واہمہ اور زعم باطل میں مبتلا کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر کتاب میں مصنف، مؤلف اور مرتب کی روح فعال رہتی ہے اور کتاب کی افادیت اور مقبولیت کو مبدأ فیاض کی بارگاہ سے ظہور پذیر ہونے میں مصنف کے خلوص کا بڑا دخل ہوتا ہے اور اس پہلو سے بھی ''بہار شریعت'' بے مثل کتاب ہے۔

حاشیہ طحاوی شریف:

حضرت صدر الشریعہ کی باطنی عظمت اور روحانی تصرف کا یہ بھی ایک کمال تھا کہ جو صاحب فہم وادراک اور سلیم الطبع انسان ان سے جتنا قریب ہوجاتا تھا، اتنا ہی ان کا گرویدہ وعقیدت مند ہوجاتا تھا۔ آپ نہایت بے لوث، اتنے مخلص، اتنے سادہ مزاج اور صاف دل، جو ایک مومن کامل کی شان ہے، شریعت وطریقت کا بڑا پاس ولحاظ تھا۔ جیسے جیسے ہمارا زمانۂ تلمذ بڑھتا گیا ہمارے قلوب واذہان میں آپ کی عظمت پھیلتی ہی چلی گئی۔ ایک طرف اگر آپ کی تبحر علمی کی سطوت وجلالت روز افزوں تھی تو دوسری طرف آپ کے حسن عمل، تقویٰ وطہارت، نیک نفسی اور پاک باطنی کی وجہ سے آپ کے

ساتھ عقیدت بڑھتی ہی چلی گئی۔

ہم عقیدت مندوں کو یہ علم ویقین حاصل ہو چکا تھا کہ آپ علم کا بحر زخار ہیں اور یہ کہ آپ محض کسی ایک مضمون یا علم عربی کے کسی خاص شعبہ میں میں ہی کوئی خصوصی قابلیت یا مہارت نہیں رکھتے، بلکہ جملہ علوم وفنون، معقول ومنقول میں آپ کی مہارت اور کمال یکساں ہے۔ اس لیے ہمارے دلوں میں وہی خواہش پیدا ہوئی جو واقف حال سعادت مند طلبہ کے دلوں میں پیدا ہونی چاہیے، یعنی یہ کہ حضرت سے مزید کوئی ایسی تصنیف کرائی جائے جس سے عرصۂ دراز تک طلبہ اور اہل علم کو آپ کا فیض پہنچتا رہے۔ مولانا قاری محبوب رضا خاں صاحب بریلوی، مولانا حاجی حافظ مبین الدین صاحب امروہوی، مولانا محمد خلیل صاحب مارہروی اور یہ عاجز بندۂ رب رحیم وغفور جب بھی باہم مجتمع ہوتے تو کسی نہ کسی عنوان یہ ذکر ضرور چھڑ جاتا۔ ایک بار ہم نے باہم مشورہ سے طے کیا کہ حضرت صدر الشریعہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سلسلہ میں معروضہ پیش کیا جائے۔

''شرح معانی الآثار'' کا مختصر تعارف یہ ہے کہ یہ مجموعۂ احادیث امام اجل علامہ طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مرتب کردہ ہے اور فقہ حنفی اور مسلک احناف پر اعتراض کرنے والوں کے لیے یہ ایک مسکت ومدلل جواب ہے۔ اب سے تقریباً گیارہ سو سال قبل فقہ حنفی اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے تلامذہ ومتبعین پر اتباع قیاس کا الزام لگایا گیا کہ یہ حضرات بجائے اتباع حدیث کے عقل وقیاس کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے فقہی احکام احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بجائے قیاس سے مستنبط ہیں۔ علامہ طحاوی ان اعتراضات کے سامنے سینہ سپر ہوئے اور شدید کوشش وجانفشانی کے بعد آپ نے یہ مجموعہ مرتب فرمایا، جس کا نام ''شرح معانی الآثار'' ہے۔ آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسئلہ میں بھی نہ قرآن کریم کے خلاف ہے نہ حدیث شریف کے اور نہ ہی وہ محض عقل وقیاس پر مبنی ہے، بلکہ آپ کا ہر مسلک اور تمام احکامِ فقہیہ قرآن سے ثابت ہیں اور احادیث شریف کے تحقیقی مطالعہ پر مبنی ہیں۔

علامہ طحاوی پہلے بزرگ محدث اور منفرد شخصیت ہیں، جنھوں نے احادیث نبویہ شریفہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تقابلی وتحقیقی مطالعہ کا راستہ ایجاد کیا اور اس طرح مسلک احناف کی اصحیت، اولیت، اعظمیت اور ارجحیت کو نہ صرف ثابت کیا، بلکہ علیٰ رؤس الاشہاد اعلان فرمایا کہ مسلک صحیح وتحقیقی یہی ہے اور آخر کار دنیائے فقہ میں ہر مسلک کے علما کو اس طریقۂ تحقیق کی اہمیت کو تسلیم کرنا پڑا۔

اس میں شک نہیں کہ علامہ طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فقہ حنفی واحناف پر یہ عظیم احسان ہے اور دین کی یہ عظیم خدمت، ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت اور رفعِ درجات کا یقینی ذریعہ ہے، لیکن اس کے باوجود کہ دنیائے حنفیت نے اس سے پورا پورا استفادہ کیا، زبانیں اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہیں اور علامہ موصوف کے لیے دلوں کی گہرائیوں سے دعائیں کرتے رہے، مگر کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ فرمائی کہ اس کتاب میں مسلک احناف کو ثابت کرنے والی احادیث مبارکہ کو قوی وقوی تر ثابت کرنے کے ذرائع تلاش کریں، تاکہ علامہ طحاوی پر یہ اعتراض نہ ہو سکے کہ انھوں نے مسلک

حنفی سے متعلق ضعیف احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ میں دعوائے ہمہ دانی نہیں رکھتا اور ہمہ دانی تو بہت بڑی بات ہے میں تو اپنے لیے عالم و مولانا لفظ بھی سنتے ہوئے ندامت محسوس کرتا ہوں، اتنا جانتا ہوں کہ کبھی علم دین حاصل کیا تھا اور اس کے ساتھ مجھے بے انتہا عقیدت اور محبت ہے اور اسی نسبت سے مجھے اس کے ساتھ ایک رابطہ و تعلق ہے، اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ کسی نے طحاوی شریف کی احادیث کو قوت پہنچانے کے لیے کوئی تحقیق فرمائی ہو۔

حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضرورت کا احساس فرمایا۔ آپ کا جذبۂ دینی اور فقہ حنفی سے آپ کا مستحکم تعلق اس امر کا متقاضی ہوا کہ طحاوی شریف میں جمع کردہ فقہی مسلک کی احادیث پر تحقیقی کام کیا جائے، ادھر ہم خدام کی طرف سے مؤدبانہ معروضہ پیش کیا گیا جو شرفِ قبولیت سے مشرف ہوا۔

کام شروع کرنے کے لیے ابتدائی تیاریاں ہونے لگیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ موضوع و مقصد سے متعلق کتابوں کا ذخیرہ کیا جائے، کچھ کتابیں مدرسہ کے کتب خانہ سے مل گئیں، کچھ حضرت کی اپنی کتابیں تھیں اور کچھ کتب خانہ حبیب گنج سے منگوائی گئیں، یہ کتب خانہ اس اطراف میں عربی علوم کا ایک نادر ذخیرہ تھا، جو صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی رئیس حبیب گنج مرحوم کی ذاتی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھا، مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے خلف اکبر الحاج مولوی عبیدالرحمٰن خاں صاحب شیروانی نے اس عظیم المرتبت اور گراں قدر کتب خانہ کو مع قلمی نوادرات کے آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو دے دیا۔

غرض فقہ، حدیث اور تفسیر کی ضروری کتابیں جمع کر لی گئیں اور اللہ جل وعلا کا نام لے کر کام شروع کر دیا گیا، یہ تو یاد نہیں کہ دن کیا تھا اور سن و تاریخ کیا تھی، لیکن کام بڑے خلوص و للّٰہیت اور لگن کے ساتھ شروع ہوا۔ درس گاہ کا ہال کمرہ جو سب سے بڑا تھا، اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس عظیم کام میں حصہ لینے والے حضرت صدرالشریعہ کے معاونین میں الحاج مولانا قاری محبوب رضا خاں صاحب، الحاج مولانا حافظ مبین الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد، مولانا مولوی محمد خلیل خاں صاحب مارہروی بانی دارالعلوم عربیہ حیدر آباد (سندھ) اور یہ فقیر راقم السطور، یعنی ہم چار یار تھے۔

<u>کام کی ترتیب:</u>

طریقۂ کار یہ تھا:

(۱) حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت کردہ احادیث جن سے مسلک حنفی کا اثبات ہوتا تھا، ان کے بارے میں کتب احادیث میں یہ تلاش کرنا کہ ان احادیث کو محدثین میں سے کس کس نے روایت کیا ہے۔

(۲) یہ کس محدث نے کس سند سے روایت کیا ہے۔

(۳) آیا جملہ محدثین نے ایک ہی سند سے روایت کیا ہے یا الگ الگ راویوں سے۔

(۴) مسلک احناف کے خلاف جو روایت حدیث ہے، اس کے رواۃ کی تحقیق کہ وہ کس پایہ اور مرتبہ کے ہیں۔

(۵) ان راویوں نے کس عمر میں اس حدیث کو روایت کیا۔

(۶) راویوں کا خود اپنا مختار مسلک کیا تھا اور کس چیز پر ان کا عمل تھا۔

(۷) مسلک حنفی کی مروی حدیث کے رواۃ کی تحقیق اور ان کی قوت و درجہ۔

(۸) ان راویوں اور دیگر راویوں کے مابین تفقہ فی الدین میں تقابل۔

(۹) کون سی حدیث اول ہے اور کون سی آخر، یعنی ناسخ و منسوخ کی تحقیق۔

(۱۰) فقہائے احناف کا اس مسئلہ میں مسلک۔

(۱۱) امام طحاوی نے اگر جہاں کہیں ایسا قول اختیار فرمایا ہے جو مرجوح ہے۔

(۱۲) ''اقول'' کہہ کر حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحقیق۔

(۱۳) علامہ طحاوی نے مسئلہ پر جو تحقیق فرمائی اس کی تائید و اثبات میں مزید علمی و تحقیقی دلائل۔

تحقیق کے یہ بنیادی اصول تھے، جن کو سامنے رکھ کر کام شروع کیا گیا۔ ہمارا کام یہ تھا کہ حضرت صدر الشریعہ ہم میں سے جس کو جو حکم دیتے تھے، وہ بجالاتا۔ پورے ہال کمرہ میں حدیث اور فقہ کی کتابیں بڑی تعداد میں پھیلی ہوئی تھیں، ہم میں سے ہر ایک کے سپرد کتابوں کی ایک بڑی تعداد تھی، جب حضرت کسی حدیث سے متعلق حوالہ جات طلب فرماتے، ہم اس حدیث کو مختلف اور متعدد کتب احادیث میں تلاش کر کے پیش خدمت کر دیتے، آپ اس میں سے جو مفید مقصد ہوتا اخذ فرما لیتے اور نہایت ذمہ دارانہ تشریح فرماتے۔ تصنیف کی زبان عربی تھی۔ حوالہ جات کے تلاش کرنے کے سلسلہ میں ہم چاروں طلبہ کی خدمت مشترکہ تھی، لیکن تحشیہ کی کتابت کا کام یا اس فقیر کے سپرد تھا یا مولوی محمد خلیل صاحب مارہروی کرتے تھے۔

ابتداءً کچھ وقت زیادہ صرف ہوا، کیوں کہ ہم لوگ نادیدہ راہ تھے اور تربیت و تجربہ کی منزل سے گزر رہے تھے۔ مؤلف ہو یا مصنف ہر ایک کا اندازِ فکر، اندازِ بیان اور ذہنی رجحان جداگانہ ہوتا ہے اور ہم اس سے قطعاً مانوس نہ تھے، اس لیے جب حضرت کوئی حوالہ طلب فرماتے، اسے تلاش کرنے میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ کام کا نہج بھی صاف و ستھرا ہو کر متعین نہ ہوا تھا۔ تیسرے یہ کہ ابتدا میں ہر بات چوں کہ نئی ہوتی ہے، اس لیے اس کو زیادہ مفصل و مبسوط طریقہ سے بیان کرنا ہوتا ہے۔ پھر بعد میں کام کی رفتار بڑھ گئی، کیوں کہ کتابوں سے طبیعتیں مانوس ہوگئیں، ہر کتاب کی ترتیب و اندازِ بیان قابو میں آگیا اور ہر مصنف و مؤلف کا ذہن و انداز سمجھ میں آگیا تھا۔

استاذ محترم علامہ حضرت صدر الشریعہ کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ اور مہارت کا اندازہ درحقیقت ان کی خدمت میں رہ کر یہ تالیفی کام دیکھنے سے ہی ہوا، رحمہ اللہ تعالیٰ وجعل الجنۃ مثواہ۔

طحاوی شریف کے تحشیہ کا یہ کام جاری تھا کہ حضرت مولانا کو وہ آخری صدمہ پہنچا، جس نے باوجود عظیم صبر و ضبط کے آپ کے قویٰ کو مضمحل کر دیا، تاہم کام کا سلسلہ جاری رہا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، اسی درمیان میں محترم جناب حاجی غلام محمد خاں صاحب شیروانی مرحوم متولی مدرسہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ادھر صاحبزادہ مولانا عطاء المصطفیٰ صاحب کی رحلت کے صدمے سے یک بیک بصارت میں حد درجہ انحطاط پیدا ہوگیا، اس لیے حضرت مستعفی ہو کر گھر تشریف لائے۔

مدرسہ عربیہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ میں ۷ر سال خدمت دین انجام دینے کے بعد آپ نے وطن مالوف مراجعت فرمائی۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
کا جنازہ ممبئی سے گھوسی تک

ایک عینی شاہد کی زبانی واقعات کی رقت انگیز تفصیل

علامہ ارشد القادری
بانی و مہتمم جامعہ حضرت نظام الدین دہلی

میں اپنے اس افتخار کے لیے اپنے مقدر پر ناز کرتا ہوں کہ مرشد برحق حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے آخری لمحات کا نہ صرف عینی شاہد اور خادم ہوں بلکہ حضرت کا جنازہ مبارکہ ممبئی سے گھوسی تک پہنچانے کا اعزاز بھی تنہا مجھی کو حاصل ہے۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۴۸ء میں جب ہمارا قیام ناگپور میں مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم کے صدر مدرس کی حیثیت سے تھا اچانک ایک دن ممبئی سے حضرت صدر الشریعہ کا ٹیلی گرام وصول ہوا کہ تم فوراً ممبئی پہنچو۔

ناگپور سے ممبئی کا سفر صرف بارہ گھنٹے کا تھا۔ اسی دن ممبئی کے لیے روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ دھوراجی کے عبدالکریم رحمت والے میمن کے یہاں قیام ہے جو حضرت کے مرید خاص تھے۔ جب ان کے گھر پہنچا تو دیکھا حضرت بستر علالت پر ہیں اور غشی کی کیفیت طاری ہے۔ حضرت کی اہلیہ محترمہ جو میری سگی بہن تھیں، وہ بھی حضرت کے ساتھ ہی تھیں۔ تفصیل دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند اور حضرت صدر الشریعہ دونوں حضرات بریلی شریف سے اپنی اپنی اہلیہ کے ساتھ حج و زیارت کی نیت سے روانہ ہوئے تھے۔ راستے میں سخت بارش ہوئی اور حضرت صدر الشریعہ کو ٹھنڈک لگ گئی جس کی وجہ سے بخار آ گیا۔ اور ممبئی پہنچتے پہنچتے حضرت پر نمونیہ کا حملہ ہو گیا۔

بڑی مشکل سے انھیں ممبئی اسٹیشن سے قیام گاہ تک لایا گیا۔ پہنچتے ہی فوراً شہر کے مشہور معالج بلوائے گئے اور ان کا علاج شروع ہو گیا۔ کئی دن کے علاج کے بعد بھی افاقہ کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو حضرت کے حکم پر مجھے ممبئی پہنچنے کے لیے ناگپور ٹیلی گرام دلوایا گیا سخت بخار اور نمونیہ کی شدت سے حضرت پر غشی کی کیفیت طاری رہتی تھی لیکن کبھی کبھی ہوش میں آ جاتے تھے۔ اسی وقفے میں حضرت نے مجھے پہچان لیا اور ارشاد فرمایا اچھا ہوا تم آ گئے۔

مفتی اعظم اور حضرت کا سفر ایک ہی ساتھ بحری جہاز سے طے تھا۔ ممبئی میں مفتی اعظم کا قیام کسی اور جگہ تھا۔ حضرت کی عیادت کے لیے روزآنہ تشریف لاتے تھے۔ تاریخ روانگی سے ایک دن قبل بھی ملاقات کے لیے تشریف لائے ان کی آمد

پر عقیدت مندوں کا کافی ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ اسی اثنا میں نعت خوانی شروع ہو گئی جیسے ہی پڑھنے والوں نے اعلیٰ حضرت کی نعت کا یہ مصرعہ پڑھا:۔

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے

حضرت صدر الشریعہ نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور فرمایا مجھے تکیہ کے سہارے بٹھا دو۔ جب تک نعت خوانی ہوتی رہی آنکھیں بند کئے ہوئے حضرت اسی طرح بیٹھے رہے۔

دوسرے دن ساڑھے بارہ بجے شب میں جہاز کے کھلنے کا وقت تھا۔ سر شام ہی حضور مفتی اعظم بعد مغرب آخری ملاقات کے لیے تشریف لائے وہ کیفیت تعبیر بیان کی گرفت میں نہیں آسکتی جو دم رخصت دونوں پر طاری تھی۔ پُر نم آنکھوں نے کیا کہا، لرزتے ہوئے ہونٹ کیا کہنا چاہتے تھے کوئی نہیں سمجھ سکا، بس اتنا یاد ہے کہ بھرائی ہوئی آواز میں ایک مریض عشق نے مفتی اعظم کو ان لفظوں میں رخصت کیا:

"جائیے! میں بھی پیچھے پیچھے آرہا ہوں"۔

بالیں سے جدا ہوتے وقت مفتی اعظم کا اضطراب شاید وہاں پہنچ گیا تھا۔ جہاں سے ایک ہجراں نصیب عاشق نے یہ شعر کہا تھا:۔

تمنا ہے درختوں پر تیرے روضے کے جا بیٹھوں

قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

ہزار قوت ضبط و تحمل کے باوجود مفتی اعظم اپنی آنکھوں کے آبشار پر کوئی بند نہیں باندھ سکے۔ ان کے نورانی چہرے پر آنسوؤں کا تلاطم دیکھ کر سارا مجمع بے قابو ہو گیا۔ بہت سے لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور گھر کے اندر ایک کہرام برپا ہو گیا۔

مفتی اعظم کے رخصت ہوتے ہی حضرت کی طبیعت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ گھڑ گھڑاہٹ کے ساتھ سانس کی رفتار تیز ہو گئی۔ فوراً ڈاکٹر بلوائے گئے۔ انھوں نے کئی طرح کے انجکشن دیئے، لیکن سانس کی رفتار میں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔

اچانک ڈاکٹروں نے ناخنوں اور آنکھ کے اندرونی حصوں کا معائنہ کیا اور انتہائی حسرت ویاس کے ساتھ کہا کہ اب حضرت کا آخری وقت آگیا ہے جو کچھ جسے کہنا سننا ہو کہہ سنائے۔

آثار وقرائن سے جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب حضرت گھڑی دو گھڑی کے مہمان ہیں۔ تو انھوں نے ہمشیرہ مخدومہ کے لیے کمرہ خالی کر دیا۔ جب وہ تشریف لائیں اور حضرت کو اس حال میں دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اس وقت میرے اور ان کے علاوہ وہاں کوئی تیسرا شخص نہیں تھا۔ ان کے رونے کی آواز سن کر حضرت نے آنکھیں کھول دیں اور اتنا کہہ کر پھر آنکھیں بند کر لیں کہ "روتی کیوں ہو میں تمہارے ساتھ گھوسی چلوں گا"۔

اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی تیز رو مسافر چلتے چلتے اچانک رک جائے اور کچھ کہہ کر پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جائے۔ جب ہمشیرہ مخدومہ روتے روتے نڈھال ہو گئیں تو گھر کی عورتیں سہارا دے کر دوسرے کمرے میں لے گئیں۔

اس کے چند منٹ بعد سانس کی رفتار مدھم ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے دنیائے اسلام کا سب سے بڑا فقیہ، شریعت کا صدر شہیر اور طریقت کا بدر منیر اپنے لاکھوں شیدائیوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ عین آدھی رات کو سورج ڈوبا اور صبح ہوتے ہوتے ہر طرف تاریکی پھیل گئی۔

لوگوں نے بتایا کہ ایک عاشق صادق کی بے قرار روح کے پرواز کا وقت بالکل وہی تھا جب سفینہ حجاز نے بمبئی کے ساحل سے روانگی کا سائرن بجایا تھا۔

حجاز کی مقدس سرزمین پر حضور مفتی اعظم کا ورودِ مسعود ایک ہفتہ کے بعد ہوا لیکن ان کا رفیق سفر ان سے پہلے پہنچ گیا۔

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی سفینے میں

اس حادثہ فاجعہ کی خبر بجلی کی طرح بمبئی کے طول وعرض میں پھیل گئی۔ جو جہاں تھا وہیں سے خبر کی تحقیق کے لیے چل پڑا۔ صبح ہوتے ہوتے ہزاروں کی بھیڑ جمع ہوگئی، رات ہی کو حضرت کے متوسلین ومعتقدین نے اپنے طور پر طے کرلیا تھا کہ حضرت کو بمبئی میں رکھا جائے اور یہیں ان کا نہایت شاندار مقبرہ بنایا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے انھوں نے مناسب جگہ کی تلاش بھی شروع کردی۔

صبح کو ان لوگوں نے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہم لوگوں کی اپنی خواہش ہے، لیکن حضرت مخدومہ کی رائے معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ ان کی مرضی معلوم کیے بغیر ہم کچھ نہیں کریں گے۔ رات بھر حضرت مخدومہ کو غشی پر غشی آرہی تھی، وہ اس قابل ہی نہیں تھیں کہ ان سے کوئی بات کی جائے، صبح کو کچھ طوفان تھما تو حضرت کے جنازہ مبارکہ کے متعلق معتقدین کی خواہش سے میں نے انھیں باخبر کیا۔ یہ سنتے ہی وہ اُبل پڑیں اور بڑی مشکل سے یہ کہہ سکیں کہ حضرت کا جنازہ ہم اپنے ساتھ گھوسی لے جائیں گے۔ بچوں نے پوچھا ابا میاں کہاں ہیں تو میں کیا جواب دوں گی۔ ہم ہرگز اجازت نہیں دیں گے کہ حضرت کو یہاں رکھا جائے، اتنا کہنے کے بعد پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

مخدومہ آپا جان کی یہ بات میں نے ان لوگوں تک پہنچادی۔ بڑی مشکل سے وہ لوگ اس بات کے لیے راضی ہوئے۔ جنازہ مبارکہ کو بمبئی سے باہر لے جانے کے لیے کئی مراحل طے کرنے تھے۔ پہلا مرحلہ تو ڈاکٹروں سے اجازت حاصل کرنی تھی کہ لاش باہر جاسکتی ہے۔ دوسرا مرحلہ کارپوریشن کی اجازت کا تھا اور تیسرا مرحلہ ریلوے سے ریزرویشن کا تھا۔

سب سے پہلے وہ ڈاکٹروں سے سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے لیے گئے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس شرط پر ہم لاش کو باہر جانے کی اجازت دیں گے کہ پیٹ چاک کرکے اندر کا سارا حصہ ہم نکال دیں گے اور اندر کچھ دوائیں رکھ دیں گے۔

یہ خبر لے کر وہ گھبرائے ہوئے آئے اور مجھ سے کہا کہ مخدومہ سے دریافت کیجیے کہ کیا وہ اس کے لیے رضامند ہیں۔ مخدومہ یہ خبر سنتے ہی رونے لگیں اور کہا کہ میں ہرگز اس کے لیے راضی نہیں ہوں، لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کے بغیر بھی پردۂ غیب سے کوئی صورت ضرور نکلے گی، کیوں کہ حضرت نے اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم روؤ نہیں میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہو کہ وہ پھر جائیں اور اپنی کوشش جاری رکھیں۔ خدا نے چاہا تو اس کی نوبت نہیں آئے گی اور کوئی نہ کوئی صورت غیب سے ضرور نکلے گی۔

چنانچہ مخدومہ کے حکم پر وہ لوگ دوبارہ جے جے اسپتال گئے اور اس کے سب سے بڑے ڈاکٹر سے ملاقات کی اور واقعہ کی ضرورت واہمیت سمجھاتے ہوئے

اس سے درخواست کی کہ آپریشن کے بغیر لاش کو باہر لے جانے کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو از راہِ کرم ہماری مدد کیجیے۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اسے حسن اتفاق کہیے یا خدا کی غیبی مدد کہ آج ہی تین دن کے دورے پر امریکہ سے ایک سرجن آیا ہے، جو لاشوں کے محفوظ کرنے کے فن میں اکسپرٹ مانا جاتا ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں شاید اس کے پاس کوئی ایسا فارمولہ ہو جس میں آپریشن کی ضرورت نہ پڑے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب ڈاکٹر واپس آیا تو اس کے چہرے پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی، اس نے بتایا کہ آپریشن کی ضرورت نہیں پڑے گی، بس اتنا کیجیے کہ جب جنازہ تابوت میں رکھ دیا جائے تو سیل کرنے سے پہلے میرے پاس آ جائیے، آپ کو چند گولیاں دی جائیں گی، انھیں تابوت میں رکھ دیجیے، اس ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اگر باہر کی ہوا تابوت کے اندر داخل نہ ہو تو تین مہینہ تک لاش خراب نہیں ہوگی۔

مخدومہ آپا جان کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو وہ سجدۂ شکر میں گر پڑیں اور بے ساختہ کہا کہ یہ حضرت صدر الشریعہ کا کھلا ہوا تصرف ہے۔ پہلا بنیادی مرحلہ طے ہو جانے کے بعد اب کارپوریشن سے اجازت کا مرحلہ باقی تھا، وہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ چند گھنٹوں میں طے ہو گیا۔ اب تیسرا مرحلہ ریلوے کے محکمہ سے تعلق رکھتا تھا۔ سارے کاغذات لے کر جب وہ لوگ اسٹیشن پہنچے تو حسن اتفاق سے بمبئی کے ایک انتہائی بارسوخ شخص سے وہاں ان کی ملاقات ہوگئی، جس کا ریلوے کے حکام پر بہت گہرا اثر تھا۔ اس نے تھوڑی ہی دیر میں کلکتہ بمبئی میل سے مغل سرائے تک سکنڈ کلاس کے دو برتھ ریزرو کرا دیے اور جنازۂ مبارکہ کے تابوت کے لیے ایک وین بھی گھوسی تک کے لیے بک ہو گیا۔

جب وہ لوگ سب کچھ کر کرا کر قیام گاہ پر واپس لوٹے تو غسل کی تیاری ہو رہی تھی۔ ظہر کے وقت تک تجہیز و تکفین سے لوگ فارغ ہو گئے۔ ظہر کے بعد ہزاروں عقیدت مندوں کے اصرار پر ایک بہت بڑے میدان میں جنازے کی نماز پڑھی گئی۔ امامت کے فرائض جمعیۃ علمائے اہل سنت کے سربراہ حضرت مولانا حکیم فضل رحیم صاحب نے انجام دیے اس زمانہ میں انھیں کے دفتر سے محرم الحرام کے جلسوں کے لیے واعظین ومقررین فراہم کیے جاتے تھے۔ محرم کے زمانے میں بھنڈی بازار میں واقع ان کا دفتر مسافر خانہ میں تبدیل ہو جاتا تھا۔

کلکتہ ممبئی میل اس وقت ۹ ربجے شب میں بمبئی سینٹر سے روانہ ہوتا تھا۔ حضرت کا جنازہ مبارکہ عصر کی نماز کے بعد قیام گاہ سے ہزاروں عقیدت مندوں کے ہجوم میں اسٹیشن کے لیے روانہ ہوا، راستے بھر تابوت شریف پر گلاب کے پھولوں کی بارش ہوتی رہی، گلاب کی پنکھڑیوں اور ہاروں سے تابوت شریف اس طرح ڈھک گیا تھا کہ تابوت شریف نظر نہیں آتا تھا۔ نعرۂ تکبیر ورسالت کی گونج میں جنازۂ مبارکہ مغرب کے وقت اسٹیشن پہنچا۔ مغرب کی نماز پلیٹ فارم پر ادا کی گئی۔ جیسے ہی تابوت شریف پلیٹ فارم پر رکھا گیا، ہزاروں آدمیوں کی بھیڑ جمع ہو گئی، مجمع میں بہت نعت خواں حضرات بھی موجود تھے۔ فرطِ شوق میں انھوں نے نعت خوانی شروع کر دی، اس وقت کا منظر اتنا

رقت انگیز ہو گیا تھا کہ لوگ بے قابو ہو گئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بڑی مشکل سے صلوٰۃ وسلام کے بعد دیوانوں کا یہ شور تھما۔ ساڑھے آٹھ بجے شب میں ریلوے حکام نے بریک وین کا دروازہ کھولا اور اس میں تابوت کے رکھنے کی اجازت دی، اجازت ملتے ہی کلمہ طیبہ اور درود وسلام کی گونج میں تابوت شریف اٹھایا گیا اور نہایت ادب واحترام کے ساتھ اس میں رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد ریلوے حکام نے دروازے کو مقفل کر کے سیل کر دیا۔ بہت سے لوگ پھولوں کا ہار لیے ہوئے وہاں اس وقت پہنچے جب دروازہ سیل ہو چکا تھا۔ تابوت شریف پر پھول ڈالنے کا موقع نہ مل سکا تو باہر ہی انھوں نے جگہ جگہ پھولوں کے ہار لٹکا دیے۔ تابوت شریف رکھ دیے جانے کے بعد ہم اور مخدومہ آپا جان دونوں سکنڈ کلاس کے ایک ریزرو ڈبے میں بیٹھ گئے۔ جب ٹرین کھلی تو نعرہائے تکبیر ورسالت سے سارا پلیٹ فارم گونج اٹھا۔

ہمیں رخصت کرنے کے بعد حضرت کے مریدین ومتوسلین نے بمبئی سے لے کر بنارس تک ان تمام بڑے بڑے شہروں میں جہاں ٹرین رکتی تھی اہل سنت کے علما وعمائدین کو فون کے ذریعہ مطلع کر دیا کہ حضرت صدر الشریعہ کا جنازۂ مبارکہ کلکتہ بمبئی میل سے گزر رہا ہے۔ اطلاع ملتے ہی ہر جگہ اہل سنت کے حلقوں میں اعلان کرادیا گیا کہ حضرت کے جنازے کا استقبال کرنے کے لیے آپ اسٹیشن پر پہنچیں۔ اس اعلان کے نتیجہ میں ہر بڑے اسٹیشن پر بہت بڑی تعداد میں لوگ پہلے ہی سے کھڑے رہے، جیسے ہی ہماری ٹرین پہنچتی لوگ اس ڈبے کی طرف دوڑتے جس میں حضرت کا تابوت شریف رکھا ہوا تھا۔ میں اپنے سکنڈ کلاس کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا اور لوگوں سے پھولوں کے ہار اور عطر گلاب کے تحفے وصول کرتا۔

جب ہماری ٹرین جبل پور پہنچی تو حضرت برہانِ ملت علامہ مفتی برہان الحق صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان جو اس وقت مدھیہ پردیش اسمبلی کے رکن تھے، اپنے سیکڑوں معتقدین ومتوسلین کے ساتھ پلیٹ فارم پر کھڑے تھے۔ انھوں نے اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے اسٹیشن ماسٹر کو اس بات کے لیے تیار کر لیا کہ وہ تابوت شریف کا سیل توڑ کر تابوت شریف پر پھول ڈالنے اور عطر چھڑکنے کا موقع دے۔ چنانچہ وہاں سیل توڑ دی گئی اور لوگوں نے تابوت شریف کی زیارت کی اور اس پر پھولوں کے ہار ڈالے۔ باقی سامان ہمارے حوالہ کر دیا۔

جب ٹرین مغل سرائے پہنچی تو بنارس اور گردونواح کے سیکڑوں معتقدین واحباب وہاں جمع تھے، حضرت سے ارادت رکھنے والی کچھ خواتین بھی تھیں، لوگوں نے نعرہائے تکبیر ورسالت کی گونج میں بریک وین سے تابوت شریف کو نکالا اور کاندھوں پر اٹھائے ہوئے بنارس جانے والی ٹرین پر لے گئے۔ وہاں بریک وین کے سامنے ریلوے کے حکام پہلے ہی سے موجود تھے۔ تابوت شریف اندر رکھوانے کے بعد دروازہ مقفل کر کے سیل کر دیا۔

جب ہماری ٹرین بنارس پہنچی تو بہت بڑا ہجوم جنازے کے استقبال کے لیے پہلے ہی سے وہاں کھڑا تھا۔ نعرہائے تکبیر ورسالت کی گونج میں لوگوں نے تابوت شریف کو بریک وین سے باہر نکالا اور اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے

چھوٹی لائن کے پلیٹ فارم پر لے آئے۔ یہاں گورکھپور جانے والی گاڑی بالکل تیار کھڑی تھی۔ یہاں بھی ریلوے حکام نے بریک وین کا دروازہ کھولا اور تابوت شریف اندر رکھ دیئے جانے کے بعد اسے مقفل کر دیا۔ مخدومہ آپا جان اور ہم سکنڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھ گئے۔ ایک بجے دن کے وقت ہماری ٹرین اندارا جنکشن پہنچی، یہاں گھوسی جانے کے لیے ٹرین بدلتی تھی۔ پورا پلیٹ فارم اہل سنت کے علما، طلبہ اور حضرت کے عقیدت مندوں سے بھرا ہوا تھا۔ جیسے ہی ٹرین پہنچی لوگ بے قابو ہو گئے۔ نعرہائے تکبیر و رسالت کی گونج میں تابوت شریف گورکھپور جانے والی ٹرین سے اتار کر گھوسی جانے والی ٹرین کے بریک وین میں رکھا گیا۔ یہاں سے کچھ خواتین بھی مخدومہ آپا جان کے ساتھ سکنڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھ گئیں۔

گھوسی اسٹیشن پر محشر آلام کا رقت انگیز منظر:۔ جب ہماری ٹرین گھوسی کے اسٹیشن پر پہنچی تو ہر طرف غم زدہ انسانوں کا ایک سیلاب امنڈ رہا تھا۔ پلیٹ فارم پر تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ہر طرف نالہ و گریہ کا ایک کہرام بپا تھا۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی سربراہی میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے سارے اساتذہ، طلبہ اور علاقہ کے علما، عوام کے بے قابو ہجوم کو نظم و ضبط کی تلقین کر رہے تھے۔

بڑی مشکل سے تابوت شریف کے ڈبے تک جانے کے لیے راستہ بنایا گیا اور حضور حافظ ملت کو علما کے مجمع کے ساتھ وہاں پہنچایا گیا۔ ڈبے کا دروازہ کھلتے ہی لوگ جذبات کے تلاطم میں بے قابو ہو گئے۔ حافظ ملت نے علما کی مدد سے تابوت شریف کو اتارا اور کاندھا دیا۔ اس کے بعد صرف اتنا یاد ہے کہ تابوت شریف کاندھوں اور سروں سے گزرتے ہوئے پروانوں کے سیلاب میں قادری منزل کریم الدین پور کی طرف بڑھتا رہا۔

قادری منزل میں پہلے ہی سے ایک کہرام برپا تھا، جیسے ہی تابوت شریف دروازے پر پہنچا، قیامت کا ایک منظر تھا، حج و زیارت سے واپسی پر باپ کے استقبال کی تیاری کرنے والے آج یتیمی کا داغ لیے ہوئے باپ کے جنازے کا استقبال کرنے کے لیے دروازے پر کھڑے تھے۔ قاری رضاء المصطفیٰ جن کی عمر اس وقت تیرہ چودہ برس کے قریب تھی، ان پر ایک عجیب دیوانگی کی کیفیت طاری تھی، بڑی مشکل سے انھیں قابو میں کیا گیا۔ حضرت کی دو صاحبزادیوں سعیدہ اور عائشہ خاتون نے جب اپنی غم نصیب ماں کو دیکھا تو روتے روتے ماں بیٹیوں کی ہچکیاں بندھ گئیں، خاندان کے لوگ بھی غم سے ایسے نڈھال تھے کہ ان کا رونا دیکھا نہیں جاتا تھا۔ بڑی مشکل سے تابوت شریف آنگن میں اتارا گیا۔ جیسے ہی اوپر کا تختہ کھلا ایک عجیب قسم کی خوشبو سے ساری فضا معطر ہو گئی۔ حافظ ملت اور چند مخصوص علما نے مل کر جنازہ مبارکہ تابوت سے باہر نکال کر ایک اونچے تختے پر سلا دیا جو اسی مقصد سے بنایا گیا تھا۔

کفن ہٹا کر پھول جیسے شگفتہ چہرے کا دیدار سب سے پہلے حافظ ملت نے کیا، اس کے بعد خاندان کے علما اور اعزہ و اقارب زیارت سے مشرف ہوئے۔ پُر نور چہرہ دیکھنے کے بعد حافظ ملت پر ایسی رقت انگیز کیفیت طاری تھی کہ اسے الفاظ و بیان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ بے خودی کے عالم میں وہ چیخ اٹھے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جسے ایک عاشق پاک باز

ایک حق پرست مردِ مومن اور ایک زندہ جاوید فقیہ اسلام کا چہرہ دیکھنا ہو، وہ یہاں آکر دیکھ لے۔ جب خاندان اور جماعت کے اہم حضرات زیارت سے فارغ ہو چکے تو دیدارِ عام کے لیے جنازہ مبارکہ باہر لاکر رکھ دیا گیا۔

یہ روایت بھی باوثوق ذریعہ سے ہم تک پہنچی کہ بہت سے بدعقیدہ لوگ حضرت صدر الشریعہ کا نورانی چہرہ دیکھ کر اپنی بدعقیدگی سے تائب ہو گئے۔ حضرت کی تدفین کے لیے وہی جگہ منتخب کی گئی، جس کی نشاندہی حضرت نے ایک ہفتہ قبل اپنے سفر حج پر روانہ ہوتے وقت فرمائی تھی۔ دیدار عام کے بعد جنازہ مبارکہ اس باغ میں لے جایا گیا جہاں پہلے سے قبر شریف تیار تھی۔ حافظ ملت اور خاندان کے مخصوص افراد نے لحد میں حضرت کو اتارا۔ شام ہوتے ہوتے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور مجد وشرف کا تابناک سورج عالم جاوید کے اُفق کے نیچے ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

قصبہ گھوسی کے بہت سے لوگ آج بھی اس کے شاہد ہیں کہ دفن ہونے کے بعد بہت دنوں تک قبر شریف سے خوشبو نکلتی تھی، جس سے سارا باغ معطر ہو جاتا تھا۔ تیسرے دن فاتحہ سوم میں مضافات کے علاوہ دور دور سے لوگ شریک ہوئے۔ ماتم گساروں کے اجتماع میں علمائے کرام نے حضرت کی علمی ودینی خدمات اور ان کی مقدس شخصیت پر اپنے گراں قدر تاثرات کا اظہار فرمایا۔

عرس چہلم کے موقع پر ملک کے علاوہ بیرون ملک سے بھی کافی تعداد میں لوگ شریک ہوئے، جو شریک نہ ہو سکے، انھوں نے اپنے پیغامات ارسال کیے۔ محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی سردار احمد صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کا تعزیتی مکتوب اتنا دِل دوز اور رِقت انگیز تھا کہ پڑھتے وقت پڑھنے والا بھی اشک بار تھا اور سننے والے بھی اشک بار تھے۔

چہلم شریف کے بعد سال بھر تک اہل سنت کے مشاہیر واکابر علما فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لاتے رہے۔ یکم اور دو ذیقعدہ کو حضرت کا سالانہ عرس شریف خلف اکبر محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب سجادہ نشیں آستانہ قادریہ رضویہ امجدیہ کی سربراہی میں نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے، جو اب ایک علمی اور فکری تقریب کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

علمائے اہل سنت کی موجودہ نسل میں شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی کی شخصیت میر کارواں کی حیثیت رکھتی ہے، وہ خانوادۂ امجدیہ میں بھی بزرگانہ شخصیت کے حامل ہیں، ان کی سرپرستی میں عرس امجدی کی تقریب اب اہل علم کی دلچسپیوں کا مرکز توجہ بنتی جا رہی ہے۔

استاذ الاساتذہ جامع معقولات حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ نے کافی جدو جہد کے بعد حضرت کے روضۂ مبارک کی نہایت شاندار عمارت بنوائی ہے۔ اب حضرت مولانا عبد الشکور صاحب اعظمی اور ان کے رفقائے کار نے اس کی تعمیر جدید کے لیے ایک عظیم الشان منصوبہ تیار کیا ہے۔ خدا کرے وہ پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اور حضرت صدر الشریعہ کے روحانی اور علمی فیض کا چشمہ اسی طرح جاری رہے۔

☆☆☆

صدر الشریعہ

کچھ یادیں کچھ باتیں

مولانا محمد حسن علی ملتانی
میلسی ملتان (پاکستان)

حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ فقیہ امت خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ حکیم محمد امجد علی صاحب اعظمی رضوی قدس سرہ العزیز اپنے زمانہ کے فرد یگانہ سید الفقہا استاذ الاساتذہ تھے۔ درسیات کے جملہ فنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور بیک وقت مدرس و مفتی و مناظر اعلیٰ درجہ کے مفسر و محدث اور زبردست فقیہ تھے۔ کہتے ہیں کہ درخت اپنے پھل اور استاذ اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے۔ سیدی حضور صدر الشریعہ قدس سرہ کے تلامذہ میں تاجدار علم وفن امامت اہل سنت حضرت قبلہ محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب بانی دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف وبانی دار العلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام یادگار رضا پاکستان قدس سرہ العزیز، شیر بیشۂ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت مولانا علامہ ابوالفتح عبد الرضا محمد حشمت رضا خان صاحب قدس سرہ، حافظ ملت شیخ الحدیث علامہ حافظ عبد العزیز قدس سرہ، صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی قدس سرہ، مفتی اعظم کانپور علامہ مفتی محمد رفاقت حسین قدس سرہ، مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری الٰہ آبادی قدس سرہ، شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی قدس سرہ، علامہ مولانا غلام یزدانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل اکابر امت شامل ہیں۔

جن کا علمی وروحانی فیض آج دنیا کے ہر حصہ اور ہر خطہ میں پہنچ رہا ہے۔ حضور سیدی صدر الشریعہ قدس سرہ کے تلامذہ میں سے یہاں پاکستان میں سیدی حضور محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ محمد سردار احمد صاحب قدس سرہ تشریف لائے تھے اور اپنے بریلی شریف کے مدرسہ نام پر دار العلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور فیصل آباد قائم فرمایا اور مدارس اہل سنت کے قیام میں وہ سعی فرمائی کہ آج ڈیڑھ سو سے زائد مدارس اہل سنت ان کی یادگار ہیں۔ جامعہ رضویہ مظہر اسلام سے آپ کے عہد حیات میں اعلیٰ درجہ کے مدرس ومناظر بلند پایہ عالم دین فارغ التحصیل ہوئے۔ آج بیشتر مدارس اہل سنت میں آپ کے تلامذہ منصب شیخ الحدیث پر فائز ہیں اور صدر مدرس ہیں۔ یہ سب حضور صدر الشریعہ کا علمی و روحانی فیضان ہے۔ حافظ ملت حافظ الحدیث علامہ الحاج عبد العزیز قدس سرہ نے حضور سیدی محدث اعظم پاکستان کے وصال پر ''نوری کرن'' بریلی شریف کے لیے اپنے ایک مضمون میں فرمایا تھا:

''حضرت محدث اعظم پاکستان علم وفضل میں، زہد وتقویٰ میں، درس و تدریس میں حضرت قبلہ صدر الشریعہ قدس سرہ کے صحیح جانشین تھے''

تمام صاحبزادے، صاحبزادیاں عالم وعالمہ ہوئیں۔ یہ ان کی نظر کا اثر ہے، ورنہ آج کے دور میں عالم کی اولاد عالم

نہیں، پیر کا بیٹا پیر نہیں۔ یہ ایک المیہ ہے کہ عام طور پر علما اور مشائخ عظام اپنی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کا مطلقاً خیال نہیں رکھتے۔ صدر الشریعہ کے بڑے صاحبزادہ مولانا شمس الہدیٰ اعظمی عالم اور بڑے زبردست طبیب تھے۔ اسی طرح مولانا محمد یحییٰ صاحب، مولانا علامہ عبد المصطفیٰ، مولانا عطاء المصطفیٰ، مولانا قاری رضاء المصطفیٰ، مولانا ضیاء المصطفیٰ، مولانا بہاء المصطفیٰ اور دوسری اولاد سب عالم ہوئی۔

تدریسی لگن:

فن تدریس سے حضرت صدر الشریعہ کو کتنا گہرا شغف تھا، خود سیدی سندی حضور محدث اعظم پاکستان قدس سرہ نے فرمایا:

> "اوقاتِ مدرسہ کے سوا بھی پڑھاتے، عرس مبارک کی تعطیلات کے ایام میں بھی پڑھاتے، جمعہ کے روز بھی اپنے دولت کدہ پر دھان منڈی میں پڑھاتے اور طلبہ کو مذاہب باطلہ کے خلاف مناظرہ کی مشق کراتے اور خود نگرانی فرماتے"۔

جامعہ معینیہ عثمانیہ دار الخیر اجمیر شریف میں آپ کے حلقۂ درس میں شامل حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ والرضوان ایک بار اپنے ایک ہم سبق ساتھی سے مناظرہ کی مشق کر رہے تھے کہ اچانک حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ تشریف لے آئے اور چھپ کر مناظرہ کی مشق دیکھتے رہے، جب یہ تقریب اختتام کو پہنچی تو حضرت صدر الافاضل نے آگے بڑھ کر حضرت محدث اعظم پاکستان کی پیشانی کو چوم لیا اور حضرت صدر الشریعہ کے اس طرزِ تربیت کی داد دی اور فن مناظرہ میں طلبہ کی استعداد کو سراہے۔ قیام اجمیر کے ایام میں جب حضرت صدر الشریعہ کا جسم بڑھنے لگا کہ حکیموں کے مشورہ پر بعد نماز عصر سیر و تفریح کیلیے دولت باغ انا ساگر کی طرف پیدل تشریف لے جاتے، اس وقت حضرت سیدی سندی محدث اعظم پاکستان حضور سیدی صدر الشریعہ کے ہمراہ ہوتے اور کوئی علمی کتاب ہاتھ میں ہوتی، سیر و تفریح ہو جاتی اور کتاب کا درس بھی جاری رہتا۔ اسی دوران ایک بار شیخ المشائخ سیدنا شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ بھی اجمیر درگاہِ معلیٰ حاضر ہوئے اور جامعہ معینیہ میں تشریف لائے، حضرت صدر الشریعہ سے ملاقات فرمائی اور آپ کے طرزِ تدریس سے متاثر ہوئے۔ طلبہ کی ذہانت اور حضور صدر الشریعہ کی محنت کی داد دی، بلکہ طلبہ کو متقی و پرہیز گار دیکھ کر زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی خلافت سے نوازا۔ اجمیر شریف کے قیام ہی کے دور میں گھریلو سودا سلف خریدنے کے لیے عموماً حافظ ملت علیہ الرحمہ کو حکم فرماتے، حتیٰ کہ کپڑا وغیرہ بھی وہی خرید کر لاتے۔ ایکبار حضرت محدث اعظم پاکستان سے فرمایا ایک بوری گندم (گیہوں) خرید کر آٹا پسوایا جائے۔ حضرت محدث اعظم نے گندم خود خریدا اور خود پوری بوری اٹھا کر چکی پر آٹا پسوایا اور خود ہی بوری کا آٹا اٹھا کر حضرت صدر الشریعہ کے دولت کدہ پر لے آئے۔ حضرت صدر الشریعہ نے دیکھ کر فرمایا: بندۂ خدا! کسی مزدور سے اٹھوا لاتے۔ حضرت محدث اعظم نے فرمایا: یہ خادم بھی آپ کا مزدور ہونے کی سعادت حاصل کرلے، اس لیے میں خود ہی بوری اٹھا لایا۔ ایسے وفا شعار اور خدمت گزار طلبا اب کہاں ہیں۔

مسائل کی تحقیق:

ایک بار اسی دوران حضرت سیدنا شیخ الانام امام حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب نوری رضوی

بریلوی سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ رضویہ بریلی شریف قدس سرہ اجمیر شریف تشریف لائے اور مسائل کی تحقیق میں ایک مسئلہ پر حضرت صدر الشریعہ سے زبردست بحث ہوئی۔ حضرت محدث اعظم پاکستان دونوں بزرگوں کو حسب طلب کتابیں الماری سے نکال نکال پیش کر رہے ہیں اور وہ دونوں حضرات کے دلائل شباب پر ہیں، کتابوں کا ڈھیر لگ گیا، بحث میں پوری قوتِ گویائی سے کام لیا جارہا ہے، مگر حقیقی ناگواری کسی کو بھی نہیں، بحث ومباحثہ کے دوران چائے بھی پی رہے ہیں، کھانا بھی کھارہے ہیں، ایک دوسرے کے ادب واحترام کا بھی لحاظ ہے۔ آج تو تحقیق کے نام پر جھگڑے ہونے لگتے ہیں اور دشمنیاں ہوجاتی ہیں۔ اکابر واسلاف میں کتنا اخلاص تھا۔

اسی عرصہ میں مولانا معین الدین اجمیری سے مسئلہ تکفیر دیابنہ پر اور دیگر مسائل میں گفتگو چل رہی تھی، تحریری گفتگو کی نقول اور مولانا اجمیری کے حضرت سیدنا حجۃ الاسلام کے نام خطوطِ اصلی ابھی تک حضرت محدث اعظم پاکستان کے پاس محفوظ تھے۔

بریلی شریف مراجعت:

وہاں متولی صاحب کی تنگ دلی کا حال جب سیدنا امام حجۃ الاسلام قدس سرہ کو ہوا تو حضرت صدر الشریعہ کو واپس بریلی شریف بلالیا اور اجمیر شریف لے آنے والے طلبا کی دستار بندی بھی دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کے جلسہ میں ہوئی تھی۔ انھیں ایام میں حضور صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز نے حضرت قبلہ محدث اعظم پاکستان اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں اپنی اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام وحضور صدر الشریعہ نے باہمی مشورہ سے محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار صاحب کو ان کی استعداد وقابلیت، تقویٰ وطہارت جامعہ رضویہ منظر اسلام میں مدرس دوم اور ناظم تعلیمات مقرر کیا، جو بعد میں صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا:

''میرا ضلع اعظم گڑھ بدمذہبوں کی زد میں ہے، وہاں کوئی کام نہ ہوا، میں باہر رہا، وہاں وہابیت کا غلبہ ہے''۔

اپنے ضلع مبارک پور اعظم گڑھ کے لیے صدر الشریعہ قدس سرہ نے حضور حافظ ملت کو پسند فرمایا اور مقرر فرمایا، ان کا علمی وروحانی فیضان وخدماتِ دینیہ اب سب کے سامنے ہیں۔

بریلی شریف کا مناظرہ:

یہ وہ زمانہ تھا کہ آل انڈیا وہابی اسکیم کے تحت مولوی منظور سنبھلی نے بریلی کو اپنا مستقل مستقر بنالیا تھا اور حضرت حجۃ الاسلام، حضور صدر الشریعہ، حضرت صدر الافاضل قدست اسرارہم تک کو مناظرہ کے لیے چیلنج دے رہا تھا، حضرت محدث اعظم پاکستان نے منظور سنبھلی کا چیلنج قبول فرمایا اور چار روز تک اکبری مسجد شہر کہنہ بریلی شریف میں یادگار مناظرہ ہوا۔ حضرت صدر الشریعہ کی محنت رنگ لائی اور مولوی منظور کو غلط الفاظ پر مشتمل اپنی کٹی ہوئی تحریریں دے کر میدانِ مناظرہ میں اپنی کتابیں، اپنی جوتیاں، چھڑی، اپنی عینک وغیرہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ موضوعِ مناظرہ مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی گستاخانہ کفریہ عبارت تھی۔ اور اہل سنت کی صدر مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن الٰہ آبادی

دھام نگری قدس سرہ تھے۔ مولانا مفتی تقدس علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا بیان ہے:

"حضرت صدر الشریعہ ان دنوں بریلی شریف ہی تھے اور حضرت محدث اعظم کے مولوی منظور کے مقابلہ میں وزن دار زور آور دلائل اور قوتِ گویائی سے بہت خوش ہوئے"۔

مولوی منظور کی عبرت ناک شکست فاش کے بعد حضرت صدر الشریعہ کی طرف سے آستانہ عالیہ میں جلسہ تہنیت ہوا۔ مناظر اہل سنت حضرت علامہ سردار احمد قدس سرہ کو صدر الشریعہ قدس سرہ نے تاج فتح پہنایا اور بہت سے تعریفی و دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم تہنیت پڑھی:

حق پہ ہیں سردار احمد آشکارا ہوگیا
اہل باطل کی شکستوں کا نظارا ہوگیا
اب وہابی روتے ہیں مل مل گلے یہ کہتے ہیں
کیا کریں منظور بھاگا آشکارا ہوگیا

حضرت محدث اعظم پاکستان سے شکست فاش کھانے کے بعد منظور سنبھلی نے مناظرہ سے ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی اور اس کا اعتراف تحریری طور پر مولوی منظور نے لکھنؤ سے چھپنے والی ایک دیوبندی کتاب "فتنۂ بریلی کا نیا روپ" میں خود کیا ہے۔ بریلی شریف کے اس چار روزہ مناظرہ کی مفصل روداد "نصرت خداداد" کے نام سے اب دوبارہ سہ بارہ پاکستان میں بھی چھپ چکی ہے۔

صدر الشریعہ کی مناظرانہ مہارت:

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ، محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ محمد سردار احمد قدس سرہ، شیر بیشۂ اہل سنت مولانا علامہ حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ، امین شریعت مولانا مفتی محمد رفاقت حسین، مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن دھام نگری جیسے اکابر مناظرین کے استاذ تھے۔ اس سے آپ کی فن مناظرہ میں مہارت و قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ ایک بار نجیب آباد سے جناب احمد حسن صاحب رضوی نے سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تار دیا کہ یہاں مولوی اشرف علی تھانوی آیا ہوا ہے اور ہم نے مناظرہ کی دعوت دے دی ہے، فوراً مناظر بھیجئے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے فوراً حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ اور امام حجۃ الاسلام قدس سرہ کو حکم فرمایا کہ مناظرہ کے لیے فوراً نجیب آباد پہنچو۔ نجیب آباد پہنچ کر مولوی اشرف علی تھانوی کو خط لکھا، اس نے جواب دینے کا وعدہ کیا اور راتوں رات نجیب آباد سے فرار ہوگئے۔ وہاں فتح کا جلسہ کر کے حضرت صدر الشریعہ واپس ہوئے۔

بھاگلپور میں حضرت حامی سنت، شیخ طریقت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب کچھوچھوی قدس سرہ کے مریدین میں جا کر مولوی عبد الشکور کاکوروی ایڈیٹر النجم نے وہابیت افروز تقریریں کیں اور اہل سنت کو مناظرہ کا چیلنج دیا، ان لوگوں نے حضرت مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ کو اطلاع دی، حضرت والا نے سیدنا اعلیٰ حضرت کو اطلاع دی اور خود بھاگلپور تشریف لے گئے اور مناظرہ کی دعوت قبول کی، باغ کی مسجد مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی، ادھر سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ کو

بھاگلپور بھیجا اور بعد میں صدر الافاضل علیہ الرحمہ بھی تشریف لے آئے۔ وہابیہ نے گیدڑ بھبکیاں شروع کیں اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اور صدر الافاضل کی آمد کی خبر سن کر المدد یا پولیس کا وظیفہ کرتے ہوئے تھانہ پہنچے اور داروغہ کو بھیجا، یہ تدبیر کامیاب نہ ہوئی تو خلیفہ باغ کی مسجد کے متولی کو کہا کہ مناظرہ بند کرو۔ کاکوروی تو صدر الشریعہ اور صدر الافاضل کی آمد کا سن کر گوشۂ عافیت میں بیٹھ گیا اور مولوی محمد علی مونگیری کو پیش کر دیا، یہ شخص عربی کا ماہر کہلاتا تھا کہ عربی میں مناظرہ کروں گا، ادھر سے کہا گیا کہ عربی غیر منقوط اور عربی نظم میں مناظرہ ہوگا، بے چارے مولوی محمد علی مونگیری بھی دم توڑ گئے اور وہاں حضرت صدر الشریعہ اور صدر الافاضل اور حضرت بابرکت الحاج مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی نے فتح کے جلسے کیے۔

یادگار و ناقابل فراموش کارنامے:

حضور سیدی صدر الشریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ طیبہ مسلسل جد و جہد حسین و زرین ناقابل فراموش کارناموں سے عبارت ہے۔ انھوں نے جامع الصفات علما کی بکثرت جماعتیں تیار فرمائیں۔ ان کے تلامذہ میں اکثر ایسے ہوئے جو بیک وقت صدر المدرسین، شیخ الحدیث، استاذ العلما، مفتی و مناظر و محدث، و فقیہ تھے۔

دوسرا بڑا کارنامہ "بہار شریعت" کی تصنیف مبارک ہے، جو عوام تو عوام علما و فقہا سب کے یہاں یکساں مقبول و معتبر ہے۔

تیسرا بڑا کارنامہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ کا ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" ہے۔ سیدی صدر الشریعہ سرکار اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ترجمہ قرآن مجید کی ضرورت بار بار پیش کرتے اور سرکار اعلیٰ حضرت وعدہ فرما لیتے۔ ایک روز سیدی صدر الشریعہ قدس سرہ کاغذ قلم دوات لے کر آئے اور اصرار کے ساتھ عرض کیا: حضور ترجمہ شروع ہو جائے۔ بس اسی وقت ترجمہ قرآن مجید شروع ہو گیا اور جلد ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ یہ سیدنا صدر الشریعہ کی مسلسل مساعی کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا۔

چوتھا کارنامہ "فتاویٰ امجدیہ" ہے، جو علما و فقہا کے لیے مشعل راہ ہے اور جملہ مکاتب فکر کے مدارس و دار الافتا کی زینت ہے۔ فتاویٰ امجدیہ کی نقول کا کام مستقل طور پر حضرت قبلہ سیدی سندی محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہ العزیز کے ذمہ تھا، آپ بہت خوش نویس تھے، حسن صورت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حسن کتابت بھی مرحمت فرمایا تھا۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے پاس جو استفتا آتے اور حضرت ان کا جواب ارقام فرماتے حضرت قبلہ محدث اعظم پاکستان فوراً نقل کر لیتے اور مسلسل نقول کے بعد فتاویٰ امجدیہ بن گیا۔ جس طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ قرآن حضرت صدر الشریعہ کی مساعی سے معرض وجود میں آیا، اسی طرح فتاویٰ امجدیہ حضرت محدث اعظم پاکستان کی مساعی و محنت سے معرض وجود میں آیا۔ حضرت نے طحاوی شریف حاشیہ بھی ارقام فرمایا اور ایک بغیر تصویر کا اردو قاعدہ بھی مرتب فرمایا تھا، جو اُس زمانہ میں بہت مقبول ہوا تھا۔

مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں:

یہ جملہ اس زمانے میں زبان زد خاص و عام تھا، جب حضرت امام فن حدیث علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کے توسط سے حضرت صدر الشریعہ کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ

کے جامعہ منظر اسلام میں تقرر ہوا تو ایک طرف درس وتدریس میں انہماک، دوسری طرف مطبع اہل سنت کی تمام ذمہ داری آپ پر ڈال دی گئی۔ چھپائی کی نگرانی، کتابت کی تصحیح، یہ آسان کام نہیں، لیکن حضرت یہ سب کچھ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔ الغرض سرکار اعلیٰ حضرت جو کام بھی آپ کے ذمہ لگاتے، یہ حسن وخوبی انجام دیتے اور اعلیٰ حضرت کے حسن معیار پر پورے اترتے۔

خلوص وایثار کی داد:

یوں تو سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے لے کر حضرت سیدنا شاہ علی حسین اشرفی جیلانی، صدر الافاضل مراد آبادی، حضرت محدث اعظم صاحب کچھوچھوی قدست اسرارہم سبھی آپ کے خلوص وایثار کے معترف تھے، لیکن سیدنا حضرت قبلہ مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پُر سرور درد بھرے الفاظ یاد رہتے ہیں کہ:

''صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنا کوئی گھر نہیں بنا، بریلی ہی کو گھر سمجھا، وہ صاحب اثر بھی تھے اور کثیر علما کے استاذ بھی، وہ چاہتے تو آسانی سے کوئی اپنا ذاتی دار العلوم ایسا بنا لیتے جس پر وہ یکہ وتنہا خود قابض رہتے، مگر ان کے خلوص نے انھیں ایسا نہیں کرنے دیا''۔

صدر الشریعہ کے بے نفسی:

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ نے مراد آباد شریف میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد فرمائی تھی، جس میں بہت سے اکابر ومشاہیر علما ومشائخ کو بلایا گیا تھا۔ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نقشبندی علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ، سیدنا شاہ علی حسین اشرفی، سیدنا حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں قادری، حضور صدر الشریعہ، سرکار سیدنا مفتی اعظم ہند قدست اسرارہم سبھی حضرات تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب حضرت سیدنا صدر الشریعہ قدس سرہ اجمیر شریف سے تشریف لائے، کوئی ایک آدمی یا طالب علم بھی اسٹیشن پر نہیں لینے گیا اور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں کا زبردست استقبال ہوا، حضرت حجۃ الاسلام کا بھی تھوڑا بہت استقبال ہوا، لیکن حضرت صدر الشریعہ کو ایک طالب علم بھی لینے کے لیے اسٹیشن نہ گیا اور آپ بلا تکلف خود تشریف لے آئے۔ علما کی بھری محفل میں ایک عقیدت مند نے جرأت لب کشائی سے کام لیتے ہوئے قدر ناگواری کے انداز میں سب کے سامنے یہ کہا کہ ہمارے اکابر کا استخفاف ہو رہا ہے اور حضور صدر الشریعہ کو کوئی اسٹیشن پر لینے بھی نہیں گیا۔ بس اس بات پر حضرت صدر الشریعہ سخت غضب ناک ہوئے اور ان سخت الفاظ میں زجر وتوبیخ فرمائی، پھر نہایت اطمینان سے ان کی غلط فہمی کو دور بھی فرمایا اور فرمایا: ''حسن ظن رکھو، یہ سب حضرات اپنے ہی ہیں''۔

بات در اصل یہ تھی کہ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک تو مراد آباد میں پہلی مرتبہ تشریف لا رہے تھے، ان کا استقبال زیادہ ہونا تھا، دوسرے یہ کہ اجلاس کی صدارت کا فیصلہ سب حضرات نے مل کر پیر سید جماعت علی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کیا تھا، اس لیے بھی بحیثیت صدر ان کا استقبال زیادہ ہونا تھا۔ حضرت اشرفی

میاں قدس سرہ العزیز کے کافی مریدین شہر و مضافات مراد آباد میں تھے، ان کا استقبال بھی اچھا ہوتا تھا۔ حضرت سیدنا امام حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا قدس سرہ مراد آباد میں متعدد بار مختلف تقاریب میں تشریف لا چکے تھے۔ اسی طرح حضرت صدر الشریعہ متعدد بار تشریف لائے تھے اور پھر عین وقت پر جب حضرت صدر الشریعہ بعد نماز عشا کی ٹرین سے تشریف لائے تو حضرت صدر الافاضل کسی اہم مصروفیت اور ضروری ہنگامی کام کی طرف متوجہ ہو گئے، لہٰذا اسٹیشن پر آدمی بھیجنا بھول گئے، مگر یہ حضرت صدر الشریعہ کی بے نفسی کہ اپنی حمایت میں ایسے کلمات کو بالکل پسند نہ فرمایا اور قطعاً کچھ محسوس نہ فرمایا۔ اور اس سنی کانفرنس کے سلسلہ میں حضرت صدر الافاضل کی محنت اور خدمات کی داد دی اور ان کے اسی کارنامے کو سراہا۔ یہی حال حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے تلامذہ کا تھا، کہ غالباً ۱۹۵۴ء میں فقیر راقم الحروف محمد حسن علی الرضوی نے ایک بار حضرت سیدی محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد قدس سرہ سے بذریعہ لیٹر دریافت کیا کہ کیا آپ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب کے شاگرد ہیں؟ حضرت محدث اعظم پاکستان نے جوابی ملفوف میں ارشاد فرمایا:

"فقیر حضور صدر الصدور صدر الشریعت بدر الطریقت مولانا علامہ حکیم محمد امجد علی صاحب قدس سرہ مصنف بہار شریعت کا شاگرد ہے، فقیر اگرچہ صدر الافاضل کا شاگرد نہیں، مگر حضرت ممدوح کا شاگردوں کی طرح نیاز مند ضرور ہے اور حضرت صدر الافاضل اگرچہ فقیر کے استاذ نہیں ہیں، لیکن اس فقیر پر استاذوں کی طرح شفیق اور مہربان ضرور تھے"۔

دیکھئے کیا حسین انداز ہے، دراصل یہ حضرت صدر الشریعہ کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ حضرت صدر الشریعہ اور آپ کے تلامذہ، سنیوں سنیوں میں کچھ فرق نہیں سمجھتے اور رضوی، اشرفی، امجدی، نعیمی، قادری، چشتی وغیرہ روحانی نسبتوں کی بنا پر دل میں کچھ تفریق نہیں کرتے اور جملہ اہل سنت کو اپنا ہی سمجھتے ہیں۔ یہاں پاکستان کراچی میں مولانا مفتی ظفر علی صاحب نعمانی رضوی، مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی رضوی، تینوں حضرات حضرت حافظ ملت علامہ عبدالعزیز قدس سرہ کے شاگرد ہیں، مگر یہ حضرات حضرت سیدی محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب قدس سرہ سے ایسے حسن عقیدت سے ملتے، جیسے اپنے استاذ حافظ ملت سے مل رہے ہوں اور حضرت محدث اعظم پاکستان بھی ان حضرات پر ایسی شفقت اور خاص نظر عنایت فرماتے کہ وہ یہ محسوس کرتے کہ وہ حضور حافظ ملت کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان ایک جاں دو قالب ہیں، شاید یہ واقعہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ ایک بار حضرت محدث اعظم پاکستان اور حافظ ملت میں یہ خط وکتابت ہوئی کہ نہ حافظ ملت فوٹو کھنچوا کر پاکستان تشریف لائے، نہ محدث اعظم پاکستان تصویر بنا کر ہندوستان جاتے ہیں اور دونوں بزرگوں میں گہری الفت و محبت اور قلبی روحانی موافقت ہے، لہٰذا طے پایا کہ دونوں حضرات واہگہ اٹاری بارڈر پر سرحد پر آ کر ایک دوسرے سے ملاقات کریں اور ایک دوسرے کو دیکھ لیں، اس پر دونوں بزرگ متفق ہو گئے تھے، حضرت محدث اعظم کی علالت اور ناسازی طبع کے باعث یہ

ملاقات نہ ہوسکی اور کیوں نہ ہو کہ دونوں بزرگوں میں ذہنی فکری موافقت تھی، محدث اعظم پاکستان بھی علما گر تھے اور ان کی تربیت بھی فرماتے تھے۔ محدث اعظم مراد آبادی حضور حافظ ملت بھی علما گر تھے اور علما کی تربیت فرماتے تھے۔ حد یہ کہ دونوں حضرات نے حج وزیارت کا مبارک سفر بھی بغیر تصویر کے پاسپورٹ سے کیا، دونوں کا غیر سیاسی ذہن، مروجہ سیاست اور بدمذہبوں کی میٹنگوں اور مشترکہ جلسوں میں شرکت سے احتراز فرماتے تھے، دونوں ہی حضور صدر الشریعہ کی شخصیت مقدسہ کا عکس جمیل تھے اور شاگرد رشید، ہونہار شاگرد کی قدر وقیمت کا اندازہ جوہر شناس استاذ کو ہوتا ہے۔ ذرا اپنے نامور شاگرد سے حضرت صدر الشریعہ کا حسن سلوک اور محبت وشفقت ملاحظہ ہو۔

صدر الشریعہ کے دو مکتوب گرامی:

حضرت سیدی محدث اعظم پاکستان نے بریلی شریف کے دور اور پاکستان آمد کے بعد کے ایک دو خط سنبھال کر محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی شفقت ومحبت ملاحظہ ہو۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

عزیزم محترم عزیز اسعد مولانا سردار احمد صاحب سلمہ السلام علیکم

شوال میں بریلی شریف کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ تم فتنہ وفساد کی وجہ سے مع اہل وعیال لاہور چلے گئے ہو، میں نے کئی خط (مولانا ابوالبرکات) مولوی سید احمد کے نام لاہور روانہ کیے تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لیے سخت بے چین تھا، جب کسی صورت سے پتہ نہ چلا تو غالباً دو ہفتے ہوئے ہوں گے اخباروں میں شائع کرایا، مگر اس کا جواب بھی کسی پرچہ میں شائع نہ ہوا، آج عزیزم مولوی اعجاز خاں کا خط بریلی سے آیا ہے، جس میں انھوں نے تمہارا (پاکستان کا) پتہ بھی تحریر کیا ہے، لہٰذا بے چینی کے ساتھ اس خط کے جواب کا انتظار کروں گا، اپنی اور اپنے اہل وعیال کی خیریت سے اور وہاں (پاکستان) کے حالات سے جلد مطلع کرو...............

یہ خط طویل ہے، اس خط پر حضرت محدث اعظم پاکستان کے شاگرد رشید علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی نے یہ تحریر کیا ہے:

سیدی دامت برکاتہم! السلام علیکم

ان حوادث کے دور میں حضور کے احوال سے بے خبری ہم کفش برداروں کے لیے کس قدر جانکاہ ہے وہ ہمارا قلب ہی جانتا ہے۔ حضرت مرشدی (صدر الشریعہ) آپ کے لیے کس قدر بے چین ہیں، وہ میں شب وروز دیکھتا ہوں اور خود بھی بے چین ہو جاتا ہوں، اس لیے دست بستہ عرض ہے کہ حضور بہت جلد ہمیں اپنے احوال سے مطلع فرمادیں۔

فقط آپ کا کفش بردار

محمد شریف الحق امجدی

۱۷ رمحرم الحرام ۱۳۶۷ھ پاکستان آنے کے بعد آپ جب براستہ کھوکھرا پار سندھ وجودھپور وغیرہ بلوؤں کے دور میں جب آخری بار بریلی شریف حاضر ہوئے تو حضور صدر الشریعہ گھوسی شریف میں اپنا مکان بنوا رہے تھے۔ صدر الشریعہ نے

حضرت محدث اعظم پاکستان کے آمد کی خبر فرحت اثر سن کر فوراً بریلی شریف آپ کو مکتوب ارسال فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔ حضرت سیدی صدر الشریعت قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے ایک سخت غلطی کی کہ اپنا پُرانا مکان گروا کر از سر نو تعمیر کروانا شروع کر دیا، نہ عمارتی سامان دستیاب ہوتا ہے اور نہ معمار و مزدور آسانی سے ملتے ہیں، اس غلطی پر نادم ہوں اور نہایت درجہ پریشان، دیواریں آج مکمل ہو گئی ہیں، اب ڈاٹ لگنا اور اوپر کا کام باقی ہے، دعا کرو کہ جلد اس سے فرصت ملے اور میں کہیں آنے جانے کے قابل ہو جاؤں، اگر یہ دشواری نہ ہوتی تو اجمیر شریف حاضر ہوتا اور پالی بھی جاتا اور ممکن تھا کہ (تمہارے ملنے کو) بریلی بھی آتا، تمہارے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے اور یہاں سب لوگ تمہارے بہت مشتاق ہیں، یہ تحریر کرو کہ تم کب یہاں آؤ گے......

اسی مضمون کا ایک علاحدہ خط حضرت صدر الشریعہ نے آپ کے نام ۱۲ر مئی ۱۹۴۸ء کو علاحدہ ارسال فرمایا اور جب حضرت سیدی محدث اعظم پاکستان اپنے استاذ محترم کی خدمت میں جانے کے لیے گھوسی روانہ ہوئے تو حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ مع تلامذہ واحباب آپ کو گاڑی پر لینے کے لیے خود تشریف لائے اور استاذ و شاگرد میں مصافحہ و معانقہ کا انداز قابل دید تھا، سب کی آنکھوں میں آنسو تھے، حضرت صدر الشریعہ آپ کو دیکھ کر انتہائی خوش ہوئے، حمد الٰہی بجا لائے، اسی خوشی میں رات کو اپنی طرف سے محفل میلاد شریف کا انتظام فرمایا اور اپنے شاگرد رشید حضرت محدث اعظم پاکستان کے متعلق بہت سے تعریفی اور دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔

جب حضرت محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد بی بی جی صاحبہ میں دار العلوم مظہر اسلام قائم فرمایا تو حضور مفتی اعظم ہند اور سیدی حضور صدر الشریعہ اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب نے خاص سرپرستی فرمائی اور آپ کو بریلی شریف سے جانے نہ دیا، بلکہ حضرت صدر الشریعہ تو ایسا فرماتے کہ جب حضرت محدث اعظم پاکستان علیل ہوتے یا وطن دیال گڑھ بٹالہ گورداسپور تشریف لے جاتے تو حضرت صدر الشریعہ خود اپنے شاگرد رشید کی جگہ طلبائے درجہ حدیث کو حدیث پاک پڑھانا شروع فرما دیتے۔ حالاں کہ آپ کے خصوص میں یہ بات ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں عام طور پر اسباق کا ناغہ نہ ہونے دیتے ہیں، کسی جلسہ میں جانا ہوتا تو رات کو جلسہ سے فراغت کے بعد طلبہ کو پڑھانا شروع کر دیتے، سفر سے آتے مدرسہ کا کچھ بھی وقت ہوتا آرام گاہ حجرہ کی طرف رُخ بھی نہ فرماتے اور اسباق شروع فرما دیتے، طلبا کو عبارت پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔

کئی بار ایسے مخلص اور عزیز ترین احباب آتے اور گھر پر دعوت کے لیے عرض کرتے تو حضرت محدث اعظم پاکستان ارشاد فرماتے: بندۂ خدا! دیکھو ستاسی طلبا کتنی کتنی دور سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، مناسب نہیں لگتا کہ میں ان کو چھوڑ کر اسباق کا ناغہ کر کے دعوتیں کھاتا پھروں۔ الغرض وہ احباب عرض کرتے: حضور کھانا سب احباب اور طلبا کا یہیں حاضر کر دیا جائے گا، تب آپ دعوت منظور فرماتے۔

☆☆☆

حضرت صدر الشریعہ
اپنے معاصرین میں

علامہ ارشد القادری
بانی و مہتمم: مدرسہ فیض العلوم جمشید پور

حضرت صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی مصنف بہار شریعت فقیہ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان اس اعتبار سے تاریخ کے ان اعاظم رجال سے ہیں جن کی عظمتوں کا اعتراف ان کے اخلاف ہی نے نہیں بلکہ ان کے عظیم المرتبت معاصرین نے بھی کیا ہے۔

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کی سرپرستی میں عزیزم مولانا علاء المصطفیٰ سلمہ اوران کے قابل قدر رفقا نے جس بصیرت وذہانت کے ساتھ حضرت صدر الشریعہ کی علمی شخصیت پر جشن زریں کا اہتمام کیا ہے وہ اس اعتبار سے بہت زیادہ سراہنے کے قابل ہے کہ انھوں نے حضرت صدر الشریعہ کے تعلق سے تاریخ کے بہت سے پارینہ اوراق الماریوں سے تلاش کر کے اہل قلم کے حوالہ کر دیئے ہیں تاکہ وہ سجا کر اہل علم ونظر کے سامنے پیش کر سکیں۔

اس وقت ہمارے سامنے اکابر اہل سنت کے قلمی خطوط کا جو گرانقدر ذخیرہ موجود ہے، اسی میں حضرت صدر الافاضل، حضرت مفتی اعظم ہند، حضور محدث اعظم ہند، حضرت مبلغ اعظم علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی، میرٹھی اور حضرت سید سلیمان اشرف صاحب صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے قلمی خطوط خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو حضرت صدر الشریعہ کے نام لکھے گئے ہیں۔

خود حضرت صدر الشریعہ نے بھی اپنے قلم سے اپنے فرزندوں کے نام جو خطوط تحریر فرمائے ہیں وہ اگر چہ نجی سطح کے ہیں لیکن اس جہت سے ہم انھیں بھی تاریخ کا ایک اہم ذخیرہ قرار دیتے ہیں کہ ان سے حضرت صدر الشریعہ کی زندگی کا یہ رخ ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ اپنے خانگی مسائل میں کتنے حساس، کتنے باخبر، کتنے کریم النفس، اور کتنے عاقبت اندیش تھے، ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ مجد وشرف کی برتری، علم وفضل کی بے پایاں عظمت، اور جماعت کی محیط مصروفیات کے باوجود گھر کا چھوٹے سے چھوٹا جزئیہ بھی ہر وقت نظر میں رہتا تھا اس سے حضرت کی قوت استحضار اور چوکھی توجہ کا پتہ چلتا ہے۔

چونکہ "حضرت صدر الشریعہ اپنے خطوط کے آئینے میں" ہمارے مقالے کا موضوع نہیں ہے، اس لیے اس موضوع پر ہم اپنے قلم کے رشحات کسی اور موقعہ کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

معاصرین کے ان خطوط میں جہاں حضرت صدر الشریعہ کے فضل وکمال کا اعتراف جھلکتا ہے وہیں معاصرت کے باوجود اپنے اکابر کی عالی ظرفی، وسیع القلبی، اور باہمی مودت واخلاص کے قابل تقلید جذبے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ خطوط اگر چہ امتداد زمانہ یا بے توجہی کے باعث بوسیدہ ہو گئے ہیں۔

لیکن جتنے حصے بھی پڑھے جاسکنے کے قابل ہیں ان کی نصف صدی پیشتر کے علمی مذہبی اور سیاسی حالات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اسی عہد کے بدلتے ہوئے حالات میں ہمارے اکابر نے مسائل کا کس طرح سامنا کیا اور اپنا دینی وجماعتی تشخص برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے کیا کیا اقدامات کیے، ان خطوط کے بین السطور سے ان امور پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔

خطوط کے اقتباسات اور تبصرے

اتنی تمہید کے بعد اب آیئے! ہم پچاس سال پیچھے پلٹیں اور اس عہد کے بزرگوں کی قلمی تحریروں کے آئینے میں اپنے روشن ماضی کا دیدار کریں۔

حضرت صدرالافاضل کا پہلا خط

زبان وقلم کے شہریار، علم وحکمت کے تاجدار حضرت صدرالافاضل علامہ سید شاہ حکیم محمد نعیم الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف نہیں ہے۔ تفسیر خزائن العرفان ان کے علمی تبحر، اور قرآن کے علوم ومعارف پر ان کے گراں مایہ افکار کو گھر گھر پہنچادیا ہے۔

کیونکہ کنزالایمان کا حاشیہ ہونے کی حیثیت سے اس کی پیدائش ہی کنزالایمان کی گود میں ہوئی۔ اور اسے بھی کنز الایمان کی معیت میں قبول عام اور شہرت دوام کا اعزاز حاصل ہوگیا۔

اسلوب تحریر کے اعتبار سے حضرت صدرالافاضل کو اپنے عہد کا بلند پایہ اور صاحب طرز ادیب کہا جاتا ہے۔

اس خط کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت صدرالشریعہ کے یہاں یکے بعد دیگرے کئی اموات ہوئیں۔ اس موقعہ پر حضرت صدرالافاضل نے حضرت صدرالشریعہ کے نام یہ تعزیتی مکتوب ارسال فرمائے۔

خط کا متن یہ ہے:

حضرت مولانا المحترم اجمل المولیٰ تعالیٰ صبرکم واعظم اجرکم وابقاکم بالسلامۃ والعافیۃ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے یہ پیہم صدمات اور دردانگیز حالات دوسروں کے لیے بھی دل ہلادینے اور خون رلادینے والے ہیں خود آپ کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس کا تصور بھی دلدوز ہے۔

مولیٰ سبحانہ ان اموات کو آپ کے رفع درجات کا وسیلہ بنائے اور آپ کو آپ کے تمام عیال واطفال کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

صبر واجر دنیا آپ سے سیکھتی ہے بحمدہ تعالیٰ اس کی تلقین کی حاجت نہیں۔ مرحومین کے لیے انشاء المولیٰ تعالیٰ کئی قرآن شریف ختم کرکے ایصال ثواب کیا جائیگا۔ اور آپ کی صحت وسلامتی کے لیے ہر ختم کے بعد دعا کی جائیگی۔ بیمار ہوں۔ میرے لیے بھی دعا فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام۔ محمد نعیم الدین عفی عنہ

خط کی جامعیت وابلاغت اور غمگسار اسلوب بیان اپنی جگہ پر ہے۔ دراصل محسوس کرنے کی چیز اخلاص ومودت کا وہ عاطفہ ہے جو خط کی سطر سطر سے پھوٹ رہا ہے۔

دوسرا خط:

حضرت محترم دام مجدہم السامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آرزومندان بھاگلپور اب پھر عرصہ کے بعد آپ کی زیارت کی تمنا کرتے ہیں۔ غالباً ۲۸ ربیع الآخر شریف کو وہاں جلسہ ہے۔ مجھے انھوں نے آپ کی خدمت میں التجائے شرکت عرض کرنے کے لیے وکیل بنایا ہے۔

براہ کرم ان حضرات کی استدعا قبول فرما کر مطمئن فرمائیں۔

صحیح تاریخ کے بعد میں خط یا تار سے اطلاع دی جائے گی۔ آپ اس طرح رخصت حاصل فرما لیں کہ اگر دو ایک روز کا فرق بھی ہو جائے تو دقت نہ ہو جلسہ بتقریب گیارہویں شریف، مقام فتح پور ضلع بھاگلپور میں ہوگا۔ سبور اسٹیشن پر اترنا ہوگا ممکن ہوسکا تو میں بھی ہمراہ ہوسکوں گا۔

والسلام مع الاکرام جواب سے جلد سرفراز فرمائیں۔

محمد نعیم الدین عفی عنہ

معاصرت کے باوجود خط کا ایک ایک فقرہ اخلاص وانکسار کے نقطہ انتہا کو چھو رہا ہے۔ ایک طرف عظمت وکمال کے پہاڑ کی بلندی اور دوسری طرف محبت واخلاص کی افتادگی ملاحظہ فرمایئے۔ ایسا لگتا ہے کہ آرزوئے شوق صدر الشریعہ کی راہ میں بچھی جارہی ہے۔ اتنے بلند کردار کے اب کہاں ملتے ہیں۔

غالباً اس جذبے کا عکس صدر الافاضل کے ایک سعید تلمیذ حضرت مولانا احمد یار خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی روح پر نظر آتا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ کے نام موصوف کا ایک مکتوب اسی جذبہ اکرام کا آئینہ دار ہے۔ اسے پڑھیے اور سوچیے کہ اپنے بزرگوں کے ساتھ عقیدت وتکریم کا وہ پاکیزہ ماحول ہم کس طرح واپس لائیں۔

صاحب تصانیف کثیرہ حضرت علامہ احمد یار خاں نعیمی کا مکتوب گرامی:

۸۶/۹۲ھ

قبلہ عالم حضرت حامی سنت ماحی بدعت، امام العلما، رأس الفقہا، مولانا صاحب قبلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

کانپور سے ایک رسالہ شحنہ شریعت جاری ہے اس میں کسی مجہول شخص نے بہار شریعت کے اس مسئلے پر اعتراض کیا ہے کہ مقابر اولیاء اللہ پر عمارت بنانا جائز ہے۔ وہ رسالہ اس ماہ نومبر میں آپ کی خدمت میں بھی حاضر کیا گیا ہے اور آپ سے جواب کا مطالبہ کیا ہے۔

گزارش ہے کہ جناب والا ہرگز ہرگز اس کو جواب نہ دیں۔ وہ نہایت بیہودہ پرچہ ہے۔ اکابر علما کی پگڑیاں اچھالنا اس کا شیوہ ہے میں نے اس کو جواب دے دیا ہے کہ اس مسئلہ کا بلکہ بہار شریعت کے ہر ہر مسئلے کا میں ذمہ دار ہوں۔ وہ کتاب نہایت صحیح ہے اس پر اعتراض کرنے والا جاہل ہے۔

میں نہیں چاہتا کہ ہمارے اکابر ہرکس وناکس کے منہ لگیں۔ لہٰذا جناب ہرگز اس کو جواب نہ دیں۔

والسلام

احمد یار خاں

مسجد حاجی پیر بخش مرحوم۔ شہر گجرات (پنجاب)

خط کے مضمون سے اپنے اکابر کی عظمت کے تحفظ کے لیے اس غیرت احساس کا پتہ چلتا ہے جو ہر چھوٹے کے اندر موجود ہونا اس کی سعادت مندی اور ارجمندی کی دلیل ہے اس طرح کا خط کسی امجدی کی طرف سے ہوتا تو اپنائیت کی بات اتنی قابل تحسین نہ ہوتی جو ایک نعیمی کی تحریر سے ظاہر ہے۔

صدر الافاضل کا تیسرا خط:

حضرت محترم دام بالمجد والفضل والالطاف والکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج مبارک بخیر باد!

حضرت مولانا شائستہ گل صاحب حاضر خدمت ہورہے ہیں۔ آپ سرحد کے سنی عالم ہیں۔ اور مانکی شریف کے زیب سجادہ حضرت شاہ محمد امین الحسنات صاحب دام مجدہم کے فرستادہ ہیں ان کا پیام لائے ہیں۔

مجھے حضرت موصوف کی تجویز سے پوری طرح اتفاق ہے۔امید ہے کہ حضرت بھی پسند فرمائیں گے۔میں بھی آپ کی رائے سامی کا منتظر رہوں گا۔

والسلام علیکم محمد نعیم الدین عفی عنہ

اس خط کو پڑھتے ہوئے یہ تمنا مچل مچل کر رہ گئی ہے کہ ''نامہ بر'' کے ذریعہ حضرت صدر الشریعہ کے نام جو پیام آیا تھا۔ خط کے بین السطور سے کاش اس کا بھی کچھ سراغ مل گیا ہوتا۔تجویز کا متن ہمارے سامنے ہو یا نہ ہو اتنی بات بہر حال مسلم ہے کہ تجویز کا تعلق ضرور کسی عظیم الشان مہم سے تھا۔اور اقدام کے لیے جماعت کے اکابر کی منظوری حاصل کرنی ضروری تھی۔صدر الافاضل کا یہ لکھنا کہ ''میں بھی آپ کی رائے سامی کا منتظر رہوں گا'' جماعت میں حضرت صدر الشریعہ کی رائے کا وزن معلوم کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

چوتھا خط:

الجمہوریۃ العالیۃ الاسلامیۃ المرکزیہ آل انڈیا سنی کانفرنس، مراد آباد

حضرت محترم دام مجدکم السامی

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

سنی کانفرنس کے دستور کے لیے ملک کی سنی کانفرنسیں بے چین ہیں۔تقاضے بہت زیادہ ہیں۔ اور کام بھی رکا ہوا ہے۔

اس لیے بہ مجبوری ۲۰ محرم ۱۳۶۶ھ بروز یکشنبہ اس لیے مقرر کردیا ہے کہ آپ تشریف لاکر دستور کی تکمیل فرمادیں۔

اس تاریخ کے لیے حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم سے بھی تشریف آوری کی التجا کی گئی ہے، اور حضرت محدث صاحب اور حضرت ملک العلما کو بھی اس تاریخ کے لیے مدعو کیا گیا ہے۔ خواہش ہے کہ عرس کچھوچھہ شریف سے قبل دستور مکمل ہوجائے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عرس شریف میں شائع ہوجائے۔ جواب فوراً ارسال فرماکر ممنون فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام

محمد نعیم الدین عفی عنہ ۶ ردسمبر ۱۹۴۶ء

یہ خط اس وقت کی جماعتی تنظیم سنی کانفرنس سے متعلق اکابر کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتا ہے اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ جماعت کے سارے اکابر اس تنظیم کے ساتھ منسلک تھے۔اور جماعت میں حضرت صدر الشریعہ کی کیا اہمیت ہے

اس پر بھی تیز روشنی پڑتی ہے۔

مسلک، مدارس، اور تصانیف کے ساتھ ساتھ اگر یہ تنظیم بھی ہمیں وراثت میں ملتی تو آج ہماری جماعتی زندگی کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

نامہ گرامی تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

جمعیۃ اصلاح وترقی اہل سنت سوداگراں بریلی

۳؍شعبان ۱۳۵۹ھ

مولانا المحترم زید فضلہ!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا تاریخ جلسہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۲۔۱۳۔۱۴ شعبان ۱۳۵۹ھ بروز دوشنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ۔ مولوی عبدالمصطفیٰ ومولوی عطاء المصطفیٰ کو اجازت دی جاسکتی ہے وہ مکان سواریوں کو لے کر چلے جائیں مگر آپ جہاں تک ممکن ہو اول ہی تاریخ سے جلسہ میں شرکت فرمائیں۔

ہر سال انتظار لوگ کرتے ہیں اور امسال بھی شدید انتظار رہے گا۔ مولوی سردار احمد صاحب کی بھی یہی خوشی ہے اور وہ سلام عرض کرتے ہیں۔

انشاء المولیٰ تعالیٰ ہم سہ روز جلسہ میں ضرور شرکت فرمائیں گے۔ فقط والسلام

راقم الحروف ساجد علی خاں بھی سلام عرض کرتا ہے اور دعا کرتا ہے حضور بالخیر جلسہ میں ضرور شرکت فرمائیں۔

آمین فقیر مصطفیٰ رضا

یہ خط اگرچہ نجی سطح کا ہے لیکن اس سے اس تعلق کا پتہ چلتا ہے جسے ''اپنائیت کہا جاتا ہے''صدرالشریعہ کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کا تعلق اتنا قریبی اور گہرا تھا کہ صدرالشریعہ کا سفر آخرت بھی بمبئی تک انہی کی معیت میں ہوا۔ حضرت صدرالشریعہ کی حیثیت مفتی اعظم کے مدرسہ مظہر اسلام کے سرپرست کی سی تھی۔

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کا گرامی نامہ:

حضرت محترم، دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جمہوریت اسلام کا دستور بڑی کد وکاوش اور غور وفکر کے بعد مرتب ہوگیا۔ جو حاضر خدمت ہے اس کے مطالعہ سے حضرت پر روشن ہوگا کہ اس کے تعمیری پروگرام میں خلافت راشدہ کی روح کام کر رہی ہے۔ اور سارا ماخذ اسلامی قوانین ہیں اس میں شبہہ نہیں کہ حضرت ناظم اعلیٰ (صدر الافاضل) دامت برکاتہم کی شدید ناسازی طبع نے کچھ تاخیر پیدا کردی۔ لیکن جس امر مہم کو انجام دیا گیا ہے اس کی اہمیت پر نظر فرما کر آپ خود فیصلہ کریں گے کہ مرض شدید بھی درحقیقت سبب تاخیر نہ ہوسکا اب آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں اور اگر کسی اضافہ یا ترمیم کی رہنمائی کرنی ہو تو اس کو قلم بند فرما دیں اور اپنی مہر تصدیق ثبت فرما کر مسودہ کو مرکزی دفتر میں واپس کردیں۔ جس کے لیے پندرہ دن کافی سے زیادہ ہیں۔ تاکہ جلد ملک میں دستور کو

نافذ کر دیا جائے۔

والسلام

آپ کا مخلص

فقیر ابوالحامد سید محمد اشرفی جیلانی

اس خط کے ذریعہ تین باتوں پر خاص طور سے روشنی پڑتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تاریخ میں ہم پر ایک ایسا عہد ضرور گزرا ہے جبکہ جماعت کے سارے اکابر ایک پرچم کے نیچے جمع ہو گئے تھے اور اسے سنی کانفرنس کا پرچم کہا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کچھوچھہ مقدسہ بھی جماعتی تنظیم کے دھارے سے اس وقت الگ نہیں تھا اور اس کی نمائندگی حضور محدث اعظم ہند فرما رہے تھے۔ لیکن محدث اعظم ہند کے وصال شریف کے بعد سے آج تک ان کے جانشین حضرات نے جماعتی زندگی کے دھارے سے منسلک ہونے کا کوئی موقع حاصل نہیں کیا اور ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد میں اکیلے اذان دیتے رہے۔

اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ محدث اعظم ہند کی نظر میں حضرت صدر الشریعہ کی رائے کی اتنی اہمیت تھی اور ان کی صوابدید پر انھیں اتنا اعتماد تھا کہ دستور مکمل ہو جانے کے باوجود صدر الشریعہ کے لیے دستور میں ترمیم و اضافہ کا حق محفوظ رکھا۔

مجمع البحرین حضرت علامہ سید سلیمان اشرف صاحب صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا گرامی نامہ:

یہ خط اس وقت کا ہے جب صدر الشریعہ دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں صدر المدرسین کی مسند پر جلوہ افروز تھے۔ سید صاحب نے اپنے اس خط میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی کی طرف یہ پیش کش حضرت صدر الشریعہ کے سامنے رکھی ہے کہ وہ کرنال تشریف لے جائیں اور وہاں وقف اسٹیٹ کے تحت جو تعلیمی ادارہ چل رہا ہے اس میں افتا اور تدریس کا کام کریں۔

حضرت کو کرنال لے جانے کے لیے مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کو کتنا اصرار تھا۔ اور حضرت مولانا سید سلیمان اشرف کا کس کس طرح حضرت کو وہاں کے لیے ہموار کر رہے تھے۔ اس کا اندازہ ان کے خط کے اس فقرے سے لگائیں:

ہاں! مولانا شیروانی نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ وہاں ہر طرح کا امن ہوگا نہ کوئی کمیٹی نہ ارکان نہ مہتمم۔ (قلمی خط)

خط کا یہ حصہ بعجلت سفر کرنے پر زور دیتا ہے۔ سید صاحب خط کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

متعلقین کو مکان پہنچا کر علی گڈھ تشریف لائیں یا ان کو وہاں چھوڑ کر اجمیر ہی سے آجائیں۔ میں آپ کے ہم رکاب حبیب گنج جاؤں گا۔

اہل علم کے لیے خط کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔

میری نیاز مندانہ گزارش ہے کہ آنجناب درس کے سلسلہ کو جاری رکھیں۔ اس وقت سنی حنفی کوئی مدرس ایسا نہیں ہے جو معقول و منقول صحیح استعداد کے ساتھ پڑھا سکتا ہو۔

میرے علم میں مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ گرامی علیہ الرحمہ (حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب) کے صرف آپ ہی یادگار ہیں۔

میرا اپنا قیاس ہے کہ حضرت مولانا شیروانی کی یہ درخواست صدرالشریعہ نے منظور نہیں فرمائی ورنہ ان کی سرگزشت حیات میں کرنال جانے کا ذکر ضرور کہیں ملتا۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ مولانا شیروانی حضرت صدرالشریعہ کی علمی قابلیت اور ان کی عظیم تدریسی مہارت سے اس حد تک متاثر تھے کہ صدرالشریعہ کے لیے ریاست دادوں کے دارالعلوم سعیدیہ تشریف لے جانے کا وہی تعلق سبب بنا۔

نوٹ:۔ افسوس کہ اس خط میں کوئی تاریخ نہیں پڑی ہے۔ صرف حررہ بقلمہٖ کے بعد دستخط کی جگہ فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ لکھا ہوا ہے۔

مجمع البحار مبلغ اعظم حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کا نامہ گرامی:

یہ خط تعلیم وتدریس کے سلسلے میں حضرت صدرالشریعہ کی مرجعیت اور اہلسنت کے عربی مدارس میں ان کے اثر و رسوخ پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے۔ حضرت مبلغ معمولی شخصیت کے آدمی نہیں تھے، بین الاقوامی زبانوں پر مکمل عبور کے نتیجے میں ان کی شخصیت آفاقی بن گئی تھی۔ دنیا کے وسیع خطے میں بڑے بڑے علمی مراکز ان کے زیر اثر تھے۔ عرب ملکوں کی علمی اور دینی شخصیتوں سے ان کے بہت گہرے روابط تھے اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے وہ عالم اسلام کے کسی بھی علمی مرکز کو منتخب کر سکتے تھے۔

لیکن اس مقصد کے لیے انھوں نے خصوصیت کے ساتھ صرف حضرت صدرالشریعہ کی طرف رجوع کیا۔ اس خط سے باہمی مودت واخلاص کا بھی پتہ چلتا ہے اور تعلیم کے مسئلے میں حضرت صدرالشریعہ کی صوابدید پر حسن اعتماد کا بھی اور اس کا بھی سراغ لگتا ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے ہمارے مدارس کی تعداد کتنی محدود تھی۔

حضرت مبلغ اعظم اسلام کے خط کا متن یہ ہے:

محمد عبدالعلیم الصدیقی القادری محلہ مشائخان میرٹھ

۱۶؍فروری ۱۹۴۴ء مطابق صفر المظفر ۱۳۶۳ھ

اکرم الاخوان واصدق خلان مولانا المحترم دامت برکاتہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج وہاج بعافیت ہوں گے دھوراجی سے رخصت ہو کر متمنی تھا کہ والا نامہ شرف صدور بخشے مگر ہنوز محروم رہا۔ آنجناب اب گھوسی پہنچ چکے ہوں گے۔ میں سفر کاٹھیاواڑ سے واپس ہو کر صرف ۲۰/۲۲ دن میرٹھ ٹھہرا پھر بمبئی آیا اور اب دکن میں دورہ کر رہا ہوں ۲۴؍فروری تک یہاں قیام ہے۔ من بعد محبوب نگر پھر حالات نے اگر اجازت دی تو مدارس ورنہ براہ ناگپور میرٹھ واپسی۔

نصاب تعلیم کا جو مسودہ حاضر خدمت کیا غالباً آنجناب نے اسے مکمل فرما دیا ہوگا اگر نہ کیا ہو تو اب وقت نکال کر تکمیل فرما دیں کہ اب اس کی ضرورت ہے۔

محبوب وشبیر سلمہما کے متعلق حضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ سوچ کر رائے قائم فرمائیں گے محبوب سلمہ نے بریلی میں انتظام کر لیا اور مولانا سردار احمد صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ یہ خبر نہیں کہ ٹھہرنے اور کھانے کا اس نے کیا انتظام کیا ہے دریافت کر رہا

ہوں۔شبیر کے متعلق ہنوز کوئی خاص خبر نہیں ملی۔

محبوب کے خط سے پتہ چلا کہ ابھی دادوں میں ہے میں فرزندان حضرت قبلہ مولانا احمد مختار (رحمۃ اللہ علیہ) سلمہما کی تعلیم کے باب میں سخت متردد ہوں۔موجب پریشانی یہ ہے کہ وہ گنج مراد آباد میں رہتے ہیں۔اب تک کوئی ایسے مدرس دستیاب نہ ہوسکے جو اخلاص و محبت کے ساتھ پوری توجہ سے انھیں ان کے مکان پر رہ کر پڑھائے۔پندرہ بیس روپے اور کھانا دیا جاتا رہا مگر کام نہ ہوسکا۔اولاً حضرت مدرس کی بے توجہی۔ثانیاً لڑکوں کی بدشوقی ،ثالثاً گنج مراد آباد کا ماحول۔

وہ خود مراد آباد جامعہ نعیمیہ میں آئے سال گزشتہ چند ماہ اور امسال دو ماہ وہاں ٹھہرے مگر وہاں کی تعلیم اور بعض منتظمین کے طرز عمل سے نالاں اور مدرسین ان کی بدشوقی سے پریشان رہے آخر وہ گنج مراد آباد واپس آگئے۔

اب جناب سے مشورہ کرتا ہوں اس لیے کہ یہ ایک بڑی ذمہ داری میرے کمزور کاندھوں پر ہے۔میں جانتا ہوں کہ آنجناب کو بھی ان بچوں کے ساتھ بھائی صاحب قبلہ اور میرے تعلقات کی بنیاد پر خاصی ہمدردی ہے۔

کیا مذکورہ مشاہرہ کی شکل میں کوئی ایسے مستعد مدرس مل سکتے ہیں۔جو گنج مراد آباد کے ماحول میں رہتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ بچوں کو قابو میں رکھ کر تعلیم دے سکیں۔

کیا بیرونی مقامات پر کوئی مدرسہ آپ ایسا تجویز فرما سکتے ہیں جہاں ان کے اکل و شرب و نگرانی اخلاق کا معقول انتظام ہوسکے۔پندرہ بیس یا تیس ان کے کھانے کے لیے مہیا کیا جاسکتا ہے۔

کیا آنجناب ایسی کوئی صورت مہیا فرما سکتے ہیں۔کہ وہ آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوں اور وہاں کسی کنبہ کے ساتھ ان کے کھانے پینے کا انتظام کردیا جائے۔اور کھانے کی قیمت اس کنبہ والوں کو دیدی جائے جو بہ اطمینان انھیں دو وقت کھانا پہنچا دیں۔اور آنجناب نیز فرزند ارشد حضرت عبدالمصطفیٰ سلمہ اسے اپنی خدمت کے اوقات میں انھیں اسباق دے دیا کریں اور اپنے بچوں کی طرح ان کی نگرانی رکھیں۔

اور اسباق اگرچہ برائے نام اس وقت غالباً مختصر المعانی، ہدیہ سعیدیہ، قطبی وغیرہ ہیں۔

مگر ان کی حالت کا موازنہ کرکے صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے۔کہ کیا ہونے چاہیں۔

جواب کا جلد متمنی ہوں اس لیے کہ ان کا وقت ضائع ہورہا ہے۔پتہ حاضر کرتا ہوں جس پتہ پر موقعہ فرمائیں۔جواب سے شاد فرمائیں۔

(۱) ۲۳رفروری ۴۴ء تک معرفت کاظم سررشتہ نظامت صنعت و حرفت حیدر آباد دکن۔

(۲) ۳رمارچ تک معرفت سید قمرالدین محبوب نگر ورنہ مستقل پتہ میرٹھ کا ہمیشہ کے لیے ہے۔اعز محترم مولانا عبدالمصطفیٰ سلمہ کی خدمت میں سلام مسنون۔

خادم فقیر عبدالعلیم صدیقی القادری

یہ معلوم کر کے آپ کو خوشی ہوگی کہ حضرت صدر الشریعہ نے اپنی خصوصی توجہ اور پوری دردمندی کے ساتھ حضرت مبلغ اعظم کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا نہایت معقول انتظام کر دیا۔

لیکن اس گرامی نامہ کے پس منظر میں دراصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ بھرے ہندوستان میں اپنے بچوں کی تعلیم کے مسئلے میں حضرت مبلغ اعظم کو صدر الشریعہ کی صوابدید اور ان کے جذبۂ اخلاص ومودت پر کتنا اعتماد تھا؟ اور کس یقین کے ساتھ انھیں یہ احساس تھا کہ اس مشکل کا حل صدر الشریعہ ہی کے پاس ہے۔

حضرات! اس موقعہ پر تاریخ کے حوالہ سے ایک خاص نکتے کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ بریلی سے لے کر اجمیر مقدس، دادوں، اور بنارس تک حضرت صدر الشریعہ کی تدریسی زندگی کا اگر آپ جائزہ لیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ درسیات میں مہارت رکھنے والے اساتذہ کی تیاری حضرت کی زندگی کا خاص نصب العین تھا۔ اور اس حقیقت کا انھیں پوری طرح ادراک تھا کہ علم کا مرکز افراد ہیں۔ سنگ وخشت کی عمارتیں نہیں۔

اور زمانہ گواہ ہے کہ ہندوپاک کے سنی مدارس کے اندر جہاں جہاں بھی نئی نسلوں میں علم کا نور منتقل ہو رہا ہے، اس میں امجدی نسل کے علما کا زبردست حصہ ہے۔

دبستان امجدی کے علمی شجرے میں دو شخصیتوں کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جن سے اساتذہ اور علما کی نسل چلی اور آج تک چل رہی ہے۔

ہندوستان میں استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اور پاکستان میں شیخ الاساتذہ بقیۃ السلف حضرت علامہ محمد سردار احمد صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان۔ دونوں ملکوں میں یہی دو عظیم منبع ہیں جن سے چھوٹی بڑی بہت ساری نہریں نکل کر مختلف بلاد وامصار سے ہوتی ہوئی ہر آن بحر وبر کی سرحدوں کو عبور کر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ ایشیا و یورپ، افریقہ اور امریکہ کے سنی مراکز ومدارس میں علم کا کوئی روشن چراغ آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کی لو کسی شمع امجدی سے منور نہ ہوئی ہو۔

ملک وبیرون ملک کے وسیع خطوں پر امجدی نسل کے علما کس طرح اثر انداز ہوئے اور انھوں نے ملک کے ملک اپنی علمی صلاحیتوں سے کس طرح فتح کئے ایک ایسی تاریخ ہے جو نصف صدی کے مختلف ادوار پر پھیلی ہوئی ہے اس کا تفصیلی جائزہ لینا کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں۔ البتہ مختلف ملکوں میں رہنے والے امجدی نسل کے علما اگر سر جوڑ کر بیٹھیں اور الگ الگ اپنی یادداشتوں کو جمع کریں تو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ سمندر کی لہروں کی طرح چشمۂ امجدی کا علمی فیضان ہر آن پورے تسلسل کے ساتھ نئی نسلوں میں منتقل ہو رہا ہے۔

صرف مبارکپور کے ذریعہ امجدی نسل کے علما کا شجرۂ نسب شاخ در شاخ اتنا پھیل گیا ہے کہ آج کئی براعظموں پر اس کا سایہ پڑ رہا ہے۔ دبستان عزیزی کی ہر درسگاہ سے برستے ہوئے بادلوں کا فیضان نالوں تک، نالے نہروں تک اور نہریں دریاؤں تک اور دریاؤں کی اٹھتی ہوئی موجیں ہر چہار سمت سے حافظ ملت کے مرقد انور کا ہر آن بوسہ لے رہی ہیں۔

حضرات! خانوادۂ امجدی کے علمی فیضان کی جو تفصیلات میں نے پچھلے صفحات میں سپرد قلم کی ہیں۔ ان کا تعلق حضرت

صدر الشریعہ کی معنوی نسل سے ہے۔ اب آیئے تھوڑی دیر کے لیے ہم ان کی صلبی نسل کا بھی جائزہ لیں۔

اپنے ہم عصروں میں یہ امتیازی خصوصیت صرف حضرت صدر الشریعہ کو حاصل ہے کہ ان کی اولاد ذی استعداد اساتذہ اور خدا ترس علما پر مشتمل ہے۔ جیسے حضرت مولانا حکیم شمس الہدیٰ علیہ الرحمہ حضرت مولانا محمد یحییٰ علیہ الرحمہ، حضرت علامہ عبد المصطفیٰ الازہری علیہ الرحمہ، حضرت مولانا عطاء المصطفیٰ علیہ الرحمہ، حضرت مولانا حافظ وقاری رضاء المصطفیٰ، حضرت علامہ محدث کبیر ضیاء المصطفیٰ، حضرت ثناء المصطفیٰ، حضرت مولانا بہاء المصطفیٰ اور حضرت مولانا فداء المصطفیٰ۔ یہ سارے فرزندان صدر الشریعہ صرف علما ہی نہیں بلکہ علما گر بھی ہیں۔ خدمت دین کے علاوہ کوئی دوسری مصروفیت اس خانوادے کو آج تک راس نہیں آئی۔ کسی نے ذریعہ معاش کی کوئی دوسری لائن اختیار کرنے کی کوشش بھی کی تو قدرتی طور پر انھیں اتنی ناکامیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کہ مجبوراً انھیں اسی ڈگر کی طرف لوٹنا پڑا کہ جسے حضرت صدر الشریعہ نے اختیار کیا تھا۔

اس خانوادے کی یہ بھی ایک حیرت انگیز روایت ہے کہ علما کے زمرے میں صرف اولاد ذکور ہی نہیں بلکہ اولادِ اناث بھی ہیں، اور تسلسل کے ساتھ یہ سلسلہ نسل در نسل آگے بڑھ رہا ہے، آج کے دور انحطاط میں درسیات پر عبور رکھنے والے قابل صف رجال بھی مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں لیکن حضرت محدث کبیر کی قائم کردہ لڑکیوں کی رہائشی درسگاہ کلیۃ البنات الامجدیہ گھوسی میں درس نظامیہ کے نصاب کی تکمیل کرانے والی اکثر عالمات اساتذہ اسی خانوادہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس خانوادے پر فضل خداوندی کا یہ رخ بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ صرف اولاد ہی نہیں بلکہ پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں جلیل القدر علما اور عالمات پر مشتمل ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت صدر الشریعہ کے بھائیوں کی اولاد بھی اسی اعزاز واکرام کی حامل ہیں۔ مثال کے طور پر شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمۃ اور مرجع اساتذہ حضرت علامہ غلام یزدانی صاحب علیہ الرحمہ اور شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی جو بقید حیات ہیں، اسی خانوادے کے گلہائے سرسبد ہیں۔

حضرات! بلاشبہ خاندان امجدی کی اس عظیم اور منفرد خصوصیت کو حسن اتفاق پر ہرگز محمول نہیں کیا جاسکتا، پشت در پشت اور نسل در نسل علما اور عالمات کی پیداوار کا یہ نہ ٹوٹنے والا تسلسل ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ یقیناً اس کے پیچھے موہبت الٰہی اور عنایت رسالت پناہی کا کوئی انعام واکرام ضرور کارفرما ہے جو امام احمد رضا کے تعلق سے صدر الشریعہ کی عظیم دینی اور علمی خدمات کے صلے میں ان کی نسل کو عطا ہوا ہے۔

خدائے قدیر اس چمن کو علم اور دین کی خوشبو سے معطر اور شاداب رکھے۔

ارشد القادری

۹/مارچ ۱۹۹۷ء جشن زریں حضرت صدر الشریعہ

جامعہ امجدیہ گھوسی، ضلع مئو

☆☆☆

صدر الشریعہ

یادوں کے چراغ

مفتی مظفر احمد صدیقی بدایونی

مہتمم جامعہ مظفریہ برکات العلوم داتا گنج بدایوں شریف، یوپی

آج قلم کا دماغ روشن ہے کہ میں ایک ایسی عظیم المرتبت شخصیت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جسے دنیائے اسلام ''صدر الشریعہ'' فقیہ اعظم ہند، محدث زمانہ، بحر العلوم، چشم و چراغ بریلی، فلسفی اسلام، غزالی دوراں جیسے مبارک لقب سے یاد کرتی ہے۔ جیسے جس کے پیر و مرشد مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فرمایا کہ:

میرا امجد مجد کا پکا

اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

جن کی عظمت کا احساس نہ صرف یہ کہ مسلمان ہی کے دلوں میں بلکہ ہندوستان کے دیگر افراد نے بھی آپ کی حلقہ بگوشی قبول کر کے اپنے اس احساسِ تفاخر کو جلا دی۔ میری مراد اس سے قدوۃ الواصلین، جامع علوم وفنون حضرت علامہ عارف باللہ فقیہ النفس مولانا مفتی حکیم ابو العلی امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ ہیں۔ یہی وہ ذات گرامی ہے، جس نے دنیا کی آلودگی سے اپنا دامن بچا کر اپنی ذات کو رضائے الٰہی کے حصول میں ہمہ تن لگا رکھا۔ ان کی روح خدا و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی یاد کے نغموں سے ہر وقت سرشار رہتی ہے۔

ترا خیال ہے ترا دھیان ہے تو ہے

مجھے یہ فرصت کاوش کہاں کہ کیا ہوں میں

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ان تمام خوبیوں کے حامل تھے اور اب بھی ان کی روحانی کرامتیں ہند و پاک کے اکثر و بیشتر حصوں میں نرالی شان و شوکت کے ساتھ کارفرما ہیں۔ کہیں علم و معرفت کا خزانہ تقسیم ہو رہا ہے، کہیں علم و ادب کا دریا بہہ رہا ہے، کہیں طریقت و معرفت کا باغ لہلہا رہا ہے، کہیں رشد و ہدایت کا سرچشمہ جاری ہے۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی مخصوص کرامت:

سید العلما، بدر الفضلا، سلطان العارفین، علامہ مفتی سید شاہ آل مصطفیٰ صاحب مارہروی قدس سرہ اور محدث اوحد شہید وقت سیدی و حافظ و قاری مفتی جید مولانا محمد عبد العزیز قدس سرہ مبارک پوری، حضرت مفتی اعظم کانپور، علامہ رفاقت حسین صاحب بہاری ومجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسوی و حضرت صدر العلما علامہ مفتی سید غلام جیلانی میرٹھی (بدایونی) وغیرہم ہیں۔

آپ کا علم وقوت حافظہ:

حضرت صدر الشریعہ سے مسند علم کو زینت تھی اور آپ اس دور کے علما کے سرکردہ اور رئیس المحدثین استاذ المدرسین تھے۔ آپ کے درسِ حدیث میں ایک خاص نورانیت تھی، جس سے قلوب کو سکون اور روح کو راحت اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب

آتی تھی۔ آپ کے سینہ میں علم کی وہ روحانیت اور جاذبیت تھی کہ مختلف مقامات سے علما وطلبہ کشاں کشاں آپ کے درس میں پہنچ کر سیراب ہوتے تھے۔ اور آپ جملہ علوم وفنون کے ماہر تھے۔ آپ کا سینہ علوم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ آپ بے مثل فقیہ تھے، جس کی زندہ مثال بہار شریعت سترہ جلد اور فتاویٰ امجدیہ ہے۔ مسائل حنفیہ پر آپ کو کامل وتام دسترس تھی، بلکہ مذاہب اربعہ کے جزئیاتِ فقہیہ اور روایاتِ مختلفہ حافظہ یں مستحضر تھیں، جب کبھی بھی اختلافی مسائل کا ذکر چھڑا، شافعیہ و مالکیہ وحنبلیہ کے اقوالِ مختلفہ پیش فرماتے تھے۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا حافظہ خدا کی دین تھا، جس وقت جس فن کے جس مسئلہ کی ضرورت بروقت ہوتی اسی کو پیش فرماتے۔

علم کا زیور:

علم کا زیور عمل صالح، خوفِ الٰہی، حسن سیرت، کردار کی بلندی اور نفس کی پاکیزگی ہے۔ حضرت صدرالشریعہ کی ذات ستودہ صفات بے شمار خوبیوں کی مالک تھی۔ آپ نہایت خلیق اور نرم مزاج تھے، تہجد گزار اور ذاکر خدا تھے، زاہد اور زندہ دل تھے۔

فیض العارفین حضرت والد ماجد مولانا صوفی شاہ منور حسین داتا گنجوی قدس سرہ (متوفی: ۱۳۹۵ھ ۹۱ رسال کی عمر میں) کا کہنا ہے کہ:

"میرا عینی مشاہدہ ہے کہ جب ریاست دادوں ضلع علی گڑھ کے دارالعلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حاضر ہوا تو اختتام جلسہ پر آپ کے ارشاد سے میں اپنی جگہ اپنی چارپائی پر لیٹ گیا (صدرالشریعہ مجھ پر بڑے مہربان تھے، میری بڑی قدر فرماتے تھے) اور آپ اپنی چارپائی پر محو استراحت ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد جو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آپ نماز تہجد میں مشغول ہیں، نماز تہجد سے فراغت پاکر آپ نماز فجر کے لیے مسجد روانہ ہوگئے، آپ نے نماز فجر پڑھائی، میں نے بھی آپ کی اقتدا میں نماز فجر ادا کی تو ایسا لطف آیا اور ایسی روحانیت نصیب ہوئی جس کی حلاوت اب بھی پاتا ہوں"۔

کاشانۂ رضویہ پر حاضری:

حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ حضرت محدث سورتی علامہ مفتی وصی احمد صاحب علیہ الرحمہ کے تلمیذ ارشد تھے۔ علومِ ظاہر وفنونِ حکمیہ میں علمبردار حریت حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی علیہ الرحمہ آپ کے دادا استاذ ہیں۔

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کا اتفاقاً بریلی شریف آنا ہوا تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے لیے ایک مدرس کی سخت ضرورت تھی، تذکرہ ہوا تو حضرت محدث سورتی قدس سرہ نے حضرت صدرالشریعہ کا نام نامی اسم گرامی پیش فرمایا۔ اعلیٰ حضرت دس سرہ نے بہت پسند فرمایا۔ صدرالشریعہ ان دنوں اپنے گھر پر مطب کرتے تھے، اپنے استاذِ محترم محدث سورتی قدس سرہ کے ارشاد کے تحت گھر سے مطب چھوڑ کر بریلی شریف کاشانۂ رضویہ تشریف لے آئے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت ہوگئے اور بعد میں اعلیٰ حضرت نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا، آپ سے بمبئی وغیرہ کے میمن تاجر بے شمار بیعت تھے۔

ابتداءً بریلی شریف درس وتدریس کی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آپ کو مطبع اہل سنت پریس کا ناظم ومہتمم فرمادیا تھا۔ آپ مدرسہ وپریس کا کام بحسن وخوبی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیاتِ مبارکہ تک انجام دیتے رہے اور اس وقت چھوڑا جب کہ غالباً ۱۹۲۴ء میں

دارالخیر اجمیر شریف کے دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کی صدر مدرسی کے لیے روانہ ہوگئے۔

ایک عظیم الشان کارنامہ:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ قرآن پاک کنزالایمان بھی حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی مسلسل کوششوں کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ خیال تو فرماتے تھے، مگر کثرتِ مشاغل وعدیم الفرصتی کی وجہ سے تاخیر ہوجاتی تھی۔ ایک روز صدرالشریعہ نے عرض کیا: حضور! دوات وقلم اور کاغذ حاضر ہے ترجمہ قرآن شریف فرمادیجیے، بس اسی وقت ترجمہ شروع کردیا گیا۔ ترجمہ کا ابتداءً یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک آیت کا ترجمہ ہوتا، پھر سب لوگ تفاسیر سے اس کی مطابقت تلاش کرتے اور حیران رہ جاتے کہ بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے آپ برجستہ ترجمہ جو عام تفاسیر کے مطابق ہے کہ کس طرح ہوتا ہے۔ بعد میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ایسے دیر لگتی ہے، میں پورے رکوع کا ترجمہ کرتا ہوں، پھر تفاسیر سے آپ لوگ مطابقت تلاش کرتے رہیں۔ تفاسیر میں مطابقت میں بہت زیادہ وقت لگتا، لہٰذا صدرالشریعہ علیہ الرحمہ بھی رات کے ایک بجے سے پیشتر مکان پر واپس نہ آتے۔ غرض صدرالشریعہ کی بہت بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ قرآن مجید کا یہ ترجمہ مکمل ہوگیا اور اعلیٰ حضرت کو پیش کردیا گیا۔ اس کے بعد فخرالاماثل صدرالافاضل حضرت علامہ مولانا مفتی نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ نے اس پر تفسیر چڑھائی اور سب سے پہلے مطبع نعیمی مرادآباد سے شائع ہوکر منظر عام پر آیا۔ یہ ترجمہ پہلی بار مع قرآن مجید تفسیر کے مطبع اہل سنت بریلی شریف میں خود حضرت صدرالشریعہ کے اہتمام سے چھپا تھا، اس کے بعد سلسلۂ طباعت وسیع تر وسیع ہوتا گیا، اب تو قریب قریب ہر شہر وقصبہ میں ملتا ہے۔

آپ کی تصانیف:

قبلہ صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی عظیم الشان یادگار، مایہ ناز تصنیف بہارشریعت ہے، جو سترہ حصوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے پہلے حصہ دوئم تصنیف فرمایا تھا اور حصہ اول جو کہ عقائد اہل سنت وجماعت پر مشتمل ہے، غالباً ۱۳۳۴ھ میں تصنیف کیا۔ آپ کی دوسری تصنیف ''فتاویٰ امجدیہ'' ہے، جو کہ تین جلدوں میں ہزار صفحات پر پھیلی ہے۔ تیسری تصنیف حدیث پاک کی مشہور کتاب شرح معانی الآثار امام ابوجعفر طحاوی حنفی، متوفی: ۳۲۱ھ کا حاشیہ ہے، یہ کام آپ نے تقریباً سات ماہ کیا، جو جلد اول نصف تک ہوسکا۔

انتقال پُرملال:

جب سیدی صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان ۲۰/شوال المکرم ۱۳۶۷ھ کو دوسری مرتبہ حج وزیارت کے لیے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دیارِ مقدس کو روانہ ہوئے تو ایک تاریخی عظیم الشان جلوس کی شکل میں اسٹیشن سے سوار کیے گئے۔ ۳/ستمبر بروز جمعہ مبارکہ بمبئی تشریف فرما ہوئے، کچھ تکلیف محسوس فرمائی، ڈاکٹر کو بلایا گیا، ڈاکٹر نے دیکھ کر بتایا کہ نمونیہ کا عارضہ ہے۔ ۶/ستمبر ۱۹۴۸ء کو نمازِ عشا کے بعد ہاتھ پاؤں سرد ہونے لگے، احباب نے تلاوتِ قرآن شروع کردی، آپ نے نیت باندھنے کے لیے دونوں ہاتھ بلند فرمائے تو ایک ہاتھ اٹھایا، نیت کے بعد آپ نے کچھ شروع کردیا تو ایک ہچکی آئی اور اسی وقت کشورِ عشق وعرفاں کا تھکا ماندہ مسافر اپنی منزلِ عیش پر پہنچ گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

☆☆☆

صدر الشریعہ

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی
بانی دار العلوم مخدومیہ بہار شریف

(۱) حکمائے اسلام اور دینی دانشوروں نے انسانی وجود کو نقش بر آب سے تشبیہ دی ہے، جس کی توجیہات مختلف ہیں اور لاریب، ہر معنی میں یہ تمثیل درست ہے۔ اگر آبی نقوش مٹتے جاتے ہیں تو انسانی وجود بھی فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ نقش آبی میں وہ بلبلے بھی ہیں جو سمندر کی سطح پر اُبھر کر ایک اَنمٹ حقیقت کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں، لیکن دفعتاً جب وہ سمندر کی لہروں میں گم ہو جاتے ہیں تو ان کے وجود کا کوئی سراغ نہیں ملتا، بالکل اسی طرح انسان جب عنفوانِ شباب میں قدم جما کر اپنے جوہر آشکار کرتا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے اسے اس کا نفس اس فریب میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اس کی ذات مستحکم اور پائیدار ہے، لیکن بہت جلد اسے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ امتدادِ زمانہ نے اسے بحالہ باقی نہیں رہنے دیا ہے اور اب اس کی زندگی کی تار ٹوٹنے ہی والا ہے۔ اس کے بعد کا حال حضرت مخدوم سعدی سے سنیے!

آں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک
خاکش چناں بخورد کہ زفر اُستخواں نماند

موت برحق ہے، جو ہر جاندار کو دامن گیر ہوگی۔ لیکن کچھ بد اندیش لوگ دنیا کو سب کچھ سمجھ کر عقبیٰ سے غافل رہتے ہیں، موت جب ان کو جا دبوچتی ہے تو وہ حرماں نصیب دنیا کی موت بھی مرجاتے ہیں اور آخرت کی موت بھی، یعنی ہمیشگی کا غم ان کے گلے کا ہار ہو جاتا ہے کہ دنیا کا پایا ہوا سب کچھ کھو گیا اور آخرت میں بھی کچھ نہ پایا۔ کتنا سچ کہا ہے حضرت شیخ سعدی نے۔

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند
کز ہستیش بروائے زمیں یک نشاں نماند

(۲) کچھ ہستیاں "خوردن برائے زندگی" کا تصور سامنے رکھ کر جیتی ہیں۔ بالآخر ایک نہ ایک دن "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کے بموجب موت ان کا پیچھا کرتی ہے اور وہ اجل کی گود میں سو جاتے ہیں۔ مگر واللہ! وہ اپنے پیچھے پیکر محسوس کی طرح تابناک زندگی چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کا پاکیزہ کردار زندہ رہتا ہے، ان کے علمی کارنامے بولتے رہتے ہیں، ان کی زاہدانہ زندگی زندہ رہتی ہے اور ماضی کی خدمات ان کے مستقبل کو ہمیشہ روشن رکھتی ہیں۔ گویا موت، حیاتِ جسمی کے لیے مہلک تو ضرور ہے پر حیاتِ علمی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

حضرت صدر الشریعہ کا شمار ان ہی عظیم شخصیتوں میں ہے، جن کی تابندہ زندگی کا عکس دنیا باقی رکھتی ہے، اگر زمانہ بھلانا بھی چاہے تو کبھی نہیں بھلا سکتا۔

صدر الشریعہ کے جسد عنصری کو ابر خاکی نے چھپالیا، لیکن ان کے علم بے کراں کو ہمالہ جیسے پہاڑ بھی نہ چھپا سکے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت صدر الشریعہ علومِ دینی کی خدمات سے زندہ ہیں تو مجھے کون جھٹلائے گا۔ بے شک وہ حضور حافظ ملت اور ان کے کارناموں کی شکل میں زندہ ہیں۔ وہ صدر العلما اور ان کے علمی تبحر کی شکل زندہ ہیں۔ وہ محدثِ پاکستان اور ان کی مقبولیت عامہ کی شکل میں زندہ ہیں۔ وہ مجاہد ملت اور ان کے زہد و ورع کی شکل میں زندہ ہیں۔ وہ شمس العلما اور مفتی کانپور اور ان دونوں کی دینی تفقہ کی شکل میں زندہ ہیں۔ اور مجھے کہنے دیجیے کہ وہ اپنے اور بے گانے، ملک اور بیرونِ ملک میں ''بہار شریعت'' کی شکل میں زندہ ہیں۔

بہار شریعت کا ذکر آگیا ہے تو بجا طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کا ہر دار الافتا چاہے جس مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو، اس کو بہار شریعت کی احتیاج بہر حال ہے۔ اشاعت الاسلام چوڑی والان دہلی نے ۱۹۷۷ء کو اسلامی ڈائری میں بہار شریعت کا جو تعارف پیش کیا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ذیل میں اس کا یہ مبنی بر حقیقت بیان پڑھیے۔

بہار شریعت: مصنفہ صدر الشریعہ حضرت علامہ الحاج امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرحمہ، یہ کتاب علومِ شریعت کا ایک عظیم سمندر ہے، جس سے عوام و خواص سب ہی سیراب ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے اس سے استدلال فرمایا ہے۔

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور بہار شریعت اس نظام کی ترجمان ہے۔ اس میں پیدائش سے وفات تک روز مرہ کی زندگی میں پیش آنے والے تمام ہی مسائل نہایت آسان زبان میں پیش کیے گئے ہیں۔

اسلامی دنیا میں آج تک ایسی مفید، کارآمد اور نصیحت آموز کتاب شائع نہیں ہوئی۔

علمائے کرام کا خیال ہے کہ اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں رہنا ضروری ہے۔

(۳) نہر جاری اگر یک بارگی تھم جائے تو یقیناً بہت ساری کھیتیاں سیراب ہونے سے رہ جائیں گی، لیکن وہ کھیتیاں جو سیراب ہو چکی ہیں، ان کی تازگی چھینی نہیں جا سکتی۔ بالکل یہی حاصل فیض رساں شخصیتوں کا بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت عمل کے دروازے بند کر دیتی ہے، لیکن فیض علم (نافع) جاری رہتا ہے۔

مگر دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ نقصان امت کے اعتبار سے عالم کا پردہ فرمایا جانا وقت کا سب سے بڑا حادثہ ہے، جیسا کہ فرمانِ گرامی ہے "موت العالِم موت العالَم" عالِم پر موت طاری ہو کر عالَم پر موت طاری کر دیتی ہے۔ مراد یہاں امت مسلمہ کے عظیم نقصانات ہیں۔

متاخرین علما میں حضور صدر الشریعہ کی وہ عظیم المرتبت ہستی تھی، جس سے تقریباً پورا ایشیا مستفیض ہو رہا تھا اور جس کی علمی شخصیت اپنوں کے ساتھ۔

(یہ مضمون ناقص دستیاب ہوا)

☆☆☆

صدر الشریعہ
احوال وکارنامہ

مفتی بہاء المصطفیٰ قادری
استاذ منظر اسلام بریلی شریف

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں

حضرت صدر الشریعہ حکیم ابوالعلی مولانا محمد امجد علی اعظمی قادری یوپی، ہندوستان کے مشہور قصبہ مدینۃ العلما گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں ۱۲۹۶ھ و ۱۸۷۹ء کے کسی مبارک ماہ میں عالم رنگ وبو میں پیدا ہوئے۔

آپ مسلکاً سنی حنفی، مشرباً قادری رضوی تھے۔ سلسلۂ نسب والد گرامی، بن مولانا حکیم جمال الدین ابن مولانا خدا بخش ابن مولانا خیر الدین۔

ابتدائی تعلیم مکمل ہونے کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ حنفیہ جونپور کا ارادہ کیا اور جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ ہدایت اللہ خان صاحب رامپوری (شاگرد رشید مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی) سے استفادہ کی غرض سے رخت سفر باندھ لیا۔ معتمد روایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت گھوسی سے جونپور کا راستہ پیدل ہی کا تھا، لوگ پیدل ہی سفر کرتے، بصورتِ دیگر بیل گاڑی کا واسطہ لے لیتے۔ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا دل چوں کہ جذباتِ شوق سے معمور تھا، علمی طلب کی آگ قلب وجگر میں شعلہ زن تھی، جس کی وجہ سے آپ نے بستر، کتاب اور دیگر سامان سر پر اٹھایا اور سخت گرمی میں پسینہ سے شرابور پیدل چل پڑے، باوجودیہ کہ گھوسی سے جونپور کی مسافت تقریباً سو میل ہے، مگر آپ "من سلک طریقا یطلب فیه علما" کا سچا مصداق بن کر بے لوث پیدل چلتے رہے، یہاں تک کہ راستہ میں امیر قافلہ آپ کو دیکھ کر بھانپ گیا کہ اس نوخیز بچے کو کسی عظیم شی کی طلب ہے۔ چنانچہ وہ برجستہ پوچھ پڑا کہ آپ کو کہاں جانا ہے؟ آپ نے بتایا جونپور، تو اس نے اتنا کرم کیا کہ آپ کا بارِ گراں اپنی بیل گاڑی پر رکھ لیا، مگر آپ پیدل ہی چلتے رہے، حتی کہ جونپور شیخ مطلوب کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔

اور باقاعدہ درس لینا شروع کر دیا۔ آپ کی ذہانت و فطانت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، بے دار مغزی، تیز خاطری سے متاثر ہو کر حضرت شیخ جونپوری علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنا معتمد قابل فخر شاگرد و نورِ نظر بنا لیا۔ مزید ارشاد بھی فرمایا:

"ایک شاگرد ملا اور وہ بھی بڑھاپے میں"۔

اس طرح سے آپ نے وہاں علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی اور علم حدیث کا شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد سورتی سے درس لیا۔

۱۳۲۰ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۲۲ھ میں حکیم عبدالولی لکھنوی سے علم طب کی سند حاصل کی، پھر گھر آ کر طبابت شروع کر دی، مگر قلبی رجحان اس طرف نہیں تھا۔ اکثر فرماتے: "یہ بھی کوئی پیشہ ہے کہ صبح ہی صبح قارورہ دیکھنا پڑے"۔ اس طبابت سے دل برداشتہ تھے ہی کہ غیب سے اس کے ترک کرنے کا ایک سبب پیدا ہو گیا۔ ایسا ہوا کہ اعظم گڑھ کے قصبہ عظمت گڑھ کے راجہ کے یہاں کسی مریضہ کو دیکھنے کے لیے راجہ نے سواری بھیج کر بلوایا، وہاں پہنچنے سے قبل ہی مریضہ کا انتقال ہو گیا، وہاں سے آپ کو پیدل گھوسی آنا پڑا، جو گھوسی سے تقریباً بیس پچیس کلومیٹر ہے، پہلے ہی دل برداشتہ تھے، اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوئے کہ طبابت کو خیر باد کر کے پیلی بھیت محدث سورتی کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے اور ۱۳۲۷ھ تک بحسن وخوبی درس وتدریس کا کام انجام دیتے رہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی کو اپنے مدرسہ کے لیے ایک قابل مدرس کی ضرورت ہوئی تو حضرت محدث سورتی نے آپ کا نام پیش کیا، آپ بریلی شریف پہنچے، دار العلوم منظر اسلام میں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کی قابلیت اور حسن انتظام کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور دار العلوم کا سارا انتظام آپ کے حوالہ کر دیا اور مطبع اہل سنت کا ناظم مقرر کر دیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی آپ کی فقہی قابلیت و بصیرت اور فتاویٰ کے سلسلہ میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ایک بار ارشاد فرمایا:

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کو کہتے ہیں، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے"۔

فرماتے ہیں: ؎

میرا امجد مجد کا پکا
اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

سلسلۂ عالیہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ تقریباً اٹھارہ سال شیخ کامل کی خدمت میں حاضر رہ کر فیوض وبرکات سے مستفید ہوئے اور کمال عروج کو پہنچے۔

صدر الشریعہ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ عطا فرمائی تھی، لیکن تفسیر حدیث اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا، فقہی جزئیات نوکِ زبان پر رہتے تھے اور فقہ کے جمیع ابواب کے جزئیات ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ مستحضر تھے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آپ کو سارے ہندوستان کا قاضی شرع مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:

"آپ کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو حاکم شرع کے فیصلے کی ہوتی ہے"۔

حدیث کی مشہور کتاب طحاوی کا حاشیہ سات ماہ کی قلیل مدت میں تحریر فرمایا، جو باریک قلم سے ۴۵۰ رصفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں ۳۵/۳۶ رسطریں ہیں۔ دوسری تصنیف "بہار شریعت" کے نام سے ہے، جو ضخیم چار

جلدوں میں ہے، جسے جا بجا طور پر فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے، اس کے کل سترہ حصے ہیں، جو آپ کی زندگی ہی میں بارہا طبع ہو کر قبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اس کتاب سے نہ صرف عوام بلکہ علما کو بھی استفادہ کیے بغیر چارہ نہیں، جس کا ہر دار العلوم و دار الافتا میں رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے، جس کا دوسرا نام خود آپ نے ''عالم بنانے والی کتاب'' رکھا ہے۔ بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حرف بہ حرف سنا ہے اور اپنی رائے سے مزین فرمایا۔

استاذ العلما حضرت حافظ ملت فرمایا کرتے کہ لوگ کہتے ہیں کہ بہار شریعت صدر الشریعہ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ حالاں کہ حضرت نے بہار شریعت رمضان کی چھٹیوں اور جب دیگر ضروری کاموں سے فرصت ملتی تحریر فرماتے۔ اعلیٰ شاہکار فاضل اوقات میں نہیں ہوتا، بلکہ آپ کا اعلیٰ شاہکار آپ کے وہ تلامذہ ہیں، جن پر علم وفضل کو بھی ناز ہے، جن کے اسمائے گرامی دنیائے سنیت میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ بریلی کا مکتب فکر (اہل سنت وجماعت) آپ کی مساعی جمیلہ سے پھلا پھولا اور آپ نے علمی رنگ دے کر اسے اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔ اور آج اکثر ہند وپاک بلکہ پوری دنیا میں آپ ہی کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ سے علم وفن کی محفلوں کی رونق ہے، جن میں سے چند اسمایہ ہیں:

(۱) مولانا عبد المصطفیٰ ازہری ابن صدر الشریعہ، شیخ الحدیث امجدیہ کراچی وممبر آف پارلیمنٹ پاکستان۔ (۲) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب۔ (۳) استاذ العلما حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز صاحب بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب۔ (۵) حضرت مولانا قاضی شمس الدین شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس۔ (۶) حضرت مولانا محمد سلیمان اشرف سابق شیخ الحدیث حمیدیہ رضویہ بنارس۔ (۷) حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی شیخ الحدیث براؤں شریف بستی۔ (۸) حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی۔ (۹) حضرت مولانا سید غلام جیلانی شارحِ بخاری شریف۔ (۱۰) حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ صدر سنی جمعیۃ العلما آل انڈیا۔ (۱۱) حضرت مولانا مبین الدین صاحب جامعہ نعیمیہ مراد آباد۔ (۱۲) حضرت مولانا وقار الدین شیخ الحدیث کراچی پاکستان۔

حضرت صدر الشریعہ نے ابتدائے شباب سے درس و تدریس کا کام انجام دینا شروع کیا اور آخری وقت تک جاری رکھا اور آپ کی تمام اولاد بھی زیور علم وفن سے مزین ہو کر نادرِ روزگار عالم ہوئے۔ جن کے اسمایہ ہیں:

مولانا حکیم شمس الہدیٰ (۲) مولانا محمد یحییٰ (۳) مولانا عطاء المصطفیٰ (۴) مولانا عبد المصطفیٰ ازہری ممبر آف پارلیمنٹ پاکستان، ان کا ۱۹۸۹ء میں انتقال ہوا۔ (۵) مولانا قاری رضاء المصطفیٰ خطیب نیو میمن مسجد کراچی (۶) علامہ محدث کبیر ضیاء المصطفیٰ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۷) مولانا ثناء المصطفیٰ صدر المدرسین ضیاء الاسلام ہوڑہ (۸) مولانا بہاء المصطفیٰ قادری مدرس دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف (۹) مولانا فداء المصطفیٰ

مدرس شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ اور تین صاحبزادیاں تھیں، جن میں ایک کو عالمہ بنایا تھا۔

آپ سے بیشتر بچوں کی تعلیم کے ابتدائی قواعد جاندار اشیا کی تصویروں کے ساتھ طبع ہوتے اور مکاتب اسلامیہ میں وہی قواعد رائج تھے، مگر آپ نے اس پر کافی زور دیا کہ ان قواعد سے جاندار اشیا کی تصویریں ختم کی جائیں اور بغرضِ تیسیر و تفہیم ایسے قواعد مرتب کیے جائیں جو نسبتاً انسان اور جاندار اشیا کی تصویروں سے خالی ہوں۔ چنانچہ آپ نے خود ہی اس کارِ نمایاں کو انجام دیا اور ایسا قاعدہ مرتب فرمایا کہ جو نسبتاً سہل بھی تھا اور اس میں صرف جمادات (غیر جاندار) کی تصوریں تھیں۔

آپ کی مساعی جمیلہ سے سابقہ قواعد نصاب سے خارج کیے گئے اور آپ کے ترتیب شدہ قواعد داخل نصاب کیے گئے۔ آج بھی طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اکثر مکاتب اسلامیہ میں جاندار اشیا کی تصویروں سے خالی ہی قواعد داخل درس ہیں۔

اس کارِ نمایاں سے ہر اہل نظر اس چیز کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کس قدر احکامِ دینیہ کی رعایت اور حدودِ شرعیہ کی پابندی کرتے۔ ساتھ ہی عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا بھی کرتے، کیوں کہ جاندار اشیا کی تصویریں چھاپنا جہاں عند الشرع ناجائز و حرام، وہیں اس کا بھی امکان قوی تھا کہ نوخیز طلبہ کے اذہان و افکار پر غلط اثر مرتب ہو۔

آپ کے ابتدائی دور میں جتنے مولانا یا ادیب و مؤرخ اعظم گڑھ میں گزرے، وہ سب اپنے نام کے آخر میں اعظم گڑھی لکھتے تھے، جیسا کہ اب بھی اعظم گڑھی مصنفین کی کتابوں کے ٹائٹل پر چھپا دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ سب آپ کی اولیات میں سے ہے کہ سب سے پہلے آپ نے ہی اعظمی لکھنا شروع کیا، اس کو اتنا فروغ ہوا کہ اب تمامی لوگ اعظم گڑھی کے بجائے اعظمی لکھنا فخر محسوس کرتے ہیں۔

لفظ اعظمی دیکھ کر آپ کے پیر و مرشد سرکار اعلیٰ حضرت نے بہار شریعت کی تقریظ میں لکھا:

"مولانا ابو العلی مولوی حکیم امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنی"۔

یعنی شریعت میں مقلد امام اعظم کے، طریقت میں غوثِ اعظم کے اور وطن کے لحاظ سے بھی اعظمی، ان تینوں میں اعظم کا لفظ ہے، اس کی طرف کتنا لطیف اشارہ فرمایا ہے جو اہل ذوق پر واضح ہے۔

حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف کے دورانِ قیام ۱۹۱۹ء میں پہلی مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے ارادے سے بمبئی پہنچے تھے کہ وہ اہل سنت کا بطل جلیل ۲/ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ ۶/ستمبر ۱۹۴۸ء رات کو ۱۲/بجکر ۲۶/منٹ پر عالم جاویدانی کو تشریف لے گئے۔ اُدھر جہاز نے روانگی کی سیٹی دی، اِدھر عاشق رسول نے اس دنیا سے کوچ کیا۔

درج ذیل آیت کریمہ مادہ تاریخ ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ

اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں علی گڑھ

(تاریخ کے کچھ گم شدہ صفحات)

تحریر: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری

تمہید:

"دادوں" پرانے زمانے سے علی گڑھ کا ایک دور افتادہ خطہ رہا ہے اور اب بھی یہ ایک گمنام سی بستی ہے، جس پر قرب وجوار کے لوگوں کی بھی توجہ نہیں، اس دور افتادہ بستی پر آزادیٔ ہند سے قبل سات سال ایسے گزرے جس نے اس بستی کو تاریخ کا حصہ بنادیا، وہ سات سال حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زندگی کے آخری قیمتی سات سال تھے، میرے دادا کے ان سات برسوں نے "دادوں" کی تقدیر جگادی، اور اس چھوٹی سی بستی کو زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی تک پہنچادیا، جہاں قرب وجوار اور دور دراز سے تشنگانِ علوم آنے لگے، اور صدر الشریعہ کے پن گھٹ سے اپنی تشنگی بجھانے لگے۔

نواب حافظ ابوبکر خاں شیروانی نے اپنی ریاست "دادوں" میں ایک مدرسہ قائم کیا، جسے اپنے پیرو مرشد حافظ خیرآبادی علیہ الرحمہ کی نسبت سے "حافظیہ" اور والد کی نسبت سے "سعیدیہ" نام دیا۔ اس کے لیے صدر المدرسین کی حیثیت سے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو بصد اصرار دعوت دی گئی۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ۱۳۵۶ھ میں دادوں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں بحیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے، اور ۱۳۶۳ھ تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، ۱۳۵۶ھ سے ۱۳۶۳ھ تک کا دورانیہ تقریباً سات سال کا بنتا ہے۔

اس دوران حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے خانوادے کے کئی افراد نے انتقال کیا، اور وہیں دادوں کے قبرستان میں مدفون ہوئے، جن کا تذکرہ آپ نے بہار شریعت کے سترہویں حصے میں بڑے درد بھرے انداز میں کیا ہے۔

اس بستی میں ہمارے "دادامیاں" کے سات سالہ قیام، اور ان کی کئی اولاد کے مدفن ہونے کے اعتبار سے اس فقیر کی دیرینہ خواہش تھی کہ کچھ لمحے "دادوں" کی فضاؤں سے مشام جاں کو معطر کرلوں۔ وہ "دادوں" جہاں بڑے بڑے علما پیدا ہوئے، جہاں بہار شریعت کے کئی حصے لکھے گئے، جہاں حاشیہ طحاوی سپرد قلم ہوا تھا، جہاں میرے شیخ حضور محدث کبیر کا بچپن گزرا، جو میرے والد کا جنم بھوم ہے، جہاں صدر الشریعہ کی اولاد نے بچپن کے خوش گوار ایام گزارے تھے۔

مگر "دادوں" پہنچنا آسان نہ تھا، اس لیے کہ اس بستی سے ہمارا کوئی لنک باقی نہ رہ گیا تھا جو اِس مقصد میں ہمارے کام آتا۔ مگر سچ ہے جذبۂ دروں اور شوقِ فراواں ہو تو بڑی سے بڑی مہم سر کی جاسکتی ہے۔ لکھنؤ کے محب گرامی علم دوست علما نواز

ڈاکٹر اقتدار علی صاحب کو ہم نے تیار کیا جو ہڈی کے امراض کے اسپیشلسٹ ہیں۔ مارہرہ شریف حاضری کا پروگرام بنایا گیا، اور ساتھ ہی "دادوں" کی کھوج لگانی تھی۔ چنانچہ ۱۳/ مارچ ۲۰۲۲ء بروز اتوار ہم لوگ کار کے ذریعہ لکھنؤ سے آگرہ ایکسپریس وے پر نکل پڑے، گیارہ بجے تک مارہرہ شریف حاضر ہو گئے، اولاً مارہرہ مطہرہ کے مشائخ کی بارگاہ میں حاضری دی، پھر حضرت نجیب میاں قبلہ سے ملاقات ہوئی، اور مولانا شاداب امجدی گھوسوی نے مدرسہ احسن البرکات کی زیارت کرائی، اس کی تفصیلی روداد میں اپنے پہلے سفر نامے میں ذکر کر چکا ہوں، یہاں سے فارغ ہوتے ہی ہم "بلرام" پہنچے اور وہاں سے ایک صاحب کو ساتھ لیا جو ہمیں کسی طرح "دادوں" پہنچادیں، "بلرام" کے ہمارے میزبان بھی بڑے خوش اخلاق نکلے، خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ چھوڑی، وہ ہماری خدمت کرنا چاہتے تھے ہمیں قلتِ وقت کا شکوہ تھا، تشکرات کے ساتھ ہم نے ان سے جلد رخصت لی اور "دادوں" کی طرف نکل پڑے، "بلرام" سے "کاس گنج" ہوتے ہوئے "چھرّہ" پہنچے۔ وہاں سے "دادوں" کی راہ پر آگئے، جب ہم نے "دادوں" پولیس اسٹیشن دیکھا تو راحت کی سانس لی کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب کی شاندار مسجد نظر آئی جو سڑک سے کچھ اندر تھی، اور آگے بڑھے تو بائیں ہاتھ پر دادوں کا قبرستان نظر آ گیا، یہ ہماری پہلی منزل تھی۔

دادوں کا محل وقوع:

"دادوں" ایک قصبہ ہے جو یوپی کے ضلع علی گڑھ میں واقع ہے۔ جس کا طول البلد شرقی 78.46 ہے، اور عرض البلد شمالی 27.95 ہے۔ یہ قصبہ' علی گڑھ اور بدایوں کے درمیان واقع ہے، یعنی مغرب میں علی گڑھ ہے اور مشرق میں بدایوں، اس کے جنوب میں "کاس گنج" ہے، کاس گنج سے جنوب کی طرف جو سڑک "ایٹا" کو جاتی ہے اسی سڑک پر ایک مقام "مریچی" ہے جس سے مغرب کی طرف ایک راستہ سیدھا "مارہرہ شریف" کو جاتا ہے۔ مارہرہ شریف امامِ عشق ومحبت سرکارِ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا پیر خانہ ہے، سنیوں کی عظیم خانقاہ خانقاہِ برکاتیہ یہیں واقع ہے، جہاں سلسلہ قادریہ کے سات مشائخ ایک ہی مقام پر ایک چھت کے نیچے آرام فرماہیں۔ کاس گنج سے دوسری طرف مغربی سمت میں جو راستہ "چھرّہ" سے ہو کر گھومتا ہوا علی گڑھ کو چلا جاتا ہے، اسی روڈ پر "چھرّہ" سے ایک روڈ مشرق کی طرف جاتا ہے، جو آگے گنگا ندی پر منتہی ہو جاتا ہے۔ اسی روڈ پر قصبہ "دادوں" واقع ہے۔ "کاس گنج" سے "دادوں" کی مسافت تقریباً 36 رکیلومیٹر ہے، اور "علی گڑھ" سے 45 رکیلومیٹر ہے۔

شیروانی نوابوں کی ریاست:

"شیروانی" خاندان کی اصل جلال آباد افغانستان سے ہے، یہ افغانی پٹھانوں کا ایک خاندان ہے جو مغلوں کے دور میں ہندوستان وارد ہوا، لگتا ہے یہ لوگ علی گڑھ کے اطراف میں قیام پذیر ہوئے، "شیروانی" کا لفظ سنتے ہی ہمارا ذہنی تبادر "جبّے" کی چھوٹی "بہن" کی طرف ہوتا ہے، ہوسکتا ہے یہ بھی اسی خانوادے کے ساتھ ہندوستان آئی ہو، کہ علی گڑھ کی شیروانی بھی مشہور ہے۔ تاہم یہ محض ایک خیال ہے۔

شیروانی خاندان کے لوگ مغل حکمرانوں کی سلطنت اور فوج کے اعلیٰ عہدوں پر قائم رہے، اور مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جو قیادت کا ہنر جانتے تھے چھوٹی چھوٹی خود مختار

ریاستوں کے مالک ہوئے۔ شیروانی خاندان بڑا علم دوست اور اسلامی تہذیب کا مبلغ تھا، یہ لوگ خود بھی اسلامی اقدار کے حامل رہے، علی گڑھ کالج کے فروغ میں ان لوگوں کا بڑا کردار رہا۔ ان میں نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، نواب مزمل اللہ خاں شیروانی، نواب عبدالشاہد خاں شیروانی، نواب حافظ ابوبکر خاں شیروانی وغیرہ مشہور ہوئے۔ ان میں نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی جو علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی بھی تھے حیدرآباد پہنچ کر ایک بڑے محکمے کے ہیڈ مقرر ہوئے جہاں انھیں صدریار جنگ کے ٹائٹل سے نوازا گیا۔ یہی نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی ہیں، جنھوں نے حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا تھا:

''مولانا امجد علی پورے ملک کے ان چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں جنھیں میں منتخب جانتا ہوں''۔

مجھے لگتا ہے انھیں کے اشارے پر نواب حافظ ابوبکر خاں شیروانی نے اپنے مدرسے کے لیے صدرالشریعہ کو بلانے کا منصوبہ بنایا ہوگا۔

نواب عبدالشاہد خاں شیروانی تو ریاست ''بھیکم پور'' ضلع علی گڑھ کے مالک تھے، دوسری ریاست ''دادوں'' اس سے متصل تھی جو نواب حافظ ابوبکر خاں شیروانی کی ریاست تھی۔

دادوں کا قبرستان اور نواب صاحب کی گڑھی:

اگر ''چھرہ'' سے ''دادوں'' کی طرف آئیں تو روڈ کی داہنی طرف پہلے نواب صاحب کی بڑی حویلی اور اس سے متصل شاندار مسجد نظر آئے گی، اس کے آگے قصبہ ''دادوں'' شروع ہو جاتا ہے، دادوں پولیس اسٹیشن سے آگے بڑھیں تو لب سڑک بائیں ہاتھ پر ''دادوں'' کا قبرستان ہے، جہاں قبرستان کے صدر دروازے کے قریب پہلی اونچی قبر نواب حافظ ابوبکر خاں شیروانی کی ہے، یہی مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کے بانی ہیں، ان کی قبر سے متصل بہت قبریں ہیں، جن میں پکی قبریں حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی اولاد کی ہیں۔ اسی قبرستان میں دوسری طرف امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کے بھائی مولانا غلام ربانی کی قبر ہے۔ روڈ کی بائیں طرف یہیں سے قصبہ ''دادوں'' کی آبادی شروع ہوتی ہے۔ ہم قصبہ ''دادوں'' اور نواب صاحب کی گڑھی کے متعلق جاننا چاہتے تھے، جہاں کسی زمانے میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ ہوا کرتا تھا، مشہور ہے کہ طلب صادق ہو تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ ہم نے محسوس کیا کہ ہماری طلب' صادق تھی اور حضور صدرالشریعہ کے روحانی تصرفات نے ہماری دستگیری فرمائی، وقت بہت مختصر تھا، جوں ہی قبرستان نظر آیا کار سائیڈ کر کے روک لی گئی، سامنے ایک ضعیف خاتون ایک نل سے پانی بھرنے آئیں، ہم نے دیکھتے ہی لپک کر ان سے کچھ سوالات کر لیے، انھوں نے بتایا کہ ہاں نواب صاحب کی گڑھی قصبے کی انتہا پر واقع ہے۔ اس ضعیف خاتون نے ہی نواب صاحب کی قبر کی نشان دہی کرائی، ہم بڑھ کر فاتحہ پڑھنے لگے، جب فاتحہ سے فارغ ہوئے دیکھا وہیں ایک آٹو رکشہ ہمارے سامنے رکا جس پر ایک باریش مسلمان بزرگ سوار تھے، ہم نے ان سے بھی ایک دو سوالات کر لیے، انھوں نے ہمارا حلیہ دیکھ کر نہ جانے کیا اندازہ لگایا کہ وہیں رکشے سے اتر گئے۔ ان کے ساتھ ہوتے ہی ہمارے لیے ''دادوں'' کے سارے مراحل آسان ہو گئے۔ یہ شہزاد صاحب تھے، عمر رسیدہ ضرور تھے، لیکن اتنے نہیں کہ صدرالشریعہ کا زمانہ پایا ہو، میں نے ان سے سوال کیا کہ نواب صاحب مرحوم کی گڑھی کدھر ہے؟ جواب میں

انھوں نے ساتھ چلنے کو کہا، ہم بہت مسرور ہوئے۔ میری عادت نہیں کہ میں کسی اجنبی سے اپنا تعارف صدر الشریعہ کے حوالے سے کراؤں، لیکن یہاں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے آثار ہی دیکھنے حاضر ہوا تھا تو شروع ہی میں انھیں اپنا تعلق بتادیا، وہ بہت خوش ہوئے ،ہمیں محسوس ہوا کہ یہاں کے لوگوں نے اب تک صدر الشریعہ کو اپنے حافظے میں بسائے رکھا ہے۔ شہزاد صاحب ہمیں ساتھ لیکر نواب صاحب کی گڑھی کی طرف چلے۔ آگے آبادی میں ایک جامع مسجد ہے، اسی سے متصل آگے نواب صاحب کی گڑھی کے کھنڈرات موجود ہیں۔ ہم جامع مسجد سے گزرتے ہوئے آبادی کے انتہا پر ان کھنڈرات تک جا پہنچے جو ہماری اصل منزل تھے، جس کے ایک ایک چپے کا بنگاہِ شوق مطالعہ کرنا چاہتے تھے۔

گڑھی ایک ایسے محلے کو کہتے ہیں جس میں ریاست کے لیے مختلف عمارتیں ہوتی ہیں، حویلی، مسجد، کورٹ، جیل خانہ، بازار سب کچھ ہوتا ہے۔ نواب صاحب کی گڑھی کا مین گیٹ بہت عالی شان تھا جس کا اکثر حصہ ابھی بھی موجود ہے۔ ہم اسی گیٹ سے اندر داخل ہوئے، وہیں ایک پرانی مسجد ہے جس میں آج بھی نماز ہوتی ہے، ہم اس مسجد میں پہنچ گئے، اور وہاں سنیت کی علامتیں تلاش کرنے لگے، تھوڑی دیر میں عصر کی جماعت کا وقت ہوا تو ایک امام صاحب مسجد میں آئے، ان سے تعارف ہوا، یہ حافظ محمد حسن رضا صاحب تھے ، جو صدر الشریعہ کے بڑے نیاز مند نکلے، بہت خوش ہوئے اور صدر الشریعہ کے بارے میں خود اتنی باتیں بتانے لگے جیسے ان کے پاس معلومات کا خزانہ ہو، ان کے ملتے ہی ''دادوں'' کا ماحول اپنا اپنا سا لگنے لگا، جماعت کا وقت ہو چکا تھا، مسجد کے اندر لے گئے اور بولے: یہ مصلیٰ صدر الشریعہ کا ہے، محراب کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے: یہی جگہ ہے جہاں صدر الشریعہ امامت فرماتے، ان کی موجودگی میں کوئی اور امامت نہ کرتا تھا ،آج آپ کی موجودگی میں کوئی امامت نہ کرے گا، میں نے مسافرت کا عذر کیا، لیکن انھوں نے مجھے مصلے پر بڑھادیا۔ نماز سے فارغ ہو کر انھوں نے وہاں گھمایا اور ہر ہر مقام کی تفصیل بتائی، کہنے لگے: اس مسجد میں ہر نماز میں تمام طلبا کی حاضری ضروری تھی، مسجد کے باہر وہ چبوترہ بھی دکھایا جس پر صدر الشریعہ کسی کو رجسٹر دے کر طلبا کی حاضری لینے کے لیے بیٹھا دیتے تھے۔ اس مسجد کے چھوٹے سے صحن میں اسی زمانے کا ایک کنواں ہے جو اب خشک ہو چکا ہے، مگر لوگوں نے اسے باقی رکھا ہے، اور ایک طرف لائبریری کی جگہ دکھائی جہاں اس دور میں لائبریری تھی۔ مسجد سے باہر کھلا میدان ہے، جس کے داہنی طرف مسجد اور صدر گیٹ کے درمیان صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی قیام گاہ تھی، یعنی صدر الشریعہ کی قیام گاہ صدر گیٹ سے بالکل متصل داہنی طرف تھی، مکان کے نشانات باقی نہیں، لیکن وہ جگہ چٹیل یوں ہی پڑی ہے۔ مسجد کی بائیں طرف ایک اور گیٹ ہے جس کے اندر کا پورا حصہ کھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے، وہیں سامنے عدالت بھی لگتی تھی جہاں مجرمین کے جرائم کے فیصلے ہوتے تھے، اندر مجرموں کے لیے جیل بنائی گئی تھی، اس سے متصل مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کی عمارت تھی، ہم ان کھنڈرات پر جا کر کھڑے ہو گئے اور حافظ حسن رضا صاحب سے جاننا چاہا کہ حضور صدر الشریعہ کی درسگاہ کدھر تھی، انھوں نے جیسا اپنے آباء واجداد سے سنا تھا اس کے مطابق ہمارے لیے نشان دہی کر دی، وہ مقام جہاں صدر الشریعہ کی

درس گاہ تھی وہ نسبتۂ اونچی جگہ ایک ٹیلے کی مانند ہے۔

ہم اس مقام پر کچھ دیر رک کر عالم تصورات میں کھو جانا چاہتے تھے، قوتِ متخیلہ کو بروئے کار لاکر ہم نے حضور صدرالشریعہ کی بارعب موجودگی اور درس وتدریس میں ان کا انہماک محسوس کرنے کی کوشش کی۔ یہیں کہیں چند نیاز مندوں نے ان سے حاشیہ طحاوی لکھنے پر اصرار کیا تھا اور لکھوا بھی لیا، اس حاشیہ سے خاص شغف ہمیں یوں بھی تھا کہ اس کی ترتیب وتدوین وتہذیب میں اس فقیر نے اپنی زندگی کا بڑا قیمتی حصہ لگایا تھا، جس کی ایک ایک سطر پر مستقل توجہ کی تھی، اسی کشف الاستار کے ساڑھے چار سو صفحات اسی فضا میں لکھے گئے تھے، جن کے کھنڈرات پر میں کھڑا تھا، یہ احساس ہمارے لیے روح افزا بھی تھا اور تکلیف دہ بھی، کاش وہ موجود ہوتے تو اس نابکار نکمے کو اپنی عنایات خسروانہ سے کچھ حصے عطا کرتے، نہ اس لیے کہ فقیر کسی لائق ہے، حاشا، بلکہ اس لیے کہ فقیر کو ان کے علمی کاموں سے والہانہ محبت ہے، اور ان کی علمی خدمات کی حفاظت وصیانت کی فکر میں رہتا ہے۔ جی چاہا گھنٹوں اس ٹیلے پر گزار دوں، لیکن مغرب کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

مدرسہ حافظیہ سعیدیہ سے متصل اتر طرف تھوڑے فاصلے پر نواب صاحب کی چھوٹی حویلی تھی، جو ابھی تک موجود ہے، اس کی عمارت بوسیدہ ہو چکی ہے لیکن پورا اسٹرکچر سلامت ہے اور اسی طرح اپنی جگہ پر قائم ہے۔ غالبًا یہی حویلی ہے جہاں میرے والد گرامی حضرت مولانا فداء المصطفیٰ قادری پیدا ہوئے، اس بات نے بھی میری دلچسپیوں میں اضافہ کیا، اور تب سمجھ آئی کہ میرے والد گرامی کے مزاج میں بے نیازی اور نوابی کے عناصر کہاں سے آئے۔ زندگی میں لاکھ اتار چڑھاؤ دیکھا مگر ان کی کلاہِ کج کا بانکپن کبھی رخصت نہ ہوا، پورے نوابی مزاج والے تو ہمارے بڑے ابا قاری رضاء المصطفیٰ رحمہ اللہ تھے، ان کا کھان پان لباس ومکان اٹھنا بیٹھنا ہر ہر ادا سے ایسا محسوس ہوتا کہ ریاست دادوں کے اصلی نواب یہی تھے۔ لگتا ہے ان لوگوں کو دادا جان کے گرد وپیش کا ماحول اثر کر گیا۔

مگر میرے شیخ جانشین صدرالشریعہ حضور محدث کبیر کی شخصیت میں نوابی کے جراثیم ہم نے کبھی محسوس نہیں کیے، وہ اپنے ذاتی کام بھی دوسروں سے کراتے کبھی نظر نہیں آتے، حتی کہ اپنے اہل وعیال سے بھی نہیں۔ لگتا ہے جب وہ صدرالشریعہ کے ساتھ ہوتے تھے گرد وپیش پر نظر رکھنے کی بجائے خود صدرالشریعہ کو دیکھتے سنتے تھے، اسی لیے عادات واطوار، حرکات وسکنات، علم وفضل اور تقویٰ وطہارت ہر چیز میں صدرالشریعہ کے خلفِ رشید اور جانشین قرار پائے، حضور محدث کبیر اس عہد میں ہوتے ہوئے کیوں کر سب سے مختلف ہیں؟ اس ضمن میں ایک حکایت یاد آ رہی ہے، نذر کرتا ہوں:

اپنے عہد کے عظیم عارف باللہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ مختلف اہل اللہ کی بارگاہوں میں حاضر ہوتے رہے، اور جب حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پہنچے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے، اس بارگاہ میں پورے دس سال کا عرصہ گزارنے کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے دیوار کی طاق میں موجود کوئی چیز مانگی، انھوں نے عرض کی: نہیں معلوم طاق کدھر ہے؟ فرمایا: بابا طیفور! تم دس سالوں سے یہاں ہو، حیرت ہے تمہیں ابھی تک طاق کا پتہ نہ چلا! عرض کی: حیرت تو اُس شخص پر ہے جو اِس بارگاہ میں رہتا ہو اور اُس کی نظر اِس عظیم ولی سے ہٹ

کر درودیوار کے چکر لگاتی پھرے۔

بہر کیف! صدرالشریعہ کی اولاد میں ''ہر گلے را رنگ وبوئے دیگراست'' کا نظارا دیکھنے کو ملے گا۔

ہم نے ان کھنڈرات پر کھڑے کھڑے حضور محدث کبیر کو فون لگالیا، حضرت ممبئی میں تھے، کال مس ہوگئی، دوسرے دن جب آپ نے مبائل چیک کیا تو خود اس فقیر کو کال کرلیا، میں نے دادوں کے سفر کے متعلق بتایا، اور کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، آپ نے فرمایا: ۱۹۹۳ء میں ایک جلسے کے سلسلے میں دادوں جا چکا ہوں۔ حافظ حسن رضا صاحب نے بھی بتایا تھا کہ ۹۳ میں جلسہ ہوا تھا، اور اُس مقام کی نشان دہی بھی کی جہاں حضور محدث کبیر کا خطاب ہوا تھا۔ میں نے حضرت کو بتایا کہ صدرالشریعہ کے دور کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، ان کا نام مولانا ظہور محمد تھا، ان کے والد مولانا نور محمد بھی اس دور میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کے مدرس تھے، اور حضور صدرالشریعہ کے بعد صدر مدرس ہوئے، فون پر حضرت نے بھی اپنی یادداشت سے کچھ باتیں بتائیں۔

مولانا ظہور محمد صاحب صدرالشریعہ کے زمانے کو بہت یاد کرتے ہیں۔ دادوں سے تھوڑے فاصلے پر ایک قصبہ میں رہتے ہیں، بہت ضعیف ہو چکے ہیں، ان کی عمر ۹۳ سال ہو چکی ہے، انھوں نے آس لگا رکھی تھی کہ ہوسکتا ہے صدرالشریعہ کے گھر کا کوئی فرد آئے، شوق میں ''دادوں'' والوں سے کہہ رکھا تھا کہ کبھی خاندان صدرالشریعہ کا کوئی فرد آئے تو مجھے ضرور بتانا۔ حافظ حسن رضا صاحب نے مجھے یہ بات بتائی اور انھیں بلانے کو کہا، مجھے بھی ان سے ملاقات کی خواہش ہوئی، وقت بہت کم تھا، میں نے کہا: اگر وہ تشریف لا سکیں تو ہم مغرب بعد تک رک جائیں گے، انھیں بذریعہ فون خبر کردی گئی، حیرت ہے کہ انھوں نے فوراً وہاں کسی کو تیار کیا اور اس پیرانہ سالی سائیکل پر پیچھے بیٹھ کر نکل پڑے اور مغرب کے بعد دادوں پہنچ گئے، ملاقات ہوئی۔ وہ مجھے دیکھتے رہے اور میں انھیں دیکھتا رہا۔ ان کے ساتھ واپس ہم قصبے کی طرف چل پڑے۔

قصبے میں شہزاد صاحب نے شاید لوگوں کو بتا دیا تھا کہ میں صدرالشریعہ کے گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں، پھر ہم جدھر بھی گزرتے لوگ فرشِ راہ ہونے لگے، ایک صاحب نے مغرب کے بعد اپنے گھر کچھ ضیافت کا انتظام کرلیا، انھیں کے گھر بیٹھ کر مولانا ظہور محمد صاحب سے کچھ بات چیت ہوئی، حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی اولاد کی خیریت لینے لگے، بولے: سعیدہ عائشہ کیسی ہیں؟ میں نے کہا: سعیدہ پھوپھی کا تو بہت پہلے انتقال ہوگیا اور عائشہ پھوپھی ابھی باحیات ہیں لیکن بہت ضعیف ہو چکی ہیں، کہنے لگے یہ دونوں میری ہم عمر ساتھی تھیں ساتھ کھیلتے تھے، انھوں نے کہا عائشہ کو سلام کہیے، باقی لوگوں کی خیریت پوچھتے رہے۔ وقت زیادہ ہو چکا تھا اور ہمیں واپس لکھنؤ پہنچنا تھا، اس لیے میری کوشش تھی کہ گفتگو مختصر ہو اور زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرلوں، مگر حضور صدرالشریعہ سے مولانا ظہور صاحب کی والہانہ محبت میں نے دیکھی کہ وہ گفتگو کو طول دینے کی کوشش کرتے، میں نے عرض کی: پھر جلد ہی آؤں گا، فرمایا: ارے تب میں زندہ رہوں نہ رہوں۔

دادوں مدرسہ کی تفصیلات کے لیے ہم نے حضور محدث کبیر سے دریافت کی، تو آپ نے کئی نشستوں میں تفصیل سے بتایا جس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

بلگرام شریف کی عظیم شخصیت صاحب الدعوۃ الصغریٰ

کی نسل ہندوستان کے مختلف خطوں میں پھیلی، کچھ لکھنؤ گئے، کچھ مسولی شریف گئے، کچھ مارہرہ گئے، کچھ کالپی گئے، کچھ خیرآباد گئے، جو بزرگ خیرآباد میں تھے یعنی حافظ خیرآبادی علیہ الرحمہ داداوں کے نواب حافظ ابوبکر خاں اور ان کے بیٹے (یا بھائی) حاجی غلام محمد خاں عرف حاجی میاں انھیں سے مرید تھے۔ حاجی میاں نے ''دیوان حافظی'' شائع کیا تھا جو انھیں حافظ خیرآبادی کی مناقب پر مشتمل ایک ضخیم دیوان ہے، یہ دیوان قادری منزل میں موجود تھا۔ حافظ ابوبکر خاں نے انھیں کے نام پر مدرسہ حافظیہ قائم کیا تھا، اور ''سعیدیہ'' ان کے والد کی طرف نسبت تھی۔ یہ مدرسہ ایک پرانی حویلی میں تھا۔

نواب حافظ ابوبکر خاں کی زندگی میں مدرسہ ٹھیک ٹھاک چلتا رہا، ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی حاجی غلام محمد خاں صاحب شیروانی عرف حاجی میاں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کے متولی ہوئے۔

نواب حافظ ابوبکر خاں کے انتقال کے بعد جب مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کے حالات ابتر ہونے لگے تو حاجی میاں نے بھیکم پور کے نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی سے مشورہ کیا کہ اس مدرسے کو کیسے سنبھالا جائے، تو نواب صاحب بھیکم پور نے مشورہ دیا کہ اب مدرسے کو سنبھالنے کے لیے ایک ہی شخصیت ہے جو اسے سنبھال سکتی ہے، وہ ہیں مولانا امجد علی صاحب، چنانچہ حاجی میاں نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے رابطہ کیا اور انھیں آنے کی دعوت دی۔ حضرت صدر الشریعہ اس وقت بریلی شریف میں تھے، اجمیر شریف سے واپس بریلی شریف آئے تھے، اب کہیں اور جانے کا ارادہ نہ تھا، چنانچہ آپ نے منع کر دیا، حضور حجۃ الاسلام کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا گیا تو انھوں نے ''داداوں'' کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے صدر الشریعہ کو اجازت دیدی، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ''داداوں'' تشریف لائے، ان کا تشریف لانا تھا کہ ''داداوں'' کا نصیبہ جاگ اٹھا، اب وہاں دور دور سے طالبان علوم نبویہ کشاں کشاں آنے لگے۔

نواب صاحب کا تذکرہ:

حضور محدث کبیر نے فرمایا:

نوابوں کا ذکر میں نے پڑھا، لیکن دو نوابوں کو دیکھا، ایک نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، دوسرے حاجی غلام محمد حاجی میاں۔

نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (بھیکم پور میں) بارہویں شریف کا جلسہ بہت دھوم دھام سے کرتے اور اس میں اباجی کو بلواتے، ایک بار اباجی کے ساتھ میں (محدث کبیر) بھی گیا، نواب صاحب کا بہت بڑا ہال تھا، اس میں مقدمات فیصل کیا کرتے تھے، اس میں ان کی جو نشین تھی وہاں اباجی کو بیٹھایا، وہاں ایک قدیم طرز کا پنکھا لگا ہوتا تھا، جسے دور سے رسی سے کھینچا جاتا تھا، وہاں کے جلسے میں اباجی کی تقریر ہوئی، باہر نکلے تو دیکھا کہ سیکڑوں دیگیں لگی ہوئی تھیں، شاندار بریانی بنتی تھی اور تمام اسامیوں کی دعوت ہوتی تھی۔

میں نے عرض کی:

نواب حبیب الرحمٰن خاں سنی تھے؟ سنا ہے بہت آزاد تھے۔

اس پر فرمایا:

حبیب الرحمٰن خاں شیروانی سنی تھے، بعد میں

جب ابوالکلام آزاد کے دوست ہو گئے تو ان میں آزادی آگئی اور صلح کلیت کے اثرات آ گئے۔ لیکن حاجی میاں (حاجی غلام محمد صاحب) بڑے ٹاٹن سنی تھے۔ حاجی میاں ہفتے دو ہفتے میں اباجی سے ملنے مدرسہ آتے تھے، بڑے رعب ودبدبے والے تھے، جب مدرسہ میں امتحان ہوتا تھا تو ان کی کرسی لگتی تھی جس پر بیٹھ کر نگرانی کرتے اور طلبہ کی کاپیاں دیکھتے بھی تھے۔

مدرسہ کے بانی نواب ابوبکر خاں بھی بہت دیندار اور سخی تھے، ان کی علم دوستی اور اخلاص کا اندازہ لگانے کے لیے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کا قیام ہی کافی ہے، نوابوں کے پاس دولت اور جائیداد واملاک کی کمی نہیں ہوتی، مگر ان نوابوں میں حافظ نواب ابوبکر خاں کو ہی یہ سعادت ملی، (اس کے سارے اخراجات کے لیے نواب صاحب نے چودہ ہزار روپئے سالانہ آمدنی کی اپنی جائداد وقف کردی تھی)

انھیں نواب ابوبکر خاں کے متعلق فرمایا:

اباجی بریلی شریف میں ذکر کر رہے تھے کہ بہت دیندار آدمی تھے، اباجی سے میں نے (دادوں مدرسہ کا ایک واقعہ) سنا کہ ایک بار ایک طالب علم سائکل سے آرہا تھا، مدرسے کے سامنے بڑا سا چبوترہ تھا، اس سے سائکل ٹکرا گئی، وہ گر گیا، نگراں نے نواب صاحب سے شکایت کی کہ اس لڑکے کا خارجہ کر دیا جائے، کہ یہ ایک تو سائکل چلاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بے تکی چلاتا ہے کہ اس نے لڑادی، نواب صاحب آئے دیکھا، اور کہا کہ یہ چبوترہ یہاں سے یہاں تک کاٹ دو، کہ مہمانان رسول کو تکلیف دیتا ہے۔ طلبہ کا اتنا خیال رکھتے تھے۔

مدرسے کا نقشہ:

مدرسہ بالاخانے پر تھا، اس کا مٹ کوٹھا بہت بڑا تھا، مدرسے کی دکھن طرف مسجد تھی، مسجد کے پورب میں ایک بڑا کنواں تھا، اس کے بعد ایک چھوٹا سا گھر تھا جس میں ایک ملاجی رہتے تھے جو مدرسے کے چپراسی تھے، غالباً ان کا رحمت اللہ نام تھا۔ ان کے گھر کے بغل میں پھوس کا ایک چھپر نما گھر تھا، جس میں اباجی شروع میں رہتے تھے، پھر حاجی میاں نے ان کو دوسرے گھر (حویلی) میں منتقل کر دیا۔

مسجد سے اتر طرف ایک بڑا چبوترہ تھا، جس پر اوقاف کے کھیتوں سے غلہ لاکر سکھایا جاتا تھا۔ اور اس چبوترے سے اتر طرف ایک راستہ تھا جو اندر جاتا تھا وہیں ایک حویلی تھی، یہ حویلی مدرسے کی پچھم طرف تھی، جس میں ہم لوگ رہتے تھے۔ اب اس حویلی کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ وہ بڑی حویلی تھی، جو پرانی تھی، اس میں صرف (صدرالشریعہ) اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ لمبی حویلی تھی، جس میں کئی کمرے کھلا ہوا دالان، باورچی خانہ وغیرہ تھا۔ حویلی کے قریب کھیتوں اور باغات کی جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک آفس تھا اور اسی آفس کے پیچھے ایک بہت بڑا گودام تھا سرنگ کے جیسا، جس میں اندر جانے میں ڈر لگتا تھا، ہم لوگ اس میں دو چار قدم اندر جا کر بھاگ آتے تھے، کہ اس میں جنات رہتے ہیں۔ اسی میں غلہ وغیرہ رکھا جاتا تھا۔ مدرسے کے بعد (اتر طرف) ایک چمن تھا، تقریباً دو بیگھے کا رہا ہوگا، اس کے بعد بہت بڑی جھیل تھی، لوگ کہتے تھے کہ اٹھارہ میل کی ہے۔ اس

سے لوگ مچھلی پکڑ کر لاتے تھے، مولوی نور محمد صاحب (مدرسہ کے استاذ) کے گھر کے لوگ مچھلی پکڑ کر لاتے تو ایک آدھ مچھلی ابا جی کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

مدرسہ حافظیہ کے احوال:

میں نے پوچھا:

کیا صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تدریس کے علاوہ مدرسہ کے نظم و نسق میں بھی وقت دیتے تھے؟

فرمایا:

بہت کم، اگر ضرورت ہوتی تو توجہ دیتے تھے، ایک بار ابا جی نے بتایا کہ وہاں طلبہ کے لیے کٹورے آتے تھے، وہ کم پڑ جاتے، تو شکایت کی گئی کہ طلبہ چرا لیتے ہیں، کمروں میں تلاش کروائی جاتیں کہیں نہ ملتیں، صدر الشریعہ نے فرمایا کہ اگر طلبہ نے لی ہوتی تو کہیں تو ملنی چاہییں، نواب صاحب سے کہلوایا کہ جتنی پیالیاں آپ کو مدرسے میں دینی ہوں وہ لکھوا کر میرے پاس بھجوا دیجیے، میں ان کا ذمہ دار ہوں گا، انھوں نے پیالیاں بھجوائیں تو میں نے باورچی کو بلایا اور کہا کہ یہ پیالیاں گن لو، اگر ایک بھی پیالی کم ہو تو مجھ سے اس کا پیسہ لیا جائے۔ اس روز کے بعد سے کبھی کوئی پیالی کم نہ ہوئی۔

آم کے زمانے میں کئی بیل گاڑی پر لد کر آم آتا تھا اور بیل کھول کر بیل گاڑیاں ویسے ہی کھڑی رہتیں، جس طالب علم کو جتنا آم لینا ہے لے لے۔

میں نے عرض کی:

پھر تو گھر میں بھی آم کی فراوانی ہوتی ہوگی؟

فرمایا:

نہیں، ابا جی اس آم سے نہیں لیتے تھے، وہ وقف کے باغات سے تھے، جو مدرسے پر وقف تھے، انھیں بیچ بیچ کر رقم مدرسے کے اخراجات میں دی جاتی تھی۔ بہت بڑے بڑے باغات تھے، اتنا آم تو آتا بھی نہیں تھا، دو تین بیل گاڑی بھر کر آتا تھا، پورے موسم میں دو تین بار وہ بیل گاڑیاں آتی تھیں، لڑکے خوب چوستے تھے اور گٹھلی ایک دوسرے پر پھینکتے تھے، (ہنستے ہوئے) انھیں میں وہ لوگ بھی تھے جو بعد میں بزرگ ہوئے۔

دادوں میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے احوال:

میں نے عرض کیا:

دادوں قیام کے دوران آپ کی عمر کیا رہی ہوگی؟ دس بارہ سال تو رہی ہوگی؟

فرمایا:

نہیں، میں نے وہاں پر قاعدہ سپارہ پڑھا، اور اماں جی سے قرآن شریف شروع کیا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ "لن تنالوا البر" تک پڑھا، یا کچھ آگے تو ابا جی نے "دادوں" چھوڑا۔ اسی سال حاجی میاں کا انتقال ہوا اور مولوی میاں متولی ہوئے اور مولوی میاں ذرا تنگ دل تھے، (جن کی پالیسیوں کے سبب تدریسی خدمات جاری رکھنے میں پریشانی ہو رہی تھی لہٰذا صدر الشریعہ نے دادوں چھوڑ دیا)

ابا جی زیادہ سفر نہیں کرتے تھے، دادوں سے کبھی کبھی سفر پر جاتے تھے، سب سے لمبا سفر ایک ماہ

کا ہوتا تھا گیارہویں شریف کے موقع پر، اجمیر شریف اور پالی ، اور گرد ونواح، جے پور، دھوراجی کاٹھیاوار، وغیرہ۔ اس کے علاوہ سفر نہیں کرتے تھے، صبح گئے شام واپس آجاتے۔ اباجی جب وہاں (دادوں) رہتے تھے تو جمعہ کے دن دس گیارہ بجے چھرّہ چلے جاتے تھے، چھرہ تحصیل ہے، وہاں کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ کر آتے تھے، جمعہ "دادوں" میں نہیں پڑھتے تھے۔

مزید فرماتے ہیں:

صبح دودھ لینے میں جایا کرتا تھا۔ قبرستان کے راستے پر ایک جامع مسجد تھی اس کے سامنے مولانا غلام جیلانی (میرٹھی علیہ الرحمہ) کے والد رہتے تھے، ان کو لوگ مولانا جی کہا کرتے تھے کیوں کہ جمعہ کی نماز وہی پڑھایا کرتے تھے۔ مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کے چھوٹے بھائی مولانا غلام ربانی صاحب بھی اسی گھر میں رہتے تھے، اور ان کی بہن جن کو ہم لوگ ننھی آپا کہا کرتے تھے، وہ بھی وہاں رہتی تھیں۔

جنات سے معاہدہ:

فرماتے ہیں:

اسی حویلی کے آنگن میں ایک روز میں کھٹولے پر سویا ہوا تھا، اور اس کے بغل میں اباجی کی چارپائی تھی، وہیں اماں جی اور آپا جان وغیرہ بھی (سوتی)تھیں۔ رات کو نیند کھلی ،آنکھ کھول کر بستر پر پڑا ہوا ہوں، تو دیکھا کہ مولوی ثناءل میرے پاس آئے، چارپائی کے پاس، تو میں نے ہاتھ بڑھایا، (اور آواز دی): ثناءل!...... جیسے ہی آواز دی وہ لمبا خوب لمبا ہوگیا، آسمان چھوتا ہوا، مجھے تو ڈر ہوگیا، میں چلّایا بھی نہیں، میں نے جلدی سے چادر کھینچ لی، پھر میں نے صبح میں اماں جی کو بتایا، تو اماں جی بتانے لگیں کہ: اس حویلی میں جنات رہتے ہیں، تمہارے ابا سے معاہدہ ہوگیا ہے، کہ کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔

دیگر احوال:

میں نے عرض کیا:

دادوں کا مدرسہ نوابوں کا مدرسہ تھا، وہاں دادا میاں کی تنخواہ بڑی اچھی رہی ہوگی؟

فرمایا:

ہاں، شروع میں ایک سوتھی بعد میں ڈیڑھ سو ہوگئی تھی۔ گائے کا گوشت اس وقت ایک پیسہ سیر، اس وقت عالمگیری سیر چلتا تھا سو تولے کا، گائے کا گوشت ایک پیسہ سیر ملتا تھا، پھر بعد میں جب ہٹلر والی جنگ عظیم ہوئی مہنگائی بہت بڑھ گئی ، پیسے ناپید ہوگئے ،چاندی کے سکے کہیں ملتے نہ تھے، ورنہ جب وہ ملاجی آتے جن کا میں نے ذکر کیا کہ مسجد کے اور اباجی کے گھر کے درمیان رہتے تھے اباجی کی خدمت کرتے تھے، وہ ملاجی ایک جھولی بھر کر تنخواہ لے کر آتے ، زنجیر بجاتے، اباجی جاتے، فرماتے: کیا ہے؟۔ وہ بولتے :میں تنخواہ کے پیسے لے کر آیا ہوں، تو (اباجی نے دامن پھیلا کر فرمایا) لو اسی میں ڈال دو، بھرا ہوا دامن لے کر گھر میں آتے ، اور اماں جی سے فرماتے ،لو یہ سب رکھو۔ وہ روپے چاندی کے سکے ہوتے تھے۔ ان

سکوں کا وزن پورا ایک تولہ یعنی بارہ ماشے کا ہوتا تھا۔
(میں نے اس روپیے سے متعلق کچھ تفصیل پوچھی،
)فرمایا: اس کو روپیہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ روپ کا معنی ہندی میں چاندی کے ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ چاندے کے سکے ہوتے تھے اسی لیے انھیں روپیہ کہا جاتا تھا۔ پیسہ جب چلا تھا تو چاندی کی چھوٹی سی دوانّی ہوتی تھی، اس سے تھوڑی سی بڑی چونّی ہوتی تھی، اس سے بڑی اٹھنی ہوتی تھی۔ پائی اور چھدام برٹش کے زمانے میں تانبے کے ہوتے تھے، اور پیسہ تانبے کا بڑا بڑا ہوتا تھا، جس پر جارج ہفتم (سرمنڈے) کی تصویر ہوتی تھی۔ جب جنگ عظیم ہوئی اس کے بعد آہستہ آہستہ سکے بدلنے لگے۔

دادوں قیام کے دوران خانوادۂ صدر الشریعہ کے احوال اور رحلتوں کا صدمہ:

دادوں قیام کے دوران صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی متعدد اولاد کا انتقال ہوا، جن میں سب سے اہم حضرت مولانا عطاء المصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے چوتھے بیٹے تھے، بڑے کڑیل جوان، چھریرے بدن کے خوب رو اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی آنکھوں کا نور، ان کا انتقال ''دادوں'' میں ہوا، اور وہیں دادوں کے قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔ ان کا انتقال اہل سنت کا بہت بڑا نقصان ثابت ہوا، کہ ان کے جاتے ہی صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بینائی سے محروم ہوگئے اور سارے تحریری کام یکا یک موقوف ہوگئے، حاشیہ طحاوی جہاں تک پہنچا وہیں رک گیا، بہار شریعت اٹھارہواں حصہ شروع ہوا تھا، دس پندرہ صفحات ہی ہوئے تھے کہ قلم رک گیا، اسی طرح صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ایک جوان بیٹی ''بنّو'' کا بھی وہیں انتقال ہوا اور وہ بھی وہیں دادوں کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ ان دونوں قبروں پر فقیر کی حاضری ہوئی تو اس احساس کے ساتھ کہ یہ تو ہمارے بڑے ابا اور ہماری پھوپھی ہیں اس قبرستان کی فضائیں اپنی اپنی سی لگنے لگیں۔ اس جانِ پدر شہزادے اور شہزادی کے تذکرے سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوگا اس لیے ہم ان کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس سے پہلے بہار شریعت کے سترہویں حصے کے اختتام پر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے یہ کلمات پڑھ لیں تا کہ آنے والے تذکرے کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

بہار شریعت اٹھارہویں حصے کے آغاز میں عرض حال کے عنوان سے حضور صدر الشریعہ لکھتے ہیں:

''چند سال کے اندر متعدد حوادث پیہم درپیش ہوئے جنھوں نے اس قابل بھی مجھے باقی نہ رکھا کہ بہار شریعت کی تصنیف کو حد تکمیل تک پہنچاتا۔

۷؍شعبان ۱۳۵۸ھ کو میری ایک جوان لڑکی کا انتقال ہوا، ، اور ۲۵؍ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کو میرا منجھلا لڑکا مولوی محمد یحییٰ کا انتقال ہوا۔ شب دہم رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ کو بڑے لڑکے حکیم شمس الہدیٰ نے رحلت کی، ۲۰؍رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ کا دادوں ضلع علی گڑھ میں انتقال ہوا، اور اسی دوران میں مولوی شمس الہدیٰ مرحوم کی تین جوان لڑکیوں کا اور ان کی اہلیہ کا اور مولوی محمد یحییٰ مرحوم کے ایک لڑکے اور مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کی

اہلیہ اور بچی کا انتقال ہوا۔ ان حوادث پیہم نے قلب ودماغ پر کافی اثر ڈالا، یہاں تک کہ مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کے سوم کے روز جب کہ فقیر تلاوتِ قرآن مجید کررہا تھا آنکھوں کے سامنے اندھیرا معلوم ہونے لگا، اور اس میں برابر ترقی ہوتی رہی، اور نظر کی کمزوری اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں، ایسی حالت میں بہار شریعت کی تکمیل میرے لیے اب دشوار ہوگئی، اور میں نے اپنی اس تصنیف کو اس حد پر ختم کر دیا گویا اب اس کتاب کو کامل و اکمل بھی کہا جاسکتا ہے، مگر ابھی اس کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا''۔ (عرض حال بہار شریعت حصہ ۱۸)

اس عرض حال سے معلوم ہوا کہ مختصر عرصے میں حضور صدر الشریعہ کے گھر کے گیارہ افراد کا انتقال ہوا، گزشتہ قسط میں ہم نے حافظ حسن رضا صاحب امام مسجد دادوں کے حوالے سے لکھا تھا کہ ان شہزادگان میں آٹھ نو افراد کی قبریں اسی قبرستان میں ہیں، میں نے حافظ حسن رضا صاحب سے پوچھا: یہ کیسے معلوم؟ بولے کہ نواب صاحب نے ان قبروں کو ایک طرز پر بنوایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ واقعۃً چند قبریں نسبتاً پختہ اور ایک طرز کی ہیں۔ محدث کبیر سے ہم نے تفصیل پوچھی تو آپ نے دو حضرات کی قبریں دادوں میں ہونا کنفرم کیا، فرمایا: ''تو اس میں بنو آپا اور عطاء المصطفیٰ بھیا کا انتقال دادوں میں ہوا''۔

ہم نے ان دونوں کے متعلق محدث کبیر سے تفصیل سے جاننا چاہا، حضرت نے اپنی یادداشت سے جو کچھ بتایا وہ کچھ یوں ہے:

شہزادیٔ صدر الشریعہ ''عزیزہ'' عرف ''بنّو'' اور صدر الشریعہ کا خواب:

دادوں میں بنو آپا کا انتقال ہوا، ان کا نام عزیزہ تھا، وہ بابو بھیا سے بھی بڑی تھیں۔ بڑی پرہیزگار، اور نماز کی شدت سے پابند تھیں، اور تہجد کی بھی پابند تھیں، مسائل بہت یاد رہتے تھے، ان کی شادی طے ہوگئی تھی، تو ان کے لیے ایک مسہری بنائی گئی تھی، وہ انھیں کی شادی کے لیے جہیز کا انتظام ہوا تھا اسی درمیان ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ملت فرما رہے تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ ان کی وفات سے ایک روز پہلے مجھے سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی، تو فرمایا: میں بنو کو لینے آیا ہوں۔ یہ حافظ ملت نے یہاں (گھوسی میں) عرس امجدی کی تقریر میں کہا۔ بنو تو (اپنی والدہ سے) اکیلی تھیں، جیسے قاری صاحب اکیلے تھے۔

شہزادۂ صدر الشریعہ مولانا عطاء المصطفیٰ علیہ الرحمہ:

مولانا عطاء المصطفیٰ بھیا بہت اچھے عالم تھے، ان کے ایک معاصر عالم کہتے تھے کہ اتنے مسائل دینیہ ان کو یاد تھے کہ میں نے کسی عالم سے اتنے مسائل نہیں سنے، کہ جو مسئلہ پوچھا جائے پٹ سے جواب دیں۔

بہار شریعت اس وقت تک چند حصے لکھے گئے تھے، کتاب البیوع وغیرہ لکھ گیا تھا، بھائی جان کی وفات کے بعد سولہواں (سترہواں) حصہ لکھا گیا، پھر جب شروع کیا اٹھارہواں حصہ لکھنا تو مولانا عطاء

المصطفیٰ بھیا کا انتقال ہوا اس کے بعد کام رک گیا، فرمارہے تھے ان کے انتقال کے بعد آنکھ کے سامنے اندھیرا ہوگیا۔

مولانا عطاء المصطفیٰ بھیا لمبے تھے دبلے پتلے متوازن جسم تھا ان کا ، ان کی شادی ''گڑھوار'' میں ہوئی، (بلیا میں رتسڑ کے قریب ایک بستی ہے) شادی میں ہنگامہ بھی ہوا۔ وہاں شادی میں لڑکے کی طرف سے مچھلی دی جاتی ہے، برات لے کر پہنچے تو ابا جی نے ان لوگوں کو مچھلی کا پیسہ دیا، ان سبھوں نے کہا: نہیں، ہم لوگوں کو مچھلی چاہیے، ہم لوگ پیسہ نہیں لیں گے۔ کہا: بھائی! اگر میں مچھلی وہاں سے لاتا تو راستے میں سڑ جاتی، آپ لوگ انتظام کرلیجیے میں پیسہ دیدیتا ہوں۔

بولے: ''ہم لوگ انتظام نہیں کریں گے''۔

رات کا وقت تھا، اب وہ سب جھگڑے پر آمادہ ہوگئے، ابا جی نرمی سے سمجھا رہے تھے، جتنا ہی نرمی سے سمجھا رہے ہیں وہ لوگ اتنا ہی گرم ہو رہے ہیں، پڑھے لکھے مہذب تو تھے نہیں، بڑے ابا (حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے بڑے بھائی حکیم محمد علی صاحب) نے دیکھا کہ یہ سب ایسی بات کرر ہے ہیں کہ ابھی جھگڑا ہوجائے، وہ ایک دم غصے میں آگئے ،اور صدر الشریعہ سے مخاطب ہوکر کہنے لگے:

''کیا آپ ان سبھوں سے بات کرتے ہیں۔ چلیے! اب شادی نہیں ہوگی......، چلیے اٹھیے......، چل بے فلانے، یہ اٹھا......، چل بے! وہ اٹھا......، ابا جی کا بازو پکڑ کر اٹھانے لگے ......، کھڑے ہوئے، چلیے...... یہاں کوئی ضرورت نہیں، شادی نہیں ہوگی۔ ایسی ایسی مچھلی..........''۔

اس طرح (بڑے ابا نے) گرمی دکھائی تو سب ٹھنڈے پڑ گئے۔ سب بدمعاشی ختم، اب گاؤں کے سربرآوردہ لوگ آئے، بولے: جانے دیجیے۔

بڑے ابا جلال میں تھے، بولے:

''نہیں نہیں......، ہم لوگ عزت رکھتے ہیں، مہمان بن کر آئے ہیں، بات رکھنی چاہیے''۔

وہ لوگ کہنے لگے:

غلطی ہوگئی غلطی ہوگئی۔

بولے: مجبوری نہیں سمجھ سکتے، کہ ہم لوگ کیسے وہاں سے آئے ہیں!...... اور کیسے مچھلی آتی!...... تم لوگ یہاں مچھلی کی فرمائش کر رہے ہو!!!......، تم انتظام کردو، ہم پیسہ دیدیتے ہیں۔

خیر، (معاملہ حل) ہوگیا، اب صبح کو وہاں سے برات رخصت ہوئی، دھوڑی (پسے ہوئے چاول کا لڈو) وغیرہ بن کر وہاں سے آرہا تھا، لوگوں کو بھوک لگی ،اس وقت راستے میں ہوٹل وغیرہ تو تھا نہیں، لوگوں نے وہی دھوڑی کھانی شروع کی، (ہنستے ہوئے ......) سب قے کرنے لگے، کیوں کہ اس دھوڑی میں لوگوں نے شکر سمجھ کر وافر مقدار میں نمک ملادیا تھا، پھر جب معلوم ہوا کہ اس میں نمک پڑ گیا تو (اسی قدر) شکر بھی ملادیا۔ تو تماشا ہوگیا، سب کھا کھا کر قے کرنے لگے۔

میں نے پوچھا:

ان (مولانا عطاء المصطفیٰ مرحوم) کی تعلیم اجمیر شریف میں ہوئی ہوگی؟

فرمایا:

ہاں کچھ تو وہاں پڑھا ہے، لیکن دستار بندی دادوں میں ہوئی، اعظمی صاحب کے ساتھ۔ (علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ)

میں نے پوچھا:

جوانی میں ان کا کیسے انتقال ہوگیا؟

فرمایا:

نہیں معلوم، میرا خیال ہے کہ ان کو ٹی بی ہوگیا تھا۔

میں نے پوچھا:

دستار بندی کے بعد ان کی کچھ مصروفیات؟

فرمایا:

معلوم نہیں، شاید بریلی شریف میں پڑھا رہے تھے، ابا جی نے ان کو اور علامہ ازہری صاحب کو بریلی شریف میں رکھ دیا تھا۔ جب ان کا دادوں میں انتقال ہوا تو وہیں حویلی کے آنگن میں ان کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا، جب جنازہ اٹھا اس وقت میں برآمدے میں تھا، جنازہ اٹھا تو ابا جی بولے:

''عطاء المصطفیٰ! تو زندہ ہے کہ مردہ؟ زندہ ہے تو جواب دے!''

بس اتنا ہی کہا اور بولے: ''اب لے چلو''۔

مجھے سمجھ میں نہیں آیا، اس کے بعد سے اب تک میں سوچتا رہا کہ کیا کسی حدیث شریف میں اس طرح کا ذکر ہے کہ نہیں؟ ملا بھی نہیں۔ جنازہ اٹھنے کے بعد کیوں یہ لفظ کہا؟ ''تو زندہ ہے کہ مردہ؟''

مذکورہ تفصیلات سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ شہزادۂ صدر الشریعہ مولانا عطاء المصطفیٰ اور شہزادیٔ صدر الشریعہ عزیزہ بنو پھوپھی علیہما الرحمہ کی شخصیت کتنی اہم تھی، ان دونوں کو حضور صدر الشریعہ کس قدر چاہتے تھے، دونوں کا انتقال دادوں میں ہی ہوا اور وہیں نواب صاحب کے قبرستان میں دونوں آسودۂ خاک ہیں۔ یہ قبرستان دادوں شاہراہ پر ہی واقع ہے۔ اسی قبرستان میں نواب حافظ ابوبکر خاں بھی مدفون ہیں، اسی میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کے سینئر استاذ مولانا نور محمد مرحوم مدفون ہیں، اور یہیں صدر العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کے سگے بھائی حضرت علامہ غلام ربانی علیہ الرحمہ کی بھی قبر ہے۔

میں نے دریافت کیا:

کیا رمضان شریف میں بھی صدر الشریعہ کا دادوں میں قیام ہوتا تھا؟ اس لیے کہ بہار شریعت ۱۸/ ویں حصے کے عرض حال میں فرماتے ہیں کہ: ''۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ کا دادوں ضلع علی گڑھ میں انتقال ہوا''۔

اس کا مطلب کبھی کبھی رمضان میں قیام ہوتا تھا۔

اس پر فرمایا:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپا جان (عائشہ خاتون) نے ''دادوں'' میں رمضان میں روزہ رکھا، اب وہ پیاس سے رونے لگیں، ظہر کے بعد، پانی دو پانی دو، ابا جی نے کہا: ارے ابھی تو دن

ڈوبے گا، ابھی تو کچھ دیر میں دن ڈوبے گا۔ سعیدہ ذرا دوڑ کے دیکھ تو مغرب کی اذان ہو رہی ہے یا نہیں۔ اس طرح تسلی دے دے کر ان کا روزہ پورا کرایا۔ میں نے بھی پہلا روزہ شاید دادوں میں رکھا، پورا یاد نہیں آ رہا ہے۔

دادوں میں صدر الشریعہ کے تلامذہ:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جب دادوں پہنچے تو ہر طرف ان کی آمد کا شہرہ ہو گیا، علاقے کے طالبین نے تو موقع غنیمت جانا اور بارگاہِ صدر الشریعہ میں پہنچ گئے، جن میں حضرت علامہ سید ظہیر الدین زیدی علیہ الرحمہ اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی کا نام بھی آتا ہے، یہ علی گڑھ کے ہی رہنے والے تھے، بریلی شریف مراد آباد کے طلبہ بھی آنے لگے، قرب و جوار کے علاوہ دور دراز کے شائقین بھی پہنچنے لگے، محسن فقیہ اور حامد فقیہ شافعی مہاراشٹر سے آئے، یہاں تک کہ افغانستان سے بھی طلبہ آئے اور مبلغ اعظم علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ نے افریقی ممالک سے بھی بارگاہِ صدر الشریعہ میں طلبہ بھیجے، جن میں ماریشش کے حضرت مولانا محبوب خدا بخش کا تفصیلی تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

دادوں کے طلبہ میں قابل ذکر یہ ہیں: مولانا اعجاز ولی خاں، مولانا حافظ مبین الدین فاروقی، مولانا محمد خلیل خاں، مولانا حافظ وقاری محبوب رضا خاں، مولانا سید ظہیر احمد زیدی، مولانا غلام ربانی، مولانا اختر الزماں خاں شیروانی، مولانا رفیق الحق صاحب، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا مظہر ربانی باندہ۔ مولانا محسن فقیہ مولانا حامد فقیہ، مولانا محبوب خدا بخش ماریشش وغیرہ

ماریشش کے مولانا محبوب خدا بخش کا تذکرہ:

حضور محدث کبیر نے فقیر کو ان کے متعلق تفصیل سے بتایا کہ جب ماریشش پہلی بار سفر ہوا تو مولانا ہاشم علیدی کے گھر پر قیام ہوا، ان سے مولانا محبوب خدا بخش کے متعلق دریافت کیا۔

یہ مولانا محبوب خدا بخش ماریشش سے دادوں علی گڑھ صدر الشریعہ کی بارگاہ میں تعلیم حاصل کرنے آئے تھے، صدر الشریعہ کے پاس ہی پڑھتے رہے۔ صدر الشریعہ جب دادوں سے رخصت ہوئے تو وہ بھی ساتھ ساتھ آ گئے، تو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ان کا داخلہ مبارک پور میں کرا دیا، جب وہ مبارک پور سے فارغ ہوئے تو ان کی فراغت کا جلسہ صدر الشریعہ نے قادری منزل کی چھت پر رکھا، اور ان کی دستار بندی گھر پر بھی کی تھی۔

مولانا ہاشم علیدی سے محدث کبیر نے مولانا محبوب خدا بخش سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

انھوں نے کہا: ہاں میں ان کو جانتا ہوں، مگر اب ان پر اکثر جذب کی کیفیت طاری رہتی ہے، آپ ان سے ملیں گے تو نہ جانے کیا معاملہ آپ کے ساتھ کریں۔

فرمایا: دیکھا جائے گا، ابھی لے کر چلیے، لے کر چلے، آگے کی تفصیل حضور محدث کبیر کی زبانی حاضر ہے:

جب ان سے ملاقات ہوئی تو علیک سلیک ہوئی، پھر فرمایا:

آپ مجھے پہچانتے نہیں ہوں گے، میرا نام ضیاء المصطفیٰ ہے، میں صدر الشریعہ کا بیٹا ہوں، مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ جب دادوں میں پڑھتے تھے کہ ابا جی آپ کو بازار سے گھر کی

سبزی وغیرہ لانے کے لیے پیسے دیتے تھے، اور آپ لے کر آتے تھے، مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ایک بار اتنی بڑی (انگلی کی مقدار) ہری مرچ آپ لے کر آئے، اور آپ نے مجھ سے کہا:

تم اکیلے یہ مرچ کھالو تو میں ایک پیسہ دوں گا۔

میں نے کہا: لائیے! تو میں نے وہ پوری مرچ آپ کے سامنے کھائی، اور آپ کو اس وقت ایک پیسہ نکالنا پڑا۔

وہ بیٹھے سب سنتے رہے اور ذرا مسکرائے، کچھ بولے نہیں، سلام وغیرہ بس۔

میں نے کہا: بہر حال مجھے یہ معلوم ہے، میں اس وقت چھوٹا تھا، جب آپ مبارک پور سے فارغ ہوئے تو ابا جی نے گھر کی چھت پر ایک جلسہ کرایا تھا، اور اس میں آپ کی دستار بندی بھی ہوئی، اور مٹھائی بھی بٹی تھی، اب پتہ نہیں آپ کو یاد ہے کہ نہیں یاد ہے۔

تو اب ان کے آنکھوں میں آنسو آگئے، سب یاد آگیا، مگر کچھ بولے نہیں۔ وہ جذب کی کیفیت میں تھے۔ میں چلا آیا۔

جب دوبارہ ماریشش گیا، تو ہاشم علیدی کے گھر والوں نے بتایا کہ مولانا محبوب صاحب آئے تھے، میں نے کہا: کون مولانا محبوب؟ بولے: وہ خدا بخش والے۔ میں نے کہا: اچھا، کیسے آئے تھے؟

بولے: بس، آئے، بیٹھے، اور بولے: ذرا کچھ کھانے کو دو۔

ہم نے کچھ کھانے کو دیا، تو بولے: ''تمہارے یہاں جو مولانا آئے تھے، تم لوگ نہیں جانتے وہ کون ہیں، ان کو میں جانتا ہوں، (آواز کھینچ کر......) بہووووت بڑا آدمی ہے، اور بہووووت بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ اس لیے تم اس کی قدر کرنا، اب آئے تو بہت عزت کرنا''۔ ایسے ایسے بول کر گئے۔

اس کے بعد ایک اور ملاقات ہوئی، بعد میں گیا تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا، تو میں نے کہا: مجھے لے چلیے ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے۔

تبصرہ: یہ صدر الشریعہ کے ایک شاگرد کی کہانی تھی، ایک طرف صدر الشریعہ معقولات کے امام تھے تو دوسری طرف فقہ کے ماہر تھے، تیسری طرف تصوف ان کے مزاج میں شامل تھا، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جلوتوں کے مظاہر تو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، مجھے لگتا ہے کہ یہ مولانا محبوب خدا بخش صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خلوتوں کے مظہر تھے۔

مفتی محبوب رضا خاں بریلوی:

مفتی محبوب رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیامِ دادوں کے متعلق اپنی روداد اور اپنے استاذ گرامی حضور صدر الشریعہ کے احوال تفصیل سے بیان کیے ہیں، ہم ذیل میں انھیں سے اقتباس کر کے ان کی زبانی کچھ متعلقہ امور درج کرتے ہیں:

''حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں ۱۹۳۹ء میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڈھ حاضر ہوا۔ چونکہ درمیان سال تھا حضرت نے فرمایا: بندۂ خدا! بغیر پیشگی خط وکتابت کے آگئے۔ تین پیسے کا خط لکھ کر پہلے مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا! یہاں درمیانِ سال میں داخلہ ممنوع ہے، یہ ریاست ہے، اور نواب صاحب کی اجازت کے بغیر درمیان سال میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے عرض کی: حضور! اب تو میں آگیا، واپس نہیں جاؤں گا، داخلہ نہیں ہوتا تو نہ ہو، میں بستی میں کرایہ کا مکان لے لوں گا، آپ پرائیویٹ طور پر کوئی ایک

سبق مجھے شروع کرادیں۔ فرمایا: میرے پاس وقت کہاں ہے؟ عرض کی: عصر مغرب کے درمیان وقت ہے، فرمایا: اس وقت میں اخبار دیکھتا ہوں، عرض کی: حضور دس منٹ مجھے عنایت فرمادیں، فرمایا: بچوں کی سی باتیں کرتے ہو، دس منٹ میں پڑھایا جاسکتا ہے؟ عرض کی: حضور! میرے لیے دس منٹ بہت ہیں، فرمایا: کیا پڑھنا چاہتے ہو؟ عرض کی کہ جو حضور پڑھائیں، ہنس پڑے، پھر فرمایا: منطق کہاں تک پڑھی ہے؟ عرض کی: قطبی پڑھی۔ فرمایا: ملا جلال شروع کردو، عرض کیا جو حکم ہو، پھر کچھ تامل کے بعد دریافت فرمایا: میر زاہد رسالہ پڑھا ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: پھر پہلے رسالہ پڑھو، عرض کی: جو حکم، فرمایا: کل سے میر زاہد شروع کردو۔

چنانچہ دوسرے روز عصر کی نماز کے بعد مدرسہ کے چبوترے پر چارپائی پر بیٹھ کر میر زاہد شروع کرایا، اس میں ساتذۂ مدرسہ بھی شریک درس ہوگئے، اور اکثر طلبہ بھی۔ یعنی میر زاہد رسالہ میں میرے شریک طلبہ کی تعداد سب اسباق کی جماعتوں سے بڑی ہوگئی، (کچھ دنوں بعد) چھٹی جماعت میں شریک ہوکر اسباق کی سماعت کی اجازت بھی مل گئی، مطبخ کے باورچی کو بلا کر حکم فرمایا کہ قاری صاحب کا کھانا دونوں وقت کا تم دینا اور پیسے ان سے طے کر لینا۔ چنانچہ میں کئی مہینہ اسی طرح ہاسٹل میں رہا، پھر ایک روز نواب غلام محمد خاں صاحب مرحوم متولی مدرسہ ہاسٹل میں تشریف لائے، میری طلبی ہوئی اور مجھ کو باقاعدہ داخلہ مل گیا۔

میرے عزیز مفتی اعجاز احمد خاں مرحوم و مغفور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے بہت قریب تھے، مجھے ان کے ساتھ قیام کی اجازت مل گئی، اس طرح میں حضرت صدر الشریعہ کا خادمِ خاص بن گیا، سودا سلف کی خریداری اور دیگر امور خانہ میں مفتی اعجاز ولی خاں صاحب مرحوم کے بعد میں دخیل ہوا، دھوبی کو حضرت کے گھر کے کپڑے دینا، ان کا حساب لکھنا اور اندراج کے مطابق وصول کرنا میری ذمہ داری تھی، سبزی وغیرہ بھی خرید کرلاتا، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض چیزیں بغیر اجازت اپنی مرضی سے خرید لاتا، جو کچھ منگوایا گیا اس میں اپنی مرضی سے ردوبدل کرلیتا، حتیٰ کہ بعد میں اکثر ایسا بھی ہوا کہ گھر سے کوئی بچہ پوچھنے کے لیے آتا: آج کیا پکایا جائے؟ تو حضرت فرما دیتے: قاری صاحب سے پوچھو۔ کشیدنی تمباکو میں اپنی مرضی سے خرید لاتا، جتنی منگوائی جاتی اس سے بہت زیادہ خرید لاتا، فرماتے کہ اتنی کیوں خریدی؟ میں نے تو اتنی کہی تھی، عرض کر دیتا کہ حضور یہ تمباکو بہت اچھا ہے، دیسی ہے اور خوب تیز ہے، کام آئے گا، روز ایسا نہیں ملے گا۔ ہنس کر خاموش ہو جاتے، میں بر بنائے خلوص وعقیدت اس قسم کے تصرفات کرتا تھا، اور حضرت خلوص کے قدرداں تھے۔

طلبا سے بہت خلوص ومحبت فرماتے اور انھیں اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ آپس میں اُن کے لیے ''اَبا'' کا لفظ استعمال کرتے، چونکہ حضرت کے بچے ان کو ابا کہتے تھے۔ نہایت چشم پوش اور کریم النفس تھے، مگر اصول میں سخت گیر اور بہترین قسم کے منتظم تھے، میں نے ان سے زیادہ متبعِ سنت کسی کو نہیں دیکھا۔ صاف گو، سادہ لوح، نہایت معاملہ فہم، خوش مزاج اور حلیم الطبع تھے، لباس بالکل سادہ پہنتے تھے، دیسی کھدر کا کرتا' عرض کا پاجامہ، کھدر ہی کی بنڈی، اور کھدر ہی کا جبہ سفید یا ہرے رنگ کا، مگر ٹوپی دو پلی چپ عمدہ ململ یا دائل

کی، رنگین عمامہ، جاڑوں میں اونی ٹوپا، اونی جرسی یا روئی کی مرزئی دہلی والی سرخ نری کی ایک کنٹھے والی پاپوش استعمال فرماتے تھے۔ نہایت وجیہ شخصیت کے مالک تھے۔

پسندیدہ خوراک:

بھنا ہوا گوشت وروٹی اور ترکاریوں میں تلے ہوئے کریلے شوق سے تناول فرماتے تھے، دارجیلنگ کی عمدہ چائے پیتے اور اس معاملہ میں نہایت نفاست پسند واقع ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ والدہ صاحبہ گھوسی تشریف لے گئیں تھیں، حضرت دادوں میں موجود تھے، ایک میواتی فلک شیر خاں کی بھینس بیمار ہوگئی، مفتی اعجاز ولی خاں مرحوم نے اس کو تعویذ لکھ کر دیا کہ گھر کی ڈاہی میں لٹکادے، اللہ کے حکم سے وہ بھینس تندرست ہوگئی، اس نے تقریباً پانچ سیر دودھ مفتی صاحب کو نذر کیا، پروگرام بنا کہ چاول اور شکر حضرت کے یہاں سے حاصل کیے جائیں، میں نے خدمت اقدس میں عرض کی: چاول اور شکر چاہیے! فرمایا: کیا کروگے؟ عرض کی کھیر پکائیں گے، فرمایا: لےلو، دودھ کہاں سے لوگے؟ عرض کی: دودھ اس طرح مل گیا ہے، مسکرائے، فرمایا: ہم کو تو تعویذ کا معاوضہ کوئی نہیں دیتا، اعجاز میاں ہم سے زیادہ کامیاب ہیں۔ غرض کی کھیر پکی، مگر اس میں شکر بہت زیادہ ہوگئی، میرے متعلق طلبا نے مشہور کر رکھا تھا کہ میں میٹھا بہت زیادہ کھاتا ہوں، جب حضرت نے تناول فرمائی تو دو چار چمچے لے کر چھوڑ دی، اور ہنس کر فرمایا: اعجاز میاں! قاری صاحب نے اپنے مطلب کی پکائی ہے، تاکہ اور کوئی نہ کھا سکے، اب یہی اس کو ختم کریں گے۔ ہلکا میٹھا پسند فرماتے تھے، پان زیادہ کھاتے تھے اور کشیدنی تمبا کو میں غازیپور، گورکھپور اور لکھنو کا عمدہ خمیرہ استعمال کرتے تھے۔ تمبا کو بنانے اور خرید کرلانے اور اس میں خمیرہ ملانے کی خدمت میں انجام دیتا تھا۔

عصر کے بعد چہل قدمی کے لیے میں نے مشورہ دیا، پسند فرمایا۔ چنانچہ بعد نمازِ عصر روزآنہ تقریباً ایک میل ٹہلنے کو جاتے، اکثر مولانا حافظ مبین الدین صاحب بھی ہمراہ ہوتے، راستہ بھر ہم لوگ مسائل پوچھتے جاتے اور حضرت جوابات ارشاد فرماتے جاتے۔ ایک مرتبہ بارہ ربیع الاول شریف کو صبح صادق کے وقت اپنے گھر میں محفل میلاد سے فارغ ہو کر نماز ادا کی اور حسن پور کے جلسے میں شرکت کے واسطے تشریف لے چلے، حضرت محدث صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ دونوں بزرگوں کی چارپائیاں صحن میں برابر برابر پڑی تھیں، ہم لوگ حضرت کے پاؤں دباتے جاتے اور مسائل پوچھتے جاتے۔ حضرت آنکھیں بند کیے ہوئے جوابات ارشاد فرماتے جاتے، محدث صاحب علیہ الرحمہ نے کچھ دیر تو خاموشی اختیار فرمائی مگر جب سوالات وجوابات اور جوابات پر اعتراضات اور پھر اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ ختم ہوتا نظر نہیں آیا تو اپنے مخصوص انداز میں ارشاد فرمایا: حضرت آپ کے تلامذہ معاملات میں بہت صفائی پسند واقع ہوئے۔

حضرت نے دریافت فرمایا: وہ کیسے؟

محدث صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا: حضرت! میں دیکھ رہا ہوں ایک گھنٹہ ہوا کہ یہ حضرات آپ سے اپنی محنت کی قیمت نقد وصول فرماتے جارہے ہیں، یہ لوگ ادھار کے قائل نہیں۔

حضرت نے ہنس کر فرمایا: میں عادی ہو چکا ہوں، اس

سے میرے آرام میں خلل نہیں پڑتا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا: بس بھائی، آپ لوگ بھی آرام فرمائیں، اور محدث صاحب کو بھی آرام کرنے دیں، ان کو نیند آرہی ہے۔

وادوں میں تدریس کے طریقے کے متعلق لکھتے ہیں:

دوسرے مدرسین سے حضرت کا طریقۂ تدریس مختلف پایا، دوسرے اساتذہ کے اسباق میں طلبا قراءت کے لیے آپس میں جھگڑتے تھے کہ تم قرأت کرو، حضرت ایک مرتبہ "ہوں" فرماتے، یہ قرأت شروع کرنے کا اشارہ ہوتا، مگر طلبا آپس میں کہنیاں مارنا شروع کردیتے، حضرت دوبارہ "ہوں" فرماتے، مگر شروع کرنے کی کسی کی ہمت نہ پڑتی، پھر جب تیسری مرتبہ "ہوں" فرماتے تب کوئی نہ کوئی گھبرا کر قراءت شروع کردیتا۔ اکثر وبیشتر میں اور حافظ مبین الدین قراءت کرتے، کبھی کبھی دوسرے ساتھی بھی قراءت کرتے، اگر عبارت پڑھنے میں کوئی غلطی ہوجاتی تو پڑھنے والے کی شامت آجاتی۔ حضرت بہت ناراض ہوتے، ترجمہ لفظی پسند فرماتے تھے، اگر ترجمہ میں کوئی لفظ اپنی طرف سے طالب علم بڑھادیتا تو فوراً پوچھتے کہ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ ترجمہ کے بعد دریافت فرماتے کہ کیا سمجھے بیان کرو۔ چنانچہ اگر مطلب صحیح بیان کردیا جاتا تو خود تقریر فرمانے لگتے اور اگر مطلب صحیح بیان نہ ہوا تو ناراض ہوتے اور فرماتے: میرے پاس بغیر مطالعہ کیے مت آیا کرو۔ صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک اور امور عامہ جیسی مشکل کتابوں کی تقریر حفظ سے فرماتے جاتے۔ تقریر کے بعد پھر کتاب پر نظر ڈالتے اور فرماتے: اب حافظہ کمزور ہوگیا ہے اس لیے دیکھ لیتا ہوں کہ کوئی جملہ رہ تو نہیں گیا، جوانی میں کتاب دیکھے بغیر پڑھاتا تھا، جہاں طالب علم نے "بس" کی حضرت نے کتاب بند کردی، کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تھوڑا اور پڑھ لو۔ بخلاف دوسرے مدرسین کے، کہ ان کے یہاں جب طالب علم نے بس کی تو انھوں نے فرمایا: تھوڑا اور پڑھ۔ اس کے باوجود سب سے پہلے حضرت کی کتاب ختم ہوتی تھی، آپ سبق کی تقریر دوبار فرماتے تھے۔ میں تو اس کو حضرت کی کرامت ہی مانتا ہوں بخاری شریف کے گویا حافظ تھے، اور جن احادیث پر شروحِ احادیث میں قیل وقال ہے ان کے متعلق ایسی تقریر فرماتے کہ طالب علم کو اعتراض کی گنجائش نہ رہ جاتی۔

ایک واقعہ مجھے خوب یاد ہے کہ بخاری شریف کی ایک حدیث جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرطاس طلب فرمایا تھا اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بایں خیال کہ بخار کی شدت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف دینا مناسب نہیں ہے قرطاس لانے کی مخالفت کی تھی، شروحِ احادیث میں بہت قیل وقال کی گئی ہے۔ چنانچہ میں نے فتح الباری اور حافظ مبین الدین صاحب نے عینی شرح بخاری کا خوب مطالعہ کیا، اور صلاح کی کہ اس پر خوب اعتراض کریں گے تاکہ حضرت یہ جان کر کہ میرے تلامذہ خوب مطالعہ کرکے آئے ہیں خوش ہوں اور دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں ہم زیادہ مطالعہ کرنے والے اور ذہین ثابت ہوں۔ مگر ہوا یہ کہ میں قرأت کررہا تھا جب مذکورہ حدیث میں میں نے لفظ "اَھْجَرَ" پڑھا تو حضرت نے فرمایا "اَھَجَرَ" یعنی میں نے "ہ" کو ساکن پڑھا تھا اور حضرت نے "ہ" کو مفتوح پڑھنے کو فرمایا، جس کے بعد اعتراضات خود بخود

ختم ہوگئے اور فرمایا کہ ''ۃ'' کو مفتوح پڑھنا ہی صحیح ہے۔ مختصر یہ کہ پیچیدہ مقامات پر ایسی سلجھی ہوئی اور دلنشیں تقریر فرماتے کہ طالب علم کو اعتراض کا موقع کم ملتا۔ حدیث شریف کے سبق کے شروع میں بسم اللہ کے بعد درود شریف ضرور پڑھا جاتا، اکثر خود اعتراضات کی تقریر فرما کر جوابات ارشاد فرماتے۔

(حیات وخدمات)

مولانا لطف اللہ قادری علی گڑھی:

مولانا لطف اللہ علی گڑھی بھی دادوں کے تلامذہ میں سے تھے، وہ اپنی تحریر میں دادوں قیام کے دوران کے کچھ احوال بیان کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی تحریر سے کچھ اقتباس درج کرتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں:

حضرت صدر الشریعہ کے آخری طلبہ میں مجھ جیسے نابکار کا بھی شمار ہے جس نے ان کی آخری حیات کے لمحات کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی دور اندیش نظر نے آخری وقت میں منجملہ اور چند خوش نصیب ہستیوں کے مجھ ناچیز کو بھی اپنی غلامی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ چنانچہ اکثر و بیشتر سفر کے مواقع پر اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ میری عمر اس وقت ۱۷ ریا ۱۸ رسال کی تھی۔ سفر کی حالت میں ان کے پانوں کی ڈبی میرے ہی پاس رہا کرتی تھی، جب بھی طلب فرماتے میں پان پیش کر دیتا تھا۔ ان کو میرا بنایا ہوا پان بہت مرغوب تھا، پان میں تمباکو بہت ہی خفیف ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی ان سے نگاہ بچا کر میں بھی ان کی ڈبی کا پان کھالیا کرتا تھا۔ اسی وقت سے میں بھی پان کا عادی ہوگیا، لیکن ان پر یہ ظاہر نہ ہونے دیتا کہ میں بھی پان کھاتا ہوں، اپنے ہونٹوں پر پان کی سرخی کو صاف کر لیا کرتا تھا۔ ایک دن بحالت سفر اتفاقاً ان کے پان میں میرے ہاتھ سے معمول سے کچھ زیادہ تمباکو پڑ گیا، فرمایا: ''میرے پان میں اپنی طرح زیادہ تمباکو ڈال دیا''۔ اتنا سننا تھا کہ میں شرم سے پانی پانی ہوگیا، کہ آج حضرت نے میرے پوشیدہ جرم کا پردہ فاش کر دیا۔ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ میرا پان کھانا حضرت کے علم میں نہیں ہے، اس ندامت کا میرے ہوش حواس پر اس قدر گہرا اثر پڑا کہ حضرت معمولاً روز آنہ دلائل الخیرات شریف پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ سفر میں بھی ناغہ نہ فرماتے اس سفر میں دلائل الخیرات شریف سامانِ سفر میں سے میرے ہاتھ سے گم ہوگئی، اس کے احساس سے میرے ہوش وحواس اور بھی ماؤف ہوگئے۔ بقول کسے: ؎

آئینہ ان کا ٹوٹ گیا میرے ہاتھ سے
اب کوئی منھ دکھانے کی صورت نہیں رہی

میں نے بکوشش داب و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب دلائل الخیرات شریف کے گم ہونے کا حال خدمت عالی میں عرض کیا تو مجھے ہلکی سی ڈانٹ پلائی، فرمایا: ''ہوش میں نہیں رہتا''۔

ایک مرتبہ میں ریاست دادوں میں کچہری کی چھت سے نیچے اتر رہا تھا اور حضرت نیچے سے اوپر تشریف لا رہے تھے، زینہ کافی چوڑا تھا، میں ایک طرف سمٹ کر آہستہ آہستہ اترنے لگا جب اس سیڑھی پر پہنچا جس پر حضرت نے قدم رکھا تھا تو میرے منھ پر ایک تھپڑ مارا اور فرمایا کچھ نہیں، اور اوپر تشریف لے گئے۔ میں نیچے اتر آیا، حالانکہ طلبہ کو مارنے کی عادت نہ تھی، ہاں ڈانٹ بہت سخت تھی، جسے سن کر طلبہ کے حواس باختہ ہو جاتے تھے۔ چونکہ اس وقت میں بزرگوں کے داب و آداب سے قطعاً نابلد تھا حضرت کا

تھپڑ کھا کر بات سمجھ میں آ گئی اس لیے بات کی نہیں، یہ ایک تھپڑ میرے حق میں نہایت کار آمد و مفید ثابت ہوا، مجھے اس ایک تھپڑ نے داب و آداب کی بہت سی منزلیں طے کرادیں، میرے دل میں اب تک یہی حسرت باقی ہے کہ کاش ایسے چند تھپڑ اور بھی کھائے ہوتے۔

میرے تایا میاں مرحوم منشی اللہ بخش صاحب کو حضرت سے بڑی محبت و عقیدت تھی۔ حضرت کو عرق النسا کی تکلیف رہا کرتی تھی، میرے تایاں میاں مرحوم نے ایک نسخہ تحریر کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کیا جو مفید ثابت ہوا، اور اس نسخے کے گم ہونے پر حضرت نے کئی بار وہ نسخہ تایاں میاں مرحوم سے بذریعہ تحریر طلب فرمایا۔ جب حضرت نے ریاست دادوں کو خیر باد کہا تو میں اور میرے تایاں میاں مرحوم علی گڑھ تک حضرت کے ہمراہ رہے اور میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں حضرت سے دریافت کیا کہ حضور ان غلاموں کے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا اس وقت تو میں اپنے وطن گھوسی جارہا ہوں، یہ لوگ بریلی شریف چلے جائیں، میں مفتی اعظم میاں کے نام ایک رقعہ تحریر کیے دیتا ہوں، وہاں ان کی اچھی تعلیم ہو جائے گی۔ چنانچہ ہم لوگوں کو اپنے طلبہ تحریر فرما کر دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی صاحب میں داخلہ کرادیا۔ اس وقت حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ وہاں صدر المدرسین تھے جو حضرت ہی کے تلامذہ سے تھے۔ حضور مفتی اعظم نے حضرت صدر الشریعہ کا مکتوب گرامی پا کر ہم چار طلبہ۔ (۱) میں (۲) مولانا مظہر ربانی (۳) مولانا محبوب خدا بخش افریقی اور (۴) مولانا منظر اٹاوی کی تعلیم کا معقول انتظام فرمادیا۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نہایت سادگی سے زندگی بسر فرماتے تھے۔ سوتی موٹا مضبوط سفید رنگ کا لباس زیب تن فرماتے، آخری حیات میں اس سادگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا، اپنی نسلی اولاد اور عام طلبہ کے ساتھ یکساں برتاؤ ہوا کرتا تھا، ہم طلبہ حضرت کو ابا کہا کرتے تھے، اور حضرت بھی طلبہ کو اولاد کی طرح سمجھتے، تعلیم و تربیت میں حضور کا رویہ بہت سخت تھا۔ نمازوں کی پابندی اور احکام شریعت کی پابندی پر بہت زور دیتے، غلط ماحول سے روکتے، بدکلامی اور گالی گلوج سے طلبہ کو باز رکھتے۔ طلبہ کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ نہایت عادلانہ انداز سے فرماتے۔ ایک دن ریاست دادوں میں حافظ قاری رضاء المصطفیٰ زید مجدہم نے کسی طالب علم سے جھگڑتے ہوئے گالی بک دی، اس طالب علم نے حضرت کی خدمت میں شکایت کی، صاحبزادے کو اسی وقت بلوایا اور جواب طلب فرمایا، انھوں نے جواباً عرض کی: ابا میں نے گالی نہیں بکی، سختی سے فرمایا: ”پھر کیا دعا پڑھی تھی“۔

حضور کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے۔ ایک مرتبہ ریاست ”دادوں“ میں حضرت مولانا امین الدین صاحب چھپروی علیہ الرحمہ ایک طالب علم سے گھیاں کے پتوں کا تقاضا فرما رہے تھے تو حضور نے سن کر ارشاد فرمایا: ”یہ پتے تو کیا آپ کو گھیاں بھی نہیں دیں گے“۔ حضور اپنے طلبہ کو بزدل بھی نہیں بناتے تھے۔ ایک مرتبہ ریاست دادوں میں جب میں مدرسہ سے باہر بستی میں کسی کام سے گیا تو وہاں کے چند جاہل لڑکے جو مجھ سے میری اچھی صحت دیکھ کر جلا کرتے تھے انھوں نے مجھ سے بدکلامی کی، میں نے بھی ان کو برا بھلا کہا، وہ سب مل کر مجھ پر ٹوٹ پڑے، اور مجھے خوب زدوکوب کیا، میں روتا ہوا حضور کی خدمت میں فریادی ہوا، تو فرمایا: ”کدو کہیں کا،

میرے پاس پٹ کر آیا ہے، مار کر آتا تو میں ان کو دیکھ لیتا''۔
(التقاط از حیات وخدمات)

مولانا سید مظہر ربانی باندہ:

باندہ کے مولانا سید مظہر ربانی بھی دادوں کے تلامذہ میں سے تھے۔ انھیں ہدایہ اخرین اور ملا حسن جیسی کتابیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے والد گرامی حضرت قاری سید محمد عبد المعبود جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں شیخ التجوید تھے۔ اس لیے وہیں سے حفظ کیا پھر تجوید وقراءت کی تعلیم مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں حاصل کی، وہیں صدر الشریعہ کے شاگرد رشید مجاہد ملت کی زیارت ہوئی۔ عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم کانپور میں حاصل کی، اس کے بعد والد ماجد نے فرمایا کہ تم کو کانپور کی بجائے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں میں پڑھنا ہے، میں نے صدر الشریعہ سے بات کر لی ہے۔ چنانچہ والد صاحب انھیں لے کر دادوں روانہ ہو گئے، آگے کی تفصیل انھیں کی زبانی سنیے:

''والد ماجد مجھے ہمراہ لے کر طے شدہ پروگرام کے مطابق علی گڈھ پہنچ گئے۔ علی گڈھ اسٹیشن سے باہر آ کر والد صاحب نے مجھے سامان کی نگرانی کے لیے چھوڑا اور خود بس اسٹینڈ جا کر دادوں جانے والی بس کا حال معلوم کرنے لگے۔ شہر علی گڈھ سے دادوں کا فاصلہ ۳۰ میل کے قریب تھا۔ اتفاقاً دادوں سے ایک بس آئی جس سے چند علمائے کرام اترے۔ والد صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ابھی تھوڑی دیر میں کسی ٹرین سے آنے والے ہیں۔ یہ علما انھیں کے استقبال کے لیے آئے ہیں۔ صبح غالباً دس گیارہ بجے کا وقت تھا۔ والد صاحب نے فوراً آ کر مجھے خوش خبری سنائی کہ صدر الشریعہ آنے والے ہیں۔ دادوں کے بجائے یہیں حضرت سے ملاقات ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر وہ انھیں علما کے ساتھ پلیٹ فارم کی طرف روانہ ہو گئے۔ کانپور سے علی گڈھ تک سفر میں والد ماجد نے غائبانہ صدر الشریعہ کا مجھ سے تعارف کرایا تھا۔ اس کی وجہ سے میرے ذہن میں صدر الشریعہ کا تصور کانپور والہ آباد وغیرہما میں دیکھے ہوئے بڑے بڑے علما کے تصور سے بہت بلند تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ حضرت کا قد وقامت کیسا ہوگا۔ لباس فاخرہ اور جبہ ودستار کا کیا عالم ہوگا۔ ابھی میں اسی قسم کے خیال میں غلطاں وپیچاں تھا کہ صدر الشریعہ اپنے استقبالیوں کے ہمراہ پلیٹ فارم سے باہر تشریف لائے ''لیس الخبر کالمعائنۃ'' تصورات کی نیا ڈوب گئی، میں نے حضرت کی دست بوسی کی معاملہ میرے تصور کے برعکس نکلا۔ حضرت معمولی کھدر یا سٹھے کا کرتا، چوڑی مہری کا پائجامہ، روئی کا ہرا شلوکا (کیونکہ سردی کا موسم تھا) معمولی کپڑے کی سفید گول ٹوپی زیب تن کیے ہوئے ہوتے۔ اہلیہ محترمہ اور بچے ہمراہ تھے۔ حافظ رضاء المصطفیٰ بچوں میں سب سے بڑے تھے۔ ان کی عمر گیارہ بارہ سال ہوگی۔ ان کے بعد سعیدہ وعائشہ دو صاحبزادیاں باقی سب صاحبزادے ان سے بھی چھوٹے تھے۔

دادوں پہنچ کر والد صاحب نے حضرت صدر الشریعہ کی سفارش سے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں میرا داخلہ کرایا۔ اور رخصت ہو گئے۔ اس وقت صدر الشریعہ کے پاس جن طلبہ کے اسباق تھے ان میں قابل ذکر یہ ہیں مولانا اعجاز ولی خاں، مولانا حافظ مبین الدین فاروقی، مولانا محمد خلیل خاں،

مولانا حافظ وقاری محبوب رضا خاں، مولانا سید ظہیر احمد زیدی، مولانا غلام ربانی، مولانا اختر الزماں خاں شیروانی، مولانا رفیق الحق صاحب وغیرہم۔

مدرسہ میں اور بھی اساتذہ تھے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا امین الدین صاحب چھپروی، مولانا عبد الشاہد خاں صاحب شیروانی، مولانا شریف صاحب، مولانا نور محمد صاحب، میری استعداد کے مطابق میرے اسباق صدر صاحب کے بجائے مذکورہ مدرسین کرام کے پاس تھے۔ چند ہی روز میں مجھے صدر الشریعہ کی علمی جلالت وعظمت کا بخوبی اندازہ ہوگیا۔ اس وقت میری عمر سولہ یا سترہ سال تھی۔ بہت سے علما حضرت سے ملنے آیا کرتے تھے۔ اور پیچیدہ سوالات جو ان سے حل نہیں ہو سکتے تھے پیش کرتے، حضرت فوراً ان کو حل فرمادیتے تھے۔ حضرت کی شفقت وتوجہ سے میں بہت جلد حضرت کے قریب ہوگیا اور درس کے علاوہ ہر علمی مجلس میں بے تکلف حاضری کا موقع ملنے لگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے سالانہ عرس میں حضرت بریلی شریف ضرور جاتے اور تلامذہ بھی ہمیشہ ان کے ہمراہ رہتے تھے۔ دادوں پہنچنے کے بعد میں بھی انھیں میں شامل ہوگیا، بریلی حاضری میں ہمارے دو مقصد تھے: (ا) اعلیٰ حضرت کے فیوض وبرکات کا حصول (۲) صدر الشریعہ کا اپنے ہم عصر علما سے ربط وتعلق اور علمی وفقہی مکالمات سے استفادہ۔

حضرت کی معیت کے طفیل میں نے بیک وقت جن بزرگوں کی زیارت کی ان میں قابل ذکر یہ ہیں:

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی، حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، حضرت محدث اعظم ہند سید محمد صاحب کچھوچھوی، حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب بریلوی، حضرت امیر شریعت مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی، حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین صاحب بہاری، حضرت برہان ملت مولانا برہان الحق صاحب جبل پوری، وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان کے علاوہ دیگر علمائے کرام جن سے ہماری ملاقات عرس کے موقع پر بریلی شریف میں ہوئی تھی۔ ان میں اکثریت صدر الشریعہ وصدر الافاضل کے شاگردوں کی ہوتی تھی، جو اس وقت ملک کے نامور مقرر، مناظر، مفتی، محدث، مفسر اور بڑے بڑے مدرسوں کے صدر المدرسین تھے۔ عرس کے موقع پر پورا ماحول علمی مباحث، اور باہمی نقد وتبصرہ اور جرح وقدح کی آماجگاہ بن جاتا تھا۔

ایک مرتبہ صدر الشریعہ کے نئے اور پرانے تلامذہ کے درمیان بے تکلف اور دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ میں بھی وہاں موجود تھا کہ پالی کے مناظرہ کا تذکرہ چھڑ گیا۔ دیوبندیوں پر سنیوں کی فتح عظیم پر پالی والوں نے عظیم الشان جشن فتح منانے کا پروگرام بنایا اور صدر الشریعہ کو اجلاس کی صدارت کے لیے مدعو کیا۔ حضرت نے منظوری دے دی۔

پالی والے حضرت کی زیارت کے لیے بے چین تھے۔ انھوں نے حضرت کے شاگردوں کی قابلیت اور فن مناظرہ کی مہارت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرلیا تھا۔ اسٹیشن پر بے شمار استقبالیوں کا ہجوم تھا۔ ٹرین پہنچتے ہی تکبیر ورسالت کے نعروں سے سارا پلیٹ فارم گونج اٹھا۔

حضرت ٹرین سے اترے اور استقبالیوں کا مجمع ہر طرف سے ٹوٹ پڑا مگر اکثریت نے حضرت کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لہٰذا حضرت کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالنے والے کم تھے، زیادہ ہار مولانا سردار احمد صاحب گورداس پوری اور مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی کے گلے میں ڈالے گئے۔ چونکہ حضرت کے یہ دونوں شاگرد قدآور لحیم شحیم، اور نہایت شکیل وجیہہ تھے۔ اور علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ پہلے محدث اعظم پاکستان اور دوسرے صدرالعلما کہے جاتے ہیں۔ دونوں شاگرد نا سمجھ عوام کی کوتاہ نظری کی وجہ سمجھ گئے، فوراً انھوں نے ویٹنگ روم سے ایک کرسی منگوائی، اور اس پر حضرت کو بیٹھا دیا۔ اور خود دونوں حضرات دائیں بائیں زمین پر بیٹھ کر حضرت کے پیر دبانے لگے۔ سبحان اللہ۔ اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، ہر شخص نے سمجھ لیا کہ کون کیا ہے؟

مدرسہ حافظیہ سعیدیہ نواب ابوبکر خاں صاحب شیروانی نے اپنی علم دوستی ودریادلی کی بنیاد پر اپنی اسٹیٹ دادوں میں قائم کیا تھا، جو ایک پرانی حویلی میں تھا۔ اس کے سارے اخراجات کے لیے نواب صاحب نے چودہ ہزار روپے سالانہ آمدنی کی اپنی جائداد وقف کردی تھی۔

نواب ابوبکر خاں صاحب حافظ خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ لہٰذا پیر ومرشد کی نسبت سے مدرسہ کا نام حافظیہ اور اپنے والد ماجد کی نسبت سے سعیدیہ رکھا تھا۔ ابوبکر خاں صاحب کے بعد ان کے بھائی حاجی غلام محمد خاں صاحب شیروانی (حاجی میاں) رئیس اعظم موہن پورہ ضلع ایٹہ مدرسہ کے متولی رہے۔ موصوف متبع سنت اور علما کے بڑے قدرشناس تھے۔ انھیں کی کوششوں سے صدرالشریعہ اس مدرسہ میں تشریف لائے۔ حاجی میاں بھی حافظ خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے اور اپنے پیر کے بڑے شیدائی، پختہ کار شاعر بھی تھے۔ ان کی نعت ومنقبت کا مجموعہ دیوان حافظی کے نام سے طبع ہو چکا تھا۔ ان کا ایک شعر ہے:۔

تم سے تم کو مانگتا ہے شاہِ اسلم بے نوا
ماسوا اس کے خدا شاہد تمنا کچھ نہیں

ضلع علی گڑھ میں دادوں کی طرح اور بھی جاگیریں تھیں اور اکثر جاگیرداروں کو نواب کہا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نواب صاحب نے اپنے یہاں بڑے پیمانہ پر جلسہ میلاد النبی منعقد کیا جس میں بہت سے نواب وجاگیردار اور رؤسا شریک ہوئے، علمائے کرام بھی کافی تعداد میں شامل تھے، صدرالشریعہ کی تقریر کا پروگرام تھا۔ حسب معمول صدرالشریعہ کے شاگرد بھی ہمراہ تھے، میں بھی طلبہ کی جماعت میں شامل تھا۔ سب نے باہمی مشورہ سے قاری محبوب رضا صاحب کو نمائندہ بنا کر حضرت کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حضور آج "انما انا بشر مثلکم" والی تقریر فرمائیں جو بریلی میں اعلیٰ حضرت کے عرس کے موقع پر فرمائی تھی۔ اس تقریر سے بریلی کی فضا تحسین ومرحبا کے نعروں سے گونج اٹھی تھی۔ حضرت نے درخواست مسترد کردی، اور فرمایا کہ بریلی اور یہاں کے ماحول میں فرق ہے۔ بریلی کا بچہ بچہ اصل مابہ النزاع سے واقف ہے اس کے برعکس یہاں بہت سے لوگ طواغیت اربعہ کے ناموں تک سے واقف نہیں۔ ہمارے بیان سے گستاخانِ رسالت کا تعارف ہوگا۔ ان کی کفری عبارتیں پیش کرتے وقت ان کی کتابوں کے نام بھی بتائے جائیں گے۔ بہت سے ناپختہ کار ان کی کتابیں پڑھیں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ "کلموا الناس

علیٰ قدر عقولہم" یہاں تو عشق رسول و تعظیم اولیا اور مسلک اعلیٰ حضرت کو دل میں اتارنے کی ضرورت ہے۔ جب دل نور ایمان سے منور ہوگا تو پھر کبھی بھی کہیں بھی کوئی بھی اس کے خلاف نظر آئے گا تو مومن کامل لاحول سے اس کا مقابلہ کرے گا۔

دادوں میں صدر الشریعہ پورے اطمینان وسکون کے ساتھ تدریس وتصنیف بہار شریعت وحاشیہ طحاوی شریف میں مصروف تھے، کہ حاجی میاں متولی مدرسہ کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کی جگہ دوسرے رئیس اعظم مدرسہ کے متولی بن گئے۔ یہاں سے مدرسہ کے پورے نظم ونسق میں تغیر شروع ہوگیا۔ علم وعلما کی قدر و منزلت کم ہونے لگی۔ کاسہ لیسی و دربارداری کا دور شروع ہوگیا۔ حضرت بھی دل برداشتہ ہوگئے۔ مگر ہونہار شاگردوں کے دورۂ حدیث کی تکمیل تک دادوں کا قیام حضرت نے ترک نہیں فرمایا۔ مگر یہ بات ہر طرف پھیل گئی کہ حضرت دادوں چھوڑنے والے ہیں۔ وہ طلبہ جو حضرت ہی کی خاطر یہاں آئے تھے، سخت فکر وتشویش میں پڑ گئے۔ ایک دن ہم لوگوں نے عرض کیا حضور دادوں سے تشریف لے جائیں گے تو ہمارا کیا ہوگا؟ فرمایا فکر مت کرو میں جہاں جاؤں گا وہیں انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا انتظام بھی ہو جائے گا۔ دورۂ حدیث کی تقریب مدرسہ میں بڑی دھوم دھام سے ہوئی اس کے بعد حضرت دادوں سے رخصت ہوگئے۔ چند دنوں کے بعد حضرت نے مظہر العلوم کالج کچی باغ بنارس کی دعوت منظور فرمائی۔ اور صدر المدرسین کی مسند پر جلوہ افروز ہوگئے۔ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ سے ۷ طلبہ بنارس پہنچ گئے اور حضرت کے حکم پر سب کا داخلہ ہوگیا۔ میں اور میرے ہم سبق مولانا لطف اللہ صاحب جلالی علی گڈھی پیش پیش تھے۔ ہمارے ساتھ افریقہ، ماریشش، کے ایک طالب علم مولوی محبوب خدا بخش داد افریقی بھی تھے۔ جنھیں مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی، میرٹھی نے صدر الشریعہ کی وجہ سے دادوں میں داخل کرایا تھا۔

(ملتقط از حیات وخدمات)

دادوں کے دیگر تلامذہ:

مولانا سید ظہیر احمد زیدی صاحب نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے تلمذ کا حق ادا کیا، کہ انھوں نے بہار شریعت کا انیسواں حصہ کتاب الوصایا یعنی وصیت کے مسائل پر مشتمل تالیف کیا۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے بہت نیاز مند تھے، بڑی سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے، جب تک حیات رہے تقریباً ہر سال عرس امجدی میں شرکت کرنے گھوسی آتے تھے۔ اس مجموعہ میں ان کی تحریر بھی شامل ہے جو ان علمی اور ادبی اسلوب کی غماز ہے۔

مولانا محسن فقیہ اور مولانا حامد فقیہ:

یہ دو شافعی طالب علم تھے جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے دادوں آئے تھے، دونوں مہاراشٹر کے رہنے والے تھے، مولانا محسن فقیہ تو پاکستان چلے گئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی، اور مولانا حامد فقیہ بھیونڈی میں رہے، بھیونڈی میں انھوں نے ایک ادارہ بنایا، ان کے بنائے ہوئے ادارے میں اس فقیر کی حاضری ہوئی ہے۔ صرف لکڑی سے بنائی گئی دو منزلہ عمارت جس میں نیچے نماز کا انتظام ہے اور اوپر طلبہ کی رہائش اور تعلیم کا نظم ہے۔ اس سے قریب ایک قبرستان میں حضرت مولانا حامد فقیہ اور ان کے والد کی قبریں ہیں، جہاں ہم نے حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔

- میرے والد گرامی شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا

فداء المصطفیٰ قبلہ سے مولانا حامد فقیہ کی بارہا ملاقات رہی ہے، بتانے لگے کہ مولانا حامد فقیہ کہتے تھے کہ "کوئی کام شروع کرو تو یہ سوچ کر شروع کرو کہ مجھ کو مرنا نہیں ہے"۔

ان کا یہ میرے لیے بالکل نئی بات تھی، بلکہ ایک نیا نظریہ تھا۔ اس پر غور کیا تو لگا کہ واقعۃً انسان اپنی موت کو یاد رکھتے ہوئے کوئی مشن شروع کر ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ ہر عظیم مشن کی تکمیل میں طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ کسی مشن کی کامیابی کے لیے یہ نظریہ بہت اہم ہے۔ ہاں اپنے ایمان و اعمال کی سلامتی اور آخرت کی کامیابی کے لیے تو ہمہ دم موت کو یاد رکھنا لازمی ہے۔

دادوں کی یادگار کشف الاستار:

دادوں کی سب سے بڑی یادگار حاشیہ طحاوی ہے، یہ حاشیہ برصغیر کا اولین مفصل حاشیہ ہے، جو عربی زبان میں ہے۔ یہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ایک کراماتی حاشیہ ہے جو صرف سات ماہ کے مختصر سے دورانیہ میں لکھا گیا۔ مختصر دورانیہ اس لیے کہا کہ اس دوران صبح سے شام تک درس وتدریس کی ذمہ داریاں ہوتی تھیں، اسی میں کسی طرح وقت نکال کر یہ کام ہوتا تھا، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد لوگوں میں یہ حاشیہ مشہور ہوگیا، اگرچہ لوگوں نے اس کی زیارت تک نہ کی تھی، جب بھی حضور صدر الشریعہ کا ذکر علمی محفلوں میں ہوتا اس حاشیہ کا ذکر ضرور ہوتا۔ ان کے وصال کے بعد طویل عرصہ تک یہ حاشیہ غیر مطبوع رہا۔ اس فقیر کو اپنے دادا جان کے علمی تراث سے خصوصی شغف رہا ہے، جس کے سبب ان کا مجھ پر کرم ہی کہیے کہ یہ کام پچاس سالوں کے بعد اس فقیر کے ذریعہ منظر عام پر آیا، ساڑھے چار سو صفحات پر باریک قلم سے لکھا گیا یہ حاشیہ حضور صدر الشریعہ کی لائبریری میں مخطوطہ کی شکل میں موجود تھا، جب اس کی طرف اس فقیر کی توجہ ہوئی تو پہلے اس کا کچھ مطالعہ کیا، پھر جب امریکہ کا سفر ہوا اور وہاں کچھ وقت میسر آیا تو اس کی کاپی وہاں منگوالی، اور سارا وقت اس کو اپنے ہی ہاتھوں کمپوز کرنے میں لگا دیا۔ دو سال کی متواتر محنت سے الحمد للہ پورا حاشیہ کمپوز ہوگیا، اگلے تین سال اس کی ترتیب میں لگائے اور بحمدہ تعالیٰ ۲۰۰۸ء میں اس کی پہلی جلد نظر ثانی اور ترتیب وتہذیب کے ساتھ منظر عام پر لادی گئی، دوسرے سال دوسری جلد بھی مکمل کر کے قارئین کے حوالے کردی گئی۔ اس سے اہل علم میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی، اور طحاوی شریف پڑھنے پڑھانے والوں کو تو ایک نعمت مل گئی، اور آج اس پر محققین دادِ تحقیق دے رہے ہیں۔ ذیل میں حاشیہ طحاوی کی ترتیب وتالیف کی تاریخ پیش ہے۔

حاشیہ طحاوی شریف کی تحریک:

حضرت مولانا محبوب رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ اپنے مقالے میں حاشیہ طحاوی کے متعلق لکھتے ہیں:

"حضرت کے قیامِ دادوں کے دوران حضرت مولانا حافظ مبین الدین صاحب امروہوی حضرت مولانا سید ظہیر احمد صاحب زیدی نگینوی حضرت مولانا محمد خلیل خاں صاحب مارہروی اور خاکسار نے صلاح کی کہ درسی کتب پر ہمارے علما کے حواشی کم ہیں کیوں نہ حضرت سے کسی کتاب پر حاشیہ لکھوایا جائے چنانچہ طے پایا کہ تفاسیر میں مدارک شریف اور کتب احادیث میں طحاوی شریف حنفیوں کی کتابیں ہیں اور معرا ہیں معقولات میں شرح ہدایۃ

الحکمت معرا ہے ان میں کسی پر لکھوایا جائے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ حضرت سے فرمائش کون کرے، طے یہ ہوا کہ سب چلو اور قاری صاحب تجویز پیش کریں، اور دوسرے احباب تائید کریں، چنانچہ کئی روز کے صلاح ومشورہ کے بعد ایک روز بخاری شریف کا سبق ختم کر کے میں نے عرض کی کہ حضور یہ تین کتابیں معراء ہیں، مدرسین اور طلبا دونوں کو ان کے پڑھنے پڑھانے میں دشواری پیش آتی ہے اور شرح ہدایۃ الحکمت آپ کی خاندانی کتاب ہے اور اس کی تقاریر بھی آپ کے سوا کوئی اور مصنف علیہ الرحمہ کے منشا اور مراد کے مطابق نہیں کر سکتا ہے اس لیے پہلے شرح ہدایۃ الحکمت کا حاشیہ ہم کو لکھوا دیں پھر ان دونوں کتابوں میں کسی ایک پر جس کو آپ چاہیں کام شروع کریں، حضرت یہ سن کر بہت ہنسے اور فرمایا تم لوگوں نے اس کام کو بہت آسان سمجھ لیا ہے یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے ابھی بہار شریعت ہی کا کچھ کام باقی ہے، میں بوڑھا ہو چکا ہوں، قویٰ میں اضمحلال پیدا ہو گیا، اب میری صحت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں یہ کام کروں، عرض کی کہ حضور کم از کم شرح ہدایۃ الحکمت ہم کو شروع کرا دیں اور ذرا ٹھہر ٹھہر کر تقریر فرمائیں کہ ہم اس کو لکھ لیں، اس طرح یہ کتاب محشیٰ ہو جائے گی۔ فرمایا: اتنا وقت کہاں ہے؟ عرض کی کہ رات کو آدھا گھنٹہ کافی ہوگا جب شروع ہو جائے گی تو انشاء اللہ ختم بھی ہو جائے گی، کوئی جلدی نہیں ہے۔ مگر حضرت نے انکار فرمایا، دوسرے روز ہم نے صلاح کی، تقاضا جاری رکھو کب تک انکار کریں گے، آخر مان ہی جائیں گے۔ چنانچہ ہر روز کسی وقت ہم حاضر خدمت ہو کر عرض کر دیتے اور بعض مرتبہ ڈانٹ بھی سنتے کئی مرتبہ فرمایا کہ تم لوگوں کو کئی دفعہ اپنی مجبوری بتا چکا ہوں پھر بھی ضد کیے جاتے ہو، اس وقت تو ہم خاموش اٹھ کر چلے آتے مگر اگلے دن کسی نہ کسی بہانہ سے پھر مسئلہ چھیڑ دیتے، چونکہ سوال میں کرتا تھا دوسرے احباب خاموش رہتے یا میری آواز میں تائید کرتے، لہٰذا جھاڑ میرے اوپر ہی پڑتی بہر حال ہم نے ہمت نہیں ہاری، آخر ایک روز حضرت نے فرمایا کہ تم لوگ باز نہیں آؤ گے، ہم نے عرض کی کہ حضور بڑا کرم ہوگا، زیادہ نہیں تو صرف دس منٹ روزانہ ہم کو عنایت فرما دیں، ہنس کر فرمایا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہیں دس منٹ میں بھی یہ کام ہو سکتا ہے، میں اسباق پڑھانے کے بعد تھک جاتا ہوں، بیٹھنا کھلتا ہے، میں نے عرض کی کہ حضور لیٹ جایا کریں میں پیر دابا کروں گا اور یہ لوگ لکھتے رہیں گے، صرف زبانی تقریر فرما دیا کریں، بہت ہنسے اور فرمایا قاری صاحب ضد بیجا کرتے ہو، میں نے عرض کی کہ حضور یہ کام کرنا ہی ہوگا، مولوی سید ظہیر احمد صاحب زیدی بولے: جی بے شک، حضرت نے فرمایا چپ رہ بے وقوف، سب لوگ ہنس پڑے، پھر اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں، جب مجلس برخواست ہوئی تو میں نے عرض کی کہ حضور پھر کل کس وقت شروع کرائیں گے؟ فرمایا: ہتھیلی پر سرسوں مت

جماؤ، یہاں کتابیں بھی نہیں ہیں میرا حافظہ اب کمزور ہو گیا، حبیب گنج جاؤ اور نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی کے کتب خانہ سے الافق المبین تصنیف میر باقر داماد اور شرح اشارات اور بعض دیگر کتابیں' بتائیں جن کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں ہے' لاؤ، پھر شروع کرنا۔ چنانچہ اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد جب میں حبیب گنج جانے لگا تو ایک طالب علم کو میرے پاس بھیجا کہ قاری صاحب کو روکو میں ٹھہر گیا حضرت نے مسجد سے باہر آکر فرمایا کہ میرا خیال ہے جب خدمت ہی کرنی ہے تو دین کی خدمت کرو، ہدایۃ الحکمۃ کو چھوڑو، مدارک شریف اور طحاوی شریف میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو ہم لوگ بہت خوش ہوئے اور عرض کی کہ حضور منتخب فرمائیں، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ حدیث کی خدمت کرو ہم نے عرض کی کہ نہایت خوب، چنانچہ کتب معقولات کی فہرست مجھ سے لے لی اور شروح حدیث کی بعض کتابیں لکھ کر دیں اور ایک خط نواب صاحب مرحوم کو لکھ کر مجھے دیا جس میں کتابوں کا مطالبہ تھا۔ میں حبیب گنج نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت کا خط دیا نواب صاحب مرحوم نے محافظ کتب خانہ کو بلا کر فرمادیا کہ یہ کتابیں ان کو دیدو اور ان سے دستخط لے لو، چنانچہ وہ کتابیں لے کر میں فوراً واپس آیا اور اسی روز بعد نماز عشا تحشیہ کا کام شروع کیا گیا، پہلے روز تو صرف بسم اللہ شریف لکھی گئی، باقی وقت باتوں میں گزر گیا اگلے روز سے پابندی سے کام شروع ہوا، مولوی سید ظہیر احمد صاحب اور مولوی خلیل خاں صاحب کتابت فرماتے تھے چونکہ خوش خط تھے، میں کتابیں نکال کر دیتا اور حافظ مبین الدین صاحب اور میں کتابوں میں سے متعلق حدیث ڈھونڈ کر نکالتے اور حضرت حاشیہ لکھاتے جاتے، روز آنہ بعد نماز عشا سے رات کے دو ڈھائی بجے تک کام کرتے، ہم لوگ تھک جاتے مگر حضرت مسلسل لکھواتے رہتے، درمیان میں ایک مرتبہ چائے چلتی اس طرح بہت جلد طحاوی شریف کی کتاب الصلوٰۃ تک تحشیہ کا کام ہو چکا تھا کہ ہمارے امتحانات ختم ہوئے اس کے بعد حضرت نے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں سے استعفا دے دیا اور گھوسی تشریف لے گئے وہاں جا کر حضرت کی بینائی کمزور ہو گئی اور تحشیہ کا کام رک گیا۔ میری دعا ہے کہ حضرت کی اولاد یا تلامذہ میں سے کوئی اس کی تکمیل فرمادیں۔ والدہ صاحبہ کے پاس اس کا مسودہ موجود ہے۔ (حیات وخدمات)

حاشیہ طحاوی کی ترتیب علامہ مبین الدین امروہوی کی زبانی:

دادوں کے تلامذۂ صدر الشریعہ میں ایک اہم نام حضرت علامہ مبین الدین امروہوی علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ شوال ۱۳۶۱ھ میں مدرسہ حافظیہ دادوں میں دورۂ حدیث میں شامل ہوئے، آپ کے رفقائے درس میں مولانا سید ظہیر احمد صاحب نگینوی، مولانا محمد خلیل صاحب مارہروی، حافظ محبوب رضا بریلوی، اور حافظ غلام ربانی صاحب دادوں والے تھے۔

حضرت علامہ مبین الدین امروہوی علیہ الرحمہ چونکہ اس ٹیم میں موجود تھے جو اس حاشیہ کی تالیف کے دوران حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ساتھ کام کر رہی تھی، یہ کام چونکہ آپ کے سامنے ہوا بلکہ اس میں آپ شریک تھے، لہٰذا اس کی تالیف کے معتمد راوی بھی ہیں۔ موصوف نے اپنے ایک مقالے میں اس کے متعلق تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"ایک دن اثنائے گفتگو میں یہ بات نکلی کہ کلام پاک کا ترجمہ کنز الایمان لوگوں نے اصرار کر کے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے لکھوایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ املا کراتے اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ لکھتے جاتے، اس طرح وہ دولت امت کو ملی۔ اس پر خیال ہوا کہ ہم لوگ اپنے حضرت سے کچھ لکھوائیں، مناسب وقت کے ہم لوگ منتظر رہے۔ آخر ایک دن موقع پا کر عرض کیا کہ حضور درسی تین کتابیں بالکل معری ہیں، پڑھنے پڑھانے میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ للخیر آبادی، مدارک التنزیل، طحاوی شریف، یہ تینوں کتابیں اس مدرسہ کے مجوزہ نصاب میں داخل تھیں، ان کی شرح تحریر فرما دی جائے۔ اس وقت منظوری کا پروانہ ملتوی رہا۔ پھر دوبارہ سہ بارہ عرض کرنے پر فرمایا کہ اچھا کریں تو کوئی دینی خدمت کریں۔ طحاوی شریف منتخب فرمائی اور اس کے تحشیہ کی تیاری شروع کر دی کچھ کتابیں خود حضرت کی دادوں میں موجود تھیں۔ ضرورت کی بعض کتب کتب خانہ حبیبیہ حبیب گنج علی گڑھ سے مستعار حاصل کیں، کچھ کتابیں بریلی جا کر ساتھ لائے، کچھ کتابیں خرید فرمائیں۔

جو کتابیں تحشیہ کے لیے جمع فرمائیں ان کی تعداد بہت زائد تھی۔ چند کے نام یہ ہیں:

صحاح ستہ، سنن الکبریٰ للبیھقی، مستدرک للحاکم، موطا امام محمد، دارقطنی، کتاب الآثار، کتاب الخراج، موطا امام مالک، مشکل الآثار، فتح الباری، دارمی، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ للطیبی، اشعۃ اللمعات، بذل المجھود، تقریب، تھذیب التھذیب، الاستیعاب، تذکرۃ الحفاظ الاکمال، صفۃ الصفوہ لابن الجوزی، ھدایہ، کفایہ، عنایہ، فتح القدیر، بدائع صنائع، سعایہ حاشیہ شرح الوقایہ، بحر الرائق، شامی، جد الممتار، فتاوی رضویہ، مراقی الفلاح، القاموس، صراح، مختار الصحاح، المنجد منتھی الارب. ان کے علاوہ اور بہت ذخیرہ تھا۔

اوائل محرم ۶۲ھ اس کام کا آغاز ہوا، بعد نماز عشا ہم چاروں خدام حضرت کی درسگاہ ہال کمرے میں جمع ہو جاتے پھر حضرت تشریف لاتے، وسیع ہال میں کتابیں پھیلی ہوتیں، ہم میں سے مولانا سید ظہیر احمد صاحب و مولانا محمد خلیل خاں کتابت کے لیے مقرر ہوئے۔ ان کی تحریر اچھی تھی، باقی دو خادم

کتب بنی پر مامور تھے، اس طرح تحشیہ کا آغاز فرمایا۔ پہلے ہر باب کے عنوان کی کچھ وضاحت لکھائی جاتی، اس کے بعد امام طحاوی کی روایت کردہ حدیث کے رواۃ کے حالات قلم بند کراتے، پھر تمام حاشیہ میں اس کی پابندی کی گئی ہے کہ جتنی احادیث اس کتاب میں امام طحاوی نے روایت کی ہیں، اس کی تقویت وتائید کے لیے دوسرے محدثین کی تخریج ضرور بیان فرماتے۔ کبھی متعدد محدثین کا حوالہ فراہم ہوجاتا اور کبھی ایک دوکا۔ اگر کسی حدیث کی تخریج کا پتہ نہ چلا تو یاد رکھتے، کسی اور موقع پر اتفاقاً نظر پڑ جاتی اسے فوراً وہاں نقل فرماتے۔ تخریج کی تفتیش میں اس قدر کدوکاوش کا فائدہ، خود ہی ارشاد فرمایا کہ غیر مقلدین کہہ دیتے ہیں کہ امام طحاوی نے اپنے حنفی مذہب کی تقویت میں یہ حدیث بنالی، ان کا یہ الزام وبہتان اس طرح دفع ہو جائے گا کہ اس حدیث کو امام طحاوی ہی نے روایت نہیں کیا بلکہ فلاں فلاں محدثین نے اپنی فلاں فلاں کتابوں میں بیان کیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اسی مضمون کی حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے تو اس کو بالتفصیل بیان فرماتے کہ اس صحابی کی روایت فلاں سند سے فلاں کتاب میں ہے اور فلاں کی فلاں میں۔

اس کے علاوہ الفاظ حدیث کی پوری وضاحت وتشریح درج فرماتے، الفاظ کریمہ سے جو احکام ونکات واشارات مستنبط ہوتے، وہ بیان کیے جاتے۔ ان میں سے بعض وہ ہوتے کہ جن سے ایمان جگمگائے۔

اس کے بعد یہ ہوتا کہ اول باب میں دو چار حدیث نقل فرما کر مصنف علیہ الرحمہ فرمایا کرتے ہیں "فذھب قوم الی ذلک"، یعنی جو بات اس حدیث سے ظاہر ہوئی، وہی ایک قوم کا مذہب ہے۔ اس پر حضرت محشی رحمہ اللہ بیان فرماتے۔ وہ کون لوگ ہیں جن کا یہ مذہب ہے، ان کے نام بتاتے۔ کتنے مواقع پر بالتفصیل بالترتیب بتایا گیا ہے کہ فلاں فلاں صحابہ کا یہ مذہب ہے اور تابعین میں سے فلاں فلاں کا اور ائمہ مجتہدین میں سے فلاں فلاں امام کا۔ بیانِ مذاہب میں احتیاط رکھتے، ہرکس وناکس سے نقل نہ فرماتے۔ مثلاً شوکانی نے کسی جگہ لکھا کہ یہ فلاں کا مذہب ہے، اسے معتبر نہ جانتے۔ علامہ عینی، امام نووی جیسے حضرات پر اعتماد رکھتے۔

اس کے بعد مصنف قدس سرہ فرمایا کرتے ہیں "وخالفھم فی ذلک اٰخرون" اس موقع پر محشی علیہ الرحمہ مخالفین کے نام بتاتے ہیں۔ اسی طرح کہ صحابہ میں سے یہ حضرات اور تابعین میں سے مثلاً سعید ابن المسیب وغیرہ اور ائمہ وفقہا میں سے یہ لوگ ہیں۔ اس کے بعد کتاب میں مخالفین کے مستدلات ذکر کیے جاتے ہیں اس پر محشی قدس سرہ حسب عادت احادیث کے مخرجین کا پتہ اور احادیث کی تشریح وتوضیح وبیان مطالب کرتے ہیں، آگے بڑھ کر مصنف احادیث متخالفہ کا تعارض دفع کرتے ہیں۔ دفع کی چار صورتیں مشہور ہیں: تطبیق، ترجیح، ناسخ منسوخ،

سقوط۔ مصنف علیہ الرحمہ کسی تخالف کو تطبیق سے اور کسی کو ترجیح وغیرہ سے دفع کرتے ہیں۔ یہاں محشی علیہ الرحمہ اکثر اضافہ فرماتے ہیں۔ مثلاً مصنف نے تطبیق سے کام لیا ہے تو محشی قدس سرہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا حدیثوں کا تعارض ترجیح سے بھی دفع ہوتا ہے پھر اس کی تقریر لکھتے ہیں۔ اس طرح کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی۔

اس کے بعد مصنف علیہ الرحمہ مقام روایات سے گزر کر میدان درایت میں قدم رکھتے ہیں اور "فنظرنا في ذلک" کہہ کر بطریق نظر وفکر اور قیاس شرعی مسئلہ دائرہ میں قلم تحقیق کو خوب جولانی دیتے ہیں۔ نظائر وامثلہ سے مسئلہ کو واضح تر کردیتے ہیں۔ یہاں محشی علیہ الرحمہ نظر مذکور کو خوب مضبوط بناتے ہیں۔ مخالفین نے اس نظر پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان کا ذکر فرما کر بہت جم کر ان کی مدافعت کرتے ہیں۔ اس کے لیے "باب اوقات الصلاۃ" اور "باب جمع بين الصلاتين" ملاحظہ ہو۔

"باب مامست النار" میں یہ بحث ہے کہ کھانا کھانے کے بعد وضو ضروری ہے یا نہیں؟ بعض احادیث میں وضو کا امر ہے یعنی کھانے سے نقض وضو ہوجاتا ہے۔ دوسری حدیث سے ان کا خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی کھانا کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، پہلا وضو باقی رہتا ہے، اس میں خلل نہیں پڑتا۔

اس تخالف کو مصنف علیہ الرحمہ نے اس طرح دفع کیا ہے کہ نقض وضو کا امر پہلے تھا مگر بعد کو یہ حکم اٹھا دیا گیا۔ اس پر مصنف علیہ الرحمہ نے حدیث کے اس لفظ سے استدلال کیا ہے "كان آخر الامرين ترک الوضو" یعنی کھالینے سے نقض وضو کا امر پہلے تھا اور وضو کا نہ ٹوٹنا اس کا امر بعد کو ہوا۔

اس حدیث کو ابو داؤد شریف میں روایت کر کے یہ کہا کہ "هذا اختصار من الاول" محشی قدس سرہ نے اس فقرہ کی تشریح کی اور یہ بتایا کہ محدث ابو داؤد سجستانی کا مقصد اس فقرہ سے کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ امام طحاوی کے مذکورہ بالا استدلال کو توڑنا اور اعتراض کرنا مقصود ہے۔ ان کے اعتراض کی تقریر کر کے اس کا بہت واضح اور قوی جواب تحریر فرمایا۔

اس قسم کے محاسن حاشیہ میں بھرے ہوئے ہیں۔ تمام حاشیہ میں خیر الکلام ماقل ودل پر عمل فرمایا ہے۔ فضول کلام اور تکرار سے اجتناب کیا ہے۔ الفاظ کی تشریح واستعمال ان کا ماخذ وغیرہ بیان کرنے میں علامہ ابن حجر عسقلانی کے کلام کو پسند فرماتے، اکثر جگہ اسی کو نقل کیا ہے۔ البتہ احناف وشوافع کے اختلافی مسائل ودلائل میں علامہ بدر الدین عینی کے کلام کو ترجیح دیتے۔

سند حدیث اور صفت وغیرہ کے مباحث میں امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر وتہذیب التہذیب کے کلام کو درج فرماتے۔ احناف کے دلائل اور مخالفین کے جواب میں ملک العلما ابو مسعود کاشانی

صاحب بدائع صنائع کا کلام پسند آتا، ان ائمہ اعلام کا کلام نہایت مضبوط اور قوی و جامع ہوتا ہے حالات رواۃ کے بیان میں علامہ ابن الجوزی کی کتاب "صفۃ الصفوۃ" کو ضرور ملاحظہ فرماتے اور چیدہ چیدہ اوصاف نقل کرتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت غور وخوض میں لگے ہوتے یا کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوتے اور ہم نے کسی کتاب کا کوئی بیان زیر بحث مسئلہ کے مناسب جانا، برائے نقل حضرت کے سامنے پیش کیا، حضرت اس کو ملاحظہ فرماتے، اپنے معیار پر وہ کلام ہوتا تو نقل کا حکم دیتے۔ یعنی تکرار نہ ہو، فضول نہ ہو، مقصد سے بیگانہ نہ ہو۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ باب الکسوف کا حاشیہ لکھا جارہا تھا۔ کسوف کی لفظی، فقہی تحقیق ہو رہی تھی اور کسوف کے اسباب پر گفتگو تھی۔ حضرت نے حسب عادت جامع بیان میں لفظی و معنوی تحقیق لکھا دی ہم لوگوں کی یہ خواہش رہتی تھی کہ ہر موقع پر خوب پھیلاؤ ہونا چاہیے، اس بنا پر ہم نے کسی کتاب کا مزید بیان ملاحظہ کے لیے پیش کیا دیکھ کر فرمایا کہ سب کچھ بیان سابق میں آچکا اور زائد کی ضرورت نہیں۔ کسوف کے اسباب پر گفتگو ہو رہی تھی حضرت نے یہاں بھی وہی انداز اختیار فرمایا کہ جامع واضح الفاظ میں اس کا سبب ظاہر کر دیا بعض شارحین حدیث نے اسباب کسوف پر خوب تفصیلی بحث کی تھی نہایت بسط سے اسباب بتائے تھے ہم نے پورا مضمون درج حاشیہ کرنا چاہا، مگر حضرت اقدس نے یک نظر دیکھ کر رد فرمادیا، پھر ہم کو مطمئن کرنے کے لیے، اس کے رطب و یابس کو چھانٹ کر رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ سب سطحی باتیں ہیں، اصل سبب وہ ہے جو میں نے لکھ دیا، وہ بہت قوی ہے۔ پھر فرمایا کہ آدمی سونہ کہے، ایک کہے، ڈھنگ کی کہے۔

اسی طرح احتیاط کو تمام حاشیہ میں ہر منزل پر ملحوظ رکھا ہے۔ ہم لوگوں کو تحشیہ کی خدمت کے موقع پر کئی طرح کے فوائد حاصل ہوئے۔ مضامین حاشیہ کو حضرت اقدس خود املا کراتے مولوی محمد خلیل خاں صاحب ماہروی اور مولوی ظہیر احمد صاحب علی گڑھی خوشخط ہونے کی بنا پر باری باری تحریر کرتے، ان کے نوشتہ کو خود ملاحظہ فرماتے، کتابت کے آداب کا افادہ فرماتے۔ مثلاً لکھتے لکھتے صفحہ ختم ہو گیا مضمون باقی رہ گیا تو یہاں سرخی سے لکھواتے: باقی بر صفحہ آئندہ، اور جب دوسرے صفحہ پر چھوٹا ہوا مضمون لکھا جاتا تو فرماتے یہاں لکھو: بقیہ صفحہ فلاں۔ اس وقت ہمیں باقی اور بقیہ کا فرق معلوم ہوا۔ نیز یہ افادہ فرمایا اگر درمیان تحریر میں کوئی لفظ رہ گیا اور وہاں جگہ بڑھانے کے لیے نہیں ہے تو اسی سطر کے داہنی طرف محاذ میں ترک لکھ کر وہ لفظ درج کر دو اور اگر کوئی لفظ غلط لکھا گیا تو اگر کاٹ کر دوسرا لفظ لکھنے کی وہاں گنجائش ہے تو خیر ورنہ حاشیہ پر بالکل محاذ میں بدلہ کا نشان بنا کر وہ لفظ لکھواتے جو مقصود ہوتا۔ لفظوں کے شوشے صحیح ہونے کی تاکید اور ہر نقطہ اپنی جگہ پر ہو، ادھر ادھر نہ ہو۔ ایک مرتبہ نوشتہ ملاحظہ فرمارہے تھے، اس میں اسم جلالت "اللہ" اور اس کے ساتھ کوئی اور لفظ قلم زد تھا

جو لغزش قلم کا نتیجہ تھا، یہ دیکھ کر حضرت کو سخت تاثر ہوا اور فرمایا کہ ہمارا یہ طریقہ نہیں، اسم جلالت پر قلم پھیرنا بے ادبی ہے، ادب یہ ہے کہ اسم جلالت کو دائرہ میں (اللہ) اس طرح گھیر دو، اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ یہاں کوئی دوسرا لفظ مقصود ہے، نہ یہ کہ بیکار ہے، غلط ہے، بے سود ہے۔ لفظ اللہ ہر وقت ہر حال میں سود مند کار آمد ہے۔ اس لفظ پاک کا غلط ہونا چہ معنی۔

مذکورہ احتیاط اور محاسن کے ساتھ تحشیہ کا کام محرم سے شروع ہوکر شعبان تک چند مہینہ ہوا۔ اس کام کے لیے عشا کے بعد ۲/۳ گھنٹے مقرر تھے اور جمعہ کو صبح سے گیارہ بجے تک یاد رمیان سال کی تعطیلات میں یہ کام انجام پاتا۔ اس مختصر مدت میں باریک قلم سے کچھ کم پانسو صفحات لکھے گئے، مشیت الٰہی کہ پھر وہ کام ملتوی ہوگیا۔ اب تک نہ مکمل ہوسکا نہ اتنا ہی شائع ہوسکا۔

مقام غور ہے کہ قلیل مدت میں جلد اول کے نصف پر تحشیہ پانسو صفحات پر ہوا، جو ابھی مسودہ ہے۔ حضرت اقدس خود فرمایا کرتے تھے کہ ابھی مضامین و مواد جمع کیا جارہا ہے۔ نظر ثانی ضروری ہے، نہ اس کا دیباچہ لکھا گیا، نہ نام تجویز ہوا، موجودہ صورت میں اتنا بڑا علمی ذخیرہ جمع ہوگیا۔ خدا جانے نظر ثانی کے بعد کیسے کیسے مضامین عالیہ و جواہر غالیہ و گرانقدر معانی کا اضافہ ہوتا، اہل علم کے لیے بے بہا خزانہ ہوتا۔ شکر خدا جو کچھ ہے بسا غنیمت ہے۔

(از حیات و خدمات)

یہ سب تفصیلات دو ایسے بزرگوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے جو حاشیہ طحاوی کی تالیف میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے معاون تھے، اس فقیر کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ اس کے ذریعہ حاشیہ طحاوی ترتیب وتہذیب کے بعد طبع واشاعت کا مرحلہ طے کرکے دو ضخیم جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے، الحمد للہ علی ذلک۔ ان جلدوں کی اشاعت کے بعد شوق ہوا کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے کچھ تحقیقی مباحث کو اردو میں منتقل کیا جائے تاکہ اردو خواں حضرات بھی محظوظ ہوسکیں۔ چنانچہ اس پر فقیر کی ایک مستقل تصنیف "علم حدیث میں صدر الشریعہ کی تحقیقات" آج سے چودہ سال قبل منظر عام پر آچکی ہے۔ اس کے مقدمہ میں کشف الاستار کی ترتیب سے لے کر طبع واشاعت کے مراحل تک کی تفصیلات درج کردی گئی ہیں۔

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ذریعہ جس قدر حاشیہ تحریر میں آیا اس کی اشاعت تو ہوچکی۔ مگر ابھی طحاوی شریف کا تین چوتھائی حصہ تحشیہ کے لیے باقی ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کے لیے وصیت فرمادی تھی کہ تلامذہ یا اولاد میں کوئی اس خدمت کو انجام دیدے۔ جانشین صدر الشریعہ حضور محدث کبیر مدظلہ العالی نے جلد ثانی کے اجرا کے وقت ہی مجمع عام میں اس فقیر کو ذمہ داری دیدی تھی کہ باقی کام انجام دوں، میں اس پر شکر بجالایا کہ مجھے بزرگوں نے اس کا اہل سمجھا، تاہم یہ کام اتنا عظیم ہے کہ اب تک فقیر خود کو اس کے لیے تیار نہیں کرپایا ہے، اور کچھ دیگر علمی کاموں اور مزید مطالعہ کے بعد اس کام کے آغاز کا منصوبہ رکھتا ہے۔ واللہ الموفق

☆☆☆

صدر الشریعہ

اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

علامہ غلام مصطفیٰ کوثر امجدی
سابق محرر دار الافتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

آپ کا وجودِ گرامی اس صدی میں کعبۂ علم وفن کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ آسمانِ علم و دانش کے وہ درخشاں آفتاب تھے کہ آج بھی اس کی ضیاباریوں سے عالم جگمگا رہا ہے۔ آپ کے علم وفضل کا یہ کمال تھا کہ حضور سیدنا سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار شریف کے جامعہ معینیہ عثمانیہ میں ایک زمانے تک صدر المدرسین رہے۔ آپ کی درس گاہ میں ملک کے کونے کونے سے تشنگانِ علوم پہنچتے اور علم وفضل کے گوہر آبدار سے اپنے دامنوں کو بھر لیتے۔ آج ملک کے بڑے بڑے جید علما کی جماعت میں اکثریت ان کی ہے، جو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے شاگرد ہیں یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ ملک اور بیرونِ ملک کی دینی درس گاہوں کی دیوار و در حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے فیضانِ علم سے گونج رہے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ روز افزوں ترقی کے ساتھ قائم رہیں گے۔ مثال کے طور پر حضور حافظ ملت استاذ العلما علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی کو دیکھئے، جب آپ اپنے وطن جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو جامعہ نعیمیہ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ملک کے مشاہیر علما و مشائخ شریک ہوئے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی نگاہ جب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پر پڑی تو آپ کو یقین ہو گیا کہ ہم اسی بحر العلوم سے درِ شاہوار حاصل کر کے اپنا دامن بھر سکتے ہیں۔ خدمت عالیہ میں عرض کیا: حضور! میں خدمت میں رہ کر علومِ دینیہ حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: اجمیر شریف آؤ، ان شاء العزیز پڑھا دوں گا۔

چنانچہ حسب ارشاد حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اجمیر مقدس حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسب وعدہ آپ نے حضور حافظ ملت کو آسمانِ علم وفضل کا مہر درخشاں بنا دیا۔ پھر تو ملک کے تعلیمی ادارے آپ کو چاہنے لگے کہ حضور حافظ ملت ہمارے ادارے کے

منصب صدارت کو قبول فرمائیں۔ کلکتہ مدرسہ عالیہ نے پانچ سو روپے[1] مشاہرہ کی پیش کش کی اور بھی شہروں سے اس سلسلہ میں خطوط آئے، لیکن آپ کا خیال ملازمت کی طرف بالکل مائل نہ تھا۔

شوال المکرم ۱۳۵۲ھ میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے آپ کو بریلی بلایا اور فرمایا: میں برابر باہر رہا اور میرا ضلع خراب ہو رہا ہے، میں آپ کو خدمت دین کے لیے مبارک پور بھیجنا چاہتا ہوں۔ حضرت حافظ ملت نے عرض کیا: میں تو ملازمت کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا: میں نے ملازمت کو کب کہا، میں نے خدمت دین کی بات کی ہے، یہ مت دیکھئے گا کہ وہاں کیا ملتا ہے۔

حضور حافظ ملت صبر وشکر کے وہ عظیم پہاڑ تھے کہ اپنے استاذِ محترم ذوالمجد والفضل والجاہ والکرم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور کلکتہ مدرسہ عالیہ کی پانچ سو روپے ماہانہ کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور صرف پینتیس روپے ماہوار پر صدر مدرس ہو کر مبارک پور تشریف لائے اور اس شان عزم وہمت کے ساتھ تشریف لائے کہ اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ خدمت دین نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں صرف فرما دیا اور اپنے استاذِ محترم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے حکم کی ایسی تعمیل فرمائی کہ ہمیشہ کے لیے مبارکپور کے ہو کر رہ گئے۔

آج بھی ان کا مزار پُر انوار حضرت راجہ شاہ مبارک کے قصبہ مبارک پور کے فرقِ اقدس کا چمکتا ہوا تاج ہے، جو مرجع خلائق ہے۔

شروع شروع میں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا، لیکن استاذِ محترم کے حکم پر دین کی ٹھوس خدمت فرماتے رہے اور بڑی محنت وجانفشانی کے بعد مبارک پور کو قابل صد مبارک باد ولائق صد تحسین بنا دیا اور آج تو جامعہ اشرفیہ اور حضور حافظ ملت سے الگ ہو کر مبارک پور کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مبارک پور کو ایسا گوہر بے بہا کس نے عطا فرمایا؟ آج جامعہ اشرفیہ عربی یونیورسٹی کا اونچا ایوان کس کے فیضان کا خطبہ پڑھ رہا ہے؟ ؎

اشرفیہ کا اونچا جو ایوان ہے
میرے صدرالشریعہ کا فیضان ہے
جس کا عالم میں پھیلا ہے خوانِ کرم
آج خلد بریں کا وہ مہمان ہے

حضور حافظ ملت کے شاگرد رشید اور جامعہ اشرفیہ کے نائب شیخ الحدیث جامع معقول علوم وفنون حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی بافیض وباکمال شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ آج کل کے بے شمار علما وخطبا، مقررین وشعرا میں اکثر ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ ایک مرتبہ کسی بات پر ناراض ہو کر مبارک پور سے اپنے گھر چلے آئے

(۱) یہ سخت محل کلام ہے کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل کا مشاہرہ پانچ سو روپیہ تھا۔

اور کپڑے کی تجارت شروع کردی، مبارک پور میں ان کی جگہ خالی رہی۔ کچھ دنوں بعد حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ مبارک پور تشریف لائے۔ نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ کے متعلق حال معلوم کرکے بے حد افسوس فرمایا۔ حضرت صدرالشریعہ بدرالطریقہ علیہ الرحمہ اگر چاہتے تو ہندوستان کے کسی بھی بڑے جید عالم کو لاکر نائب شیخ الحدیث کی جگہ پر بٹھا دیتے۔ آپ کی ایک معمولی صدا پر آپ کے ہزاروں شاگرد لبیک یا سیدی کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوجاتے۔ لیکن آپ کی نگاہِ عارفانہ یہ دیکھ رہی تھی کہ یہاں جگہ جو خالی ہے، اس کو دوسرا شخص کماحقہ پورا نہیں کرسکتا۔

چنانچہ جلالۃ العلم شیخ المشائخ استاذ الفقہا حضرت صدرالشریعہ میرے وہاں قصبہ رتسڑ ضلع بلیا میں بذاتِ خود تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کو آج ہی شام تک اپنے ساتھ لے کر آجائیں۔ جب تو آپ مولوی اِلاّ فلا یہ حکم سنتے ہی میں نے سائیکل اٹھائی اور آدھے گھنٹے میں حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب نائب شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کے مکان پر بھوج پور پہنچ گیا اور حضرت کا فرمان سنایا، وہ کپڑے کی دوکان پر مصروف تھے۔ حضرت کی قصبہ رتسڑ میں تشریف آوری اور پھر ان کے ساتھ اسی وقت رتسڑ کی حاضری کا پیغام۔ فوراً تیار ہوگئے اور ہم دونوں آدمی شام سے پہلے خدمت عالیہ میں حاضر ہوگئے۔ حضرت بے حد مسرور ہوئے، مجھے بڑی دعائیں دیں اور حضرت حافظ عبدالرؤف صاحب نائب شیخ الحدیث علیہ الرحمہ سے بعد نمازِ عشا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

”حافظ جی! میں نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ اگر کپڑے کی تجارت ہی کرنی تھی تو آپ نے اپنا قیمتی وقت حصولِ علم میں صرف کیا اور مسند تدریس کو زینت بخشی اور ماشاء اللہ آپ نے حق ادا کردیا، اب آخری وقت میں کیا تجارت شروع کردی، جامعہ اشرفیہ کے درودیوار آپ کو آواز دے رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنی جگہ پر مبارک پور تشریف لے جائیں، آپ کی موجودگی میں اس جگہ کو کوئی دوسرا شخص پُر نہیں کرسکتا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب آپ کو کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ہوگی“۔

اتنا سننا تھا کہ حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ جب حضرت کا حکم ہے تو بہرحال میں آجاؤں گا اور تعمیل حکم میں کوئی کمی نہ ہونے دوں گا۔ صبح کو دست بوسی وقدم بوسی کے بعد اپنے مکان بھوج پور گئے، پھر دوسرے ہی دن مبارک پور کے لیے روانہ ہوگئے، کپڑے کی تجارت چھوڑ دی اور اس شان سے گئے کہ مبارک پور ہی کے ہوکر رہ گئے۔

آج بھی ان کا مزارِ مبارک اہل مبارک پور اور دیگر مسلمانوں کے لیے منبع فیض وسامانِ راحت قلب ونظر ہے۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
حالات وافکار

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی پاکستان

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت قصبہ گھوسی محلہ کریم الدین پور ضلع اعظم گڑھ (انڈیا) میں ۱۲۹۶ھ مطابق ۷۹۔۱۸۷۸ء میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام نامی حضرت حکیم جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ اور جد امجد کا حضرت مولانا حکیم خدا بخش بن مولانا خیر الدین رحمۃ اللہ علیہما تھا۔ والد ماجد اور جد امجد فن طب اور علم وفضل میں باکمال تھے۔ آپ صدر الشریعہ بدر الطریقہ شیخ الفقہا، سراج العلما، فقیہ اعظم اور استاذ الفقہا کے القاب سے ملقب ہیں۔

ابتدائی کتب اپنے جد امجد حضرت مولانا حکیم خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ برادرِ کلاں حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں انھیں کے مشورہ سے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخلہ لیا اور حضرت علامہ ہدایت اللہ خان رام پوری ثم جون پوری رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ جملہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد حدیث شریف کا درس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت (انڈیا) میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا۔ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں سند حدیث حاصل کی۔

علم طب ۱۳۲۳ھ میں حکیم عبد الولی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے حاصل کیا۔ تین سال (۱۳۲۴ھ تا ۱۳۲۷ھ) مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں پڑھایا۔ اس کے بعد ایک سال پٹنہ میں مطب کیا۔ آپ کو تمام علومِ دینیہ وعقلیہ پر بھرپور دسترس حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی نصابی کمیٹی میں آپ کو شریک کیا گیا اور آپ کے مشورہ سے ایک بہترین نصاب مدون ہو کر عمل میں آیا۔

اسی اثنا میں حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کے لیے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ مطب چھوڑ کر بریلی شریف چلے گئے۔ ابتداءً تدریس کا کام شروع کیا، بعد ازاں مطبع اہل سنت کا انتظام اور جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے شعبۂ علمیہ کی صدارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد کر دیے گئے۔ افتا کی مصروفیات اس کے علاوہ تھیں۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور جلدی ہی خلافت سے نوازے گئے۔ تقریباً اٹھارہ برس شیخ کامل کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوئے اور کمالِ عروج کو پہنچے۔

بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصے حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے سنے ہوئے ہیں اور بعض تقریظات سے مزین ہیں۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے آپ کو ان تعریفی

کلمات سے یادفرمایا ہے:

"اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلیٰ مولانا مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمنھب والمشوب والسکنی رزقہ اللہ تعالی فی الدارین الحسنی".

(بہارشریعت، حصہ سوم، مطبوعہ لاہور، ص:۱۸۳)

حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی طرز وفکر کے اپنانے میں منفرد نظر آتے ہیں اور حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

"آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں، لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے"۔ (ملفوظات اول، ص:۹۳)

حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے خلفا کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا:

میرا امجد مجد کا پکا
اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

بریلی شریف میں قیام کے دروان حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی مصروفیات حیرت انگیز حد تک بڑھی ہوئی تھیں۔ تدریس، پریس، پریس کی نگرانی، پروف ریڈنگ، پریس مینوں کو ہدایت، پارسلوں کی ترسیل اور فتویٰ نویسی وغیرہ امورتن تنہا انجام دیتے۔ فیض رضا نے دین کے لیے کام کرنے کی وہ اسپرٹ پیدا کردی تھی کہ تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ بعض حضرات کہا کرتے تھے کہ:

"مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں"۔ (ماہنامہ پاسبان الہ آباد، امام احمد رضا نمبر، شمارہ مارچ واپریل ۱۹۶۲ء، ص:۶۵)

حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا فقید المثال ترجمۂ قرآن مسمّٰی باسم تاریخی "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ۱۹۱۱ء آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے شروع ہوا اور پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

آپ نے ابتدائے شباب سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر حیات تک جاری رکھا اور ایسے نابغۂ روزگار افراد تیار کیے، جن پر علم وفضل کو بھی ناز ہے۔ طویل عرصہ تک مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف میں فرائضِ تدریس انجام دیے۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں بحیثیت صدر مدرس دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف لے گئے ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں پھر بریلی شریف چلے آئے اور تین سال تک قیام کیا۔ بعدازاں نواب حاجی غلام محمد خاں شیروانی رئیس ریاست دادوں (علی گڑھ) کی دعوت پر بحیثیت صدر مدرس دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ میں تشریف لے گئے اور سات سال تک بکمالِ حسن وخوبی فرائضِ تدریس انجام دیے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں امتحان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ کے فضل وکمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

"مولانا امجد علی صاحب پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں، جنھیں میں منتخب جانتا ہوں"۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت، ص:۵۳)

اس زمانے میں مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی اسی مدرسہ میں

نائب مدرس تھے، انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''مولانا امجد علی اعظمی سات سال سے صدر مدرس رہ چکے تھے، کہنہ مشقی کی بنا پر درسیات میں پوری مہارت رکھتے ہیں''۔ (باغی ہندوستان، ص:۳۳۷)

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء تک دادوں میں قیام رہا۔ اس کے بعد ایک سال بنارس میں رہے۔ بعد ازاں ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء تک منظر اسلام بریلی شریف میں درس دیا۔

اجمیر شریف کے قرب وجوار میں راجہ پرتھوی راج کی اولاد آباد تھی، جو اگرچہ مسلمان ہو چکی، لیکن اس میں فرائض و واجبات سے غفلت اور مشرکانہ رسوم بکثرت پائی جاتی تھیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے ایما پر آپ کے تلامذہ نے ان میں تبلیغ کا پروگرام بنایا، تبلیغی جلسوں کا خوش گوار اثر ہوا اور ان لوگوں میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب اور دینی اقدار اپنانے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

''اجمیر کے زمانہ قیام میں نو مسلم راجپوتوں میں مولانا امجد علی نے خوب تبلیغ کی اور اس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے''۔ (یادگار بریلی، ص:۱۶)

اس کے علاوہ اردگرد کے بڑے شہروں اور قصبات مثلاً نصیر آباد، بیاور، لاڈنوں، جے پور، جودھپور، پالی، مارواڑ اور چتوڑ گڑھ وغیرہ میں بھی خود آپ اور آپ کے تلامذہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے۔ مذہب اہل سنت کی اشاعت اور قادیانیوں کا رد کیا کرتے تھے۔ آپ کی تقریر خالص علمی مضامین اور قرآن وحدیث کی تفسیر وتفصیل پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ دینی اور مذہبی قائد تھے، لیکن بوقت ضرورت سیاسی طور پر ملت اسلامیہ کی صحیح ترجمانی فرمائی۔ چوں کہ آپ کے مرشد طریقت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ دوقومی نظریہ کے عظیم مبلغ تھے، اسی نظریہ کی بنا پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ آپ نے ان کی موافقت میں اس نظریہ کی تبلیغ پورے شد ومد سے کی۔ ۱۲ر رجب، ۲۴ر مارچ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو بریلی میں جمعیۃ العلما ہند کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں ابوالکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے۔ جمعیۃ کے لیڈر اس جوش وخروش سے آئے تھے کہ گویا ''ہندو مسلم اتحاد'' کے مخالف علمائے اہل سنت کو لاجواب کر دیں گے۔ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی نے جماعت رضائے مصطفیٰ (بریلی) کے شعبۂ علمیہ کے صدر کی حیثیت سے اراکین جمعیت کے ہندوؤں سے اتحاد ووداد کے بارے میں ستر سوالات پر مشتمل سوال نامہ مرتب کر کے قائدین جمعیت کو بھجوایا، بار بار اصرار اور مطالبہ کے باوجود انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے نام ایک مکتوب میں اس سوال نامہ کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال فرمایا ہے:

''سیدی، دامت برکاتہم! سلامِ نیاز کے بعد گزارش، حضور سے رخصت ہو کر مکان پہنچا، یہاں آکر میں نے ''اتمامِ حجت نامہ'' کا مطالعہ کیا، فی الواقع یہ سوالات فیصلۂ ناطقہ ہیں اور یقیناً ان سوالات نے مخالف کو مجالِ گفتگو اور راہِ جواب باقی نہیں چھوڑی ہے''۔ (دوامع الحمیر، ص:۴۰۔۵۷)

مولوی ابوالکلام آزاد نے روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر کہا:

''ان کے جس قدر اعتراضات ہیں، حقیقت

میں سب درست ہیں، ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں، جن کا جواب نہ ہوسکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے"۔ (ایضاً)

۱۹۔۲۰ر شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ مطابق ۳۔۴ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مراد آباد میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا اور ایک جماعت موتمر العلما قائم کی گئی، جس کا مقصد مسلمانوں میں پیدا ہونے والے مفاسد کی اصلاح اور خارجی حملوں کا دفاع تھا۔ اس اجلاس میں حضرت صدرالشریعہ نمایاں طور پر شریک ہوئے۔ یہی جماعت بعد میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے مشہور ہوئی۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں سنی کانفرنس میں بنارس میں منعقد ہونے والے فقید المثال اجلاس (جس میں علما و مشائخ پانچ ہزار کی تعداد میں شریک ہوئے) کو قیامِ پاکستان کی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس اجلاس میں اسلامی حکومت کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے جلیل القدر علما کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، جس کے ممتاز اراکین میں حضرت صدرالشریعہ بھی شامل تھے۔

حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ علوم و فنون میں مہارتِ تامہ عطا فرمائی تھی، لیکن انھیں تفسیر، حدیث اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فقہی جزئیات نوکِ زبان پر رہتی تھیں۔

آپ نے دادوں (علی گڑھ) میں قیام کے دوران امام ابوجعفر طحاوی حنفی قدس سرہ (م ۳۲۱ھ/۹۳۲ء) کی حدیث کی مشہور کتاب "شرح معانی الآثار" پر حاشیہ لکھنا شروع کیا اور سات ماہ کی مختصر مدت میں پہلی جلد پر مبسوط حاشیہ تحریر فرمادیا۔ یہ حاشیہ باریک قلم سے ۴۵۰ر صفحات پر مشتمل تھا اور ہر صفحہ میں ۳۵/۳۶ر سطریں تھیں، گویا دیگر مشاغل سے فارغ وقت میں اڑھائی صفحے روزانہ قلم بند فرماتے تھے، افسوس کہ یہ حاشیہ محفوظ نہ رہ سکا۔

آپ کی دوسری تصنیف "فتاویٰ امجدیہ" ہے، جو علمی تحقیقات پر اپنی مثال آپ ہے۔ جس زمانے میں باتصویر قاعدے جاری ہوئے، آپ نے ایک قاعدہ مرتب فرمایا، جو صرف بے جان اشیا کی تصاویر پر مشتمل تھا، اس کی خوبی یہ تھی کہ بچہ بہت جلد اردو پڑھنے پر قادر ہو جاتا۔ آپ کی تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ عام فہم انداز میں بیان فرمادیتے تھے۔

"بہارِ شریعت" حضرت صدرالشریعہ کی وہ شہرۂ آفاق تصنیف ہے، جسے بجا طور پر فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف کہا جاسکتا ہے۔ اس کے کل سترہ حصے بارہا طبع ہو کر قبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اس کتاب سے نہ صرف عوام بلکہ علما کے لیے بھی سہولت پیدا ہوگئی ہے۔ اس کتاب کی ابتدا غالباً ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء میں ہوئی اور ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی۔ آپ ابھی تین حصے اور لکھنا چاہتے تھے، مگر حالات نے اس کی مہلت نہ دی۔ چار سال کے عرصے میں یکے بعد دیگرے گیارہ عزیز داغِ مفارقت دے گئے، جس کا اثر دل و دماغ پر اس قدر پڑا کہ بینائی کمزور ہوگئی اور تصنیف و تالیف کا کام رُک گیا۔ بہارِ شریعت کے ابتدائی چھ حصے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حرف بہ حرف سنے اور جا بجا اصلاح فرمائی اور انھیں تقریظ سے مزین کیا۔

☆☆☆

امام احمد رضا اور صدر الشریعہ

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
جسولی بریلی شریف

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اپنے جن چودہ خلفائے کرام کا ذکر "الاستمداد علی ارجیال الارتداد" میں فرمایا ہے، وہ بلاشبہ اس تاجور کشور علم وفضیلت ومعرفت کے دربار کے چودہ رتن تھے۔ امام محترم کے یہ چودہ چہیتے خلفا تمام نقلی و عقلی علوم وفنون اور اخلاق وکردار سے آراستہ وپیراستہ تھے، لیکن ان میں ہر ایک کیا یک یا دو خوبیوں میں اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔

صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی (م ۱۹۴۸ء) درس وتدریس اور فقہ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ دربارِ امام احمد رضا میں آمد سے قبل بھی ان کی تدریسی شان کی دھوم مچی ہوئی تھی اور انھوں نے قابل قدر تلامذہ کی ایک ٹیم تیار کردی تھی۔ بریلی شریف میں ۱۳۲۹ھ میں ان کی آمد مدرسہ اعلیٰ حضرت منظر اسلام میں تدریس ہی کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ بعد میں ان کی دوسری صلاحیتوں کو پرکھ کر امام احمد رضا نے انھیں "جماعت رضائے مصطفیٰ" کے شعبۂ علمیہ کی صدارت اور مطبع اہل سنت کا انتظام سونپ دیا تھا۔ علاوہ ان کے افتا کے کام میں بھی امام کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ صدر الشریعہ بریلی شریف ہی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔

عصر امام احمد رضا سے لے کر اب تک صدر الشریعہ جیسے قابل اور خوش نصیب اساتذہ گنے چنے ہی گزرے ہوں گے، جن کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا ایک لمبا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ آج ہند وسندھ سے لے کر دور دیسوں تک جو مشاہیر علما وخطبا، مناظرین واساتذہ اور مبلغین پھیلے ہوئے علم دین کی ترویج واشاعت اور دین و سنیت کی تبلیغ میں مصروف ہیں، ان میں بیشتر کا سلسلہ صدر الشریعہ ہی کے سلسلۂ تلمذ سے ہے اور اس سلسلے کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں صدر الشریعہ کے دو تلامذہ حافظ ملت سیدنا شاہ مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی وبانی الجامعۃ الاشرفیہ اور محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد لائل پوری رحمۃ اللہ علیہم کے اہم رول ہیں۔ یہ سیدنا صدر الشریعہ کی خدمت تدریس علم دین ہی کا صلہ اور اسی کی برکت ہے۔ ان کا گھر کا گھر دولت علم سے مالا مال ہے اور ایک زمانہ کو نہال کرنے میں لگا ہوا ہے۔ سیدنا صدر الشریعہ کے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں میں ہر ایک عالم وفاضل ہے

اور اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے گھر میں کئی خواتین بھی عالمہ فاضلہ گزری ہیں۔

امام احمد رضا نے اپنے اس جلیل القدر خلیفہ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے لیے اس طرح فرمایا ہے: ؎

میرا امجد مجد کا پکا
اس سے بہت کچھ یاتے یہ ہیں

اس شعر میں صدر الشریعہ کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا اپنائیت اور محبت کا اظہار بھی ہے اور ان کی خوبیوں کا بیان بھی۔ ان خوبیوں میں علم وفضل، مناظرانہ اور قائدانہ صلاحیت، اخلاق وکردار، استقامت، جرأت وحمیت اور حق گوئی وبے باکی سبھی شامل ہیں۔ اور بلاشبہ حضرت صدر الشریعہ سچے نائب رسول اور مظہر اعلیٰ حضرت تھے۔

(۱) امام احمد رضا فتاویٰ کے سلسلے میں سیدنا صدر الشریعہ پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے۔ ان سوالات سنتے اور جوابات لکھواتے۔ امام احمد رضا جیسا عظیم تر فقیہ ومفتی جو اپنے وقت کا امام اعظم ہو، وہ جس شخص سے اپنے فتاویٰ کے سلسلے میں اس طرح کے کام لے، بلاشبہ وہ خود بھی ایک عظیم فقیہ ومفتی رہا ہوگا اور امام احمد رضا نے سیدنا صدر الشریعہ کی اس عظمت پر اس طرح مہر ثبت فرمائی ہے:

''آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا، یہی وجہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے''۔ (مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، الملفوظ، حصہ اول، ص:۹۳)

امام احمد رضا نے صدر الشریعہ کی اسی خوبی کی بنا پر ''رضائے مصطفیٰ'' کے تحت جس شرعی کمیٹی کی تشکیل فرمائی تھی، انھیں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز فرمایا تھا۔

صدر الشریعہ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف اور فقہ اسلامی کے انسائیکلوپیڈیا بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو سنائے۔ امام نے جہاں ضرورت محسوس کی اصلاح فرمائی اور تقریظ سے مزین کیا۔

(۲) ۱۹۲۱ء میں امام احمد رضا کی قائم کردہ ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کی طرف سے ابوالکلام آزاد سے مناظرہ کے لیے جماعت کے جن چار علما کے نام امام احمد رضا کی ایما پر پیش کیے گئے تھے، ان میں صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی صدر بنائے گئے تھے اور مخالفین کے سامنے جو ستر سوالات بعنوان ''اتمامِ حجۃ نامہ'' پیش کیے گئے تھے، وہ بھی صدر الشریعہ ہی نے مرتب کیے تھے۔

امام احمد رضا فقہ وفتاویٰ کے علاوہ دوسرے امور میں بھی صدر الشریعہ پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے اور ان کے علم وقلم کی توانائی اور تب وتاب کے معترف تھے۔

(۳) امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ کا بے مثل ترجمۂ قرآن مسمّٰی باسم تاریخی ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' (۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء) صدر الشریعہ ہی کی مساعی جمیلہ سے شروع ہوا اور پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت، ص:۵۲)

(۴) صدر الشریعہ کو جملہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ مگر فقہ، تفسیر اور حدیث سے خصوصی لگاؤ تھا اور

جزئیات نوکِ زبان پر رہتے تھے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے انھیں ''صدر الشریعہ'' کا لقب عطا فرمایا تھا۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت، از مولانا محمود احمد قادری، ص:۵۲)

اور ان کی اسی خصوصیت اور ان کے قوی یادداشت کی وجہ سے امام احمد رضا نے اپنے وصایا میں اپنے نمازِ جنازہ کے سلسلے میں اس طرح فرمایا تھا:

''غسل وغیرہ سب مطابق سنت ہو، حامد رضا خاں وہ دعائیں کہ فتاویٰ میں لکھی ہیں خوب از بر کرلیں تو وہ نماز پڑھائیں، ورنہ مولوی امجد علی''۔

امام احمد رضا کا یہ فرمان بڑی اہمیت کا حامل ہے اور صدر الشریعہ کی علمیت، یادداشت اور بزرگی کی سند ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس جانب بھی اشارہ ہے کہ بعد شہزادہ و جانشین اگر امام احمد رضا کے نزدیک کوئی ان سے قریب تر ہے اور اس مرتبہ کے لائق ہے تو وہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی کی ذات ہے۔

(۵) امام احمد رضا نے اپنے ملفوظات مکتوبات میں بھی صدر الشریعہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ امام کی ان سے اپنائیت، محبت اور انھیں لائق وفائق سمجھنے کی دلیل ہے۔

(۶) امام احمد رضا کے دونوں شہزادگان حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں و مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہم الرحمہ بھی صدر الشریعہ سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے، بالخصوص سیدنا مفتی اعظم ہند نور اللہ!

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے عرس میں جب صدر الشریعہ بریلی شریف آتے تھے تو مفتی اعظم علیہ الرحمہ ان کے لیے سواری بھیجا کرتے تھے۔

امام احمد رضا کو صدر الشریعہ سے خصوصی محبت تھی، وہ ان پر ہر امر میں، خاص طور سے فتاویٰ کے معاملے میں کامل اعتماد فرماتے تھے اور ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ صدر الشریعہ بھی امام محترم سے بے حد محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ خیر وہ تو مرید کے لیے لازمی ہے بھی۔ ہر مرید اپنے پیر کا مداح ہوتا ہے اور اس سے محبت وعقیدت رکھتا ہے۔ الحمد للہ امام احمد رضا جیسا پیر نصیب والوں ہی کو ملا کرتا ہے۔ لیکن خوبی تو یہ ہے کہ پیر اپنے مرید کو چاہے اور اپنی نگاہوں میں اسے عزیز ومحترم رکھے، یہ مرید کی عظمت و بڑائی کی سند ہے۔

امام احمد رضا نے صدر الشریعہ کو جہاں اپنی اولاد کی طرح چاہا ہے، وہاں ایک مصاحب اور مخلص دوست کی طرح ان پر اعتماد بھی کیا ہے اور انھیں عزت واحترام بھی دیا ہے۔

امام احمد رضا کے وصال کے بعد ان کے مشن اور مسلک کو فروغ دینے کے لیے صدر الشریعہ نے اپنا فرض پورا کر دکھایا ہے۔ شدھی تحریک کے انسداد، باطل کے توڑ، علم دین کی ترویج واشاعت اور خانوادۂ رضویہ کے عظمت و تقدیس کے دفاع، پیر زادوں کے حلقہ وسلسلہ کو دراز کرنے وغیرہ میں جی توڑ کوششیں کی ہیں اور کامیابی حاصل کی ہے۔

بریلی شریف اور گھوسی کا تعلق آج بھی اسی طور استوار ہے، جس طرح کل رضا و صدر الشریعہ کا تعلق تھا۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
دین کے بے لوث خادم

مولانا ابوالحسن صاحب
جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نہ عیش کوشی و ثروت نہ حب جاہ وحشم
جو اضطراب نہ دیکھے وہ زندگی کیا ہے

فقیہ اعظم صدرالشریعہ بدرالطریقہ علامہ مفتی ابوالعلی امجد علی علیہ رحمۃ الباری ان پاکباز، تقوی شعار، زہدوورع کے شہسوار، فکروفن، علم وعمل کے تاجدار نفوسِ قدسیہ میں سے ہیں، جن کا نام نامی زبان پر آتے ہی جبین عقیدت جھک جاتی ہے۔ کیوں کہ آپ کا اہل سنن پر بلکہ اہل عالم پر اتنا عظیم احسان ہے کہ جس کا بدلہ تا قیامت ادا نہیں ہوسکتا۔

آپ بے شمار محاسن اور خوبیوں کے بیک وقت جامع تھے۔ آپ مجمع البحرین، فقیہ اعظم ہند، محدث زمانہ، بحرالعلوم، غزالی دوراں، خاتم الفقہا، طبیب حاذق، آسمانِ علم ودانش کے درخشاں آفتاب، چرخِ فکروآگہی کے مہ تاباں تھے۔ اگر الفاظ کی مدد لی جائے تو مسجع ومقفع عبارت میں ترجیح کا ہار تیار کیا جاسکتا ہے اور الفاظ سے ان کی اکلیل عظمت کی درخشانی وتابندگی کا نقشہ کھینچا جاسکتا ہے۔ عقیدت کے بحر ناپیدا کنار میں غواصی کرکے درہائے شہسواران کے تاج عظمت وکرامت کے لیے فراہم کیا جاسکتا ہے۔

قربان جائیں اس مجمع البحرین خاتم الفقہا کی ستودہ ذات والاصفات پر۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں ایں جا است

جب میں نے آپ کے کمالات ومحاسن اور کارنامہائے حیات کو الفاظ کی لڑی میں پرونے کا ارادہ کیا تو اپنی قصور باغی، کم علمی، الفاظ کی تہی دامنی کا احساس ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ آپ کی شخصیت، ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت ہے۔ ہر فن مولیٰ اور ہر خوبی وکمال کی جامع ہے۔ آپ کے اوصافِ حسنہ کمالاتِ محمودہ میں سے ایک بھی وصف کا کما حقہ بیان کرنا بندۂ ناچیز کی قدرت سے باہر ہے۔

وصال کے بعد سے آج تک بہت سے اصحابِ علم وفضل نے آپ کی شانِ عظمت کے کسی نہ کسی گوشہ پر خامہ فرسائی کی ہے اور میں تو ایک کج بیان، میری زبان اور میرے بیان کا کیا یارا کہ آپ کی عظمتوں کے بیان میں زبان لال فہم گنگ ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ دورِ حاضر میں کوئی بشر کمالات میں آپ کا ہم سنگ ہے۔ آپ کی شخصیت پر جتنا بھی لکھا جائے،

پھر بھی کما حقہ آپ کے تمام گوشہائے حیات کو اجاگر نہیں کیا جا سکتا، بلکہ تشنہ ہی رہیں گے۔

مجھے پینے دے کہ تیرے جام لعلین میں
ابھی کچھ اور ہے کچھ اور ہے کچھ اور ہے ساقی

میں اپنے اس حقیر و کم ترین مقالے میں آپ کی بے لوث خدمات، اصلاحِ معاشرہ و دینی خیر خواہی، جذبۂ ایثار و قربانی، اشاعت سنیت کے تعلق سے کچھ ارقام کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

آپ کی ذات میں دنیاوی مال و دولت کی لالچ اور جاہ و حشمت، شہرت و ناموری کی طمع، انانیت، تکبر و غرور کا مکمل فقدان تھا۔ آپ نے پوری زندگی احیائے سنت و خدماتِ ملت کے لیے وقف فرما دی تھی۔

حضور مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اور حضور مفتی اعظم ہند اور دیگر اکابر اہل سنت کی سوانح حیات اور کارنامے اور حضور صدر الشریعہ کے تعلق سے ان کے اقوال پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضور صدر الشریعہ کی عظمت کیا تھی؟ اور ان کے کارنامے کیا تھے؟ انھوں نے دین حنیف کی کیسی بے لوث خدمتیں کی ہیں؟

نابغہ روزگار شہزادۂ مجدد اعظم حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ ذیل ارشاد سے آپ کی بے لوث خدمت، دین داری، ایثار و قربانی، علم دوستی، اخلاص و محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

"صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنا کوئی گھر نہیں بنایا، بریلی ہی کو اپنا گھر سمجھا، وہ صاحب اثر بھی تھے اور کثیر التعداد طلبہ کے استاذ بھی، وہ چاہتے تو بآسانی کوئی ذاتی دار العلوم ایسا کھول لیتے، جس پر وہ یکہ و تنہا قابض رہتے، مگر ان کے خلوص نے ایسا نہیں کرنے دیا"۔

(ماخوذ از صدر الشریعہ نمبر ص ۱۴۳ مقالہ غلام جیلانی علیہ الرحمہ)

حضور صدر الشریعہ کی جملہ مصروفیات اور ہجومِ کار، کثرتِ مشاغل کی تفصیل معلوم ہونے پر برجستہ کہنا پڑتا ہے کہ یقیناً حضور صدر الشریعہ ایک بے نفس، بے لوث خادم دین تھے۔ حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی علیہ الرحمہ آپ کی مصروفیات کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"بریلی میں دو مستقل کام تھے۔ ایک مدرسہ کی تعلیم کہ یہ خود ایک پورا کام ہے۔ دوسرے پریس کا کام، یعنی کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح، کتابوں کی روانگی، خطوط کے جواب، آمد و خرچ کے حساب، یہ سارے کام تنہا انجام دیا کرتے تھے۔ ان کاموں کے علاوہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے بعض مسودات کا مبیضہ کرنا، فتووں کی نقل اور ان کی خدمت میں فتویٰ لکھنا، یہ کام بھی مستقل طور پر انجام دیتے تھے۔ پھر شہر و بیرونجات کے اکثر تبلیغی جلسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔

کاموں کی تقسیم اوقات یوں تھی کہ بعد نمازِ فجر ضروری وظائف و تلاوت قرآن پاک کے بعد

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پریس کا کام انجام دیتے، پھر فوراً مدرسہ جا کر اخیر وقت تک مدرسہ میں تعلیم دیتے، دوپہر کے کھانے کے بعد مستقلاً دو تین بجے تک پھر پریس کا کام انجام دیتے، نماز ظہر کے بعد عصر تک پھر مدرسہ میں تعلیم دیتے، بعد نماز عصر و مغرب اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں نشست فرماتے، بعد مغرب عشا تک اور عشا کے بعد بارہ بجے شب تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی خدمت میں فتویٰ نویسی کا کام انجام دیتے، اس کے بعد مکان واپس ہوتے اور بہار شریعت کی کچھ سطور تحریر فرما کر تقریباً دو بجے شب میں آرام فرماتے''۔

(صدر الشریعہ نمبر ص ۷۶)

مذکورہ بالا اقتباس سے آفتاب عالم تاب کی طرح واضح و روشن ہو گیا کہ یقیناً حضور صدر الشریعہ ایک سچے نائب رسول، مخلص و باوفا دین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ، بے لوث خادم اور عظیم انسان تھے۔ اس لیے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ طلوع فجر کے بعد سے دو بجے شب تک دین کے اہم و اعظم کام میں مصروف رہنا اور مدرسہ کی جانب سے مقررہ مشاہرہ کے سوا ایک پائی کی خواہش و تمنا نہ کرنا، کسی معمولی شخص کا کام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ انھیں علمائے ربانیین، اہل اللہ صالحین، مقربانِ بارگاہ خدا و رحمۃ للعالمین کی قوتِ بازو کا کام ہے، جنھیں تائید غیبی و نصرتِ الٰہی حاصل ہے، جنھیں فضل خدا و رسول کی دولت بے بہا دستیاب ہے۔ صدر الشریعہ کے مصروفیات اور مشاغل اور بحسن و خوبی انجام دہی دیکھ کر حضور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے شاگرد رشید کی حوصلہ افزائی اور مدح سرائی کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا:

''مولانا امجد علی تو کام کی مشین ہیں''۔

(ماہنامہ پاسبان الہ آباد، امام احمد رضا نمبر مارچ ۱۹۶۵ء بحوالہ صدر الشریعہ نمبر ص ۲۷۷)

ترجمہ کنز الایمان:

تاریخ کے اوراق شاہد عدل ہیں کہ اہل سنت و جماعت کے امام، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترجمہ قرآن بنام ''کنز الایمان'' صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی کاوشوں اور محنتوں کا ہی ثمرہ ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے دیکھا کہ اہل سنت و جماعت کے لوگ بد مذہبوں کے غلط ترجمۂ قرآن کو پڑھ کر راہِ راست سے دور ہوتے جا رہے ہیں تو آپ کے دل میں جذبۂ حمیت اور دینی بھائیوں کی خیر خواہی کے پیش نظر ایسی بے قراری اور بے چینی پیدا ہوئی کہ مجددِ اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ترجمہ قرآن کی درخواست پیش کر دی اور مسلسل تقاضہ پیش کرتے رہے، یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راضی کر لیا اور روزانہ قیلولہ کے وقت قلم کاغذ لے کر حاضر ہوتے اور قرآن شریف تلاوت کرتے جاتے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترجمہ کرتے جاتے، یہاں تک کہ پورے قرآن شریف کا ترجمہ مکمل ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ قیلولہ کے وقت بجائے آرام کرنے کے کاغذ

قلم لے کر پڑھنا لکھنا، اس وجہ سے تھا کہ ان میں محض اصلاحِ عوام، خدمت دین متین، اخلاص وایثار کا جذبۂ بے کراں موجود تھا۔ اس لیے کہ نہ تو اس کی الگ سے کوئی اجرت پاتے تھے نہ نذرو تنخواہ۔

تصنیفات:

آپ کی بے لوث خدمات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بالکل ہی کم خواندہ حضرات کو بھی عالم بنا دینے والی مسائل شرعیہ، احکام دینیہ سے روشناس کرانے والی مسائل صحیحہ، رجیحہ، منقحہ پر مشتمل بنام ''بہار شریعت'' دولت بے بہا، سرمایۂ لازوال عطا فرمایا۔ اور اس کے علاوہ فتاوئ امجدیہ، حاشیہ طحاوی عظیم اور گراں مایہ تالیف ہیں، جن کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اگر آپ چاہتے تو بہار شریعت کسی بھی مکتبہ کو دے کر ہزاروں ہزار روپے حاصل کر لیتے، مگر یہ آپ کا جذبۂ خدمت دین ہی تھا، بے نفسی ہی تھی کہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آج متعدد اہل کتبہ خانہ بہار شریعت کو طبع کرا کے اہل دولت وثروت ہو گئے۔

خارج اوقات تدریس:

آپ کی تدریسی خصوصیات متعدد ہیں اور تدریسی فنکاری مشہور ہے، مگر آپ کی علم دوستی اور علمی خدمت کا اس سے بھرپور اندازہ ہوتا ہے کہ اوقاتِ درس میں تو پڑھاتے ہی تھے، مگر اوقاتِ درس کے علاوہ بعد عصر سے مغرب تک اور اس کے علاوہ بھی بچوں کو پڑھاتے تھے۔

اور ایسا بھی نہیں کہ خارجِ اوقات درس ہونے کے سبب بے توجہی سے کام لیں، بلکہ پوری تن دہی، محنت اور اسی لوگن کے ساتھ پڑھاتے، جس طرح اوقاتِ درس میں تعلیم دیتے تھے۔ جب کہ زمانہ حاضر کے اساتذہ اس سے بالکل مختلف ہی نظر آتے ہیں۔ اوقاتِ تعلیم کے سوا میں مدرسہ یا طلبہ کو کچھ بھی ٹائم دینا گوارہ نہیں کرتے۔ مگر حضور صدر الشریعہ اس طرح خارج اوقات میں پڑھاتے تھے۔ یہ آپ کی تعلیمی خدمت اور علم دوستی ہی تو تھی، جب کہ مفتی محبوب رضا خاں صاحب بریلوی بانی مدرسہ رضویہ حنفیہ ساہیوال پاکستان کے مضمون ''صدر الشریعہ ایک باکمال مشفق استاذ'' سے ترشح ہے کہ حضور صدر الشریعہ نے ان کے تاخیر سے مدرسہ پہنچنے کے سبب اس شرط پر داخلہ لیا تھا کہ عصر کے بعد پڑھاؤں گا اور کئی ماہ تک بعد عصر رسالہ میر زاہد پڑھاتے رہے اور ان کے ساتھ مدرسہ کے اساتذہ اور دیگر طلبہ بھی شریک ہوتے۔

آپ کی بے نفسی اور بے لوث خدمت دین کی زندہ جاوید مثال:

حضور صدر الشریعہ کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ اشاعت سنیت اور تبلیغ دین کی خاطر دور دراز مقامات کا سفر فرماتے، مگر بلانے والوں سے کسی قسم کی شرط نہ رکھتے اور نا ہی اظہارِ شان وشوکت کے لیے استقبال کی خواہش وتمنا کرتے۔ بلکہ یہ سب محض رضائے الٰہی وخوشنودئ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کرتے اور براہِ راست بلانے والے کے یہاں پہنچ جاتے۔

چنانچہ ایک مرتبہ مفسر قرآن صدر الافاضل حضرت علامہ

نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی علیہ الرحمہ نے اپنے یہاں ایک عظیم الشان پیانے پر اجلاس کرایا، جس میں بڑے بڑے مشائخ وعلمائے کبار مثلاً حضرت پیر سید علی جماعت علی صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ وعلامہ حامد رضا خاں صاحب وحضور مفتی اعظم ہند اور صدر الشریعہ قدست اسرارہم بھی مدعو تھے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ جب حضرت سیدنا فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز اجمیر شریف سے تشریف لائے تو کوئی ایک آدمی بھی لینے نہیں گیا، استقبال تو کجا؟

اور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں کا زبردست استقبال ہوا، حضرت حجۃ الاسلام کا بھی تھوڑا بہت استقبال ہوا، لیکن حضرت صدر الشریعہ کو ایک طالب علم بھی لینے کو اسٹیشن نہ گیا اور آپ بلا تکلف خود تشریف لے آئے۔ علما کی بھری محفل میں ایک عقیدت مند نے جرأتِ لب کشائی سے کام لیتے ہوئے قدرِ ناگواری کے انداز میں سب کے سامنے یہ کہا کہ ہمارے اکابر کا استخفاف ہو رہا ہے اور حضور صدر الشریعہ کو کوئی اسٹیشن پر لینے بھی نہیں گیا۔ بس اس بات پر حضرت صدر الشریعہ سخت غضبناک ہوئے اور ان سخت الفاظ میں زجر وتوبیخ فرمائی، پھر نہایت اطمینان سے ان کی غلط فہمی کو بھی دور فرمایا۔ اور فرمایا: حسن ظن رکھو، یہ سب حضرات اپنے ہی ہیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک تو مرادآباد میں پہلی مرتبہ تشریف لا رہے تھے، ان کا استقبال زیادہ ہونا تھا۔ دوسرے یہ کہ اجلاس کی صدارت کا فیصلہ سب حضرات نے مل کر پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے حق میں کیا تھا، اس لیے بھی بحیثیت صدر اُن کا استقبال زیادہ ہونا تھا۔ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ العزیز کے کافی مریدین شہر ومضافات مرادآباد میں تھے، ان کا استقبال بھی اچھا ہونا تھا۔ حضرت سیدنا امام حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا قدس سرہ مرادآباد متعدد بار مختلف تقاریب میں تشریف لا چکے تھے۔ اسی طرح حضرت صدر الشریعہ متعدد بار تشریف لا چکے تھے اور پھر عین وقت پر جب حضرت صدر الشریعہ بعد نماز عشا ٹرین سے تشریف لائے تو حضرت صدر الافاضل کسی اہم مصروفیت اور ضروری ہنگامی کام کی طرف متوجہ ہو گئے، لہٰذا اسٹیشن پر آدمی بھیجنا بھول گئے، مگر یہ حضرت صدر الشریعہ کی بے نفسی کہ اپنی حمایت میں ایسے کلمات کو بالکل پسند نہیں فرمایا اور قطعاً کچھ محسوس نہیں فرمایا۔ (بحوالہ صدر الشریعہ نمبر مقالہ نگار مولانا محمد حسن ملتانی ص ۱۱۹)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی تن دہی، محنت ومشقت برداری، اخلاص وجذبۂ ایثار وولولہ خدمت دین ہی کو دیکھ کر حضور اعلیٰ حضرت مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو دار القضا کا قاضی بنایا اور صدر الشریعہ جیسے گراں قدر لقب سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو ان کے نقش پا پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ابر رحمت تیری مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

☆☆☆

حضرت صدر الشریعہ اور اہل بنارس

مولانا ڈاکٹر شفیق اجمل قادری
ناظم اعلیٰ: زینت کلیۃ البنات، بنارس

گھوسی جسے دیار علم و حکمت اور مدینۃ العلما ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس قصبے کی علمی و دینی روایت بہت قدیم ہے، ہر دور میں یہاں نامور علمائے دین اور دانشوران ملت پیدا ہوتے رہے ہیں۔ شرقی سلاطین جون پور کے عہد سے لیکر دورِ حاضر تک سینکڑوں باکمال ارباب علم وفن اس خاک سے اُٹھ کر افق علم پر جلوہ گر ہوتے رہے ہیں۔ جن کی ضیا باریوں سے ایک جہاں مستنیر اور ان کے روحانی فیوض و برکات سے ایک عالم فیض یاب ہوتا رہا۔

یہاں کی خاک نے ایسے افراد کو جنم دیا، جنھوں نے کشت علم مصطفیٰ کو سبز وشاداب کر دیا۔ یہ علم و ادب کا ایسا سمندر جس سے نکلنے والی نہروں سے پوری دنیا کے تشنگان علم نے سیرابی کا جام حاصل کیا۔ ایک ایسا بحر ذخار کہ جس کے موتیوں کی چمک نے چشمانِ مہ و نجوم کو خیرہ کر دیا۔ ملک ہندوستان کے اس چھوٹے سے قصبے نے دینی، علمی، مذہبی، تحقیقی کارناموں کی بدولت بڑے بڑے شہروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

جس سرزمین کی آغوش کے پروردہ فقہ اسلامی کی انسائیکلوپیڈیا بہار شریعت کے مصنف حضور صدر الشریعہ علامہ حکیم محمد امجد علی اعظمی، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، شیخ العلما علامہ غلام جیلانی اعظمی، شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، مفسر قرآن علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، محدث جلیل علامہ غلام یزدانی اعظمی، استاذ القرا علامہ قاری محمد عثمان اعظمی، اشرف الفقہا مفتی محمد مجیب اشرف رضوی علیہم الرحمۃ والرضوان اور ممتاز الفقہا محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم العالیہ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں ہیں۔

شہر بنارس کے شمال مشرق میں تقریباً ۱۴۰/ کلومیٹر کی دوری پر یہ قصبہ واقع ہے۔ اس سرزمین نے علم و دانش کے ایسے چراغ روشن کیے، جن کی ضیا بار کرنوں نے جہاں دنیاے علم وفضل کو روشن و منور کیا؛ وہیں بنارس بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہا۔ یہاں کی علمی و مذہبی شخصیتیں ہر دور میں اہل بنارس کی علمی تشنگی کو سیراب کرتی رہیں۔ صدر الشریعہ، بدر الطریقہ علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات سے بھی اہل بنارس کے کافی گہرے روابط رہے ہیں۔ بنارس کی مذہبی تاریخ پر آپ نے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

حضور صدر الشریعہ علامہ حکیم محمد امجد علی اعظمی کی ولادت قصبہ گھوسی ضلع مئو میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء کو ایک دیندار گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا حکیم جمال الدین کا شمار علاقے کے بڑے حکیموں میں ہوتا تھا۔ طبی مہارت اور ریاست عظمت گڑھ کے راجہ کے طبیب خاص ہونے کی وجہ

سے ہر طرف آپ کا شہرہ تھا۔ اس عہد کے اجلہ علما نے حضرت مولانا امجد علی اعظمی کو "صدر الشریعہ" جیسے گراں قدر لقب سے نوازا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے وطن گھوسی ہی کے مدرسہ ناصر العلوم میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ نے شیرازۂ ہند جون پور کا رخ کیا اور ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ حنفیہ جون پور میں داخلہ لیا۔ یہاں علوم شرقیہ وفنون دینیہ کے متلاشی دور دراز سے تشریف لاتے تھے۔ استاذ الاساتذہ کی فیض رساں درس گاہ سے اس دور کے ماہرین علوم فارغ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ حضرت شاہ وصی احمد محدث سورتی کی خدمت میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حاضر ہو کر درسِ حدیث لیا۔ حضرت محدث سورتی نے بھی اپنی فراست ایمانی سے ان کی ذات میں پوشیدہ صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اس گوہر شب تاب کو قدرتی نگاہ سے دیکھا۔ علوم نبویہ کے چشمۂ فیاض سے خوب سیراب کیا۔

حضرت صدر الشریعہ یوں تو سارے علوم وفنون کے ماہر تھے۔ لیکن سب سے خاص لگاؤ آپ کو فقہ سے تھا۔ اللہ عزوجل نے آپ کی ذات گرامی میں تفقہ فی الدین ودیعت فرمایا تھا۔ حضرت صدر الشریعہ کو فقہ کے جمیع ابواب کے تمام جزئیات مع ان کے تفصیلی دلائل کے مستحضر تھیں۔ انہیں خصوصیات کی بنا پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک موقع پر فرمایا:

"آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ وجہ یہی کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے"۔

(الملفوظ حصہ اول، ص:۳۰۱)

حضرت صدر الشریعہ نے فقہِ حنفی کی مُعتَمد وضخیم عربی کُتُب سے فِقہی مسائل کو اُردو زبان میں منتقل کر کے "بہارِ شریعت" جیسی عظیم الشان کتاب تصنیف فرما کر اُمّت مسلمہ پر احسانِ عظیم فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حالات اور ضرورت دینی کے پیش نظر بریلی شریف میں پورے ملک ہندوستان کے لیے جس میں موجودہ پاکستان و بنگلہ دیش بھی شامل تھا۔ شرعی دار القضا قائم فرمایا تھا۔ اس کے لیے تمام مشاہیرِ ہند و مفتیان عصر میں سے حضرت صدر الشریعہ کو احکام شرعی کے نفاذ اور مقدمات کے فیصلے کے واسطے قاضی شرع مقرر فرمایا تھا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کی بارگاہ میں آپ کو نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے سوائے آپ کے کسی کو بھی حتیٰ کہ اپنے شہزادگان والا کو بھی اپنی بیعت لینے کا وکیل نہیں بنایا تھا۔

بنارس میں قیام:

حضرت صدر الشریعہ کی بنارس میں تشریف آوری اکثر ہوتی رہی۔ آپ کا قیام بازار سدانند میں حاجی عبد الغفور صاحب کے یہاں اور ریوڑی تالاب میں حاجی امین الدین صاحب کے یہاں ہوتا رہا۔ حضور محدث کبیر حضرت صدر الشریعہ کے قیام بنارس کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"بنارس میں پہلے حاجی عبد الغفور صاحب (والد عبد المجید) بازار سدانند کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ ریوڑی تالاب میں حاجی امین الدین (امام صاحب، نگینہ مسجد) کے یہاں بھی قیام رہتا تھا۔ مجھے اپنے طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سے پہلے حاجی جلال الدین صاحب کے یہاں بھی کبھی

کبھار رک جایا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی کاروباری مصروفیت بہت رہتی تھی، جس کی وجہ سے حاجی عبدالغفور کے یہاں منتقل ہو گئے۔

طالب علمی کے زمانے میں میں کبھی کبھار بنارس آتا تو حاجی عبدالغفور صاحب کے یہاں ہی رکتا تھا، پھر اس کے بعد ریوڑی تالاب میں حاجی امین الدین صاحب کے یہاں رکنے لگا۔ اس پر حاجی عبدالغفور نے شکایت کا خط لکھ کر اماں جی کے پاس بھیجا کہ "وہ یہاں رکتے تھے اب وہاں رکنے لگے۔" میں نے یہ دیکھا کہ راستہ (سدانند بازار) میں بھول جاتا تھا۔ وہ گلی در گلی تھا۔ اور یہاں میں سیدھے رکشہ سے نگینہ مسجد پہنچ جاتا اور وہاں سے پیدل حاجی امین الدین صاحب کے یہاں چلا جاتا۔"

۱۹۴۳ء میں علی گڑھ سے واپسی پر حضور صدر الشریعہ کا قیام مع اہل وعیال حاجی عبدالغفور صاحب کے یہاں رہا۔ مئو جانے کی ساری ٹرین بند تھی، جس کی وجہ سے حضرت نے تین چار روز بنارس میں قیام فرمایا۔ حضور محدث کبیر ارشاد فرماتے ہیں:

"جب حضرت نے علی گڑھ چھوڑ دیا اور وہاں سے واپس بنارس آئے، تو یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ٹرینیں بند ہیں، سوائے ٹرین کے مئو جانے کا راستہ نہیں تھا۔ یہ دوسری جنگ عظیم (۱۹۴۳ء) کا زمانہ تھا۔ اس وقت حاجی عبدالغفور صاحب کے یہاں تین چار روز رکنا پڑا۔ اماں جی بھی ساتھ میں تھیں"۔

آل انڈیا سنی کانفرنس (بنارس) میں شرکت:

مارچ ۱۹۲۵ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں چار روزہ کانفرنس ہوئی، جس میں "الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ" (آل انڈیا سنی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبۂ صدارت پڑھا۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی اس کے ناظم اعلیٰ اور امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری اس کے صدر منتخب کیے گئے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی مختلف نشستوں میں اور کانفرنسوں میں حضرت صدر الشریعہ نے شرکت فرمائی اور بہترین خطاب فرمایا۔ قائدین نے شبانہ روز کوشش سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں اس جماعت کی شاخیں قائم کیں۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی تشکیل کے بعد ملک کے طول وعرض میں اس کے اجلاس منعقد ہوتے رہے اور وقت ضرورت بہت سی قراردادیں پاس کی گئیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کا آغاز ۱۹۲۵ء میں مراد آباد کی سر زمین پر جس سادگی سے ہوا۔ اس کا انجام ۱۹۴۶ء میں سرزمین بنارس میں نہایت ہی شاندار ہوا۔ یوں تو آل انڈیا سنی کانفرنس کی ملک کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی کثیر التعداد شاخیں اور ان سے وابستہ ہزاروں علما اپنے حلقوں میں اس کے مقاصد سے عوام وخواص کو روشناس کرا رہے تھے لیکن بنارس کا اجلاس اپنی جامعیت اور شان وشوکت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ اہل سنت و جماعت کے پانچ ہزار علما و مشائخ اور اجلاس میں لاکھوں حاضرین کا اجتماع شرکا کے جنوں خیز جذبے اور تنظیم کے ساتھ گہرے قلبی لگاؤ کا غماز تھا۔ اس اجلاس میں حضرت صدر الشریعہ نے بھی بطور خاص شرکت فرمائی۔ اسی اجلاس میں مستقبل کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں حسب ذیل حضرات

شامل تھے، جن میں حضرت صدرالشریعہ بھی قابل ذکر ہیں:

''مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری (یہ تمام حضرات امام احمد رضا محدث بریلوی کے خلفا ہیں) مولانا عبدالحامد بدایونی، دیوان سید آل رسول اجمیر شریف، شاہ عبدالرحمٰن (سندھ) خواجہ قمرالدین سیالوی سیال شریف، مولانا سید زین الحسنات مانکی شریف (سرحد) خاں بہادر بخشی مصطفیٰ علی مدراس، مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری لاہور''۔ (خطبۂ صدارت، ص:۳۰)

بنارس کے بہت سے جلسوں میں آپ شریک ہوئیاور عموماً تمام جلسوں میں آپ کا خطاب ہوتا تھا۔ بالخصوص مدرسہ فاروقیہ قدیم مشاغل العلوم کا سالانہ جلسہ پابندی کے ساتھ ہر سال منعقد ہوتا، ان جلسوں میں ہمیشہ علما و مشائخ شرکت فرماتے؛ حضرت صدرالشریعہ بھی اکثر اس کے جلسہ میں تشریف لاتے۔ جو پوسٹر دستیاب ہوئیان میں سے تین پوسٹر (۲۷واں، ۲۸واں، ۲۹واں سالانہ اجلاس) میں حضرت صدرالشریعہ کا نام نامی بڑے اہتمام سے ان القابات کے ساتھ لکھا ہے:

''صدرالشریعہ، صدرالعلما، امام الفقہا، سلطان المحققین، عمدۃ المصنفین حضرت مولانا حاجی حکیم شاہ مفتی ابوالعلا محمد امجد علی اعظمی دامت برکاتھم القدسیہ''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلسہ بہت پابندی کے ساتھ ہوتا رہا اور اس میں حضرت صدرالشریعہ اکثر تشریف لاتے۔

مدرسہ فاروقیہ قدیم مشاغل العلوم کے درج ذیل اجلاس جس میں حضرت صدرالشریعہ نے شرکت فرمائی:

(۱) ۱۵۔۱۶۔۱۷۔ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۳۔۱۴۔۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء۔

(۲) ۲۵۔۲۶۔۲۷۔ شعبان المعظم ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱۔ اکتوبر اور ۱۔۲۔ نومبر ۱۹۳۷ء۔

(۳) ۱۷۔۱۸ شعبان المعظم ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء۔

جامعہ مظہرالعلوم، کچی باغ، بنارس میں تدریسی خدمات:

تدریس ایک اہم اور مشکل کام ہے۔ حضرت صدرالشریعہ کو درس و تدریس پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپ کا طرزِ تدریس نہایت دل نشیں، دل آویز اور دل پزیر تھا۔ دورانِ تدریس مضامین کتاب کی ایسی واضح، شستہ اور جامع تقریر فرماتے کہ مضمون کتاب طلبہ کے ذہن میں اترتا چلا جاتا تھا۔ آپ کے تجرِ علمی کا یہ عالم تھا کہ پورا درسِ نظامی آپ کو مستحضر تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے استاذ محترم حضرت محدث سورتی کے مدرستہ الحدیث میں ۱۳۲۷ھ تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کو دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے لیے ایک ذی استعداد استاد کی ضرورت پیش آئی، حضرت محدث سورتی نے آپ کا نام پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت کے طلب فرمانے پر پٹنہ سے مطب چھوڑ کر دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جلد ہی اپنی استعداد، قابلیت، خداداد حسنِ سلیقہ اور سعادت مندی سے امام احمد رضا محدث بریلوی کی نظر میں مقبول اور موردِ الطاف

خاص بن گئے۔

دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں بطور صدر مدرس تدریسی خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم منظر اسلام میں آپ کا کل عرصۂ تدریس، پہلا دورِ تدریس (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۴۳ھ) اور دوسرا دورِ تدریس (۱۳۵۱ھ تا ۱۳۵۶ھ) ملا کر تقریباً اٹھارہ برس پر مشتمل ہے۔ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں مولانا سید سلیمان اشرف صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں صدر المدرسین کے عہدے کا دعوت نامہ لے کر بریلی آئے۔ یہاں آپ نے ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۳ء تک فرائض تدریس انجام دیے۔ ۱۹۳۶ء میں حاجی غلام محمد خاں شیروانی کے اصرار پر حضرت صدر الشریعہ دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ بحیثیت صدر مدرس تشریف لائے۔ آپ کی آمد سے دادوں میں علوم وعرفان کی بارش ہونے لگی۔ حضرت صدرالشریعہ ۱۹۴۳ء تک تقریباً سات سال دادوں میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد ۱۹۴۴ء میں جامعہ مظہر العلوم، بنارس کی دعوت پر حضرت صدرالشریعہ بنارس تشریف لائے، اور صدر مدرس کی منصب جلیلہ پر فائز رہتے ہوئے، مدرسہ کے تعلیمی نظام کو کافی بلند کر دیا۔ آپ کی جلالت علمی اور تلامذہ کی استعداد کے باعث بہت کم عرصہ میں جامعہ مظہر العلوم کے درس وتدریس کا نقشہ بدل گیا۔ شاگرد رشید حضور صدر الشریعہ حضرت مولانا سید مظہر ربانی صاحب باندہ جامعہ مظہر العلوم، بنارس میں حضرت کی آمد کے متعلق رقم طراز ہیں:

''دورۂ حدیث کی تقریب مدرسہ میں بڑی دھوم دھام سے ہوئی اس کے بعد حضرت دادوں سے رخصت ہو گئے۔ چند دنوں بعد حضرت نے مظہر العلوم کالج، کچی باغ، بنارس کی دعوت منظور فرمائی۔ اور صدر المدرسین کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ سے ۷ ارطلبہ بنارس پہنچ گئے اور حضرت کے حکم پر سب کا داخلہ ہو گیا۔ میں اور میرے ہم سبق مولانا لطف اللہ صاحب جلالی علی گڑھی پیش پیش تھے۔ ہمارے افریقہ ماریشش کے ایک طالب علم مولوی محبوب خدا بخش داد افریقی بھی تھے، جنہیں مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی، میرٹھی نے صدر الشریعہ کی وجہ سے دادوں میں داخلہ کرایا تھا۔ حضرت کی جلالت علمی اور تلامذہ کی استعداد کے باعث چند روز میں مظہر العلوم کالج کے درس وتدریس کا نقشہ بدل گیا''۔ (حضور صدرالشریعہ حیات و خدمات، ص:۳۱۴)

حضرت صدرالشریعہ کا زیادہ عرصہ تک بنارس میں تدریسی سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اس سلسلہ میں حضرت صدرالشریعہ کے شاگرد خاص مولانا لطف اللہ صاحب جلالی علی گڑھی تحریر فرماتے ہیں:

''قریباً ایک سال کے بعد حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ کہ میں کچی باغ بنارس کے دینی مدرسے میں بحیثیت شیخ الجامعہ آ گیا ہوں۔ تم لوگ چاہو تو مفتی اعظم مصطفیٰ میاں صاحب کی اجازت حاصل کر کے بنارس آ جاؤ۔ مکتوبِ گرامی پاتے ہی ہم چاروں طلبہ نے مشورہ کر کے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے اجازت حاصل کی اور بخیر وعافیت حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں بنارس پہنچ گئے۔ اور وہاں قریباً ایک سال حضور کے سایۂ کرم میں تحصیلِ علمِ دین میں مصروف رہے۔ چونکہ حضور کی آنکھوں کا

آپریشن ہو چکا تھا، کچھ عرصہ کے بعد بینائی بالکل ختم ہوگئی۔اس لیے حضور کچی باغ کے مدرسہ کو خیر باد کہہ کر اپنے وطن گھوسی شریف تشریف لے آئے اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو بنارس بلا کر ہم جملہ طلبہ کو ان کے سپرد فرمایا۔" (حضور صدرالشریعہ حیات وخدمات، ص:۳۰۶)

مولانا سید مظہر ربانی صاحب بھی حضرت صدرالشریعہ کے بنارس سے جانے کی وجہ آنکھوں میں موتیابند کی تکلیف کا بڑھ جانا اور ڈاکٹر کا آپریشن کرانے کے لیے کہنا۔اور ڈاکٹر کا آپریشن کے بعد مزید کچھ عرصہ تک دماغی کام سے پرہیز کرنا۔ بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت باوجود ضعیفی وکمزوری کے ہماری خاطر تدریس میں مشغول رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت کی آنکھوں میں موتیابند کی تکلیف بڑھ گئی۔اور آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔انجام کار حضرت کی آنکھوں کا آپریشن ہوا اور ڈاکٹروں نے پڑھنے اور دماغی کام کرنے سے پرہیز کا مشورہ دیا تو حضرت نے بادل نخواستہ ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اب مبارک پور یا بریلی جا کر اپنی تعلیم پوری کرلو، دونوں جگہ میرے لائق وفائق شاگرد ہیں۔وہاں ان شاءاللہ تمہاری تعلیم کی تکمیل ہوجائے گی۔

حضرت صدرالشریعہ کچی باغ، بنارس سے استعفادے کر گھوسی اپنے کاشانہ اقدس قادری منزل تشریف لے گئے۔ پھر کبھی حضرت نے کوئی ملازمت کہیں قبول نہیں فرمائی۔ ۱۷ طلبہ جو حضرت کی وجہ سے دادوں سے بنارس آئے تھے، ان میں کچھ مبارک پور اور کچھ بریلی چلے گئے"۔ (حضور صدرالشریعہ حیات وخدمات، ص:۳۱۷)

حضرت صدرالشریعہ کا مظہر العلوم، بنارس میں تدریسی خدمات کے لیے تشریف لانے سے متعلق حضور محدث کبیر ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت صدرالشریعہ نے جب دادوں کا مدرسہ چھوڑ دیا، تو اشاعۃ الحق والے کہتے تھے کہ آپ بنارس ہی رہ جاتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ابھی آپ خالی ہیں؛ یہیں رہ جائیں۔آپ تیار نہ ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد مظہر العلوم والے آئے اور بنارس آنے کی دعوت دی تو تیار ہوگئے۔مظہر العلوم میں تھے تو کئی مرتبہ اشاعۃ الحق والوں کو بلوایا، حاجی عبدالغفور وغیرہ کو۔ کوئی نہیں آیا۔کئی مرتبہ ایسا ہوا۔اس پر حضرت بہت ناراض ہوئے۔ پھر کسی کو ان لوگوں کے پاس بھیجا اور کہا: آنا ہو تو آؤ، ورنہ میں تم لوگوں سے ملوں گا نہیں۔یہ خبر سنتے ہی اشاعۃ الحق والے آئے۔حضرت بہت سخت ناراض ہوئے کہ تم لوگوں کے کہنے پر میں بنارس آیا اور تم لوگ ہو کہ مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔میں اس لیے آیا؟ اب میں جا رہا ہوں۔چار مہینہ یہاں رہے، پھر چھوڑ کر واپس گھوسی آگئے۔حضرت نے فرمایا: یہ لوگ تو بس اپنے محلے میں رہو تو ملیں گے، دوسرے محلے میں رہو تو ملیں گے بھی نہیں"۔

(انجمن اشاعۃ الحق اس دور میں شہر بنارس میں اہل سنت وجماعت کی نمائندہ تنظیم تھی۔اس تنظیم نے علمائے اہل سنت کی کتابوں کی اشاعت اور دینی اجلاس میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مزید اس دور میں بدمذہبوں کی جانب سے اٹھنے والے ہر فتنے کا اس تنظیم نے دندان شکن جواب دیا)

حضرت صدرالشریعہ کی جامعہ مظہر العلوم میں آمد سے متعلق مولانا وکیل احمد مصباحی، استاذ: جامعہ ضیاء العلوم، کچی

باغ، بنارس فرماتے ہیں:

''حضرت صدر الشریعہ میرے جد امجد مولانا صفی الرحمٰن صاحب کی دعوت پر جامعہ مظہر العلوم تشریف لائے، اس وقت آپ اس کے ناظم اعلیٰ تھے۔ حضرت صدر الشریعہ کا قیام وطعام ہمارے ہی گھر پر تھا۔ ایک سال سے زائد آپ جامعہ مظہر العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ حضرت صدر الشریعہ جب تک بنارس رہے، پکی مسجد، کچی باغ میں جمعہ کی امامت فرماتے اور اس میں آپ کا بیان بھی ہوتا''۔

مفتی مولانا صفی الرحمٰن صاحب کی ہی دعوت پر حضرت صدر الشریعہ جامعہ مظہر العلوم میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لائے۔ ۱۹۴۴ء میں آپ نے حضرت صدر الشریعہ کی بارگاہ میں مظہر العلوم آنے کی درخواست پیش کی، جسے حضرت صدر الشریعہ نے قبول فرمایا۔ اس سلسلہ میں مولانا عبد المجتبیٰ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''علمائے اہل سنت کی ایک ٹیم آپ نے اپنے مدرسہ میں جمع کی۔ جو علم وعمل میں ملک کے رہنما جانے جاتے۔ حضرت شاہ امجد علی اعظمی مصنف ''بہار شریعت'' جامعہ کے اہم اساتذہ میں تھے۔ مولانا صفی الرحمٰن نے ایک درخواست مولانا امجد علی کو ۱۲ر ستمبر ۱۹۴۴ء کو لکھی''۔

جامعہ مظہر العلوم کا شمار بنارس کے قدیم اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد علمائے اہل سنت کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ بانیانِ ادارہ کے عقائد ونظریات وہی تھے، جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے تھے۔ اس ادارہ کی بنیاد اور عروج و ترقی میں مولانا خلیل الرحمٰن (م ۱۹۳۴ء)، مفتی عبد الصمد (م ۱۹۴۴ء)، مولانا صفی الرحمٰن (م ۱۹۴۸ء) علیہم الرحمۃ والرضوان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جامعہ مظہر العلوم کے قیام کے متعلق مولانا عبد المجتبیٰ رضوی تحریر فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں کوئی حافظ عبداللہ صاحب تھے، انہوں نے ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی۔ ابتدا میں یہ ایک شبینہ مکتب تھا، جس میں صرف ایک مدرس خدمت درس پر مامور تھا لیکن جب اس کا انتظام و انصرام آپ (مولانا خلیل الرحمٰن صاحب) کے ہاتھوں میں آیا تو آپ نے اس ابتدائی مکتب کو اپنی کاوشوں سے ایک دار العلوم کی حیثیت عطا کر دی۔۔۔۔ عرصۂ دراز تک یہ ادارہ متصلب سنیوں کے ہاتھوں میں رہا۔ سنیت کے فروغ میں اس کا وافر حصہ رہا۔ اہلسنت کے مشہور بزرگ صدر الشریعہ حضرت مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہاں کچھ عرصہ منصب تدریس پر جلوہ بار رہے، لیکن افسوس کہ بعد میں یہ ادارہ بد مذہبوں کے زیر قبضہ آ گیا''۔ (مسودہ اقطاب بنارس: مولانا عبد المجتبیٰ رضوی بحوالہ تذکرۂ صالحین بنارس، ص:۳۶۶)

مزید فرماتے ہیں:

''مدرسہ مظہر العلوم کے قیام اور اس کے عروج دینے میں بھی مفتی عبد الصمد صاحب کی کافی کاوشیں رہیں۔ اس کام میں انہوں نے اپنے تلمیذ رشید حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کا بھرپور ساتھ دیا۔'' (ایضاً:۳۶۸)

مذکورہ عبارت سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جامعہ مظہر العلوم کی بنیاد علمائے اہل سنت کے ذریعہ عمل میں آئی، بعد میں کسی صورت یہ ادارہ دیوبندیوں کے قبضے میں آ گیا۔ کچھ حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت صدرالشریعہ کے بنارس سے واپس جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس ادارہ میں اس وقت صلح کلیت داخل ہو چکی تھی۔ جسے آپ کی طبیعت قبول کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ مدرسہ میں کچھ بدعقیدہ مولوی گھس آئے، انہوں نے حضرت کو عاجز کیا، جس کی بنا پر حضرت نے مدرسہ چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم

جامعہ مظہر العلوم میں قیام کی مدت کے سلسلہ میں زیادہ تر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ حضرت صدرالشریعہ ایک سال یا اس سے کچھ زائد کا عرصہ یہاں رہے۔

مسائل شرعیہ کے لیے اہل بنارس کا آپ کی جانب رجوع کرنا:

حضور صدرالشریعہ ایک کہنہ مشق فقیہ تھے۔ اللہ رب العزت نے فتوے کے حوالے سے آپ کو بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں جب حضور صدرالشریعہ بنارس تشریف لائے تو یہاں کے مسلمان بھی اپنے دینی مسائل کے حل کے لیے بکثرت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے، اور حضور صدرالشریعہ احکام شرعیہ سے انہیں آگاہ فرماتے۔ مسلمانان بنارس اپنی علمی ضرورت میں آپ سے رہنمائی حاصل کرتیر ہے۔ حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں:

”قیام بنارس کے دوران زیادہ تر باتیں دینی ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً کس طرح مسلک کو فروغ حاصل ہو۔ اس دور میں حضرت جب بنارس تشریف لاتے تو انجمن اشاعۃ الحق کی کارکردگی کا جائزہ لیتے، اور انجمن کے ذمہ داران بھی حضرت سے خوب خوب رہنمائی حاصل کرتے“۔

مفتی عبدالصمد صاحب اہل سنت کے بڑے عالم شمار کیے جاتے تھے، وہ بھی جب صدرالشریعہ بنارس آتے ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور علمی استفادہ کرتے۔ مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی فرماتے ہیں:

”مفتی عبدالصمد صاحب ایک نہایت متصلب سنی عالم دین تھے۔ اہل سنت کے متوارث عقائد و نظریات کے سخت پابند تھے۔ اپنی تقریروں میں وہابیہ و دیابنہ کا خوب رد فرماتے تھے۔ اہل سنت کے ایک زبردست مناظر بھی تھے۔ جامعہ حمیدیہ رضویہ اور جامعہ فاروقیہ کے جلسوں میں شرکت فرماتے رہتے تھے۔ صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر اہل سنت کے ساتھ بارہا آپ کی نشستیں ہوئیں“۔ (مسودہ اقطاب بنارس: مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی بحوالہ تذکرۂ صالحین بنارس، ص: ۳۶۸)

بنارس میں اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو عام کرنے میں مولانا صفی الرحمٰن صاحب کا بڑا کردار رہا ہے۔ آپ حضرت صدرالشریعہ کے شاگرد بھی تھے۔ جب بنارس میں اقامت کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوا، تو مولانا صفی الرحمٰن صاحب نے حضرت صدرالافاضل، حضرت صدرالشریعہ اور دوسرے علمائے اہل سنت کو بنارس بلا کر اس مسئلہ کو حل کرایا۔

(تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح)

حضرت صدر الشریعہ بنارس رہتے تو عوام اور علما سبھی اپنی علمی تشنگی بجھانے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے، اور حضرت ان کے لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی فرماتے۔ قیام بنارس کے دوران حضور مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ (م ۱۹۸۱ء) ایک علمی مسئلہ کو حضور صدر الشریعہ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، جسے آپ نے اسی وقت حل فرما دیا۔ اس واقعہ کو مولانا سید مظہر ربانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اسی دوران ایک دن حضرت کے شاگر دِر شید مناظر اعظم مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب حضرت سے ملنے مظہر العلوم آئے، گرمی کا موسم تھا، حضرت مدرسہ کی چھت پر بعد نمازِ عشاء گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز تھے۔ میں حضرت کے سر میں تیل ڈال رہا تھا۔ حضرت مجاہد ملّت چھت پر آگئے ان کے ساتھ کچھ طلبہ اور دیگر حضرات بھی پہنچ گئے۔ انھوں نے سلام کیا اور حضرت نے جواب دیا۔ مجاہد ملّت حضرت کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے۔ رسمی گفتگو کے بعد مجاہد ملّت نے ایک لمبا پرچہ جیب سے نکالا اور عرض کیا: حضور چند اشکال ہیں، جنھیں حل کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: سنایئے۔ میں سر میں مالش کر رہا تھا، مجاہد ملّت سناتے رہے، تقریباً تیرہ چودہ موصوف کے لاینحل سوالات تھے۔ حضرت اُٹھ کر بیٹھ گئے، مولوی سبحان اللہ چلم بھر کر لائے اور حقہ حضرت کے آگے بڑھا دیا۔ حضرت نے حقہ پینا شروع کیا اور جوابات عنایت فرماتے رہے۔ کہیں کہیں مجاہد ملّت کو تشنگی رہ جاتی، تو پھر سوال کرتے، اور حضرت اس کا جواب مزید وضاحت کے ساتھ عنایت فرماتے، بالآخر مجاہد ملّت کی پوری تسلّی و تشفی ہوگئی"۔ سُبحان الله، والحمد لله ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ.

(صدر الشریعہ حیات وخدمات، ص: ۳۱۵)

حضرت صدر الشریعہ کے جنازے کا بنارس پہنچنا:

۱۳۶۷ھ میں حضور صدر الشریعہ دوسری مرتبہ حج کی نیت سے حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے، اپنے وطن قصبہ گھوسی سے ممبئی تشریف لائے، لیکن یہاں پہنچ کر آپ کو نمونیہ ہو گیا اور سفینے میں سوار ہونے سے پہلے ہی بتاریخ ۲ ذی القعدہ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۶ ستمبر ۱۹۴۸ء رات ۱۲/ بج کر ۲۶ منٹ پر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بعدِ وفات حضور صدر الشریعہ کے وُجودِ مسعود کو بذریعہ ٹرین بمبئی سے مدینۃ العُلَماء گھوسی لے جایا گیا۔ بنارس میں بڑی تعداد میں مریدین ومتوسلین اپنے محسن و مربی کی بارگاہ میں نمناک آنکھوں سے خراج پیش کرنیکے لیے اسٹیشن پر حاضر تھے۔

قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ، خود ممبئی سے ساتھ میں آرہے تھے؛ بیان فرماتے ہیں:

"جب ٹرین مغل سرائے پہنچی تو بنارس اور گرد و نواح کے سیکڑوں معتقدین واحباب وہاں جمع تھے۔ حضرت سے ارادت رکھنے والی کچھ خواتین بھی تھیں۔ لوگوں نے نعرہ ہائے تکبیر و رسالت کی گونج میں بریک وین سے تابوت شریف کو نکالا اور کاندھوں پر اٹھائے ہوئے بنارس جانے والی ٹرین پر لے گئے۔

وہاں بریک وین کے سامنے ریلوے کے حکام پہلے ہی سے موجود تھے۔ تابوت شریف اندر رکھوانے کے بعد دروازہ مقفل کر کے سیل کر دیا۔

جب ہماری ٹرین بنارس پہنچی تو بہت بڑا ہجوم جنازے کے استقبال کے لیے پہلے ہی سے وہاں کھڑا تھا۔ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت کی گونج میں لوگوں نے تابوت شریف کو بریک وین سے باہر نکالا اور اپنے کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے چھوٹی لائن کے پلیٹ فارم پر لے آئے۔ یہاں گورکھپور جانے والی گاڑی بالکل تیار کھڑی تھی۔ یہاں بھی ریلوے حکام نے بریک وین کا دروازہ کھولا اور تابوت شریف اندر رکھ دیئے جانے کے بعد اُسے مقفل کر دیا۔ مخدومہ آپا جان اور ہم سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھے گئے''۔

(ماہنامہ اشرفیہ، صدر الشریعہ نمبر، ص: ۱۰۳)

شہزادۂ صدر الشریعہ حضور محدث کبیر ارشاد فرماتے ہیں:

''میں اس دن ساتھ نہ آپایا، ایک روز بعد آیا، یہاں لوگوں نے مجھے بتایا: جب ابا جی کا جنازہ بنارس پہنچا تو اسٹیشن پر کافی مجمع ہو گیا تھا۔ بھیڑ اتنی تھی کہ لوگ ڈبے پر لٹکے ہوئے تھے''۔

مذکورہ واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل بنارس حضور صدر الشریعہ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

بنارس میں بیعت و خلافت:

امام احمد رضا محدث بریلوی کی عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی اور ورع و تقویٰ سے شاداب درخشندہ زندگی کی مسلسل دید کے بعد آپ نے روحانی رہنمائی کے لیے سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں انھیں کے دست حق پرست پر بیعت کی اور جلد ہی تمام سلاسل میں اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ سلسلہ قادریہ رضویہ کے فیضان کو آپ نے خوب عام کیا۔ بنارس کی ایک بڑی تعداد حضرت سے بیعت تھی۔

حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ بنارس میں حضرت کے مریدین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

''مجھے یہ نہیں معلوم بنارس میں ابا جی کے کتنے مرید تھے۔ ہاں! ریوڑی تالاب میں حاجی امین الدین، ان کی اہلیہ، ان کی بچیاں، ان کے گھر والے سب لوگ حضرت سے مرید تھے۔ ریوڑی تالاب میں اور لوگ بھی مرید تھے''۔

مولانا سبحان اللہ امجدی (م ۱۹۹۱ء) بھی حضرت صدر الشریعہ کے مرید و تلمیذ تھے۔ آپ سید راجہ ضلع چندولی کے رہنے والے تھے، چندولی اس وقت بنارس ہی کا حصہ تھا۔ صدر الشریعہ کی اخیر عمر میں عرصہ دراز تک سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہا اور اکتساب فیض کیا۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے بڑے شیدائی تھے، زندگی بھر اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو عام کرنے میں مصروف رہے۔ حضرت مولانا عبد المبین نعمانی صاحب فرماتے ہیں:

''فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا سبحان اللہ قادری امجدی علمائے اہل سنت میں ایک زبردست عالم کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت سے بیعت تھے، صدر الشریعہ اور

حضور حافظ ملت علیہما الرحمہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور دونوں ہی کے شاگرد تھے"۔

(اختیارات مصطفیٰ، ص:۳۴)

کیا حضور صدر الشریعہ کے بنارس میں خلیفہ بھی تھے؟

حضور محدث کبیر نے ارشاد فرمایا: بنارس میں حضرت نے کسی کو خلافت دی ہو تو اس بات کا مجھے علم نہیں۔ حضرت صدر الشریعہ خلافت دینے میں بہت احتیاط فرماتے تھے، وہ جلدی خلافت نہیں دیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنارس میں حضرت صدر الشریعہ نے کسی کو اجازت و خلافت نہیں دی۔

جانشین صدر الشریعہ سے اہل بنارس کے روابط:

حضور صدر الشریعہ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ جانشین صدر الشریعہ، ممتاز الفقہا، حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی] نائب قاضی القضاۃ فی الہند دام ظلہ العالی کے ذریعہ اہل بنارس سے قائم رہا، بلکہ مزید مضبوط ہوا۔ عالم اسلام میں محدثانہ خدمات و قائدانہ رہنمائی کے اعتبار سے حضور محدث کبیر کا شہرہ آفاق کی بلندیوں کو چھو چکا ہے۔ اہل بنارس آج بھی اپنی علمی اور مذہبی رہنمائی آپ سے حاصل کر رہے ہیں۔

شریعتِ مطہرہ پر استقامت محدث کبیر کا خاص وصف ہے۔ فرائض و واجبات و سنن و مستحبات سبھی کی پابندی کرتے ہیں۔ تقویٰ میں فردِ فرید ہیں۔ میں نے ہمیشہ بنارس میں یہ دیکھا کہ حضور محدث کبیر خلافِ شرع امور میں کسی کی رعایت نہیں کرتے؛ برملا اصلاح فرماتے ہیں۔ حضور محدث کبیر کی مقبولیت اہلِ علم کے مابین مسلم ہے، دُنیا بھر کے علما و دانش ور اپنے یہاں بلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ مسلسل اَسفار ہوتے رہتے ہیں، ہر جگہ تصلب فی الدین کا پیغام اور اشاعتِ حدیث، احقاقِ حق و ابطالِ باطل اور مسلک اعلیٰ حضرت پر استقامت کی تلقین فرماتے ہیں۔ بنارس میں اہل سنت کے ہر بڑے اجلاس میں آپ کی مسلسل تشریف آوری ہوتی رہی۔ آل انڈیا تبلیغ سیرت، رضا اسلامک مشن، جماعت رضائے مصطفیٰ یا شہر کے دوسرے بڑے اجلاس سبھی میں آپ شرکت فرماتے اور اپنے مواعظ حسنہ سے سامعین کے قلوب کو منور و مجلیٰ فرماتے۔ جامعہ حمیدیہ رضویہ، زینت کلیۃ البنات، جامعہ حنفیہ غوثیہ، جامعہ فاروقیہ میں ہر سال ختم بخاری شریف کی مبارک محفل آپ کی زبان فیض ترجمان سے منعقد پزیر ہوتی ہے۔ حضور محدث کبیر نے ۱۹۷۸ء میں بجرڈیہہ بنارس میں غیر مقلدین سے کامیاب مناظرہ کیا۔ ۱۹۹۵ء میں نزد بھاٹن مسجد، مدن پورہ میں دیوبندیوں کے رد میں تاریخ ساز خطاب فرمایا۔ اس جلسہ سے اہل سنت و جماعت کو بنارس میں کافی تقویت حاصل ہوئی۔ تقریباً نصف صدی سے زائد کا عرصہ ہوا بنارس کی مذہبی تاریخ پر حضور محدث کبیر نے گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔

حضور محدث کبیر حضرت صدر الشریعہ کے فضل و کمال کا آئینہ ہیں، اہل بنارس کا جو رشتہ ان کے عہد میں قائم ہوا، اسے حضور محدث کبیر نے خوب تقویت عطا فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور محدث کبیر کا سایہ جماعت اہل سنت پر تادیر قائم و دائم فرمائے اور ان کے فیضان سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔ آمین

☆☆☆

حضرت صدر الشریعہ
اپنے اکابر کی نظر میں

مفتی محمد نعیم نظامی برکاتی

اس عالم رنگ و بو میں جب آپ نوعِ انسانیت کا جائزہ لیں گے تو یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جائے گی کہ بعض انسان ایسے پیدا ہوئے کہ ہر اقدام خود ان کی ذات کے لیے تھا، جب تک وہ زندہ رہے اپنے ہی مفاد کی فکر میں ڈوب کر زندگی گزارتے رہے اور وہ جب دنیا سے گئے تو ان کا نام ونشان دنیا سے مٹ گیا۔ اور کچھ ایسے بھی پیدا ہوئے کہ جن کا ہر اقدام ان کے اقربا، احباب و متعلقین کے لیے تھا کہ ان کی تگ و دو اور جد و جہد صرف اپنے رشتہ داروں اور احباب کے لیے مخصوص تھیں کہ جب تک وہ زندہ رہے، ان کے احباب ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے اور جب وہ دنیا سے گئے تو ان کے احباب نے آنسو بہایا اور انھیں اشکوں کے ساتھ ان کی یادوں کے نقوش کو بھی دھل دیا، ان کی آنکھیں دو چار دن اشک بار رہیں اور پھر ایسی خشک ہوئیں کہ ان جانے والوں پر پھر کبھی اشک بار نہ ہوسکیں۔ ایک طرف احباب نے انھیں دل سے نکال دیا تو دوسری طرف تاریخ نے بھی انھیں اپنے دامن میں پناہ نہیں دیا، ان کا بھی نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

مگر اسی زمین کے اوپر اور اسی آسمان کے نیچے کچھ ایسی بھی شخصیتیں جلوہ بار ہوئیں کہ جن کے اقدام خود ان کی اپنی ذات کے لیے نہیں، بلکہ بندگانِ خدا کے لیے تھا کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ خلق خدا کی خدمت اور شریعت دین متین نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے وجود مسعود کو کلفتوں میں ڈالنا تو گوارا کر لیا، مگر خلق خدا کی تکلیف اور سنت نبوی سے انحراف ان سے دیکھی نہ گئی۔

ایسی مبارک و پاکیزہ ہستیوں میں فقیہ اعظم ہند، وکیل رضا، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، ابوالمجد والعلی، صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی حکیم محمد امجد علی اعظمی سنی حنفی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی شمار ہوتا ہے، جن کی علمی صلاحیت اور فنی لیاقت کا ایک جہان معترف ہے۔ جس کی شہادت اور گواہی آپ کے شیوخ و اساتذہ اور معاصرین و تلامذہ نے بڑے اچھے اور حسین انداز میں بارہا دی ہے۔ ان پاکباز عظیم ہستیوں میں تنہا مجدد اعظم فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت رفیع الدرجات امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تاثرات ہی آپ کے عدیم المثال اور عظیم الشان ہونے کے لیے کافی و وافی ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی نظر میں:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ میں جو آپ کا علمی وقار تھا، وہ ذیل کے کلام سے ظاہر ہے۔۔مولوی نور محمد صاحب اعظمی جب وہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں پڑھتے تھے تو کچھ عرصہ تک ان کا قیام اعلیٰ حضرت کے ہی دولت کدہ پر رہا، ان کو کھانا بھی یہیں سے ملتا تھا۔ اس قرب کے سبب ان کو آپ کے کلمات طیبات زیادہ سننے کا موقع ملا۔ ایک دن ان مولوی صاحب نے اس طالب علم سے بیان کیا (اور میں غلام جیلانی اعظمی سن رہا تھا) کہ استاذی مولانا امجد علی صاحب کا علم بے پایاں ہے، اس لیے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک دن دورانِ گفتگو میں بیان فرمایا ہے:

"امجد علی کو درس نظامی کے تمام فنون میں کامل دسترس حاصل ہے اور فقہ میں تو ان کا پایہ بہت بلند ہے"۔

فقیر راقم السطور کہتا ہے: اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ فتاویٰ کے سلسلہ میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے"۔ (ملفوظات ج:۱،ص:۱۰۳۔

تذکرہ اکابر اہل سنت، ج:۱،ص:۱۶۲)

اور یہ تو ابتدا کا حال ہے، اخیر میں تو ایک مجمع عام میں تخت پر بٹھا کر اپنی قائم مقامی کا اس طرح اعلان فرمایا:

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا، اس کی بنا پر میں ان دونوں (مفتی اعظم، صدرالشریعہ) کو اس کام پر مامور کرتا ہوں، نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے"۔ اور اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر قلم دوات وغیرہ سپرد فرمایا۔ (ماخوذ فتاویٰ امجدیہ جلد اول)

میرے دل کو امجد علی بھا گئے:

مولانا نورالحسن، مولانا ظہورالحق (غالباً یہی نام ہیں) یہ دونوں حضرات علم معقولات میں اپنے کو منفرد سمجھتے تھے، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ ہمارا اور صدرالشریعہ کا امتحان لے لیں، جو کامیاب ہو اس کو منظر اسلام کا صدرالمدرسین بنا دیں۔ صدرالشریعہ اس وقت منظر اسلام کے صدرالمدرسین تھے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر ارشاد فرمایا:

"میں نے سب کا امتحان لے لیا ہے، مگر میرے دل کو امجد علی بھا گئے ہیں، اس کا کیا کروں"۔

پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

(صدالشریعہ حیات وخدمات ص:۱۱۰)

صدرالشریعہ کا لقب کس نے دیا؟:

حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے

جملہ علوم وفنون میں مہارت عطا فرمائی تھی، لیکن انھیں تفسیر، حدیث او فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فقہی جزئیات ہمیشہ نوکِ زبان پر رہتی تھیں، اسی بنا پر دور حاضر کے مجدد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے آپ کو صدر الشریعہ کا لقب عطا فرمایا تھا۔

(سیرت صدر الشریعہ، ص:۴۱)

حضرت صدر الشریعہ علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری کی نظر میں:

معقولات میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو استاذ الاساتذہ، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ہدایت اللہ صاحب رامپوری ثم جون پوری سے جون پور میں شرف تلمذ حاصل ہے، جو بلا واسطہ امام المنطق والفلسفہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

اشرف المحققین پروفیسر علامہ سید سلیمان اشرف بہاری سابق صدر شعبۂ دینیات علی گڑھ (متوفی: ۱۳۵۸ھ) ان کے بارے میں اس طرح فرمایا کرتے:

''کہ استاذ گرامی حضرت علامہ ہدایت اللہ خان صاحب قدس سرہ یوں تو تمام طلبہ پر عنایت فرمایا کرتے تھے، لیکن تین اشخاص مولانا محمد صدیق (برادر بزرگ صدر الشریعہ) مولانا محمد امجد علی اور سلیمان اشرف پر حضرت کی خاص الخاص نظر کرم تھی، چاہتے تھے کہ جو کچھ میرے سینے میں ہے نکال کر ان سب کو بخش دوں''۔

(صدر الشریعہ حیات وخدمات، ص:۴۶)

اس واقعہ سے استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ خان رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حضور صدر الشریعہ سے غایت درجہ محبت کا ثبوت ملتا ہے، کیوں کہ جو جس سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے، اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے سب میں اپنے محبوب کو عطا کر دوں۔

اسی طرح کی محبت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ آپ کے شہزادۂ گرامی سے فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ خود محدث کبیر فرماتے ہیں کہ حضور حافظ ملت مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے:

''سنو! اگر علم شربت کی طرح پلانے کا ہوتا تو اس کا گلاس میں سب سے پہلے تم کو دیتا''۔

استاذ الاساتذہ نے اپنے چہیتے شاگرد حضور صدر الشریعہ کی دل جمعی، محبت ولگن، خداداد استعداد کی داد دیتے ہوئے فرمایا:

''شاگرد ایک ہی ملا وہ بھی بڑھاپے میں''۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ محدث سورتی کی نظر میں:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ علوم عقلیہ سے فراغت کے بعد حسب الارشاد حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری علیہ الرحمہ، حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ اس عظیم محدث اور کہنہ مشق مدرس کی خدمت میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ چودہ مہینے حاضر رہے۔ اس عرصہ میں شاید ہی کبھی چھٹی لی ہو، جمعہ کو بھی سبق ہوتے۔ محدث سورتی علیہ الرحمہ مولانا امجد علی اعظمی پر خصوصی شفقت فرماتے۔ اگر کہیں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ لے جاتے اور سفر میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا۔ بعض مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ:

"مجھ کو ساری عمر میں یہ ایک طالب علم ملا ہے،
جو محنتی بھی ہے اور سمجھ دار بھی اور علم سے شوق و دلچسپی
رکھتا ہے"۔

مختصر یہ کہ محدث سورتی علیہ الرحمہ نے اپنے اس محنتی اور سمجھ دار تلمیذ کو علوم نبوی سے خوب خوب سیراب کیا، نیز کمال حصول کی داد خود ان الفاظ میں دی:

"مجھ سے اگر کسی نے پڑھا تو امجد علی نے"۔

۱۳۲۴ھ میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت سے سند فراغت حاصل کی، زمانۂ طالب علمی ہی میں آپ کی لیاقت و صلاحیت کا اعتراف مدرسین سے لے کر اراکین مدرسہ تک تھا۔ جس کا اندازہ مہتمم مدرسۃ الحدیث کی اس رپورٹ سے لگایا جاسکتا ہے، جو انھوں نے "تحفۂ حنفیہ" پٹنہ میں شائع کرائی تھی۔ رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں:

"۶ر ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو بحمدہ تعالیٰ طلبہ کا امتحان
حضرت مولانا مولوی شاہ سلامت اللہ خان رامپوری
دام فیضہ نے لیا۔ مولوی امجد علی صاحب نے بعد
فراغت کتب درسیہ کی نہایت جانفشانی وکمال
مستعدی سے سال بھر میں صحاح ستہ، مسند شریف،
کتاب الآثار شریف، مؤطا شریف، طحاوی شریف کا
قراءۃ وسماعۃ درس حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا،
جس کے باعث ممتحن صاحب وحاضرین نہایت
شاداں اور ان کی حسن لیاقت وفہم وذکاوت سے بہت
فرحاں ہوئے اور دستار فضیلت زیب سر کی گئی"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں ہی صدر الشریعہ کی علمی لیاقت وصلاحیت پر آپ کے اساتذۂ کرام کو حد درجہ اعتماد تھا۔ مزید توجہ کی بات یہ ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں یہ کمال تھا، تو دورِ آخر میں کیا عالم ہوگا، جب کہ ناقص بھی پڑھاتے رہنے کے سبب کامل ہو جاتے ہیں اور ان کے علم میں نکھار آجاتا ہے۔ (سیرت صدر الشریعہ، ص: ۳۵)

حضور صدر الشریعہ حضرت حجۃ الاسلام کی نظر میں:

حضرت حجۃ الاسلام شہزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ حامد رضا علیہ الرحمہ کی نگاہ میں صدر الشریعہ کا جو علمی وقار تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، جس کو مولوی نور محمد صاحب نے مولوی عبد العظیم بلیاوی سے بیان کیا (اور میں غلام جیلانی اعظمی سن رہا تھا)

کچھ عرصہ ہوا کہ دار العلوم منظر اسلام کے ارباب بست و کشاد نے اس پر غور کیا کہ اس درس گاہ کا صدر المدرسین کس کو مقرر کیا جائے۔ تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فوقانی طلبہ ایک ایک سبق حامد رضا خان اور امجد علی اور رحم الٰہی، ان تینوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد دیکھیں کہ طلبا کا میلان جس کی طرف زیادہ پایا جائے، اسی کو صدر المدرسین بنایا جائے۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ ان طلبا نے کسی فن معقول کی کسی اہم کتاب کے ایک مشکل مقام کو پوشیدہ طریقہ پر کسی سے پڑھا، بعدۂ طلبا حضرت صدر الشریعہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس پڑھے ہوئے حصے کو آپ سے پڑھنا شروع کیا۔ چوں کہ یہ لوگ خوب تیار ہو کر گئے تھے، لہٰذا اعتراضات کی بوچھار شروع کر دی۔ حضرت صدر الشریعہ نے اس حصۂ کتاب کا مطالعہ بھی نہیں کیا اور نہ آپ کو پہلے سے باخبر کیا گیا

تھا کہ طلبا فلاں کتاب کو فلاں جگہ سے آپ سے پڑھیں گے۔
مگر اس کے باوجود آپ نے ان کے ہر اعتراض کا ایسا شافی
جواب دیا کہ ہر ایک کو تسلی ہو گئی اور ان میں ہر ایک بول اٹھا کہ
اس سے بہتر تفہیم اور کیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس دار العلوم کے
صدر المدرسین آپ ہی مقرر ہوئے۔

مولوی نور محمد صاحب نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے
کہا کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب طلبا
کے اعتراضات اور آپ کے جوابات کو ایک خاص جگہ چھپ کر
سن رہے تھے، جب وہاں سے واپس ہوئے تو لوگوں سے
بیان فرمایا کہ:

''مولانا امجد علی صاحب جوابات دے رہے
تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک دریائے زخار ہے جو
موجیں مار رہا ہے''۔

(تذکرہ اکابر اہل سنت، ص:۱۶۳)

حضرت صدر الافاضل کی نظر میں:

حضرت علامہ نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی
فرماتے ہیں:

''یہ اعلیٰ حضرت کے احب الخلفاء ہیں''۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''صدر الشریعہ مفتی، مجمع الفضائل والکمالات،
حامی الملۃ، صبر و اجر دنیا آپ سے سیکھتی ہے''۔

(تذکرہا کابر اہل سنت، ص:۱۶۵)

حضرت سید احمد اشرف کچھوچھوی کی نظر میں:

حضرت علامہ سید احمد اشرف بن اشرفی میاں کچھوچھوی
علیہ الرحمہ بھاگل پور کے کانفرنس میں حضور صدر الشریعہ علیہ
الرحمۃ والرضوان کا تعارف کرتے ہوئے اپنے خطاب میں
اعلان فرماتے ہیں:

''یہ علم کی لائبریری ہیں''۔

حضرت محدث اعظم ہند علامہ سید محمد کچھوچھوی کی نظر میں:

بہار شریعت حصہ دوم کی تقریظ میں حضرت محدث اعظم
ہند علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا مولوی امجد علی صاحب قادری اعظمی
مدظلہ نے ایسی تحقیق انیق فرمائی ہے کہ مخالف جاہل ہے تو امید
قوی کہ قبول حق کرے۔ معاند ہے تو سکوت سے کام لے''۔

حضور صدر الشریعہ کی ذات گرامی امت مسلمہ کے لیے
ایک عظیم نعمت ہے۔ اللہ رب العزت آپ کے مرقدِ انوار پر
رحمت و نور کی بارش فرمائے۔ آمین

بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

اعلیٰ حضرت کے کمال علم کا عکس جمیل
مظہر یکتائی و تحقیق و تمکین رضا
اہل سنت کا وقار و افتخار اس کا وجود
اس کی شخصیت پہ نازاں ہیں محبین رضا

محمد نعیم

خادم الافتاء والتدریس
دار العلوم اہل سنت بحر العلوم، خلیل آباد، ضلع سنت کبیر نگر
۲۹ر شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۲ر مارچ ۲۰۲۳ء

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ

خانوادۂ رضویہ سے وفاداری ووابستگی

از علامہ محمد حنیف حبیبی
خادم الحدیث دار العلوم مجاہد ملت اڑیسہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا ومصلیا ومسلما

حضور تاجدار مدینہ، سرور کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة، کلھم فی النار الا ملة واحدة، قالوا: من ھی یا رسول اللہ؟ قال: ما انا علیہ واصحابی"۔

یعنی "میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، ایک کے سوا سارے فرقے دوزخی ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ جنتی فرقہ کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا"۔ یعنی وہی جنتی ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ "ما انا علیہ واصحابی" کا مصداق اہل سنت وجماعت ہیں۔ معلوم ہوا کہ اکہتر باطل فرقوں کی تلواریں اہل سنت کے سروں پر ہمیشہ تنی رہتی ہیں۔ اُدھر کھلے کافروں میں یہود ونصاریٰ اور ہنود جیسے جانے کتنے گروہ ہیں، جن کا حقیقی معنوں میں کوئی مخالف ودشمن ہے تو فقط سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔ ان کی آپسی ہزاروں دشمنی کے باوجود ہماری مخالفت میں وہ متحد ہیں۔ "الکفر ملة واحدة" کفر ملت واحدہ ہے۔ باہم فکری ونظریاتی اختلاف کے باوجود دنیا کے تمام کفار ومشرکین اور مرتد ومنافقین، مسلمانوں کی مخالفت ومخاصمت میں ایک پلیٹ فارم میں جمع ہوجاتے ہیں۔

اس طرح ایک مسلمان کی ننھی سی جان پر کفر وشرک اور نفاق وارتداد کی یلغار ہے۔ اور اسلام کے تن نازنین پر مخالفت وعداوت کی سیکڑوں ننگی تلواریں لٹک رہی ہیں۔ ہزاروں ہتھکنڈوں اور پُر فریب چالوں کے ذریعہ اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی ہر جہت سے کوششیں ہو رہی ہیں۔ اسلامی سلطنت کے عہد زریں میں باطل کے مقابلہ کے لیے افراد بھی ہوا کرتے تھے اور اسباب بھی فراہم تھے۔ مملکت اسلامیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کی عسکری قوت ختم ہوتے ہی باطل قوتیں اپنی تمام تر توانائیوں کی کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہوگئیں۔

ایک ذات جس نے باطل کی فریب کاریوں کو شدت کے ساتھ محسوس کیا، اور اس کا پردہ چاک کرنے کے لیے تن تنہا سینہ سپر ہوگئی۔ مشرکین سے لے کر مرتدین تک کے تمام حملوں کو روکنے کے لیے سد سکندری بن گئی۔ وہ امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان یک ذات ستودہ صفات تھی۔ امام اہل سنت صرف ایک عالم ومفتی ہی نہ تھے، بلکہ اسلام کا دفاعی نظام کا دفاعی مورچہ اور بازوئے شمشیر زن تھے۔ جنھوں نے پوری زندگی دفاعی جنگ لڑی اور اہل باطل کے فتنوں کے

خلاف سیکڑوں ں صفحات تصنیف فرما کر ہمیں باطل سے نبرد آزما ہونے کے لیے اوزار وہتھیار فراہم کردیا۔

اسلام کے اس بطل جلیل اور سالار کارواں کا جس نے ہر طرح تعاون کیا اور اس کا دست وبازو بن کر ہر میدان میں میر کارواں کے دوش بدوش کھڑا رہا، اسے دنیا صدر الشریعہ، بدر الطریقہ شاہ حکیم مفتی امجد علی اعظمی کے نام سے جانتی ہے۔

ذیل کے سطور میں ان ہی دونوں بزرگوں کے مابین خوش گوار تعلقات، بالخصوص اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات، تحریکات، تصنیفات، بہلکہ خانوادۂ رضا کے ہر فرد کے ساتھ حضرت صدر الشریعہ کی وفاداری، وابستگی اور وارفتگی کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے آپ کے قیامِ بریلی کے زمانہ کی مصروفیات کا بغور ملاحظہ کرنا ہوگا۔ خود صدر الشریعہ کی زبانی سماعت کیجیے:

''کاموں کی تقسیم اوقات یوں تھی۔ بعد نماز فجر ضروری وظائف وتلاوت قرآن پاک کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یا کچھ کم وبیش پریس کا کام انجام دیتا، پھر فوراً مدرسہ جا کر اخیر وقت مدرسہ تک تعلیم دیتا، وہاں سے واپس ہو کر کھانا کھاتا، کھانے کے بعد مستقلاً دو یا تین بجے یعنی وقت نماز ظہر پھر پریس کا کام انجام دیتا، ظہر کے بعد مدرسہ جاتا اور دو گھنٹہ مکمل یعنی وقت عصر تک تعلیم دیتا، بعد نماز عصر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مغرب تک بیٹھتا، بعد مغرب عشا تک اور عشا کے بعد بارہ ایک بجے شب تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں فتوئی وغیرہ جو کوئی کام ہوتا انجام دیتا، اس کے بعد مکان واپس آتا، کھانا کھانے کے بعد کچھ ضروری کام تحریر کا کرنے کے بعد تقریباً دو بجے شب میں سوتا۔ اعلیٰ حضرت کے اخیر زمانہ حیات تک تقریباً یہی روز مرہ کا معمول رہا''۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۳۲)

قیام بریلی کا زمانہ جو تقریباً دس سال کے طویل عرصہ کو محیط ہے، اس میں آپ کی مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کو دیکھ کر ایک انصاف پسند شخص اس حقیقت کا برملا اعتراف کر لے گا کہ یہ کام ایک ملازم یا تنخواہ دار شخص کا نہیں ہے، بلکہ اپنے مرشد کی تحریک کے ساتھ ایک جاں نثار کی وفاداری، عقیدت کیشی اور نیاز مندی ہے۔

پریس کے لیے تنخواہ کی قربانی:

امام اہل سنت قدس سرہ کی کتب ورسائل جہاں اپنوں کے لیے مینارۂ نور ہیں، وہیں اغیار اور باطل پرستوں کے لیے شمشیر بے نیام ہیں۔ اس لیے آپ کی تصنیفات کا جلد از جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آنا ضروری تھا۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے خود اعلیٰ حضرت نے ''انجمن اہل سنت'' کا قیام فرمایا اور اس کے تحت ایک پریس کا بھی اجرا کیا تھا۔ جب صدر الشریعہ بریلی پہنچے تو مطبع آپ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس وقت مطبع بند ہو چکا تھا۔ پریس کی مشین ارو چند ضروری سامان کے سوا کچھ موجود نہ تھا۔ انجمن بھی ختم ہو چکی تھی۔ نہ اس میں کوئی چندہ دینے والا رہا اور نہ کوئی کام کرنے والا تھا۔ (ملخصاً حیات صدر الشریعہ، ص۳۰)

ایسی ناگفتہ بہ حالت میں جب پریس آپ کے ذمہ کر دیا گیا تو آپ اپنی تنخواہ کا ایک معتد بہ حصہ صرف کر کے مرشد برحق کی تحریک کی حیات وبقا کا سامان کرتے رہے۔

زمانہ مانگنے آیا تھا روشنی کی بھیک
ہم اپنا گھر نہ جلاتے تو اور کیا کرتے

خود صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''بہت زمانہ سے مطبع کی آمدنی بہت قلیل تھی اور اخراجات، آمدنی کے لحاظ سے بہت زیادہ، چوں کہ میں اس کام کو اپنے ذمہ لے چکا تھا کہ جس طرح سے ہوسکے گا کام جاری رکھوں گا۔ لہٰذا اپنی تنخواہ کا ایک جز اس پریس کو ہمیشہ ہی نذر کرنا پڑا۔ ہوتے ہوتے پریس کی حالت بہت سنبھل گئی اور اس کے پاس کتابوں کا بہت کافی ذخیرہ فراہم ہوگیا''۔ (حیات صدرالشریعہ، ص:۳۱)

پریس کی بدحالی پر اشک باری:

محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز پیاری ہوتی ہے، اس طرح کی کوئی چیز اگر ضائع ہوتی ہے تو اس سے جو چوٹ لگتی ہے، اسے صرف اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ پریس تو سرکار اعلیٰ حضرت قبلہ کی یادگار، تحریک کا حصہ اور آپ کی تصنیفات کے شائع ہونے کا اہم ذریعہ تھا۔ صدرالشریعہ کے بریلی شریف سے اجمیر معلیٰ تشریف لے جانے کے بعد پریس بند ہوگیا اور کتابوں کا بہت بڑا سرمایہ ضائع ہوگیا۔ علم ہوا تو اس پر آپ نے جس درد و کرب کا اظہار فرمایا ہے، اس تحریر میں قلم کی روشنائی نہیں، جگر کا لہو ٹپکتا دکھائی دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''کتابوں کا سرمایہ اتنا کافی ہو چکا تھا کہ اجمیر شریف جاتے وقت دس ہزار سے کم تعداد نہ تھی۔ مگر اجمیر جانے کے بعد رفتہ رفتہ یہ سارا ذخیرہ اور سامان بھی برباد ہوگیا۔ جس کوشش و جانفشانی اور اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ لگا کر یہ دینی کام اس انداز پر میں نے پہنچا دیا تھا کہ تھوڑی کوشش کے بعد اس سے بہت کچھ دینی خدمات انجام دی جاسکتی تھیں، اس کا برباد ہونا جتنا میرے لیے باعث قلق ہوا، دوسروں کے لیے کاش اس کا بیسواں حصہ بھی ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی''۔ (حیات صدرالشریعہ، ص:۳۱)

اعلیٰ حضرت سے شرف نیاز:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فراغت کے بعد پٹنہ کے مدرسہ اہل سنت میں صدرالمدرسین کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس کے بانی قاضی عبدالوحید علیہ الرحمہ ایک دین دار اور دین پرور رئیس تھے۔ ان کی عیادت کے لیے اعلیٰ حضرت اور حضرت محدث سورتی پٹنہ تشریف لائے تھے، انھیں حضرات کی موجودگی میں قاضی صاحب نے وفات پائی، اعلیٰ حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی اور محدث صاحب نے قبر میں اتارا۔ اسی موقع پر صدرالشریعہ نے پہلی بار اعلیٰ حضرت کی زیارت کی اور پھر ہمیشہ کے لیے آپ کی زلفوں کے اسیر ہوگئے۔ اس وارفتگی کا تذکرہ خود صدرالشریعہ سے سنیے! فرماتے ہیں:

''اسی زمانہ میں اعلیٰ حضرت پٹنہ میں تشریف لائے تھے، ان کے حالات کے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ ان کی جانب عقیدت پیدا ہوئی، دل بے اختیار اُدھر مائل ہوا۔ حضرت محدث صاحب کی رائے اور مشورہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں ان کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوا''۔ (حیات صدرالشریعہ، ص:۲۹)۔

اِک صورتِ جاناں نے دیوانہ بنا ڈالا

ندوہ کے خلاف تحریک:

قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم کی عیادت کے لیے امام اہل سنت کا بریلی سے پٹنہ تشریف لانا، اس وجہ سے تھا کہ قاضی صاحب مرحوم نے ندوہ کی گمراہیت اور صلح کلیت کے خلاف

خطیر رقم خرچ کر کے پٹنہ میں تحریک چلائی تھی۔ اعلیٰ حضرت سمیت اکابر علمائے ہند کو بلوا کر جلسہ کیا، مدرسہ اہل سنت کی بنیاد رکھی اور تحفہ حنفیہ نامی ماہنامہ جاری کیا تھا، تاکہ تقریر، تحریر اور درس وتدریس کے ذریعہ باطل کا دندان شکن جواب دیا جاسکے۔ حضور صدر الشریعہ کا بیان ہے کہ:

''ندوہ کی گمراہی نے جس زمانے میں ہندوستان کے اندر وسعت پائی اور مذہبی امتیازات کو اٹھانے کے لیے علما کی ایک بھاری جماعت ساتھ ہوئی۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ سنی، شیعہ، وہابی اور غیر مقلد یہ سب امتیازات بے کار ہیں۔ چنانچہ اس رویہ نے نہایت زوروں کے ساتھ ہندوستان میں ترقی پکڑی۔ اس موقع پر حق کی حمایت کے لیے قاضی عبدالوحید صاحب ہی کی ایک صخیت تھی، جنھوں نے اپنا مال تنہا خرچ کیا۔ بڑے علما جو ندوہ کی باطل پرستی اور گمراہی سے واقف تھے، ان کو دعوت دی''۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۲۸)

دراصل حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے اس بیان سے اس شبہ کا ازالہ فرمایا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا قاضی کے یہاں عیادت کے لیے جانا قطعاً اس لیے نہیں تھا کہ وہ رئیس ہیں، بلکہ صرف اس لیے تھا کہ وہ دین دار اور دین پرور ہیں۔ گمراہیت اور صلح کلیت کے گڑھ ندوہ کے خلاف تحریک چلاتے ہیں۔ اب صدر الشریعہ کے اس بیان کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کا یہ حقیقت افروز شعر گنگنایئے اور ایک وجد آفریں کیف کا تازہ لطف اٹھایئے ؎

کروں مدح اہل دُوَل رضا
پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا
میرا دین پارۂ ناں نہیں

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی وفاداری اور وارفتگی کی یہ ایک جھلک ہے کہ اپنے مرکز عقیدت کے خلاف انگشت نمائی بھی گوارا نہیں۔

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے:

اہل باطل کا ردوابطال اور ان کی دسیسہ کاریوں کا پردہ چاک کر کے اہل حق کے عقیدہ وایمان کی حفاظت کرنا امام اہل سنت کا وطیرہ تھا۔ اس کا سبب ایک یہ بھی تھا کہ سلطنت عثمانیہ کا زوال ہو چکا تھا جس کی وجہ سے کھلے کافر اور چھپے منافقین ہر چہار جانب سے اسلام پر حملہ آور ہونے لگے۔ میرے امام کو سب کا دفاع کرنا اور سب کا منہ توڑ جواب دینا تھا۔ تدریس، تحریر اور مناظرہ ومباحثہ کے ذریعہ آپ نے حق آشکارا کیا اور سنت وسنیت کا بول بالا کر دیا۔

اس کے ثبوت میں تھانوی صاحب سے مناظرہ والا واقعہ پیش کرنا اس وقت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہوا یوں کہ حضرت ملک العلما کے ذریعہ یہ بات طے پائی کہ مراد آباد میں ۲۹ر صفر ۱۳۲۹ھ کو اشرف علی تھانوی اور اعلیٰ حضرت کے درمیان مناظرہ ہوگا۔ طرفین سے تحریر پر دستخط اور مہر بھی ثبت کر دی گئی۔ جب مناظرہ کی تاریخ آئی اور اعلیٰ حضرت کی سواری مراد آباد پہنچ گئی، تو تھانوی صاحب میدانِ مناظرہ میں آنے کے لیے کسی صورت راضی نہ ہوئے۔ اس پورے واقعہ کی تفصیل اور اعلیٰ حضرت کی عظمتوں کا جس والہانہ انداز میں صدر الشریعہ تذکرہ کیا کرتے تھے، اس کا ایک اقتباس آپ بھی

ملاحظہ فرمائیں، اس سے آپ امام اہل سنت کی ذات کے ساتھ صدر الشریعہ کی بے پناہ محبت اور وارفتگی کا اندازہ لگا سکیں گے۔

''غرض یہ ہے کہ تھانوی صاحب تھان نہ چھوڑ سکے، نہ آنا تھا، نہ آئے۔ شاہ بلاقی صاحب کے عرس کے موقع پر تمام علمائے کرام کے مجمع میں، جہاں معلوم نہیں کتنے ہزار عوام کا اجتماع تھا، اعلیٰ حضرت قبلہ نے نہایت مؤثر، پُر مغز اور اعلیٰ درجے کی تقریر فرمائی۔ چاروں طرف سے واہ واہ! احسنت کی صدائیں آرہی تھیں۔ مسئلہ علم غیب پر بھی اس موقع پر وہ دلائل پیش کیے، جن سے علما کے کان نا آشنا تھے۔ بحمدہٖ تعالیٰ جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا اور فتح و ظفر کے ساتھ گروہِ اہل حق مرادآباد سے واپس ہوا''۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۴۰)

ترجمہ قرآن اور صدر الشریعہ کی قربانی:

حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ نے ترجمۂ قرآن کے نام پر بدعقیدوں کی گمراہیت و ضلالت کا احساس کیا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بہ اصرار ترجمہ کرنے پر آمادہ کرلیا۔ آپ کے اس عظیم احسان کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، مرگ اس کی تفصیل کے لیے دفتر چاہیے، یہاں اس کا اجمالاً ذکر ہوگا۔ ترجمہ کے بعد اس کی طباعت اور اس میں شرعی امور و احتیاط کا لحاظ مشکل ترین کام تھا، وہ بھی آپ ہی نے انجام دیا۔ اس کے سوا موسم باراں میں دشواریوں کے باوجود آپ نے ترجمہ اعلیٰ حضرت سے لکھوایا، یہ صرف آپ ہی کا حصہ تھا۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:

''برسات کا موسم شروع ہوگیا، اب ترجمہ کا کام شروع ہوا۔ ایک طرف برسات کی گرمی اور بالکل قریب لالٹین اور اس پر کیڑوں، پتنگوں کا ہجوم، کبھی ہاتھ پر، کبھی آستین کے اندر، کبھی پاجامے میں، بہت مرتبہ کاغذ اور قلم میں پتنگیا اس طرح مجتمع ہوجاتے تھے کہ لکھنا بہت دشوار ہوجاتا تھا۔ پھر بھی کئی کئی گھنٹہ اسی حالت میں گزارنا پڑتا تھا اور بحمدہٖ تعالیٰ اس کام کو انجام دیا جاتا''۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۴۳)

دوسرے صفحہ یعنی صفحہ ۴۴ رکی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں، تاکہ صدر الشریعہ کی محنت اور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں آپ کی قربت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

''اس کے لکھنے اور لکھوانے کی جو خدمت میں نے انجام دی ہے، وہ میری نجاتِ اُخروی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ جن مشکلات کا اس میں مقابلہ کیا، غالباً دوسرا شخص یہ نہ کرتا اور یہ کام صرف تخیل اور وہم ہی میں رہتا، خارج میں اس کا ظہور نہ ہوتا''۔

اعلیٰ حضرت کی نوازشیں:

متذکرہ شواہد سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو سرکار اعلیٰ حضرت کی ذات، آپ کی تحریکات اور آپ سے تعلق رکھنے والی ایک ایک چیز سے بڑی گہری دلچسپی اور وارفتگی و وابستگی تھی۔ آپ کی تحریک کے فروغ کی راہ میں آنے والی کٹھنائیوں اور دشواریوں کو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ آپ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ میرے آقا، میرے مرشد۔ ؎

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے
اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد کے مسئلہ پر جب سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علمائے بدایوں کا علمی محاسبہ فرمایا تو ان سے جواب نہ بنا۔ انھوں نے کچہری کا دروازہ کھٹکھٹایا اور پانچ لوگوں کے نام مقدمہ درج کر دیا۔ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام، اعلیٰ حصرت کے چھوٹے بھائی مولانا محمد رضا خان، آپ کے بھانجہ جناب شاہد رضا خان اور صدر الشریعہ کے خلاف مقدمہ چلایا۔ اعلیٰ حضرت اور ان کے خانوادہ کے افراد کے ساتھ صدر الشریعہ کا نام بھی کیس میں شامل کرنا ہے۔ ثابت کرتا ہے کہ صدر الشریعہ نے مشکل سے مشکل گھڑی میں کبھی بھی اعلیٰ حضرت سے دوری اختیار نہیں کیا۔ یہ ہے وارفتگی اور جاں نثاری کی بے مثال نظیر۔

سلسلہ ایک ہے ہم عشق کے دیوانوں کا

قد و گیسو سے چلے دار و رسن تک پہنچے

یہ چاہت یک طرفہ نہ تھی، بلکہ امام اہل سنت قدس سرہ بھی آپ پر بہت مہربان تھے اور آپ کی بے پناہ نوازشات صدر الشریعہ کے ساتھ تھیں۔ اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

میرا امجد مجد کا پکا

اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

★ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آپ کو ''صدر الشریعہ'' کے خطاب سے نوازا۔

(بہار شریعت حصہ اول، ص:۲۷)

★ میرے امام نے صرف صدر الشریعہ ہی کو اپنی بیعت لینے کا وکیل بنایا۔ (مذکورہ حوالہ)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

''آپ موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا''۔ (الملفوظ حصہ اول، ص:۱۸۳)

★ امام اہل سنت نے آپ کو غیر منقسم ہندوستان کا ''قاضی شرع'' مقرر فرمایا تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک دن صبح ۹ ربجے حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ مکان سے باہر تشریف لائے، تخت پر قالین بچھانے کا حکم فرمایا، سب حاضرین حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لیے فرما رہے ہیں۔ پھر اعلیٰ حضرت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں آج بریلی میں ''دار القضا بریلی'' کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں۔ اور صدر الشریعہ کو اپنی طرف بلا کر، ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قاضی کے منصب پر بیٹھا کر فرمایا:

''میں آپ کو ہندوستان کے لیے ''قاضی شرع'' مقرر کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے کوئی مسائل پیدا ہوں، جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کر سکتا ہے، وہ قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے''۔

(بہار شریعت حصہ اول، ص:۲۷، ملخصاً)

★ نماز جنازہ کے لیے وصیت:

وصایا شریف میں صفحہ ۲۴ر پر ہے کہ مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی نماز جنازہ کے بارے میں یہ وصیت فرمائی تھی:

''المنۃ الممتار'' میں نماز جنازہ کی جتنی دعائیں

منقول ہیں، اگر حامد رضا کو یاد ہوں تو وہ میری مناز جنازہ پڑھائیں، ورنہ مولوی امجد علی صاحب پڑھائیں"۔

حضرت حجۃ الاسلام چوں کہ آپ کے ولی تھے، اس لیے ان کو مقدم فرمایا، وہ بھی مشروط طور پر اور ان کے بعد اعلیٰ حضرت کی نگاہِ انتخاب اپنی نماز جنازہ کے لیے جس پر پڑی وہ بھی بلا شرط، وہ ذات صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی تھی۔ (بہار شریعت حصہ اول، ص:۲۸)

★اعلیٰ حضرت قبلہ نے متعدد بار یہ فرمایا کہ:

"دو شخص جب میرے پاس کچھ لکھنے بیٹھتے ہیں تو مجھے غور وخوض اور سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل میرے قلب پر مضمون کا القا ہوتا ہے۔ ایک حضرت مولانا وصی احمد صاحب سورتی، دوسرے مولانا امجد علی اعظمی"۔

(حیات صدر الشریعہ، ص:۴۸)

اجازت وخلافت:

"اٹھارہ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو بموقع عرس سراپا قدس حضرت سیدنا آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز میں بغیر کسی تحریک وطلب کے اعلیٰ حضرت نے جملہ سلاسل قادریہ قدیمہ و جدیدہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کی اجازت تامہ وعامہ عطا فرمائی"۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۴۸)

وعظ وتقریر:

ہر سال ربیع الاول شریف کے جلسہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ وعظ فرمایا کرتے تھے، اس لیے ایک بار آپ کو بلانے کے لیے آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد رضا خان صاحب عرف ننھے میاں حاضر ہوئے۔ اس وقت طبیعت علیل تھی، اس لیے فرمایا:

"اس وقت حرارت ہے، طبیعت ناساز ہے، ابھی نہیں جا سکتا، جاؤ، امجد علی سے کہہ دو کہ وہ بیان کردے اور اس کے سوا کون ہے، جو ہے وہی ہے"۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۵۰)

صدر الشریعہ کی اہلیہ کی آرزو:

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات والا صفات کے ساتھ صدر الشریعہ کی عقیدت ومحبت اور وفاداری و وارفتگی، پھر آپ پر اعلیٰ حضرت کی نوازشوں، عنایتوں اور شفقتوں کی داستان بہت طویل ہے۔ ہم اس کا سلسلہ یہیں روک کر صدر الشریعہ کی محبت خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے ساتھ کی ایک دو مثال پیش کر کے اپنے مضمون کا اختتام کرنا چاہیں گے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اہلیہ محترمہ کی ایک پاکیزہ آرزو بھی اسی سلسلہ کی ایک دلچسپ کڑی ہے، اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ شہزادۂ صدر الشریعہ مفتی بہاء المصطفیٰ صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

"مخدومہ والدہ محترمہ اکثر فرماتیں۔ میری تمنا وخواہش ہے کہ میری اولاد میں سے کوئی ہمیشہ بریلی شریف میں رہے، جہاں ان کو صدر الشریعہ کا خطاب ومقبولیت عام عطا ہوئی"۔

(حیات وخدمات، ص:۱۱۱)

اس تحریر سے یہ یقین پختہ ہوگیا کہ صدر الشریعہ کا پورا گھرانہ، رضا اور خانوادۂ رضا کے جامِ الفت سے سرشار ہے۔ بالکل اسی طرح خاندانِ اعلیٰ حضرت کا ایک ایک فرد صدر الشریعہ کی عظمت کا کھلے دل سے معترف نظر آتا ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت کے برادرِ گرامی، حضرت ننھے میاں، مولانا محمد رضا خان علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا امجد علی کام کی مشین ہیں اور وہ بھی ایسی مشین جو کبھی فیل نہ ہو''۔ (بہار شریعت حصہ اول، ص:۲۶)

مفتی اعظم ہند اور صدر الشریعہ:

جب امام اہل سنت نے بریلی شریف میں دار القضا قائم فرمایا اور صدر الشریعہ کو اس کا قاضی مقرر کیا تو اسی دن اسی دار القضا میں حضور مفتی اعظم ہند اور حضور برہانِ ملت علیہا الرحمہ کو مفتی کی حیثیت سے نامزد فرمایا تھا۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کے دوسرے ہی دن قاضی شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک اہم معاملہ کا فیصلہ فرمایا۔

(ملخصاً بہار شریعت، حصہ اول ص:۲۸)

اصولی بات ہے کہ مجلس قضا میں قاضی عام طور پر اپنے مفتیوں کے ساتھ اور ان کی رائے و مشورہ کے بعد ہی فیصلہ کیا کرتا ہے۔ اس طرح صدر الشریعہ کا مفتی اعظم کے ساتھ روابط بہت بہتر، عمدہ اور مثالی تھے۔

مفتی اعظم کا اعتراف:

اس کی ایک مثال حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے فضل وکمال اور ایثار و اخلاص کا اعتراف ہی ہے۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ کسی صاحب نے تاجدار اہل سنت، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے سامنے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا تذکرہ کیا تو سرکار مفتی اعظم ہند اشک بار ہو گئے اور فرمایا:

''صدر الشریعہ نے اپنا کوئی گھر نہیں بنایا، بریلی ہی کو اپنا گھر سمجھا۔ وہ صاحب اثر بھی تھے اور کثیر التعداد طلبہ کے استاذ بھی۔ وہ چاہتے تو بآسانی کوئی ذاتی دار العلوم ایسا کھول لیتے جس پر وہ یکہ تنہا قابض رہتے، مگر ان کے خلوص نے ایسا نہیں کرنے دیا''۔ (بہار شریعت حصہ اول، ص ۲۸)

صدر الشریعہ اور حجۃ الاسلام:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے دونوں شہزادگان حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ بریلی حاضری ہوتی تو شہزادگان کے شایانِ شان تحفہ پیش کیا کرتے۔ اب گھر کی بات گھر والے ہی سے سنیے! مفتی بہاء المصطفیٰ صاحب فرماتے ہیں:

''ایک بار (صدر الشریعہ نے) جے پور سے ناگرہ جوتا نہایت خوبصورت اور قیمتی لاکر حجۃ الاسلام کی خدمت میں پیش کیا، حجۃ اسلام علیہ الرحمہ بار بار اُلٹ پلٹ کر دیکھتے اور تعریف کرتے۔ کسی نے دریافت کیا، حضرت! اتنا عمدہ خوبصورت جوتا کہاں سے آیا؟ فرمایا: میرے بھائی صدر الشریعہ جے پور سے لائے ہیں''۔

(حیات وخدمات ص:۱۱۰)

حضور حجۃ الاسلام کی خدمت میں جبہ، شیروانی وغیرہ کی بجائے حضور صدر الشریعہ کا جے پور جیسے دور دراز سے جوتا لاکر پیش کرنا جہاں صدر الشریعہ کی نیاز مندی اور عقیدت کیشی کا بین ثبوت ہے، وہیں ''میرے بھائی صدر الشریعہ جے پور سے لائے ہیں'' حجۃ الاسلام کا ارشاد یقیناً صدر الشریعہ سے غایت

درجہ کی قربت اور اپنائیت کی روشن دلیل ہے۔

صدر الشریعہ، شہزادگانِ رضا کی جھرمٹ میں:

گزشتہ صفحات میں شہزادگانِ رضا کے لیے حضور صدر الشریعہ کی نیاز مندی کا جلوہ دیکھا۔ اب ان شہزادوں کی صدر الشریعہ کے تئیں عزت افزائی کا منظر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مفتی بہاء المصطفیٰ صاحب قبلہ رقم طراز ہیں:

''شہزادگانِ اعلیٰ حضرت بایں فضل و کمال چندے آفتاب، چندے ماہتاب، جس پر دنیائے سنیت فخر وناز کرتی تھی۔ صدر الشریعہ جب بریلی شریف کسی موقع پر تشریف لاتے، دونوں تاجدارانِ اہل سنت بگھی لے کر اسٹیشن استقبال کے لیے تشریف لے جاتے، بصد اصرار بگھی پر بیچ میں بیٹھاتے اور خود تاجدارانِ اہل سنت بغل میں دونوں جانب تشریف رکھتے۔ بریلی کے بزرگ فرمایا کرتے: ہمارے لیے دونوں شہزادگان کو ایک ساتھ دیکھنا اسی وقت ممکن ہوتا، جب صدر الشریعہ بریلی شریف تشریف لاتے''۔

(حیات وخدمات، ص:۱۰۹/۱۱۰)

مذکورہ بالا شواہد سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ بریلی سے گھوسی کا رشتہ ہمیشہ مضبوط و مستحکم رہا ہے۔ صدر الشریعہ اور ان کے گھرانے کے ایک ایک فرد کی وفاداری وجاں نثاری، رضا اور خانوادۂ رضا سے ہمیشہ رہی ہے۔ اس کی زندہ وتابندہ مثال دور حاضر میں یہ بھی ہے کہ حضور تاج الشریعہ قدس سرہ مدت العمر قاضی القضاۃ فی الہند کے عہدہ پر فائز رہے اور حضور محدث کبیر صاحب قبلہ آپ کے نائب قاضی رہنا پسند فرماتے رہے۔

ابھی حضور تاج الشریعہ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے شہزادہ، قائد ملت، حضرت علامہ مفتی عسجد رضا خان قبلہ کو حضرت محدث کبیر نے بھرے مجمع میں قاضی القضاۃ کے منصب جلیل پر باصرار فائز کیا اور خود ان کے نائب بن کر پورے ملک میں خدمت کرنے پر مسرور و انبساط محسوس کرتے ہیں۔

حضور صدر الشریعہ اور ان کے جانشین نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے ساتھ وفاداری و وابستگی میں دین ودنیا کی بھلائی کا راز پنہاں ہے۔ درخت کی اس شاخ میں غنچے چٹکتے اور پھول مہکتے ہیں، جو اپنے تنے سے جڑی رہتی ہے۔ اور وہ تنا اس وقت تک زندہ رہتا ہے، جب تک اس کا رابطہ جڑوں سے مضبوط رہتا ہے۔ جس طرح جڑ کٹ جانے کے بعد شاخوں کی ہریالی قائم نہیں رہتی، بالکل اسی طرح اپنے مرکز سے جدا ہونے کی صورت میں دین وایمان کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

محمد حنیف جیبی مصباحی
خادم الحدیث دار العلوم مجاہد ملت اڑیسہ
مورخہ ۸ر شوال المکرم ۱۴۴۴ھ/ ۲۹ر اپریل ۲۰۲۳ء
موبائل نمبر 9437173805

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ کے خاندانی اطبا

ڈاکٹر محب الحق قادری
برکات نگر پوسٹ گھوسی ضلع مئو یوپی

قصبہ گھوسی کے محلہ کریم الدین پور کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اس چھوٹے سے محلّہ نے علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب پیدا کیے۔ جس میں خاندانِ صدر الشریعہ کو یہ شرف ومنزلت حاصل ہے کہ علم ادیان وعلم ابدان دونوں علوم کے ماہر فضلا پیدا ہوئے۔ اس خاندان نے نہ صرف اپنے وطن، بلکہ ملک وبیرونِ ملک میں اپنے علم وفضل سے علمی دنیا کو سیراب کیا، جس کو تفصیل سے لکھا جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں صرف صدر الشریعہ کے خاندانی اطبا کا اجمالاً تذکرہ پیش خدمت ہے، تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

حکیم مولوی خدا بخش مرحوم:

طبی خدمات کا سلسلہ حضرت صدر الشریعہ کے جد امجد حکیم مولوی خدا بخش صاحب مرحوم سے شروع ہوتا ہے۔ آپ جید عالم اور طبیب حاذق تھے، حضرت صدر الشریعہ نے ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی ہے۔

حکیم مولوی جمال الدین صاحب مرحوم:

آپ حکیم خدا بخش صاحب کے صاحبزادے تھے اور حضرت صدر الشریعہ کے والد بزرگوار۔ آپ نے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد لکھنؤ خاندانِ جھوائی ٹولہ میں طب کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور پھر گھر پر مطب شروع کردیا۔ آپ کی حذاقت کا شہرہ سن کر رئیس عظمت گڑھ اسٹیٹ نے آپ کو اپنا طبیب خاص مقرر کیا۔ مزاج میں علمی جاہ وجلال تھا، کسی بات پر رئیس سے ناراض ہوکر عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے، وہاں مطب شروع کردیا۔ بہت دنوں تک گھر والوں کو بھی خبر نہ تھی۔ کچھ عرصہ بعد گھر آئے اور مطب کا سلسلہ شروع کردیا۔ آپ کے تین صاحبزادگان مطب سے وابستہ رہے۔

(۱) حکیم مولوی احمد علی (۲) حکیم مولوی محمد علی (۳) حکیم مولوی امجد علی۔

(۱) حکیم مولوی احمد علی مرحوم:

یہ بھی فضیلت کے بعد لکھنؤ جاکر خاندان جھوائی ٹولہ میں طب کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور گھر پر مطب کرتے رہے، محلّہ اور علاقہ کے بچوں کو عربی وفارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار حکیم جمال الدین صاحب مرحوم کے وصال کے بعد رئیس عظمت گڑھ نے اپنا طبیب خاص مقرر کرلیا، مگر مزاج میں سیلانی پن تھا۔ استعفا دے کر گھر چلے آئے اور گھر پر مطب شروع کردیا۔ مرجع خلائق اور حاذق طبیب تھے۔ کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی، حکیم غلام مصطفیٰ

صاحب کی پرورش کی، ان کو طب کی تعلیم دی اور اپنا وارث اور جانشین بنایا۔ حکیم غلام مصطفیٰ صاحب کا موجودہ مکان ا نہیں کا بنایا ہوا ہے۔

(۲) حکیم مولوی محمد علی مرحوم:

حکیم محمد علی، انھوں نے عربی فارسی تعلیم حاصل کی، فارسی کے بہت اچھے استاذ تھے۔ ابا حضور نے انہیں سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ محلّہ اور علاقہ کے بچوں کو اپنے گھر پر تعلیم دیا کرتے تھے۔ چھوٹے بچوں کو ناظرہ کی تعلیم گھر میں عورتیں دیا کرتی تھیں، وہ سلسلہ ابھی بھی حکیم غلام مصطفیٰ صاحب کے گھر جاری ہے۔

حکیم محمد علی نے طب کی تعلیم تو باضابطہ حاصل نہیں کی، مگر یونانی جڑی بوٹیوں کے بڑے (دوکاندار) عطار تھے۔ اس لیے "دوکاندار بابا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ مفردات کے بڑے عالم اور جڑی بوٹیوں کے شناور تھے۔ اطبا کے نسخے پڑھتے پڑھتے اور مریضوں کا حال سنتے سنتے چھوٹے بڑے عام امراض کے ماہر طبیب تھے۔ بابو پردھان کا دواخانہ ان کی یادگار ہے۔ آپ کے پانچ صاحبزادے طب وعلاج ومعالج عطاری سے وابستہ رہے۔

(۳) حضرت مولانا حکیم امجد علی اعظمی صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز:

آپ نے فضیلت کی تکمیل کے بعد خاندان جھوائی ٹولہ کے مشہور حکیم حاذق الملک حکیم عبدالولی صاحب سے طب کی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ اس کے بعد گھر تشریف لے آئے اور مطب شروع کر دیا۔ اسی دوران قاضی عبدالودود مشہور نقاد ادیب کے والد قاضی عبدالوحید کے مدرسہ حنفیہ عظیم آباد (پٹنہ) کو ایک قابل مدرس کی ضرورت تھی، آپ بحیثیت مدرس تشریف لے گئے۔ وہاں درس دیتے رہے۔ خارجی اوقات میں مطب کا بھی سلسلہ رہا ہوگا، جس کے آپ کے تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا کہ پٹنہ مطب کرنے تشریف لے گئے، یہ سراسر غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کے والد بزرگوار بغرض مطب تشریف لے گئے تھے، وہیں پر ایک سنی کانفرنس میں اعلیٰ حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور اعلیٰ حضرت نے "قدر جوہر شاہ داند یابد اند جوہری" کے مصداق جوہر کی شناخت کر لی۔

بالائے شرس زہوش مندی
می تافت ستارہ بلندی

کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف خدمت اعلیٰ حضرت میں حاضر ہوئے۔ وہاں کی علمی مصروفیات نے طب یونانی کی طرف تاکنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

یہ تو تھا اطبا کی تیسری پشت کا تذکرہ۔ اب چوتھی پشت کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں:

گزر چکا کہ حکیم جمال الدین صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم محمد علی صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، انھوں نے حکیم غلام مصطفیٰ صاحب کی پرورش پرداخت کی تھی۔

حکیم مولوی غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم:

انھوں نے دار العلوم اشرفیہ، پھر بریلی شریف سے فضیلت کی تکمیل کے بعد جھوائی ٹولہ طبیہ کالج سے طب کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور پھر گورنمنٹ ہاسپٹل میں وبائی

امراض کے آفیسر ہوکر ریٹائر ہوئے۔ بڑے ہی دردمند دل کے انسان غریب پرور تھے، مرنجا رنج شخصیت کے حامل تھے۔ آخر میں ریٹائر ہونے کے بعد گھر ہی پر مطب اور گپ شپ کا سلسلہ رہا۔

حکیم احمد علی صاحب مرحوم کے پانچ صاحبزادگان طب یونانی اور علاج معالجہ سے وابستہ رہے۔

(۱) منشی نور الحسن صاحب مرحوم (۲) حکیم غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم (۳) حکیم غلام محی الدین (۴) منشی شرف الدین صاحب (۵) مولوی حکیم ڈاکٹر فخر الدین صاحب۔

منشی نور الحسن صاحب مرحوم:

انھوں نے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، طب کی باضابطہ تعلیم تو نہیں حاصل کی، مگر عطار تھے۔ یونانی مفردات کی دوکان تھی، بلند آواز وبحاث تھے۔ اکثر نسخہ باندھتے باندھتے بحث ومباحثہ میں مشغول ہوجاتے، جب یاد دلایا جاتا تو نسخہ مکمل کرتے۔ پچھّم محلّہ مینا مسجد میں بارہویں شریف کی میلاد ہوتی تو اس میں اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ نوریہ ''صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا'' بڑے ہی والہانہ انداز میں پڑھتے کہ ہم بچے بھی جھوم جاتے۔ ان کے بعد میلادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت وہ سماں باندھنے والا کوئی نہ رہا۔ ان کے انتقال کے بعد وہ دوا خانہ بھی بند ہوگیا۔ ان کے صاحبزادے احمد رضا عرف مُنا، میڈیکل چلا رہے ہیں۔

حکیم غلام مصطفیٰ کا تذکرہ گزر چکا۔

حکیم غلام محی الدین عرف بابو پردھان:

انھوں نے باضابطہ طب کی تعلیم تو نہیں حاصل کی، مگر والد محترم کی خدمت اور دوا خانہ میں رہتے اور نسخہ پڑھتے پڑھتے اتنی مہارت ہوگئی کہ اس وقت گھوسی واطراف میں وہی ماہر طبیب مشہور ومعروف ہیں۔ انھوں نے والد محترم کی یادگار دواخانہ کو باقی رکھا اور ان کے صحیح جانشین ہیں۔ مفردات کے شناور ہیں، دواخانہ کو قائم رکھ کر انھوں نے اس علاقہ میں طب یونانی کو قائم رکھا۔ ان کے بھتیجے منشی شرف الدین صاحب کے صاحبزادے احتشام خالد بھی اس سلسلہ کو آگے بڑھا رہے ہیں، انھوں نے مفردات کا دوا خانہ کھول رکھا ہے۔

منشی شرف الدین صاحب:

یہ حکیم تو نہیں، مگر ہومیو پیتھک سے شغف ہے۔ اچھے ماسٹر تھے، مدرسہ شمس العلوم میں ہم لوگوں نے پرائمری کی تعلیم ان ہی سے حاصل کی۔

مولوی حکیم ڈاکٹر فخر الدین صاحب:

موصوف فضیلت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ شمس العلوم میں کامیاب مدرس تھے۔ مگر اس وقت عسرت وتنگ دستی کا زمانہ تھا، انھوں نے اسی وقت محسوس کر لیا کہ اس مدرسی سے فارغ البالی ہونے والی نہیں۔ تدریس چھوڑ کر گورنمنٹ طبیہ کالج پٹنہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے طب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گھر ہی پر ایلو پیتھک مطب کرتے رہے۔ اس وقت انھوں نے یونانی طریقۂ علاج کو مدرسہ کی مدرسی کے برابر سمجھا، اس لیے حکیم نہیں ڈاکٹر بننا پسند کیا۔ پھر بہار گورنمنٹ ہاسپٹل میں ملازمت اختیار کر لی اور وہیں گورنمنٹ طبیہ کالج پٹنہ میں شعبۂ معالجات میں کامیاب اور

ذی وقار استاذ ہیں۔ بالفاظِ دیگر مسلکاً تو یونانی طبیب ہیں، مگر مشرباً ڈاکٹر ہیں۔

مولوی حکیم شمس الہدیٰ مرحوم:

آپ حضرت صدر الشریعہ کے بڑے صاجزادے تھے۔ فضیلت کے بعد لکھنؤ سے طب کی تعلیم حاصل کی، کچھ دنوں تک گھر پر مطب کرتے رہے، پھر مدھوبن میں مطب شروع کر دیا، بہت کامیاب اور حاذق طبیب تھے۔ جس کو انھوں نے نسخہ لکھ دیا، وہ نسخہ لوگ حرزِ جاں بنا کر رکھتے اور جب بیمار ہوتے تو اسی نسخہ کو استعمال کرتے۔ بہت نفیس طبیب اور ہر دل عزیز شخصیت کے مالک، قوم وملت کے ہم درد، عمر نے وفا نہ کی ورنہ زندگی میں کوئی عظیم الشان کام کر جاتے۔ ان کی دینی وملی خدمات کو دیکھتے ہوئے یہاں کے ارباب حل وعقد نے مدرسہ شمس العلوم کو ان کے نام سے معنون کیا۔

اب پانچویں پشت کے اطبا کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ڈاکٹر ام العلیٰ صاحبہ:

آپ حضرت صدر الشریعہ کے صاجزادے، حضرت مولانا مفتی بہاء المصطفیٰ قادری کی صاجزادی ہیں۔ آپ نے اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے طب یونانی میں .B.U.M.S کی ڈگری حاصل کی، پھر وہیں سے .M.D.U میں پوسٹ گریجوئٹ کیا۔ انھوں نے اس فن کو محض فن کی حیثیت سے حاصل کیا۔ اس خاندان میں پہلی پوسٹ گریجوئٹ خاتون ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ حکیم غلام مصطفیٰ صاحب کے صاجزادے حکیم اکرام مصطفیٰ صاحب سے منسوب ہیں۔

(۲) حکیم اکرام مصطفیٰ صاحب:

یہ حکیم غلام مصطفیٰ صاحب کے چھوٹے صاجزادے ہیں۔ انھوں نے عربی فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے یونانی فارمیسی کا کورس کیا اور گورنمنٹ یونانی ڈسپنسری میں یونانی فارمسسٹ ہیں۔

(۳) نور الدین قادری صاحب:

یہ ڈاکٹر فخر الدین صاحب کے بڑے صاجزادے ہیں۔ انھوں نے طب یونانی کی تعلیم تو نہیں حاصل کی، مگر ایلوپیتھک کے ایک شعبہ سے B.Pharma کیا، پھر M.B.A کیا۔ اس وقت ایک فارماسٹیکل کمپنی آرکڈ (ARCHID) میں میڈیکل نمائندہ ہیں۔

(۴) ام سلمیٰ قادری صاحب:

یہ ڈاکٹر فخر الدین صاحب کی بڑی صاجزادی ہیں۔ یہ بھی گورنمنٹ طبیہ کالج پٹنہ میں زیرِ تعلیم ہیں اور ڈاکٹر ضیاء الحق کرہانی سے منسوب ہیں۔

(۵) نجم الدین قادری صاحب:

یہ بھی ڈاکٹر فخر الدین قادری صاحب کے چھوٹے صاجزادے ہیں اور یہ گورنمنٹ طبیہ کالج پٹنہ میں زیرِ تعلیم ہیں۔

یہ تو رہی حضرت صدر الشریعہ کے نسبی صلبی سلسلہ کے اطبا کی فہرست۔

اب حضرت صدر الشریعہ کے خاندان کی دوسری شاخ جو حضرت مولانا صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق استاذ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور سے جاری ہوئی۔ اس میں

اطبا کی تعداد تو کم ہے، مگر علما کی تعداد خاصی ہے۔

(۱) حضرت مولانا حکیم غلام یزدانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

انھوں نے بھی فضیلت کے بعد لکھنؤ سے طب یونانی کی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ فراغت کے بعد گھر پر مطب کرتے رہے۔ بڑے ہی اوصاف وکمالات، اعلیٰ منتظم، ملی ہمدردی واچھے فکر وذہن کے مالک تھے۔ آپ کی دو عظیم الشان یادگار ایک جلسہ وجلوس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جو اَب مدرسہ شمس العلوم کا سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت کے طور پر باقی ہے۔ دوسرا اس علاقہ کا عظیم تعلیمی ادارہ مدرسہ شمس العلوم گھوسی ہے، جو اَب ترقی کر کے جامعہ کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ آخر میں آپ مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف کے صدر المدرسین بن کر تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔ آپ کے کوئی صاحبزادے نہ تھے، ۳ رصاحبزادیاں تھیں۔ پہلی صاحبزادی محترمہ جمیلہ خاتون مولوی ڈاکٹر شکیل صاحب اعظمی سے منسوب ہیں۔ یہاں خاندان یوسفی کا سنگم ہوگیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس علاقہ میں طبی خدمات میں خاندانِ یوسفی کا اچھا خاصا حصہ رہا ہے۔ مولوی حکیم یوسف صاحب مرحوم اس علاقہ کے بہترین حاذق طبیب رہے ہیں۔ اسی خاندان کے چشم وچراغ ڈاکٹر شکیل صاحب ہیں۔ اس علاقہ کے ہردل عزیز طبیب ہیں، آپ کا مشغلہ ایلوپیتھک علاج ومعالجہ سے ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے ڈاکٹر ہیں۔ ایک ڈاکٹر جاوید صاحب طبیہ کالج قرول باغ دہلی سے طب کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور وہاں سے B.U.M.S کیا، اس وقت ناگپور میں مطب میں مصروف ہیں۔ دوسرے صاحبزادے ڈاکٹر سہیل انور صاحب ہیں۔ انھوں نے گورنمنٹ کالج پٹنہ میں طب کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور وہاں سے B U M S کی ڈگری حاصل کر کے گھوسی میں مطب میں مصروف ہیں۔

اب حضرت صدر الشریعہ کے خاندان کی تیسری شاخ جو ''بابا لعل محمد'' صاحب مرحوم سے جاری ہوتی ہیں۔ جس خاندان میں شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ احقر وناچیز تنہا طبیب ہے۔ میں نے جامعہ انوار القرآن سے عالمیت کے بعد اجمل خان طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے طب کی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ استاذ محترم حکیم خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیض اور اس خاندان کی برکت ہے کہ یونانی طریقۂ علاج سے تھوڑی شد وبد اور دلچسپی ہے۔ عصری تقاضوں کے مدنظر ایلوپیتھک علاج ومعالجہ میں مصروفیت ومشغولیت ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ وہ خصوصی دعا فرمائیں کہ خاندانِ صدر الشریعہ بدر الطریقہ کا یہ علمی وعملی فیضان ہمیشہ جاری وساری رہے۔ اور ہم سب اطبا کو دستِ شفا حاصل ہو، تا کہ زیادہ سے زیادہ طبی فریضہ انجام دے سکیں اور ہم لوگوں کے اندر یونانی طریقۂ علاج ومعالجہ کا فن حاصل ہو۔ انشاء اللہ آئندہ تفصیلی حالات ملاحظہ فرمائیں گے۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ
اعلیٰ حضرت کی نظر میں

مفتی ممتاز احمد نوری
شیخ الحدیث۔ بحرالعلوم مئو

قرآن میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ.

اور کتاب میں مریم کو یاد کرو۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

"عند ذکر الصالحين تنزل الرحمة".

ترجمہ:۔اللہ والوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

قرآن کریم سے ثابت ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں کا ذکر کرنا عبادت ہے اور حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ولی کے ذکر سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا علیہ الرحمہ اور حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ، اللہ کے ولیوں میں سے ہیں۔ ولی ہونے کے لیے جو چیز ایک انسان میں ہونا چاہیے، وہ سب کچھ ان دونوں حضرات کے اندر پائی جارہی ہے۔ پہلی چیز ایمان کا ہونا ضروری اور دوسری بات تقویٰ کا ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ، لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ.

یعنی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیے ان لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں خوش خبری ہے۔

دوسری آیت کریمہ:

اِنْ اَوْلِيَآءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ.

یعنی اللہ کے ولی پرہیزگار ہیں۔

جب ہم قرآن کی اس آیت پر نظر ڈالتے ہیں تو مکمل ولی ہونے کی علامت اعلیٰ حضرت اور حضور صدر الشریعہ رضی اللہ عنہما کے اندر موجود ہے۔ اس لیے یہ دونوں حضرات اللہ کے ولی ہیں۔ ان دونوں خاندان پر اللہ کی رحمت برس رہی ہے کہ جب ہم خاندانِ اعلیٰ حضرت پر نظر کرتے ہیں تو ایک پشت نہیں، بلکہ کئی پشتوں سے جید عالم اور ولی پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔

<u>اعلیٰ حضرت کا گھرانہ:</u>

(ولادت ۱۲۷۲ھ۔ وصال ۱۳۴۰ھ)

اعلیٰ حضرت کے خاندان کا تعلق افغان سے ہے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ سعید اللہ خاں صاحب قندھار حکومت افغانستان کے ولی عہد تھے، قندھار سے لاہور آئے، وہاں سے دہلی جاکر بادشاہ محمد شاہ سے ملاقات کی، اس نے آپ کو بریلی شریف امن وامان قائم کرنے کے لیے بھیج دیا، ان کے صاحبزادے جناب سعادت یار خاں صاحب تھے، ان

کے تین صاحبزادے ایک اعظم خاں، دوم معظم خاں، تیسرے مکرم خاں۔ یہ لوگ اچھے منصب پر فائز تھے۔ حضرت محمد اعظم خاں علیہ الرحمہ سے ولایت کا سلسلہ چلا اور اب تک بحمدہ تعالیٰ چل رہا ہے۔

حضرت محمد اعظم خاں علیہ الرحمہ نے ترکِ دنیا اختیار کیا اور باکرامت ولی ہوئے، ان کا مزار محلہ معمار بریلی شریف میں ہے۔

ان کی ایک کرامت یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے فرزند حضرت حافظ کاظم علی علیہ الرحمہ نے اپنا شال والد ماجد کو اڑھادیا، آپ نے فرمایا: اس کی مجھ کو ضرورت نہیں اور اس شال کو آگ میں ڈال دیا، حضرت حافظ صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا کاش اس کو کسی دوسرے کو دے دیا ہوتا تو اچھا ہوا ہوتا۔ حافظ صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا اور شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے آگ سے اس دوشالا کو کھینچ کر پھینک دیا اور فرمایا: ''کاظم! فقیر کے یہاں دھکڑ بھکڑ کا معاملہ نہیں، لے اپنا دوشالا''۔ اس دوشالا میں آگ نے کچھ اثر نہ کیا تھا، ویسا ہی صاف وشفاف برآمد ہوا۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱ رص:۴۸)

اعلیٰ حضرت کے خاندان پر ولایت اور علم دین کی بارش:

خاندانِ رضا میں ولایت (۱) حضرت محمد اعظم خاں علیہ الرحمہ سے شروع ہوئی اور اس وقت بھی جاری ہے۔ مثلاً ان کے فرزند (۲) حضرت کاظم علی علیہ الرحمہ، ان کے فرزند (۳) حضرت علامہ رضا علی علیہ الرحمہ، ان کے فرزند (۴) حضرت علامہ نقی علی علیہ الرحمہ، ان کے فرزند (۵) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت احمد رضا رضی اللہ عنہ، ان کے دو فرزند ایک (۶) حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا علیہ الرحمہ دوسرے (۷) حضور مرشدنا مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں رضی اللہ عنہ، حضور علامہ حامد رضا علیہ الرحمہ کے فرزند (۸) حضور مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا علیہ الرحمہ، ان کے فرزند (۹) حضور ریحان ملت ریحان رضا علیہ الرحمہ، حضور مفسر اعظم علیہ الرحمہ کے دوسرے عظیم فرزند (۱۰) حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا رحمۃ اللہ علیہ، جن کو وارثِ علوم اعلیٰ حضرت سے یاد کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے منجھلے بھائی (۱۱) حضرت علامہ حسن رضا استاذ زمن علیہ الرحمہ، ان کے فرزند (۱۲) حضرت علامہ حسنین رضا علیہ الرحمہ، ان کے ایک فرزند (۱۳) حضرت علامہ امین شریعت صوفی سبطین رضا علیہ الرحمہ، ان کے دوسرے فرزند (۱۴) حضرت علامہ تحسین رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ۔ حضور اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی (۱۵) حضرت علامہ مفتی محمد رضا رحمۃ اللہ علیہ۔ اس وقت زندوں میں (۱۶) حضرت علامہ سبحان رضا قبلہ، ان کے فرزند (۱۷) حضرت علامہ مفتی احسن رضا قبلہ، حضور تاج الشریعہ کے جانشیں (۱۸) علامہ شاہ مفتی عسجد رضا قبلہ، اسی خاندان کے (۱۹) حضرت علامہ مفتی ارسلان رضا، جو دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کے فارغ شدہ ہیں اور ازہری بھی۔ اس کے علاوہ اور بھی اس خاندان کے ہیں، جو بڑے بڑے علما میں شمار ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت بشکل ولایت اور علم دین کے خاندانِ رضا پر برس رہی ہے، جو ایک بہت بڑی نعمت ہے، یہ نعمت سب کو نہیں ملتی۔ اعلیٰ حضرت کے گھر میں کئی صدی سے جید عالم اور ولی ہوتے چلے آرہے ہیں۔

حضور صدر الشریعہ کا گھرانہ:

(ولادت: ۱۳۰۰ھ۔ وصال: ۲/ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ)

گھوسی ایک قصبہ ہے۔ اس میں جس کثرت سے علمائے کرام پائے جاتے ہیں، میرے خیال میں اور کسی قصبہ میں نہیں پائے جاتے، اس لیے اس کو علما کا شہر کہا جاتا ہے، یہ سب فیضان ہے حضور صدر الشریعہ کے گھر کا۔ حضور شیخ العلماء غلام جیلانی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں: کہ جب حضرت مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ اپنے وطن "نواپار گھورکھپور" کو خیر آباد کہہ کر گھوسی تشریف لائے اور گھوسی کو اپنا وطن ثانی بنالیا، اسی خاندان سے حضور صدر الشریعہ کا تعلق ہے۔ اس خاندان پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اس گھرانے پر بھی اللہ کی رحمت جاری اور ساری ہے کہ کئی صدی سے اس گھرانے میں جید عالم دین اور ولی پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔

مثلاً (۱) حضرت مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ، جو ایک باکرامت ولی تھے، ان کے فرزند (۲) حضرت مولانا خدا بخش علیہ الرحمہ، ان کے فرزند (۳) حضرت مولانا حکیم جمال الدین علیہ الرحمہ، ان کے فرزند (۴) حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ اب صرف اولادِ صدر الشریعہ جو علمائے کرام ہیں، ان کے اسمائے عالیہ پیش کر رہا ہوں (۵) حضرت مولانا حکیم شمس الہدیٰ علیہ الرحمہ ان کے نام پر دار العلوم شمس العلوم گھوسی ہے، (۶) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب علیہ الرحمہ، (۷) حضرت مولانا عطاء المصطفیٰ علیہ الرحمہ، (۸) حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ، (۹) حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ علیہ الرحمہ، (۱۰) ممتاز الفقہاء محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ، (۱۱) حضرت مولانا مفتی ثناء المصطفیٰ علیہ الرحمہ، (۱۲) حضرت علامہ مفتی بہاء المصطفیٰ شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی شریف، (۱۳) حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری قبلہ سابق استاذ دار العلوم شمس العلوم گھوسی۔

اب حضور صدر الشریعہ کے بعض پوتوں کا ذکر خیر، اس میں حضور محدث کبیر کے فرزندگان کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہو (۱۴) حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری، (۱۵) حضرت مولانا عطاء المصطفیٰ قادری، (۱۶) حضرت مولانا مفتی جمال مصطفیٰ قادری، (۱۷) حضرت مولانا ابو یوسف محمد قادری ازہری۔ اب حضور فداء المصطفیٰ صاحب قادری کے فرزندگان کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہو (۱۸) حضرت مولانا مفتی فیضان المصطفیٰ قادری، (۱۹) حضرت مولانا عرفان المصطفیٰ قادری، (۲۰) حضرت مولانا ریحان المصطفیٰ قادری، (۲۱) حضرت مولانا مفتی حسان المصطفیٰ قادری، (۲۲) حضرت مولانا مفتی وفاء المصطفیٰ امجدی، یہ حضرت مفتی ثناء المصطفیٰ امجدی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی علمائے کرام ہیں، عصر حاضر میں اس خاندان کے اندر جتنے علما وفقہا واساتذہ موجود ہیں، اتنے کسی بڑے شہر کے سارے علما مل کر بھی شاید نہ ہوسکیں۔ (حیات محدث کبیر ص: ۴۹)

جب ہم خاندان صدر الشریعہ پر نظر ڈالتے ہیں تو علما کا ایک شہر نظر آتا ہے، علما کا اس کثرت سے دوسرا گھرانہ بہت کم نظر آتا ہے۔ اور اس زمانے میں تو اس فقیر کو کوئی گھر اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ جیسا نظر نہیں آتا، ان دونوں گھرانے پر اس عظیم نعمت کی بارش ہو رہی ہے اور ان شاء اللہ ہوتی رہے گی۔

حضور صدر الشریعہ کی ابتدائی تعلیم:

آپ نے اپنے دادا حضرت مولانا خدا بخش صاحب علیہ الرحمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، جب اعلیٰ تعلیم کا شوق ہوا تو ۱۳۱۴ھ میں جون پور کا سفر کیا، اس زمانے میں ریل گاڑی نہ تھی تو گھوسی سے اعظم گڑھ کا پیدل سفر کیا، اعظم گڑھ سے جون پور اونٹ گاڑی سے پہنچے اور مدرسہ حنفیہ میں اپنے برادر عزیز مولانا محمد صدیق علیہ الرحمہ اور مولانا سید ہادی حسن علیہ الرحمہ سے بھی کچھ تعلیم حاصل فرمائی، جو علامہ محمد ہدایت اللہ خاں صاحب علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے۔ حضور صدر الشریعہ کو شروع ہی سے پڑھانے کا شوق زیادہ تھا، یہاں تک کہ کافیہ، تہذیب اور شرح تہذیب پڑھنے کے زمانے میں ان سے نیچے کی تمام کتابیں طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔

(حیات صدر الشریعہ، ص:۲۲)

تمام کافیہ ایک دن میں حفظ کرلیا:

حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانہ میں ایک منفرد مدرس تھے، منطق و فلسفہ اور اصول فقہ آپ کا مخصوص فن تھا، آپ نے اپنے استاذ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں رہ کر علوم وفنون کی تکمیل فرمائی، ٹھیک اسی طرح حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے استاذ حضرت علامہ کی خدمت میں رہ کر علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل فرمائی، حضرت صدر الشریعہ پر آپ کے استاذ کا خاص کرم یہ تھا کہ ابتدائی تعلیم سے لے کر آخری کتابوں تک کی تعلیم دی۔ حضور صدر الشریعہ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ کتاب میں مضمون دیکھنے یا استاذ سے تقریر سننے کے بعد برسوں تک ایسا محفوظ رہتا تھا جیسے ابھی دیکھا یا سنا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کافیہ کی عبارت زبانی یاد کرلی جائے تو فائدہ مند ہوگا، بس کیا تھا، ایک ہی دن میں پوری کتاب یاد کرڈالی۔ (حیات صدر الشریعہ ص:۲۶)

حضور محدث سورتی اور صدر الشریعہ:

علومِ عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہونے کے بعد علامہ ہدایت اللہ خاں علیہ الرحمہ نے حضرت صدر الشریعہ کو حضور محدث سورتی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں ایک خط لکھ بھیجا، خط اس طرح لکھا کہ میں اپنا ایک مخصوص وعزیز طالب علم آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، اس کی تعلیم وغیرہ میں آپ پوری توجہ فرمائیں۔ جب پیلی بھیت حضرت صدر الشریعہ پہنچ گئے اور اسباق شروع کردیے تو عموماً سارا دن پڑھنے میں اور رات کا اکثر حصہ مطالعہ میں صرف ہوتا تھا، صحاح ستہ کے علاوہ بعض کتابیں حرفاً حرفاً قراءۃً وسماعۃً پڑھا، ۱۴؍ماہ پیلی بھیت میں اقامت کی مگر شاید ہی کسی دن چھٹی ملی ہو، جمعہ کو بھی اسباق ہوتے تھے، حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ حضرت صدر الشریعہ کے شوق اور محنت کو دیکھ کر فرمایا کہ ’’ساری عمر میں یہ ایک طالب علم ملا جو محنتی بھی ہے اور سمجھ دار بھی اور علم سے شوق ودلچسپی رکھتا ہے‘‘۔ (حیات صدر الشریعہ ص ۲۷)

پٹنہ میں منصب تدریس اور امتحان:

حضرت کا دور طالب علمی ختم ہونے کے بعد آپ نے تین چار ماہ گھر پر قیام کیا اس کے بعد استاذ گرامی محدث سورتی علیہ الرحمہ کا خط آیا کہ آپ کو پٹنہ کے مدرسہ اہل سنت جس کو حضرت قاضی عبد الوحید صاحب نے قائم کیا ہے، اس میں جانا ہے۔ استاذ کی بات مان کر حضرت صدر الشریعہ پٹنہ گئے اور بطور امتحان حضرت صدر الشریعہ کو ہدایہ جلد ثالث

پڑھانے کو سبھی علما کے سامنے اور خود قاضی عبدالوحید صاحب جو ایک بڑے عالم تھے دیا گیا، یہ پڑھانے کا پہلا امتحان تھا۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اللہ و رسول کے کرم اور اپنے اساتذہ کی دعاؤں کی برکت سے پڑھایا اور ایسا پڑھایا کہ سامعین دنگ رہ گئے اور تمام لوگوں کو تعلیم کافی پسند آئی اور آپ اعلیٰ نمبر سے پاس ہوگئے اور مدرسہ کے فرائض انجام دینے لگے۔ (حیات صدر الشریعہ، ص ۲۸)

پٹنہ میں اعلیٰ حضرت سے مرید ہونا:

ندوۃ العلماء کا ایک عظیم الشان تاریخی اجتماع پٹنہ میں ہوا کہ ایسا اجلاس آج تک کبھی بھی نہیں ہوا تھا، ان کا مقصد یہ تھا کہ سنی، شیعہ، وہابی اور غیر مقلد یہ سب امتیازات بے کار ہیں، اس گمراہ کن اجلاس کے رد میں حضرت قاضی عبدالوحید علیہ الرحمہ نے ایک بڑا جلسہ کیا، جس میں مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، تاج الفحول حضرت عبدالقادر بدایونی، حضرت محدث سورتی، حضرت مولانا سید شاہ عبدالصمد اور حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں صاحب جون پوری اور بہت سے گرامی قدر علما مدعو تھے، وہ سب تشریف لائے۔ اس میں سب لوگوں نے اپنے اپنے حساب سے ندوۃ العلما کا خوب رد کیا، اسی موقع پر اعلیٰ حضرت کے حالات کے مطالعہ کرنے کے بعد حضرت محدث سورتی کی رائے اور مشورے سے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں داخل ہوگئے اور اعلیٰ حضرت و مسلک اعلیٰ حضرت کے ہوکر رہ گئے۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۳۰)

بریلی میں صدر الشریعہ کی ذمہ داریاں:

حضور صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"پریس کا انتظام اور مدرسہ کی تعلیم بریلی میں یہ دو مستقل کام مجھ سے متعلق تھے، مدرسہ کی تعلیم یہ خود ایک پورا کام ہے، پریس کی جملہ کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح، کتابوں کی روانگی، خطوط کے جواب، آمد و خرچہ کا حساب، یہ سارے کام تنہا انجام دیا کرتا۔ ان کاموں کے علاوہ کبھی کبھی شہر و بیرون شہر میں تقریریں کرنا بھی پڑتا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے بعض مسودات کا مبیضہ کرنا فتوؤں کو نقل کرنا، ان کی خدمت میں فتوؤں کا لکھنا، یہ کام مستقل طور پر انجام دیتا۔ بعد نماز فجر ضروری وظائف و تلاوت قرآن پاک کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یا کچھ کم و بیش پریس کا کام انجام دیتا، پھر فوراً مدرسہ جا کر اخیر وقتِ مدرسہ تک تعلیم دیتا۔ وہاں سے واپس ہوکر کھانا کھاتا، کھانے کے بعد مستقلاً دو یا تین بجے یعنی وقت نماز ظہر پھر پریس کا کام انجام دیتا۔ ظہر کے بعد مدرسہ جاتا اور دو گھنٹہ مکمل یعنی وقت عصر تک تعلیم دیتا۔ بعد نماز عصر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مغرب تک بیٹھتا۔ بعد مغرب عشا تک اور عشا کے بعد بارہ ایک بجے شب تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں فتویٰ وغیرہ جو کوئی کام ہوتا انجام دیتا۔ اس کے بعد مکان واپس آتا، کھانا کھانے کے بعد کچھ ضروری کام تحریر کرنے کے بعد تقریباً دو بجے شب میں سوتا۔ اعلیٰ حضرت کے اخیر زمانۂ حیات تک تقریباً یہی روز مرہ کا معمول رہا"۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۳۳)

نوٹ:۔ حضرت علامہ مفتی محمد رضا علیہ الرحمہ نے حق فرمایا ہے کہ حضور صدر الشریعہ کام کی مشین ہیں۔

اجازت وخلافت:

حضور صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ ۱۸؍ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو بموقع عرس سراپا قدس حضرت سیدنا آلِ رسول رضی اللہ عنہ

بغیر کسی تحریر وطلب کے اعلیٰ حضرت نے جملہ سلاسل قادریہ، قدیمیہ وجدیدیہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کی اجازت تامہ و عامہ عطا فرمائی اور اپنا خلیفۂ مطلق کیا اور اپنا عمامہ سر اقدس سے اتار کر میرے سر پر باندھا اور اپنی زبانِ پاک سے یہ الفاظ ادا فرمائے کہ جملہ وظائف واعمال واذکار اور اپنی تمام مرویات حدیث وفقہ اور اپنی تمام تصانیف کی میں اجازتِ تامہ وعامہ دیتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کا یہ ایک کرمِ خاص تھا۔

(حیات صدر الشریعہ، ص:۴۸)

حضور صدر الشریعہ کے طالب علمی کا مناظرہ:

جون پور کی طالب علمی کا دور تھا، گھوسی میں ایک بڑے مولوی صاحب تھے، ''شب براءت کے موقع پر حلوہ پکانا ناجائز ہے'' بیان کر رہے تھے۔ ان سے دریافت کیا کہ ناجائز کی وجہ کیا ہے؟ آپ کے پاس دلیل کیا ہے؟ تو ادھر ادھر کی الم غلم باتیں کرنے لگے، بدعت کی تعریف نہ کر سکے، جو لوگ اس موقع پر موجود تھے، ان لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایک چھوٹے لڑکے کی بات کا جواب بڑے مولوی صاحب کے پاس نہیں اور وہ اس سے ہار گئے۔

گھوسی کا دوسرا واقعہ:

اسی طرح طالب علمی کے زمانے میں گھوسی کے اندر مسئلہ قیام میلاد شریف پر بحث ہوئی اور ایک مخالف مولوی کو تقریر کے لیے بلا کر قیام کے خلاف تقریر کروایا گیا، جب وہ مولوی تقریر کر رہا تھا اس وقت حضرت صدر الشریعہ کو سردی کے ساتھ بخار آ رہا تھا اور لحاف اوڑھے ہوئے پڑے تھے کہ اسی دوران اس مولوی کی تقریر ہو رہی تھی، دورانِ تقریر اس نے قیام کو بدعت کہا، بدعت ہونے کی آواز حضرت صدر الشریعہ کے کان تک آئی پھر کیا تھا، ضبط نہ ہو سکا، اسی حالت میں لحاف پھینک کر جلسے میں پہنچ گئے اور مولوی صاحب سے قیام کے بدعت ہونے پر بحث شروع کر دی، چوں کہ نوعمری کا زمانہ تھا اور حضرت ایک طالب علم، اس مولوی نے چاہا کہ مولویت کے رعب سے ہی خاموش کر دوں، وہ چلا چلا کر بلند آواز سے بولنے لگے، حضرت نے کہا کہ چلانے سے کوئی فائدہ نہیں، آپ اگر نہ چلائیں بھی تو لوگ آپ کی بات سنیں گے، مسئلہ پر گفتگو کریں اور ان بیہودہ باتوں سے باز آئیں، مگر ان مولوی صاحب کے پاس بلکہ ساری جماعت کے پاس کوئی بھی ایسی دلیل جس سے قیام یا ان دیگر چیزوں کو بدعت وضلالت ثابت کر سکیں، نہیں ہے۔ اس مولوی کو ذلت کے ساتھ خاموشی اختیار کرنی پڑی اور قیام کا عدمِ جواز ثابت نہ کر سکے۔ الحمد للہ! کہ ابتدا سے اس قسم کی گفتگو ہوئی کبھی ہارنے اور ہزیمت اٹھانے کی نوبت نہیں آئی۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۷۲)

امتیازات صدر الشریعہ:

(۱)...... جس طرح حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں علیہ الرحمہ نے حضرت صدر الشریعہ کو پڑھایا، اس انداز سے اوروں کو نہ پڑھایا، مثلاً ابتدائی تعلیم بھی اپنے ذمہ رکھی اور آخری کتابوں تک تعلیم دی۔

(۲)...... حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مجھ کو ساری عمر میں یہ ایک طالب علم ملا جو علم سے شوق ودلچسپی رکھتا ہے۔

(۳)...... بریلی شریف کے پریس کے انتظام میں اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ لگا کر یہ دینی کام حضرت نے کیا اور جب وہ

برباد ہوا تو حضرت صدر الشریعہ کو بہت قلق ہوا۔

(۴)...... ترجمۂ قرآن مجید جو ہوا، یہ صدر الشریعہ کی وجہ سے ہوا، جو اہل سنت پر بہت بڑا احسان ہے۔ ترجمہ کا طریقہ یہ رہا کہ آیت پڑھی جاتی اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ لکھواتے اور حضرت صدر الشریعہ لکھتے، اس ترجمہ کے لکھنے اور لکھوانے کی جو خدمت حضرت صدر الشریعہ نے کی وہ نجاتِ اخروی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، جس کا نام کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ہے۔

(۵)...... اعلیٰ حضرت نے صدر الشریعہ کو مفتی اور قاضی اسلام مقرر کیا (یہ اس وقت کی بات ہے جب ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش سب ایک تھے) یہ اعلیٰ حضرت کا صدر الشریعہ پر سب سے بڑا اکرمِ خاص ہے۔

(۶)...... بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں جب صدر الشریعہ حاضر ہوتے تو فوراً پردہ کرا کر خدمت رضا میں حاضر ہوتے، یہ صرف خاص کرم صدر الشریعہ کے لیے تھا۔

(۷)...... اعلیٰ حضرت کی مسجد میں امامت کی خدمت بھی آپ کے سپرد تھی، صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ نمازوں کی ادائیگی میں اتنی احتیاطیں کی جاتیں جس کو کہیں نہیں دیکھا گیا۔

(۸)...... وضو اور نماز کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے منظر اسلام کے جملہ مدرسین وطلبہ کے متعلق حکم صادر فرمایا کہ سب لوگ وضو مولانا امجد علی صاحب کے سامنے کریں اور پھر ان کی نگرانی میں دو رکعت نماز بالجہر ادا کریں، حضرت صدر الشریعہ وضو ونماز میں جس کو پاس کر دیتے، وہی شخص امامت کر سکتا تھا، ورنہ نہیں۔

(۹)...... اعلیٰ حضرت سال میں دو تقریر کرتے تھے، ایک ربیع الاول شریف اور دوسری اپنے مرشد کے عرس کے موقع پر۔ ایک بار طبیعت ناساز تھی تو حضرت مفتی محمد رضا علیہ الرحمہ سے کہا کہ جاؤ امجد علی سے کہہ دو کہ وہ بیان کردے۔ ''اس کے سوا کون''، ''جو ہے وہی ہے''۔ حضرت مفتی محمد رضا علیہ الرحمہ اس کو بیان کر کے لطف اٹھایا کرتے تھے، اعلیٰ حضرت دو تین آدمیوں کی تقریر سنتے تھے، ان میں ایک حضرت صدر الشریعہ بھی تھے۔

(۱۰)...... اعلیٰ حضرت اپنی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے نماز جنازہ کی دعائیں جو میرے فتاویٰ میں تحریر ہیں، اگر حامد رضا یاد کرلیں تو وہ پڑھائیں ورنہ مولانا امجد علی صاحب پڑھائیں۔

حضرت صدر الشریعہ کے لیے کوئی شرط نہیں اور دوسروں کے لیے یاد کی شرط۔

(۱۱) اعلیٰ حضرت کا اضطراب کی حالت میں مسجد میں ٹھہر کر دعا کرتے رہنا کہ مولانا امجد علی امن کے ساتھ تشریف لائیں، اس وقت تک مکان کے اندر تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ حضرت واپس نہ آگئے۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ مخالفین کے جلسے میں بے بتائے بغرض بحث ومناظرہ اکیلے چلے گئے تھے، صدر الشریعہ فرماتے ہیں ان کی دعاؤں کا ہی صدقہ ہے کہ یہ فقیر جہاں جاتا ہے کامیاب ہوتا ہے اور کبھی آج تک ذلیل وشرمندہ نہیں ہونا پڑا۔ رنگون کا مناظرہ ہو یا بھاگل پور کا، سب جگہ کامیابی حاصل ہوئی۔

(۱۲)...... اعلیٰ حضرت نے متعدد بار یہ فرمایا کہ دو شخص

جب میرے پاس کچھ لکھنے بیٹھتے ہیں تو مجھے غور وخوض اور سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل میرے قلب پر مضمون کا القا ہوتا ہے۔ایک حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی صاحب، دوسرے مولانا امجد علی اعظمی۔

(۱۳)......اعلیٰ حضرت کے بہت سے خلفاء وہ ہیں، جن کو محض صدر الشریعہ کی تحریک پر خلافت عطا فرمائی، بلکہ بعض وہ ہیں جن کو خلافت دینا نہیں چاہتے تھے، مگر حضور صدر الشریعہ کے کہنے پر خلافت دے دی۔

(۱۴)......اعلیٰ حضرت کے وصال سے ایک روز قبل صدر الشریعہ کو ایک استفتا میں دشواری پیش آئی، اس کے حل کے لیے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، مزاج پُرسی کے بعد استفتا کا مضمون عرض کیا، اعلیٰ حضرت نے اس کا جواب ارشاد فرمایا۔ حضرت صدر الشریعہ نے عرض کیا، یہ حکم کس کتاب اور کس جگہ پر ہے؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: بحر الرائق میں فلاں مقام پر، اس کے بعد فرمایا: آج میری ایک بیٹی میرے سامنے آئی تو دیر تک اس کا نام سوچتا رہا، اب میرے دماغ کی یہ حالت ہے، مگر الحمد للہ کہ دینی مسائل وعقائد اور بدمذہبوں کے جملہ مضامین میرے پیش نظر ہیں، ان باتوں کے لیے مجھے غور وخوض کی حاجت نہیں۔

(۱۵)......اعلیٰ حضرت نے صدر الشریعہ کو اپنا وکیل بالبیعت بنایا، مناظر اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ آپ ہی کے ہاتھوں پر بیعت ہو کر اعلیٰ حضرت کے مرید ہوئے۔

(۱۶)......اعلیٰ حضرت کی وفات سے چند روز بعد حضور صدر الشریعہ نے خواب دیکھا کہ اپنے مکان سے کچھ کاغذ ہاتھ میں لیے ہوئے برآمد ہوئے اور اپنے پلنگ کے پاس تشریف لاکر وہ تمام کاغذات حضرت کے حوالے کیا، حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا: حضور! آپ کا تو انتقال ہو چکا ہے، آپ کیسے تشریف لائے، فرمایا: ہم اسی طرح آیا کریں گے۔ خواب سے بے دار ہونے کے بعد حضرت نے یہ تصور کیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح میرے زمانۂ حیات میں تم یہ سب کام انجام دیا کرتے تھے، اب بھی یہ چیزیں تمہارے سپرد کی جاتی ہیں۔

(ماخوذ از: حیات صدر الشریعہ، حیات محدث کبیر، صدر الشریعہ نمبر، فتاویٰ امجدیہ اول)

(۱۷)...... اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا، وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔

(الملفوظ اول، ص:۱۰۳)

(۱۸)...... اعلیٰ حضرت کے بعد صدر الشریعہ نے ایسے ایسے شاگرد پیدا کیے، جس کی مثال نہیں۔ مثلاً محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی سردار احمد خاں صاحب علیہ الرحمہ اور ہندوستان میں حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پور اعظم گڑھ، ان دونوں کے علاوہ دوسرے شاگرد بھی اپنی اپنی جگہ پر آفتاب وماہتاب ہیں اور اس وقت حضور صدر الشریعہ کے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد پوری دنیا میں دین کا کام کر رہے ہیں۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
حیات وخدمات کا تفصیلی جائزہ

مفتی عابد حسین مصباحی
مدرسہ فیض العلوم جمشید پور بہار

کارخانۂ قدرت سے عالم انسانی میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار تخلیقات اپنے اپنے وقت میں منصۂ شہود پر آئیں اور جن سے جو کام لیا جانا روزِ ازل میں مقدر ہو چکا تھا، وہ لیا جا چکا اور لیا جائے گا۔ ان میں کچھ ایسے نفوس بھی آئے، جو صرف اپنی ذات وغرض تک محدود رہے۔ کچھ ایسے افراد بھی رونق افروز ہوئے، جو خدمت خلق کا جذبۂ بے کراں لے کر للّٰہیت وخلوص کا پیکر بن کر انسانوں کی فلاح وبہبود، اس کی ترقی، پذیرائی، دنیا وآخرت کی سرخروئی، خیر خواہی اور مولیٰ عزوجل کے بندوں کو اس تک رسائی کا کام کر گئے۔ نیک نفسی کے ساتھ عبادت وریاضت کی اور طلب رضائے مولیٰ میں زندگی نثار کر دی اور اپنی ہمہ گیر شخصیت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں جما دیا تو آقائے دو جہاں کے یہاں ان کے درجے بلند ہوئے، بندوں کے مابین بھی انھیں مقبولیت عامہ حاصل ہوئی اور انھیں عزوشرف، قدر وقیمت، محبت والفت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا۔ پھر ان کی طرف دل کھنچتے نظر آتے ہیں اور ہر زبان سے ان کے خطبے ومدح سرائی کے نغمے سنائی دینے لگتے ہیں۔

"ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا"۔ (سورہ مریم، آیت: ۹۶)

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمائے گا۔

مزید ارشاد خداوندی ہوا:

"لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ"۔

ان لوگوں کے لیے دنیا وآخرت کی زندگی میں بشریٰ (بامراد ہونے کی خوش خبری) ہے۔

ایسے افراد کو مہربان خدا خود آغوشِ رحمت ومحبت میں جگہ دیتا اور انھیں قبولِ عام کا رتبہ عطا فرما کر تمام آسمان وزمین والوں کے درمیان محبت والفت اور توجہ والتفات کا مرکز بنا دیتا ہے۔ حدیث صحیح میں ارشاد ہے:

"اللہ عزوجل جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس سے حضرت جبرئیل کو آگاہ فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے، پھر حکم دیتا ہے: زمین والوں میں ندا کر دو! یہ میرا محبوب بندہ ہے، سب اس سے محبت کریں، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں"۔ (بخاری ومسلم، بحوالہ خزائن العرفان تحت آیت بالا وانوار مفتی اعظم مقالہ حضرت مفتی شریف الحق صاحب)

انھیں عظیم عبقری، ہمہ گیر، قد آور، نابغۂ روزگار اور تاریخ ساز ہستیوں میں صدر الشریعہ بدر الطریقہ فقیہ اعظم، جامع معقول و منقول، تاج الفحول حضرت ابو العلی مولانا شاہ امجد علی علیہ الرحمۃ القوۃ کی ذات ستودہ صفات ہے۔

بلا شبہ اس عالم رنگ و بو کو جن مقتدر اور باوقار شخصیتوں پر ناز ہے، جن کے علم و تقویٰ، زہد و ورع، قافلۂ انسان کی صلاح و فلاح، دین و دانش کا جذبہ اور ملت و وطن کی تعمیر و ترقی کی لگن اور فکر عقبیٰ کا ڈنکا بج رہا ہے، جن کی طلعت جمال جہاں آرا سے کاروانِ فکر و فن کی راہوں میں اجالا بکھرتا رہا ہے۔ دنیائے تعلیم و تدریس کے بڑے بڑے کشور کشاں جن کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرنے میں فخر و انبساط محسوس کرتے ہیں اور جن کے افتا، رسم افتا اور دور رَس نگاہوں پر زمانہ جھکتا ہے، ان میں علم و فن کے بحر زخار حضرت صدر الشریعہ حکیم مولانا امجد علی اعظمی کا نام آسمان کی بلندیوں پر روشن و تاباں اور چمکتا دمکتا نظر آئے گا۔

صدر الشریعہ کی ذاتی خوبیاں:۔ انسان دو طرح کی خوبیوں سے شہرت و ناموری، عزت و عظمت پاتا اور لوگوں میں چمکتا نظر آتا ہے۔

(۱) اضافی:۔ انسان کے اندر وہ خوبیاں جو کسی خارجی اسباب و علل، رشتہ ناطہ، اعلیٰ خاندان یا بڑے آدمی سے منسلک ہونے یا کافی دولت و ثروت کے مالک ہونے سے حاصل ہوں۔ جیسے کسی کی عزت اس لیے ہو کہ وہ بہت دولت مند ہے یا عالی نسب باپ کا بیٹا ہے۔

(۲) ذاتی:۔ وہ خوبیاں جو انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہوں۔ اس نے اپنی کد و کاوش، محنت و مشقت اور انتھک کوششوں سے حاصل کی ہو۔ (مثلاً اپنی کوشش سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور کتابیں لکھ کر قوم کو اَنمٹ ذخیرہ دیا، اقوام کی تعمیر و ترقی کی داغ بیل ڈالی، دلوں کی دنیا میں اچھے نقوش ثبت کیے) یا اس کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے وہبی طور پر بغیر اس کی محنت و مشقت کے ایسی خوبیاں ڈال دیں کہ جن کے سبب اس کی قدر و قیمت لوگوں کے دلوں میں جم گئی، اس کو خداداد حسن و زیبائش، دل کشی و رعنائی، فنی صلاحیت و ذہانت و فطانت مل گئی۔

بسا اوقات اضافی محاسن سے بھی اگرچہ آدمی کو فضل و کمال اور متصف بہ شہرت و ناموری سمجھا جاتا ہے، لیکن واصلی محاسن کی حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ نفس الامر میں یہی خوبیاں انسان کو عز و شرف کے اوجِ ثریا تک پہنچاتی ہیں، جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اِنَّا جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ“.

یقیناً ہم نے تمھیں خاندانوں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، لیکن تم میں زیادہ مکرم و باعزت وہ شخص ہے جو زیادہ تقویٰ اور پرہیزگاری والا ہے۔

استاذِ گرامی مولانا یٰسین اختر مصباحی رقم طراز ہیں:

”عظیم شخصیتوں کی تعمیر میں بہت سے اسباب و علل و عوامل دخیل ہوا کرتے ہیں، خاندان کی اعلیٰ روایتوں کا بھی فیض ہوتا ہے اور کبھی دولت و ثروت کی کرشمہ سازیاں ہوتی ہیں۔ وسیع تعلقات کا بھی اثر ہوتا ہے اور کبھی حالات کی سازگاری بھی ترقی

درجات کا سبب بنتی ہے۔ بسا اوقات عُلق و چاپلوسی اور ضمیر فروشی کر کے بھی انسان اقتدار کی کرسیوں پر بیٹھ کر عارضی شہرت و ناموری کی تاریخ مرتب کر لیتا ہے اور جابرانہ طاقت و قوت کا مظاہرہ کر کے دوسروں کا حق غصب کر کے بھی انسان اپنے آپ کو ایک بڑا انسان سمجھ بیٹھتا ہے۔ صفحاتِ تاریخ میں ایسی بے شمار شخصیتیں محفوظ ہیں کہ اپنے دورِ اقبال میں ان کے فضل و کمال، عزت و عظمت، قوت و شجاعت، شہرت و ناموری کے ترانے گائے گئے اور بہت سے قیمتی افراد ان کی مدح و ستائش میں رطب اللسان بھی رہے۔

لیکن بڑی عظیم ہے وہ شخصیت اور بڑا صاحب فضل و کمال ہے وہ انسان جو اپنے دل و دماغ، اپنی محنت و کاوش، اپنی قوت بازو سے علم و فضل کی شاخوں پہ آشیانہ بنائے۔ اپنے علم و ہنر کا فیض بانٹے۔ خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کے ساتھ اپنی تاریخ کی دھرتی پر ایک عہد آفریں انقلاب برپا کرے۔ اپنے گوناگوں کارناموں سے شہر در شہر اپنے خیر و برکت کی تقسیم کرے اور اپنی زبان و قلم، کردار و عمل اور اپنے ناقابل شکست عزم و حوصلہ، تدبر و ذہانت اور قوتِ ارادی کی بے پناہ طاقت کے ساتھ میدان میں اترتے ہیں''۔

(رسالہ: تین برگزیدہ شخصیتیں، ص:۴۹)

اب ہم حضور صدر الشریعہ کی اضافی محاسن سے قطع نظر آپ کی ذاتی خوبیوں اور محاسن و کمالات اور ہمہ جہت شخصیت کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ اپنی ذاتی خوبیوں میں ہر زاویہ سے بلند پایہ نظر آتے ہیں۔ تدریس و تقریر، افہام و تفہیم، تصنیف و تالیف، ملت کی اصلاح و ترقی، تقویٰ و پرہیزگاری، اطاعت الٰہی، اتباعِ سنت، کردار سازی اور مردسازی ہر میدان میں بلند مقام رکھتے تھے۔ خوف الٰہی اور عشق رسول سے خود بھی سرشار رہتے اور اپنے ماننے والوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ احکام شرع پر پابندی تو گویا آپ کی گھٹی میں پلا دی گئی تھی۔

احکامِ شرع کا التزام:

اہل علم کو معلوم ہے کہ خرید و فروخت میں جہاں مبیع کا معلوم ہونا ضروری ہے، وہیں اس کی قیمت کا معلوم ہونا بھی لازم ہے، ورنہ بیع فاسد ہوگی۔ بائع و مشتری کے مابین نزع واختلاف بھی پیدا ہوگا اور دونوں گنہ گار بھی ہوں گے۔ لہٰذا ہمیشہ دھیان میں رکھنا چاہیے کہ وہ اشیا جن کی قیمت عام طور پر لوگوں کو معلوم نہ رہتی ہو، ان کے دام طے کر لیا کریں۔ شرع شریف کے اس مسئلہ پر حضرت قدس سرہ کا عملی نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

قریباً بارہ سال پیشتر جب میں (راقم الحروف) مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ میں زیر تعلیم تھا، اس دوران پاکستان کے عظیم دینی رہنما حضرت مولانا مفتی ظفر علی صاحب جنھیں آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، الجامعۃ الاشرفیہ تشریف لائے۔ حضرت صدر الشریعہ کے شاگرد اور صاحب علم و فضل ہونے کے سبب اساتذۂ اشرفیہ نے حافظ ملت ہال میں استقبالیہ جلسہ منعقد کیا۔ اساتذۂ کرام کے تعارف کرانے کے بعد مفتی موصوف نے خطاب فرمانا شروع کیا، دورانِ تقریر حضرت صدر الشریعہ کے اتباعِ شریعت کا التزام اور آپ کے ساتھ طلبہ کی والہانہ

عقیدت ومحبت اور خدمت گزاری پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ واقعہ بیان کیا:

''ایک مرتبہ استاذِ گرامی حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ نے غلہ خرید کر لانے کو فرمایا۔ ہم چند طلبہ گئے اور بغیر بھاؤ طے کیے راشن دوکان سے سامان خریدا اور پیٹھ پر لاد کر حضرت کی بارگاہ میں پہنچے۔ حضرت نے فرمایا: کیسے دیا؟ قیمت معلوم کی؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: نہیں۔ حضرت نے ہم لوگوں کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہمیشہ بھاؤ طے کر کے اور قیمت معلوم کر کے سامان لینا چاہیے''۔

اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت ونصیحت حاصل کریں جو کسی دوکان میں جاتے اور قیمت معلوم کیے بغیر مختلف سامان خریدتے اور پیسے ادا کر دیتے ہیں اور اپنی طبیعت سے جتنا روپیہ لینا ہوتا ہے دوکان دار لے لیتا ہے اور سامان کا بل دے دیتا ہے۔

فیضانِ تدریسی:

حضرت کے اندر مرد سازی، کردار سازی اور مدرسانہ قوت وصلاحیت غضب کی تھی۔

چنانچہ حضرت محدث کبیر قبلہ لکھتے ہیں:

''فقیہ اعظم ابی المکرّم حضور صدرالشریعہ مصنف ''بہارشریعت'' علیہ الرحمۃ والرضوان فیض رسانی کے معاملہ میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ بے شمار افراد آپ کے فیض تعلیم وتربیت سے مالا مال ہوئے۔ ہندوپاک کے اہل سنت کی تقریباً نوے فی صد درس گاہیں آپ ہی کے تلامذہ سے آباد ومنور ہیں۔ حضور صدرالشریعہ کے فیضان کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ ایک طرف اگر آپ کے تلامذہ علم وعمل کے سنگم نظر آتے ہیں تو دوسری طرف روحانیت کے علم بردار اور تصوف واخلاق کی واضح تصویر بھی دکھائی دیتے ہیں''۔

اکابرِ اُمت کے تاثرات:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ ایسی ہے کہ اپنے وقت کی عظیم شخصیتوں نے آپ کی جلالت علمی، فقہائیت اور تدریسی قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔

آپ کے بارے میں خود امام اہل سنت مجدد اعظم شاہ احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کا ارشاد گرامی ہے:

''امجد علی کو درسِ نظامی کے تمام فنون میں کافی دسترس حاصل ہے اور فقہ میں تو ان کا پایہ بہت بلند ہے''۔

اور ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا:

''آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے''۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، ص: ۸۴)

آپ کے شفیق استاذ علامہ وصی احمد محدث سورتی حافظ بخاری شریف نے فرمایا:

''مجھ سے اگر کسی نے پڑھا تو امجد علی نے''۔

استاذ الاساتذہ علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری آپ

کے بارے میں فرماتے ہیں:

"شاگرد ایک ہی ملا وہ بھی بُڑھاپے میں"۔

اسی طرح آپ کے معاصرین میں سے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری قدس سرہ نے ایک موقع پر فرمایا:

"مولانا امجد علی صاحب جواب دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک دریائے زخار ہے جو موجیں مار رہا ہے"۔

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ آپ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ اعلیٰ حضرت کے احب الخلفا ہیں"۔

نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے اپنے مدرسہ سعیدیہ ریاست دادوں ضلع علی گڑھ (۱۳۵۷ھ روداد) کے سالانہ جلسہ میں آپ کے بارے میں اپنا یہ تاثر بیان کیا:

"میرا جو ذاتی تجربہ ہے وہ یہ ہے کہ جس کو مدرس کہتے ہیں وہ ہندوستان میں چار پانچ سے زائد نہیں، ان چار پانچ میں سے ایک مولوی امجد علی صاحب ہیں"۔

(تین برگزیدہ شخصیتیں، ص:۶۹۔۶۸)

درسِ نظامیہ میں مہارت:

چودھویں صدی کے علمائے اہل سنت کو جہاں بہت سے خصائص سے ممتاز کیا گیا تھا، وہیں ان کو یہ خصوصیت بھی عطا کی گئی تھی کہ وہ ذہانت وفطانت، حفظ و یادداشت اور کتابوں کو ازبر کرنے میں کمالِ عروج کو پہنچے ہوئے تھے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کا تو کہنا ہی کیا، انھیں تو بے شمار کتابوں کی فقہی عبارات ومسائل کے جزئیات ہمیشہ ذہن میں متحضر رہتے۔ ایک مرتبہ کسی کتاب کا مطالعہ کر لینا کافی ہوتا اور مہینوں تک پوری کتاب ذہن میں محفوظ رہتی، جس کے کئی شواہد آپ کی تصنیفات اور کتب سوانح حیات میں محفوظ ہیں۔ وقت کے جلیل القدر حافظ الحدیث حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بابرکت ایسی ہے کہ جہاں آپ کو اَن گنت کتب حدیث پر عبور تھا، وہیں پوری بخاری شریف زبانی یاد اور بالکل ازبر تھی۔ خدائے ذوالمنن کے فضل وکرم سے حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ کو بھی آپ کے ان دونوں استاذ کے صدقے وطفیل وہ ذہن وفکر اور حافظہ ملا کہ زمانہ عش عش کرے۔

درسِ نظامیہ کی کتابیں خواہ منطق وفلسفہ کی ہوں یا حدیث وفقہ اور تفسیر کی، ان پر آپ کی گہری نظر تھی۔ ان کی عبارات ومفاہیم ہمہ وقت ان کی نظروں کے سامنے آئینے کی طرح روشن وجھلکتی ہوئی ہوتیں۔ کمالِ مہارت و دسترس کا عالم یہ تھا کہ بڑے سے بڑے اداروں میں امتحان لینے گئے، ایک سے ایک طباع وفطین طلبہ سے سابقہ پڑا اور امتحان لیے جانے والی کتاب کو اپنے سامنے نہ رکھا، طلبہ اپنے سامنے کتابیں رکھ کر امتحان دے رہے ہیں، مگر آپ کے پاس کتاب نہیں۔ اس کے باوجود جس طالب علم نے جہاں سے اپنا امتحان دینا شروع کیا اور اس سے متعلقہ عبارت پڑھی تو اس کے ترجمے یا توضیح وتشریح میں ایسی گرفت فرماتے کہ اس سے نکلنے کی مجال دم نہیں رہتی۔

(۱) ۳ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۴ر مئی ۱۹۹۵ء کو مولانا قاری محمد حسین صاحب مصباحی امام جامع مسجد

جکسلائی میں سعید صاحب فروٹ مرچنٹ کے یہاں ایک مجلس میں ہم (کاتب الحروف و دیگر چند اساتذۂ فیض العلوم) سے فرمایا کہ حضور صدر الشریعہ کا علمی رعب و دبدبہ بہت زیادہ تھا، جس سال آپ کو اہل سنت کی مرکزی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں امتحان لینے کے لیے دعوت دی جاتی اور طلبہ کو معلوم ہو جاتا کہ حضور صدر الشریعہ تشریف لا رہے ہیں تو طلبہ کانپنے لگتے، ہراساں و ترساں ہوتے اور کتابوں کی تیاری خوب زور و شور سے کرنے لگتے تھے۔ اور جب امتحان لینے لگتے تو آپ کبھی اپنے سامنے کتاب نہیں رکھتے اور نہ ہی عبارات دیکھتے۔ آپ اختیار دے دیتے، جو جہاں سے چاہتا پڑھتا، پھر اسی عبارت سے متعلق ترجمہ و تشریح کی بحث اور سوال و جواب کا سلسلہ چل پڑتا، مگر اخیر میں کوئی ایسا سوال ضرور لا دیتے کہ وہ پھنس جاتا اور اس سے راہِ فرار اختیار نہیں کر پاتا (اور پھر حضرت قاری موصوف نے ایک بڑے ذہین، طالب علم کی نشان دہی کی جو ان کے ساتھ بخاری شریف کے امتحان میں شریک تھے اور آج ایک عظیم بے باک دینی رہنما مانے جاتے ہیں کہ انھیں بھی حضرت صدر الشریعہ نے بحث و تمحیص کے بعد بالکل ساکت و لاجواب کر دیا)

آپ کے سامنے یہ ان عظمت والے طلبہ اور اس جلالۃ العلم حافظ قوم و ملت کے شاگردوں کا حال ہے، جن کا علمی سکہ پوری دنیا میں بیٹھا ہوا ہے اور جن کے سامنے ایوانِ بدمذہب کے فصحا و بلغا اور وقت کے علم داں و فن کار ایسے دبے لچے معلوم ہوتے ہیں کہ یا تو ان کے منہ میں زباں نہیں یا جسم میں جاں نہیں۔

اولئک اٰبائی فجئنی بمثلھم
اذ اجتمعنا یا جریر المجامع

(۲) ۲۴؍ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ کی بات ہے۔ پیر طریقت حضرت مولانا غلام آسی پیا سے مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں ملاقات ہوگئی، یہ دریافت کرنے پر کہ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ کے تبحر علمی کے تعلق سے کوئی اہم واقعہ آپ کے علم میں ہو تو بتائیں۔ حضرت نے فرمایا:

"مولانا! میں اپنے فارغ اوقات میں حضرت کے درِ دولت پر حاضر ہوتا اور کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا تھا۔ حضرت صدر الشریعہ جب پڑھاتے تو محسوس ہوتا کہ ایک ایک کتاب کے کئی کئی حاشیے ازبر ہیں، خصوصاً حاشیہ قاضی مبارک مصنفہ مجاہد آزادی امام المنطق والفلسفہ علامہ فضل حق خیر آبادی وعلامہ عبدالحق خیر آبادی (چند اور کتابوں کے حاشیے کا ذکر مولانا موصوف نے کیا مگر راقم کو یاد نہ رہا) تو بالکل ازبر تھے"۔

حضرت مولانا ممدوح نے اسی ضمن میں ایک واقعہ سنایا جو حضرت صدر الشریعہ کے تبحر علمی اور حفظ و یادداشت پر روشن دلیل ہے۔ فرمایا کہ:

"جب آپ زندگی کے آخری ایام سے گزر رہے تھے اور بینائی متاثر ہو چکی تھی (کئی افرادِ خانہ کے پے در پے انتقال پُر ملال اور پیہم حادثات کے سبب) تو ایک دن کیا دل میں آیا کہ دردِ تعلیم و تربیت سے تڑپ اٹھے اور اپنے بڑے صاحبزادے علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری قدس سرہ سے فرمایا کہ فلاں فلاں

بزرگ کا حاشیہ فلاں جگہ الماری میں ہے، اسے لے آؤ۔ وہ لے کر آئے تو فرمایا: اس اس صفحہ پر یہ عبارتیں ہیں، میں انھیں پڑھتا ہوں، تم ملاؤ۔ پھر علامہ موصوف نے حاشیہ قاضی مبارک وغیرہ لا کر مذکورہ صفحہ کھولا۔ ادھر حضرت زبانی عبارت پڑھتے جاتے اور علامہ موصوف ملاتے جاتے، حضرت کی عبارت میں سرمو فرق نہ تھا"۔

یہ تھا علم وہی جس پر امتدادِ زمانہ کی گرد نہیں پڑتی۔ خوش بخت ہیں وہ حضرات جنھوں نے علم لدنی صرف سنا ہی نہیں بلکہ مشاہدہ بھی کیا۔

اس واقعہ سے جہاں آپ کے حافظے اور کتابوں کے از بر ہونے کا پتہ چلتا ہے، وہیں اس امر پر خاصی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت صدر الشریعہ اپنے صاحبزادوں اور شاگردوں کو علم کے معاملے میں کس رنگ میں رنگنا چاہتے تھے۔ لاریب وہ مزاج دینا چاہتے تھے کہ علم صرف کاپی و کاغذ پر قلم بند کر لینے یا کتاب ہی پر تکیہ کر لینے کا نام نہیں، بلکہ اسے لوحِ دل پر ثبت کر لینے کا نام ہے کہ کاپی و کتاب تو غائب ہو سکتی ہے، پھر اس کے کھو جانے سے زندگی کا سارا سرمایہ کھو جائے گا، لیکن دل ہمیشہ کا ساتھی رہتا ہے، لہٰذا اگر اس میں علم کو محفوظ کر لیا جائے تو تہی دامنی کا شکار نہیں ہوا جا سکتا۔

حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی علیہ الرحمۃ الباری کا معروف و مشہور واقعہ اس سلسلہ میں نوشتہ عبرت ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کی آواز کی بلندی:

جس طرح جسمانی طاقت و قوت، عقل و خرد، شجاعت و بہادری اللہ کی نعمتوں میں ہے اور انسانی کمالات میں شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح مؤثر اندازِ گفتگو، زورِ بیانی اور بلند آوازی بھی ہے کہ ہر مخاطب اچھی طرح سن لے اور اس کے دل و دماغ میں گھر کر جائے۔ اللہ تعالیٰ کے افضال میں سے ایک عظیم فضل ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آوازِ مبارکہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شیخ محقق دہلوی قدس سرہ العزیز مدارج النبوۃ جلد اول میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک کسی کی آواز نہ پہنچ سکی تھی، وہاں تک آپ کی آواز بے تکلف پہنچ جاتی تھی۔ خصوصاً ایسے خطبوں کی آواز، جو نصیحت، تخویف یا خدا سے ڈرانا ہوتا تھا۔ چنانچہ پردہ میں بیٹھی ہوئی مستورات بھی آپ کی آواز سنتی تھیں۔ آپ نے ایامِ حج میں منیٰ میں جو خطبہ دیا تھا، اس نے تمام لوگوں کے کان کھول دیئے اور ہر ایک نے اس خطبہ کو اپنی اپنی منزلوں میں سنا۔ (منیٰ میں دور و نزدیک جو بھی تھا ہر ایک نے سنا)"۔ (مدارج النبوۃ جلد اول مترجم، ص:۲۲، غلام معین الدین صاحب نعیمی)

اور آپ کے شہزادے حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بلند آواز اور مؤثر اندازِ بیان کے مالک تھے۔ مشہور ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں ہزاروں افراد ہوتے اور ہر ایک کو بلا تکلف آواز پہنچتی تھی۔ جب ہم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی خصوصیات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اندر بلند آوازی کی خصوصیت موجود تھی۔

الجامعۃ الاشرفیہ میں دورانِ تعلیم استاذِ گرامی حضرت مولانا نصیر الدین صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

نے ہم سے فرمایا کہ:

''حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی آواز بہت بلند تھی، جب وہ تقریر فرماتے تو دیولی (مبارک پور کے قریب ایک گاؤں) تک آپ کی آواز پہنچتی تھی''۔

اسی طرح فاضل اشرفیہ مولانا قاری محمد حسین صاحب خطیب جامع مسجد جکسلائی، جنھیں حضرت صدر الشریعہ سے شرفِ لقا حاصل ہے کہ حضرت صدر الشریعہ ہی نے ان کے آخری سال بخاری شریف وغیرہ کا امتحان لیا تھا، انھوں نے ۴/اپریل ۱۹۹۵ء کو ایک ملاقات میں فرمایا کہ:

''حضرت صدر الشریعہ کی آواز دورانِ تقریر بہت بلند ہوتی تھی، گولا بازار کے پروگرام میں کافی مجمع رہتا تھا اور حضرت تقریر فرماتے اور ہر ایک تک آواز بخوبی پہنچتی تھی''۔

ان واقعات کی تصدیق حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے اندازِ تقریر و بیان سے بھی ہوتی ہے۔ آپ کی زیارت اور تقریر سے مشرف ہونے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ دیکھنے میں کمزور معلوم ہوتے تھے، مگر جب کرسی خطابت پر بیٹھتے تو جو حصہ زیادہ اہم ہوتا اسے خوب زورِ بیانی اور بلند آواز میں بیان فرماتے، تاکہ بات پورے طور پر قلب و دماغ میں اتر جائے۔ اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ حضرت حافظ ملت قدس سرہ العزیز پورے طور پر آئینہ دار تھے، اپنے استاذ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کے۔ اپنی رفتار و گفتار اور عمل وغیرہ میں انھیں کے نقش قدم پر اپنے کو ڈھالا اور اتباعِ رسول میں اپنی سیرت و اطوار کو انھیں کے رنگ میں رنگ دیا۔

بریلی شریف دار القضا کا قیام اور اس کے لیے قاضی کا انتخاب:۔ یہ بات سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے کہ مینارۂ علم و فن، ماہتابِ رشد و ہدایت، معتمد عرب و عجم، ہمدردِ قوم و ملت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو قوم و ملت کے مسائل کے حل اور ان کے فیصلہ و قضا کے لیے دار القضا کے خیال نے جب بے چین و بے قرار کیا تو اسے قائم کر کے آپ نے قاضی کے لیے ۱۳۳۹ھ میں حضرت صدر الشریعہ کو منتخب کیا، جس سے آپ کی ذہانت، استحضار، فقاہت اور منصف قضا سنبھالنے کی قوت و قابلیت کا اندازہ لگتا ہے۔

حضرت برہان الحق جبل پوری قدس سرہ رقم فرماتے ہیں:

''بریلی شریف میں دار القضا شرعی کے لیے قاضی شرع اور قاضی شرع کو شرعی احکام و اعانت کے لیے مفتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دن صبح قریب ۹/ بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے، تخت پر قالین بچھانے کا حکم فرمایا۔ ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لیے فرما رہے ہیں۔ پھر حضرت امام اہل سنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں آج بریلی میں دار القضا بریلی کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں۔ اور انھیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قاضی کے منصب پر انھیں بیٹھا کر فرمایا: میں آپ کو ہندوستان

کے لیے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے کوئی مسائل پیدا ہوں، جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کر سکتا ہے، وہ قاضی شرعی کا اختیار آپ کے ذمے ہے۔ پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے، جن کا اقرار حضرت صدر الشریعہ نے کیا۔ حضرت صدر الشریعہ نے دوسرے ہی دن قاضی شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک معاملہ کا فیصلہ فرمایا"۔

(اکرامِ امام احمد رضا، ص:۱۰۶)

حضرت صدر الشریعہ اور تحریک ترکِ موالات:۔

حضرت صدر الشریعہ اپنے اندر دین کا بہت جذبہ رکھتے تھے اور ہمیشہ قومِ مسلم کی اصلاح اور تعمیر میں حصہ لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ محسن قوم وملت مجددِ اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ سے جب سے وابستہ ہوئے، برابر اُن کی معاونت کرتے اور آج دس سال ہوگئے کہ برابر انجمن فیضانِ ملت فیض العلوم جمشید پور اور دیگر انجمنوں کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے عرسِ امجدی میں راقم السطور دورانِ تقریر برملا اور بڑے فخر سے کہتا ہے کہ افرادِ اہل سنت پر صدر الشریعہ کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ آپ نے مجددِ اعظم سے ترجمۂ قرآنِ مقدس کروا کر اور خود بہار شریعت لکھ کر مسلمانوں کے ایمان وعقائد کی حفاظت فرمائی ہے۔

۱۹۲۰ء میں ابوالکلام آزاد اور گاندھی کی تحریک خلافت، تحریک ترکِ موالات اور تحریک ہندو مسلم اتحاد بہت زور وشور کے ساتھ مسلمانوں کے دین وایمان کو برباد کرنے کے لیے چلائی گئی۔ ابوالکلام آزاد کی صدارت میں ان موضوعات پر ایک کھلا اجلاس بریلی شریف میں ہوا۔ اس میں مجددِ اعظم نے ابوالکلام آزاد اور اس کے حوالی موالی کی سخت گرفت کی اور اس کے غیر اسلامی رویے اور اقوالِ کفریہ پر سخت اعتراضات کیے، جو ستر سوالات پر مشتمل تھے اور ان سوالوں کو ایک وفد کے ذریعہ بھیجا، ان میں حضرت صدر الشریعہ بھی تھے۔ ان سوالات کو ترتیب دینے والی ذاتِ گرامی حضرت صدر الشریعہ کی ہے، جن کا جواب دینے سے ابوالکلام آزاد اور اس کے متبعین عاجز وقاصر رہے اور آج تک یہ ان پر قرض ہے، جس سے سبکدوش نہیں ہوا جا سکتا۔

حضرت برہان الحق جبل پوری قدس سرہ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت کے موقف کے مطابق مولانا امجد علی صاحب کے مرتب کردہ ستر سوالات کا مجموعہ مسمّٰی بہ "اتمام حجت نامہ" طویل اشتہار کی شکل میں چھپ چکا تھا اور وفد کے جانے سے پہلے اجلاسِ عام کے منتظمین کو بھیجا جا چکا تھا، تا کہ ان سوالات کا جواب تیار رکھیں۔ علما کا وفد نو بجے شب کانگریسی جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ میرے علاوہ بے شمار علما اور عام اہل سنت بھی وفد کے ہمراہ بڑے وقار وتحمل کے ساتھ جا رہے تھے۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرآبادی نے مجھے اپنے درمیان لے لیا۔ ہم جلسہ گاہ پہنچے، بہت بڑا اجتماع تھا"۔

(اکرامِ امام احمد رضا، ص:۱۱۰)

حضرت صدر الشریعہ کے مرتب کردہ ان سوالات کے اندر کئی پختگی اور سچائی ہے، اسے خود ابوالکلام کی زبانی

معلوم کیجیے:

''وبعض باتیں حقیقت ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اب ہمیں آزادی کا جو مسئلہ حل کرنا ہے اس کے آگے یہ تمام باتیں فی الحال زیادہ توجہ کے قابل نہیں ہیں، مگر احتیاط بہر حال ضروری ہے''۔

روانگی کے وقت ابوالکلام آزاد نے اپنی شکست کا جو اعتراف کیا ہے اور اہل سنت کو جو کامیابی ملی، اسے حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی جو علمائے کرام کے ساتھ وہاں موجود تھے، کے خط سے ملاحظہ کیجیے، جسے انھوں نے فاضل بریلوی کے نام اہل سنت کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے ان ہی ایام میں تحریر فرمایا تھا:

''روانگی کے وقت بریلی اسٹیشن پر ایک تاجر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ابوالکلام جس وقت بریلی سے جارہے تھے، میں ان کے ساتھ تھا۔ وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ ان کے (احمد رضا اور ان کے متبعین کے) جس قدر اعتراضات ہیں، حقیقت میں سب درست ہیں۔ ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں، جن کا جواب نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے''۔ (تین برگزیدہ شخصیتیں، ص:۸۶)

خلیفہ اعلیٰ حضرت حضور صدرالشریعہ کے مرتب کردہ سوالات کا یہ حال ہے کہ ان کے جواب دینے میں اغیار وحزب مخالف کچپانے لگتے اور ہمت ہار دیتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ مجد و بزرگی اور علم میں پختہ تھے۔ اسی لیے تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

بلکہ رضا کے شاگردوں کا نام لیے گھبراتے یہ ہیں
میرا امجد مجد کا پکا اس سے بہت کچپاتے یہ ہیں

عالم کی تعریف اور حضرت محدث اعظم کا تاثر:۔ ۲۴؍ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۵؍مئی ۱۹۹۵ء کو راقم سے پیر طریقت فیض العارفین حضرت غلام آسی پیا زید مجدہ نے عالم وجاہل کی تعریف پر صدرالشریعہ کے جامع الفاظ کا واقعہ سنایا، جو بڑا ہی دل نواز ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ:

''بریلی میں ایک مجلس میں حضرت صدرالافاضل حضرت ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری، حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں، حضرت محدث اعظم کچھوچھوی اور حضرت صدرالشریعہ قدس سرہم جیسے بڑے بڑے علما موجود تھے اور میں بھی وہاں موجود تھا۔ حضرت محدث اعظم قدس سرہ العزیز نے سبھوں سے عالم کی تعریف دریافت کی، ان بزرگوں میں سے ہر ایک نے فرداً فرداً عالم وجاہل کی تعریف کی، اخیر میں حضرت محدث موصوف نے حضرت صدرالشریعہ سے مخاطب ہو کر عرض کیا: آپ کے نزدیک عالم کی کیا تعریف ہے، بیان فرمائیے؟ حضرت نے فرمایا: میرے نزدیک عالم وجاہل کی ایک ہی تعریف ہے۔ اس جملہ پر سارے بزرگ چونک گئے کہ آخر علم وجہل تو دو متضاد چیزیں ہیں، دونوں کی ایک ہی تعریف کیسے ہوگی، لیکن حضرت محدث اعظم کہنے لگے: سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا کہنے ارشاد ہو! اس کے بعد حضرت صدرالشریعہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک جاہل وعالم دونوں کی تعریف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ''جس کا

پڑھا بے پڑھا دونوں برابر ہو"۔ یہ سن کر مجلس میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور مسرت میں جھومتے ہوئے حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ اہل مجلس کی طرف مخاطب ہوکر فرمانے لگے: سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا خوب تعریف ہے کہ ایک ہی جملہ میں عالم کی تعریف بھی ہے اور جاہل کی بھی، یعنی عالم وہ ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے، وہ تو از بر ہے ہی اور جس چیز کو نہیں پڑھا، وہ بھی معلوم ہے۔ اور جاہل وہ ہے کہ جس چیز کو نہیں پڑھا، وہ تو اس کے نزدیک نامعلوم و مجہول ہے ہی اور جسے پڑھا اسے بھی طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔ گویا وہ پڑھ کے بھی بے پڑھا ہے"۔

اس سے حضرت صدر الشریعہ کی تبحر علمی اور خوبی بیان اور بلاغت کا اندازہ لگایئے کہ کتنی خوش اسلوبی کے ساتھ اور کتنے مختصر الفاظ میں کسی مفہوم کی تعبیر فرما دیتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی یہاں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے کہ تاریخ ساز و تبحر شخصیتوں کی نظر میں آپ کا علمی وقار کتنا تھا کہ اخیر میں آپ ہی کی طرف کسی مسئلہ کے سلجھانے میں رجوع کیا جاتا ہے اور اس کے قول کو فیصل کی حیثیت دے کر حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔

حضرت مفتی اعظم ہند کا آپ پر اعتماد:۔ سیدنا اعلیٰ حضرت مجددِ علی الاطلاق اور حضرت حجۃ الاسلام کے دار الافتا بریلی کے تشخص کو برقرار رکھنے میں مفتی اعظم ہند سیدی محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ سرخیل کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی فقاہت، علمی وقار، فضل و کمال اور تقویٰ و پرہیزگاری کا زمانہ معترف ہے۔ آپ اپنے وقت میں فقہی بصیرت اور علمی استحضار میں تو اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ بغیر کتاب دیکھے کسی استفتا کا جواب برجستہ مفصل طور پر دیتے۔

اس کے باوجود حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا تفقہ ملاحظہ کیجیے کہ بسا اوقات حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان آپ کے اوپر اعتماد فرماتے تھے۔ حضور محدث کبیر رقم طراز ہیں:

"حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز جب اپنے آخری سفر حج کو روانہ ہوئے تو شاہ گنج اسٹیشن سے بخار ہو گیا اور بریلی شریف پہنچتے پہنچتے بخار نے اتنی شدت پکڑ لی کہ اکثر بے ہوشی کا سا عالم ہوتا۔ اس وقت بریلی میں مولانا مجیب الاسلام صاحب ادروی خدمت و عیادت میں مصروف تھے۔ ان کا بیان ہے کہ انھیں ایام میں حضور مفتی اعظم ہند قبلہ کی خدمت میں چند مسائل کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی جواب متحضر نہیں ہے اور سفر حج کی تیاریوں کی وجہ سے کتاب دیکھنے کی فرصت بھی نہیں ہے۔ صدر الشریعہ کے سامنے پیش کرو۔ وہ مسائل حضرت صدر الشریعہ کو سنائے گئے، آپ نے اسی شدتِ مرض کے عالم میں بستر علالت پر لیٹے ہی لیٹے تمام سوالات حل فرما دیئے"۔ (مقدمہ فتاویٰ امجدیہ، جلد اول)

(۲) تحریک خلافت کے دوران مسٹر ظفر بی اے کی ایک نظم بعنوان "نالۂ خلافت" کئی بار شائع ہوئی، پھر ۷/ جون ۱۹۲۵ء کے اخبار "زمیندار" میں وہی نظم "فیصلۂ کفر واسلام" کے عنوان سے دوبارہ منظر عام پر لائی گئی۔ اس کے

تین اشعار یہ ہیں:۔

یہ سچ ہے کہ اس پر خدا کا چلا نہیں قابو
مگر ہم اس بتِ کافر کو رام کردیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں
وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

کوئی بھی مومن ان گندے اشعار کو پڑھے گا تو وہ ضرور متنفر و بیزار ہوگا کہ یہ سراسر اسلام کے منافی ہیں۔ معاذ اللہ!

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا براہین و دلائل سے تفصیلی مبرہن جواب مرقوم فرمایا۔ لکھا کہ شعر اول کے دونوں مصرع کفر خالص ہیں۔

پہلے میں صاف تصریح کی کہ:

"اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا، معاذ اللہ! بے شک ان اشعار کا قائل وقابل کافر۔ اور جو اس کے کفر و مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے، وہ بھی اسی کا ساتھی۔ یہ اللہ عزوجل کی توہین اور اس کی قدرتِ عظیم کاملہ "ان اللہ علی کل شیء قدیر" کا رد و انکار ہے۔ یہ سرے سے الوہیت کا انکار ہے کہ جو عاجز ہو خدا ہو ہی نہیں ہوسکتا۔۔الخ۔

دوسرے مصرع میں برملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا۔۔۔۔الخ

تیسرا شعر کھلا الحاد و کفر و زندقہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی و مالوی اس کے نزدیک برابر ہیں۔ خدا اور رام ایک ہی ہے، کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں۔ اس قائل کے نزدیک خدا خدا نہ کیا رام رام کر لیا، بات ایک ہی ہے، حاصل وہی ہے۔ حالاں کہ ہرگز خدا رام نہیں اور ہرگز رام خدا نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مفتی اعظم نے بہت ہی ٹھوس و مسکت جواب و استدلال سے مذکورہ اشعار کے کفری ہونے کو واضح فرمایا اور اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "انوارِ مفتی اعظم")

فقیر راقم الحروف کو عرض یہ کرنا ہے کہ اس تاریخی علمی فتاویٰ پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت نے جہاں اور چوٹی کے انیس علما و فقہا، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا حشمت علی خاں قادری لکھنوی وغیرہم سے تصدیقات لکھوائیں، وہیں حضرت صدر الشریعہ فقیہ اعظم مولانا امجد علی صاحب سے بھی تصدیق کروائی۔ اور ان بزرگوں میں سب سے پہلے حضرت صدر الشریعہ کی تصدیق مرقوم ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کی تبحر علمی اور فقاہت اور تصدیق کی اہمیت حضرت مفتی اعظم کے دل میں بہت تھی۔

صدر الشریعہ اور حسن اہتمام:

یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان کے اندر کوئی ایک خوبی ہوتی ہے تو دوسری خوبی نہیں۔ یہ کم سنا گیا ہے کہ ایک انسان کے اندر بہت ساری خوبیاں جمع کردی گئی ہوں۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اندر بیک وقت کئی خوبیاں اللہ تعالیٰ نے جمع کردی تھیں۔ جہاں آپ کو اور چیزوں میں فضل و کمال اور دسترس حاصل تھی، وہیں حسن انتظام میں بھی مثال نہ رکھتے تھے، جس کی بنا پر بڑوں میں قدر کی نگاہوں

سے دیکھے جاتے تھے۔

چنانچہ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے لکھتے ہیں:

> "اعلیٰ حضرت بریلوی کو اپنے مدرسہ کے لیے ایک قابل مدرس کی ضرورت پڑی تو حضرت محدث سورتی نے آپ کا نام پیش کیا، آپ بریلی پہنچے، دارالعلوم منظر اسلام میں مدرس مقرر ہوئے، آپ کی قابلیت اور حسن انتظام کو اعلیٰ حضرت نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور دارالعلوم کا سارا انتظام آپ کے حوالے کردیا۔ آپ اعلیٰ حضرت کے مرید بنے اور پھر خلیفہ بنے"۔ (حاشیہ الاستمداد، ص:۹۱-۹۰)

فتویٰ نویسی اور فیضانِ اعلیٰ حضرت:

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ حضرت صدرالشریعہ ایک مختصر سی زندگی میں گھریلو کثرتِ مصروفیات کے باوجود کیسے اتنے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دے گئے کہ ایک طرف بے مثال شاگردوں اور دینی سپاہیوں کی زبردست ٹیم تیار کرنا تو دوسری طرف "بہارشریعت" جیسی ضخیم کتاب تیار کرنا، پھر خدمت خلق، بیعت وارشاد اور دارالعلوم منظراسلام کی خدمات وغیرہ کئی طرح کے اشغال اس کے باوجود کثرتِ فتاویٰ نویسی کا کام (جیسا کہ فتاویٰ امجدیہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے) آخران کے کام میں اتنی برکتیں کہاں سے آئیں۔ لیکن ذہن کی خلش اس طرح دور ہوجاتی ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے بزرگوں کا سایۂ کرم ودست شفقت ہو، اس کے وقت اور کام میں ضرور برکت ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد اسے پھر کہیں تنگیِ وقت اور ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا ہے۔

مجھ پر اس کا واضح طور پر انکشاف اس وقت ہوا جب آپ کی سوانح حیات پر میں نے ایک سرسری نظر ڈالی۔ اس کی جیتی جاگتی تصویر انھیں کی نوکِ قلم سے ملاحظہ کیجیے۔ اپنے شفیق استاذ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں کہ:

> اس کے بعد بلاتکلف اس خدمت افتاوغیرہ کو انجام دیتا رہا اور یہ سمجھ لیا کہ جس طرح اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات میں لوگوں کے سامنے اس کام کو تفویض فرمایا تھا، اب بھی اس کام کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں اور جو کچھ دشواریاں ہوں گی، اس میں وہ خود مددگار ہوں گے۔ چنانچہ کبھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے اس سلسلے میں دشواریاں پیش نہیں آئیں، الحمدللہ"۔
>
> (خودنوشت سوانح، بحوالہ دیباچہ فتاویٰ امجدیہ اول)

مزید برآں حضرت صدرالشریعہ کا مقام افتاوفقہ میں کتنا بلند تھا، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وقت کے چوٹی کے عالم علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

> "آپ کو فقہ کے جمیع ابواب کے تمام جزئیات ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ متحضر تھے"۔

صدرالشریعہ اور فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب:

اربابِ علم و دانش کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کے بعد ہندوستان کو سب سے بڑا علمی ذخیرہ فتاویٰ رضویہ ملا ہے، جو درحقیقت ایک اَنمٹ انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کے بعد روحانی وعملی زندگی میں نکھار و بہار لانے والی شاہکار علم وفن "بہارشریعت" کا تحفہ۔ مگر ایک زمانے تک

فقہی انسائیکلو پیڈیا ترتیب وطباعت کا منہ نہ دیکھ سکا اور امت کو اس سرمایہ سے غیر مستفیض وناآشنا رہنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ استاذ العلما حافظ مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم اور استاذ گرامی بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب مبارک پوری کے درجات بلند فرمائے کہ ان حضرات نے بڑی جانفشانی ومشقت اٹھا کر تیسری جلد سے آٹھویں جلد تک فتاویٰ رضویہ کی ترتیب وتبویب کر کے اور طباعت کرا کر امت مرحومہ پر بڑا احسان کیا ہے، جب کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی یہ بے لوث خدمت اور عظیم کارنامہ بھی تا قیامِ قیامت بھلایا نہیں جاسکتا کہ انھوں نے ہی فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب واشاعت کا کام انجام دیا۔ چنانچہ انھوں نے خود اجمیر شریف جاتے وقت حضرت شارحِ بخاری قبلہ سے اس کی بابت فرمایا۔ حضرت شارحِ بخاری دام ظلہم لکھتے ہیں:

''کسی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب بھی حضرت مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب کردی، جب کہ یہ کام حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا: جب میں اجمیر جانے لگا تو کچھ کاغذ مطبع اہل سنت میں موجود تھا، میں نے جلدی جلدی فتاویٰ رضویہ جلد دوم کو مرتب کیا اور چھپوادیا''۔ (مقالہ از مفتی شریف الحق صاحب شارحِ بخاری، مشمولہ انوارِ مفتی اعظم، ص:۲۷۶)

آپ کو صدر الشریعہ کا خطاب کس نے دیا:

کبھی کسی انسان کو، عقیدت مندوں اور مریدوں کی طرف سے القاب وخطابات ملتے ہیں، اس میں یہ امکان ہے کہ خوش عقیدگی میں مبالغہ آرائی یا خلافِ واقعہ وصف بیانی سے کام لیا گیا ہو، مگر کتنا بلند پایہ مقام ہوگا اس شخص کا جسے اچھے اور اعلیٰ خطاب سے یاد کر رہا ہے تو کوئی عام انسان یا مرید ومتوسل نہیں، بلکہ علم وفن کا شہنشاہ اور دنیائے سنیت کا تاجدار ہے، جس کو عاشق رسول اعلیٰ حضرت مجددِ اعظم امام اہل سنت سے زمانہ جانتا اور پہچانتا ہے۔ عظیم المرتبت شخصیت نے ہی حضرت مولانا امجد علی قدس سرہ کو ''صدر الشریعہ'' کے خطاب سے نوازا۔ اس ہستی نے اس لقب سے ملقب کیا، جو خلافِ حقیقت مبالغہ آرائی سے کوسوں دور رہتی تھی اور مدح ووصف بیانی بھی اپنے محبوبِ حقیقی ہی کی کرنیوالی تھی یا اس کی جو اس محبوب کا محبوب ہو جائے۔ کیا مجال کہ کوئی اہل دولت وثروت اس ثنا خوانِ مصطفیٰ، واصف شاہِ ہدیٰ کی زبان سے اپنی مدح کرالے۔ ان کا سرمایۂ حیات تو بس یہ تھا: شعر

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

معلوم ہوا کہ جس ذاتِ گرامی کے نزدیک مدح وستائش اور القاب وخطابات کے لیے زبان کھولنے کا معیار یہ ہو، وہ ہرگز کسی لفظ کو غیر محل میں نہ رکھے گی۔ بلکہ شخصیت کے لحاظ سے جو لفظ موضوع موزوں رہے گا، وہی لفظ استعمال کرے گی۔

اب آیئے ذرا لفظ صدر الشریعہ کے معنی پر غور کریں، تا کہ اس سے خفا کا پردہ چاک ہو جائے اور ذات وشخصیت اجاگر ہو کر سامنے آئے۔

مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ''صدر الشریعہ'' کے معنی کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قولہ ابن صدر الشریعۃ صدر القوم یقال

لاجلهم وافضلهم فالمعنى اجل اهل الشريعة ويجوز ان يكون بمعنى صدر الانسان فهو لكثرت ممارسته بالممارسة الدينية كان كالجزء الاعلى من الانسان".

ترجمہ:۔ یعنی صدر کے معنی زیادہ بزرگی والا اور افضل کے آتے ہیں اور صدر القوم، قوم کے بزرگ ترین اور افضل شخص کو کہا جاتا ہے۔ تو اب صدر الشریعہ کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت کے جاننے والے اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں میں سب سے زیادہ بزرگ شخص اور یہ بھی ممکن ہے کہ صدر کے معنی صدر انسان، یعنی انسان کا سینہ و دل ہوں اور یہ لقب اس مناسبت سے دیا گیا کہ انسان کا سب سے اعلیٰ واشرف جز سینہ و دل ہے تو جو انسان دین و شریعت سے کثرتِ ممارست اور کافی لگاؤ رکھے گا تو وہ انسانوں میں اعلیٰ و بلند مرتبت ہے، جیسے انسان کا جزءِ اعلیٰ دل و سینہ۔

صدر الشریعہ کے خطاب کے تعلق سے یہ اظہر من الشمس ہو گیا کہ حضرت مولانا شاہ امجد علی قدس سرہ واقفانِ علم شریعت و متبعین شریعت میں اجل و بزرگ ترین اور بنی نوعِ انسان کی جان و دل ہیں۔

اعلیٰ حضرت واقف اسرارِ شریعت امام اہل سنت نے آپ کی اس جلالت علمی و بزرگی کا اظہار اس وقت بھی کیا ہے، جب بہار شریعت پر تقریظ لکھی۔ اس مقام پر وہ ان الفاظ میں یاد کرتے ہیں:

"اخی فی الله ذی المجد والجاه والطبع السليم والفكر القويم والفضل والعلى مولانا ابو العلى".

مجددِ اعظم کی طرف سے یہ وہ تمغۂ مجد و جاہ اور کمال فضل و علو مرتبت ہے، جس کے سبب اہل علم بھی آپ کی جوتیوں کو اپنے سر پر رکھنے کو اپنے لیے فخر و انبساط کا باعث سمجھتے ہیں۔

۴ر ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ کو مولانا مبین الہدیٰ صاحب نورانی خلیفۂ مفتی اعظم ہند نے ایک ملاقات پر راقم سے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ:

"ایک مرتبہ سید العلما حضرت سید آلِ مصطفیٰ مارہروی قدس سرہ "بیت الانوار" گیا ایک جلسہ کی بابت تشریف لائے، خواص و عوام کی ایک مجلس میں حضرت صدر الشریعہ کا تذکرہ چھڑ گیا تو حضرت سید العلما نے برجستہ فرمایا کہ حضرت صدر الشریعہ کا وہ مقام ہے کہ اگر آپ کی جوتیاں مجھے مل جائیں تو میں اپنے سر پر رکھنے کو باعث فخر و انبساط سمجھوں گا اور انھیں سر پہ لیے گھومتا رہوں گا"۔

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

آپ کے تلامذہ:

حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ:

"آدمی وفات پا چکتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں، مگر تین چیزیں اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں اور فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ (۱) صدقۂ جاریہ (۲) علم نافع (علم دین) (۳) نیک اولاد، جو اس کے لیے دعائے خیر کرے"۔ (مشکوٰۃ شریف)

یہ حضور صدر الشریعہ کی کمالِ خوبی ہے کہ آپ کی زندگی

زبانِ رسالت کے بیان کردہ ان تینوں اعمال کے معیار پر بدرجۂ اتم اترتی ہے۔ جہاں آپ نے کئی ہزار صفحات پر مشتمل "بہارِ شریعت، فتاویٰ امجدیہ" لکھ کر قوم کو علمی ذخیرہ دے کر صدقۂ جاریہ اور نہ ختم ہونے والے ثواب کا کام کیا ہے، وہیں علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری، علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب محدث کبیر، فخر القرا مولانا قاری رضاء المصطفیٰ صاحب، مولانا ثناء المصطفیٰ صاحب، صاحب الفضل مولانا بہاء المصطفیٰ صاحب، حضرت استاذِ گرامی مولانا فداء المصطفیٰ صاحب جیسی صالح اولاد چھوڑی، جنھوں نے اپنے علم وفضل کے دریا بہائے اور آج بھی بہار ہے ہیں اور زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق گزارنے میں قابل تقلید نمونہ ہیں۔ اور آپ نے جو علم حاصل کیا اور دوسروں تک پہنچایا، وہ سراپا علم نافع ہے، خود بھی اسے سینے میں بسایا اور اس پر عمل پیرا ہو کر دین کا احیا فرمایا اور شاگردوں اور متوسلین تک بھی پہنچا کر نفع رسانی کا کام کیا۔ وہ علم ہے، علم قرآن، علم حدیث اور علم فقہ۔

ان علومِ نافعہ کو ایسا پہنچایا کہ لینے والے ہر ایک کو وقت کا امام بنا دیا۔ کسی کو علم حدیث کا امام، کسی کو آلۂ علومِ نافعہ منطق ونحو کا امام، کسی کو زہد وتقویٰ کا امام، کسی کو تفسیر کا امام تو کسی کو تصوف واخلاق کا غزالی اور کسی کو فقہ کا امام محمد۔

اس آفتابِ علم وفن اور ماہتابِ زہد وورع کے گرد گھومنے والے درخشندہ ستاروں کی ایک لمبی فہرست ہے، لیکن مشہور تلامذہ کے اسما یہ ہیں:

(۱) محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب لائل پوری علیہ الرحمہ۔

(۲) شیر بیشۂ اہل سنت مناظر اعظم حضرت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ۔

(۳) سید العلما سید آلِ مصطفیٰ مارہروی علیہ الرحمہ۔

(۴) حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ۔

(۵) مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قادری اڑیسہ علیہ الرحمہ۔

(۶) حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ۔

(۷) شمس العلما حضرت قاضی شمس الدین صاحب جونپوری علیہ الرحمہ۔

(۸) مفتی کانپور حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب مظفرپوری علیہ الرحمہ۔

(۹) حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی علیہ الرحمہ۔

(۱۰) حضرت مولانا سلیمان صاحب بھاگلپوری اشرفی علیہ الرحمہ۔

(۱۱) حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ۔

(۱۲) حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ پاکستان۔

(۱۳) حضرت مولانا مبین الدین امروہوی علیہ الرحمہ۔

(۱۴) حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی علیہ الرحمہ۔

یہ شاگردوں کی وہ ٹیم ہے، جو بذاتِ خود اپنے اپنے وقت کے سرچشمۂ علم وحکمت، امام علم وفن، آفتابِ جاہ وجلال، ماہتابِ فضل وکمال اور مردِ میداں رہے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے بے شمار شاگرد وہ ہیں، جنھیں احاطۂ تحریر میں لانا محال

نہیں تو مختصر ضرور ہے۔ یہ افراد وفحول تو صرف قریباً دس سال کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں، جو انھوں نے ۱۳۴۳ھ سے ۱۳۵۳ھ تک خواجہ کی نگری میں مدرسہ معینیہ اجمیر معلیٰ کے قیام کے دوران تیار کیا، ورنہ آپ ابتدا میں محدث سورتی کے مدرسۃ الحدیث میں بعدہ مرکز اہل سنت منظر اسلام بریلی میں تعلیم دے چکے ہیں۔ ۱۳۵۳ھ کے بعد بھی کئی ایک مدرسہ میں آپ تعلیم دیتے رہے، ان کے علاوہ میری یادداشت میں جید افراد یہ بھی ہیں، جنھیں آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے:

(۱۵) استاذِ گرامی شارحِ بخاری فقیہ النفس حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی دامت برکاتہم القدسیہ۔

(۱۶) سید ظہیر احمد صاحب نگینوی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مصنف رسم الافتاوالمفتی۔

(۱۷) حافظ وقاری محبوب رضا خاں بریلوی۔

(۱۸) صاحب تصنیفاتِ کثیرہ مولانا مفتی خلیل احمد صاحب مارہروی پاکستان۔

(۱۹) مولانا فیض الہدیٰ صاحب بیت الانوار گیا علیہ الرحمہ۔

(۲۰) پیر طریقت فیض العارفین مولانا غلام آسی پیا صاحب مِلک رامپور دامت برکاتہم القدسیہ۔

(۲۱) مولانا علاء الدین صاحب مرحوم سابق شیخ الحدیث مدرسہ فیض العلوم جمشید پور۔

(۲۲) مفتی مولانا ظفر علی صاحب پاکستان۔

(۲۳) ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد محسن صاحب فقیہ شافعی بھیونڈی خطیب شافعی مسجد کراچی پاکستان۔

(۲۴) صوفی باصفا حضرت مولانا صدیق صاحب بنارسی۔

یہ وہ گروہِ علم وفضل ہے، جس کا ہر فرد خود مستقل سوانح حیات لکھے جانے کے قابل ہے۔ ان سبھوں نے تصنیفات، درسیات، خطابت اور علمی وعملی دنیا میں بذاتِ خود ایسے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں، جن کا معرضِ تحریر میں لانا دشوار، کچھ لوگوں نے ان پر قلم اٹھانے کی کوشش بھی کی تو ''مشتے از خروارے'' کی حد تک وبس۔

صدر الشریعہ کے ان تلامذہ کے اندر یہ خوبیاں کیوں نہ آئیں، جب کہ آپ بنفسہٖ وفورِ علم وعمل اور کمالِ تقویٰ وپرہیزگاری سے جہاں مزین تھے، وہیں آپ کے اساتذۂ کرام ومشائخ فخام علم وعمل اور ولایت کے جبالِ شامخ تھے، ان کا سایہ آپ پر اور آپ کے شاگردوں پر چھایا رہا اور محبوب ومشہورِ زمانہ بنا دیا۔

آپ کے اساتذہ میں نابغۂ روزگار شخصیتیں علامہ ہدایت اللہ رامپوری، شاگردِ رشید امام المعقولات والمنقولات علامہ فضل حق خیرآبادی مجاہد جنگ آزادی قدس سرہما۔ مجددِ اعظم امام اہل سنت عاشق رسول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور حافظ الحدیث حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہما الرحمۃ والرضوان ہیں۔

اشعار:

سلامی جا بجا ارض و سما دیں
مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خدام اے صدر شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں
(شفیق جونپوری)

صدر الشریعہ کا فیضانِ تربیت:

سنت سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت سارے لوگ چلتے ہیں، لیکن بہت بڑا انسانی کمال اس میں ہے کہ جس روش کو خود اختیار کیے ہوئے ہے، اپنے ماننے والوں اور شاگردوں میں بھی رچا بسا دے۔

حضرت صدر الشریعہ کا یہ کمالِ اتباعِ رسول اور آپ کی مقبولیت ہی کہیے کہ جو آپ کرتے اور جس سنت کو ادا کرتے، آپ کے تلامذہ اور معتقدین اور متوسلین بھی اپنے کو اسی رنگ میں ڈھال لیتے اور ''صبغۃ اللہ'' کا جلوہ ان میں نظر آتا۔

ذیل میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی روش اور طرزِ زندگی کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ حضور صدر الشریعہ اپنا اثر اور نقش دوسرے پر کیسے چھوڑتے تھے۔

علامہ محمد احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ اپنی آپ بیتی ضبطِ تحریر میں لاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

دورۂ حدیث کے سال موسمِ سرما میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان صبح کے وقت مدرسہ جانے کے لیے نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے ہولیا۔ حضرت جب راستہ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین سمٹی جا رہی ہے، لوگ ہزار کوشش کرتے، لیکن حضرت سب کے آگے ہی رہتے تھے (اس لیے کہ انھیں طئی ارض کی صفت حاصل تھی) میں نے بھی کوشش کی کہ قریب ہو جاؤں، لیکن نہ ہو سکا۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان لال چوک کے قریب پہنچ گئے تھے، حضرت کی رفتار میں غیر معمولی تبدیلی دیکھ کر میں تیزی سے آگے بڑھا، جب قریب پہنچا تو حضرت نے مجھ سے سوال فرمایا کہ دیکھو ان دونوں سایوں میں کیا فرق ہے؟ یک بیک ایسا سوال جس کا جواب سوچنے کا بھی موقع نہ تھا، میری زبان سے برجستہ نکل گیا کہ بہت بڑا فرق ہے، پھر سوال فرمایا کہ کیا فرق ہے؟ میں نے عرض کیا کہ وہ حضور کا سایہ ہے اور یہ آپ کے غلام کا ہے۔ فرمایا: نہیں، ان دونوں سایوں کے سروں کو دیکھو کیا فرق ہے؟ اب جب میں نے غور سے دیکھا تو ایک نمایاں فرق نظر آیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت کا سر مبارک چلنے میں متحرک نہیں نظر آتا ہے، بلکہ بغیر ارتعاش کے آگے بڑھتا جا رہا ہے اور میرا سر چلنے میں متحرک نظر آ رہا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا: میاں یہی تو بات ہے، میں نے چلنا بھی حضرت صدر الشریعہ سے سیکھا ہے، چلا اس طرح جاتا ہے۔ اب ذرا غور کیجیے! کہ چلنا فطری انداز ہے اور جو انداز شروع شروع میں اختیار ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف چلنا بڑا دشوار ترین امر ہے، بلکہ قریب المحال ہے۔ لیکن حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے روش میں بھی بزرگوں کا اندازِ روش اختیار فرمایا اور اپنے اندازِ روش کو بزرگوں کے اندازِ روش میں (جو عین سنت کے مطابق ہوتی ہے) ڈھال لیا''۔

(افکار اور کارنامے، ص: ۹۷)

حضرت صدر الشریعہ ایک بافیض ولی:

جن نفوسِ قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے قلوبِ صافیہ و چشمِ بینا عطا فرمائی ہیں، وہ ولیوں کے وفات پانے کے بعد بھی ان کی زیارت و دیدار سے مشرف ہوتے ہیں۔ جس طرح ان کی ظاہری زندگی میں ان کے دربار کی حاضری کو باعث سعادت سمجھتے، اسی طرح ان کے دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کی بارگاہ میں آنا لازم سمجھتے ہیں، اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ولی مرنے کے بعد بھی ولی رہتا ہے، ایسا نہیں کہ پردہ فرمانے کے بعد اس کی ولایت اور خدا دوستی ختم ہوجاتی ہے، وہ تو آج بھی اسی طرح زندہ و فیض رساں ہے، جس طرح کل تھا۔ اس سلسلہ میں روحانیت کے سرتاج حضرت مجاہد ملت اور حافظ ملت کے مزار صدر الشریعہ پر حاضری اور آپ دونوں کے مشاہدات و کلمات حق کو نقل کرنا مناسب ہوگا۔ اسے محدث کبیر شیخ الجامعۃ الاشرفیہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

غالباً ۱۳۹۱ھ یا ۱۳۹۲ھ کا واقعہ ہے کہ طویل غیر حاضری کے بعد عرسِ امجدی میں گھوسی وارد ہوئے۔ (صدر الشریعہ کے) عرس کے اجلاس میں دورانِ تقریر اپنی مسلسل غیر حاضری کا سبب بیان کرتے ہوئے آپ (مجاہد ملت) نے فرمایا کہ عرس کی آمد پر مجھے ہر سال حضرت علیہ الرحمہ کی زیارت خواب میں ہوتی رہتی ہے، جس کا صاف مطلب یہی تھا کہ حضرت مجھے طلب فرمانا چاہتے ہیں، مگر چند ضروری مصروفیات عین وقت پر ہمیشہ رکاوٹ بن جایا کرتی تھیں۔ امسال بھی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی، اس کیفیت میں کہ انداز سے جلال ظاہر ہو رہا تھا، یہی معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت میرا انتظار فرما رہے ہیں۔ اسی دوران عرس کا دعوت نامہ بھی موصول ہوا، اب بہر صورت آنا تھا اور آگیا۔ ابھی سلسلۂ تقریر جاری ہی تھا کہ آپ اچانک مزارِ مقدس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ رقت انگیز لہجہ میں معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ کی کرم فرمائی بھی پیش کرتے جاتے تھے۔ مجاہد ملت کے بعد حافظ ملت علیہ الرحمہ نے تقریر شروع کی۔ دورانِ تقریر بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ جملہ صادر ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ بلاشبہ ولی تھے، وہ اب بھی اسی طرح زندہ ہیں، جیسے پہلے تھے۔ ابھی ابھی حضرت مجاہد ملت نے ان کا دیدار کیا۔ اتنا فرماتے ہی حضرت سنبھل گئے اور فوراً اپنی تقریر کا رُخ موڑ دیا۔ چنانچہ جو حضرات متوجہ تھے اور جنھیں حضرت حافظ ملت کے کشف و کرامات، نیز اندازِ بیان کا علم تھا، وہ تو عقدہ حل کر چکے تھے۔ انھیں یقین ہوگیا کہ حافظ ملت اور مجاہد ملت جنھیں حضرت صدر الشریعہ سے قرب حاصل ہے، ان دونوں حضرات کو اس وقت حضرت کا سر کی آنکھوں سے دیدار نصیب ہوا"۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملت نمبر، ص: ۸۹)

☆☆☆

اولادِ صدر الشریعہ
اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت

مفتی طیب حسین امجدی
جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

اس عالم رنگ و بو میں نہ جانے روزانہ کتنے لوگ پیدا ہوتے ہیں اور کتنے لوگ مرتے ہیں، مگر کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے ہیں اور دنیا میں رہ کر ایسے کارنامے کر جاتے ہیں کہ رہتی دنیا تک ان کا نام لوگوں کی زبان پر زندہ و تابندہ رہتا ہے۔

دلوں میں روح پھونکنے والی معاشرہ شاز شخصیت کے دینی و تبلیغی کارناموں کو صفحۂ قرطاس پر لانا ہمارا دینی ملی فریضہ ہے، کیوں کہ جس طرح سے ایک مبلغ کی زبان گم گشتہ راہ کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے، اسی طرح اس کے افعال و کردار، تبلیغ و ارشاد بھی ان لوگوں کے لیے ہدایت یابی کا وسیلہ بنتے ہیں، جن کے ذریعہ رہتی دنیا تک لوگ ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں۔

گھوسی ضلع مئو کی سرزمین تقریباً ایک صدی سے دین اسلام کے نور سے پُر نور ہے، اس سرزمین پر نامور علما و فضلا پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنے علمی فیضان سے پوری کائنات کو مالا مال فرمایا، جن سے دنیا آج بھی متاثر و متحیر ہے۔ انھیں چنندہ شہرہ آفاق علمائے ربانیین میں فقہ حنفی کا سدا بہار فقیہ، فن حدیث کے منفرد انداز کا محدث اور تمام علوم متداولہ و فنون مروجہ میں ید طولیٰ و کامل دسترس رکھنے والا عالم بے نظیر، جسے دنیا خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ مصنف بہار شریعت کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس نے ہر حال میں حصول تعلیم پر زور دیا ہے، یہاں تک کہ مسلمان مرد و عورت پر فرض قرار دیا ہے اور صرف دینی علوم ہی نہیں بلکہ ہر وہ علم و فن جس سے خدا کی مخلوق کا بھلا ہو، ان تمام علوم کی تحصیل کے لیے مذہب اسلام نے زبردست تلقین فرمائی ہے۔

حضور صدر الشریعہ کے خاندان ذیشان کے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ ان میں بارہ پشتوں سے مسلسل عالم و فاضل آ رہے ہیں۔ ہندوستان میں شاید ہی کوئی خانوادہ اس کا پیہم و شریک ہو۔ حضور صدر الشریعہ کی تمام اولادیں عالم و عالمہ ہونے کے ساتھ ساتھ بافیض بھی ہوئیں، جن کے فیض سے پوری دنیا فیضیاب ہوئی اور ہو رہی ہے۔

صدر الشریعہ کی اولادیں:

حضور صدر الشریعہ کے بڑے صاحبزادے کا نام حکیم شمس الہدیٰ علیہ الرحمہ ہے۔ اس نور نظر کی پیدائش پر صدر الشریعہ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ میرا بیٹا عالم دین ہو جائے

تو میرے خاندان میں دس پشتوں سے مسلسل عالم ہو جائیں گے۔ (حیات محدث کبیر)

حکیم شمس الہدیٰ علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت سے بے حد لگاؤ تھا، آپ نے دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کرنے سے پہلے سرزمین گھوسی پر ایسے انتظامات فرمادیے تھے جس سے مسلک اعلیٰ حضرت میں دن بہ دن ترقی ہوتی جائے گی۔

مثلاً آپ علیہ الرحمہ نے دیکھا کہ گھوسی کے جوان بے علم گھوم رہے ہیں، قرآن نیز اردو پڑھنے سے بھی عاجز ہیں، مزید یہ کہ ان کے لیے کوئی تعلیمی ادارہ بھی نہیں ہے، آپ علیہ الرحمہ نے نوجوانوں کو اکٹھا کر کے میٹنگ کی اور اپنے والد ماجد کی زمین جوان کی زمین داری تھی مدرسے کے لیے مقرر فرمادی، نیز آپ خود روزانہ شب میں تقریباً دو گھنٹہ بیٹھ کر لوگوں کو قرآن، اردو زبان سکھاتے، طریقۂ نماز، آداب وسنن کی تعلیم دیتے۔ آپ کے اس عظیم کارنامے کی یہ برکت ہوئی کہ نوجوانوں میں دینی تعلیم کا جذبہ پیدا ہو گیا، یہاں تک کہ تقریباً چالیس کی عمر میں مالک حقیقی سے جاملے۔

(حوالہ: سہ ماہی امجدیہ)

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ:

جب آپ کی ولادت ہوئی تو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ منظر اسلام بریلی شریف کے مدرس تھے، آپ ایک خوش مزاج، ظریف الطبع، سادگی، تواضع، قناعت پذیر، ہردم مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کی دھن، آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ نے بھی درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ ونصیحت اور سیاسی کردار کے ذریعہ مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمات انجام دیں ہیں۔ آپ نے متعدد جامعات میں تدریس کے ذریعہ تشنگانِ علوم نبویہ کو سیراب فرمایا ہے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہیں۔ آپ ہر جہت سے مسلکی خدمات انجام دینے میں منہمک رہتے تھے۔ آپ ساری زندگی نظام مصطفیٰ کے لیے کوشاں رہے۔ عام علما کی طرح صرف مسجد ودرس گاہ تک اپنے آپ کو محدود نہ رکھا، بلکہ سرکار کے دین متین کو تخت پر لانے کے لیے مصروفِ عمل رہے۔

سیاسی خدمات:

ایک مرتبہ دورانِ تقریر فرمایا:

سیاست ہمارے لیے کوئی اجنبی یا انوکھا شعبہ نہیں، یہ تو دین ہی کا ایک شعبہ ہے۔ جس کی طرف ہم نے عملی توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی، لیکن اس شعبۂ زندگی کے جو قائد بنے تھے وہ دین سے بے زاری اور دوری کے باعث ناکام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب ہمیں اس ذمہ داری کو پورا کرنا ہوگا اور دستور ساز اسمبلی میں پہنچ کر نظامِ مصطفیٰ کا درس دینا ہوگا۔

قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۷۸ء کی ملتان سنی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری کے متعلق فرمایا:

حضرت شیخ الحدیث جانشین حضور صدر الشریعہ سیاسی رہے، شکل وصورت دیکھ لیں، لمبا کرتا دیکھ لیں، عمامہ دیکھ لیں اور اگر دل دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ بھی دیکھ لیجیے، ان کے جسم کے ہر حصے سے عشق مصطفیٰ نکلے گا، بلکہ ان کے خون کے ہر قطرے میں محبت مصطفیٰ کی روانگی ہوگی۔ اگر یہ سیاست ہے تو ہم اس الزام کو قبول کرتے ہیں۔

آپ دو مرتبہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، ملک و قوم کے لیے عظیم خدمات انجام دیں، جن سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے، قانون توہین رسالت اور قانون شہادت، اسی طرح جمعۃ المبارک کی تعطیل اہم ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ممبر قومی اسمبلی بننے کے بعد بھی آپ کے رہن سہن میں کوئی فرق نہیں آیا، آج بھی لوگ گواہ ہیں۔

جس مکان میں پہلے حضرت رہتے تھے، بعد میں بھی اسی میں رہے۔ اسی طرح آپ نے کسی قسم کی رعایت، کسی قسم کا لین دین اور نہ ہی مراعات حاصل کیں، ہمیشہ روزانہ سعود آباد سے بذریعۂ بس یا گون دار العلوم امجدیہ آیا کرتے تھے۔

تاریخ وصال ۱۶؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ۔

دار العلوم کراچی میں آپ کا مزارِ مقدس ہے۔

(ماخذ و مراجع: مفتی اعظم اور ان کے خلفا، انوار علمائے اہل سنت سندھ)

اس اعتبار سے آپ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، قیادت و سیاست، ہر جہت سے مسلکی خدمات انجام دینے میں منہمک رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تصنیفی کام کے لیے آپ کو زیادہ اور پُر سکون مواقع نہ مل سکے، اس لیے اس میں زیادہ کام نہ کر سکے باوجود اس کے، متعدد مضامین و مقالات، نیز پانچ پاروں کی جامع تفسیر رقم فرمائیں، جس کا تاریخی نام ''احسن البیان تفسیر القرآن'' رکھا۔ ۱۳۷۵ھ

حضرت کی یہ تفسیر سہ ماہی امجدیہ گھوسی میں قسط وار شائع ہو رہی ہے، جو کہ قارئین کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

حضرت علامہ مفتی ثناء المصطفیٰ علیہ الرحمہ:

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ کی اولاد امجاد میں سے ایک نام حضرت مفتی ثناء المصطفیٰ علیہ الرحمہ کا ہے، جو تفکر کی بلندی، حق گوئی و بے باکی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت کی عمر جب دس سال ہوئی تو والد بزرگوار پردہ فرما گئے۔ حضرت نے بھی مختلف مدارسِ اسلامیہ میں دین و مذہب و مسلک کی خدمات انجام دیں اور دار العلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ کلکتہ بنگال میں آخری سانس تک بحیثیت قاضی و صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہ کر مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کی عالیہ خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کو درس و تدریس کے علاوہ وعظ و خطابت پر بھی ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے صوبہ بنگال میں اپنے پُر اثر خطابات کے ذریعہ جو خدمات انجام دی ہیں، اسے رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جا سکتا۔

تربیت اولاد:

آپ نے تربیت اولاد کا بھی خاص خیال رکھا، کیوں کہ بچے مستقبل میں قوم کے معمار ہوتے ہیں، اگر انھیں صحیح تربیت دی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے ایک اچھے اور مضبوط معاشرے کے لیے ایک صحیح بنیاد ڈال دی گئی ہے۔ بچوں کی اچھی تربیت سے ہی ایک کامیاب اور بے مثال معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اس لیے آپ نے تربیت اولاد کے سلسلے میں بھی دینی تعلیم کا خصوصی خیال رکھا، اس لیے کہ ایک اچھا پودا ہی مستقبل میں تناور درخت بن سکتا ہے۔

حضرت مفتی بہاء المصطفیٰ صاحب قبلہ:

اولاد امجاد حضرت صدر الشریعہ میں ایک نمایاں اسم

گرامی، شیخ المشائخ حضرت علامہ مفتی بہاء المصطفیٰ صاحب قبلہ کی ذات ہے۔ یوں تو ہر سنی عالم دین اعلیٰ حضرت سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتا ہے، مگر حضرت کی ذات جو خود نمونۂ اسلاف ہے، جن کی رگ رگ سے محبت کا سیلاب امنڈتا ہے، وہ حضرت مفتی بہاء المصطفیٰ دام ظلہ العالی کی ذات والا صفات ہے۔ آپ کو دیگر بزرگوں کی بہ نسبت سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بڑی گہری عقیدت ومحبت ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت پر بڑی سختی اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم ہیں۔

علمی لیاقت:

منشی، مولوی، عالم، فاضل، کہنہ مشق مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ماہر فن تدریس ہیں۔ منقولات ومعقولات میں یکجا بصیرت کے حامل ہیں۔

تدریس:

آپ نے تدریس کا آغاز اپنے مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے کیا۔ ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے آپ کو دعوتِ تدریس آئی۔ آپ نے شیخ ومرشد کے قدموں میں رہنا معراجِ زندگی تصور کیا اور چار سال خلوص وللّٰہیت کے ساتھ درس دیا، پھر دارالعلوم مظہر اسلام میں منتقل ہو گئے اور اپنی عمر کا اکثر حصہ اسی میں علمی ضو پھیلاتے ہوئے گزاری۔ اور آپ ابھی مرکز الدراسات الاسلامیہ میں منصب شیخ الحدیث پر فائز ہیں۔

فقہی بصیرت:

دیگر علوم وفنون کے ساتھ ساتھ آپ کو فقہ سے بھی گہرا لگاؤ وتعلق ہے، اس لیے آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مجلس شرعی میں بطورِ خصوص مدعو ہوتے تھے۔ اور جامعۃ الرضا کے شرعی کونسل آف انڈیا کے فقہی سیمینار میں ابھی بھی شرکت فرماتے ہیں۔

نشریاتی خدمت:

دین ومذہب اور مسلک اعلیٰ حضرت میں یہ بھی ایک اہم خدمت ہے کہ علمائے اہل سنت کی کتابیں طبع کرائی جائیں اور انھیں پھیلایا جائے، تاکہ صحیح عقائد واعمال سے عوام واقف ہوں۔ آپ نے اسی مقصد کے لیے ”قادری کتاب گھر“ اشاعتی ادارہ قائم فرمایا۔ اب اس کے ذریعہ آپ نے اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم، صدر الشریعہ اور دیگر اکابر علما کی کتابیں طبع کرائی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ بہار شریعت جیسی عظیم وضخیم کتاب مکمل تصحیح کے ساتھ چھپا کر قابل فخر کارنامہ انجام دیا ہے۔

آپ ہمیشہ قوم وملت کی ضرورت کی کتابیں شائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، غیر مقلد وہابی کی بڑھتی تعداد، امام اعظم و دیگر ائمہ کے خلاف ان کی درازی دیکھی تو پریشان ہوئے اور ایسی کتاب کی تلاش شروع کر دی، جو غیر مقلدوں کے اعتراضات کا دندان شکن جواب ہو، بمصداق ”من جد وجد“.

فقیہ اعظم حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع پر نہایت معرکۃ الآرا کتاب ”فقہ الفقیہ“ آپ کو دستیاب ہوگئی، اس کو آپ نے اول فرصت میں طبع کرایا۔ (حیات حضور محدث کبیر، ص: ۶۲۷)

اس طرح سے آپ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اشاعت کتب کے ذریعہ بھی دین ومذہب اور مسلک اعلیٰ

حضرت کی عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری:

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اولادِ امجاد میں شہزادۂ اصغر، حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی کی ذات بابرکات ہے۔ آپ کی پیدائش ریاست دادوں علی گڑھ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے اپنی ماں سے قاعدہ عربی، اردو، فارسی، قرآن شریف ناظرہ پڑھا۔ پھر فارسی، عربی کی ابتدائی کتابیں فارسی کی پہلی اور دوسری، گلستاں، بوستاں وغیرہ مولانا سعید احمد استاذ شمس العلوم گھوسی سے پڑھا۔

آپ نے بھی درس وتدریس، تقریر وخطابت، تصنیف و تالیف کے ذریعہ مسلک اعلیٰ حضرت کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

تدریس:

تدریس کا ملکہ آپ کو وراثت میں ملا ہے۔ طلبہ آپ کی تقریر سن کر مسرور بھی ہوتے ہیں اور مطمئن بھی۔ متعدد فنون کا درس دیتے ہیں، معقولات ومنقولات میں جلوہ دکھاتے ہیں۔

آپ کی تدریسی خدمات کا آغاز ہاشمیہ ہائی اسکول ممبئی سے ہوتا ہے، وہاں آپ ۱۹۷۲ء میں ٹیچر مقرر ہوئے۔ ۶ رسال تک وہاں عربی، جغرافیہ، انگلش وغیرہ پڑھایا۔ دینی ومذہبی علم کی تدریس کا آغاز اپنے مادر علمی شمس العلوم گھوسی سے کیا اور اخیر وقت تک اسی میں تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے۔ وہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد مدرسہ بدر العلوم کے ارباب حل وعقد میں بحیثیت ناظم تعلیمات تقرری فرمائی۔

تقریر وخطابت:

آپ ساحر البیان خطیب ہیں، عوام وخواص اور علما سبھی کے نزدیک آپ کی تقریر پسند کی جاتی ہے۔ ملک کے دور دراز مقامات کا سفر فرما کر مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت اور لوگوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

تصنیف وتالیف:

آپ ایک بہترین قلم کار ہیں، کچھ کتابیں آپ کی نگارشات سے ہیں:

(۱) تنویر الآثار (۲) تفہیم الکبریٰ شرح کبری (۳) تفہیمات شرح مرقات (۴) شرح نحو میر (۵) ولولہ انگیز تقریریں

مذکورہ بالا چار کتابیں مدارسِ اسلامیہ کے نصاب میں شامل ہیں، جن سے علما وطلبا مستفیض ہو رہے ہیں۔

حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ:

اہل سنت وجماعت کے آسمانِ علم وفضل کا نیر تاباں، میدانِ عمل کا غازی، زبان وبیان کا تاجور، درس وتدریس کا سلطان، خطابت ومناظرہ کا شہسوار، حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ کے وہ نورِ نظر ممتاز الفقہا مد ظلہ العالی والنورانی کی ذات بابرکات ان علمائے کرام کی صف اول میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، جو عصر حاضر میں مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت، عروج وارتقا، نصرت وحمایت میں عظیم کارنامے انجام دے رہے ہیں، جن کو کما حقہ بیان کرنے سے زبان وقلم قاصر ہیں۔ آپ نے اب تک اپنی پوری حیاتِ مبارکہ مذہب ومسلک کی آبیاری کے لیے

صرف کردی ہیں، حتی کہ اس ضعیف العمری میں بھی اہل سنت و جماعت کو عشق رضا کا جام پلا رہے ہیں۔ آپ ایک بے نظیر دانشور اور بزرگ ترین شخصیت ہیں۔ انھیں اللہ رب العزت نے وہ عقل وفہم عطا کی ہے، جس کے در تک بڑے بڑے عاقلوں کی رسائی نہیں ہے۔ آج اپنے بلند کارنامے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نمایاں خدمات کی وجہ سے پورے اہل سنت و جماعت کے لیے قابل فخر ہیں۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مسلک اعلیٰ حضرت کے اہم نقیب ہیں، مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم رہنے والے ہیں"۔

حضور محدث کبیر کی وہ ذاتِ گرامی ہے، جنھوں نے متعدد ذرائع سے بحسن وخوبی مسلک اعلیٰ حضرت کے خدمات انجام دے رہے ہیں، خواہ وہ میدانِ تدریس وتقریر ہو یا مناظرہ، تبلیغ ودعوت بیعت وارشاد ہو یا افتا وقضا، آپ ہر میدان کے شہسوار ہیں۔

تسمیہ خوانی:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت جس زمانے میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں ضلع علی گڑھ کے اندر مدرس تھے، محدث کبیر وہیں اپنے پدر مشفق کی تربیت وعنایت کی برکھا میں نہار رہے تھے، جب شعور ودرک کو پہنچے تو والد ماجد نے رسم بسم اللہ کی بزم سجائی اور اپنے زبان فیض ترجمان سے محدث کبیر کو بسم اللہ پڑھا کر ان کے سلسلۂ تعلم کا باب وافر فرمایا۔

سلاسل خدمات:

مذہب ومسلک، دین وشرع کی خدمت وحفاظت، نصرت وحمایت، نشر واشاعت کے گوناگوں اداب اور وسائل ہے۔ مثلاً تدریس، تحریر، تقریر، افتا، قضا، مناظرہ، تبلیغ، دعوت، بیعت وارشاد، تعویذ نویسی، تاسیس مساجد، تاسیس مدارس، اہتمام ادارہ نشر کتب، عقد اجلاس، شرکت مجلس فقہی، تربیت اولاد وغیرہ کسی خوشاں نصیب کو ایک ہی ذریعہ خدمت ارزانی ہو جائے اور وہ کما حقہ اس سے دین کی خدمت کر لے تو اس کی زندگی کی معراج ہے۔ بڑا قابل اعجاز واکرام ہے۔

حضور محدث کبیر، وہ قابل فخر مردِ مجاہد، وہ متحرک وفعال ہمہ جہت شخصیت ہیں کہ تن تنہا ان متعدد وسائط سے گراں بہا خدمات انجام دی ہیں اور تا حال سرگرم ہیں۔

(بحوالہ حیاتِ حضور محدث کبیر، ص: ۳۲۷)

مذکورہ بالا خدمات کی تفصیلات حیاتِ حضور محدث کبیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور محدث کبیر دام ظلہ العالی نے اب تک مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لیے ہر ممکن کوشش فرمائی، جو نا قابل فراموش، لائق تقلید اور آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

یہ چند اولادِ امجاد کا تذکرہ تھا، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ خانوادۂ امجدیہ کا بچہ بچہ ہر جہت سے مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت میں مصروفِ عمل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان بابرکات کو سلامت با کرامت رکھے اور فیوضِ امجدی سے ہم سب کو مالا مال فرمائے۔ آمین

☆☆☆

باب دوم

محاسن وکمالات

صدر الشریعہ کا تبحر علمی

حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز مرادآبادی
بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی)

خاتم الفقہا، حجۃ العصر، حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ ابوالعلا محمد امجد علی صاحب علیہ الرحمہ جامع الکمالات مجمع البحرین تھے۔ آپ متبحر عالم، جامع معقول ومنقول ہونے کے ساتھ اپنے علم پر عامل متبع سنت پابند شریعت تھے۔ تبحر علمی کا یہ عالم کہ پورا درسِ نظامی متحضر تھا، جو کتاب سامنے آتی بے دریغ پڑھاتے، کما حقہ پڑھاتے، ایسی جامع تقریر فرماتے کہ تمام اعتراضات وشبہات رفع ہوجاتے اور مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہوجاتا۔

علاوہ درسیات کے جو بھی کتاب لائی گئی، کما حقہ پڑھایا۔ قاضی کا حاشیہ، فضل حق وامورِ عامہ کا حاشیہ عبدالحق، مولانا سید غلام جیلانی ومولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہما جیسے ذی استعداد اور خیر الاذکیا حضرات کو پڑھایا، غرض یہ کہ درسی اور غیر درسی جو کتاب حضرت کے سامنے آئی، بے دریغ پڑھاتے۔

تتمۂ خانقاہی:

ایک طالب علم افغانی سن رسیدہ جو دوسرے مدارس میں کئی بار درسِ نظامی کی تکمیل کر چکا تھا، حضرت کی شہرت سن کر اجمیر شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، درس میں بخاری شریف وغیرہ آپ سے پڑھتا تھا، اس نے تتمۂ خانقاہی پڑھنے کی درخواست کی، حضرت نے اس کی درخواست منظور فرمائی۔

"تتمۂ خانقاہی" اصولِ فقہ میں بہت مشکل کتاب ہے، ہندوستان میں رائج نہیں، اس لیے نہ کتب خانہ میں تھی، نہ حضرت کے پاس تھی، صرف ایک ہی کتاب اس افغانی طلب علم کے پاس تھی، خارجِ وقت میں پڑھاتے تھے اور فارسی میں تقریر فرماتے تھے، کیوں کہ یہ اردو کم سمجھتا تھا۔

عبدالغفور بہت مشکل کتاب ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جہاں مجھے کچھ شبہ ہوجاتا، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کرتا، حضرت ایسی واضح تقریر فرماتے کہ شبہ رفع ہوکر پورا اطمینان ہوجاتا، ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت پہلے سے اس کی تفہیم کے لیے تیار تھے۔ یہ آپ کے تبحر علمی کی دلیل ہے۔

اجمیر شریف ہندوستان کا مشہور اور مرکزی شہر ہے۔ اہل کمال کا مرجع ہے، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اندرون درگاہِ معلی محفل خانہ میں تھا، اوقاتِ درس میں بڑے بڑے علما ومشائخ آپ کے ہاں تشریف لاتے، اسباق سنتے اور بہت خوش ہوتے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے تبحر علمی پر داد دیتے تھے۔

آپ کے تلامذہ حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب شارحِ بخاری شریف وحضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب جیسے آفتابِ علم وفضل آپ کے تبحر علمی پر روشن دلیل ہیں، کیوں کہ درخت اپنے پھل اور استاذ اپنے شاگرد سے پہچانا

جاتا ہے۔ آپ کی وسعتِ درس گاہ کا یہ عالم تھا کہ زمانہ طالب علمی سے ہی پڑھانا شروع کیا اور اخیر عمر تک پڑھاتے رہے۔

باخبر حضرات کا بیان ہے کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد بواسطہ اور بلا واسطہ تقریباً چار ہزار ہے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ عظیم مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ قلم و صاحب لسان تھے۔ "بہار شریعت" اور "فتاویٰ امجدیہ" آپ کی تصانیف میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ آپ کی تقریر بھی ایسی جامع اور مؤثر ہوتی تھی کہ علما اور مشائخ جھومتے اور داد دیتے تھے۔

جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے سالانہ اجلاس میں آپ نے تقریر فرمائی، سارا مجمع محو حیرت تھا۔ حضرت الحاج پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے فرمایا کہ مولانا! آپ اس تقریر کو قلم بند کر دیں تو میں اسے چھپوا کر شائع کرا دوں۔ اجمیر شریف میں آپ کی تقریر اس قدر مقبول تھی کہ علما و مشائخ اور سب خاص و عام دل کی گہرائیوں میں جگہ دیتے، اول سے آخر تک ہمہ تن گوش ہو کر سنا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت دیوان سید آلِ رسول صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ درگاہ معلیٰ کے مکان پر آپ کی تقریر تھی، آدھا مجمع مکان کے اندر اور آدھا مکان کے باہر تھا، دورانِ تقریر بارش ہونے لگی، سارا مجمع ہمہ تن گوش تھا، سامعین بارش میں بھیگتے رہے اور اخیر تک برابر سنتے رہے۔ اس علم و فضل کے باوجود آپ عملی میدان کے بھی شہسوار تھے۔ میں دس سال حضرت کی کفش برداری میں رہا، پوری مدت میں آپ کو متبعِ سنت پایا۔

ذوقِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ علیل ہو گئے، شدت کا بخار تھا، بے ہوشی و غنودگی طاری تھی اور میں بھی حاضر تھا، جب ذرا ہوش ہوا تو دریافت فرمایا کیا وقت ہے، میں نے گھڑی دیکھ کر وقت بتایا تو ظہر کا وقت ختم ہو گیا تھا، فوراً آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمانے لگے: آہ میری نمازِ ظہر قضا ہو گئی، وغیرہ وغیرہ۔

ہمدردی:

اجمیر شریف کا ہی یہ واقعہ ہے کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے جو حضرت سے بہت مشابہ تھے اور حضرت ان کو بہت پیار کرتے تھے، بہت محبت کرتے تھے، ان کا انتقال ہو گیا، گرمی کا موسم تھا اور ہم لوگ (طلبا) محلہ پر مٹھا دار الاقامہ میں رہتے تھے اور حضرت تر کولیا دروازہ میں رہتے تھے، تقریباً ایک میل کا فاصلہ ہے، ہمیں بہت دیر میں خبر ہوئی، ہم پہنچے تو صاحبزادہ صاحب دفن ہو چکے تھے، ہم نے عرض کیا: حضور نے ہمیں اطلاع نہیں دی؟ فرمایا: خیال ہوا کہ گرمی کا وقت ہے، آپ لوگوں کو تکلیف ہوگی، لہٰذا دفن کر دیا۔

کمالِ صبر:

بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم شمس الہدیٰ صاحب کا انتقال ہو گیا تو حضرت اس وقت نمازِ تراویح ادا کر رہے تھے، اطلاع دی گئی، تشریف لائے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور فرمایا: ابھی آٹھ رکعت تراویح باقی ہیں، نماز میں مصروف ہو گئے۔

جس شخصیت کے صبر و تحمل کا یہ عالم ہے کہ اپنے فرزند و دل بند کے انتقال پر ایسا صبر و ضبط کرے، وہ نماز قضا ہونے پر زار و زار روئے اور بار بار افسوس کرتے کہ میری نماز ظہر قضا ہو گئی۔ نہایت قابل غور اور بے نماز و تارک الجماعت لوگوں کے لیے لمحۂ فکر ہے۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
ایک پیکر اخلاص وعمل

علامہ غلام جیلانی اعظمی
سابق شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف بستی

حضرت صدر الشریعہ جامع کمالات تھے:

عمی مکرمی، استاذی المکرم صدر الشریعت (مصنف بہار شریعت) حضرت علامہ محمد امجد علی صاحب قدس سرہ العزیز، شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے۔ منطق وفلسفہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، آپ کی ذہانت بھی آپ کی کرامت تھی، جس مضمون کو ایک مرتبہ دیکھ لیا، سالہا سال تک یاد رہا۔ اس لیے حدیث وتفسیر وعلم کلام وفقہ ومنطق وفلسفہ وغیرہ علوم کو حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کے عبوری دور کو بہت جلد طے فرمالیا۔ اور جب آپ مسند تدریس پر جلوہ فرما ہوئے تو ایسا پڑھایا کہ ہزاروں مفلسوں اور تہی دستوں کو علم دین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمادیں۔ اگرچہ اس ماہتاب تدریس کو غروب ہوئے عرصہ ہو چکا ہے، مگر اب بھی ہند وپاک کے صدہا مدارس میں آپ کے بلا واسطہ بالواسطہ تلامذہ کے ذریعہ علومِ دینیہ کی ضیا باری ہو رہی ہے۔ اس علمی کمال کے ساتھ آپ عمل صالح اور خلوص کے بھی حامل تھے۔

(۱) آپ کی عبادت وزہد وتقویٰ بلکہ آپ کا ہر کام خلوص سے ہوتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کا کلام پُر تاثیر ہوتا تھا۔ (۲) آپ کی دعا ومناجات سے رقت قلبی کا پتہ چلتا تھا۔ (۳) آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ (۴) آپ صابر ومتحمل المزاج بھی تھے، عفو ودرگزر آپ کا طریقۂ کار تھا۔ (۵) آپ کا غصہ بے محل نہ ہوتا، دینی نقصان کے پیش نظر آپ اظہار ناراضگی فرماتے۔ (۶) احقاقِ حق وابطالِ باطل آپ کا شیوہ تھا۔ (۷) غیبت وچغلی ونفسانی عداوت سے آپ کو نفرت تھی۔ (۸) کینہ، بغض وحسد سے آپ پاک وصاف تھے۔ (۹) نہ کسی مخالف کی ترقی سے آپ کو رنج ہوتا، نہ اس کی مصیبت سے خوشی۔ (۱۰) بہترین سیرت، بلند اخلاق وتہذیب وشائستگی کے پیکر تھے۔ (۱۱) آرام طلبی وعیش پرستی سے آپ کو نفرت تھی۔ (۱۲) مسکین پرور، بے کس نواز تھے۔ (۱۳) صادق القول وعدہ وفا تھے۔ (۱۴) حرص وآزار، تکبر وغرور سے بری تھے۔ (۱۵) ایک عالم باعمل اور صوفی کے لیے جو محاسن ہونے چاہئیں وہ آپ میں موجود تھے۔

آپ کے ان تمام صفات کے شواہد قلم بند کروں تو ایک دفتر درکار ہوگا، عدیم الفرصتی کے سبب قدرے قلیل صرف آپ کے خلوص ومحبت کے موضوع پر کچھ لکھتا ہوں:

آپ کا خلوص:

آپ کے خلوص سے حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی متاثر تھے۔ چنانچہ ۱۳۶۷ھ کا زمانہ تھا، جب کہ میں دار العلوم مظہر اسلام (بریلی شریف) میں تدریسی خدمت

انجام دیتا تھا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کی خدمت میں مجھے حضوری کا شرف حاصل ہوا، اس مجلس میں ایک صاحب نے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا تذکرہ فرمایا، اتنے میں مفتی اعظم صاحب قبلہ چشم پُر آب ہو گئے اور فرمانے لگے کہ:

''صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنا کوئی گھر نہیں بنایا، بریلی ہی کو اپنا گھر سمجھا، وہ صاحب اثر بھی تھے اور کثیر التعداد طلبہ کے استاذ بھی، وہ چاہتے تو بآسانی کوئی ذاتی دار العلوم ایسا کھول لیتے جس پر وہ یکہ وتنہا قابض رہتے، مگر ان کے خلوص نے ایسا نہیں کرنے دیا، ثم کلامہ''۔

بے شک حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کا یہ کلام بالکل حق ہے، جو ہستیاں رضائے الٰہی کو اپنا نصب العین بناتی ہیں، وہ اپنے اثرات وتلامذہ ومدارس دینیہ کو اپنے لیے ذریعہ معاش نہیں بناتیں، ایسی نفوسِ قدسیہ کو ''من کان للہ، کان اللہ لہ'' سے عندحاصل ہوتا رہتا ہے، وہ دین کے پردے میں دنیا نہیں کماتے۔

مریدین کے ساتھ خلوص:

غالباً ۱۳۶۳ھ کا زمانہ تھا، جب کہ میں دار العلوم مظہر اسلام (بریلی شریف) میں تدریسی خدمت انجام دیتا تھا۔ مخدومی صوفی شاہ حضرت علامہ سردار احمد صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز ان دنوں میں یہاں شیخ الحدیث تھے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ان دنوں غالباً قصبہ دادوں (ضلع علی گڑھ) میں پڑھاتے تھے۔ اس زمانے میں اس دار العلوم کی مالی حالت بہت کمزور تھی، اس وقت اس کی اتنی شہرت بھی نہ تھی، نہ یہاں سے کوئی سفیر بھیجا جاتا، نہ فراہمی چندہ کا کوئی معقول انتظام تھا، چند مخصوص احباب کی امداد وسعی تھی جو دار العلوم کے مصارف کے پیش نظر بالکل ناکافی تھی۔ مدرسین کی تنخواہوں، درسی کتابوں کی فراہمی اور دیگر مصارف کی کمی کو حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ اپنی جیب خاص سے پوری فرماتے۔ جب یہ سلسلہ دراز ہوا تو آپ کی جیب بھی خالی ہوگئی۔ تو اپنی ذمہ داری پر مخصوص احباب سے دار العلوم کے لیے قرض حسنہ لے لے کر صرف فرماتے رہے۔ حتی کہ دار العلوم کئی ہزار روپے کا مقروض ہوگیا اور آپ نے اپنی چند دوکانیں (یا مکانات) رہن میں لکھوادیں۔

حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ بھی از سرتاپا خلوص تھے۔ آپ نے اپنے اس ایثار وقرضہ کی خبر نہ تو شہر کے سنی روساؤں اور عوام کو کیا، نہ اس سلسلہ میں کوئی اعلان شائع فرمایا، نہ اس خصوص میں کسی کمیٹی کی تشکیل فرمائی، جو چندے کی فراہمی کر کے دار العلوم کو اس قرضہ کے بار سے سبک دوش کرتی۔ حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کے مابین ایک خط دہمی سے ارتباط تو پیدا کر دیا، مگر میں اس اشارے کا مطلب کچھ بھی نہ سمجھ سکا (اس کا مطلب نذرانہ (۱) پیش کرنا ہوگا) ((۱) میرا ذاتی فیصلہ ہے کہ آپ نے خود یا پیر طریقت مولوی سید عبد الحق صاحب کے توسط سے ان کو اس امر کی ہدایت کی ہوگی۔ ۱۲منہ) چنانچہ اس کے بعد ہی ان سیٹھوں نے یکے بعد دیگرے سو۱۰۰/سو۱۰۰/روپے کے نوٹ آپ کے دست اقدس میں دینے شروع کیے، پہلے ایک سے آپ نے لیا اور فرمایا کہ مفتی اعظم صاحب! لیجیے یہ سو۱۰۰/روپے فلاں سیٹھ آپ کی خدمت میں نذر پیش کر رہے ہیں، اس طرح فرداً فرداً ہر ایک

سے آپ نے لیا اور حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان نذر پیش کرنے والے حضرات کی تعداد کل پانچ یا چھ تھی، ان میں سے صرف ایک صاحب نے پچاس روپے کا نذرانہ پیش کیا تھا، باقی ماندہ میں پہلے سے ہر ایک نے سو۱۰۰ر سو۱۰۰ھ روپے دیے تھے، اس طرح آپ نے ساڑھے چار سو۴۵۰ر یا ساڑھے پانچ سو۵۵۰ر کا نذرانہ اپنے مریدین سے دلوایا۔ اس وقت تمام زائرین اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مواجہہ میں کھڑے تھے، سب حاضرین پر ایک کیف طاری تھا۔ خاص کر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے کے چہرۂ انور پر مسرت کی لہر دوڑ رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دست پاک ہی میں نذرانہ پیش کر رہا ہوں اور یہ سمجھنا حق بھی ہے کہ حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ صورت اور سیرت میں ان کے مثل ہیں اور علم وعمل، تقویٰ وطہارت میں ان کے نقش قدم پر، اس کے ساتھ آستانۂ رضویہ کے سجادہ نشین بھی تو ان کا ہاتھ بمنزلۂ دستِ پاک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہونے میں کیا شبہ۔

سید احمد رضا ہیں چاند یہ ہیں چاندنی
چاند گو پردے میں ہے پھیلی ہوئی ہے روشنی

ناظرین کرام غور فرمائیں! کہ ہزاروں کی تھیلی دار العلوم مظہر اسلام کو دلوانے کے بعد بھی آپ کی سیری نہیں ہوئی۔

حتی کہ ایک بڑی رقم اپنے پیر زادے کی خدمت میں پیش کرائی کہ عرس شریف کے مصارف میں انھیں سہولت ہو۔ عرس رضوی شریف کے ساتھ آپ کے خلوص کا یہ ایک روشن ثبوت ہے، ان شواہد کی روشنی میں یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اپنے معتقدین ومتوسلین سے آپ کو اپنے نفس کے لیے ایک کوڑی کی بھی لالچ نہیں تھی، مخلصین کی یہی شان ہوتی ہے، ان کا ہر کام رضائے مولیٰ کے لیے ہوتا ہے "من کان للہ کان اللہ لہ" کے فردوں میں سے آپ ایک فرد تھے۔

اس کے علاوہ عرس شریف کی دیگر ضروریات کی بھی آپ برابر فکر رکھتے تھے اور اپنے تلامذہ واحباب سے اسی خصوص میں کام کراتے تھے، آپ مہمان بن کر نہیں رہتے تھے بلکہ ناظم وخادم عرس شریف بن کر شعبۂ مالیات کے علاوہ دیگر انتظامی شعبوں میں بھی آپ کی ہر کارکردگی اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، اس لیے شعبۂ مالیات کی مذکورہ بالا مثال پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

متن وشرح:

حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کا ایک قول اوپر نقل کیا گیا ہے کہ "صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بریلی ہی کو اپنا گھر سمجھا"۔ آپ کا یہ فرمان متن ہے اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا مذکورہ بالا طریقۂ کار اس متن کی عملی شرح اور تفسیر ہے۔ بظاہر آپ کا مقصودِ بیان یہ معلوم ہوتا ہے کہ آستانۂ شیخ کو اور اس سے متعلق بریلی شریف کے تبلیغی وتعلیمی اداروں کو مثلاً (۱) مطبع اہل سنت (۲) جماعت رضائے مصطفیٰ (۳) دار العلوم مظہر اسلام وغیرہ کو فروغ دینا آپ اپنا اولین فریضہ سمجھتے تھے اور اس کے بقاو احیا کے لیے بیش از بیش جد وجہد فرماتے تھے، اس کے بعد دوسرے سنی اداروں کی بقا واحیا کی آپ کو فکر ہوتی تھی، اجمیر شریف، دادوں، پالی وغیرہا مقامات پر آپ نے جو کچھ بھی دینی خدمات انجام دیں اور ان مقامات پر اور ان کے علاوہ

جہاں کہیں بھی آپ کو مالی فتوحات ہوئیں، ان تمام خدماتِ دینیہ وفتوحاتِ مالیہ کو بریلی شریف ہی کا فیض سمجھتے رہے۔

چنانچہ دار العلوم معینیہ عثمانیہ (اجمیر شریف) میں وہاں کے صدر المدرسین ہو کر جب آپ پہنچے اور وہاں کے لوگ آپ کی قوتِ تدریس سے بہت متاثر ہوئے تو آپ کے روبرو اس کا ذکر آیا کہ آپ کی تعلیم بہت کامیاب ہوتی نظر آ رہی ہے، یہ مرکزی دار العلوم سر بلند نظر آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: "یہ مجھ پر اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا فضل وکرم ہے"۔

میمن سیٹھوں کا تاثر:

آپ کے یہ مریدین میمن سیٹھیے صرف تاجر نہیں تھے بلکہ پیروں کو جانچنے اور پرکھنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ پیر طریقت مولوی سید عبد الحق میر کارواں جب ان سیٹھوں کے قافلے کے ساتھ دھوراجی کے لیے روانہ ہونے لگے تو میں بھی اسٹیشن تک پہنچانے گیا تھا، انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ یہ میمن سیٹھ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ "صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ہم لوگ ایسے معتقد ہیں کہ اگر یہ چاہتے تو ہم لوگوں کو بریلی شریف سے غافل رکھتے اور صرف اپنی ذات اور اپنے وطن کی طرف ہم لوگوں کو مشغول رکھتے۔ جیسا کہ فلاں پیر صاحب نے اپنے مریدین کو اپنے شیخ کی خانقاہ سے غافل کر دیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم لوگ اپنے مرشد کی ہدایت کے بموجب حاضر ہوئے اور یہاں کی زیارت سے شرف حاصل کیا، تم کلامہ وکلامہم"۔

شیخ کامل کا خلوص مرید کے قلب کو گرماتا ہے، اس سے اس کی روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسا شیخ... پیر اور شیخ کہے جانے کے لائق ہے، جو بلا حرص وآزار، ایصال الی اللہ کے لیے مرید کرے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے خلوص نے ان مریدین کو پہلے سے زیادہ معتقد بنا دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دین اسلام کی خدمت میں یہ لوگ پہلے سے زیادہ چست ہو جائیں گے۔

عرس رضوی شریف کے ماہ وتاریخ کے ساتھ جو خلوص و داد آپ کو تھا، وہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے:

غالباً ۱۳۵۰ھ یا اس سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے، جب کہ میں مدرسہ محمدیہ حنفیہ (قصبہ امروہہ، ضلع مراد آباد شریف) میں تعلیمی خدمت انجام دیتا تھا اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دار الخیر اجمیر شریف میں پڑھاتے تھے۔ عرس رضوی شریف کے موقع پر میں بریلی شریف حاضر ہوا اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ مجھ سے پہلے تشریف لا چکے تھے، ان دنوں میں یہ عرس پاک موسمِ باراں کے شباب میں پڑتا تھا، جس کی وجہ سے مراسمِ عرس کی ادائیگی اور مہمانوں کے قیام وطعام کے سلسلے میں کارکنان کو سخت زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان مشکلات کے پیش نظر مولوی ابرار حسن خاں صاحب صدیقی (مرحوم ومغفور) اور مولوی محمد علی صاحب آنولوی رضوی حامدی ایڈیٹران ماہنامہ یادگارِ رضا (جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف) نے یہ سوچا کہ وقتی طور پر اس عرس کو کسی دوسرے خوش گوار موسم میں منتقل کر دیا جائے، پھر جب ماہِ صفر المظفر بارش کے موسم میں گزر کر دوسرے موسم میں پہنچ جائے تو حسب سابق یہ عرس ماہِ صفر مع پابندی تاریخ بحال کر دیا جائے۔ چنانچہ ان دونوں صاحبان نے اس خصوص میں ایک تجویز قلم بند کی اور بزمانہ عرس شریف مقامی اور بیرونی اہل الرائے سے کافی تعداد میں تائیدی دستخط کرانے میں کامیاب بھی ہو گئے،

مگر ابھی چند ارباب بسط وکشاد کی دستخط باقی تھی، اس لیے یہ دونوں صاحبان اس مقصد کے پیش نظر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پہلے تو مولوی ابرار حسن صاحب (مرحوم ومغفور) نے نہایت قادر الکلامی اور طلاقت لسانی کے ساتھ زبانی طور پر اس تجویز کو پیش کیا اور اپنے نظریے کے مطابق اس کے محاسن کو بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا، اس کے بعد آپ کی دستخط حاصل کرنے کے لیے اس تحریر شدہ تجویز کو بھی پیش کردیا۔ آپ نے اس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

''دوسرے مہینے اور دنوں میں عرس کو منتقل کردیا جائے گا تو عرس نہیں ہوگا، ہاں ایک اجتماع اور مجمع ہوگا، مزار شریف پر حاضری کا فائدہ حاصل ہوگا، مگر عرس شریف میں حاضری سے جو خاص فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ نہ حاصل ہوسکیں گے۔ میں تو اسی ماہِ صفر میں ان خاص تاریخوں میں بشرطِ استطاعت حاضری دیتا رہوں گا اور اس پر دستخط نہیں کروں گا، ثم کلامہ''۔

اس کے بعد یہ دونوں حضرات وہاں سے واپس ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد یہ خبر اکثر اہل الرائے تک پہنچ گئی، جن صاحب نے بھی سنا ہر ایک نے آپ کی رائے کی تحسین فرمائی۔ حضرت حجۃ الاسلام صاحب قدس سرہ العزیز اور حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے بھی آپ کی رائے عالی کو نظر استحسان دیکھا، حتی کہ اس تجویز کی موافقت میں دستخط فرمانے والے حضرات کی رائے میں نسبتاً ضعف پیدا ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تجویز کامیابی کی منزل سے قریب ہوجانے کے باوجود آپ کے انکار کی وجہ سے ختم ہوگئی۔ یہ آپ کا اور شاہزادگانِ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا فیض ہے کہ عرس رضوی ہوجانے سے اپنی اصلی تاریخوں اور ماہِ صفر المظفر میں برابر شان وشوکت کے ساتھ ہوتا رہا ہے، اس میں کوئی رخنہ نہیں ہونے پایا۔

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی یہ پُر خلوص محبت تمام زائرین کے حق میں بھی ہے کہ کسی عرس میں شرکت کا مقصد اس خاص مہینہ اور خاص دن اور اس کی خاص ساعت کی مخصوص برکتوں کو حاصل کرنا ہے۔ اس مقدس مہینہ کے بدلنے کی صورت میں زائرین ان مخصوص فیوض وبرکات سے محروم ہوجاتے اور بریلی شریف جیسے مرکزی مقام پر اس کی تبدیلی (گو عارضی طور پر سہی) زیادہ مضرت رساں ہوتی کہ لوگ اس کو سند بنانے لگتے۔

عام صالحین کی تعظیم وتوقیر آپ پسند فرماتے، بلکہ ہر سنی خواہ رضوی ہو یا اشرفی حامدی ہو، یا مصطفوی، امجدی ہو یا نعیمی یکساں محبوب تھے۔ رضویت، اشرفیت وغیرہما کو ایک ہی درخت (سنیت) کی متعدد شاخ سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کو ہر شعبہ کی ترقی سے خوشی ہوتی اور ہر سنی جماعت کے علما وصالحین کی تعظیم وتوقیر محبوب تھی، کسی دوسرے شعبہ کے صالحین کی سربلندی کو اپنی ہی سربلندی سمجھتے تھے، اگر کسی جماعت میں عصبیت کی آگ سلگتی ہوئی نظر آتی تو حتی الوسع اسے جلد از جلد بجھانے کی کوشش فرماتے، اگر کوئی شخص ایسی بات پیش کرتا ہے جس سے سنیوں کی دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوتا تو اس کو سختی کے ساتھ روک دیتے تاکہ ہماری طاقت فنا نہ ہوجائے۔ اس خصوص میں مجھے بہت سے

شواہد معلوم ہوتے ہیں، مگر صرف ایک مندرجہ ذیل واقعے پر اکتفا کرتا ہوں۔

مرادآباد شریف کا شاندار اجلاس:

عرصہ ہوا کہ صدر الافاضل مخدومی حضرت علامہ سید نعیم الدین صاحب قبلہ (قدس سرہ العزیز) نے مرادآباد شریف میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا ایک نہایت شاندار اجلاس منعقد فرمایا تھا، اسی سال حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اجمیر شریف میں پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس مقدس اجلاس میں علمائے مدعوین کی تعداد کئی سو تھی، اس میں شریک ہونے والے خواص وعام سبھی حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کے جذبۂ ایثار سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ حتی کہ بہت سے علمائے مدعوین نے تو آمد و رفت کا کرایہ بھی قبول نہ فرمایا تھا۔ حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ جوشِ مسرت میں تعاون کی غرض سے ایک ہفتہ پہلے ہی مرادآباد شریف پہنچ چکے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اجمیر شریف سے اس اجلاس میں شرکت فرمانے کے لیے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔

رئیس الاصفیا مخدومی حضرت علامہ سید شاہ علی حسین صاحب قبلہ اشرفی (کچھوچھوی) اور مخدومی حضرت مولانا صوفی سید پیر جماعت علی شاہ صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کا استقبال نہایت شاندار طریقے پر کیا گیا اور حضرت حجۃ الاسلام صاحب (قدس سرہ العزیز) کا استقبال اتنا شاندار نہیں ہو سکا۔ ان حضرات کی تشریف آوری سے ایک دن پہلے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بعد نمازِ عشا پہنچے تو اسٹیشن پر انھیں لینے کے لیے ایک طالب علم بھی حاضر نہیں ہوا، حالاں کہ آپ نے اپنی تاریخ روانگی سے مع قید وقت کے پیشتر سے اطلاع دے دی تھی۔ اس سے اور بعض دوسرے امور سے بعض ناتجربہ کار نوجوانوں کو ترجیح کا غلط خیال پیدا ہوا۔

چنانچہ ان میں ایک صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''ہمارے اکابر واصاغر کا استخفاف ہو رہا ہے''۔ اس پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ان پر سخت غضب ناک ہوئے اور ان کی سخت زجر و توبیخ فرمائی، پھر نہایت سکون کے ساتھ ان کی غلط فہمی کو زائل بھی فرمادیا اور فرمایا کہ حسنِ ظن رکھو، وہ لوگ بھی اپنے ہی ہیں (اوکما قال علیہ الرحمہ)

واقعہ یہ تھا کہ مخدومی حضرت صوفی سید پیر جماعت علی شاہ صاحب (قدس سرہ العزیز) اس اجلاس کے صدر مقرر ہوئے تھے اور یہ تجویز پہلے ہی سے ذمہ دارانِ اجلاس نے اپنے پیش نظر رکھ لی تھی اور مرادآباد شریف میں ان کی یہ آمد پہلی آمد تھی، اس وجہ سے اہل شہر وفورِ اشتیاق میں کافی تعداد میں ان کو لینے گئے۔

اور رئیس الاصفیا حضرت صوفی سید شاہ علی حسین صاحب قبلہ اشرفی قدس سرہ العزیز کے ہزاروں مریدین تو مرادآباد شریف میں ہی تھے اور کافی تعداد میں باہر سے بھی آگئے تھے، اس وجہ سے ان کے استقبال میں شریک ہونے والوں کی تعداد کافی تھی۔ آخر میں حضرت حجۃ الاسلام صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز تشریف لائے۔ دو اجلاس کی دوا دوش میں کارکنانِ جلسہ پر ماندگی طاری ہو چکی تھی، اس پر بھی ان کا جلوس بھی

نمایاں ہوجانا ارباب بسط کشاد کی سعی ومحنت کا پتہ دیتا تھا اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی تشریف آوری کے موقع پر حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے سامنے ایسے اہم اور ضروری مشاغل آگئے کہ کسی کو اسٹیشن بھیجنا بھول گئے۔

سبحان اللہ! ایسی صورت میں جب کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو لینے کے لیے کوئی بھی اسٹیشن نہیں پہنچا تھا، بتقاضائے فطرت نفس کا تاثر ضرور ہے، پھر اس کے پیش نظر یہ شکایت کرنے والا چوں کہ شریک غم ہے، لہٰذا محبوب ہونا چاہیے، مگر محبوبیت ومبغوضیت کا یہ معیار ان لوگوں کے نزدیک ہے جو نفس کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی شان چوں کہ ''الحب فی اللہ والبغض فی اللہ'' تھی، لہٰذا آپ نے کارکنانِ جلسہ کی کارکردگی کو شک و ریب کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور شاکی کو زجر وتوبیخ فرما کر حسن ظن کی ہدایت فرمائی۔ یہ آپ کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی اور آپ کی قوتِ عاقلہ کا بہترین فیصلہ ہے، کسی کو اپنا سمجھنا ظن کی طرف داعی ہے اور جب اپنا سمجھ لیا جائے گا تو ان کی ترقی سے خوشی ہوگی۔ اتنے بڑے اجلاس میں کام کرنے والوں کے سامنے کافی مشاغل ہوتے ہیں، ایسے موقع پر ان کی ہمت افزائی کرنی چاہیے، اس قسم کی نزاع پیش کر کے اگر ان کو نشانۂ طعن وتشنیع بنایا جائے اور ان کے خلاف ایک جماعت کی تشکیل کی جائے تو جن مقاصد دینیہ کے پیش نظر مصارف کثیرہ کا بار برداشت کیا گیا ہے، وہ نامکمل رہ جائیں گے۔

علما وصلحا کے تذکار:

مذکورہ بالا اجلاس کے ایام میں اور پھر یہاں سے واپسی کے بعد، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنی مجلس خصوصی میں اپنے احباب کے سامنے حضرت صدر الافاضل صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کے اس عظیم الشان کارنامے کو بار بار سراہا۔ اور مخدومی حضرت صوفی پیر جماعت علی شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ محدث (علی پور سیدان پنجاب) کی مؤثر تقریر اور دوسرے علمائے اہل سنت کے روح پرور بیانات اور ان کے محاسن کا مزہ لے لے کر تذکرہ فرماتے رہے۔

اس سے اور اس کے علاوہ بکثرت شواہد سے مجھے یقین کامل ہے کہ آپ کو سنی جماعت کے ہر طبقہ کے ساتھ خلوص تھا، نیز اس کی سربلندی سے آپ خوش ہوتے، بلکہ اس سلسلہ حسب استطاعت آپ کوشش بھی فرماتے، بلکہ بارگاہِ الٰہی میں ہر مومن کے ساتھ خلوص ومحبت کی دعا کرتے تھے۔

آپ کی ایک دعا:

''اللھم اعطنی حبک وحب من یحبک وحب عمل یقربنی الیک''.

اے اللہ! مجھے اپنی محبت اور اپنے محبین کی محبت اور اپنی طرف قریب کرنے والے عمل کی محبت عطا فرما۔

نمازِ عصر ونمازِ فجر کے بعد میں نے بارہا مذکورہ دعا کو آپ کی زبان فیض ترجمان پر رقت خشوع اور خضوع کے ساتھ جاری ہوتے ہوئے سنا۔ اس دعا میں تین چیزوں کی محبت طلب کی گئی ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی محبت، دوم محبین الٰہی کی محبت، سوم اعمالِ صالحہ کی محبت۔ آپ ان تینوں اقسامِ محبت سے متصف تھے، تو اس دعا سے مقصود یہی ہوگا کہ ان ہر سہ اصناف محبت کی کیفیات میں زیادتی ہو اور ان پر بقاو

دوام بھی حاصل ہو۔

آپ کی حیات طیبہ پر میں نے جتنی بھی نظر ڈالی اور جتنا بھی دوسرے سے سنا، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز تھی اور آپ نکوکار ہی تھے اور ہر عمل خلوص ومحبت کے ساتھ کرتے تھے، لہٰذا آپ محبانِ الٰہی کے ان افراد میں سے ہیں جن کی محبت کے حصول اور بقا کی ہمیں خشوع کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کہ آپ کی محبت وصالِ الٰہی کا سبب ہے۔

صالحین کے ساتھ محبت کے بڑے بڑے فوائد ہیں۔ ان کی سیرت، ان کے اقوال، ان کے افعال چوں کہ شریعت و طریقت کے موافق ہوتے ہیں، اس لیے یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں۔ تو اگر کسی مومن عاصی نے بھی ان صالحین سے اس لیے محبت کی کہ یہ اور ان کے اعمالِ صالحہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ہیں، اس وجہ سے اس نے ان کو اور ان کی نیکیوں کو بنظر استحسان دیکھا تو اس کا یہ عمل قلبی دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے سبب سے ہے، جو وصالِ الٰہی کا ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں کے ساتھ محبت کرنا خود مستقل قلبی عبادت ہے۔ تو اگر کسی عاصی نے صالحین کے اعمالِ حسنہ کے ساتھ صرف محبت تو کی، مگر ان کے اعمال کو اپنے لیے لائحۂ عمل نہیں بنایا، جب بھی وہ مستحق ثواب ہوگا۔ اس محبت کا اتنا نتیجہ تو ضرور ہوگا کہ اس کے دل میں رقت اور صفائی پیدا ہوگی، پھر دل تو ملک بدن کا بادشاہ ہے اور ہاتھ، پیر، زبان، حواس وغیرہا یہ اس کے رعایا ہیں، بادشاہ کے صلاح کا اثر رعایا تک پہنچتا ہے، پھر چوں کہ یہ مقدس سیرت اپنے اندر جاذبیت اور کشش رکھتی ہے، اس لیے حسن عمل کی دعوت دیتی ہے۔ تو اگر کسی عاصی کے ساتھ توفیق الٰہی شامل حال ہوگئی تو وہ ان کی مقدس سیرت کو لائحۂ عمل بنالے گا، اس لیے امید ہے کہ وہ بھی زمرۂ صلحا میں شامل ہوجائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صالحین کا وجود اور ان کی معیت ان سے عقیدت ان کی محبت ان کی سیرتوں کا مطالعہ وتذکار آخرت کی لازوال اور انمول نعمتوں کے وسائل ہیں۔

یہ صالحین چوں کہ اذکار قلبی واذکار لسانی اور اعمالِ حسنہ کے ذریعہ فنافی الرسول اور فنافی اللہ کی منزلیں طے کرلیتے ہیں، لہٰذا ان کا آئینہ تجلی ومصفی ہوجاتا ہے۔ ان کے قلوب انوارِ وحدت ورسالت کے مظہر بن جائیں تو آئینہ (بلاتشبیہ) اس طرح جیسے کوئی آئینہ آفتاب کے سامنے کیا جائے تو آئینہ میں بھی آفتاب نظر آتا ہے، پھر اس آئینہ کی وساطت منعکس ہوکر جو روشنی سایہ کے اندر موجود چیزوں پر پڑتی ہے تو ان پر بھی اس کی تجلی ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان چیزوں کی صفائی اور تاریکی کے اعتبار سے اس کا ظہور مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ ان صالحین کے ساتھ محبت رکھنا اور ان کی مقدس سیرتوں کو محبت کے ساتھ لکھنا، پڑھنا اور سننا، سوچنا، اپنے دل کو ان کے آئینہ قلب کے سامنے کرنا ہے جس کی وساطت سے آفتاب توحید ورسالت کی شعاعیں منعکس ہوکر ہمارے دل کے سیاہ خانوں کو ضرور روشن کریں گی، اگرچہ اس کا اثر ہمارے قلوب کی صفائی اور کدورت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: "ومن یتولی اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون"۔

اور جو اللہ اور اس کے رسول کو اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بے شک اللہ کا گروہ غالب ہے۔

اس محبت کی روشنی میں میں نے عمی، مکرمی، استاذی حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی مقدس سیرتِ پاک کا کچھ حصہ سطورِ بالا میں پیش کیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہمیں ان کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

احب الصالحین ولست منهم

لعل الله یرزقنی صلاحاً

ایک مبارک خواب:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے حالاتِ زندگی سے متعلق مذکورہ بالا مضمون بماہِ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ احاطۂ فیض الرسول کی مسجد میں بحالت اعتکاف یہاں تک لکھا: اس مشغولیت کی وجہ سے اوراد و وظائف اور نوافل میں کافی کمی ہوگئی، جس سے وسوسہ پیدا ہونے لگا کہ اس ذکر لسانی کی کمی سے یہ اعتکاف بہت ناقص ہوگا۔ مکرمی جناب خلیفہ مولوی محمد صدیق صاحب قبلہ زید مجدہم نے (ناظم اعلیٰ دارالعلوم فیض الرسول) میرے اس تاثر کو محسوس فرمایا اور جس نے زبانی بھی اس کا سبب بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

"آپ بے فکر ہو کر لکھئے، گھبرائیے نہیں، آپ کا یہ لکھنا بھی وظیفہ ہی ہے، اس تحریری کام سے بھی اعتکاف میں کمال حاصل ہوگا، اس لیے یہ بھی ایک بڑا کارِ خیر ہے"۔

ان کے اس فرمانے سے تسلی حاصل ہوئی، مگر کچھ دیر بعد وساوسِ سابقہ پھر قلب کو گھیر کر انتشار پیدا کرنے لگے، کسی نہ کسی طرح مذکورہ بالا مضمون پورا کیا اور ۲۵/رمضان المبارک کی شب میں کچھ وظائف پڑھ کر سورہا تو رات کے آخری حصے میں مندرجہ ذیل خواب نظر آیا کہ میں محلہ کریم الدین پور (قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ) مسجد میں نماز فجر ادا کرنے جارہا ہوں، موسم معتدل تھا، نہ زیادہ سردی تھی نہ گرمی، فضا بالکل صاف تھی، نشاط و سرور کا وقت معلوم ہوتا تھا، فجر کا وقت تقریباً آدھا گھنٹہ باقی تھا، میں نے جیسے ہی مسجد کے بیرونی دروازے میں قدم رکھا، اندر سے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی آواز سنائی دی کہ اب نماز کا وقت زیادہ نہیں ہے، نماز کون پڑھائے گا؟ امام کا بھی پتہ نہیں ہے۔

(یہ آواز سنتے ہی مجھے خیال ہوا کہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ یہاں معتکف ہیں، اپنی حیاتِ ظاہری میں آپ نے کئی بار اس مسجد میں اعتکاف کیا ہے) چند قدم آگے بڑھا تو آپ کا سامنا ہوا، دیکھا کہ آپ محرابِ مسجد میں تشریف فرما ہیں، سفید کرتا، سفید ٹوپی پہنے ہوئے ہیں، مجھے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور تبسم ریز ہو کر فرمایا کہ: "اچھا لو! وہ امام صاحب آگئے، یہی نماز پڑھائیں گے۔ (تمت الرویا بالصالحۃ) اتنے میں ہمارے دارالعلوم کے ناظم اعلیٰ فرمانے لگے کہ سونے والو! اٹھو سحری کھالو! وقت تھوڑا سا رہ گیا ہے، کل آدھا گھنٹہ باقی ہے، میں جاگ پڑا۔ اس طرح اس پُر لطف و مبارک خواب کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

الحمدللہ! کہ گیارہ سال کے عرصے میں چوتھی بار عالم رویا میں مجھے آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
تدریسی خصوصیات پر ایک نظر

علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی
سابق صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ (یوپی)

شیخ الطریقہ، آقائے نعمت ماوائے رحمت، فخر الاماجد بحر المحامد استاذ المعظم فقیہ عالم حضرت مولانا مولوی حکیم ابوالعلا محمد امجد علی قدس سرہ القوی، ہندوستان کے مشہور عظیم الشان خیرآبادی خاندان سے بیک واسطہ مستفیض ہونے والے فضلائے زمان میں امتیازی شخصیت کے مالک تھے۔

طریقہ تدریس:

طریقۂ تدریس دو ہیں، بعض اساتذہ تفہیم کتاب بصورتِ سوال و جواب فرماتے ہیں اور بعض کتاب کی تقریر ایسے انداز سے فرماتے ہیں، جس پر اعتراضات وارد ہی نہ ہونے پائیں۔ آپ بر وقت تدریس عموماً طریقۂ دوم اختیار فرماتے تھے اور گاہے گاہے طریقۂ اول، جب کہ مقام دقیق مضامین پر مشتمل ہوتا۔

آپ کی تدریسی خصوصیات:

آپ کی تدریسی خصوصیات میں اول یہ خصوصیت تھی کہ درسی کتابوں کے علاوہ ان کے مطبوعہ حواشی بھی پڑھاتے تھے۔ چنانچہ فقیر کو میر زاہد امور عامہ کے ساتھ ساتھ اس کا حاشیہ مولانا عبدالحق خیرآبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی بھی سبقاً سبقاً پڑھایا۔ اگرچہ بعض شرکائے درس بوجہ قلت وقت اس کے پڑھنے سے گریز چاہتے تھے اور قاضی مبارک کا حاشیہ مولانا فضل حق خیرآبادی خصہ اللہ تعالیٰ باخص الایادی بھی فقیر کو پڑھایا، لیکن وقت مدرسہ ختم ہونے کے بعد بے شرکت غیر۔

دوم: یہ کہ متقدمین کے غیر مطبوعہ حواشی جو صرف بعض کتب خانوں میں قلمی موجود ہیں اور آج تک طبع نہ ہو سکے، وہ بھی پڑھاتے تھے۔ چنانچہ فقیر نے شرح تجرید پر محقق دوانی قدس سرہ النورانی کے حواشی قدیمہ اور جدیدہ بھی آپ کے قلمی نسخوں سے نقل کر کے پڑھے، ان میں شریک درس صرف طبیب حاذق جلیل القدر فائق مولانا مولوی غلام یزدانی قدس سرہ الربانی تھے۔

سوم یہ کہ درس کا ناغہ کسی حالت میں گوارا نہ تھا، حتیٰ کہ بحالت بخار شدید بھی تشریف لے آتے، طلبہ کا شدت بخار کو دیکھ کر بے حد اصرار ہوتا کہ درس ناغہ کر دیا جائے، مگر ان کی درخواست قبول نہ ہوتی اور یہ فرماتے کہ مولوی صاحب (یعنی آپ کے استاذ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جون پوری قدس سرہ النوری) فرماتے تھے کہ ناغہ سے برکت جاتی رہتی ہے، لہٰذا پڑھ لو۔ اگرچہ مقدار قلیل تدریس کی جانب ایسی توجہ اور اس میں اتنی کاوش کا تحمل اس زمانے میں بھی مفقود النظر تھا، شکر اللہ تعالیٰ سعیدالعظیم وامجدنا سبحانہ بظلہ الکریم۔

☆☆☆

صدر الشریعہ کی تدریسی خدمات

مفتی خلیل احمد خاں مارہروی
سابق شیخ الحدیث دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد (سندھ)

ریاست دادوں ضلع علی گڑھ کے واقف ومتولی نواب ابو بکر خاں صاحب مرحوم کے بعد جب تولیت نواب حاجی غلام محمد خاں صاحب شروانی کے حصہ میں آئی تو مدرسہ کے در و دیوار سراپا اشتیاق بنے ایک عظیم شخصیت کے استقبال میں چشم براہ تھے، جن کے متعلق مدرسہ میں یقین و وثوق سے کہا جارہا تھا کہ وہ صدرالمدرس کی جگہ مدرسہ میں تشریف لانے والے ہیں۔

جلوہ افروزی:۔ ہماری آنکھوں نے وہ دن دیکھ لیا اور آج بھی دیکھ رہی ہیں، حضرت صدرالشریعہ بدرالطریقت مولانا شاہ امجد علی صاحب قادری برکاتی رضوی نے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ آپ یقین فرمائیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ علومِ شرعیہ کی تجلیاں در و دیوار سے چھن چھن کر سینہ و دل کی گہرائیوں میں گھر کرتی چلی جارہی ہیں۔

اندازِ درس:۔ فقیر ان ایام میں علم الصیغہ، ہدایۃ النحو، منیۃ المصلی، میزان، منطق، قلیوبی وغیرہ کتابیں پڑھتا تھا، درس و تدریس کیا ہے، اس سے واقفیت نہ تھی۔ ہاں اتنا جانتا تھا کہ کسی کتاب کو پڑھانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے مضامین کی تقریر ایسی شستہ اور آسان زبان میں ہو کہ ہر طالب علم کے دل میں اتر جائے۔ حضرت والا کا اندازِ درس کیا تھا، اس سے اب تک واقفیت نہ تھی۔ پہلی کتاب جس کے ذریعہ حضرت والا کے قدموں تک رسائی ہوئی ملا حسن تھی، دوسرے تیسرے روز ہی جب مباحث کا آغاز ہوا اور حضرت والا نے مضمون کتاب کی تقریر فرمائی تو بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ٹھنڈے میٹھے میٹھے مشروب کے گھونٹ نیچے اتر رہے ہیں اور پھر عقیدت میں آنکھیں جھکیں، دل جھکا اور جھکتا ہی چلا گیا۔

نکتہ دانی:۔ مولوی محمد زاہد صاحب کا رجحانِ قلب، حضرت کے ہم عصر ایک اور صاحب کی جانب کچھ زیادہ بلکہ حد سے متجاوز تھا، ان کی جلالین حضرت صدرالشریعہ کے پاس رکھی گئی، سبق جب "الم ذلک الکتب لاریب فیہ" پر پہنچا اور حضرت والا نے "اللہ اعلم بمرادہ بذلک" کا ترجمہ: "اللہ اپنی مراد اس سے خوب جانتا ہے" کیا، تو کراہت اور قلبی انقباض، محبت اور وسعت و فراخی سے بدل گیا، ہفتوں اس ترجمے کو دہراتے اور مزے لوٹتے رہے۔

تحقیق مسئلہ:۔ ایک مرتبہ طلبہ میں ایک مسئلے پر بحث چھڑی، گرما گرم بحثوں کے بعد بھی جب کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو طے پایا کہ حضرت کی خدمت میں چلو، جوش میں اٹھے اور خدمت میں حاضر ہوئے تو جوش کافور، اب کوئی نہیں بولتا کہ آخر منشا اس حاضری کا کیا ہے، آخر فرمائش پر اس فقیر نے عرض کیا کہ بحث یہ ہے اور فقیر یہ کہتا ہے، فلاں صاحب یہ فرماتے ہیں۔ فرمایا: تیری بات صحیح ہے اور پھر فرمایا کہ مسائل شرعیہ پوچھنے میں ہم سے شرم کروگے تو پھر روئے زمین پر کوئی بتانے والا نہ پاؤ

گے۔ (بحمد اللہ) تھانی تقریباً ۲۵ سال بعد یہ مسئلہ نوری میں مل گیا۔ حضرت والا کی اس شفقت سے ہمیں گستاخ کر دیا تھا اور ہم حضرت سے بلا دھڑک مسئلہ پوچھ لیا کرتے تھے۔ لیکن بلا وجہ زبان کھولنا درکنار، جلالت علمی کے باعث ہنس کر بات کرنا بھی دشوار ترین مرحلہ تھا۔

طلبا کی لیاقت:۔ سالانہ امتحان کے موقع پر ممتحن صاحب نے مولوی محمد خلیل صاحب امروہوی سے چند سوالات بے جا کر ڈالے، مولوی محمد خلیل صاحب نے جواب دیا کہ اگرچہ یہ غیر متعلق سوالات ہیں، لیکن میں ان کے جوابات دیتا ہوں اور پھر جوش میں آکر بلند آواز سے جوابات کی تقریر کی، حضرت صدر الشریعہ کو علم ہوا تو فرمایا کہ مولوی خلیل انھیں پڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

روحانی فیضان:۔ طلبا کی طرف التفات تام کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ فقیر کو ایک مرتبہ ایک مسئلہ کی تحریر میں الجھن پیش آئی، خواب میں تشریف لاکر ارشاد فرمایا: بہار شریعت کا فلاں حصہ دیکھ لو، صبح اٹھ کو بہار شریعت اٹھائی اور مسئلہ حل کر لیا۔

خواب:۔ وصال شریف کے بعد فقیر نے دیکھا کہ کتب احادیث کا درس دے رہے ہیں، مسلم شریف سامنے ہے، سفید اور شفاف لباس میں ملبوس تشریف فرما ہیں، مجھ سے فرمایا: آؤ تم بھی مسلم شریف پڑھ لو۔

حضرت والا اگر اب بظاہر ہم میں تشریف فرما نہیں، لیکن ہندوستان و پاکستان میں وہ کون سا خطہ ہے، جہاں جلیل القدر علما و تلامذہ اور بہار شریعت کی صورت میں ان کا فیض رواں دواں نہیں۔ مولیٰ عزوجل ان کے فیوض و برکات کو جاری وساری رکھے اور ان خدمات جلیلہ کی آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۲/ ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بہر امجد کر عطا مجھ کو رضائے مصطفیٰ
اور شریعت کی بہاریں مصطفیٰ کے واسطے

چند تنقیحات

ولادت:۔ حضرت کی حیات میں کبھی یہ خیال نہ ہوا کہ حضرت سے دریافت کیا جاتا، حضرت کے وصال کے بعد میں نے اور استاذی خیر الاذکیا جناب مولانا غلام یزدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت چھان بین کی، مگر کہیں حضرت کا سن ولادت لکھا ہوا نہیں ملا۔ حضرت کے منجھلے بھائی جناب حکیم احمد علی صاحب مرحوم سے بھی پوچھا گیا، انھوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ البتہ حضرت کے بے تکلف دوست جناب عبدالحئی خاں صاحب رضوی رئیس اعظم بیس واڑہ گھوسی نے اتنا بتایا کہ حضرت صدر الشریعہ مجھ سے ڈیڑھ سال بڑے تھے، میری تاریخ پیدائش لکھی ہوئی ہے، سن ۱۳۰۲ھ، انھوں نے مہینہ بھی بتایا تھا، وہ یاد نہیں۔ اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ حضرت کی ولادت سن ۱۳۰۰ھ میں ہوئی ہے۔

ابتدائی تعلیم:۔ اپنے دادا مولانا میاں جی خدا بخش صاحب سے گھر پر حاصل کی، پھر محلہ قصبہ میں مدرسہ ناصر العلوم میں جاکر کو پاگنج کے مولوی الٰہی بخش صاحب سے کچھ تعلیم حاصل کی، پھر اپنے چچازاد بھائی اور استاذ مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم کے ہمراہ جون پور جاکر درسِ نظامی کی تکمیل کی، پھر دورۂ حدیث پیلی بھیت استاذ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی سے مکمل فرمایا۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
ایک باکمال مشفق استاذ

مفتی محبوب رضا خاں بریلوی
بانی مدرسہ رضویہ حنفیہ ساہیوال پاکستان

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں ۱۹۳۹ء میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ میں حاضر ہوا، چوں کہ درمیان سال تھا، حضرت نے فرمایا کہ بندۂ خدا بغیر پیشگی خط و کتابت کے آگئے، تین پیسے کا خط لکھ کر پہلے مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا، یہاں درمیان سال میں داخلہ ممنوع ہے، یہ ریاست ہے اور نواب صاحب کی اجازت کے بغیر درمیان سال میں داخلہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے عرض کی کہ حضور! اب تو میں آگیا واپس نہیں جاؤں گا، داخلہ نہیں ہوتا تو نہ ہو، میں بستی میں کرایہ پر مکان لے لوں گا، آپ پرائیویٹ طور پر کوئی ایک سبق مجھے شروع کرادیں۔ فرمایا: میرے پاس وقت کہاں ہے؟ عرض کی کہ عصر مغرب کے درمیان وقت ہے۔ فرمایا: اس وقت میں اخبار دیکھتا ہوں۔ عرض کی کہ حضور دس منٹ مجھے عنایت فرمادیں۔ فرمایا: بچوں کی سی باتیں کرتے ہو، دس منٹ پڑھایا جاسکتا ہے؟ عرض کی کہ حضور میرے لیے دس منٹ بہت ہیں۔ فرمایا: کیا پڑھنا چاہتے ہو؟ عرض کی جو حضور پڑھائیں۔ ہنس پڑے، پھر فرمایا: منطق کہاں تک پڑھی ہے؟ عرض کی قطبی پڑھی۔ فرمایا: ملاجلال شروع کردو۔ عرض کیا جو حکم ہو۔ پھر کچھ تامل کے بعد دریافت فرمایا: میر زاہد رسالہ پڑھا ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا: پھر پہلے رسالہ پڑھو۔ عرض کی جو حکم۔ فرمایا: کل سے میر زاہد شروع کردو۔ چنانچہ دوسرے روز عصر کی نماز کے بعد مدرسہ کے چبوترے پر چارپائی پر بیٹھ کر میر زاہد شروع کرایا تو اساتذۂ مدرسہ بھی شریک درس ہوگئے اور اکثر طلبہ بھی، یعنی میر زاہد رسالہ میں میرے شریک طلبہ کی تعداد سب اسباق کی جماعتوں سے بڑی ہوگئی۔ نیز چھٹی جماعت میں شریک ہوکر اسباق کی سماعت کی اجازت بھی مل گئی۔ مطبخ کے باورچی کو بلاکر حکم فرمایا کہ قاری صاحب کا کھانا دونوں وقت کا تم دینا اور پیسے ان سے طے کرلینا۔ چنانچہ میں کئی مہینہ اس طرح ہوسٹل میں رہا، پھر ایک روز نواب غلام محمد خاں صاحب مرحوم متولی مدرسہ ہوسٹل میں تشریف لائے، میری طلبی ہوئی اور مجھ کو باقاعدہ داخلہ مل گیا۔

میرے عزیز مفتی اعجاز ولی خاں صاحب مرحوم و مغفور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے بہت قریب تھے، مجھے ان کے ساتھ قیام کی اجازت مل گئی۔ اس طرح میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا خادمِ خاص بن گیا، سودا سلف کی خریداری اور دیگر امور خانہ میں مفتی اعجاز ولی خاں صاحب مرحوم کے بعد میں دخیل ہوا۔ دھوبی کو حضرت کے گھر کے کپڑے دینا، ان کا حساب لکھنا اور اندراج کے مطابق وصول کرنا میری ذمہ داری تھی۔ سبزی وغیرہ بھی میں خرید کر لاتا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض چیزیں بغیر اجازت اپنی مرضی سے خرید لاتا یا جو کچھ منگوایا گیا اس میں اپنی مرضی سے ردو بدل کر لیتا، حتی کہ بعد میں اکثر ایسا بھی ہوتا کہ گھر سے کوئی بچہ پوچھنے کے لیے آتا کہ آج کیا پکایا جائے تو حضرت فرمادیتے کہ قاری صاحب سے پوچھو۔ کشیدنی تمباکو میں اپنی مرضی سے خرید لاتا، جتنی منگوائی جاتی اس سے بہت زیادہ خرید لاتا، فرماتے کہ اتنی کیوں خریدی، میں نے تو اتنی کہی تھی۔ عرض کر دیتا کہ حضور یہ تمباکو بہت اچھا ہے، دیسی ہے اور خوب تیز ہے، کام آئے گا، روز ایسا نہیں ملے گا، ہنس کر خاموش ہو جاتے۔ میں بر بنائے خلوص و عقیدت اس قسم کے تصرفات کرتا تھا اور موصوف خلوص کے قدر دان تھے۔

عاداتِ کریمہ: نہایت نفاست پسند تھے، طلبا سے بہت خلوص و محبت فرماتے اور اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ آپس میں ان کے لیے ”ابا“ کا لفظ استعمال کرتے، چوں کہ حضرت کے بچے ان کو ابا کہتے تھے۔ نہایت چشم پوش اور کریم النفس تھے، مگر اصول میں سخت گیر اور بہترین قسم کے منتظم تھے۔ میں نے ان سے زیادہ متبع سنت کسی کو نہیں دیکھا، صاف گو اور سادہ لوح، نہایت معاملہ فہم، خوش مزاج و حلیم الطبع تھے۔ لباس بالکل سادہ پہنتے تھے، دیسی کھدر کا کرتہ، عرض کا پاجامہ، کھدر ہی کی بنڈی اور کھدر ہی کا جبہ سفید یا ہرے رنگ کا، مگر ٹوپی دوپلی چپ عمدہ، ململ یا دائل کی رنگین عمامہ، جاڑوں میں اونی ٹوپا، اونی جرسی یا روئی کی مرزئی دہلی والی سرخ زری کی ایک کنٹھے والی پاپوش استعمال فرماتے تھے، نہایت وجیہہ شخصیت کے مالک تھے۔

پسندیدہ خوراک: بھنا ہوا گوشت، روٹی اور ترکاریوں میں تلے ہوئے کریلے شوق سے تناول فرماتے تھے، دارجینگ کی عمدہ چائے پیتے اور اس معاملہ میں نہایت نفاست پسند واقع ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ والدہ صاحبہ گھوسی تشریف لے گئی تھیں، حضرت دادوں میں موجود تھے، ایک میواتی فلک شیر خاں کی بھینس بیمار ہوگئی، مفتی اعجاز ولی خاں مرحوم نے اس کو تعویذ لکھ دیا کہ گھر کی ڈاہی میں لٹکا دے، اللہ کے حکم سے وہ بھینس تندرست ہوگئی، اس نے تقریباً پانچ سیر دودھ مفتی صاحب کی نذر کیا۔ پروگرام بنا کہ چاول اور شکر حضرت کے یہاں سے حاصل کیے جائیں، میں نے خدمت اقدس میں عرض کی: چاول اور شکر چاہیے، فرمایا: کیا کروگے؟ عرض کی: کھیر پکائیں گے، فرمایا: لے لو، دودھ کہاں سے لوگے؟ عرض کی کہ دودھ اس طرح مل گیا ہے، مسکرائے اور فرمایا: ہم کو تو تعویذ کا معاوضہ کوئی نہیں دیتا، اعجاز میاں ہم سے زیادہ کامیاب ہیں۔ غرض کہ کھیر پکی مگر اس میں شکر بہت زیادہ ہوگئی، میرے متعلق طلبا نے مشہور کر رکھا تھا کہ میں میٹھا بہت زیادہ کھاتا ہوں، جب حضرت نے تناول فرمائی تو دو چار چمچے لے کر چھوڑ دی اور ہنس کر فرمایا: اعجاز میاں! قاری صاحب نے اپنے مطلب کی پکائی ہے، تاکہ اور کوئی نہ کھا سکے، اب یہی اس کو ختم کریں گے۔ ہلکا میٹھا پسند فرماتے تھے، ہاں زیادہ کھاتے تھے اور کشیدنی تمباکو میں غازیپور، گورکھپور اور لکھنؤ کا عمدہ خمیرہ استعمال کرتے تھے۔ تمباکو بنانے، خرید کر لانے اور اس میں خمیرہ ملانے کی خدمت میں انجام دیتا تھا۔

عصر کے بعد میں نے چہل قدمی کے لیے مشورہ دیا، پسند فرمایا۔ چنانچہ بعد نماز عصر روزانہ تقریباً ایک میل ٹہلنے کو جاتے، اکثر مولانا حافظ مبین الدین صاحب بھی ہمراہ ہوتے، راستہ بھر ہم لوگ مسائل پوچھتے جاتے اور حضرت جوابات ارشاد فرماتے جاتے۔

ایک مرتبہ ۱۲ ربیع الاول شریف کو صبح صادق کے وقت اپنے گھر میں محفل میلاد سے فارغ ہو کر نماز ادا کی اور حسن پور کے جلسہ میں شرکت کے واسطے تشریف لے چلے، حضرت محدث صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں تشریف لائے ہوئے تھے، دونوں بزرگوں کی چارپائیاں صحن میں برابر برابر پڑی تھیں، ہم لوگ حضرت کے پاؤں دباتے جاتے اور مسائل پوچھتے جاتے، حضرت آنکھیں بند کیے ہوئے ہم کو جوابات ارشاد فرماتے جاتے۔ محدث صاحب علیہ الرحمہ نے کچھ دیر تو خاموشی اختیار فرمائی، مگر جب سوالات و جوابات اور جوابات پر اعتراضات اور پھر اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ ختم ہوتا نظر نہیں آیا تو اپنے مخصوص انداز میں ارشاد فرمایا کہ حضرت آپ کے تلامذہ معاملات میں بہت صفائی پسند واقع ہوئے۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ وہ کیسے؟ محدث صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک گھنٹہ ہوا کہ یہ حضرات آپ سے اپنی محنت کی قیمت نقد وصول فرماتے جارہے ہیں، یہ لوگ ادھار کے قائل نہیں۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ میں عادی ہو چکا ہوں، اس سے میرے آرام میں خلل نہیں پڑتا ہے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بس بھائی آپ لوگ بھی آرام فرمائیں اور محدث صاحب کو بھی آرام کرنے دیں، ان کو نیند آرہی ہے۔

انتظامی معاملات میں بہت بااصول واقع ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ غالباً ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ دامت معالیہ اور حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ نے حج و زیارت کا ارادہ فرمایا اور طے یہ ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو مدرسہ منظر اسلام اور دار الافتا بریلی شریف کا کام اہتمام و انتظام سونپا جائے۔ چنانچہ حضرت کو گھوسی سے بریلی شریف بلایا گیا اور سب کام حضرت کے سپرد کر کے دونوں حضرات حجازِ مقدس کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت نے طلبا کی حاضری اور مطالعہ کے معاملات میں اپنی عادت کے مطابق سختی برتی، طلبا میں اکثریت بنگالیوں کی تھی، ان کو یہ بات کھلی، چوں کہ حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ نرم پالیسی اختیار فرماتے تھے، انھوں نے احتجاجاً ایک روز غیر حاضری کی، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بہت ناراض ہوئے اور سب غیر حاضر طلبا کو مدرسہ سے خارج فرمادیا اور فرمایا کہ میں مدرسہ بند کرنا پسند کروں گا مگر بدانتظامی اور بے اصولی کو برداشت نہیں کروں گا، طلبا کا خیال تھا کہ ایک دو روز میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نرم پڑ جائیں گے مگر معاملہ ان کی امیدوں کے بالکل برعکس ہوا، جو طلبا تھے ان کے اسباق بدستور جاری رہے اور حضرت کی طرف سے غیر حاضر طلبا سے مفاہمت کی کوئی پیش نہ ہوئی۔ اب وہ لوگ گھبرائے، چوں کہ بریلی شریف کے بعض معززین کے پاس شکایت لے کر گئے اور اس سلسلے میں ان کی مدد چاہی، انھوں نے کانوں پر ہاتھ دھرے کہ نہ بابا اس معاملہ میں ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے، تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے اور حضرت کو غلط سمجھا ہے، وہ طلبا کے بہت ہمدرد ہیں مگر انتظامی معاملات میں بہت سخت گیر ہیں، بریلی شریف میں کسی کی مجال نہیں ہے جو ان کے معاملے میں دخل دے، یہ مولانا سردار احمد صاحب نہیں ہیں، تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم سب حضرات بلا تاخیر حاضر ہو کر حضرت سے معافی مانگ لو، ہمیں امید ہے کہ معاف فرمادیں گے، اس صورت میں ہم لوگ بھی تمہاری سفارش کے لیے تیار ہیں۔ جب طلبا ہر طرف سے مایوس ہو گئے تو ایک روز سب نے آکر

حضرت سے معافی مانگی، کچھ مقامی حضرات بھی سفارشی ہوئے۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارا یہ خیال تھا کہ مولوی سردار احمد آکر تم کو دوبارہ داخل مدرسہ کر لیں گے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکے گا، جس کو میں مدرسہ سے نکال دوں، اس کو مولوی سردار احمد نہیں داخل کر سکتے۔ آخر کار سب نے معافی مانگی اور آئندہ کے لیے پابندیٔ احکام کا عہد کیا، معززین شہر نے سفارش کی تب ان کو داخلہ دوبارہ ملا۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ مجھے یاد آرہا ہے کہ ہمارے بزرگ اپنے بزرگوں کا کس قدر احترام کرتے تھے اور ان سے کتنی عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ اور مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ جب سفر حج کے لیے سوداگری محلہ سے چلے تو اسٹیشن تک پیدل تشریف لے گئے، ہزار ہا آدمی جلوس میں شامل تھے، ایک بوگی ریلوے ریزرو کرائی گئی تھی، جب اسٹیشن پر گاڑی میں سوار ہوئے تو میں ایک برتھ پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے برابر بیٹھ گیا، سامنے کی برتھ پر حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ تشریف فرما تھے، گاڑی چلنے والی تھی کہ مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے برابر آبیٹھے اور چپکے سے میرے کان میں کہنے لگے کہ قاری صاحب میرا ایک کام کردیں، بڑی مہربانی ہوگی۔ میں نے کہا بسر وچشم ارشاد فرمایئے۔ فرمانے لگے کہ حضرت کی ٹوپی مجھے چاہیے، آپ مانگ کر مجھے عنایت فرمادیں۔ میں نے کہا آپ خود کیوں نہیں مانگتے، میرا عرض کرنا آپ سے زیادہ تھوڑا ہی مؤثر ہوگا۔ فرمایا نہیں آپ مانگیے۔ میں نے کہا میں تو نہیں کہوں گا، آپ خود مانگیں۔ مولانا نے فرمایا نہیں آپ مانگیے، بندۂ خدا گاڑی چلنے والی ہے، جلدی کیجیے۔ آخر میں نے حضرت سے عرض کی کہ مولانا آپ کی ٹوپی تبرکاً مانگ رہے ہیں۔ حضرت بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں گھر تک ننگے سر جاؤں اور ٹوپی ان کو دے دوں، گھر پر انھوں نے کیوں نہیں کہا، میں کوئی نئی ٹوپی دے دیتا، یہ بالکل پرانی ہے۔ اب مولانا علیہ الرحمہ بولے: حضرت میرے لیے یہی بہت ہے، میں نے اپنا رومال وائل کا حضرت کی خدمت میں پیش کیا کہ حضرت یہ سر پر باندھ لیں اور یہ ٹوپی مولانا کو عنایت فرمادیں، گاڑی چلنے والی ہے۔ چنانچہ حضرت نے ٹوپی عنایت فرمائی، گارڈ نے سیٹی بجائی، ہم لوگ گاڑی سے اتر آئے اور ٹرین چل دی، مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ حضرت کے نہایت چہیتے شاگرد تھے، وہ خود بھی مانگ سکتے تھے مگر ہمت نہ پڑی، ادب مانع ہوا اور مجھے اپنا سفارشی بنا کر بات کی۔

ایک مرتبہ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عرس کے موقعہ پر میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے پیر داب رہا تھا، کوئی ۹ ربجے رات کا وقت تھا اور حضرت آنکھیں بند کیے آرام فرما رہے تھے کہ مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ دبے پیروں آئے اور مجھے اشارہ کیا کہ میں ان کو بیٹھنے کے لیے جگہ دوں۔ چنانچہ میں تھوڑا سا اوپر کی طرف ہٹ گیا اور وہ بھی حضرت کے پیر دابنے لگے۔ حضرت نے آنکھیں بند کیے کیے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟ مولانا خاموش رہے، میں نے عرض: مولانا سردار احمد صاحب ہیں، حضرت نے فرمایا کہ مولوی سردار احمد تم رہنے دو قاری صاحب جو داب رہے ہیں، اب تم ماشاء اللہ مہتمم ہو، طلبا دیکھیں گے تو ہنسیں گے۔ مولانا نے عرض کی کہ حضور برسوں کے بعد تو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے، میں تو آج بھی اپنے کو ایک طالب علم ہی سمجھتا ہوں، یہ سب حضور کا صدقہ ہے۔ حضرت خاموش ہوگئے، چند منٹ کے بعد حضرت حافظ

الملت حافظ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ آئے اور مجھے اشارہ کیا کہ میں ہٹ جاؤں اور ان کو بیٹھنے کی جگہ دوں، چنانچہ میں ہٹ گیا اور وہ بھی حضرت کی کمر دابنے لگے، حضرت نے دریافت فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کی کہ حافظ عبدالعزیز صاحب ہیں۔ حضرت نے فرمایا ارے بھائی آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں، حافظ صاحب علیہ الرحمہ نے عرض کی کہ حضور یہ تو ہمارے لیے عین راحت ہے۔ چنانچہ میں اٹھ کر پان بنانے چلا گیا، پان بنا کر لایا، ان دونوں حضرات کو پان پیش کیے، اتنے میں حضرت بھی اٹھ بیٹھے اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں، دیگر علما بھی تشریف لے آئے اور محفل گرم ہوگئی۔ آج ان بزرگوں کو یاد کر کے آنکھیں بھر آتی ہیں، کیسی نورانی شکلیں تھیں۔

زمیں میں کیسے کیسے حسن والے دفن ہیں مضطر
قیامت ہوگی جب یہ سب کے سب مدفن سے نکلیں گے

حضرت کے قیام دادوں کے دوران حضرت مولانا حافظ مبین الدین صاحب امروہوی، حضرت مولانا سید ظہیر احمد صاحب ریدی نلینوی، حضرت مولانا محمد خلیل خاں صاحب مارہروی اور خاکسار نے صلاح کی کہ درسی کتب پر ہمارے علما کے حواشی کم ہیں، کیوں نہ حضرت سے کسی کتاب پر حاشیہ لکھوایا جائے۔ چنانچہ طے پایا کہ تفاسیر میں مدارک شریف اور کتب احادیث میں طحاوی شریف حنفیوں کی کتابیں ہیں اور معراء ہیں اور معقولات میں شرح ہدایۃ الحکمۃ معرا ہے، ان میں کسی پر لکھوایا جائے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ حضرت سے فرمائش کون کرے، طے یہ ہوا کہ سب چلو اور قاری صاحب تجویز پیش کریں اور دوسرے احباب تائید کریں۔ چنانچہ کئی روز کے صلاح و مشورہ کے بعد ایک روز بخاری شریف کا سبق ختم کر کے میں نے عرض کی کہ حضور یہ تین کتابیں معرا ہیں، مدرسین اور طلبا دونوں کو ان کے پڑھنے پڑھانے میں دشواری پیش آتی ہے اور شرح ہدایۃ الحکمۃ آپ کی خاندانی کتاب ہے اور اس کی تقاریر بھی آپ کے سوا کوئی اور مصنف علیہ الرحمہ کے منشا اور مراد کے مطابق نہیں کرسکتا ہے، اس لیے پہلے شرح ہدایۃ الحکمۃ کا حاشیہ ہم کو لکھوا دیں، پھر ان دونوں کتابوں میں کسی ایک پر جس کو آپ چاہیں کام شروع کریں۔ حضرت یہ سن کر بہت ہنسے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کام کو بہت آسان سمجھ لیا ہے، یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے، ابھی بہار شریعت ہی کا کچھ کام باقی ہے، میں بوڑھا ہو چکا ہوں، قویٰ میں اضمحلال پیدا ہو گیا، اب میری صحت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں یہ کام کروں۔ عرض کی کہ حضور کم از کم شرح ہدایۃ الحکمۃ ہم کو شروع کرا دیں اور ذرا ٹھہر ٹھہر کر تقریر فرمائیں کہ ہم اس کو لکھ لیں، اس طرح یہ کتاب محشیٰ ہو جائے گی۔ فرمایا اتنا وقت کہاں ہے؟ عرض کی کہ رات کو آدھا گھنٹہ کافی ہوگا، جب شروع ہو جائے گی تو ان شاء اللہ ختم بھی ہو جائے گی، کوئی جلدی نہیں ہے، مگر حضرت نے انکار فرمایا۔ دوسرے روز ہم نے صلاح کی: تقاضا جاری رکھو، کب تک انکار کریں گے، آخر مان ہی جائیں گے۔ چنانچہ ہر روز کسی وقت ہم حاضر خدمت ہو کر عرض کر دیتے اور بعض مرتبہ ڈانٹ بھی سنتے، کئی مرتبہ فرمایا کہ تم لوگوں کو کئی دفعہ اپنی مجبوری بتا چکا ہوں پھر بھی ضد کیے جاتے ہو، اس وقت تو ہم خاموش اٹھ کر چلے آتے، مگر اگلے دن کسی نہ کسی بہانہ سے پھر مسئلہ چھیڑ دیتے، چوں کہ سوال میں کرتا تھا، دوسرے احباب خاموش رہتے یا میری آواز میں تائید کرتے، لہٰذا جھاڑ میرے اوپر ہی پڑتی۔ بہر حال ہم نے ہمت نہیں ہاری، آخر ایک روز حضرت نے فرمایا کہ تم لوگ باز نہیں آؤ گے، ہم نے عرض کی کہ حضور بڑا کرم ہوگا، زیادہ نہیں تو

صرف دس منٹ روزانہ ہم کو عنایت فرمادیں، ہنس کر فرمایا کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، کہیں دس منٹ میں بھی یہ کام ہوسکتا ہے، میں اسباق پڑھانے کے بعد تھک جاتا ہوں، بیٹھنا کھلتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور لیٹ جایا کریں، میں پیر دابا کروں گا اور یہ لوگ لکھتے رہیں گے، صرف زبانی تقریر فرمادیا کریں، بہت ہنسے اور فرمایا قاری صاحب ضد بے جا کرتے ہو۔ میں نے عرض کی کہ حضور یہ کام کرنا ہی ہوگا، مولوی سید ظہیر احمد صاحب زیدی بولے: جی بے شک۔ حضرت نے فرمایا: چپ رہ بے وقوف، سب لوگ ہنس پڑے۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں، جب مجلس برخاست ہوئی تو میں نے عرض کی کہ حضور پھر کل کسی وقت شروع کرائیں گے؟ فرمایا: ہتھیلی پر سرسوں مت جماؤ، یہاں کتابیں بھی نہیں ہیں، میرا حافظہ اب کمزور ہوگیا، حبیب گنج جاؤ اور نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کے کتب خانہ سے افق المبین تصنیف میر باقر داماد اور شرح اشارات (اور بعض دیگر کتابیں بتائیں جن کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں ہے) لاؤ، پھر شروع کرنا۔

چنانچہ اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد جب میں حبیب گنج جانے لگا تو ایک طالب علم کو میرے پاس بھیجا کہ قاری صاحب کو روکو، میں ٹھہر گیا، حضرت نے مسجد سے باہر آکر فرمایا کہ میرا خیال ہے جب خدمت ہی کرنی ہے تو دین کی خدمت کرو، ہدایۃ الحکمۃ کو چھوڑو، مدارک شریف اور طحاوی شریف میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو، ہم لوگ بہت خوش ہوئے اور عرض کی کہ حضور منتخب فرمائیں، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ حدیث کی خدمت کرو، ہم نے عرض کی کہ نہایت خوب۔

چنانچہ کتب معقولات کی فہرست مجھ سے لے لی اور شرح حدیث کی بعض کتابیں لکھ کر دیں اور ایک خط نواب صاحب مرحوم کو لکھ کر مجھے دیا، جس میں کتابوں کا مطالبہ تھا، میں حبیب گنج نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت کا خط دیا، نواب صاحب مرحوم نے محافظ کتب خانہ کو بلا کر فرمادیا کہ یہ کتابیں ان کو دے دو اور ان سے دستخط لے لو۔ چنانچہ وہ کتابیں لے کر میں فوراً واپس آیا اور اسی روز بعد نماز عشا تحشیہ کا کام شروع کیا گیا، پہلے روز تو صرف بسم اللہ شریف لکھی گئی، باقی وقت باتوں میں گزر گیا، اگلے روز سے پابندی سے کام شروع ہوا۔

مولوی سید ظہیر احمد صاحب اور مولوی خلیل خاں صاحب کتابت فرماتے تھے، چوں کہ خوش خط تھے، میں کتابیں نکال کر دیتا اور حافظ مبین الدین صاحب اور میں کتابوں میں سے متعلقہ حدیث ڈھونڈ کر نکالتے اور حضرت حاشیہ لکھاتے جاتے، رات کے دو ڈھائی بجے تک روزانہ بعد نماز عشا سے کام کرتے، ہم لوگ تھک جاتے، مگر حضرت مسلسل لکھواتے رہتے، درمیان میں ایک مرتبہ چائے چلتی، اس طرح بہت جلد طحاوی شریف کی کتاب الصلوٰۃ تک تحشیہ کا کام ہوچکا تھا کہ ہمارے امتحانات ختم ہوئے، اس کے بعد حضرت نے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں سے استعفا دے دیا اور گھوسی تشریف لے گئے، وہاں جاکر حضرت کی بینائی کمزور ہوگئی اور تحشیہ کا کام رک گیا۔ میری دعا ہے کہ حضرت کی اولاد یا تلامذہ میں سے کوئی صاحب اس کی تکمیل فرمادیں، والدہ صاحبہ کے پاس اس کا مسودہ موجود ہے۔

حضرت کا طریقۂ تدریس: دوسرے مدرسین سے حضرت کا طریقۂ تدریس مختلف پایا، دوسرے اساتذہ کے اسباق میں طلبا قراءت کے لیے آپس میں جھگڑتے تھے، مگر حضرت کے

سبق میں ایک دوسرے کے کہنیاں مارتے تھے کہ تم قراءت کرو، حضرت ایک مرتبہ ''ہوں'' فرماتے، یہ اشارہ ہوتا قراءت شروع کرنے کا، مگر طلبا آپس میں کہنیاں مارنا شروع کردیتے، حضرت دوبارہ ''ہوں'' فرماتے، مگر کسی کی ہمت نہ پڑتی شروع کرنے کی، پھر جب تیسری مرتبہ ''ہوں'' فرماتے تو کوئی نہ کوئی گھبرا کر قراءت شروع کردیتا، اکثر و بیشتر میں اور حافظ مبین الدین قراءت کرتے، کبھی کبھی دوسرے ساتھی بھی قراءت کرتے، اگر عبارت پڑھنے میں کوئی غلطی ہوجاتی تو پڑھنے والے کی شامت آجاتی، حضرت بہت ناراض ہوتے، ترجمہ لفظی پسند فرماتے تھے، اگر ترجمہ میں کوئی لفظ اپنی طرف سے طالب علم بڑھادیتا تو فوراً پوچھتے کہ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے، ترجمہ کے بعد دریافت فرماتے کہ کیا سمجھے بیان کرو، چنانچہ اگر مطلب صحیح بیان کردیا جاتا تو خود تقریر فرمانے لگتے اور اگر مطلب صحیح بیان نہ ہوا تو ناراض ہوتے اور فرماتے کہ میرے پاس بغیر مطالعہ کیے مت آیا کرو۔

صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک اور امور عامہ جیسی مشکل کتابوں کی تقریر حفظ سے فرماتے جاتے، تقریر کے بعد پھر کتاب پر نظر ڈالتے اور فرماتے کہ اب حافظہ کمزور ہوگیا ہے، اس لیے دیکھ لیتا ہوں کہ کوئی جملہ رہ تو نہیں گیا، جوانی میں کتاب دیکھے بغیر پڑھاتا تھا، جہاں طالب علم نے بس کی، حضرت نے کتاب بند کردی، کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تھوڑا اور پڑھ لو، بخلاف دوسرے مدرسین کے کہ ان کے یہاں جب طالب علم نے بس کی تو انھوں نے فرمایا تھوڑا اور پڑھ، اس کے باوجود سب سے پہلے حضرت کی کتاب ختم ہوتی تھی اور سبق کی تقریر دوبار فرماتے تھے، میں تو اس کو حضرت کی کرامت ہی مانتا ہوں۔ بخاری شریف کے گویا حافظ تھے اور جن احادیث پر شروحِ احادیث میں قیل وقال ہے، ان کے متعلق ایسی تقریر فرماتے کہ طالب علم کو اعتراض کی گنجائش نہ رہ پاتی۔

ایک واقعہ مجھے خوب یاد ہے کہ بخاری شریف کی ایک حدیث جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرطاس طلب فرمایا تھا اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بایں خیال کہ بخار کی شدت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف دینا مناسب نہیں ہے، قرطاس لانے کی مخالفت کی تھی، شروحِ احادیث میں بہت قیل وقال کی گئی ہے۔ چنانچہ میں نے فتح الباری اور حافظ مبین الدین صاحب نے عینی شرح بخاری کا خوب مطالعہ کیا اور صلاح کی کہ اس پر خوب اعتراضات کریں گے، تاکہ حضرت یہ جان کر کہ میرے تلامذہ خوب مطالعہ کرکے آئے ہیں، خوش ہوں اور دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں ہم زیادہ مطالعہ کرنے والے اور ذہین ثابت ہوں، مگر ہوا یہ کہ میں قراءت کررہا تھا جب مذکورہ حدیث میں میں نے لفظ ''اَھْجَرَ'' پڑھا تو حضرت نے فرمایا ''اَھَجَرَ'' یعنی میں نے ''ہ'' کو ساکن پڑھا تھا اور حضرت نے ''ہ'' کو مفتوح پڑھنے کو فرمایا، جس کے بعد اعتراضات خود بخود ختم ہوگئے اور فرمایا کہ ''ہ'' کو مفتوح پڑھنا ہی صحیح ہے۔ مختصر یہ کہ پیچیدہ مقامات پر ایسی سلجھی ہوئی اور دل نشین تقریر فرماتے کہ طالب علم کو کم سے کم اعتراض کا موقعہ ملتا۔ حدیث شریف کے سبق کے شروع میں بسم اللہ کے بعد درود شریف ضرور پڑھا جاتا، اکثر خود اعتراضات کی تقریر فرما کر جوابات ارشاد فرماتے۔

اللھم نور مرقدہ اللھم برد مضجعہ اللھم وسع قبرہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم

☆☆☆

صدر الشریعہ

ایک جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت

علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی
صدر دار الافتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی)

تمام میکدہ سیراب کردیا جس نے
نگاہِ یار تھی، جامِ شراب تھا، کیا تھا؟

صدر المدرسین، شیخ المحدثین، بدر الطریقہ حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی قدس سرہ العزیز مصنف بہار شریعت شارح طحاوی کی ذاتِ گرامی کی حیثیت ہماری جماعت میں وہی ہے، جو کائنات میں آفتاب عالم تاب کی ہے۔ پوری دنیا میں رنگ و روغن، نور و نکہت، توانائی و حرارت کے سرچشمہ کی ذات ہے، جو یومیہ کروڑوں من رنگ گرمی روشنی اپنے خزانۂ عامرہ سے دنیا کو بخش کر عالم رنگ و بو کی بہاروں، رعنائیوں، توانائیوں کو باقی رکھے ہوئے ہے اور صبح قیامت تک باقی رکھے رہے گا۔

ہمارے علمی مراکز، دینی اداروں، اونچی سے اونچی خانقاہوں میں جھانک کر دیکھو گے تو کہہ اٹھو گے:

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سبھی اس زلف کے اسیر ہوئے

بلاواسطہ فیض یافتگان تو اب صرف دو ایک رہ گئے، لیکن بواسطہ فیض یافتگان کی اگر کوئی فہرست بنائی جائے تو میرا اپنا اندازہ ہے کہ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔

دینی خدمات کے جتنے بھی مناصب ہیں، ان پر فائزین کو شمار کیجیے تو باستثنا دو چار کے سبھی حضرت صدر الشریعہ کے تلامذہ کے سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

دار الافتا کا جائزہ لیجیے! تمام دار الافتا کے مسند نشیں اسی مخزنِ علم و حکمت کے وارث ہیں۔ مدرسین کا سروے کیجیے! تو آپ کو ہر دار العلوم، ہر مدرسے میں اسی استاذ الکل فی الکل کے تلامذہ نظر آئیں گے۔ مصنفین کا جائزہ لیجیے! تو سب کے سب اسی خرمن کے خوشہ چیں ملیں گے۔ مقررین وخطبا پر نظر ڈالیے! تو وہ سب اسی منبع فیض و برکت کی بارگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ مشائخ سلاسل میں جو صاحبانِ علم و فضل ہیں، انھیں کھنگالیے تو ان سب کو علم و فضل کی دولت اسی داتا کی بارگاہ سے ملی ہے۔

اگر مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو آج کے تمام مشاہیر کا نام لے لے کر بتا دیتا اور دکھا دیتا کہ فلاں شیخ نے فلاں مدرسے میں فلاں سے پڑھا ہے اور وہ بواسطہ یا بلاواسطہ حضرت صدر الشریعہ کے تلمیذ ہیں۔

لیکن یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایسے محسن اعظم کی ان کی شایانِ شان تو بڑی بات ہے، کوئی مختصر سوانح عمری بھی شائع نہ ہوسکی، جن کے منت کش احسان کی تعداد ہزار ہا ہزار ہے۔ ان کو دنیا سے گئے ہوئے نصف صدی گزر رہی ہے، لیکن جمود و تعطل بے حسی کا عالم یہ ہے کہ ایسے ملت کے محسن و مقتدا کی

شایانِ شان تو بڑی بات ہے، کوئی مختصر سی بھی سوانح عمری شائع نہ ہوسکی۔ کیا یہ اس محسن اعظم کے ہزار ہا ہزار منت کش احسان افراد کے لیے ایک بہت اہم سوالیہ نشان نہیں؟

جناب مولانا عبد المنان صاحب کلیمی جب گھوسی تھے تو انھیں اس کا سب سے پہلے احساس ہوا، انھوں نے کسی نہ کسی طرح فتاویٰ امجدیہ کی دو جلدیں چھپوائیں اور عالم تصور میں ''دائرۃ المعارف الامجدیہ'' قائم کیا اور پھر حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے تمام وابستگان دامن سے مضمون لکھنے کی اپیل کی اور یہ بھی خوش آئند بات ہے کہ اہل قلم حضرات نے اپنی اپنی بساط کے مطابق مضامین بھی لکھے۔ مگر پھر کلیمی صاحب جب گھوسی سے گئے تو ان کے ساتھ ساتھ ان کا موجود ذہنی ''دائرۃ المعارف الامجدیہ'' بھی چلا گیا، مگر جاتے جاتے وہ یہ سارے مضامین عزیز سعید جناب مولانا علاء المصطفیٰ ناظم دار العلوم امجدیہ کے حوالے کر گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ عزیز موصوف نے ان تمام مضامین کو ایک اچھے امین کی طرح محفوظ رکھا۔

سالِ گزشتہ عزیز موصوف نے مجھ سے کہا کہ تم ان مضامین پر نظر ثانی کرلو تو انھیں چھپوا دیا جائے۔ میں اس وقت جس حال میں ہوں، خدا نہ کرے کہ کوئی دشمن بھی ہو۔ کبر سنی کی وجہ سے سارے قویٰ مضمحل اور خستہ، بینائی کمزور، پھر قوتِ لایموت کے لیے ملازمت پر مجبور اور ملازمت بھی آج کے عمومی تدریس کی نہیں کہ اپنی شہرت اور پیرانہ سالی کی دھونس سے فائدہ اٹھا کر وقت گزاری پر اکتفا کرسکوں۔ ملازمت بھی ہندوستان کے ایک ایسے دار الافتا کی، جو اس وقت پوری دنیا کا مرجع اعظم ہے۔ جس کا تعلق صرف ہندوستان و پاکستان ہی سے نہیں، عرب وعجم، یورپ و ایشیا، افریقہ وامریکہ سے یکساں ہے۔ اور یہ میری بد قسمتی ہے کہ اب تک مجھے ایسا کوئی باذوق افتا کا ماہر نہیں مل سکا، جو جامعہ اشرفیہ کی اس اہم مسند پر بیٹھ سکے۔

میں فطری طور پر حساس، کمزور اعصاب کا انسان ہوں اور اب ذکاوتِ حس اس درجے تک پہنچ چکی ہے کہ جو لوگ مجھے برداشت کر رہے ہیں، ان کا مجھ پر احسان ہے۔ میری کبھی بھی یہ عادت نہ تھی کہ مسائل کے لفافے نذر آتش کر دیے جائیں یا بوریوں میں بند کر کے خزانہ عامرہ میں داخل کیے جائیں۔ ہر مسائل کے سوال کا جواب ہر ممکن عجلت کے ساتھ ضرور دیا جائے، اگرچہ مختصر ہی ہو تا کہ اسے حکم شرعی معلوم ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے فتاویٰ میں تائیدی عبارات کا التزام نہیں۔

پھر اس سے ہٹ کر جب ہم تنخواہ لیتے ہیں تو ادارے نے ہمارے کام کے لیے جو اوقات مقرر کیے ہیں، ان میں بیٹھے رہنا یا دوسرے کام کرنا بد دیانتی ہے۔ اس لیے دار الافتا کے مقررہ اوقات میں اس کے جواز کی کوئی صورت نہ تھی کہ میں ان مضامین کو دیکھتا۔

خارجِ اوقات میں بعد مغرب سے لے کر سونے کے وقت تک اور بعد نماز فجر سے اوقاتِ دار الافتا شروع ہونے تک شرح بخاری کے لیے اس طرح متعین ہیں کہ کسی کو ملاقات کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر ان اوقات میں حضرت ملک الموت روح قبض کرنے تشریف لائیں گے تو ان سے اگر گفتگو کا موقع مل جائے گا تو عرض کروں گا کہ ذرا کرم کرتے ہوئے ٹھہر جائیں، میں اپنا وقت پورا کرلوں۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ وہ آتے ہیں تو ''لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون''.

لیکن عزیز موصوف کے اصرار بے حد سے مجبور ہوکر مجھے ان مضامین پر نظر ثانی کرنے کی حامی بھرنی پڑی، پھر انھوں نے دم بھی نہیں لیا اور پوری فائل میرے حوالے کردی۔ شاید انھوں نے یہ سوچا ہو "کلام اللیل یمحوہ النہار".

لیکن پانچ چھ سال کے لکھے ہوئے مضمون کی روشنائی ہلکی ہو چکی تھی، بہت باریک لکھے ہوئے تھے، جنھیں میں پڑھ نہ سکتا تھا، ضرورت ہوئی کہ کوئی سنانے والا مل جائے۔ وقت ایسا تھا کہ اساتذہ، تلامذہ سب مطالعہ میں مصروف ہوتے، مگر کسی نہ کسی طرح مولوی زاہد علی سلامی اور مولوی عالمگیر سلمہ راضی ہوگئے۔ سلسلہ سماعت شروع ہوا۔ ہر صاحب قلم نے چن چن کر اپنی عقیدت کے پھول جمع کر کے اپنی وسعت بھر خوب سے خوب تر گلدستہ تیار کیا تھا۔ ہر مضمون اس کی دلیل ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کی عبقری شخصیت کی عظمت سے سینے معمور ہیں۔

مگر سارے مضامین باستثنا چند، پڑھنے کے بعد ایک سوال کسی اجنبی ذہن میں اٹھ سکتا تھا کہ حضرت صدر الشریعہ کی وہ کیا انفرادی خوبیاں ہیں، جس نے پوری دنیا کو بندۂ بے دام بنا رکھا ہے۔ صرف یہ کہہ دینے سے کہ فلاں بہت قابل تھا، جامع معقول ومنقول تھا وغیرہ سے ایک ناواقف کی تسلی نہیں ہوتی۔ وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کے شواہد کیا ہیں، نظائر کیا ہیں۔ اس کے لیے ضرورت تھی کہ ان امتیازی خصوصیات کے کچھ شواہد ذکر کر دیے جائیں۔ افسوس ہے کہ اکثر مضامین اس سے خالی ہیں۔

لیکن منطقی طور پر ان مضامین سے یہ ضرور فائدہ ہے اور اہم فائدہ ہے کہ یہ اربابِ علم ودانش جب اتنے نیاز مند ہیں تو یقیناً سراپا ناز بلاشبہ فضل وکمال، علم ودانش، زہد وورع کا ایسا عظیم مرقع جمیل ہوگا کہ جس کے حضور پیشانیوں کو جھکنا ہی پڑے گا۔

لیکن ماہنامہ اشرفیہ کے اس نمبر میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب کو شائع کیا جا سکے، اس لیے بہت سے مضامین شامل اشاعت نہ ہو سکے۔

کچھ مضامین میں واقعات کو غیر مستند روایات پر اعتماد کر کے لکھ دیے گئے ہیں، انھیں بھی روک دیا گیا۔

برادر خواجہ تاش حضرت علامہ مفتی محمد حسن علی رضوی خطیب جامع مسجد فریدیہ میلسی نے کئی بار مجھے لکھا کہ ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر شائع کردے، لیکن ماہنامہ اشرفیہ کی مالی زبوں حالی سے میں واقف ہوں۔ یہ از اول تا ایں دم بہت کافی خسارے میں چل رہا ہے، نمبر شائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ مگر علامہ موصوف مسلسل کریدتے رہے اور میری نسبت امجدی کو غیرت دلاتے رہے۔ حتی کہ انھوں نے مالی تعاون کا بھی وعدہ کر لیا، لیکن اخراجات کا جو تخمینہ تھا، اس کے پیش نظر میں ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ بالآخر عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمت میں میں نے حسب عادت درخواست پیش کی، منظور ہوئی۔

حضرت صدر الشریعہ کی سوانح مرتب کرنا، شائع کرنا پوری جماعت اہل سنت پر خصوصاً مفتی صاحبان، مدرس حضرات، مصنفین کرام، خطبائے عظام اور مشائخ طریقت پر ایک بہت بڑا قرض تھا۔ الحمد للہ! یہ سعادت بھی الجامعۃ الاشرفیہ کے حصے میں تھی کہ آج پوری ملت کو اتنے بڑے قرض سے سبک دوش کر رہا ہے۔

لیکن اب دشواری یہ پیش آئی کہ ایسے مضامین کیسے فراہم

ہوں، جو کماحقہ نہیں تو قدر معتد بہ حصے تک حضرت صدر الشریعہ کا تعارف کرا سکیں۔

کلیمی صاحب نے جو مضامین اکٹھے کیے تھے، ان کا حال اوپر ذکر کیا جا چکا، لیکن ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر عزیز اسعد جناب مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی سلمہ پوری مستعدی کے ساتھ اہل سنت کے مشاہیر اہل قلم کے ساتھ رابطہ قائم کیے ہوئے ہیں، امید ہے کہ میری امیدوں کے مطابق یہ نمبر حضرت صدر الشریعہ کا ایک حد تک تعارف کرانے میں کامیاب ہوگا۔

ایک مبسوط اور بہت معلوماتی مقالہ حضرت علامہ مفتی حسن علی صاحب مدظلہ پاکستان کا کئی سال ہوئے آیا تھا، وہ البتہ اس کمی کو بہت حد تک پورا کرتا ہے۔

مولانا مبارک حسین صاحب نے اخیر میں فرمائش کی کہ آپ بھی ایک مبسوط اور چنیں چناں مقالہ لکھ دیں، وہ بھی اس خصوصیت کی بنا پر کہ حضرت صدر الشریعہ سے بلاواسطہ اکتسابِ فیض کرنے والے دو چار افراد میں آپ ہی ایسے ہیں ویسے ہیں۔ ان کے حسن ظن کی بنیاد ایک حد تک صحیح بھی ہے۔

"کبرنی موت الکبراء" مگر میرا جو حالِ زار ہے، اس کا گلہ کس سے کروں اور ان دنوں میں جن ذہنی و روحانی کرب میں مبتلا ہوں، اسے کس کے سامنے بیان کروں۔ مزید ڈیوٹی از ڈیوٹی اور شرح بخاری کا کام اپنی جگہ۔ اگر کچھ نہ لکھوں تو امجدی لکھتے ہوئے شرمانا چاہیے، بہر حال اس کے لیے بھی مجھے ہاں کرنا ہی پڑا۔

ہر چند خستہ دل وناتواں شدم
ہر گاہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ خاندانی تعلق سے میرے چچا تھے۔ حضرت کے دادا خدا بخش صاحب اور میرے والد کے دادا العل محمد صاحب حقیقی بھائی جناب مولانا خیر الدین بابا کے فرزند تھے۔ اس رشتے کی وجہ سے حضرت صدر الشریعہ اور ہمارے گھر سے بہت ہی خصوصی برادرانہ تعلقات تھے۔ کوئی بھی تقریب ہو، سب میں حقیقی بھائیوں کے مثل جانبین سے برتاؤ تھا۔ جب تک حضرت صدر الشریعہ دولت کدے پر تشریف رکھتے تو والد صاحب روزانہ بلا ناغہ حاضری دیتے۔ ہمارا غریب خانہ اسٹیشن کے راستے میں پڑتا ہے، حضرت صدر الشریعہ جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو اسٹیشن جاتے ہوئے والد صاحب کو آواز دے کر بلاتے اور اسٹیشن تک ساتھ لے جاتے۔ اس خصوصی تعلق کی بنا پر ہوش میں آنے کے بعد اپنی یادداشتوں میں سب سے زریں یاد حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا بارعب، پُر وقار روئے انور ہے۔

پھر جوں جوں ہوش و شعور بڑھتا گیا، حضرت صدر الشریعہ کا تعارف بڑھتا گیا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ مجھے کبھی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ پر کچھ لکھنا ہے تو شاید میرے معلومات کا اتنا بڑا گنجینہ ہوتا کہ ان سب کو حیطۂ تحریر میں لانا مشکل ہوتا۔

اسی طرح حیاتِ مبارکہ کے اخیر سال میں مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی کہ میں حضرت کا کاتب رہا، نجی ڈاک کے علاوہ فتاویٰ تک لکھتا اور اس سے جو وقت بچتا، وہ فتاویٰ امجدیہ سنانے میں صرف ہوتا۔ مگر اس وقت بھی کبھی اپنے کو اس لائق نہیں جانا تھا کہ مجھے کبھی حضرت صدر الشریعہ کے مفصل حالات لکھنا ہے۔ آج اپنی اس بے پرواہی پر کف افسوس ملتا ہوں، مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔

اس نمبر میں شامل مقالوں میں قدرے تفصیل کے ساتھ ابتدائی حالات حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ علیہ کے مضمون میں درج ہیں، اس لیے میں ابتدا بریلی شریف مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے یہاں حاضری سے کرتا ہوں۔

فرماتے تھے کہ میں جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو دریافت فرمایا: مولانا! کیا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ مطب کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا: مطب بھی اچھا کام ہے۔"العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان" مگر مطب کرنے میں یہ خرابی ہے کہ صبح صبح قارورہ دیکھنا پڑتا ہے۔ فرماتے تھے کہ اس ارشاد کے بعد مجھے قارورہ دیکھنے سے انتہائی نفرت ہوگئی۔ اور یہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا کشف تھا۔ میں امراض کی تشخیص میں قارورہ ہی سے مدد لیتا تھا اور یہ تصرف تھا کہ قارورہ بینی سے نفرت ہوگئی۔

اس ارشاد کے بعد اعلیٰ حضرت نے مدرسہ منظر اسلام میں بیس روپے ماہانہ پر مدرس رکھ لیا۔ اس وقت کون کون حضرات مدرس تھے، حضرت نے بتایا تھا مگر اس وقت سب کے نام یاد نہیں۔ حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب منگلوری کا نام یاد ہے۔ ابتدا میں کون کون کتابیں زیر درس تھیں، یاد نہیں رہیں، مگر اتنا طے ہے کہ اس وقت صدرالمدرسین اور کوئی صاحب تھے، غالباً مولانا رحم الٰہی صاحب ہی تھے، مگر پھر چند سال بعد حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ مدرسہ منظر اسلام کے مستقل صدرالمدرسین بنا دیے گئے۔ حضرت نے اس مسند پر بیٹھ کر ثابت کر دیا کہ وہ صرف منظر اسلام ہی کے نہیں، بلکہ علی الاطلاق صدرالمدرسین ہیں۔

حضرت صدرالشریعہ کے تلامذہ کی مکمل فہرست آج کیا، شاید اس عہد میں بھی تیار نہیں ہو سکتی تھی۔ کابل سے لے کر رنگون ملایا تک اور کشمیر سے لے کر مدراس تک کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے جواہر ریزوں کو کون اکٹھا کر سکتا ہے۔

غالباً حضرات مدرسین کی بدقسمتی اس دور کے ساتھ خاص نہیں، یہ بھی اسلاف کا ورثہ ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ کو فراغت کے بعد بھول جاتے ہیں اور کوئی ربط نہیں رکھتے۔ ان کا جو بھی نیاز مندانہ تعلق ہوتا ہے، وہ اپنے نامزد پیر کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

کتنا بڑا ستم ہے کہ اساتذہ اپنا خونِ جگر پلاتے ہیں، طلبہ کی خوابیدہ استعداد بے دار کر کے اس کو اوجِ ثریا تک پہنچاتے ہیں، ان کے ناز اٹھاتے ہیں، ان کے آپس کے مناقشات خوش اسلوبی سے طے کرتے ہیں، طلبہ کے لیے در در بھیک مانگتے ہیں، اکثر مدرسین اور اراکین سے لڑائی مول لیتے ہیں اور پھر فراغت کے بعد انھیں برسر روزگار کر دیتے ہیں، مگر انھیں فراموش کر دیا جاتا ہے۔

یا وفا خود نبود در عالم
یا بمن کس دریں زمانہ نہ کرد

یہی سبب ہے کہ پھر وہ ایسے گم نام ہو جاتے ہیں کہ ڈھونڈنے سے ان کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن جو سعید طلبہ اپنے اساتذہ سے نیاز واخلاص کے روابط باقی رکھتے ہیں، پھلتے پھولتے ہیں اور اپنے اساتذہ کی طرح ملجائے انام ہوتے ہیں۔ اس کی دلیل حضرت صدرالشریعہ کے تلامذہ کے حالات ہیں۔ ہزار ہا شاگردوں میں صرف وہی حضرات آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، جنھوں نے نیاز مندانہ تعلقات باقی رکھے، جن کے اسمائے مبارکہ جا بجا اس نمبر میں آپ

ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جس نے جتنا زیادہ تعلق رکھا، وہ اتنے ہی زیادہ فیض بخش، مقبول عام وخواص ہوا۔ یوں تو حضرت صدرالشریعہ کے تمام مشاہیر تلامذہ حضرت کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے، جس کے شواہد آپ کو اس نمبر میں ملیں گے، لیکن جو خصوصی نیاز مندی جلالۃ العلم حافظ ملت اور محدثِ اعظم پاکستان قدس اسرارہما کا حضرت صدرالشریعہ سے تھا، اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ یہ دونوں حضرات کوئی بھی کام بغیر حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ سے استصواب کے نہیں کرتے تھے۔ اپنے چھوٹے سے چھوٹے کاموں میں بھی اجازت طلب کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں حافظ ملت اور پاکستان میں حضرت محدث اعظم پاکستان کی شخصیت ایسی مرکزی ہے کہ پوری دنیا میں ان کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں۔

آج تدریس کو یار لوگوں نے بہت آسان بنالیا ہے، علمی کاموں میں سب سے آسان تدریس کو سمجھا جانے لگا ہے۔ عالم یہ ہے کہ مدارس میں ایسے ایسے لوگ مدرس ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تدریس ایک بہت اہم اور مشکل کام ہے۔ خود کتاب کے مضامین کو کما حقہ سمجھنا اور پھر طالب علم کو اس طرح سمجھا دینا کہ وہ واقعی سمجھ لے، اتنا مشکل ہے کہ اس کی تعبیر کے لیے الفاظ نہیں۔ پھر اگر طالب علم ذہین ہے تو اس کے شبہات کو اس طرح دور کرنا کہ وہ مطمئن ہو جائے۔ صرف خداداد استعداد ہی سے ہو سکتا ہے۔ طالب علم جو شبہ وارد کر رہا ہے، اس کی بنیاد کیا ہے؟ وہ ابھی قادر الکلام نہیں، اپنی بات کما حقہ کہہ نہیں پاتا ہے۔ ایک ماہر استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ طالب علم کے غیر مرتبط جملو سے یہ اخذ کرلے کہ اس کو کھٹک کیا ہے؟ اور یہ کہنا کیا چاہ رہا ہے؟ جس مدرس میں یہ کمال نہ ہو، وہ حقیقت میں مدرس نہیں۔

حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ اس خصوص میں ایسے ماہر تھے کہ طالب علم کے سامنے مشکل سے مشکل مسئلے کی تقریر مختصر الفاظ میں اس طرح کر دیتے کہ طلبہ کے ذہن میں اچھی طرح اتر جاتا اور طلبہ کے شبہات کو ان کے چند الفاظ سے کما حقہ مالہ وما علیہ کے ساتھ سمجھ لیتے اور نپے تلے جملوں میں ایسا جواب ارشاد فرماتے، جسے سن کر طالب علم باغ باغ ہو جاتا۔

حضرت صدرالشریعہ جب اجمیر مقدس ۱۳۴۳ھ میں مدرسہ عثمانیہ معینیہ میں صدر المدرسین ہو کر گئے تو وہاں مولانا معین الدین ٹونکی کا سکہ جما ہوا تھا۔ یہ بہت ذہین فطین، منطق وفلسفہ کے ماہر، حضرت علامہ عبدالحق خیر آبادی کے تلمیذ تھے۔ صدرالشریعہ کے جانے سے پہلے حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قدس سرہ وہاں پڑھتے تھے اور مولانا معین الدین کے بڑے گرویدہ تھے۔ ابتداءً انھیں حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا، لیکن جب اسباق شروع ہوئے اور حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کا رنگ انھوں نے دیکھا اور اس کی چاشنی چکھی تو پھر انھیں کے ہو کر رہ گئے۔

واضح رہے کہ حضرت مجاہد ملت ذہین نہیں، ذہانت تھے۔ فطین نہیں، فطانت تھے۔ ذکی نہیں، ذکاوت تھے۔ ان کا پرانے اساتذہ سے رشتہ توڑ کر حضرت صدرالشریعہ کی بارگاہ میں سر نیاز جھکانا، اس کی دلیل ہے کہ حضرت صدرالشریعہ اپنے وقت کے استاذ الاساتذہ تھے اور تدریس کے شہنشاہ۔

دورانِ درس منتخب روزگار تلامذہ کیا کیا سوالات کرتے تھے، صدرالشریعہ اس کے کیا کیا جوابات دیتے تھے، وہ آج

کہاں معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن حافظ ملت، محدث اعظم پاکستان، مجاہد ملت، صدر العلما، حضرت شیر بیشہ سنت سے اس وقت کے بہت سے افراد کما حقہ واقف ہیں، ان کے فیض یافتہ ہیں، ان کے تبحر علمی کا سکہ پوری دنیا پر بیٹھا ہوا ہے، ان لوگوں نے جس بحر زخار سے اپنی تشنگی بجھائی ہے، بلکہ اپنے کو سیراب کیا ہے، وہ کتنا ناپیدا کنار تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ یہ سب حضرات خود بحر ناپیدا کنار تھے، جو سر چشمہ ان سب کا منبع تھا، اس کی گہرائیوں کو کون ناپ سکے۔ اس کو آپ ایک نظیر سے سمجھئے۔

ادری ضلع اعظم گڑھ (الحال مئو) میں ــــــ میں دیوبندیوں سے مناظرہ ہو رہا تھا۔ دیوبندیوں کا مناظر مشہور مولوی منظور سنبھلی تھا، جس کی مدد کے لیے مئو کے ڈیڑھ سو دیوبندی اور غیر مقلد مولوی موجود تھے۔ علم غیب کی نفی پر دیوبندی مناظر نے تابیر نخلہ کی حدیث کا یہ جملہ پیش کیا "انتم اعلم بامور دنیاکم" دیوبندی مناظر نے طنز کیا کہ مولانا آپ نے ہدایۃ النحو نہیں پڑھی ہے اور اگر پڑھی ہے تو یاد نہیں، "اعلم" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جو مفضل مفضل منہ چاہتا ہے، مفضل صحابۂ کرام ہیں اور مفضل منہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اس سے ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ تھا۔ اس پر برجستہ بلا تاخیر حضرت شیر بیشہ سنت نے فرمایا کہ آپ مجھے ہدایۃ النحو نہ پڑھنے یا پڑھ کر یاد نہ رکھنے کا طعن کر رہے ہیں، حالاں کہ آپ نے یا تو نحو میر نہیں پڑھی ہے یا پڑھ کر بھول گئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: (۱) من کے ساتھ (۲) الف لام کے ساتھ (۳) اضافت کے ساتھ۔

یہاں ان میں سے کچھ بھی نہیں، پھر یہ اسم تفضیل کیسے ہوا؟ اس پر دیوبندی مناظر کے ساتھ پانچ دس مولوی چیخ پڑے کہ یہ اسم تفضیل نہیں تو کیا ہے؟ افعل کے وزن پر ہے، آپ کو میزان بھی یاد نہیں یا نہیں پڑھی ہے؟ اس پر مسکرا کر شیر بیشہ سنت نے کہا کہ ابھی تک نحو میر کا رونا، اب معلوم ہو گیا کے آپ کے ساتھ ساتھ ان ڈیڑھ سو مولویوں نے پنج گنج بھی نہیں پڑھی ہے یا پڑھ کر چوپٹ کر دی ہے۔ پنج گنج میں لکھا ہوا ہے کہ افعل تین معنی کے لیے آتا ہے: (۱) اسم تفضیل (۲) اسم صریح (۳) صفت، یہ صفت کے لیے ہے۔

ناظرین غور کریں! شیر بیشہ سنت کو نحو میر، پنج گنج پڑھے ہوئے تیس سال سے کم نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے ایسے مسائل جسے آج کل کے علما جانتے بھی نہیں، ان کے حافظے میں محفوظ ہے۔ جودت ذہن کا عالم یہ ہے کہ فوراً موقع کی بات یاد آ گئی۔

مجھے یہاں خاص بات یہ عرض کرنی ہے کہ دیوبندی مناظر کے سوال کا یہ اصل جواب نہ تھا، حضرت شیر بیشہ سنت نے ان کو الجھا دیا۔ اصل جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں علم سے مراد ملکہ ہے۔ حضرت شیر بیشہ سنت کی ذکاوت وفطانت کا کمال تھا کہ ڈیڑھ سو دیوبندی، غیر مقلد مولویوں کو ایسا الجھایا کہ وہ دم بخود رہ گئے۔ ایسے ذہین، تیز، طرار، حاضر دماغ، ایسا جودت ذہن رکھنے والے طالب علم کو پڑھانا آسان کام نہیں تھا۔ اور جس ذات نے انھیں پڑھا کر سلطان المناظرین بنایا، وہ بلاشبہ سلطان المدرسین تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اگر طالب علم ذہین ہے تو اسے کوئی بھی استاذ پڑھائے، وہ ذی استعداد ہو جائے گا۔ لیکن میرا تجربہ

اس کے خلاف ہے۔ آج ہمارے ہزاروں عربی مدارس ہیں، جن میں ذہین سے ذہین طلبہ تحصیل علم کے شوق میں آتے ہیں، لیکن چوں کہ اب ہمارے مدارس میں اساتذہ کی تقرری استعداد دیکھ کر نہیں ہوتی، بلکہ رشتہ، سفارش اور سیاسی اغراض کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر مدرسین بھرتی کے ہیں، جس کے نتیجہ میں ذہین سے ذہین طالب علم فراغت کے بعد بھی ناخواندہ رہتا ہے۔ منتہی طلبہ ابتدائی باتیں تک نہ بتا پاتے، وہ بھی ایسی باتیں جو ہر وقت زبان زد رہتی ہیں اور افسوس یہ ہے کہ اساتذہ بھی اس سے ناواقف ہیں۔ دورِ حدیث میں شریک ہونے والے ذہین سے ذہین طلبہ بھی یہ نہیں جانتے کہ ثانیہ، ثالثہ، رابعہ وغیرہ کیا صیغے ہیں۔ نماز کے ارکین میں کیا کیا فرض ہے؟ کیا واجب؟ کیا سنت؟ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایک ماہر مدرس، متوسط ذہن رکھنے والے طالب علم کو بھی کندن بنا دیتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے تدریس کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ طلبہ کے ذہن میں مضامین کو نقش کالحجر فرمادیتے تھے۔ صرف پڑھاتے ہی نہیں تھے، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ گھول کر پلاتے تھے۔ میں اگرچہ اس سے محروم رہا کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے درسِ نظامی کی کوئی کتاب پڑھتا، مگر یہ مجھ پر اللہ عزوجل کا بہت بڑا فضل ہے کہ مجھے سال بھر تک اس طرح حضرت کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا کہ میں ہوتا اور حضرت ہوتے، تیسرا کوئی نہ ہوتا۔ کتب حدیث وفقہ وتفاسیر کے ہزاروں صفحات فتوی نویسی کے وقت میں پڑھ کر سناتا، ادنیٰ سی غلطی پر ٹوکتے، پھر جلد بتاتے نہیں، بلکہ پوچھتے کیا صحیح ہے؟ اگر میں گرتے پڑتے صحیح بتا دیتا تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوجاتی اور اگر نہ بتا پاتا تو کبھی مسکرا کر پیار سے بتاتے اور کبھی اتنے زور ڈانٹتے کہ حجرۂ مبارکہ گونج جاتا۔ میں چوں کہ مزاج آشنا تھا، اس لیے سخت سے سخت ڈانٹ پر میرے اوسان خطا نہ ہوتے، کبھی کبھی تو یہ ہوتا کہ حضرت ڈانٹتے اور میں مسکراتا رہتا۔ افسوس ہے کہ اس قسم کی باتیں اب ذہن میں نہیں۔ البتہ ایک بات یاد رہ گئی ہے، جو اگرچہ کتب سے متعلق نہیں، مگر حضرت کے طرزِ تعلیم کی نشاندہی کرتی ہے۔

میں حضرت کو اخبار سنا رہا تھا، بغداد کے متعلق کوئی خبر تھی، میں نے اس کو بُغداد پڑھا، فوراً ٹوک دیا، کیا پڑھا؟ میں فوراً سنبھل گیا، میں نے عرض کیا بَغداد۔ فرمایا بغداد کیسے؟ میں نے عرض کیا اصل میں باغ داد تھا، یہ سنتے ہی مسکرا پڑے اور بہت خوش ہوئے۔

میری حاضری کا وقت مدرسہ کے صبح کے ٹائم کے بعد اور دوپہر کا ٹائم شروع ہونے کے درمیان تھا۔ ایک بار مجھے بعد مغرب بلوایا اور کہلا دیا کہ کھانا کھا کر فوراً آئے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی کھانا کھا کر میں حاضر ہوا، اس وقت حضرت کے پاس حسب عادت حضرت کے منجھلے بھائی حکیم احمد علی صاحب مرحوم عرف دوکاندار بابا بیٹھے تھے، میں نے حاضر ہوکر سلام عرض کیا، جواب دے کر فرمایا اور کچھ تیز لہجے میں نے کہا تھا کھانا کھا کر آنا، تم ابھی آگئے، مقصد یہ تھا کہ کام لمبا ہے دیر تک بھوکے رہ جاؤ گے؟ میں نے عرض کیا: حضور میں کھانا کھا کر حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: بہت جلد کھانا کھا لیا، اچھا بیٹھ میں بھی کھانا کھالوں اور عشا کی نماز پڑھ لی جائے تو ایک فتویٰ لکھوانا ہے، یہ مولانا شاہ صدیق اللہ صاحب بنارس کے آئیں ہیں اور صبح ہی کی ٹرین سے واپس جائیں گے۔

فتویٰ بہت طویل تھا، عشا کے بعد اس کو لکھوایا، پھر رجسٹر پر نقل کرنے کا حکم دیا، اس میں جاڑوں میں رات کے بارہ بج گئے، حضرت بہت خوش ہوئے، واپسی کے وقت بہت دعائیں دیں، میں خوش خوش گھر واپس آیا اور یہ سوچا کہ حضرت خوش ہیں، کل ڈانٹ نہیں پڑے گی۔ میں جب دوسرے دن حسب عادت حاضر ہوا تو دیکھا کہ فتاویٰ کا رجسٹر نظر سے بہت قریب کر کے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا تو پورے جلال میں فرمایا: یہ کیا لکھ دیا ہے؟ وعلیکم السلام۔ بنارس کو نبارس لکھا ہے۔ لمکند گران کو مکنند گران۔ اور پھر اس کے بعد مسلسل نقطوں کی نشست کی غلطی اور حروف کی صحیح شکل نہ لکھنے پر تنبیہ فرماتے رہے۔

غرض کہ اپنے دامن سے وابستگان پر اتنی کڑی نظر رکھتے اور ان کی ہر ممکن اصلاح کی کوشش فرماتے۔

حافظ ملت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت کے سامنے کوئی غلط تلفظ کرے اور حضرت اس پر تنبیہ نہ فرمائیں۔ اسی کا ثمرہ ہے کہ آج پورا عالم اس منبع فیض سے سیراب ہو رہا ہے اور سیراب ہوتا رہے گا۔ جو صاحبانِ ظرف پیتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں:

مجھے پینے دے کہ تیرے جام لعلی میں
ابھی کچھ اور ہے کچھ اور ہے کچھ اور ہے ساقی

حضرت صدر الشریعہ کی روحانیت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ طالب صادق کو صرف اس کے ظرف کے مطابق ہی نہیں عطا فرماتے تھے، بلکہ فیض پر آتے تو اس کا ظرف بھر جاتا تو ظرف وسیع فرما دیتے۔ مجھے کہنے دیجیے ہمارا ساقی بقدرِ ظرف ہی نہیں پلاتا تھا، بلکہ تنگ ظرفوں کے ظرف کو بھی اتنا وسیع کر دیتا کہ سمندر پینے کے بعد بھی تشنہ رہتے، جس کی دلیل حضرت حافظ ملت، حضرت محدث اعظم پاکستان اور ان کے رفقائے درس کو دنیا نے دیکھا ہے۔

اس پیراگراف کے آخر پر یاد آ گیا کہ جس زمانے میں میں حاضر خدمت رہتا تھا ۱۳۴۷ھ حضرت صدر الشریعہ، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور و بانی دار العلوم امجدیہ گھوسی کو میزان و منشعب پڑھاتے تھے۔ میزان کے تمام ابحاث کے صیغوں کو مختلف مصادر سے رٹاتے تھے۔ مثلاً ضرب، نصر، سمع، کرم وغیرہ وغیرہ۔ اور جب منشعب شروع کرائی تو ہر باب کے تحت جتنے مصادر لکھے ہوئے ہیں، سب کی پوری صرف کبیر کی مشق کراتے تھے۔ اس وقت علامہ پر کیا بیتتی تھی، شاید علامہ کو اس کی لذت اب بھی یاد ہو، مگر مجھ کو ترس آتا تھا۔ آج کل کے میزان و منشعب پڑھانے والوں کا حال یہ ہے کہ دس منٹ میں ترجمہ کرا کے سبق ختم کر دیتے ہیں، نہ سبق سنتے ہیں نہ آموختہ اور نہ تمرینی سوالات کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے کے لیے آنے والے طلبہ بلائے بے درماں ہیں، جنھیں جلدی سے دفع کرنا جان بچانے کے لیے ضروری ہے۔ اور حال یہ ہے کہ اگر کوئی اس پر ان سے باز پرس کرے یا ہدایت کرے تو اس کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ کتنے خدا ناترس یہ کہتے ہیں کہ سر کھپانے سے کیا فائدہ، تنخواہ تو اتنی ہی ملے گی، جو مقرر ہے۔ اور اب بینک پیمنٹ کے بعد تو رہی سہی تعلیم بھی رخصت ہو رہی ہے، ہر وقت ایریر، بونس، اضافہ، پنشن، مکان بھتہ، فیملی پنشن کی کھچڑی پکاتے رہتے ہیں۔

بریلی شریف میں علاوہ تدریس کے اعلیٰ حضرت کی

بارگاہ میں حاضر ہو کر فتاویٰ کا املا بھی کرتے تھے۔ خود مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ فرمایا:

''تفقہ جس کا نام ہے وہ موجودہ علما میں مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا''۔

نیز خطوط کے جوابات بھی املا کرتے تھے۔ املا کو لوگ بہت آسان سمجھتے ہیں، اس میں کیا رکھا ہے۔ ایک صاحب نے بول دیا، دوسرے نے لکھ دیا۔ لیکن اب مجھے جب فتاویٰ کا املا کرانے پڑ رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ املا سب کا کام نہیں۔ املا کرانے کے لطائف وظرائف اگر میں لکھوں تو ہنستے ہنستے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔ لیکن اگر پھرا نہی ہنسنے والوں سے املا کرایا جائے تو کم لطائف وظرائف مہیا نہ ہوں گے، پھر وہ بھی اعلیٰ حضرت کے ارشادات کا املا۔

اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ''میرے ذہن میں مضامین اس تیزی کے ساتھ آتے ہیں کہ قلم ساتھ نہیں دے سکتا''۔ جب کہ اعلیٰ حضرت کا قلم اتنا تیز چلتا تھا کہ جناب سید قناعت علی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ اعلیٰ حضرت اتنا تیز لکھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ لکھ نہیں رہے ہیں، بلکہ ہاتھ میں رعشہ ہے اور بے اختیار کانپ رہا ہے۔ املا کرانے میں جب مضامین کی آمد ہو اور املا کرنے والا بولنے والے کا ساتھ نہ دے سکے تو آمد کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، اس وقت جی یہ چاہتا ہے کہ یا تو خود خودکشی کر لیں یا املا کرنے والے کو شوٹ کر دیں۔ لیکن حضرت صدر الشریعہ اتنے زود نویس، صحیح نویس اور صحیح سننے والے تھے کہ کبھی کسی مضمون کو دوبارہ پوچھنے کی حاجت نہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جس روانی سے ارشاد فرماتے، اسی روانی سے صدر الشریعہ لکھتے جاتے۔

اسی کی روشنی میں قرآن مجید کے تیس پارے ''کنز الایمان'' کے املا کو بھی قیاس کریں۔

بحمدہ تبارک وتعالیٰ کنز الایمان کا صدر الشریعہ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا اصل مسودہ موجود ہے، اسے دیکھ کر عقل حیران ہے۔

مطبع اہل سنت:

ان دونوں خدمات کے ساتھ مطبع اہل سنت کی پوری ذمہ داری حضرت صدر الشریعہ کے سر تھی، کاپیوں کی تصحیح اور پروف کی تصحیح خود ایک بہت وقت طلب کام ہے، ذہین سے ذہین آدمی کی نظر چوک جاتی ہے، لیکن حضرت صدر الشریعہ کی نظر ایسی باریک بیں، صحیح خواں تھی کہ آپ کی تصحیح سے کئی ہزار صفحات چھپے مگر کسی ایک میں کہیں ایک نقطے کی غلطی آج تک نہیں مل سکی۔

خیال کیجیے! فتاویٰ جلد اول جو جہازی سائز کے ۸۸۰ / صفحات ہیں، جس کے ہر صفحہ پر باریک خط سے ۲۳ / سطریں ہیں اور حاشیہ پر فوائد کی تفصیل اور بھی باریک خط سے ہے اور فہرست میں ۳۷ / سطریں ہیں، پھر یہ فہرست ۳۲ / صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مگر آج تک کہیں کوئی غلطی نہیں مل سکی، سطح بیں لوگ اسے کوئی کمال نہ سمجھیں، لیکن جس کا تصحیح سے سابقہ پڑ چکا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ ہفت خواں طے کرنے سے کم مشکل نہیں۔

علاوہ ازیں مطبع کی ساری ضروریات مہیا کرنا حضرت صدر الشریعہ کے ذمہ تھا، کاتبوں کی ناز برداری کرنا، کاغذ روشنائی، دیگر ضروریات خریدنا، پریس میں سنگ ساز وغیرہ عملہ کو رام کیے رہنا، یہ سب حضرت صدر الشریعہ کے ذمہ تھا اور اس عہد کا اعلیٰ حضرت سے متعلق ہر شخص گواہ ہے کہ حضرت

صدر الشریعہ نے مطبع اہل سنت کے کام کو جیسا انجام دیا، اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ بریلی شریف رہے، اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے کثیر رسائل طبع ہوئے، پھر اس کے بعد دنیا جانتی ہے۔

آں قدح بشکست آں ساقی نماند

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتاویٰ چھپوانے کا اتنا بڑا شوق تھا کہ جب اجمیر شریف جانا طے ہوگیا تو نہایت عجلت سے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی کتابت کروائی اور اسے چھپوایا، ٹائٹل نہ چھپوا سکے، بعد میں لوگوں نے ٹائٹل چھپوا کر لگایا۔

مناظرے: اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عہد مبارک میں رنگون کے احباب نے لکھا کہ یہاں کے چند پونجی پتی دیوبندیوں نے مولوی اشرف علی تھانوی کو یہاں بلایا ہے، ان کے وعظ ہو رہے ہیں، ان کی ولایت کا ڈنکا پیٹا جا رہا ہے، ہر طرف سے مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر گھیر گھیر کر گلا دبا دبا کر حتی کہ مقروضوں کا قرض تھانوی کے مرید ہونے کی شرط پر معاف کیا جا رہا ہے، کسی مناظر کو بھیجئے جو اس فتنے کا سد باب کرے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نگاہِ انتخاب تھانوی جیسے گرگ باراں دیدہ گرم و سرد چشیدہ کے مقابلے کے لیے "اپنے امجد مجد کے بچے" پر پڑی، حکم ہوا، حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ رنگون روانہ ہوگئے۔ رنگون کے اہل سنت کے اطمینان کے لیے تار کر دیا گیا کہ حضرت مولانا امجد علی صاحب کو بھیج رہا ہوں۔ حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف سے کلکتہ پہنچے، وہاں سے رنگون تار کر دیا کہ میں فلاں دن فلاں جہاز سے پہنچ رہا ہوں۔ اہل سنت نے جوشِ مسرت میں اعلان کر دیا کہ حضرت صدر الشریعہ فلاں وقت تشریف لا رہے ہیں، اس خبر کے سنتے ہی تھانوی صاحب پہلے جہاز سے رنگون سے کلکتہ بھاگ آئے۔ جب حضرت صدر الشریعہ رنگون پہنچے تو معلوم ہوا کہ کل تھانوی صاحب یہاں سے رفو چکر ہو چکے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ پہلے واپس ہونے والے جہاز سے کلکتہ آئے کہ کلکتہ میں تھانوی صاحب مل جائیں تو وہیں ان سے دو دو بات ہو جائے، لیکن شانِ رسالت میں گستاخ ضمیر نے تھانوی صاحب کو کلکتہ رکنے نہیں دیا اور وہ کلکتہ پہنچتے ہی پہلی گاڑی سے اپنے استھان تھانہ بھون پہنچے۔ حضرت صدر الشریعہ جب کلکتہ واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ تھانوی صاحب یہاں سے جا چکے ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی مناظرانہ مہارت صرف رد وہابیہ ہی میں نہیں تھی، بلکہ ہر خارج از اسلام گروہ کے رد کی پوری مہارت رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اخیر دور تھا کہ آریوں نے بہت سر اٹھایا تھا۔ مسلمانوں کی بد قسمتی سے امرتسر میں ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری سے آریوں سے چار دن تک مناظرہ رہا۔ اس مناظرے میں دیوبندیوں کے چوٹی کے مولوی اپنے برادر کلاں کے پشت پناہ تھے۔ لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس مناظرے میں دیوبندی اور غیر مقلد سخت ناکام رہے، جس کی وجہ سے آریوں کی ہمت بہت بڑھ گئی تھی۔ ان کا ایک پنڈت رام چندر بریلی شریف آیا، یہ اپنے آپ کو پندرہ پارے کا حافظ بتاتا، بہت چوب زبان بے حیا تھا۔ اس کے مقابلے پر حضرت صدر الشریعہ کی مسلسل تقریریں بریلی شریف میں ہوتی رہیں۔ بالآخر ایک وقت وہ آیا کہ حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الافاضل، حضرت مولانا رحم

الٰہی وغیرہ نے جاکر اس کے جلسے میں اس کو لاجواب اور مبہوت کیا اور وہ منہ کی کھا کر بریلی سے بھاگا، جس کا تذکرہ الملفوظ حصہ اول میں موجود ہے۔

حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ نے اپنی طباع ووقاد فطرت سلیمہ سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے اور وید کے غیر الہامی ہونے کے ثبوت میں بریلی شریف شہر کہنہ محلہ سیلانی چوک میں ایک تقریر فرمائی تھی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ وہاں تشریف فرما تھے۔ اس تقریر کو سن کر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے صدرالشریعہ کو اپنے سینے سے لگایا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: مولوی صاحب آپ کے ہوتے ہوئے مجھے اب بڑھاپے کی ضعف وناتوانی کا احساس جاتا رہا۔ حضرت صدرالشریعہ کی تقریر بہت سادہ الفاظ میں، سلیس، عام فہم، گل وبلبل قافیہ آرائی اور مترادفات کے طول لاطائل سے خالی ہوتی تھی۔ حضرت صدرالشریعہ نے یہ تقریر اپنے سادے الفاظ میں فرمائی تھی۔ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ ''اس کی لذت مجھے اب تک یاد ہے''۔

اسی تقریر کو صدرالشریعہ کے ایک تلمیذ ارشد نے جو ایک ممتاز مقرر تھے، بارہا اپنے انداز میں ملک کے مختلف گوشوں میں کیا۔

خطابت:

حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کا اصل کام تدریس تھا، اسی سے فطری مناسبت اور قلبی لگاؤ تھا، اپنے تلامذہ میں تدریس ہی کا جذبہ پیدا فرماتے تھے، اگر کوئی تلمیذ اس طرح تقریر میں مشہور ہوجاتا کہ درس کا نقصان ہوتا تو سخت خفا ہوتے۔

میں جس سال ۶۱۔ ۱۳۶۲ھ بریلی شریف دورۂ حدیث میں تھا کہ احمد آباد کے دیوبندیوں نے چیلنج مناظرہ دے دیا، وہاں سے حضرت مفتی اعظم ہند سے مناظر طلب کیا گیا، حضرت نے محدث اعظم پاکستان کو مناظرے کے لیے بھیج دیا۔ دیوبندیوں کی طرف سے سلطان حسن مناظرے کے لیے آیا۔ علم غیب پر مناظرہ ہوا، کچھ دیر طرفین سے تقریریں ہوتی رہیں۔ اخیر میں دیوبندی مناظر نے اپنے جی سے گڑھ کر ایک حدیث پڑھی، مشہور مثل کے مطابق کہ ''چور بھاگتا ہے نشانِ قدم چھوڑ جاتا ہے'' بخاری شریف کا حوالہ دے دیا، اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ہمارا مدمقابل بخاری شریف کا حافظ ہے۔ حضرت محدث اعظم پاکستان نے تصحیح نقل کا مطالبہ کیا تو وہ بخاری میں حدیث نہ دکھا سکا۔ اس پر محدث اعظم پاکستان نے حدیث ''من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار'' کی روشنی میں مجمع کو دیوبندی مناظر کے خلاف للکارا۔ سارا مجمع مشتعل ہوگیا اور دیوبندی مناظر اور اس کے سارے حوالی موالی اسٹیج چھوڑ کر بھاگے۔ اس فتح مبین کے نتیجے میں دیوبندی کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہے اور اہل سنت باغ باغ ہوگئے۔ اس کے بعد جشن فتح کے اجلاس شروع ہوئے، اس کا سلسلہ ایک ماہ سے زائد جاری رہا۔

اسی اثنا حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ بریلی شریف تشریف لائے اور یہ سن کر کہ حضرت محدث اعظم پاکستان ایک ماہ سے باہر ہیں، سخت برہم ہوئے اور حضرت مفتی وقارالدین صاحب سے فرمایا: کہ سردار احمد آجائیں تو ان سے کہہ دینا کہ کیا وعظ گوئی کا دھندا شروع کر رکھا ہے، پڑھنا نہیں، وعظ کرنا ہے تو مدرسہ چھوڑ دیں، وعظ کرتے پھریں، ضد کرنا اچھا نہیں۔

مگر اس کے باوجود وقت ضرورت حضرت صدرالشریعہ وعظ فرمایا کرتے تھے، جو سادے سلیس عام فہم

الفاظ میں علمی حقائق ومعارف پر مشتمل ہوتا تھا اور اپنے اندر ایسی جامعیت رکھتا تھا کہ علمائے کرام جھوم جھوم اٹھتے تھے۔ کبھی کبھی حضرت صدر الشریعہ وعظ کے کسی پیراگراف پر ماہر خطیب گھنٹوں وعظ کہتا تھا۔ مبارک پور اشرفیہ کے سالانہ جلسے میں ابتدا ہی سے حضرت صدر الشریعہ اور حضرت محدث اعظم ہند ضرور شریک ہوتے تھے، اس لیے کہ یہ دونوں حضرات اشرفیہ کے سرپرست تھے اور حضرت صدر الشریعہ سالانہ امتحانات بھی لیتے تھے۔ امتحان کے لیے حضرت صدر الشریعہ ایک دن پہلے آجاتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت محدث اعظم ہند شام کو ساڑھے پانچ بجے تشریف لائے اور کہیں بہت دور سے آرہے تھے، اس لیے یہ تھکے ہوئے تھے۔ بعد عشا کھانے پر حضرت صدر الشریعہ سے فرمایا کہ حضرت میں بہت تھکا ماندہ ہوں، تقریر نہیں کرسکتا، آج آپ بھرپور تقریر فرمائیں۔ حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا کہ مجھے تقریر کرنی نہیں آتی، یہاں کے لوگ آپ کی تقریر کے مشتاق ہیں، آپ خطیب ہیں، میں تھوڑی دیر بیان کردوں گا، پھر آپ کو تقریر کرنی ہوگی۔ حضرت محدث اعظم نے اپنی تکان کا عذر پھر دہرایا اور ارشاد فرمایا: حضرت دل کھول کر کے تقریر فرمادیں، پھر کسی کو ہوش ہی نہ رہے گا، جو میری تقریر کا نام لے۔ حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا: خیر دیکھا جائے گا۔

جلسہ کے وقت حضرت محدث اعظم ہند نے فرمایا کہ میں اگرچہ بہت تھکا ہوا ہوں، سونے کے لیے مضطر ہوں، مگر جلسے میں ضرور چلوں گا، آج حضرت صدر الشریعہ کی تقریر سننا ہے۔ دونوں اکابر ساتھ ساتھ جلسہ گاہ میں تشریف لائے، دو کرسیاں رکھ دی گئیں اور پھر حضرت صدر الشریعہ نے تقریر شروع فرمائی، تمہید میں فرمایا کہ میں نے دن بھر طلبہ کا امتحان لیا ہے، طلبہ چوں کہ بہت ذہین اور ذی استعداد ہیں، اس لیے ان کا امتحان لینے میں خوب جی لگ گیا، دوپہر میں سو بھی نہ سکا جس سے دماغ تھکا ہوا ہے، لیکن پھر بھی تقریر کے لیے بیٹھ گیا ہوں، چوں کہ تقریر میں اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرنی ہے، جو میری روحانی غذا اور میرے ہر درد دُکھ کی دوا ہے، یہ ان کا کرم ہے کہ مجھ سے اپنی مدح وثنا کرا لیتے ہیں، ورنہ میں کہاں اور میرا علم کہاں، یہ وہ بحر ناپید کنار ہے، جسے کوئی طے نہیں کرسکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:"قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا" اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "کلمات ربی" سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر حدودِ مملکت میں کوئی انمول ہیرے کی کان مل جاتی ہے تو حکومت اسے اپنا لیتی ہے۔ پھر میری کیا بساط کہ کما حقہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرسکوں۔

مجھے وہ منظر اچھی طرح ذہن نشین ہے۔ اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ نے دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ ہزاروں ہزار کا مجمع ہمہ تن گوش تھا اور خود حضرت محدث اعظم ہند اس محویت سے سن رہے تھے کہ کرسی پر پہلو بھی نہ بدلا اور ٹکٹکی باندھے حضرت صدر الشریعہ کو دیکھتے رہے۔ اس وقت نہ واہ واہ کا رواج تھا، نہ سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہنے کا اور نہ نعرۂ تکبیر و رسالت کا۔ وقار واطمینان کے ساتھ لوگ علما کی تقریریں سنتے

تھے، پھر بھی حضرت محدث اعظم ہند بار بار ہلکی آواز میں سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہتے جاتے تھے۔ اگرچہ ان کی ہلکی آواز پورے مجمع میں گونج اٹھتی تھی۔

اولئک ساداتی فجئنا بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

کاش یہ دن پھر لوٹ آتے اور موجودہ اکابر ملت اسی یگانگت، محبت، خلوص کے ساتھ شانہ بشانہ نظر آتے۔

دوسرے دن حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کریمہ "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّیْ" کو اپنی تقریر کا عنوان بنایا اور اس نکتہ کو لے کر کہ "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کلمات ربی کیسے ہے"۔ دو گھنٹے انتہائی پُر مغز، دل آویز، ایمان افروز، پوری خطیبانہ آن بان کے ساتھ تقریر فرمائی۔ جس کی لذت سے آج بھی روح سرشار ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند نے اس شرابِ علم کو دو آتشہ بنا کر پورے مجمع کو مستِ بے خود بنا دیا۔

اولئک ساداتی فجئنا بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یہ لوگ ہمارے پیشوا ہیں، اے جریر ان کے مثل لا، جب ہم سب کو کسی مجمع میں اکٹھا کرے تو۔

حضرت صدر الافاضل، فخر الاماثل، استاذ العلما، علامہ نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ العزیز باں فضل وکمال کے علم وفضل کے ساتھ ساتھ خطابت کے بادشاہ تھے۔ گاندھیوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے مسٹر ابوالکلام آزاد کو تقریری میدان میں بہت شہرت دی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک جادوگر مقرر تھا۔ لیکن حقیقت میں اپنے وقت کے ابوالکلام حضرت صدر الافاضل تھے۔ تقریر کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کوثر وتسنیم کے جام چھلکا رہے ہیں۔ زبان ایسی شیریں، شستہ کہ معلوم ہوتا کہ ذہن مبارک سے الفاظ نہیں نکل رہے ہیں، رحیق مختوم کی پھوہار برسا رہے ہیں۔ آواز ایسی گرج دار اور پُر کشش کہ سننے والا دم بخود رہ جاتا۔ اس کے باوجود اپنے مدرسہ جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسے میں دیگر علما کے ساتھ ساتھ حضرت صدر الشریعہ کو ضرور مدعو فرماتے۔ دوسرے علما تو بدلتے رہتے، مگر صدر الشریعہ لازم تھے اور پھر بہ اصرار تقریر بھی کراتے۔ یہی نہیں جامعہ میں حکم دے دیا تھا کہ جب حضرت صدر الشریعہ یہاں آجائیں تو نماز وہی پڑھائیں گے۔

ایک بار حضرت صدر الشریعہ سے جلسے میں شریک ہونے والے علما نے درخواست پیش کی کہ آج حضور امتناع النظیر پر تقریر فرمائیں۔ حضرت صدر الشریعہ نے حسب عادت معذرت کی۔ میں مقرر بھی نہیں اور مسئلہ بہت دقیق ہے، اسے بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ حضرت صدر الافاضل نے یہ سن کر فرمایا کہ مسئلہ دقیق سہی، مگر آپ جب بیان فرمائیں گے تو آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا۔ اس وقت حضرت صدر الشریعہ خاموش ہو گئے، علما نے یہ سمجھا کہ قبول فرمالیا۔

حضرت صدر الشریعہ کے تعارف کے وقت حضرت صدر الافاضل نے اعلان فرمادیا کہ آج حضرت صدر الشریعہ کی تقریر کا عنوان "امتناع النظیر" ہے۔ مسئلہ اگرچہ بہت دقیق ہے، مگر بیان کرنے والا وہ عبقری مدرس ہے جو جعل بسیط ومرکب وجود رابطی، مثناۃ بالتکریر جیسے اہم ودقیق منطقی وفلسفی مسائل کو پانی کر دیتا ہے۔ فلسفہ اور علم کلام کے الٰہیات کے مسائل کو بدیہی کر کے سمجھا دیتا ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند

تشریف فرما تھے، یہ سنتے ہی پھڑک اٹھے اور فرمایا کہ آج استاذ الاساتذہ علامہ فضل حق خیرآبادی اور اپنے وقت کے امیر المومنین فی الحدیث سورتی کے مجمع البحرین کے بحرنا پیدا کنار کے انمول موتیوں سے دامن بھرا جائے گا۔

صدرالشریعہ نے آیۂ کریمہ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ". کو اپنی تقریر کا عنوان قرار دیا اور حسب عادت انکساری اور تواضع کے چند کلمات کہنے کے بعد ہنس کر فرمایا کہ مگر جب ان نائبانِ رسول و اساطین ملت کا حکم ہے تو اس کی تعمیل ضرور کرنی ہے۔ یہ ان حضرات کا حسن ظن ہے کہ میں اس کا اہل ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ ان جلیل القدر علما کا حسن ظن غلط نہیں ہونے دے گا۔

اصولِ موضوع پر آیۂ کریمہ "خاتم النبیین" اور آٹھ دس احادیث کریمہ سے بطورِ قیاسِ شرعی ثابت فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر محال بالذات ہے، تحت قدرت نہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل ماننے سے ان نصوص کے انکار کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔ ایک گھنٹہ تک بڑی سلاست و روانی کے ساتھ اس مضمون کو بیان فرمایا۔ علمائے کرام محوِ حیرت، مجمع دم بخود، معلوم ہوتا تھا کہ ایک انسان نہیں بول رہا ہے، بلکہ عالم قدس کا کوئی ملک مقرب الہام ربانی کی تلاوت کر رہا ہے۔ ایک گھنٹہ وقت دیا گیا تھا، ایک گھنٹہ پورا ہونے پر جیب سے گھڑی نکالی، دیکھ کر فرمایا کہ میرا وقت ختم ہو گیا، میں رخصت ہو رہا ہوں۔ اس کے بعد حضرت محدث اعظم ہند کا وقت تھا، حضرت محدث اعظم ہند نے فرمایا: میں نے اپنا وقت آپ کو نذر کیا، آپ تقریر جاری رکھیں، حضرت صدرالشریعہ کا علم بھی اس وقت جوش مار رہا تھا اور مائل بفیض بھی تھے۔ درود شریف پڑھوا کر پھر تقریر شروع کر دی۔ آیۂ کریمہ "خاتم النبیین" کی ایک نئے رنگ میں تفسیر فرمائی۔ پہلے بہ طریق معروف بیان فرمایا کہ خاتم اسم آلہ ہے، اس کا مادہ "ختم" ہے، جس کا معنی مہر کرنے کے ہیں، مگر اس کا استعمال معنی اسمی میں ہے۔ پھر اس کے لغوی، عرفی، شرعی تین معنی تفصیل سے بتائے، جب معنی شرعی بتاتے وقت مسلسل احادیث بیان کرنی شروع کیں تو معلوم ہوتا تھا کہ امام بخاری احادیث سنا رہے ہیں۔ پھر ثابت فرمایا کہ خاتم کے کوئی بھی معنی لیے جائیں، ہر معنی کے لحاظ سے اس سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل محال بالذات ہے۔ اتنے میں یہ گھنٹہ بھی ختم ہو گیا۔ یہ فرما کر کہ حضرت محدث اعظم کا عطا کیا ہوا وقت بھی ختم ہو گیا، اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ اس کے بعد غالباً حضرت ابوالحسنات یا حضرت ابوالبرکات الوری ثم لاہوری بانیٔ حزب الاحناف لاہور کا وقت تھا، اب انھوں نے فرمایا کہ حضرت میں اپنا وقت بھی نذر کرتا ہوں، آپ اپنی تقریر جاری رکھیں، اسی اثنا میں کسی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل محال بالذات کیوں ہے؟ اگر اس کو محال بالغیر مانا جائے اور ممکن بالذات تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ اسے واضح فرمادیں۔ یہ سن کر پھر تبسم فرمایا اور "امتناع نظیر" کے محال بالغیر اور ممکن بالذات ہونے پر دس پندرہ استحالے قائم فرمانے کے بعد مولوی قاسم نانوتوی کی "تحذیر الناس" کے رد کی طرف رُخ موڑا۔ وہ اس کا قائل تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہی نہیں، واقع ہے۔ اور چھ مثل زمین کے زیریں

طبقات میں ہو چکے ہیں۔ پھر تو صدر الشریعہ کے بیان کا رنگ ہی کچھ اور ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ عوام وخواص سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، سب ساکت و جامد، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ عام سامعین نے ان مضامین کو سمجھا ہوگا، مگر سب بغور سنتے رہے، نہ کوئی اٹھا اور نہ کوئی اونگھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سب پر سحر ہلاہل کر دیا گیا ہے۔ اس وقت حضرت صدر الشریعہ کی روحانی قوت کا لوہا سب نے مان لیا اور علم و فضل کا اعتراف تو پہلے ہی سے تھا۔ تیسرا گھنٹہ پورا ہونے پر صدر الشریعہ نے یہ فرما کر کہ اب بہت دیر ہوگئی، آپ حضرات بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہوں گے، سنتے سنتے اکتا گئے ہوں گے۔ اس لیے اب میں "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتخولنا للموعظة" پر عمل کرتے ہوئے بس کرتا ہوں۔ صدر الشریعہ کرسی سے اتر آئے، حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے کھڑے ہو کر حضرت صدر الشریعہ کی اس تقریر پر ایسا شاندار تبصرہ فرمایا کہ زندگی میں کسی کی بھی تقریر پر ایسا تبصرہ نہ فرمایا تھا۔ اس کے بعد دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

دوسرے دن پورے شہر میں اس تقریر کی دھوم مچی ہوئی تھی، وہابی مدرسہ کے طلبہ بھی، جن میں کچھ منتہی تھے، اس تقریر کو سننے کے بعد اپنے استادوں سے سوالات کرنے لگے، مگر وہ جوابات سے عاجز رہے، یہ کہہ کر دامن چھڑایا کہ بریلوی بڑے منطقی ہوتے ہیں، ان کی باتوں پر دھیان نہ دو۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سال میں صرف تین تقریر فرماتے تھے۔ ایک اپنے مرشد برحق خاتم الاکابر حضرت مولانا سیدنا آلِ رسول احمدی مارہروی قدس سرہ کے عرس کے موقع پر قل کے وقت۔ دوسری عید میلاد النبی کے موقع پر اپنے کاشانۂ مقدس میں۔ تیسری مدرسہ منظر اسلام کے سالانہ جلسے پر۔ اگر کہیں سے بھی تقریر کے لیے دعوت آتی تو حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو بھیج دیتے۔ اعلیٰ حضرت جب مجمع میں موجود ہوں تو کسی عالم کو تقریر کی جرأت نہ ہوتی تھی، سوائے صدر الافاضل، صدر الشریعہ اور شیر بیشہ سنت مولانا ہدایت رسول خاں صاحب رام پوری کے، ان تینوں حضرات میں سب سے زیادہ اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں حضرت صدر الشریعہ نے تقریریں فرمائی ہیں، مگر مجھے اب تک ایسی کوئی روایت نہیں ملی کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی تقریر میں کبھی کوئی ایسی لغزش ہوئی ہو کہ جس پر اعلیٰ حضرت نے تنبیہ فرمائی ہو۔

ایسی تقریریں جو خالص علمی ہوں اور سیدھے سادھے، عام فہم الفاظ میں ہوں، عوام پسند نہیں کرتے۔ عوام اب تقریروں میں بھی ہنسی مذاق، لطیفے، بذلہ سنجی ڈھونڈتے ہیں اور عوام میں وہی مقررین مقبول ہوتے ہیں جو الفاظ کے الٹ پھیر، گل و بلبل، غنچہ و بہار اور مترادفات کی کثرت زیادہ سے زیادہ کریں۔ مثلاً یہ کہا جائے:

بمبئی عجیب نرالا شہر ہے، ہر جگہ انسان یا حیوانات چلتا ہے۔ مگر بمبئی میں گرم چلتا ہے۔ ٹھنڈا چلتا ہے۔ ہر جگہ بھیک منگے مانگتے ہیں اور بمبئی میں کروڑ پتی سیٹھ بھی اپنے نوکروں سے مانگا کرتا ہے۔ بولتا ہے۔ ہم یہ مانگتا ہے۔ تم کیا لایا۔ اور غالباً قصاصین وواعظین نے ہمیشہ یہی باتیں کیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی تقریر میں اس طرح واہیات، خرافات اور لایعنی باتیں کبھی بھی نہیں ہوتی تھیں، خالص معلوماتی ہوتی تھیں۔ چوٹی کے بڑے بڑے واعظین کو یہ کہتے

سنا گیا ہے کہ صدر الشریعہ کی ایک تقریر سے میں تین تقریر تیار کرتا ہوں۔ مگر عوام میں تقریری حیثیت سے کوئی شہرت نہ تھی، لیکن پھر بھی بہت سے دیوانے تھے، جنھیں سوائے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے کسی کی تقریر پسند نہیں آتی تھی۔

اجمیر شریف کے قیام کے زمانے میں راجستھان کے مشہور صنعتی قصبے پالی جانے کا گیارہویں شریف کے موقع پر اتفاق ہوا، وہاں کی چھیپا برادری جماعتی سطح پر باپ دادا کے زمانے سے بہت شان و شوکت سے گیارہویں شریف مناتے ہیں۔ اسی میں حضرت صدر الشریعہ کو انھوں نے مدعو کیا اور پھر ایسے گرویدہ ہوئے کہ حضرت صدر الشریعہ کی حیات بھر کسی دوسرے واعظ کو مدعو نہیں کیا۔ مجھ سے خود وہاں کے بوڑھوں نے بتایا کہ حضرت صدر الشریعہ کی تقریر کے بعد کسی کی تقریر میں وہ لذت نہیں۔ اور یہ بات اور بہت سے لوگوں سے میں نے سنی ہے۔

دیگر کوائف:

جی تو چاہتا تھا کہ بہار شریعت، فتاوی امجدیہ، شرح طحاوی پر کچھ لکھوں، مگر میرا مضمون بہت طویل ہو گیا، اندیشہ ہے کہ ہماری جماعت کے قارئین اپنی عادت کے مطابق میرے مضمون کو پڑھیں ہی نہیں، اس لیے ان علمی نکتہ سنجیوں سے صرف نظر کر کے اب کچھ عادات و خصائل کا تذکرہ کرتا ہوں۔

مزاج میں حد درجہ لطافت تھی، صاف ستھرا عمدہ لباس زیب تن فرماتے، اعلیٰ کپڑوں کی شیروانی یا جبہ بنواتے، قیمتی کا مدار عمامہ باندھتے۔ میں نے زمانۂ دراز تک حضرت صدر الشریعہ کو انتہائی قیمتی لباس میں ملبوس دیکھا۔ مگر اخیر عمر مبارک میں یک بیک رنگ بدل گیا اور کھدر پسند آ گیا، اسی کی بنیائن، اسی کا کرتہ، اسی کا چوڑی مہری کا پاجامہ، اسی کی گول ٹوپی، اسی کا عمامہ باندھتے۔

یہی حال کھانے کا تھا۔ عام طور پر متوسط کھانا تناول فرماتے، لیکن کبھی کبھار نہایت اعلیٰ کھانے گھر پکوا کر خود بھی کھاتے اور سب بچوں کو کھلاتے، پانی ہمیشہ بہت ٹھنڈا پیتے، حتی کہ جاڑوں میں رات کو گھڑوں میں پانی بھروا دیتے اور وہی دن بھر پیتے۔

آواز بہت بارعب، گرج دار اور بلند تھی۔ مبارک پور مدرسہ اشرفیہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر جامع مسجد راجہ شاہ مبارک میں تقریر فرما رہے تھے، ہم لوگ پرانے مدرسہ پرانی بستی میں تھے، وہاں سے آواز کی گھن گرج سنتے تھے، حالاں کہ لاؤڈ اسپیکر اس وقت ہندوستان میں آیا بھی نہیں تھا۔ فطری طور پر بہت رحم دل، شفیق، مہربان، بردبار، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے۔ البتہ اگر اپنے صاحبزادگان یا تلامذہ سے کوئی غلطی ہوتی تو اس زور سے ڈانٹتے کہ لوگوں کے اوسان خطا ہو جاتے۔

صاحبزادگان پر شفقت کا جو عالم تھا، وہ علامہ عبد المصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مضمون میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۶۶۔۶۷ھ میں خدمت اقدس میں حاضر تھا، اس وقت میں نے حضرت کی شفقت اولاد پر اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ مولانا ثناء المصطفیٰ، مولانا بہاء المصطفیٰ، مولانا فداء المصطفیٰ اس وقت بہت چھوٹے بچے تھے، وہ گنا لے کر آتے اور کہتے: ابا جی! اسے گلا بنا دو، یعنی اسے چھیل کر کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیجیے۔ حضرت بڑے پیار محبت سے مسکرا کر گنا چاقو ہاتھ میں لے کر اسے چھیلتے، پھر چھوٹے چھوٹے

ٹکڑے کر کے ان لوگوں کے منہ میں ڈالتے۔ رشتہ داروں کا بہت خیال کرتے، منجھلے بھائی حکیم احمد علی صاحب دوکاندار، بڑے بھائی حکیم محمد علی صاحب سے ملنے ان کے گھروں پہ جاتے، ان کا پورا احترام کرتے۔

میرے والد صاحب چوں کہ عم زاد تھے، ان پر بھی بہت مہربان تھے اور والد صاحب روزانہ بلا ناغہ مغرب سے عشا تک حاضر ہوتے۔ اگر خاندان میں شکر رنجی ہو جاتی تو سب کو ملا دیا کرتے۔ گھر کا کام کاج کرنے میں کوئی عار نہ تھا، گھر میں ترکاریاں چھیلتے، کاٹتے اور دوسرے کاموں کو بھی کر دیا کرتے تھے۔

حدیث میں ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في مهنة اهله".

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر کے اندر گھر والوں کا کام کاج کیا کرتے تھے۔ (بخاری جلد ثانی ص: ۸۰۸)

اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے گھر کے کام کاج سے عار محسوس نہ فرماتے، بلکہ سنت پر عمل کرنے کی نیت سے ان کو بخوشی انجام دیتے۔

نماز باجماعت:

آج کل علما و مشائخ میں یہ بیماری پیدا ہو گئی ہے کہ نماز اپنے کاشانوں میں پڑھ لیتے ہیں، لیکن حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس پر بہت سختی سے پابند تھے کہ مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز پڑھیں، بلکہ اگر کسی وجہ سے مقررہ مؤذن وقت مقررہ پر نہیں پہنچتے تو خود اذان دیتے۔ قدیم دولت خانہ سے مسجد بالکل قریب تھی، وہاں تو کوئی دقت نہیں تھا، لیکن جب نئے دولت خانہ قادری منزل میں رہنے لگے تھے تو آس پاس میں دو مسجدیں تھیں، ایک بازار کی مسجد، دوسرے بڑے بھائی کے مکان کے پاس جو "نوا کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دونوں مسجدیں فاصلے پر تھیں، اس وقت بینائی بھی کمزور ہو چکی تھی، بازار والی مسجد نسبتاً قریب تھی، مگر راستے میں بے تکی نالیاں تھیں، اس لیے نوا کی مسجد نماز پڑھنے آتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی نماز کے لیے جا رہے تھے راستے میں ایک کنواں پڑتا ہے، ابھی کچھ اندھیرا تھا اور راستہ بھی برابر نہ تھا، اونچا نیچا تھا، اندازے سے کنویں پر چڑھ گئے، قریب تھا کہ کنویں کے غار میں قدم رکھ دیتے، اتنے میں ایک عورت آ گئی اور زور سے چلائی: ارے مولوی صاحب کنواں ہے۔ رک جاؤ۔ ورنہ گر پڑھیو۔ یہ سن کر حضرت نے قدم روکلیا اور پھر کنویں سے اتر کر مسجد گئے، اس کے باوجود مسجد کی حاضری نہیں چھوڑی۔

سفر میں بھی کوشش یہی فرماتے کہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھیں۔ مبارک پور کبھی امتحان اور سالانہ جلسے میں تشریف لاتے تو گولہ بازار کی مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھتے۔

ایک بار ایسا بھی ہوا کہ مغرب کے وقت کچھ تاخیر سے پہنچے، ایک حافظ صاحب جن کو ہم لوگ حافظ جنتی کہتے تھے، نماز پڑھا رہے تھے، ان کا تلفظ صحیح نہیں تھا، انھوں نے "وجاء بقلب" کو "بکلب" پڑھا، قلب معنی دل اور کلب معنی کتا۔ اس مسجد میں مغرب کے وقت بہت بڑی جماعت ہوتی تھی، حضرت نے امام صاحب کے سلام پھیرتے ہی انھیں ٹوکا اور فرمایا: نماز نہیں ہوئی۔ پھر کوئی اور صحیح خواں پڑھائیں۔ حافظ جنتی صاحب نے عرض کیا: حضور ہی آ کر پڑھا دیں۔ پھر

حضرت نے نماز پڑھائی۔

لطیفہ:۔ ان حافظ صاحب کو ہم لوگ حافظ جنتی اس لیے کہتے تھے کہ اس زمانے میں مسجد میں نل نہیں تھا، کنویں سے پانی رسی ڈول سے کھینچا جاتا تھا۔ رسی عموماً بھیگی، گندی رہتی تھی، طلبہ کنویں میں پانی کھینچنے سے کتراتے تھے، یہ بے چارے حافظ جی بڑے شوق سے پانی بھر بھر کر طلبہ کو وضو کراتے، اس میں اکثر ان کی جماعت بھی چھوٹ جاتی، ان کی اس نوازش کے صلے میں ہم لوگ ان کو حافظ جنتی کہتے۔

نماز کے ساتھ شغف:

سفر ہو یا حضر کبھی نماز قضا نہ فرماتے۔ شدید سے شدید بیماری میں بھی نماز ادا فرماتے۔ اجمیر شریف میں ایک بار شدید بخار میں مبتلا ہو گئے، یہاں تک کہ غشی طاری ہو گئی، دوپہر سے پہلے غشی طاری ہوئی اور عصر کے وقت تک رہی، حافظ ملت خدمت کے لیے حاضر تھے، حضرت صدر الشریعہ کو جب ہوش آیا تو سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا: کیا وقت ہے؟ ظہر کا وقت ہے یا نہیں؟ حافظ ملت نے عرض کیا کہ اتنے بج گئے ہیں، اب ظہر کا وقت نہیں۔ یہ سنتے ہی اتنی اذیت پہنچی کہ آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ حافظ ملت نے دریافت کیا: کیا حضور کو کہیں درد ہے؟ کہیں تکلیف ہے؟ فرمایا: تکلیف ہے، ظہر کی نماز قضا ہو گئی۔ حافظ ملت نے عرض کیا: حضور بے ہوش تھے، بیہوشی کے عالم میں نماز قضا ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ فرمایا: آپ مواخذہ کی بات کر رہے ہیں، وقت مقررہ پر ایک حاضری سے تو محروم رہا۔

عُرفا نے لکھا ہے کہ کچھ لوگ دوزخ کے ڈر سے فرائض و واجبات کی پابندی کرتے ہیں اور معاصی سے بچتے ہیں۔ کچھ لوگ جنت کی امید پر۔ اور کچھ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں کہ وہ جنت، دوزخ سے بے پروا ہو کر صرف رضائے الٰہی کے لیے سارے اعمالِ حسنہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے:

"لو كان الجنة بدون جماله فيا ويلاه ولو كان النار بجماله فيا شوقاه"۔

اگر جنت میں اس کا دیدار نہ ہو تو صد افسوس، اور اگر جہنم میں اس کا دیدار نصیب ہو تو خوش نصیبی۔

جنت ملے ملے نہ ملے تیری رویت ہو خیر سے
یہ شہد ہو تو پھر کسے پروا شکر کی ہے
وہ جو صحرا میں ہوں تو صحرا بھی لالہ زار ہے
ورنہ پھر فردوس بھی میری نظر میں خار ہے

ان سے بھی بلند وہ عارفانِ حق آگاہ ہیں، جو دیدار کے بھی طالب نہیں، وہ صرف رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائی

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ عرفان کی اسی بلند منزل پر فائز تھے۔

ایک بار رمضان المبارک میں گھوسی میں جاڑے بخار کی وبا پھیل گئی، وہ بھی بہت شدید، اس موذی مرض میں جاڑے کے بعد شدید بخار چڑھتا ہے اور اس میں پیاس اتنی شدید لگتی ہے کہ نا قابل برداشت ہوتی ہے، میں خود اس میں گرفتار ہو چکا ہوں اور اس کا مزہ چکھ چکا ہوں۔

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں مبتلا ہو گئے اور تقریباً ایک ہفتہ تک گرفتار رہے۔ ظہر بعد جاڑا آتا، پھر بخار چڑھتا، اس حال میں بھی ایک روزہ نہیں چھوڑا۔

زکوٰۃ پوری پابندی سے پورا حساب لگا کر ادا کرتے:

میرے والد ماجد مرحوم ابتدائے نوعمری میں بہت بڑے تاجر تھے اور حساب کے ماہر، ان کو بلا کر پورا حساب لگواتے، زیوروں کا نقد اور مطبوعہ بہار شریعت کا، پھر انھیں سے کپڑے کا تھان منگا کر عورتوں کے لائق الگ، مردوں بچوں کے لائق الگ اور سب کے مناسب قطع کرا کے تقسیم فرماتے، کوئی سائل کبھی دروازے سے خالی واپس نہیں جاتا، بہت بڑے مہمان نواز اور عموماً مہمان آتے رہتے، سب کے شایانِ شان کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، آرام کا اہتمام فرماتے۔ مہمانوں کے لیے خصوصیت سے ان کی ضروریات کی چیزیں ہر وقت گھر میں رکھتے، کبھی کبھی کچھ لطائف وظرائف بھی ہو جاتے۔

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری مبارک پور اشرفیہ میں مدرس تھے، بہت مقبول، ہر دل عزیز تھے۔ ایک دفعہ یہ بعد مغرب دو مدرس اور چھ طالب علموں کو لے کر پہنچ گئے، پہلے سے کوئی اطلاع نہیں تھی، اس وقت ہمارے یہاں کا بازار مغرب کے وقت بند ہو جاتا تھا اور اب بھی بعد مغرب ترکاری وغیرہ نہیں ملتی۔ حضرت کے یہاں مغرب کے وقت تک کھانا تیار ہو جاتا تھا۔ عشا اور مغرب کے درمیان حضرت اور گھر کے سب لوگ کھانا کھا لیتے تھے۔ ازہری صاحب بعد مغرب جو مہمانوں کی فوج لے کر پہنچے، آپ خود سوچئے! آپ اگر ہوتے تو کیا ہوتا۔ مہمانوں کے سامنے کچھ نہیں فرمایا، اندر لے جا کر ان کو کافی تنبیہ فرمائی، تم کو پہلے سے اطلاع کرنی چاہیے تھی، اب بولو اس وقت کیا ہو سکتا ہے، دال روٹی پکانے میں بھی کتنی دیر ہوگی اور پھر مہمانوں کے سامنے صرف دال روٹی لے جائیں گے تو وہ کیا کہیں گے۔ ان کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کی، پھر حکم دیا، جو کھانا پکا ہوا ہے وہ مہمانوں کو کھلا دو، اب جو کھانا پکے گا ہم لوگ کھا لیں گے۔

روحانیت: عام طور پر لوگ یہی جانتے ہیں کہ حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ ایک متبحر عالم اور فقیہ و محدث تھے۔ باطن کا کیا حال تھا، لوگ اس سے واقف نہیں۔ اس سلسلے میں میں اپنی واردات بیان کروں تو لوگوں کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ خاندانی تعلق کی بنا پر یہ لکھ رہا ہے، اس لیے پہلے ایک اہم واقعہ سن لیجیے۔

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم سبقوں میں ایک بزرگ شاہ صدیق اللہ صاحب بنارسی بھی تھے، یہ بھی اجمیر شریف میں حضرت سے پڑھتے تھے، اسی زمانے میں انھوں نے تزکیۂ باطن کے لیے حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے چلہ پہ جا کر ذکر بالجہر کرنا شروع کیا، کئی دن گزر گئے، جب سبق میں حاضر نہ ہوئے تو حافظ صاحب وغیرہ ان کے ساتھی ان سے ملاقات کرنے سدا بہار پہاڑی پر غریب نواز کے چلے میں گئے، وہاں جا کے دیکھا تو ان کا حال عجیب تھا، بہت کمزور اور نحیف ہو گئے تھے۔ حال پوچھنے پر بتایا کہ مجھے دست آ رہے ہیں۔ حافظ ملت وغیرہ نے واپس آ کر حضرت صدرالشریعہ کو بتایا، ان کا حال سن کر حضرت صدرالشریعہ نے بھی افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ کل ہم بھی دیکھنے چلیں گے۔ دوسرے دن حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ، محدث اعظم پاکستان اور حافظ ملت کو لے کر ان کے پاس گئے۔ شاہ صاحب اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، بچوں کی طرح ہاتھ پاؤں کے سہارے چل کر چلہ شریف پر آ کر صدرالشریعہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صدرالشریعہ کو

دیکھتے ہی شاہ صاحب زار و قطار رونے لگے۔ جب رو دھو کر ان کو کچھ سکون ہوا تو حضرت صدر الشریعہ نے پوچھا کیا کرتے ہو، انھوں نے بتایا ''لا الہ الا اللہ'' کا سہ ضربی ذکر بالجہر کرتا ہوں۔ صدر الشریعہ نے پوچھا کہ کس طرح کرتے ہو۔ انھوں نے بہ وقت تمام بیٹھ کر بتایا۔ صدر الشریعہ نے فرمایا کہ یہ غلطی ہو رہی ہے، سر یہاں سے اٹھاؤ اور یوں جھکو اور اس طرح اتنے نیچے سر لا کر دل پر ضرب لگاؤ۔ اپنے بتائے ہوئے طریقے کی ان کو مشق کرائی۔ فرمایا علاج یہی ہے کہ جیسے میں نے بتایا ہے، اسی طرح کرو، ٹھیک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ وہ تین دن میں بالکل ٹھیک ہو گئے۔

جب ہندوستان پاکستان بنا اور پاکستان کے دو حصے ہو گئے، مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان اور بہت سے میمن ہندوستان چھوڑ کر پاکستان ہجرت کرنے لگے، پھر کچھ مغربی پاکستان میں گئے، کچھ مشرقی پاکستان میں گئے۔ علاقہ کاٹھیاواڑ دھوراجی کے مشہور تاجر حاجی عبدالعزیز مرحوم کا حضرت صدر الشریعہ کی خدمت میں خط آیا کہ حضور مجھے مشورہ دیں، میں مشرقی پاکستان میں جاؤں یا مغربی پاکستان میں، ان کا رجحان مشرقی پاکستان کی طرف تھا۔ عادت کریمہ یہ تھی کہ روزانہ جتنے خطوط آتے، اسی دن سب کے جوابات لکھوا دیتے، مگر ان کے اس اہم خط کو رکھوا دیا۔ تین دن کے بعد جواب لکھوایا کہ آپ مغربی پاکستان جائیں۔ حضرت کی ہدایت کے بموجب وہ کراچی چلے گئے۔ اللہ نے ان کو ایسی برکت دی کہ آج ان کے پوتے پاکستان کے صف اول کے تجار میں ہیں۔

اب میرا قصہ سنیے! ہمارے یہاں کے سارے اہل سنت شیخ المشائخ تاج الاصفیا حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی قدس سرہ کے مرید تھے، والدین بھی انھیں سے مرید تھے۔ والدین جب بیعت ہوئے تھے تو میں بہت چھوٹا تھا، پورے طور سے شعور بھی بیدار نہیں ہوا تھا، صرف اتنا یاد ہے کہ اس دن ہمارے گھر بہت اچھے اچھے کھانے پکے تھے، جن میں سے فیرنی مجھے اب بھی یاد ہے۔ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ اس وقت کیا لباس پہنے ہوئے تھے، ان کا کیا حلیہ مبارکہ تھا، صرف اتنا یاد ہے کہ چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حضرت کئی بار گھوسی تشریف لائے، ہر بار والد صاحب مجھے ان کی خدمت میں لے آتے، دعا کے لیے عرض کرتے۔

حضرت نے بارہا میرے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اور دعائیں دی ہیں، ان دعاؤں کی برکتیں میں آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ حضرت کا حلیۂ جمال کا ہر نقش و نگار میرے دل و دماغ پر ثبت ہے۔ سبحان اللہ! وہ نورانی دل کش چہرہ، جس پر فردوس کی بہاریں قربان اور کیوں نہ ہوں کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ

اشرفی اے کہ رخت آئینۂ حسن خوباں

اے نظر کردۂ وپروردۂ ہر سہ محبوباں

جس مجلس میں تشریف رکھتے، ایسا معلوم ہوتا ملاء قدس کا کوئی فرشتہ جلوہ گر ہے، جو دیکھتا ہوش و خرد کھو بیٹھتا۔

ایک بار اجمیر مقدس شاہجہانی مسجد کے منبر پر تشریف رکھ کر چند دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے، جس کا اثر یہ ہوا کہ مسجد کے سارے حاضرین مرید ہو گئے۔ حضرت کے رومال میں عمامہ باندھا گیا، پھر اس عمامہ میں متعدد عمامے باندھے گئے۔ حاضرین میں علما، رؤسا، امرا سبھی تھے۔ اسی موقع پر حافظ ملت کے تمام رفقائے درس بھی مرید ہوئے تھے۔ خود میرے دل

میں حضرت کی بہت محبت اور عظمت تھی۔ جب گھوسی تشریف لاتے، اپنا پڑھنا لکھنا چھوڑ کر خدمت میں حاضر رہتا۔ جہاں جاتے، پیچھے پیچھے جاتا۔

دوسری طرف حجۃ الاسلام مقتدائے انام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب کی شخصیت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام کی حیثیت کچھ کم نہ تھی، اس عہد کے علما، مشائخ سر نیاز خم کرتے تھے۔ طلعت زیبا ایسی نورانی اور جاذب تھی کہ بڑوں بڑوں کو غلام بنا لیا۔ صرف ان کی نورانی صورت دیکھ کر کتنے کفار مسلمان ہوئے۔ جب حضرت حجۃ الاسلام مبارک پور تشریف لاتے تھے تو حضرت کے ساتھ میری شیفتگی کا عالم یہ تھا کہ دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتا، کھانا کھانے بھی نہیں جاتا، رات کو بھی حضرت جب تک جاگتے رہتے، حاضر رہتا۔

لیکن میرا حصہ ازل سے کہیں اور تھا۔ حضرت صدر الشریعہ کا رنگ مبارک گندم گوں عنبری مائل تھا، لیکن بغیر کسی کی تحریک کے میں از خود خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جب کہ میں مبارک پور پڑھ رہا تھا۔ حضرت صدر الشریعہ جلسے میں تشریف لائے تھے، اس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ حضرت صدر الشریعہ بھی پیر ہیں۔ اندرونی کشش سے مغلوب ہو کر میں حاضر ہوا، حافظ ملت بھی موجود تھے، میں نے عرض کیا: مجھے مرید کر لیجیے۔ پوچھا: کہاں گھر ہے؟ میں نے بتایا: گھوسی۔ پوچھا: کس کے لڑکے ہو؟ میں نے کہا: عبد الصمد کے۔ فرمایا: ارے میں نے پہچانا نہیں، تم شریف الحق ہو۔ دروازے سے روشنی آ رہی ہے، کچھ چکا چوندی سی لگ رہی ہے، اس لیے تمہارے چہرے کو دیکھا نہیں۔ فرمایا: مٹھائی لائے ہو؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ اتنے میں دار العلوم اشرفیہ کے سابق ناظم حاجی محمد عمر صاحب کے صاحبزادہ مولوی نثار احمد صاحب مرحوم مٹھائی لے کر آئے اور انھوں نے بھی مرید ہونے کی درخواست کی۔ فرمایا: اچھا چلو، اسی میں تمہارا کام بھی چل جائے گا۔ غالباً ہم دونوں افراد حضرت صدر الشریعہ کے پہلے مرید ہیں۔

میں آج تک خود حیرت میں ہوں کہ آخر ہندوستان کے مشاہیر اور خاندانی مشائخ سے بیعت کا خیال کیوں نہیں ہوا اور از خود حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی طرف اتنا انجذاب کیوں ہوا۔ سچ ہے: ؎

ہمہ شہر پرز خوباں من وخیال ما ہے
چہ کنم چشم بد خو نہ کند بکس نگاہے

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی باطن جامعیت اور کمال کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سوائے حضرت صدر الشریعہ کے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے کسی کو بھی حتی کہ شہزادگان کو بھی اپنی بیعت لینے کے لیے وکیل نہیں بنایا تھا۔ حضرت شیر بیشہ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے ایسے مجمع میں جس میں حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بہت سے لوگ موجود تھے، یہ بیان فرمایا کہ ابتدا میں میں مدرسہ فرقانیہ میں پڑھتا تھا اور میرے استاذ سب دیوبندی تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ والد صاحب مرحوم کی کتابیں دھوپ دکھانے کے لیے آنگن میں پھیلائی ہوئی تھیں، میں ان کتابوں کو دیکھنے لگا، اس میں سے تمہید ایمان اٹھائی اور اسے پڑھنا شروع کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ دیوبندی علما کی شانِ رسالت میں توہین آمیز عبارتیں پڑھنے کے بعد مجھے شدید نفرت ہوگئی

اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے غایت درجہ محبت پیدا ہوگئی اور ان کی عظمت دل میں بیٹھ گئی، میں غائبانہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا شیدا ہوگیا۔ پھر دوسرے دن سے دیوبندی مولویوں سے ان کفریہ عبارتوں پر سوال و جواب شروع کردیا، کچھ دن تو انھوں نے بہت صبر و تحمل سے کام لیا اور بطور خود مجھے سمجھانے کی کوششیں کیں، لیکن میں ان کی افہام و تفہیم سے مطمئن نہ ہوسکا، جس کے نتیجہ میں پورے مدرسہ میں مبغوض ہوگیا، دل چاہتا تھا کہ اُڑکر بریلی شریف پہنچ جاؤں، مگر مجبوریاں ایسی تھیں کہ میں جانہیں سکتا تھا۔

اسی اثنا معلوم ہوا کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے گفت وشنید کرنے کے لیے بریلی شریف کے کچھ علما تشریف لائے ہوئے ہیں۔ حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ مسند الانام حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب خلف اکبر اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلما حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب قدست اسرارہم تشریف لائے ہیں۔ میں نے ان سب حضرات سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات میں کوئی اعلیٰ حضرت کا وکیل بالبیعت ہو تو میں اس کے ہاتھ پر اعلیٰ حضرت سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت حجۃ الاسلام نے فرمایا کہ یہ شرف صرف ہم میں سے حضرت مولانا امجد علی صاحب کو حاصل ہے، آپ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوجایئے۔ میں نے بلاتاخیر حضرت صدر الشریعہ کے ہاتھ پر اعلیٰ حضرت کی بیعت کرلی۔

جب حضرت صدر الشریعہ حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو حضرت صدر الشریعہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ رات میں جب بعد نماز عشا مسجد نبوی شریف خالی کرالی جاتی ہے، صرف خدام رہ جاتے ہیں، مجھے شریف مکہ کی خصوصی سند کی بنا پر رات میں مسجد نبوی کے اندر رہنے کی اجازت تھی۔ اور زمانۂ قیام میں میں ہر رات مسجد نبوی کے اندر حاضر رہتا۔ خدام نے مجھے اس کی بھی اجازت دی کہ میں روضۂ مبارکہ کے اندر جاسکوں، مگر میری ہمت نہ ہوسکی، میں کہاں، کہاں وہ مبارک خطہ۔ یہی کرم بہت تھا کہ دربار میں رات کی تنہائیوں میں مسلسل باریاب فرماتے رہے۔ منجھلے بھائی حکیم احمد علی صاحب نے پوچھا کہ ان راتوں کی خلوت کی حاضریوں میں کیا ہوا۔ مسکرا کر فرمایا: یہ مت پوچھئے، یہ بتانے کی بات نہیں۔

ناظرین! خود سوچیں جنم جنم کا ہجراں نصیب عاشق صادق جب اپنے محبوب کی عنایت خاصہ سے محبوب کے ساتھ ایسی خلوت میں جگہ پائے، جہاں وہ ہو اور محبوب ہو اور تیسرا کوئی نہ ہو تو محبوب نے کیا کیا نوازشیں کی ہوں گی، اسے کون جانے اور کون بتائے۔ اسے ارباب محبت ہی جان سکتے ہیں۔ ؎

نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

ملاخسرو نے عرض کیا: ؎

نمی دانم چہ محفل بود شب جائے کہ من بودم
ہزاراں رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے سرو قد لالہ رخسارے
ہزاراں آفتے دل بود شب جائے کہ من بودم
رقیباں گوش بر آواز او در ناز من ترساں
سخن گفتم چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم

خدا خود میر محفل بود اندر لا مکاں خسرو

محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

جس قدسی صفات پیکر عشق جگر سوختہ کو زندگی کی یہ معراج نصیب ہوگئی ہو، وہ ایک دن نہیں متعدد راتیں محبوب حقیقی کے ساتھ خلوت خاص میں باریاب رہا ہو، اس کی روحانیت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت صدرالشریعہ معرفت وحقیقت کے سمندر پے ہوئے تھے، مگر کیا مجال کہ کسی کو بو بھی محسوس ہوئی ہو۔ اپنے باطنی کمالات پر علم ظاہر کی چادر اس طرح ڈالے ہوئے تھے کہ دنیا والوں نے انھیں صرف ایک عالم سمجھا۔ لیکن حقیقت میں وہ اپنے عہد کے عرفا کی صف اول میں جگہ پائے ہوئے تھے۔

وصایا شریف صفحہ ۲۴ پر میں مذکور ہے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی نماز جنازہ کے بارے میں یہ وصیت فرمائی تھیں:

''المہ المختارہ میں نماز جنازہ کی جتنی دعائیں منقول ہیں، اگر حامد رضا کو یاد ہوں تو وہ میری نماز جنازہ پڑھائیں، ورنہ مولوی امجد علی صاحب پڑھائیں''۔

حضرت حجۃ الاسلام چوں کہ ولی تھے، اس لیے ان کو مقدم فرمایا، وہ بھی مشروط طور پر اور ان کے بعد اعلیٰ حضرت کی نگاہِ انتخاب اپنی نمازِ جنازہ کے لیے جس پر پڑی وہ بھی بلا شرط، وہ حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کی تھی۔ اسی سے حضرت صدرالشریعہ کے علم ظاہر و علم باطن کو سمجھا جاسکتا ہے۔

الملفوظ حصہ اول میں ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

''آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا''۔ (الملفوظ اول، ص:۱۰۳)

یہ ارشاد اس پر نص جلی ہے کہ حضرت صدرالشریعہ بلا شرکت غیرے اعلیٰ حضرت کی نظر میں افقہ العلما میں تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کی ضرورت محسوس فرمائی کہ پورے ملک کا ایک قاضی بنائیں تو حضرت صدرالشریعہ ہی کو بنایا، جس کی تفصیل دیگر مضامین میں موجود ہے۔

اور باطنی روحانی کمال کی بلندیوں کو دیکھنے کے لیے اپنی حیات میں وکیل بالبیعۃ بنانا اور نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے وصیت کرنا بہت واضح دلیل ہے کہ حضرت صدرالشریعہ کو اعلیٰ حضرت نے ظاہری اور باطنی دونوں طور پر کمال کی ان بلندیوں پر پہنچادیا تھا، جہاں اس عہد میں دوسروں کی رسائی نہیں تھی۔

باوج بے کسی ما پر ہما نرسد

رسیدۂ یم بجائے کہ کس بما نرسد

حب رسول: اس پر پوری امت کا قطعی یقینی اجماع ہے اور قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ ایمان کی اصل حب رسول ہے۔ اعلیٰ حضرت عرض کرتے ہیں: ۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ

ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں

ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اس لیے جس کا ایمان جتنا قوی ہوگا، اس کے اندر اسی

تناسب سے حب رسول زیادہ سے زیادہ ہوگی۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی قوتِ ایمانی کتنی بڑھی ہوئی تھی، وہ سطور بالا سے ظاہر ہے۔ اس لیے ان کے سینے میں عشق رسول کا وہ لاوا دہک رہا تھا، جس نے ماسوا کو پھونک کر خاکستر کر کے حضرت صدر الشریعہ کو فانی فی الرسول باقی بالرسول کے زروۂ علیہ پر پہنچا دیا تھا، مگر وسعت ظرف کا عالم یہ تھا کہ سوز دروں سے اگرچہ قلب وجگر کباب تھے، مگر کسی کو اس کی مہک بھی نہیں لگتی۔

اے مرغ سحر عشق زیر پروانہ بیا موز
کاں سوخت را جاں شد وآواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بے خبر آنند
کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

لیکن کبھی کبھی جب کوئی نعت خواں نعت پڑھتا تو راز اندروں کی غمازی، چشم تر کے آبدار موتی کر دیتے۔ انسان اگر وسیع الظرف ہے تو اپنی زبان کو قابو میں رکھ سکتا ہے، مگر چشم تر پر کسی کا کوئی قابو نہیں۔

نہیں قابو کسی کا کچھ ہماری دیدۂ تر پر

مثل مشہور ہے:

"ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں نے بھرم کھول دیا"۔

میں نے بارہا دیکھا ہے کہ جب نعت شروع ہوتی تو آنکھیں بند کر لیتے تھے، مؤدب بیٹھ جاتے، دونوں ہاتھ باندھ لیتے، انتہائی وقار وتمکنت کے ساتھ اس طرح پُر سکون ہو جاتے کہ معلوم ہوتا کوئی پتھر کا مجسمہ ہے۔ نہ واہ واہ کرتے، نہ سبحان اللہ۔ پورے انہماک وتوجہ سے سنتے۔ پھر کچھ ہی دیر بعد آنکھوں سے سیل اشک اس طرح جاری ہو جاتے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے۔ نعت پڑھنے والا نعت پڑھ کر خاموش ہو جاتا، اس کے بعد بھی کچھ دیر تک یہی خود فراموشی طاری رہتی۔

ففاضت دموع العین منی صبابة
علی النحر حتی بلی دمعی فحو ملی

ریش مبارک تر ہو جاتی، لباس تر ہو جاتا، لیکن آنسو نہ تھمتا۔

لاکھ برس گئی گھٹا سوز دروں نہ کم ہوا
آگ سی ہے لگی ہوئی دیدۂ اشک بار میں

حب رسول ہی کی تڑپ تھی کہ مدت العمر سفر، حضر کہیں بھی ہوں، کتنی ہی مصروفیت ہو، نماز فجر کے بعد ایک پارہ کی تلاوت فرماتے اور پھر ایک حزب دلائل الخیرات شریف پڑھتے۔ اس میں کبھی ناغہ نہ ہوتا اور جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ بلا ناغہ سو بار درود رضویہ پڑھتے۔ حتی کہ سفر میں بھی نمازِ ظہر کے بعد درودِ رضویہ نہ چھوڑتے، چلتی ہوئی ٹرین میں کھڑے ہو کر پڑھتے۔ ٹرین میں جو ہندو یا ترقی یافتہ مسلمان بننے والے ہوتے، اس دیوانگی پر حیرت زدہ ہوتے۔ انھیں کیا معلوم۔

دیوانہ بہت سوچ کے دیوانہ بنا ہے

عشق رسول کی دیوانگی ہے، جس پر سارے جہان کی فرزانگی قربان۔

نعتیہ مشاعرے کا انعقاد:

عشق رسول ہی کا ثمرہ تھا کہ ہر سال قادری منزل کی چھت پر نعتیہ مشاعرہ کا بڑے اہتمام سے انعقاد فرماتے۔ رمضان المبارک میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صاحب صاحبزادہ اور علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی وغیرہ کو بلا کر خود مصرعہ

طرح منتخب فرماتے، جو یا تو اعلیٰ حضرت کا کوئی مصرعہ ہوتا، یا مولانا حسن رضا خاں صاحب کا کوئی مصرعہ۔ مثلاً ایک سال مصرعہ طرح یہ تھا:۔

تاج والوں کا یہاں خاک پر ماتھا دیکھا

اور ایک سال مولانا حسن رضا خان صاحب کا یہ مصرعہ:۔

جب خاک اُڑے میری مدینے کی ہوا ہو

پھر ازہری صاحب کو بیٹھا کر تمام شعرا کی لسٹ بنواتے اور حکم دیتے کہ سب کو دعوت نامہ بھیج دینا۔ سارے اخراجات اپنی جیب سے کرتے۔ عموماً یہ مشاعرہ ۴ر شوال کو ہوتا تھا، بلکہ غالباً ہمیشہ اسی تاریخ میں ہوتا تھا۔ مشاعرہ کی رات عشا کی نماز پڑھنے کے بعد ہی فرش وغیرہ بچھوا کر سب سے پہلے خود آ کر بیٹھ جاتے اور اخیر وقت تک جب تک مشاعرہ ختم نہ ہو جائے، بیٹھے رہتے۔ شاعروں کا حضرت کی موجودگی کی وجہ سے ہوش گم رہتا، لیکن اس وقت سراپا جمال ہی جمال، کرم ہی کرم نظر آتے۔ مشاعرے کے اصول کے مطابق کبھی کبھی شاعر کے مصرعہ کو دہراتے اور اچھے اشعار پر دل کھول کر داد دیتے، اس وقت استغراق بالکل نہیں ہوتا اور اچھے سامع کی طرح پورا مشاعرہ سنتے، مشاعرہ ختم ہونے پر دعا فرماتے اور شاعروں کے رخصت ہوتے وقت جن شاعروں کا کلام پسند آجاتا، اس سے فرماتے: بھئی! تم نے بہت اچھا کہا، بہت خوب کہا، بہت عمدہ کہا۔

میں شاعر نہیں اور نہ کبھی شعر کہنے کی طرف کبھی کوئی رجحان، مگر اس مشاعرے کے لیے ہمیشہ لکھتا اور پندرہ پندرہ شعر لکھ لیتا، یہ سب نظمیں میری بیاض میں درج تھیں، جسے ہمارے صاحبزادگان نے کسی کو بخش دیا اور واپس لینا بھول گئے۔ اس مشاعرہ میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ کافی اشعار کہتے تھے اور غیر شاعر لوگوں کو دیتے، جو اس مشاعرے میں پڑھتے۔ ان کی شاعری کا کمال یہ تھا کہ پڑھنے والے کی مناسبت کا پورا پورا لحاظ ہوتا۔ مثلاً عالی جناب بھائی قاری رضاء المصطفیٰ صاحب خطیب نیو میمن مسجد کراچی، ان دنوں بہت کم عمر تھے، مگر بہت ہی خوش آواز۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ان کو بابو کہا کرتے تھے، اس لیے وہ بابو کہلائے جاتے، ہم سب لوگ انھیں بابو ہی کہا کرتے۔

ایک سال مصرعہ طرح تھا:۔

سرور آنکھوں میں آیا جان دل میں نور ایمان میں

اس پر ازہری صاحب ان کو پڑھنے کے لیے جو نظم دی، اس میں تضمین یہ تھی:۔

تعالیٰ اللہ کیا اچھی طرح دی میرے ابا نے
سرور آنکھوں میں آیا جان دل میں نور ایماں میں

اسی طرح حضرت صدر الشریعہ کے بھتیجے حکیم احمد علی صاحب کے صاحبزادے حکیم غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم تھے، یہ بھی بہت خوش آواز تھے اور بہت عمدہ طرز سے پڑھتے تھے، ان کی خوش آوازی سے متاثر ہو کر ایک دفعہ علامہ اعظمی صاحب نے یہ کہا:

"حکیم صاحب! آپ کی آواز تو ایسی سریلی دل کش ہے کہ اگر پردے کے پیچھے پڑھیں تو شبہ ہو جائے"۔

اس پر میں نے گرہ لگائی:

"نہیں صاحب سامنے پڑھنے پر بھی شبہ ہوتا ہے،

اگر پردے کے پیچھے پڑھیں تو یقین ہو جائے گا"۔

ان کو ازہری صاحب نے جو نظم لکھ کر دی، اس کے ہر ہر شعر میں طبی مصطلحات کا لحاظ کرتے ہوئے نعت کہی تھی، اس میں کا صرف ایک مصرعہ یاد ہے:۔

کروں پاشویہ اے آقا تمہارا دیدۂ تر سے

پاشویہ ایک علاج ہے، دردسر اور بہت سی بیماریوں میں مناسب دوائیں پانی میں ابال کر اس کے نیم گرم جوشاندہ کو پنڈلیوں پر ڈالا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ پنڈلیوں کے نرم حصے کو گھٹنے کی طرف سے انگلیوں سے ہلکے ہلکے سونتتے ہوئے نیچے لایا جاتا ہے، اب آپ اس مصرعہ کا مزہ لیجیے۔

غرض کہ اس مشاعرے کی بڑی دھوم رہتی، مشاعرے کے بعد اس کے چرچے ہوتے رہتے، یہ سب کیا تھا، اسی عشق رسول کی جلوہ سامانی، ایک سوختہ سامان، عاشق صادق اپنے سینے میں دہکتے ہوئے شعلوں پر ذکر محبوب کے ٹھنڈے ٹھنڈے چھینٹے ڈالنے کے لیے بہانا بنایا کرتا ہے۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکره

هو المسک ما کررته یتضوع

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے سینۂ مبارکہ میں عشق رسول اتنا شعلہ زن تھا کہ بالآخر اسی میں جسم ظاہری کو پھونک کر انھیں حیاتِ ابدی کی نیند سلا دیا، آخر صبر و ضبط کب تک رہتا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جیسے میر کاروانِ عشق نے بھی ایک بار یہ کہہ ہی دیا:۔

اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اُٹھ

دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے

بالآخر سلگتے سلگتے دل جل اٹھا اور۔

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں

قدم رکھنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی سفینے میں

یہ ایمان افروز نظارہ رئیس التحریر، سیاح عالم، علامہ ارشد القادری صاحب کی زبانی اسی نمبر میں ملاحظہ فرمائی۔ میں چند چشم دید باتیں تحریر کر دے رہا ہوں۔

سفر حرمین یا سفر آخرت:

گزر چکا کہ حضرت صدر الشریعہ نے ۱۳۳۷ھ میں پہلی بار اللہ کے گھر اور اس کے حبیب کے در پر حاضری دی تھی، یہ حاضری بھی اسی اندرونی بے تابی کا ثمرہ تھا، ہمارے ہندوستان میں عام رواج یہ ہے کہ جب ایک شخص اپنے تمام بچوں کی شادیوں سے فارغ ہو لیتا ہے اور سب کے رہنے کے مکان بنوا لیتا ہے، پھر حج کرتا ہے۔ لیکن حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ میں حج و زیارت کے لیے شب و روز بے تاب رہتا، جب حج کے لیے قافلہ نکلتا تو میں دل مسوس کر رہ جاتا، میرے پاس اتنا سرمایہ جمع نہیں ہو پاتا کہ میں حج و زیارت کر سکوں، مگر کچھ نہ کچھ اس کے لیے پس انداز کرتا رہا، ابھی پوری رقم جمع نہ ہو پائی تھی کہ بے تابی برداشت کی منزلوں سے آگے بڑھ گئی۔ اس زمانے میں حج کے سفر میں کم از کم تین مہینے ضرور صرف ہوتے تھے، عموماً چار مہینے لگ جاتے تھے۔ چار ماہ کے لیے بچوں کے نان و نفقہ کے واسطے گھر قطعاً چھوڑنا، پھر حج کے اخراجات کے لیے رقم ہونا بڑا مشکل نظر آ رہا تھا۔ لیکن جب بے تابی بہت زیادہ بڑھ گئی تو میں نے کچھ قرض لیے اور حج کے لیے گیا۔ آپ کو دھوم دھام سے بچوں کی شادی

کے لیے قرض لینے والوں کی فہرست بہت لمبی ملے گی، مگر حج کے لیے قرض لینے والوں کی سوائے حضرت صدر الشریعہ کے شاید ہی کوئی مثال ہے۔

۱۳۶۷ھ میں حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے حج کا قصد فرمایا، یہ اطلاع جب حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو ملی تو آپ نے بھی عزم مصمم کرلیا کہ میں بھی حاضری دوں، حالاں کہ ان دونوں "بلاکو ماں، سمبل بائی" کی وجہ سے بصارت بہت کمزور ہو چکی تھی، اتنی کہ خطوط اور فتاویٰ املا کراتے تھے، خود پڑھ نہیں سکتے تھے۔ فتاویٰ کے لیے تائیدی عبارتیں دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے۔ مگر عشق رسول نے جو آگ سینے میں لگا رکھی تھی، اس نے اس عذر کی بھی پرواہ نہ کرنے دی اور بے خطر حج و زیارت کے لیے درخواست بھیج دی۔؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

پروگرام یہ طے ہوا کہ دولت کدے سے پہلے بریلی شریف حاضری دیں اور پھر وہاں سے حضرت مفتی اعظم ہند کے ہمراہ بمبئی جائیں۔

۲۶ر شوال ۱۳۶۷ھ کو گھوسی سے روانگی طے ہوئی، اس کی اطلاع مبارک پور حافظ ملت کو بھی کردی گئی تھی۔ حضور حافظ ملت اور اشرفیہ کے دیگر مدرسین ۲۵ر شوال کی شام کو دولت کدے پر حاضر ہوگئے، بعد عشا میں بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب حضرت چار پائی پر لیٹ گئے تو میں نے اور حافظ ملت نے پیر دبانا شروع کیا، اسی اثنا میں حضرت صدر الشریعہ کی زبان پر یہ مشہور شعر جاری ہوا:؎

مدینے جاؤں پھر آؤں مدینہ پھر جاؤں
اسی میں عمر الٰہی تمام ہو جائے

حافظ ملت نے عرض کیا کہ اب بھی جب قافلہ مدینے کی طرف چلتا ہے تو زائرین بڑے ذوق وشوق سے اس شعر کو پڑھا کرتے ہیں۔ فرمایا: پڑھتے ہوں گے۔ مولوی سبحان اللہ کو بلاؤ۔ مولوی سبحان اللہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ حضرت جامی کی وہ نظم پڑھو۔

احن شوقا الی دیار
لقیت فیھا جمال سلمی

خاص بات یہ ہے کہ مولانا سبحان اللہ کی آواز کوئی اچھی نہ تھی، بس وہ اپنی ایک خاص لے میں پڑھ لیتے تھے۔ نظم کے چند اشعار یہ ہیں:؎

احن شوقا الی دیار
لقیت فیھا جمال سلمی
کہ می رساند ازاں نواحی
قیام وصلت بجانما

ترجمہ:۔ ان دیار کے شوق میں رو رہا ہوں، جن میں میں نے محبوب کا جمال دیکھا تھا کہ اس طرف سے وصل کا پیغام ہماری جانب پہنچ رہا ہے۔

حریم کوئے تو کعبۂ دل
جمال روئے تو قبلۂ جاں
فان سجدنا الیک نسجد
وان سعینا الیک نسعی

ترجمہ:۔ تیری گلی دل کا کعبہ ہے اور تیرا جمال جان کا

قبلہ۔ اگر ہم سجدہ کرتے ہیں تو تیری طرف سجدہ کرتے ہیں اور سعی کرتے ہیں تو تیری طرف سعی کرتے ہیں۔

بناز گفتی فلاں کجائی
چہ بود حالت دریں جدائی
مرضت شوقا دمت هجرا
فکیف اشکو الیک شکوی

ترجمہ:۔ تو نے ناز سے پوچھا اے فلاں تو کہاں تھا، جدائی میں تیری حالت کیسی تھی؟ (میں نے عرض کیا) شوق میں بیمار ہوا، ہجر میں مرگیا تمہاری کیا شکایت کروں۔

جب مولانا سبحان اللہ نے اخیر کا شعر پڑھا تو حضرت صدر الشریعہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ بار بار اسی شعر کی تکرار کرتے رہے اور تڑپتے رہے۔

ہم نے کسی سوختہ جگر عاشق کو تڑپتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا، مگر اس رات محبوبِ خدا کے ایک دیوانے کو تڑپتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا۔ حافظ ملت اور میں خود دم بخود بہت دیر تک یہی کیفیت رہی۔ حافظ ملت نے جب دیکھا کہ حضرت صدر الشریعہ کا حال غیر ہوتا جارہا ہے تو مولانا سبحان اللہ کو حکم دیا کہ دوسری نظم شروع کرو، انھوں نے اسی پر عمل کیا۔ آج اچھی طرح یاد نہیں وہ کون سی نظم تھی۔ بہر حال اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ دیر کے بعد حضرت کو افاقہ ہوگیا۔ افاقہ کے بعد گھڑی دیکھی گئی تو بارہ بج چکا تھا۔ فرمایا سب لوگ سو رہو۔ مجھ سے فرمایا صبح کو جلدی آجانا، آٹھ بجے گھر سے نکل جائیں گے۔ جب کہ گھر سے اسٹیشن کا فاصلہ مشکل سے دس منٹ کا ہے۔

میں حسب الحکم جس قدر جلد ہوسکا حاضر ہوا تو دیکھا حضرت بالکل تیار بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس درمیان ہم لوگوں کو پوچھا بھی تھا۔ مولوی شریف الحق، مولوی غلام یزدانی، مولوی غلام جیلانی آئے کہ نہیں؟ اور کچھ خفگی بھی ظاہر فرمائی، میں نے کہہ دیا تھا جلدی آنا، مگر یہ لوگ ابھی تک نہیں آئے۔ بہر حال وداع کہنے والوں کے جم غفیر کے ساتھ حضرت اسٹیشن روانہ ہوئے اور نعت خوانی کا سلسلہ شروع ہوا، نعت خوانی کا سلسلہ شروع ہوتے ہی حضرت پر خود فراموشی کا عالم طاری ہوگیا، قدم لڑکھڑانے لگے، آنکھوں نے آنسو جاری ہوگئے۔ میں نے جب یہ حال دیکھا تو حضرت کا بازو پکڑ لیا، دوسری طرف مولانا سبحان اللہ صاحب نے بازو تھام لیا، اسی عالم کیف و مستی میں اسٹیشن روانہ ہوئے۔ ابتداءً حضرت کی فرمائش کے مطابق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مشہور نعت پڑھی گئی۔

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح وظفر کی ہے

کچھ دیر کے بعد حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب کی وداعی نظم پڑھی جانے لگی، جس کے مطلع کا صرف ایک ہی مصرع یاد ہے۔

چلا بیت الحرم کو کارواں صدر شریعت کا

جب یہ نظم شروع کی گئی تو حضرت کا جو حال تھا وہ تھا ہی، پورا مجمع کیف و مستی میں دیوانہ ہو رہا تھا۔

استغراق کا عالم یہ تھا کہ حضرت کے بچپن کے ساتھی اور بے تکلف دوست جناب عبدالحئی خان صاحب رضوی تھے، یہ

راستے میں آکر ملے مگر حضرت نے کوئی توجہ ان کی طرف نہیں کی۔ ہمیشہ حال یہ تھا کہ جب کبھی خان صاحب موصوف ملتے تو خوشی سے حضرت کی باچھیں کھل جاتیں اور بے تکلفی کی باتیں شروع ہو جاتیں، لیکن اس وقت فانی فی الرسول باقی بالرسول استغراق کی ان گہرائیوں میں تھا کہ دوست واحباب تو کیا چیز ہیں شاید اپنی بھی خبر نہ رہی ہو۔

شروع راہِ محبت ارے معاذ اللہ!

یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

اسٹیشن پہنچے تو گاڑی آنے میں کچھ دیر تھی، اسٹیشن کے پورب جانب پہلے آموں کا باغ تھا، ایک گھنے درخت کے نیچے فرش بچھا دیا گیا۔ حضرت نے سب الوداع کہنے والوں کو بٹھایا اور وداعی تقریر فرمائی، آج نہ وہ مضمون یاد ہے، نہ وہ الفاظ، لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم سب کو ہمیشہ کے لیے وداع فرما رہے ہیں۔ پھر بیٹھ گئے، آنکھیں بند کرلیں، پھر استغراقی حال طاری ہو گیا۔ اتنا کہ سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا فداء المصطفیٰ آئے، اس وقت بہت چھوٹے بچے تھے، ان پر والدین کی عارضی جدائی کے احساس سے بہت پژمردگی طاری تھی۔ میں نے ان کو لاکر حضرت کے سامنے پیش کیا، عرض کیا حضور یہ فداء المصطفیٰ ہیں، ایک بار کی گزارش پر کوئی توجہ نہ کی تو میں نے دوبارہ کچھ بلند آواز سے عرض کیا تو آنکھیں کھولیں، ان پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا سب کو خدا کے سپرد کیا، اتنے میں گاڑی آگئی۔

جب مئو پہنچے تو وہاں مبارک پور سے قاری محمد یحییٰ صاحب وغیرہ آگئے تھے، حضرت نے یا حافظ ملت نے قاری صاحب موصوف سے کہا کوئی نعت پڑھیے، وہ قاری صاحب کی جوانی کا وقت تھا، ان کی آواز بہت دل کش مترنم تھی۔ انھوں نے جو نعت پڑھی تو پھر وہی کیف ومستی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی روانی شروع ہوگئی۔ نعت ختم ہونے کے بعد بہت دیر کے بعد وہ عالم بدلا۔ گاڑی جب مبارک پور کے اسٹیشن جہانا گنج روڈ پر پہنچی، جسے ہماری حکومت نے سیکولر ہونے کے ثبوت میں ''ستھیاؤں'' کا نام دے دیا ہے۔ تو مبارک پور کے ہزاروں افراد اسٹیشن پر حاضر تھے، مبارک پور کے اس زمانے کے مشہور شاعر زماں صاحب نے حضرت جامی کے مشہور شعر ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد

بہ سلامت روی وباز آئی

پر وداعی نظم کہی تھی، جسے اس زمانے کے مشہور نعت خواں عبدالخالق صاحب نے پورے جوشِ عقیدت کے ساتھ پڑھا تھا۔

غالباً ۶ر بجے یا ۷ر بجے گاڑی شاہ گنج اسٹیشن پر پہنچی۔ ادری، گھوسی کے کے بہت سے احباب شاہ گنج گئے ہوئے تھے، عشا کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت نے فرمایا: یہاں شاہ گنج میں چوری بہت ہوتی ہے۔ چار آدمی تیار ہو جائیں، دو آدمی بارہ بجے تک جاگیں اور دو آدمی بارہ بجے کے بعد سے صبح تک۔ بارہ بجے تک جاگنے والے بہت سے تیار ہوئے، بارہ بجے کے بعد سے جاگنے والوں میں میں نے اپنا نام خود پیش کیا اور دو ادری کے آدمی بھی تیار ہوئے۔ ہم لوگوں کو حکم ہوا کہ تم لوگ سو جاؤ۔ ہم لوگ لیٹ گئے، لیکن مجھے نیند نہ آئی۔ اب میں نے رات سے حضرت کی جو کیفیت دیکھی تھی، اس پر غور کرنے لگا تو میری چھٹی حِس نے یہ بتایا کہ شاید حضرت اب واپس نہ

آئیں، اس پر دو بہت بڑے قرینے میرے ذہن میں آئے۔

اول، جب ملا جامی کی نظم کا یہ شعر:۔

بناز گفتنی فلاں کجائی چہ بود حالت دریں جدائی

مرضت شوقا دمت ہجرا فکیف اشکو الیک شکوی

پڑھا گیا تو یک بیک حضرت، مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے تھے۔

دوم، زماں صاحب نے ملا جامی کے جن اشعار پر تضمین کی تھی، وہ اصل میں دو مصرعے الگ الگ ہیں اور ان کے ساتھ انتہائی ایمان افروز واقعہ منسلک ہے۔ عارف باللہ ملا نور الدین عبدالرحمٰن جامی جب مدینہ طیبہ سے واپسی کا قصد کرتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہہ اقدس میں حاضر ہوکر اجازت طلب کرتے۔ عرض کرتے:۔

بہ سفر می روم چہ فرمائی

تو حجرۂ مبارکہ سے آواز آتی:۔

بہ سلامت روی وباز آئی

حضرت جامی اس جاں نواز ارشاد پر وجد کرتے ہوئے وطن واپس ہوتے اور پورے اطمینان سے فرماتے کہ پھر حاضری ہوگی، لیکن اخیر بار جب واپسی کی اجازت لینے کے لیے عرض کیا تو جواب یہ ملا:۔

بہ سفر رفتند مبارک باد

یہ سنتے ہی حضرت جامی پر بجلیاں گر گئیں، زار و قطار رونے لگے۔ لوگوں نے کہا سرکار آپ کو مبارک باد دے رہے ہیں اور آپ رو رہے ہیں، یہ تو جوشِ مسرت میں وجد کرنے کا مقام ہے۔ سرکار جس کو مبارک باد دیں، اس کے اوجِ کمال تک کس کی رسائی۔

حضرت جامی نے فرمایا کہ ہمیشہ اجازت طلب کرنے پر ارشاد ہوتا تھا:۔

بہ سلامت روی وباز آئی

سلامتی کے ساتھ جاؤ اور پھر آؤ۔

یہ دوبارہ بلاوے کا نوید ہوتا تھا۔ لیکن اب ارشاد ہوا:

بہ سفر رفتند مبارک باد

تم کو سفر میں جانا مبارک ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ حاضری نصیب نہ ہوگی۔

زماں صاحب نے اگرچہ دونوں مصرعوں کو ایک ساتھ ملا کر تضمین کی تھی، مگر مبارک باد کی کھٹک میرے ذہن میں بیٹھ گئی۔ پھر میرا جو حال ہوا میں جانتا ہوں۔

حضرت آرام کر رہے تھے، اگر ان کے آرام میں خلل کا اندیشہ نہ ہوتا تو میرے نالہ وفغاں سے ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔

بارہ بجنے پر مجھے کسی نے آواز دی، میں تو جاگ ہی رہا تھا، فوراً اٹھ بیٹھا۔ البتہ ادری کے دونوں اصحاب گہری نیند سو رہے تھے، ان کو جگایا گیا۔ ہم لوگ بیٹھے پہرا دیتے رہے، جی تو چاہتا تھا کہ حضرت کی خدمت کریں، خصوصاً اس خیال کے بعد کہ شاید اب یہ دولت نصیب نہ ہو۔ لیکن حضرت کی نیند میں خلل پڑتا، اس لیے ہم لوگوں نے خدمت کی جرأت نہ کی، کچھ دیر کے بعد حضرت کو ایک چھینک آئی اور حضرت نے کروٹ بدلی اور چشمانِ مبارک کھول دیں۔ جب ہم لوگوں نے دیکھا کہ حضرت جاگ گئے ہیں تو خدمت میں مصروف ہوگئے، حضرت آنکھیں بند کیے لیٹے رہے، یہ نہیں

کہہ سکتے کہ سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے۔ دو بجے کے قریب ہمارے ساتھی نیند کے غلبہ سے اونگھ اونگھ کر گرنے لگے، اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہیں چائے مل جاتی تو اچھا تھا۔ اس وقت چائے کا رواج اتنا عام نہیں تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ ادھر دکھن طرف مسافر خانہ اور ٹکٹ گھر ہے، وہاں جاؤ شاید چائے مل جائے۔ وہ دونوں چلے گئے، اب پھر حضرت نے آنکھیں کھولیں اور مجھے اکیلا دیکھ کر پوچھا تم تنہا ہی ہو اور لوگ کہاں گئے؟ میں نے بتایا کہ چائے پینے گئے ہیں۔ اب حضرت نے انتہائی شفقت سے پیار بھری نگاہ مجھ پر ڈالی اور جاں نواز تبسم کے ساتھ مسکرائے۔ ؎

ان کی نگاہِ ناز نے سر شار کردیا
جب تک شراب آئی کئی دور ہوگئے

میں نے یہ شفقت دیکھ کر جرأت کی اور عرض کیا کہ حضور جارہے ہیں، مجھے کچھ عنایت فرمائیں۔ یہ سن کر آنکھیں بند کرلیں، پھر دس پندرہ منٹ کے بعد فرمایا: میں نے تم کو سلسلۂ رضویہ کی اجازت دی۔ اس دولت بے بہا کو پاکر میری مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، پاؤں کی انگلیوں پر آنکھیں ملیں اور عالم وارفتگی میں سر پاؤں کے تلوؤں سے مس کردیا۔

عام حالات میں حضرت کسی کو پیر کا بوسہ نہیں لینے دیتے تھے، اگر کوئی اس کی جرأت کرتا تو اس زور سے ڈانٹتے کہ اوسان خطا کر جاتے۔ بہت دیر تک پیر کے تلوؤں کے نیچے سر رکھے رہا، کچھ دیر کے بعد فرمایا: کیا کر رہے ہو، سر ہٹاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور پھر خدمت میں مصروف ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت سوگئے، بینی مبارک سے ہلکے ہلکے پیارے پیارے خراٹے کی آواز آرہی تھی۔ ادری کے احباب بہت دیر کے بعد چائے لے کر آئے اور آتے ہی ان لوگوں نے حضرت کو آواز دے کر کہا کہ حضرت چائے پی لیجیے۔ حضرت نے پوچھا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ لوگ چائے لائے ہیں، حضور کو پلانا چاہتے ہیں اور کوئی وقت ہوتا تو ان لوگوں کی شامت آجاتی کہ نیند میں خلل ڈال کر چائے پلا رہے ہیں، اتنی ڈانٹ پڑتی کہ چائے پلانے کا مزہ کرکرا ہوجاتا۔ لیکن اس رات حضرت سراپا رحمت و رأفت تھے، اُٹھ کے بیٹھ گئے اور بڑی خوشی سے چائے نوش فرمائی، پھر بڑے چاہ سے باتیں کرنے لگے، آدھے گھنٹے کے بعد پھر لیٹ گئے، نماز فجر کے بعد جب میں نے دست بوسی کی تو ہاتھ بہت گرم تھا۔ میں نے عرض کیا: حضور بخار بہت تیز ہے، کیسے سفر فرمائیں گے؟ فرمایا: جانا تو ہے ہی، بخار ہو یا کچھ بھی ہو۔ البتہ میرے ساتھ ایک آدمی اور بریلی تک چلے، بریلی سے تو پورا قافلہ ہی رہے گا۔ پھر فرمایا: تم تو گھر کے اکیلے ہو، مولوی مجیب الاسلام چلے چلیں، انھیں کیا عذر ہوسکتا ہے۔

ناشتہ کے لیے عرض کیا گیا تو فرمایا کہ کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا، صرف چائے پلا دو۔ اس وقت سیالدہ جموں ایکسپریس سیالدہ سے دلی جایا کرتا تھا اور اس کا وقت چھ بجے صبح کو تھا۔ گاڑی آئی حضرت کو، حضرت کی اہلیہ کو گاڑی پر بٹھایا گیا۔ مولانا مفتی مجیب الاسلام ادروی ہمراہ گئے۔ ہم لوگ بادیدۂ نم رُخِ انور پر آخری نظر ڈال کر گھر واپس آگئے۔

گھر واپس آنے کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ جیسے گھوسی سونا ہوگیا ہے۔ سب لوگ تو اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے،

مگر میرے جگر میں ایک خلش بار بار دماغ کو جھنجھوڑتی کہ حضرت جامی کے مصرع کا ایک جز ”مرضت شوقا“ صحیح ہوگیا، خدانہ کرے کہ دوسرا جز بھی صادق آجائے۔

پھر بمبئی سے تار آیا کہ حضرت بہت علیل ہیں۔ یہ سنتے ہی مجھ پر بجلی گر گئی اور پارۂ ضبط نہ رہا، میں نے حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب وغیرہ سے کہہ دیا کہ مجھے تو مایوسی ہی نظر آرہی ہے۔ پھر اس کے بعد وصال کا تار آیا اور یہ کہ جنازہ گھوسی لے کر ہم لوگ آرہے ہیں۔ اس اطلاع سے پورا گھوسی ماتم کدہ بن گیا، کاروبار بند ہوگئے، چھوٹے بڑے، جوان بوڑھے، مرد عورتیں سب ہکا بکا ہوکر رہ گئے۔ دن کے اجالے میں محسوس ہوتا تھا کہ گھٹا ٹوپ اندھیری چھائی ہے۔

بالآخر ۹ر ستمبر یوم پنجشنبہ کو ۳ر بجے دن میں جنازہ مبارکہ گھوسی پہنچا، جنازہ کے استقبال کے لیے گھوسی، ادری، مبارک پور اور اطراف وجوانب کے ہزار ہا افراد اسٹیشن پر موجود تھے۔

حافظ ملت اپنے پورے اسٹاف کے ساتھ پہنچ چکے تھے، گاڑی جب اسٹیشن پر پہنچی اور وہ تابوت جس میں جنازۂ مبارکہ رکھا ہوا تھا نظر آیا تو حاضرین کی چیخیں نکل گئیں، گریہ وزاری آہ وبکا سے پوری فضا گونج اٹھی، ہر آنکھ اشک بار، ہر دل فگار۔ ٹرین کے رکتے ہی لوگ تابوت کی طرف اس طرح لپکے جیسے ہجراں نصیب عاشق محبوب کو دیکھ کر لپکتا ہے۔ اسی سوگوار ماحول میں جنازہ مبارکہ دولت خانہ میں لاکر آنگن میں رکھا گیا، چوں کہ وہ مکمل پیک تھا۔ علامہ ارشد القادری ہمراہ تھے، جو علالت کی خبر پاکر ناگ پور سے بمبئی پہنچ گئے تھے۔ ان کی ہدایت کے بموجب تابوت کھولا گیا، جب چہرۂ اقدس سے کفن سرکایا گیا تو لبوں پر جاں نواز تبسم اور چہرے پر مسرت کی تابانی مہر نیم روز کی طرح درخشاں تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک عاشق سوختہ جاں اپنے محبوب کو دیکھ کر خوشی میں پھولا نہیں سمارہا ہے۔ حضرت آسی نے سچ کہا ہے:

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

یہ میں شب گور کی بات نہیں کررہا ہوں، شب گور سے پہلے کی بات کررہا ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی چہرۂ اقدس پر اس قسم کے مسرت کے آثار اور ایسا جاں نواز تبسم نہیں دیکھا تھا۔

پس ازیں خوب تر چہ باشد کار
یار خندہ رود بجانب یار
نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

اس جاں نواز منظر کو دیکھ کر آنسو بہاتی ہوئی آنکھیں تھم گئیں، سینے کے بھڑکتے ہوئے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے، کچھ دیر میرا بھی یہی حال رہا، مگر جب چہرۂ اقدس کفن سے ڈھک دیا گیا تو اندرونی زخم کے انگور پھٹ پڑے اور ٹھنڈے ہوتے ہوئے شعلے پھر پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھے اور سوکھی ہوئی آنکھیں ساون بھادو برسانے لگیں۔ یکا یک حضرت امیر خسرو کا یہ دوہا یاد آگیا، جو انھوں نے اپنے مرشد برحق نظام الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ والدین محبوبِ الٰہی قدس سرہ کے وصال پر کہا تھا۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے کہ سانجھ بھئی چوندیس

مگر مجھ حرماں نصیب کو اب تک گھر جانا نصیب نہ ہوسکا۔کاش!اپنے گھر جانا اپنے اختیار میں ہوتا۔

تابوت سے جنازہ مبارکہ نکال کر چارپائی پر رکھا گیا، پھر جنازہ قبرستان چلا، لوگ عجیب عجیب کیفیت میں مبتلا تھے، کچھ لوگ خاموش ساکت، کچھ لوگ حق ھو، الا اللہ کی ضرب لگا رہے تھے اور میں اپنے آپ حضرت سعدی کی یہ نظم پڑھ رہا تھا:۔

سرد سیمینا بصرا می رود

نیک بد عہدی بے ما می رود

نمازِ عصر کے بعد نماز جنازہ ہوئی۔ حافظ ملت قدس سرہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر اس گنجینۂ علم وحکمت کو قبر میں اتارا گیا اور ٹھیک اس وقت کہ آفتاب ڈوب رہا تھا، اس آفتابِ علم کی قبر کو ہم نے برابر کیا۔

بین کرامت:۔ نمازِ مغرب کے بعد سے بارش شروع ہوگئی، وہ بھی موسلا دھار، لگا تار، ایک دم تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ رات بھر بارش ہوتی رہی، صبح جا کر دیکھا گیا کہ کثرتِ بارش سے پانی مزارِ اقدس کے چاروں طرف پھیل گیا ہے۔ قبر پر چٹائی ڈال دی گئی اور قبر انور کے اردگرد مینڈھ باندھ دی گئی، لیکن بارش پھر بھی نہیں تھمی، تین دن تک کچھ نہ کچھ بارش ہوتی رہی۔

ہم سب لوگوں کا ارادہ یہ ہوا کہ چہلم سے پہلے پہلے مزار اقدس کو پختہ بنوا دیا جائے۔ پندرہ دن کے بعد خدا خدا کر کے جب پانی مزار اقدس کے اردگرد سے ختم ہوا تو کام شروع ہوا۔ چبوترے کی تعمیر کے لیے نیو کھودی گئی، اس کے بعد مزار اقدس پر جو چٹائیاں ڈال دی گئی تھیں، وہ ہٹائی گئیں تو ایسی جانفزا خوش بو کا بھبھوکا اٹھا کہ پوری فضا معصر ہوگئی۔ کام کرنے والے مزدور ہندو تھے، وہ کام چھوڑ کر حیرت زدہ کھڑے تھے، پھر اس کی شہرت ہوئی تو ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی سب حاضر ہوئے اور سب نے اس خوشبو کو سونگھا، سب حیرت زدہ رہ گئے۔ حتی کہ ایک دیوبندی مولوی جس کا نام اختر علی تھا، اس نے علانیہ یہ کہا کہ ”صدر صاحب نے مرنے کے بعد اپنی کرامت دکھا دی“۔

یہ خوشبو مسلسل کئی دن تک اٹھتی رہی۔ جب ڈاٹ لگا کر مزار شریف کا تعویذ بند کر دیا گیا تو یہ خوشبو کا اٹھنا بند ہوا۔

مگر پھر بھی بہت سے خواص نے بعد میں بھی اس خوشبو کو محسوس کیا۔ حضرت کے وصال کے وقت حضرت کے بڑے صاحبزادے علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان، دار العلوم محمدیہ جھنگ ضلع جہلم میں تھے، قریب قریب سال بھر کے بعد جب وہ گھر واپس آئے تو حافظ ملت قدس سرہ ان سے ملنے کے لیے گھوسی تشریف لے گئے، آٹھ بجے رات کو پہنچے تھے، ازہری صاحب سے ملاقات کے بعد نماز عشا مزار اقدس پہ حاضر ہوئے، ساتھ میں قاری محمد یحییٰ صاحب بھی تھے۔ ان دونوں حضرات نے بھی یہ خوشبو مزار اقدس پر محسوس کی، اس پر حافظ ملت نے فرمایا کہ یہ ”حدیث پاک کی خدمت کا صلہ ہے“۔

قریب قریب چالیس سال تک حضرت صدر الشریعہ نے مسلسل دورۂ حدیث پڑھایا ہے، یہ اس کی برکت ہے۔

☆☆☆

امام احمد رضا کا مسلک تصوف اور صدر الشریعہ

علامہ ایاز احمد مصباحی
استاذ دار العلوم قادریہ، لونہ

طریقت کے چاروں سلسلوں کے اکابر اولیائے کرام اور صوفیائے عظام مسلک وحدۃ الوجود کے قائل تھے، جیسا کہ ان کی تصنیفات و تالیفات، مکاتیب و رسائل اور ملفوظات واشعار سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ متوفی: ۶۳۸ھ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، جنھوں نے اس مسلک کو کتابی شکل وصورت عطا کی اور فن تصوف کی معرکۃ الآرا کتاب ''فصوص الحکم'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھی۔ (اردو ترجمہ اخبار الاخیار، بیان میر سید اشرف سمنانی، مطبوعہ لاہور)

وہ اپنے کشف ویقین کی روشنی میں دلائل و براہین سے بے نیاز سے ہو گئے تھے، اسی لیے ادھر توجہ کم دی، جس سے تصوف اسلامی کے مخالفین نے سمجھا کہ نظریۂ وحدۃ الوجود کوئی غیر اسلامی عقیدہ ہے۔ ابن تیمیہ متوفی: ۷۲۸ھ اور ابراہیم بقاعی: ۸۵۸ھ اس سلسلے میں سرفہرست ہیں۔

مگر عارف باللہ، مقبول النبی حضرت سید شاہ عبد الرحمٰن لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''وحدۃ الوجود'' کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا اور اپنی کتاب ''کلمۃ الحق'' میں اس مسلک کے ثبوت میں بے شمار قوی دلائل دیے، جنھیں دیکھ کر قاری کی عقل دنگ و حیران ہوتی ہے اور اس مسلک کو وصول الی اللہ کے لیے راہ دوگام ٹھہراتی ہے۔ صوفی عبد الرحمٰن لکھنوی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے درس نظامی کے مسلمات کو ترتیب دے کر صرف نتائج اخذ کیے ہیں، میری نظر میں یہ کتاب ولی کی کرامت سے کم نہیں۔

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی: ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء کا مسلک خدارسی اور صوفیانہ حیثیت کا تعین ہم یقین کے ساتھ نہیں کر سکتے، کیوں کہ اب تک ان کی شخصیت سے متعلق کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، جو ان کی صوفیانہ حیات اور قلبی دنیا کی عکاسی کرتی ہو۔ مگر یہ ثابت کرنا بہت آسان ہے کہ وہ اسلاف کرام کی طرح وجودی مسلک کے پابند تھے، کیوں کہ ان کے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ متوفی: ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء ''وحدۃ الوجود'' کے ہی قائل تھے۔

وحدۃ الوجود کے انتھک مفسر حضرت ابن عربی کو امام احمد رضا ''سید المکاشفین، حضرت شیخ اکبر'' محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معزز و مودب لقب سے یاد کرتے ہیں۔
(ملفوظ حصہ اول، مطبوعہ کانپور)

اب امام احمد رضا کا روحانی مسلک پیش کر دیا جائے تا کہ ان کے محبوب تلمیذ اور نامی گرامی خلیفہ کا عارفانہ مسلک

معلوم ہو جائے۔

اعلیٰ حضرت فلاحِ باطنی کے بارے میں فرماتے ہیں:

(۱) شرک خفی دل سے دور کیے جائیں، یہاں تک کہ لامقصود الا اللہ، پھر لامشہود الا اللہ، پھر لا موجود الا اللہ متجلی ہو۔ یعنی اولاً ارادۂ غیر سے خالی ہو، پھر غیر نظر سے معدوم ہو، پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اسی کے لیے ہے، باقی سب ظلال و پرتو۔

(فتاویٰ افریقہ، مطبوعہ کانپور)

(۲) وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لیے ہے، اس کے سوا جتنی موجودات ہیں، سب اس کی ظل و پرتو ہیں تو حقیقۃً وجود ایک ہی ٹھہرا۔

(ملفوظ حصہ اول وحیات اعلیٰ حضرت)

(۳) مرتبہ وجود میں صرف اللہ عزوجل ہے، باقی سب ظلال۔ (ملفوظ حصہ دوم)

(۴) اسما مظہر صفات ہیں اور صفات مظہر ذات اور مظہر کا مظہر، مظہر ہے۔ تو سب خلق مظہر ذات ہے، اگر چہ بواسطہ یا بوسائط۔ (ملفوظ حصہ اول)

ان چاروں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت وجودی تھے، جب وہ مشرباً قادری اور غوثِ اعظم کے عاشق زار ہیں اور غوثِ اعظم بھی وجودی تھے تو کیا وجہ ہے وہ وجودی نہ ہوں گے۔ وحدۃ الوجود کے قائلین میں بڑے بڑے صلحا، عرفا اور اکابر صوفیہ شامل ہیں، فرق یہ ہے کہ کسی نے اس کی طرف اشارات کیے ہیں اور کسی نے کھلم کھلا بیان کیا ہے۔

شیخ طریقت سے وابستہ ہونے کا مطلب عموماً راہِ عشق میں قدم رکھنا اور قربِ حق حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے دنیائے معرفت وطریقت میں مرید کو مرشد کے مسلک ومشرب سے اختلاف کرنا روا نہیں ہوتا اور خلافت تو ملتی ہی نہیں، جب تک کہ مرشد کی نیابت کی اہلیت نہ پیدا ہو جائے۔ صدر الشریعہ فانی فی الرضا اور خلیفۂ رضا تھے، ان سے اپنے مرشد کے خلاف جانا متصور نہیں۔

رسالہ انوار البشارہ بہارِ شریعت میں شامل کرتے وقت اپنے شیخ کی عبارت بدلنا گوارہ نہیں فرماتے، بلکہ شیخ کی عبارت من وعن نقل کرنا باعث برکت ورحمت خیال فرماتے ہیں۔ مسائل طریقت وحقیقت سے کب اختلاف ہوگا۔

صدر الشریعہ اعلیٰ حضرت کے شیدائی تھے، ان سے اپنی سچی عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

”سیدی وسندی وکنزی وذخری لیوی وغدی“. (بہارِ شریعت حصہ دوم)

بہارِ شریعت کی تصنیف میں کامیاب ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں:

”بزرگانِ کرام ومشائخ عظام واساتذۂ اعلام کی دعاؤں کی برکت سے ایک حد تک اس میں کامیابی حاصل ہوئی“۔ (بہارِ شریعت، ہفتدہم)

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ صرف صوفیائے اسلام کے عقیدت کیش ہی نہیں تھے، بلکہ اپنے شیخ کامل کی طرح ”وحدت الوجود“ کے قائل تھے۔ حقائق ومعارف سے آگاہ تھے۔ اگر انھیں موقع ملا ہوتا تو بہارِ شریعت کے طرز پر فن تصوف میں کوئی گراں قدر کتاب تصنیف فرماتے۔

جیسا کہ لکھتے ہیں:

"اپنا ارادہ تو یہ تھا کہ اس کتاب کی تکمیل کے بعد اسی نہج پر ایک دوسری اور کتاب لکھی جائے گی جو تصوف اور سلوک کے مسائل پر مشتمل ہوگی"۔

(عرض حال بہار شریعت، ہفتدہم)

مگر افسوس کہ وہ معرفت وطریقت کے انمول موتی اپنے ہمراہ لے کر عالم برزخ میں روپوش ہوگئے۔ "وحدت الوجود یا ہمہ اوست" شریعت کا باطنی پہلو اور مسلک روحانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ظاہری و باطنی ہر دونعمتوں سے نوازا ہے۔ "وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً"۔ (سورۂ لقمان)

اسی لیے فقیہ کامل، حضرت صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

"طریقت منافی شریعت نہیں، وہ شریعت ہی کا باطنی حصہ ہے"۔ (بہار شریعت حصہ اول)

ہمارے تمام متقدمین ومتاخرین، بزرگانِ دین ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالا مال تھے۔ اسی لیے وہ لوگ وجد بہار شریعت، باعث رونق طریقت اور امیر قوم وملت تھے۔

حضرت صدرالشریعہ کی ذات بلاشبہ دینی، علمی اور عملی اوصاف کے ساتھ، باطنی وروحانی خوبیوں سے بھی مزین تھی۔ وہ ایک طرف متبحر عالم، بے مثال فقیہ، عظیم مدرس، نکتہ رس مفتی اور فضائل وکمالات کے جامع تھے تو دوسری طرف عارف حق، پُر خلوص صوفی اور مست مے توحید تھے۔ اعلیٰ حضرت بقول علامہ اقبال اپنے وقت کے امام ابوحنیفہ تھے تو بلاشبہ مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے قابل قدر مصاحب تھے۔ امام احمد رضا علوم وفنون کے بحر ناپیدا کنار اور حقائق ودقائق اور معارف ومدارج کے قلزم زخار تھے تو صدرالشریعہ ایک ایسے نہر فرات تھے، جس نے مدت العمر دینی وعلمی جواہر اور فقہ اسلامی کے بیش بہا سونے اچھالا کیے۔

چلتے چلتے یہ بات عرض کردینی مناسب ہے کہ اب ہم لوگ صرف ظاہری علوم وفنون میں ہی گھر کر رہ گئے ہیں اور باطنی وروحانی علوم ونعم کی طرف توجہ کم دیتے ہیں۔ بیشک ظاہری علوم بے حد ضروری ہے، مگر:

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

ہمارے اسلافِ کرام "درکف جام شریعت درکف سندان عشق" کے مصداق تھے۔ اس لیے ان کی روحانی حیثیتوں کو اجاگر کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر بالفرض صوفیائے اسلام کو (جن میں اکثر نظریۂ ہمہ اوست کے قائل ہیں) الگ کر کے کہا جائے کہ اسلام کی اخلاقی روحانی، مجاہدۂ نفس، جذبۂ خدا طلبی اور تبلیغی جدوجہد کی تاریخ مرتب کرو تو نہ صرف مشکل بلکہ محال ہوجائے گا۔ اور ہمارے ہر مؤرخ کا ناطقہ تنگ ہوجائے گا۔ کیوں کہ یہ تاریخ مسلم بادشاہوں کی خانہ جنگیوں اور سیاسی لڑائیوں سے مرتب ہو ہی نہیں سکتی۔

امام احمد رضا ظاہری وباطنی علوم کے مجمع اور دریائے شریعت وطریقت کے سنگم تھے۔ ان سے ان کے تلامذہ اور خلفا نے اپنا اپنا حصہ لیا اور فضل وکمال کے آسمان پر شمس وقمر بن کے چمکے۔ صدرالشریعہ نگاہِ اعلیٰ حضرت میں صاحب طبع سلیم، پیکر فکر قویم، مجسمۂ فضل وعلی اور اخاذ تھے۔ اندازہ لگائیے کہ مجددِ اعظم کا چنا ہوا طالب حق کیسا ہوگا۔

☆☆☆

صدر الشریعہ کا باطنی سفر
تصوف واحسان کا اجمالی جائزہ

علامہ محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

عشق وعرفان اور تصوف واحسان انسانیت کی ایسی منزل ہے، جسے اس کی عظمتوں کا اعلامیہ اور رفعتوں کی اساس کہیے۔ صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ کی ذاتِ گرامی ان سرمدی اعزازات سے پوری طرح بہرہ ور تھی، جس کے آثار آپ کی پوری زندگی پر چھائے ہوئے تھے۔ آپ کے باطنی حسن اور قلبی لطافت ہی کے مبارک اثرات تھے کہ آپ کے چند اصلاحی جملے سے وہ اثر ہوتا جو ضخیم کتابوں اور طویل تقریروں میں بھی نہیں ملتا۔ آپ کی پاکیزہ محفل کے چند لمحے حاضر باشوں کو وہ کچھ دے جاتے، جو مدتوں میں بھی حاصل نہیں ہوتے۔ اس کی تائید آپ کی بلند پایہ اور بابرکت تصنیف بہار شریعت اور آپ کے تلامذۂ کرام کے سوانحی خاکوں میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔

صدر الشریعہ قدس سرہ نے ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء کی کسی سعادت مند صبح کو طیبۃ العلما (گھوسی) کی پاکیزہ فضاؤں میں آنکھ کھولی۔ عقل وشعور کی منزل تک پہنچتے پہنچتے ہی خداداد لیاقتوں کے سہارے اطراف واکناف میں آپ کے چرچے پھیل چکے تھے اور پھر تو دیکھتے ہی دیکھتے پورا متحدہ ہند وپاک آپ کے علمی اور روحانی فیضان کے حصار میں آچکا تھا۔ جد امجد اور برادرِ گرامی کی آغوشِ تربیت سے نکلنے کے بعد نجومِ سعادت نے آبروئے علم وفن استاذ الاساتذہ علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری کی دہلیز تک پہنچا دیا، جہاں پہنچنے کے بعد عروسِ فن کو کسی اور کی مشاطگی کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ خیرآبادی سلسلۂ تلمذ کے مایۂ افتخار یہ بزرگ، علمیت کے ساتھ ساتھ روحانیت کی بلند قدروں سے بھی سرفراز تھے۔ اس لیے آپ کی تربیت نے صدر الشریعہ کو علمی مہارت کے ساتھ ساتھ قلبی طہارت بھی بخش دی۔ اس چمنستانِ علم سے خوشہ چینی کے بعد دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے حجۃ العصر حافظ الحدیث حضرت علامہ محدث سورتی کے دربار میں پہنچے، پھر انھوں نے آپ کو امام عشق ومحبت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی بارگاہ قدس میں پہنچا دیا، جہاں کی فضائیں بھی عشق ومحبت کی خمار میں ڈوبی رہتی تھیں۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی عشق رسالت سے سرشار اور زہد واتقا سے شاداب پاکیزہ زندگی نے اتنا اثر ڈالا کہ آپ انھیں کے ہو کر رہ گئے اور پھر تو مرشد گرامی نے آپ کو وہاں پہنچا دیا، جس کا تصور بھی ایک عامی کے بس کی بات نہیں۔ یہ آپ کی روحانی سعادتوں کا نقطۂ عروج تھا۔

اٹھارہ سالہ مرشد عالی کی بابرکت صحبت وہ رنگ لائی کہ پوری زندگی عشق ومعرفت اور تصوف واحسان کی جلوہ

گاہ نظر آنے لگی۔ یہ جلوے اس قدر عام اور بسیط تھے کہ ہر نگاہِ بلند اس کا ادراک کر لیتی تھی۔ آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والی ایک نگاہ کی مشاہداتی کیفیات انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔

شیخ العلما مولانا غلام جیلانی گھوسوی علیہ الرحمہ آپ کا ایک جامع روحانی تعارف پیش کرتے ہیں:

''آپ شریعت وطریقت دونوں علموں کے جید عالم اور عامل تھے، اتباعِ سنت میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، معاملات کی صفائی، لوگوں کے خطا وقصور کو معاف کر دینا آپ کا طریقۂ کار تھا۔ ظاہر و باطن، قول وفعل، خلوت وجلوت میں آپ یکساں تھے۔ آپ کے مواعظ ونصائح حکیمانہ ہوتے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر موثر طور پر فرماتے۔ اکل حلال وصدقِ مقال آپ کا شیوہ تھا۔ سادگی و تواضع کے ساتھ صاحب رعب وجلال بھی تھے، کسی جری و بے باکی کو بھی آپ کے روبرو بے باکی کے ساتھ کلام کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ حسن اخلاق، صبر وشکر، توکل و قناعت، خود داری و استغنا، آپ کے امتیازات وخصوصیات میں سے تھے۔ آپ زہد واتقا کے بلند مدارج پر فائز تھے۔ بلاشبہ آپ ولی کامل تھے''۔

(اسلامی اخلاق وآداب، ص:۳۲۳)

تصوف واحسان شاہراہِ عشق ہے، یہاں ہر چیز کو عشق ووفا کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے۔ عشق الٰہی اور محبت رسالت جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ اور ہی تقاضے ہوتے ہیں۔ ایک مرد عارف سے ان تقاضوں کی داستان سنیے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے محبت الٰہی کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا:

''محبت یہ ہے کہ تو اس چیز کو دوست رکھے، جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور اس چیز کو ناپسند کرے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور تو ہر نیک کام کرے اور ہر اس چیز کو دور پھینک دے جو تجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کا تجھے خوف نہ ہو، مومنوں کے ساتھ تو نرم خو ہو اور کافروں کے ساتھ سخت ہو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دین میں پیروی کرے''۔

(دلائل الخیرات شریف، ص:۲۰۸)

عشق ومحبت کی کیسی اچھوتی تعبیر ہے۔ صدر الشریعہ قدس سرہ کی ذاتِ گرامی میں یہ سارا جہان رنگ ومعنی پوری طرح جھلکتا نظر آتا ہے۔ آپ کے تصورات پر عظمت الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ زبان وقلم سب اس کی گہرائی میں ڈوب چکے تھے۔

آپ دوسروں کو بھی اسی پاس ادب کا درس دیا کرتے تھے، جس سے خود سرشار رہا کرتے۔ وقوفِ عرفہ کے آداب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب ہمہ تن صدق دل سے اپنے کریم مہربان رب کی طرف متوجہ ہو جائیں اور میدانِ

قیامت میں حساب اعمال کے لیے اس کے حضور حاضری کا تصور کریں، نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ لرزتے، کانپتے، ڈرتے، امید کرتے، آنکھیں بند کیے، گردن جھکائے، دست دعا آسمان کی طرف سر سے اونچا پھیلائے، تکبیر وتہلیل وتسبیح ولبیک وحمد وذکر ودعا وتوبہ واستغفار میں ڈوب جائے۔ کوشش کرے کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیل اجابت و سعادت ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن پکڑو، غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کرو، اپنے گناہ اور اس کی قہاری یاد کرکے بید کی طرح لرزو اور اس کے عذاب سے اور اس کی پناہ مانگو اور اسی حالت میں رہو کہ کبھی اس کے غضب کی یاد سے جی کانپا جاتا ہے اور کبھی اس کی رحمت عام کی امید سے مرجھایا دل نہال جل ہو جاتا ہے''۔ (بہار شریعت:۶/۸۹)

یہ پُر سوز کیفیات اور عظمت وجلال میں ڈوبے ہوئے آداب وہی بتا سکتا ہے، جس کا دل پُر ہیبت تصورات جلالت سے گداز ہو چکا ہو۔ حلقینی پہلو سے ہٹ کر جملوں کے در وبست میں صوتی رنگ وآہنگ تو ملاحظہ کریں، انشائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے، لفظ لفظ جذبِ دروں کا عکاس ہے، اسے بہتر سے بہتر نثری شہ پاروں کے صف میں رکھا جاسکتا ہے۔

یہ تو الٰہی عظمت کی تصویر کشی تھی۔ اب تعظیم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باادب منظر کشی دیکھئے۔ اس باعظمت آستانۂ قدس کی حاضری کے آداب کی تلقین کس قدر جاں نواز انداز میں کرتے ہیں:

''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم یعنی اعتقادِ عظمت جزوِ ایمان ورکن ایمان ہے۔ اور فعل تعظیم ہر فرض سے مقدم ہے''۔ (بہار شریعت:۱/۲۰)

''کمالِ ادب میں ڈوبے ہوئے، گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کیے، لرزتے، کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے، حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عفو وکرم کی امید رکھتے، حضور والا کی پائیں یعنی مشرق کی طرف سے مواجہۂ عالیہ میں حاضر ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار انور میں روبقبلہ جلوہ فرما ہیں، اس سمت سے حاضر ہوگے تو حضور کی نگاہ بے کس پناہ تمہاری طرف ہوگی اور یہ بات تمہارے لیے دونوں جہان میں کافی ہے۔ اب کہ دل کی طرح تمہارا منہ بھی اس پاک جالی کی طرف ہو گیا جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے۔ نہایت ادب و وقار کے ساتھ باآوازِ حزیں وصوتِ درد آگیں ودل شرم ناک وجگر چاک چاک معتدل آواز سے نہ بلند وسخت نہ نہایت نرم وپست مجرا وتسلیم بجالاؤ''۔

(بہار شریعت:۶/۷۵۔۷۶)

اسی عشق ومحبت وسوز دروں کی برکتیں تھیں کہ آپ کی پوری زندگی اطاعت خدا و رسول، اخلاصِ عمل، تواضع ومحاسبۂ نفس، حسن نیت اور اصلاح وتذکیر کے بے کراں جذبات سے معمور تھی۔ آپ کی عادات ہی نہیں بلکہ جذبات بھی عشق مصطفیٰ علیہ الاتحیۃ والثنا کی ترنگ میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ لحہ لحہ اطاعت الٰہی سے عبارت

تھا۔ درسِ قرآن، تدریس حدیث وفقہ دین کی تبلیغ و اشاعت، دعوت وارشاد اور صلاح وتذکیر بجائے خود سب سے بڑا وظیفہ اور ذکر الٰہی اور رضائے مولیٰ کے حصول کے سب سے اہم ذرائع ہیں، مگر ان سب کے ساتھ ساتھ آپ سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی تمام معمولات کی پابندی فرماتے۔ حالت قیام ہو یا مسافرت کے سیمابی لمحات، نماز فجر کے بعد ایک پارہ قرآن عظیم کی تلاوت کرنا آپ کا معمول تھا، جس میں کبھی ناغہ نہ ہوتا، نماز باجماعت کا حد درجہ اہتمام فرماتے۔ (روایت شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی مدظلہ)

محدث کبیر ممتاز الفقہا سیدی واستاذی الکریم شہزادۂ صدرالشریعہ دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنے والدگرامی قدس سرہ کے معمولات کی اجمالی کیفیات کا تذکرہ کرتے ہوئے خادم سے فرمایا:

''صبح بہت جلد بے دار ہوجاتے، مسجد تشریف لے جاتے، اگر مؤذن نہ ہوتا تو وضو کرکے اذان دیتے، سنتوں سے فارغ ہوکر معمولاتِ مشائخ میں مصروف ہوجاتے۔ وقت پر فجر کی نماز باجماعت پڑھاتے، پھر اس کے بعد مصلے ہی پر ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، اسی درمیان گھر سے حریرہ بنا کر لے جایا جاتا آپ نوش فرما کر احزاب وغیرہ تلاوت کرتے رہتے، جب سورج طلوع ہوکر بلند ہوجاتا تو گھر تشریف لاتے اور تلاوت قرآن پاک فرماتے اور پھر ناشتہ کرکے مدرسہ درسِ حدیث وقرآن کے لیے تشریف لے جاتے۔ یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا''۔ (یہ روایت حضرت نے مبارک پور کی عارضی قیام گاہ پر مغرب بعد بیان فرمائی۔ رضوی)

رمضان مقدس کا مہینہ روحانی بہاروں کا موسم ہے، آپ اس کی جاں نواز بہاروں سے خوب خوب لطف اندوز ہوتے، شریعت کی پابندی قدم قدم پر ملحوظ ہوتی۔ حفاظ کی غلط خوانی کی آفت کی وجہ سے کئی سال تک تراویح میں ختم قرآن سننے کا موقع نہ مل سکا، جس کی وجہ سے آپ ملول رہا کرتے۔

آپ خود فرماتے ہیں:

''افسوس صد افسوس! کہ اس زمانے میں حفاظ کی حالت ناگفتہ بہ ہے، اکثر تو ایسا پڑھتے ہیں کہ یعلمون تعلمون کے سوا کچھ پتہ نہیں چلتا، الفاظ کھا جایا کرتے ہیں۔ جو اچھا پڑھنے والے کہے جاتے ہیں، انھیں دیکھئے تو حروف صحیح نہیں ادا کرتے، ہمزہ الف، عین اور ذ، ز، ظ اور ث، س، ص، ت، ط وغیرہا حروف میں تفرقہ نہیں کرتے، جس سے قطعاً نماز ہی نہیں ہوتی۔ فقیر کو انھیں مصیبتوں کی وجہ سے تین سال ختم قرآن مجید سننا نہ ملا، مولیٰ عزوجل مسلمان بھائیوں کو توفیق دے کہ "ما انزل الله" پڑھنے کی کوشش کریں''۔ (بہار شریعت: ۴/۳۵)

حضرت بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ مدظلہ نے ایک مرتبہ عرس امجدی کے موقع پر بزبانِ خود مندرجہ ذیل واقعہ بیان فرمایا، جسے پڑھ کر روحانیت میں آپ کی بلند قدروں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ محض ایک فقیہ اور عالم دین ہی نہیں، بلکہ شریعت وطریقت دونوں کے جامع، بلند پایہ صوفی، تقویٰ شعار بزرگ، پاک باطن عارف اور بلاشبہ ولی کامل بھی

تھے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں:

''رمضان مقدس کے مہینے میں اکثر و بیشتر مجھے ہی خدمت اقدس کی حاضری کا شرف حاصل رہا کرتا تھا، عام لوگوں کی طرح میرا معمول یہ تھا کہ سحری کھانے کے بعد عموماً سوجاتے، پھر نماز فجر کے لیے بے دار ہوتے۔ اس بابرکت مہینہ کی ایک شب تھی، میں معمول کے مطابق سحری کھا کر سوگیا کہ اچانک فجر سے پہلے میری آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سیدی صدر الشریعہ قدس سرہ یوں ہی مصلیٰ بیٹھے مراقبہ کی حالت میں ذکر الٰہی میں مصروف ہیں اور اسم جلالت کی ضرب سے پورا کمرہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سے گونج رہا ہے، در و دیوار انوار و تجلیات میں ڈوبے ہوئے تھے اور حضرت پر بے خودی کی سی کیفیت طاری تھی۔ یہ آپ کے ذکر سرِی کی محسوس تجلیات تھیں، مجھ پر ایک سکتہ کی کیفیت طاری تھی۔ اللہ اکبر! جسے ہم اس دور کا فقیہ اعظم سمجھتے ہیں، وہ اپنے وقت کا بے مثال عارف کامل مردحق آگاہ، ذکر الٰہی سے سرشار قلب لطیف کا حامل اللہ کا مقرب بندہ بھی ہے۔ اس وقت مجھے آپ کے قربِ الٰہی اور روحانیت کے بلند مراتب کا اندازہ ہوا''۔ (راقم نے خود ۱۱ر محرم ۱۴۱۶ھ اتوار ساڑھے سات بجے بلا واسطہ)

یہ اسلاف کے طرزِ عمل کی سچی تصویر تھی، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں منقول ہے کہ ذکر الٰہی کی کثرت کی وجہ سے شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح ان کی آوازیں محسوس ہوتی تھیں ''لھم دوی کدوی النحل'' اس مقدس گروہ کے طرزِ عمل کی کیسی پاکیزہ تقلید ہے۔

فرائض و واجبات کے ساتھ ساتھ سنن و مستحبات اور اسلامی آداب کا خیال بھی حد درجہ ملحوظِ خاطر رہا کرتا، نشست و برخاست، معاشرت و معاملات سبھی محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کی روشنی سے مستنیر تھے۔ حتی کہ ناخن کی تراش میں بھی وہی پہلو اختیار فرماتے جو سنت کریمہ کے مطابق انداز فطرت سے ہم آہنگ ہو۔ خود فرماتے ہیں:

''ناخن تراشنے کی یہ ترتیب جو مذکور ہوئی، اس میں کچھ پیچیدگی ہے، خصوصاً عوام کی اس کی نگہداشت دشوار ہے، لہٰذا ایک دوسرا طریقہ ہے، جو آسان ہے اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے، وہ یہ کہ دہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے شروع کرے اور چھنگلیاں پر ختم رکے، پھر بائیں کی چھنگلیاں سے شروع کرکے انگوٹھے پر ختم کرے، اس کے بعد دہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن ترشوائے، اس صورت میں دہنے ہاتھ سے شروع ہوا اور دہنے ہی پر ختم ہوا۔ (درمختار) اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کا بھی یہی معمول تھا اور یہ فقیر بھی اسی پر عمل کرتا ہے''۔

(اسلامی اخلاق و آداب، ص: ۲۳۵)

عام طور سے مشاہدہ ہے کہ لوگ بیماریوں یا سفر میں شرعی آداب کا اس قدر اہتمام نہیں کر پاتے، مگر یہاں ایسا نہیں کہ شریعت کے آداب کی یہ پابندی صحت و قیام کے ساتھ متعلق ہو، بلکہ سفر و حضر، تندرستی اور بیماری سبھی حالات میں ایک قدم بھی شریعت کے خلاف نہ اٹھتا۔ یہ اندازِ عمل اور اس قدر اہتمام

شدید اسی کا حصہ ہوتا ہے، جس کا پورا وجود عبودیت کے سانچے میں ڈھل چکا ہو اور خود اپنے اوپر اس کا کچھ اختیار باقی نہ ہو، بلکہ اس نے سارے اختیارات و عادات اپنے مالک و مولیٰ جل وعلا اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کے حوالے کر دیے ہوں۔

علامہ مفتی مجیب الاسلام صاحب قبلہ مدظلہ العالی، جنھیں صدرالشریعہ قدس سرہ کے اخیر دورِ حیات میں تلمذ کا شرف حاصل رہا ہے۔ دورانِ سفر کا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں:

''میں ایک سفر میں آپ کے ساتھ تھا، اس وقت آپ بہت سخت بیمار تھے، بخار کی شدت سے پورا وجود لرز رہا تھا، ایسی حالت میں آپ کو استنجا کی ضرورت درپیش ہوئی، آپ کے قریب اس وقت کوئی نہیں تھا، آپ خود ہی بمشکل کسی طرح اٹھ کر تشریف لے گئے، مگر جب بیت الخلا کے قریب پہنچے تو خیال آیا کہ سر پر ٹوپی نہیں ہے، بخاری کی شدت کی وجہ سے لوٹنا دشوار تھا، وہیں سے مجھے آواز دی: مجیب! مجیب! میں نے کہا: جی حضور! میں دوڑتا ہوا آیا، آپ نے فرمایا: ذرا ٹوپی لانا، میں نے جلدی سے ٹوپی لا کر دی، تب آپ استنجا خانہ تشریف لے گئے۔

میں دم بخود تھا کہ یا اللہ! بخار کی شدت سے اٹھا نہیں جا رہا ہے، دماغ جل رہا ہے، مگر اس کے باوجود انھیں ٹوپی کا خیال آیا تو کیسے؟ ہمیں تو فرائض و واجبات تک کا مستحب وقت میں ہوش نہیں رہتا، تاخیر سے ادا کرتے ہیں، مگر آپ نے شرعی ادب کو بھی اس ناگفتہ بہ حالت میں ملحوظ رکھا۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ یہی وہ اللہ کے نیک بندے ہیں، جن کے دم قدم سے امت کا بھرم قائم ہے، انھیں اوروں پر قیاس کرنا درست نہیں''۔ (اس روایت کو حضرت نے گزشتہ عرس امجدی ۱۴۱۵ھ ۲؍ ذیقعدہ کو بر سر اسٹیج بیان فرمایا، جس میں راقم خود حاضر تھا)

آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیا یہ کسی عام انسان کا عمل ہے؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ فرائض و واجبات بھی ایسی حالت میں ادا ہو جائیں تو غنیمت ہے، آداب و مستحبات کا خیال کون رکھے۔ مگر صدرالشریعہ کا وجود فنائیت کے مرتبہ پر فائز تھا، اس لیے ان سے کسی ایسے عمل کا تصور کیوں کر ہو سکتا ہے، جو مزاجِ شرع کے خلاف ہو، گو وہ آداب ہی سہی۔ اس واقعہ کا یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ آپ نے فوراً کسی کو آواز نہ دی، بلکہ جب تک جسمانی توانائیوں نے ساتھ دیا کسی کا سہارا لینا گوارہ نہ فرمایا، مگر جب سکت جاتی رہی تو مجبوری تھی۔ یہ پہلو ہمارے لیے درسِ عبرت ہے، جو قدم قدم پہ خود کو دوسروں کا محتاج بنا کر پیش کرتے ہیں۔

یہ تو عمل کے وادیوں کی سیر ظاہر تھی۔ اب آیئے صدرالشریعہ کے باطنی گلستاں کی سیر کرتے ہیں۔ یوں ظاہری محاسن سے آراستہ اور کرداری خوبیوں سے مزین بہت ساری ہستیاں مل جائیں گی، مگر ان کے باطن کا زنگار بہت کچھ کہہ دے گا، مگر اس تک رسائی کے لیے نگاہِ بلند چاہیے۔ صدرالشریعہ کا باطن بھی آئینہ تھا، یہ میرا مشاہدہ تو نہیں مگر مشاہدے والی نگاہوں کے سہارے یہ فیصلہ آسان ہو جاتا ہے۔

باطن کے ارتقائی سفر کے لیے سب سے پہلا قدم نفس پر رکھنا ہوتا ہے، جس کی فطرت کا خمیر ہی عجب وریا اور کبر سے تیار ہوا ہے۔ اسی لیے ریاضت ومجاہدہ میں تحقیر نفس بلندیٔ درجات کی علامت ہوتی ہے۔ اس سے نفس کی سرکشی کے مغلوب ہو جانے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کثرتِ عبادات اور علمی بلندی کے پندار میں خود کو سب سے بڑا تصور کرنے لگے، بلکہ اس راہ کے آداب تو یہ ہے کہ:

"بہتر تو یہ ہے کہ اپنے کو ساری مخلوقات سے کم تر جانے، یہاں تک کہ کتے اور سور سے بھی ذلیل و خوار سمجھے اور یہ کمالِ انسانی کا وہ مرتبہ ہے جو امدادِ الٰہی کے بغیر حاصل ہو سکتا ہے"۔

(سراج العوارف شریف، از نوری میاں، ص:۱۵۴)

اب آپ صدر الشریعہ قدس سرہ کے کردار میں اس عظیم ملکوتی صفت کی جھلک ملاحظہ کیجیے۔ بارگاہِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہونے والے سے عرض پرواز ہیں:

"اور یہ فقیر ذلیل ان مسلمانوں کو جو اس رسالہ کو دیکھیں، وصیت کرتا ہے کہ جب انھیں حاضری بارگاہ نصیب ہو، فقیر کی زندگی میں یا بعد کم از کم تین بار مواجہہ اقدس میں ضرور یہ الفاظ عرض کر کے اس نالائق ننگ خلائق پر احسان فرمائیں، اللہ ان کو دونوں جہاں میں جزائے خیر بخشے۔ آمین"۔ (بہار شریعت:۶/۱۷۷)

کیا عشق رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحقیر نفس، تواضع وتذلل کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی اور انداز ہو سکتا ہے؟ آپ بایں ہمہ علم وفضل، زہد وپارسائی خود کو دوسروں کی دعاؤں کا محتاج خیال کرتے ہیں۔ جب کہ آج کے متصوفہ جنھیں اس راہ کی ہوا بھی نہیں لگی ہوتی اور علمائے اسلام کی تحقیر کرتے ان کی زبانیں نہیں تھکتیں، متوسلین کے ہجوم میں گھر کر عجب وتکبر کا اس قدر زبردست شکار ہوتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ خود کو کائنات کا سب سے عظیم فرد اور دوسروں کو فروتر اور اپنی دعاؤں کا محتاج سمجھنے لگتے ہیں۔

سیدنا امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مرض کی محاکات بڑے عمدہ پیرایہ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"تکبر نفس کے سات اسباب ہیں: (۱) علم (۲) عمل (۳) نسب (۴) جمال (۵) قوت (۶) مال (۷) حامیوں کی کثرت"۔

عبادت کے سبب پیدا ہونے والے کبر کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ سمجھتے ہیں کہ میں عظیم ہوں، اس لیے دوسروں کو میری ملاقات کے لیے آنا چاہیے، میں کیوں جاؤں؟ ان کے دل میں یہ تصور بھی ہوتا ہے کہ لوگ ان کی ضرورتیں پوری کریں، ان کے ساتھ عزت وتوقیر کے ساتھ پیش آئیں، مجلس میں جب میں پہنچوں تو میرے لیے جگہ خالی کر دی جائے، تمام معاملات میں مجھے مقدم کیا جائے، لوگ مجھے زہد وپارسائی کے ساتھ یاد کریں، میری عبادت تو لوگوں پر احسان ہے کہ اس کی برکت سے انھیں خدا کی نعمتیں ملتی ہیں اور ایک میں ہی تو ہوں جو اپنے عمل کی وجہ سے نجات پا جاؤں گا، ورنہ سب لوگ تو گناہوں کی ہلاکت میں ڈوبے

ہوئے ہیں، وغیر ذالک"۔

(احیاء العلوم، ج:۳ رص:۲۵۰)

مگر صدر الشریعہ ان مدارجِ عالیہ کے نصیب ہوتے ہوئے خود کو ہمیشہ فروتر ہی خیال کرتے رہے اور کبھی نفس کے دامِ تزویر کا شکار نہ ہوئے۔ بہار شریعت ششم کے اختتامیہ میں لکھتے ہیں:

"مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نفع پہنچائے اور ان صاحبوں سے نہایت عجز کے ساتھ التجا ہے کہ اس فقیر کے لیے ایمان پر ثبات اور حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں"۔ (بہار شریعت:۶/۱۸۴)

ایک مقام پر مسلمانوں کو ہدایت دینے کے بعد ان کی دعاؤں میں خود کو بھی شریک رکھتے ہیں:

"اسلام خدا کی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرو اور جس بات میں ایمان کا نقصان ہے اس سے دور بھاگو، ورنہ شیطان گمراہ کردے گا اور یہ دولت تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے گی، پھر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اے اللہ! تو ہمیں صراطِ مستقیم پر قائم رکھ اور اپنی ناراضی کے کاموں سے بچا اور جس بات میں تو راضی ہے اس کی توفیق دے تو ہر دشواری کو دور کرنے والا ہے اور ہر سختی کو آسان کرنے والا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین"۔

(بہار شریعت:۹/۱۷۳)

آپ کی تواضع اور تذلل کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جب بھی دستخط کرتے تو اپنے آپ کو "فقیر" اور "عفی عنہ" کے ساتھ ذکر کرتے۔ بارگاہِ رضا کا یہ وہ اندازِ فقر ہے کہ شاہانہ طمطراق کے باوجود تواضع کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ محاسبۂ نفس کا یہ نرالا انداز کسی لمحہ بھی نفس کو کبر و عجب کا جال پھیلانے نہیں دیتا۔

اور خود آپ کی دعوتی سرگرمیاں اور افکارِ باطلہ کی تردید سب سے بڑا نفسانی مجاہدہ ہے کہ اس سے تعریف پر عجب اور مذمت پر غضب و نخوت کے آزار کا بخوبی علاج ہوتا رہتا ہے۔ اس بارے میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

"امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی، ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب، جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے، مانیں یا نہ مانیں یہ ان کا کام۔ فرمایا: بھونکے جاؤ بس اس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان، جس کو یہ نسبت حاصل ہے، اس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں اور اسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عزلت نشین ہوگیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو۔ اس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے اور چاروں طرف سے موسل

کی مار پڑ رہی ہے"۔ (الملفوظ:۳/۳۸)

اب آپ صدر الشریعہ کو دیکھیں! پوری زندگی ہی باطل کوشوں کی تردید اور تعاقب میں گزری ہے، متعدد مناظروں کی صدارت فرمائی، اعلیٰ حضرت جہاں کہیں صدر الافاضل کو مناظرے کے لیے بھیجتے تو صدر الشریعہ کو ضرور ساتھ کر دیتے، کیوں کہ ان کی معلوماتی قوت زبردست تھی تو صدر الافاضل کی بیانی قوت۔ (بروایت بحر العلوم مدظلہ)

رنگون سے مناظرہ کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پاس تار آیا تو آپ نے صدر الشریعہ کو اشرف علی کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ (تذکرہ محدث اعظم پاکستان:۲/۳۴۴)

صاحب تذکرہ محدثِ اعظم پاکستان لکھتے ہیں:

قیامِ بریلی کے عرصہ میں پالی راجستھان میں آپ (سردار احمد قدس سرہ) اپنے استاذِ مکرم حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ بغرضِ مناظرہ تشریف لے گئے۔

(بروایت شارحِ بخاری مدظلہ العالی)

بھاگلپور میں مرتضیٰ حسین دیوبندی محمد علی مونگیری (بانی ندوہ) سے مناظرہ کے لیے صدر الشریعہ تشریف لے گئے، آپ کے رفقا میں صدر الفاضل، محدث اعظم اور سید احمد اشرف تھے۔ (مکتوباتِ امام احمد رضا، ص:۶۵)

حضرت مولانا عبدالحکیم شرف مدظلہ العالی "باغی ہندوستان" کے تتمہ میں صدر الشریعہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"اس (اجمیر) کے علاوہ اردگرد کے بڑے شہروں اور قصبات مثلاً نصیر آباد، بیادر، لاڈنوں، جے پور، جودھپور، پالی، مارواڑ اور چتوڑ وغیرہ میں بھی خود آپ (صدر الشریعہ) اور آپ کے تلامذہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے، مذہب اہل سنت کی اشاعت اور وہابیہ قادیانیہ کا رد کیا کرتے تھے۔ آپ کی تقریر خالص علمی مضامین اور قرآن وحدیث کی تفسیر وتفصیل پر مستمل ہوا کرتی تھی، مسلک اہل سنت کو ٹھوس دلائل سے اس طرح بیان فرماتے کہ مخالفین تسلیم کے علاوہ چارۂ کار نہ پاتے"۔

(باغی ہندوستان (پاکستان) ص:۳۳۸)

خود آپ کیلیے وطنی وہابیہ ہمیشہ دردِ سر بنے رہے اور آپ کو کبھی سکون سے کام نہیں کرنے دیا، مگر آپ ان تمام آزار کو صبر وسکون کے ساتھ سہتے رہے اور خود کو رضائے مولیٰ کے کاموں کے لیے وقف رکھا۔

حدیث شریف میں ہے:"خیر الناس من ینفع الناس" بہترین انسان وہ ہے دوسروں کے لیے کارآمد ہو۔

آپ کی پوری زندگی مذکورہ حدیث پاک کا شفاف آئینہ تھی۔ آپ ہمیشہ خود مضطرب رہے۔ عائلی مسائل، خانگی ذمہ داریوں، اپنوں کے آزار اور غیروں کے دیے گئے مصائب سے پوری زندگی دوچار رہے، مگر آفریں آپ کی ہمت مردانہ اور ثبات وپامردی پر، ان تمام مشکل حالات کے باوجود آپ نے ہمیشہ یکسوئی کے ساتھ ملک و ملت اور دین اسلام کے لیے اپنی ساری توانائیاں وقف رکھیں، گویا کوئی بات ہی نہ ہو، آپ بڑے آسودہ حال ہوں اور دوسرے لوگوں نے ذمہ داریوں سے آپ کو بے نیاز کر رکھا ہو اور آپ کا بوجھ خود اٹھا رکھا ہو۔ یہ محض تائید ایزدی تھی، ورنہ کثرتِ عیال اور گوناگوں مسائل کے ہوتے ہوئے دینی امور سے ایسی وارفتگی کہ عقل باور نہیں کرتی۔ لمحہ

لمحہ لوگوں کی خیر خواہی، عملی ہدایات، فکری رہنمائی اور تذکیر واصلاح کے بے کراں جذبات سے مزین تھا۔ عنفوانِ شباب ہی سے یہ جذبہ آپ کے دل میں پوری طرح موجزن رہتا۔ طلبہ کی اخلاقی تربیت، قیامِ اجمیر کے دوران تبلیغی دورے، عوام کو قلمی ولسانی ہدایات، یہ سب کچھ اصلاح وتذکیر کے بے کراں جذبوں کی تسکین ہی کے لیے عمل میں آیا۔

بہارشریعت جیسی عظیم فقہی شاہکار تصنیف، جسے اگر ''اسلامی تربیتی گائڈ'' کہا جائے تو بجا ہے، بجائے خود آپ کے اصلاحی جذبات دروں کی بہترین ترجمان ہے۔ یوں تو یہ فقہی ترتیب پر شرعی مسائل کا جامع ذخیرہ ہے، اس میں بس اتنا ہی کافی تھا کہ سادہ انداز میں عربی ماٰخذ کے مسائل اردو زبان میں منتقل کر دیے جاتے، جیسا کہ دوسری عام کتابوں کے یہی انداز ملتے ہیں، مگر جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو دیکھ کر حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات میں ڈوب جائیں گے کہ یہ عوامی ہدایات، اخلاقی تربیت اور پند وموعظت کا بحرِ بے کراں ہے، جو اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ سارے عالم کو ابدی سعادتوں کو آبِ زلال سے سیراب کرنے کے لیے بے تاب نظر آتا ہے۔ قدم قدم پہ ہدایتوں کی بہاریں ملتی ہیں، ورق ورق پہ تذکیر کے جلوے بکھرے پڑے ہیں، صفحہ صفحہ عشق افروز اور محبت آمیز جملوں سے بھرا پڑا ہے۔ کہیں ایمان واعتقاد کے مستحکم کرنے کے اصول بتائے جارہے ہیں۔ کہیں بدمذہبوں کے مذموم اثرات سے عوام کے شجر ایمان کو بچانے کے لیے بندشیں کی جارہی ہیں۔ کبھی فرائض وواجبات کی اہمیت دلوں میں راسخ کی جارہی ہے۔ کبھی آثار وسنن اور آداب ومستحبات کو اپنانے کی شفقت آمیز تلقین ہورہی ہے۔ کہیں مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب کا تذکرہ ہے۔ کہیں بدعات کا آپریشن کیا جارہا ہے۔ کہیں عجیب سے دردمند لہجہ میں ان سے بچنے کی ترکیب بیان کرتے ہیں۔ گویا آپ کی پوری حیاتِ مبارکہ کا عکس جگہ بہ جگہ نظر آتا ہے۔ کہیں جلال کا عکس ہے۔ کہیں جمالیاتی جلوے۔ کہیں باپ کی شفقت ملتی ہے تو کہیں بھائی کا پیار تو کبھی دوست کی محبت پیش کرتے ہیں تو کہیں ایک مصلحِ قوم کی بے تابیاں دکھائی دیتی ہیں، جس کے حساس دل کو کسی پہلو قرار نہیں۔ ہر جگہ یہی تصور جھلکتا نظر آتا ہے کہ قومِ مسلم کسی طرح جادۂ مستقیم پر گامزن ہوجائے۔ اسلامی قدریں اپنالے۔ اور خزاں سے دامن چھڑا کے بہاروں سے آشنائی کر لے۔

اس چمن میں بس نظر آتی ہے سیر عندلیب
شاخ وگل، برگ وثمر، نخل چمن کے درمیاں
(ساحل)

خود راقم کو بہارشریعت کے مطالعہ کے بعد ہی آپ کے سوز دروں اور باطنی اخلاص کا قدرے اندازہ ہوا اور احساس ہوا کہ آپ کا روحانی قد کس قدر بلند ہے؟

آیئے آپ بھی اس قد رعنا کے باطنی گلستاں کی تھوڑی سی سیر کر لیجیے اور اندازہ کیجیے کہ یہ مردِ حق آگاہ جسے دنیا فقیہ اعظم کے نام سے یاد کرتی ہے، دین وسنیت کے فروغ کے لیے کس قدر دردمند جذبات رکھتا تھا۔ اب تو ایسے پُر خلوص جذبات کی جھلک بھی دیکھنے کو نہیں ملتی، الا ماشاءاللہ!۔

''بہارشریعت'' تصنیف کرنے کی تحریک کیسے ہوئی؟

اس کے اسباب کا جائزہ خود آپ کے قلم سے ملاحظہ کیجیے:

''فقیر بارگاہِ قادری ابوالعلا امجدی اعظمی قادری عرض کرتا ہے کہ زمانہ کی حالت نے اس طرف متوجہ کیا کہ عوام بھائیوں کے لیے صحیح مسائل کا ایک سلسلہ عام فہم زبان میں لکھا جائے، جس میں ضروری اور روز مرہ کے مسائل ہوں، باوجود بے فرصتی اور بے مائیگی کے توکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کیا، ایک حصہ لکھنے نہ پایا تھا کہ یہ خیال ہوا کہ اعمال کی درستگی عقائد کی صحت پر متفرع ہے اور بہتیرے مسلمان ایسے ہیں کہ اصولِ مذہب سے آگاہ نہیں۔ ایسوں کے لیے سچے عقائد ضروری کے سرمایہ کی بہت شدید حاجت ہے۔ خصوصاً اس پُرآشوب زمانے میں کہ گندم نما جو فروش بکثرت ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں بلکہ عالم کہلاتے ہیں اور حقیقتاً اسلام سے ان کو کچھ علاقہ نہیں۔ عام ناواقف مسلمان ان کے دامِ تزویر میں آکر مذہب اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ امید کہ برادرانِ اسلام اس کتاب کے مطالعہ سے ایمان تازہ کریں اور اس فقیر کے لیے عفو وعافیت دارین اور ایمان و مذہب اہل سنت پر خاتمہ کے لیے دعا فرمائیں''۔ (بہار شریعت: ۱/۲،۳)

یہ اقتباس آپ کے باطنی اخلاص اور اصلاحِ امت کے جذبات کی نمائندگی کرتا ہے۔ ذرا اندازہ کیجیے کہ اس تصنیف سے مصنفین کی صفوں میں شامل ہونا اور اپنے بے پناہ علم وفضل کا اظہار مقصود نہیں، جیسا کہ عام سطحی جذبات ہوا کرتے ہیں، بلکہ آپ کے پیش نظر عوام کی ہدایت واصلاح اور دینی مسائل کی اشاعت جیسے گراں قدر مقاصد ہیں جو یقیناً زندگی کے اعلیٰ ترین مقاصد اور فلاحِ آخرت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ انھیں جذبات کے سہارے آپ نے پوری زندگی خود کو دینی تعلیم اور دینی علوم کی اشاعت سے وابستہ رکھا، کیوں کہ دینی تعلیم ہی سے اسلامی زندگی کا صحیح شعور پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنے تخلیقی مقاصد سے خود کو قریب محسوس کرتا ہے۔ تعلیمی نفسیات کا آپ بہت گہرا شعور رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مشورے سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کا شاندار نصاب مدون ہوا۔ (مقدمہ فتاویٰ امجدیہ اول)

آپ بخوبی جانتے تھے کہ اسلامی بچہ سب سے پہلے مسلمان ہے پھر اور کچھ۔ اس لیے اس کی فکری اساس اسلامی تعلیمات کے سہارے رکھی جانی چاہیے۔ اس لیے آپ نے یہ تعلیمی نظریات پیش کیے۔

''سب سے مقدم یہ ہے کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور دین کی ضروری باتیں سکھائی جائیں۔ روزہ ونماز وطہارت اور بیع واجارہ ودیگر معاملات کے مسائل جن کی روز مرہ حاجت پڑتی ہے اور ناواقفی سے خلافِ شرع عمل کرنے کے جرم میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی تعلیم ہو۔ اگر دیکھیں کہ بچہ کو علم کی طرف رجحان ہے اور سمجھ دار ہے تو علم دین کی خدمت سے بڑھ کر کیا کام ہے۔ اور اگر استطاعت نہ ہو تو تصحیح وتعلیم عقائد اور ضروری مسائل کی تعلیم کے بعد جس جائز کام میں لگائیں اختیار ہے''۔ (بہار شریعت: ۸/۱۴۴)

آپ اگر ان نظریات کی اہمیت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو آئیے پہلے صہیونی سازش کی رودادِ عمل سن لیجیے اور اس کے

پس پردہ ان کے خطرناک عزائم کا اندازہ لگائیے۔

مشہور برطانوی جاسوس "ہمفرے" اسلام کی بیخ کنی کے بنیادی اصولوں کے تذکرے میں لکھتا ہے:

"مسلمانوں کو جہالت اور لاعلمی کے عالم میں رکھنا، کسی تعلیمی مرکز کے قیام کی کوشش کو کامیاب نہ ہونے دینا، طباعت اور نشر و اشاعت پر پابندی عائد کرنا اور ضرورت پڑے تو عوامی کتاب خانوں کو نذرِ آتش کرنا۔ بچوں کو دینی مدارس میں جانے سے روکنے کے لیے علما اور مراجع دینی پر تہمت لگانا"۔

(ہمفرے کے اعترافات، ص:۹۹)

اب ان نظریات کی عملی منظر نگاری بطل حریت حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ کیجیے:

آپ انگریزوں کے ظلم و ستم کی داستان بیان کرتے ہوئے "الثورۃ الہندیۃ" میں لکھتے ہیں:

"انھوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر حکمرانوں سے باشندوں کا اختلاف، تسلط و قبضہ کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا۔ اس لیے پوری جانفشانی اور تندہی کے ساتھ مذہب و ملت کے مٹانے کے لے طرح طرح کے مکر و حیلہ سے کام لینا شروع کیا۔ انھوں نے بچوں اور نا فہموں کی تعلیم اور اپنی زبان اور دین کی تلقین کے لیے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کیے، پچھلے زمانے کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی"۔

(باغی ہندوستان (پاکستان) ص:۲۵۵)

اس پس منظر میں صدر الشریعہ کی اس گراں قدر رہنمائی کا وزن محسوس کیجیے۔ ماحولیاتی جائزہ کے بعد آپ کی نگاہیں خود اس بات کا اعتراف کریں گی کہ ہماری علمی اور دینی زبوں حالی اس نقطۂ فکر سے انحراف کا نتیجہ ہے، جسے بہت پہلے ہمارے اسلاف نے ہماری رہنمائی کے لیے پیش فرمایا تھا۔

صدر الشریعہ قدس سرہ نے علمی اور دینی ارتقا کا فکری زاویہ پیش کرنے کے بعد ایمان و اعتقاد کے فصیلوں کی حفاظت کے لیے ایک ٹھوس اور مستحکم اصول بھی قوم کو دیا کہ اگر اس پہ عمل کر لیا جاتا تو آج جو اعتقادی بے راہ روی نظر آ رہی ہے، کبھی دیکھنے کو نہ ملتی۔ فکری رہنمائی کا انداز بھی ملاحظہ کیجیے۔ لہجہ سے کس قدر دردمندی ٹپکتی ہے:

"مسلمانوں پر اپنے دین و مذہب کا تحفظ لازم ہے، دینی حمیت اور دینی غیرت سے کام لینا چاہیے۔ کافروں کے کفری کاموں سے الگ رہیں۔ مگر افسوس کہ مشرکین تو مسلمانوں سے اجتناب کریں اور مسلمان ہیں کہ ان سے اختلاط رکھتے ہیں، اس میں سراسر مسلمانوں کا نقصان ہے۔ اسلام خدا کی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرو اور جس بات میں ایمان کا نقصان ہے، اس سے دور بھاگو، ورنہ شیطان گمراہ کر دے گا اور یہ دولت تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے گی، پھر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا"۔ (بہار شریعت:۱۷۳/۹)

دوسری جگہ نفقۂ اولاد کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"وہ طلبہ بھی اس سے مراد نہیں، جو بظاہر علم دین پڑھتے اور حقیقتاً علم دین ڈھانا چاہتے ہیں۔ مثلاً

وہابیوں سے پڑھتے ہیں، ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہیں کہ ایسوں سے عموماً یہی مشاہدہ ہورہا ہے کہ بد باطنی وخباثت اور اللہ ورسول کی جناب میں گستاخی کرنے میں اپنے اساتذہ سے بھی سبقت لے گئے۔ ایسوں کا نفقہ درکنار، پاس بھی نہ آنے دینا چاہیے۔ ایسی تعلیم سے تو جاہل رہنا اچھا تھا کہ اس نے مذہب ودین سب کو برباد کیا اور نہ فقط اپنا بلکہ وہ تم کو بھی لے ڈوبے گا"۔ ع

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(بہار شریعت: ۱۶۱/۸)

ان ارشادات کی روشنی میں آپ خود آج کے ماحول کا جائزہ لیجیے! کفار ومشرکین سے اختلاط ہی کے یہ اثراتِ بد ہیں کہ آج ہمارے درمیان سے حلال وحرام کی تمیز اٹھتی جارہی ہے۔ اور نہ جانے کتنی اخلاقی بُرائیاں ہمارے معاشرے میں درآئیں۔ عریانیت، فحاشی، غلط روی، فضول رسومات، غیر شرعی اندازِ معیشت سب اسی کی "کرم ارزانیاں" ہیں۔ بدمذہبوں سے اختلاط اور ان کے دانش کدوں میں تعلیم دلانے کا بھیانک انجام آج خود اہل بصیرت اور ماحول آشنا افراد کے لیے بہت بڑا دردِسر بن چکا ہے۔ وہابیت کی ترویج، قادیانیت کا فروغ، غیر مقلدیت کی اشاعت اور انگریزی تہذیب کی دلدادگی کے پس پردہ آخر کون سے عوامل کارفرما ہیں؟ خود ہماری غفلتوں نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے۔ ہم نے اپنے دانش کدوں کو لائق اعتنا نہ سمجھا، اس کی بوسیدہ عمارتیں ہمیں راس نہ آئیں، غیروں کی فلک بوس عمارات اور دیدہ زیب آرائش وزیبائش نے ہماری نگاہوں کو خیرہ کردیا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ ہمارے گھر تو مادیت سے سج گئے، مگر دل ویران ہوگئے۔ ہم نے عیش وطرب کی محفلیں تو آباد کرلیں، مگر اخلاق وکردار کے زریں ستون ایک ایک کر کے زمین بوس ہوتے چلے گئے۔ ہماری اقتصادیات نے فروغ پالیا، معیشتیں سدھر گئیں، ہمارے قدم زمین سے آسمان پر پہنچ گئے اور ہمارے لیے ایک جہان کی سیر آسان ہوگئی، مگر کبھی ہم نے پلٹ کے دیکھنے کی زحمت گوارہ کی کہ ہم نے کیا کھودیا؟ ہمارے بہت سارے دینی قلعے منہدم ہوگئے۔ اعتقادیات کی مضبوط فصیلیں چیخ اٹھیں اور ہمارے سب سے گراں بہا دولت ہماری نگاہوں کے سامنے لوٹ لی گئی، مگر ہمیں احساس تک نہیں۔ ہم ویسے ہی مست وبے خود ہیں۔ ہم نے اسے ظاہری رنگ وروپ ہی کو سب کچھ سمجھ لیا، جو سرابِ نگاہ ہے، فریب نظر ہے۔

اس جہانِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

(اقبال)

بلکہ عرفائے حق تو یہ فرماتے ہیں کہ بدمذہب کی صحبت کا سب سے کم نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایمان کا نور سلب ہوجاتا ہے (کما روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) ایک بزرگ سے سوال کیا گیا کہ بدمذہب مثلاً وہابی، نیچری اور رافضی کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے یا نہیں؟ فرمایا: ہرگز نہ بیٹھنا چاہیے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

صحبت بد راہ تبہ می کند
دیگ سیہ جامہ سیہ می کند

سائل نے پھر پوچھا: کیا صرف پاس بیٹھنے سے بھی اثر

ہو جاتا ہے؟ فرمایا: کیا آگ کے پاس بیٹھنے سے اثر نہیں ہوتا؟

(تذکرۂ اکابر اہل سنت پاکستان، ص: ۳۵۷)

اس نقطۂ فکر سے انحراف کا جو نقصان آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، صدر الشریعہ قدس سرہ کی نگاہیں اپنے مرشد بر حق کے فیضانِ تربیت سے یہ مناظر مستقبل کے اُفق پر بہت پہلے ہی دیکھ چکی تھیں۔ یہ سب آپ کی عرفانی بصیرت کی تجلیات تھیں۔

خفتہ ضمیر کو بے دار کر دینا اور اطاعت الٰہی کے جذبات کو اُبھار دینا ہی تذکیر و اصلاح کی مساعی کا ذروۂ کمال ہے۔ عرفائے حق اپنی روحانی قوتوں سے مردہ ضمیر کو بے دار کر کے اسے روحانی قدروں کا اس قدر متوالا بنا دیتے تھے کہ اس کے بے تاب احساسات کو ذکر الٰہی کے سوا کوئی اور پناہ گاہ دکھائی نہ دیتی۔ صدر الشریعہ کے اصلاحی جذبوں میں بھی یہ تذکیری کمال اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ موجود ہے۔

اب آپ ان روحانی کمالات کے جلوے مختلف انداز اور جدا جدا لہجہ میں مشاہدہ کرتے چلیں۔

آپ فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ". جن اور آدمی میں نے اسی لیے پیدا کیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ہر تھوڑی سی عقل والا بھی جانتا ہے کہ جو چیز جس کام کے لیے بنائی جائے، اگر اس کام میں نہ آئے تو بے کار ہے۔ جو انسان اپنے خالق و مالک کو نہ پہچانے، اس کی بندگی و عبادت نہ کرے، وہ ناکام آدمی ہے۔ حقیقتاً آدمی نہیں بلکہ ایک بے کار چیز ہے۔ تو معلوم ہوا کہ عبادت ہی سے آدمی، آدمی ہے اور اسی سے فلاحِ دنیوی و نجاتِ اخروی ہے"۔ (بہار شریعت: ۲/۱۵)

تمثیلی پیکر میں حقیقت آشنا بنانے کے لیے اس سے بہتر کون سا انداز ہو سکتا ہے، جو سادگی کے ساتھ ساتھ کیف کی بہاریں بھی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہو۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جب تک دنیا کی محبت انسان کے دل سے ختم نہ ہوگی، اس وقت تک وہ کبھی بھی سکون واطمینان کے ساتھ اپنے رب کی جانب لو نہیں لگا سکتا اور ہمہ تن خود کو اس بارگاہ کی جانب متوجہ نہیں کر سکتا۔

سلطان المحققین مخدوم جہاں سیدنا شیخ شرف الدین یحیٰ منیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

"اچھی طرح سمجھ لو کہ عبادت درست نہیں ہو سکتی، جب تک دنیا کا خیال نہ چھوڑ دے، کیوں کہ جب تمہارا ظاہر دنیا طلبی میں مشغول اور تمہارا باطن ارادت کی طرف مائل ہو تو کوئی عبادت کیوں کر بجالا سکتے ہو۔ دل تو خدا نے ایک ہی دیا ہے، جب ایک کام میں مشغول ہو تو دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ دنیا وآخرت کی مثال پورب اور پچھّم کی طرح ہے، جب ایک سے قریب ہو گے تو یقیناً دوسرے سے دور ہو جاؤ گے"۔ (مکتوباتِ صدی، ص: ۴۶۶)

اس لیے صدر الشریعہ قدس سرہ نے بھی اس شوق انگیزی کے بعد دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ بڑے پیارے انداز میں کھینچتے ہیں:

"دنیا گزشتنی و گزاشتنی ہے۔ آخر ایک دن موت آنی ہے۔ جب یہاں سے کوچ کرنا ہی ہے تو

وہاں کی تیاری کرنی چاہیے، جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور اس وقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: دنیا میں ایسے رہو، جیسے مسافر، بلکہ راہ چلتا۔ تو مسافر جس طرح ایک اجنبی شخص ہوتا ہے اور راہ گیر راستہ کے کھیل تماشوں میں نہیں لگتا کہ راہ کھوٹی ہوگی اور منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ناکامی ہوگی۔ اسی طرح مسلمان کو چاہیے کہ دنیا میں نہ پھنسے اور نہ ایسے تعلقات پیدا کرے کہ مقصودِ اصلی کے حاصل کرنے میں آڑے آئیں اور موت کو کثرت سے یاد کرے کہ اس کی یاد دنیوی تعلقات کی بیخ کنی کرتی ہے"۔

(بہارشریعت:۴/۱۲۹)

جب اس انسان کا ضمیر بے دار ہو چکا، عظمت الٰہی اور شانِ رسالت کے جلوے اس کی نگاہوں میں بھر گئے، دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اس کی نظروں میں کھنچ گیا۔ تو اب اسے ذمہ داریوں کے احساس، کردار کی تزئین، اخلاق کی تہذیب اور فکر آخرت کی تلقین کرتے ہیں۔

نماز جیسے اہم فریضہ کی عظمت کا احساس کس طرح دل میں بٹھاتے ہیں:

"مسلمان اس باب (صلوٰۃ المریض) کے مسائل کو دیکھیں تو انھیں بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ شرع مطہر نے کسی حالت میں بھی سوا بعض نادر صورتوں کے نماز معاف نہیں کی، بلکہ یہ حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو پڑھے۔ آج کل جو بڑے نمازی کہلاتے ہیں، ان کی یہ حالت دیکھی جا رہی ہے کہ بخار آیا، ذرا شدت ہوئی، نماز چھوڑ دی۔ شدت کا درد ہوا، نماز چھوڑ دی۔ کوئی پھُڑیا نکل آئی، نماز چھوڑ دی۔ یہاں تک کہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ دردِ سر وزکام میں نماز چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ حالاں کہ جب تک اشارے سے بھی نماز پڑھ سکتا ہو اور نہ پڑھے تو انھیں وعیدوں کا مستحق ہے، جو شروع کتاب میں تارک الصلوٰۃ کے لیے احادیث بیان ہوئیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ **اللهم اجعلنا من مقيمى الصلوة من صالحى اهلها احياء وامواتا وارزقنا اتباع شريعة حبيبك الكريم عليه افضل الصلوة والتسليم.** آمین"۔ (بہارشریعت:۴/۳۶)

صرف فرائض وواجبات ہی نہیں یاد دلاتے بلکہ کبھی سنتوں کی تاکید کرتے ہیں:

"اس کا تارک مستحق ہے کہ معاذ اللہ شفاعت سے محروم ہو جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری سنت کو ترک کرے گا، اسے میری شفاعت نہ ملے گی"۔ (بہارشریعت:۴/۱۱)

کبھی مستحبات کی ترغیب دیتے ہیں:

"یہ (اعتکاف مستحب کرنے میں) بغیر محنت ثواب مل رہا ہے کہ فقط نیت کر لینے سے اعتکاف کا ثواب ملتا ہے، اسے تو نہ کھونا چاہیے۔ مسجد میں اگر دروازہ پر یہ عبارت لکھ دی جائے کہ اعتکاف کی نیت کرلو، اعتکاف کا ثواب پاؤ گے تو بہتر ہے۔ کہ جو اس سے ناواقف ہیں، انھیں معلوم ہو جائے اور جو جانتے ہیں، ان کے لیے یاد دہانی ہو"۔ (بہارشریعت:۵/۱۴۸)

کبھی رواج پذیر غیر مسنون طرزِ عمل کی نشاندہی کرتے ہیں:

"آج کل اکثر جگہ رواج پڑ گیا ہے کہ وقت امامت سب لوگ کھڑے رہتے ہیں، بلکہ اکثر جگہ تو یہاں تک ہے کہ جب تک امام مصلیٰ پر کھڑا نہ ہو اس وقت تک تکبیر نہیں کہی جاتی۔ یہ خلافِ سنت ہے"۔ (بہارشریعت:۳/۳۴)

"(اذانِ ثانی) مسجد کے اندر منبر سے ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ پر جیسا کہ ہندوستان میں اکثر جگہ رواج پڑ گیا ہے، اسکی کوئی سند کسی کتاب میں نہیں۔ حدیث وفقہ دونوں کے خلاف ہے"۔ (بہاجر شریعت:۳/۳۳)

کہیں خطرناک غفلتوں پر شفقت آمیز لہجے میں تنبیہ کرتے ہیں:

"آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا خفیف سی تکلیف ہوئی، بیٹھ کر نماز شروع کر دی۔ حالاں کہ وہی لوگ اسی حالت میں دس دس، پندرہ پندرہ منٹ بلکہ زیادہ کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر کی باتیں کر لیا کرتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ ان مسائل سے متنبہ ہوں اور جتنی نمازیں باوجود قدرتِ قیام بیٹھ کر پڑھی ہوں، ان کا اعادہ فرض ہے۔ یوہیں اگر ویسے کھڑا نہ ہو سکتا تھا، مگر عصا یا دیوار یا آدمی کے سہارے کھڑا ہونا ممکن تھا تو وہ نمازیں بھی نہ ہوئیں، ان کا پھیرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے"۔ (بہارشریعت:۳/۶۹)

تعزیہ داری کی بے ہودہ خرافات دیکھ دیکھ کر آپ کی پلکیں بھیگ جاتی ہیں، بڑے دردمند لہجہ میں سمجھاتے ہیں:

"یہ سب لغو وخرافات ہیں۔ ان سے ہرگز سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہیں۔ یہ تم خود غور کرو کہ انھوں نے احیائے دین وسنت کے لیے یہ زبردست قربانیاں دیں اور تم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنالیا۔ افسوس! کہ محبت اہل بیت کا دعویٰ اور ایسی بے جا حرکتیں؟ یہ واقعہ تمہارے لیے نصیحت تھا اور تم نے اس کو کھیل تماشا بنالیا"۔

(اسلامی اخلاق وآداب، ص:۳۰،۲۲۹)

خانۂ خدا کی تقدس کی پامالی آپ سے دیکھی نہیں جاتی، کرب کے احساسات لفظوں میں ڈھل کر عجیب منظر پیش کرتے ہیں:

"افسوس کہ اس زمانہ میں مسجدوں کو لوگوں نے ماحول بنا رکھا ہے۔ یہاں تک کہ بعضوں کو مسجدوں میں گالیاں بکتے دیکھا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ"۔

(بہارشریعت:۳/۱۸۵)

کبھی نفس کی آفت سے بچاتے ہیں:

پیٹ بھر کھانا سخت زہر اور غفلت وکسل کا باعث ہے، تین روٹی کی بھوک والا ایک ہی کھائے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ کے لیے یہی حکم دیا ہے اور خود دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی کبھی پیٹ بھر نہ کھائی، حالاں کہ اللہ کے حکم سے تمام جہان اختیار میں تھا اور ہے۔

انوار وبرکات لینا چاہو تو نہ صرف آج بلکہ حرمین شریفین میں جب تک حاضر رہو، تہائی پیٹ

سے زیادہ ہرگز نہ کھاؤ۔ مانو گے تو اس کا فائدہ اور نہ مانو گے تو اس کا نقصان آنکھوں دیکھ لوگے۔ ہفتہ بھر اس پر عمل کر تو دیکھو، اگلی حالت سے فرق نہ پاؤ جبھی کہنا۔ جی بچے تو کھانے پینے کے بہت سے دن ہیں، یہاں تو نور و ذوق کے لیے جگہ خالی رکھو۔

اندروں از طعام خالی دار
تا در ونور معرفت بینی

(بہار شریعت:۶/۸۶)

اور یہ حقیقت ہے کہ شکم سیری ایک ایسا آزار ہے، جس کے بطن سے ساری اخلاقی بُرائیاں جنم لیتی ہیں۔ یہ ظلمتوں کا ایسا حجابِ کثیف ہے، جس کے ہوتے ہوئے دل کبھی بھی روحانی انوار وتجلیات کی آماج گاہ نہیں بن سکتا۔ احادیث کریمہ اس کے مذموم اثرات کی واضح نشاندہی کرتی ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: آدمی شکم سے بدتر اور کسی چیز کو پُر نہیں کرتا۔ اور آدمی کیلیے چند چھوٹے لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں۔

آج مادیت کی کشاکش، اخلاص کے فقدان اور دولت کی ہوس نے جو اضطراب اور بے اطمینانی کی فضا پیدا کر رکھی ہے کہ آج سارے مادی وسائل ہونے کے باوجود دنیا سکون کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی ہے، وہ سب اسی کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ سیدنا امام غزالی قدس سرہ نے بدباطنی کے اس سرچشمہ کی وضاحت بڑے عمدہ انداز میں کی ہے۔

فرماتے ہیں:

''شہوتِ شکم دوسری شہوتوں اور خواہشوں کی جڑ ہے کہ جب شکم سیر ہوتا ہے تو نکاح کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ شکم اور فرج کی شہوت، بغیر مال کے پوری نہیں ہوسکتی۔ پس اس کی وجہ سے مال کی حرص پیدا ہوئی اور مال بغیر جاہ کے پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جب تک مخلوق سے خصومت نہ رکھی جائے، جاہ کا حصول ممکن نہیں۔ پھر اسی سے حسد، تعصب، عداوت، تکبر، ریا اور کینہ پیدا ہوتا ہے۔ پس معدہ کو مطلق العنان چھوڑ دینا ساری مصیبتوں کی جڑ ہے اور اس کو روکنا اور بھوک کی عادت ڈالنا سب نیکیوں کی اصل ہے''۔

(کیمیائے سعادت اردو، ص:۴۸۳)

اس تجزیاتی گفتگو کی روشنی میں آج کی مادیت گزیدہ انسانیت اور فریب خوردہ معاشرے کا جائزہ لیجیے تو یہ احساس اور شدت اختیار کر جاتا ہے کہ آج پھر دنیا کو اسی اسلامی نظام کی ضرورت ہے، جسے بزرگانِ امت نے خانقاہوں کے اندر تزکیاتی اہتمام کے ساتھ برپا کر رکھا تھا۔ اس کے بغیر سکون کی تلاش فکری سراب ہے اور بس۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ انسان مصائب وآلام کی ہوش ربا یلغار سے اس قدر پریشان ہوجاتا ہے کہ اس بے بسی کے عالم میں وہ یہ بھول جاتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ میرے فرائض کیا ہیں؟ اسلام کے پاکیزہ نظام نے ان آلام روزگار کو ہمارے لیے کس قدر برکات وحسنات کا سرچشمہ بنا کر پیش کیا ہے؟ اگر اسے احساس ہوجائے کہ یہ چند روزہ مصیبتیں ہمارے لیے سرمدی سعادتوں اور روحانی برکتوں کی امین ہیں تو پھر اسے کسی بات کا گلہ ہی نہ رہے۔

صدرالشریعہ قدس سرہ نے انھیں پاکیزہ اسلامی تصورات کو اپنے مخصوص اسلوب میں پیش کیا ہے۔ وہی درد

میں ڈوبا ڈوبا سا لہجہ، فکری اصلاح کے وہی ڈھلے ڈھلے جذبات اور تفہیم و تلقین کا نکھرا نکھرا سا انداز:

''بیماری بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے، اس کے منافع بے شمار ہیں اگرچہ آدمی کو بظاہر اس سے تکلیف پہنچتی ہے، مگر حقیقتاً راحت و آرام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آتا ہے۔ یہ ظاہری بیماری جس کو آدمی بیماری سمجھتا ہے، حقیقت میں روحانی بیماریوں کا ایک بڑا زبردست علاج ہے۔ حقیقی بیماری، امراضِ روحانیہ ہے کہ یہ البتہ مرض بہت خوف کی چیز ہے اور اسی کو برض مہلک سمجھنا چاہیے۔ بہت موٹی سی بات ہے جو ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی کتنا ہی غافل ہو مگر جب مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو کسی قدر خدا کو یاد کرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے۔ اور یہ تو بڑے مرتبہ والوں کی شان ہے کہ تکلیف کا بھی اسی طرح استقبال کرتے ہیں، جیسے راحت کا۔ آنچہ از دوست می رسد نیکوست۔ مگر ہم جیسے کم سے کم اتنا تو کریں کہ صبر و استقلال سے کام لیں اور جزع و فزع کر کے آتے ہوئے ثواب کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور اتنا تو ہر شخص جانتا کہ بے صبری سے آئی ہوئی مصیبت جاتی نہ رہے گی، پھر اس بڑے ثواب سے محرومی دوہری مصیبت ہے۔ بہت سے نادان بیماری میں نہایت بے جا کلمے بول اٹھتے ہیں، بلکہ بعض کفر تک پہنچ جاتے ہیں، یہ تو بالکل خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق بن جاتے ہیں''۔ (بہار شریعت:۴/۱۲۳)

خود پسندی اور حسن عمل پر اترانا سارے اعمال اکارت کر دیتی ہے۔ اس لیے انسان کو خدا کا فضل تلاش کرنا چاہیے، ورنہ کون ہے جو اس کی نعمتوں کا حق ادا کرے اور کما حقہ اس کی عبادت کر سکے۔ صدر الشریعہ اس ہلاکت خیز نفسانی وسوسہ سے بھی لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں اور اس سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں:

''آدمی کو کبھی اپنے اوپر یا اپنی طاعت و اعمال پر بھروسہ نہ چاہیے، ہر وقت خدا پر اعتماد کرے اور اسی سے بقائے ایمان کی دعا چاہے کہ اسی کے ہاتھ میں قلب ہے اور قلب کو قلب اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ لوٹ پوٹ ہوتا رہتا ہے۔ ایمان پر ثابت رہنا اسی کی توفیق سے ہے، جس کے دست قدرت میں قلب ہے''۔ (بہار شریعت:۹/۱۶۲)

قوم مسلم کی بداعمالیوں پر کراہ کراہ اٹھتے ہیں، ان کی بربادیاں دیکھی نہیں جاتی، شدت احساس سے تڑپ اٹھتے ہیں، بڑی ہی دل سوزی کے ساتھ قوم کے خفیہ ضمیر کو آواز دیتے ہیں۔ ایک قافلہ سالار کی طرح جو کارواں کو لٹتے ہوئے نہیں دیکھ پاتا، تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ مجبوری کے احساس سے آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں، وہ چیخ چیخ کر انھیں منزل کی طرف بلاتا ہے، نہیں سنبھلتے تو انھیں جھنجھوڑ ڈالتا ہے، اس وقت اس کی بے تابانہ احساسات کی شدت دل کی بے قرار کیفیت اور سوز دروں کی حدت کا اندازہ مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ بھی ایک قافلہ سالار کے دردمند دل کی آواز گوشِ دل سے سنیے اور اس دل کی اضطرابی کیفیات کو محسوس کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی ٹیس سے آپ کا حساس دل بھی تڑپ اٹھے گا:

''چوں کہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت نہیں،

لہٰذا مسلمانوں کو یہ اختیار نہ رہا کہ کفار کو کسی وضع وغیرہ کا پابند کریں۔ البتہ مسلمانوں کے اختیار میں یہ ضرور ہے کہ خود ان کی وضع اختیار نہ کریں، مگر بہت افسوس ہوتا ہے، جب کسی مسلمان کو کافروں کی صورت میں دیکھا جاتا ہے۔ لباس و وضع قطع میں کفار سے امتیاز نہیں رکھتے، بلکہ بعض مرتبہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ نام دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہے۔ مسلمانوں کا ایک خاص امتیاز داڑھی رکھنا تھا، اس کو آج کل لوگوں نے بالکل فضول سمجھ رکھا ہے۔ نصاریٰ کی تقلید میں داڑھی کا صفایا اور سر پر بالوں کا گپھا، مونچھیں بڑی بڑی یا بیچ میں ذرا سی جو دیکھنے سے مصنوعی معلوم ہوتی ہے۔ اگر رکھے تو نصاریٰ کی سی، کم کریں تو نصاریٰ کی طرح۔ اسلامی بات سب ناپسند، کپڑے جوتے ہوں تو نصرانیوں کے سے، کھانا کھائیں تو ان کی طرح۔ اور اب کچھ دنوں سے جو نصاریٰ کی طرف سے منحرف ہوئے تو گھر لوٹ کر نہ آئے، بلکہ مشرکوں، ہندوؤں کی تقلید اختیار کی۔ ٹوپی ہندو کے نام کی، ہندو جو کہیں اس پر دل و جان سے حاضر، اگرچہ اسلام کے احکام پس پشت ہوں۔ اگر وہ کہے اور جب وہ کہے روزہ رکھنے کو تیار مگر رمضان میں پان کھا کر نکلنا شرم نہ عار۔ وہ کہیں تو دن بھر بازار بند، خرید و فروخت حرام۔ اور خدا فرماتا ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو تو خرید و فروخت چھوڑو، اس کی طرف اصلاً التفات نہیں۔ غرض مسلمانوں کی جو ابتر حالت ہے، اس کا کہاں تک رونا رویا جائے۔ یہ حالت نہ ہوتی تو یہ دن کیوں دیکھنے پڑتے؟ اور جب ان کی قوت منفعلہ اتنی قوی ہے اور قوت فاعلہ زائل ہو چکی ہیں تو اب کیا امید ہو سکتی ہے کہ مسلمان کبھی ترقی کا زینہ طے کریں گے۔ غلام بن کر اب بھی اور جب بھی رہیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ"۔

(بہار شریعت: ۹/ ۵۹۔۱۵۸)

یہ تھی ایک مختصر سی داستان صدر الشریعہ قدس سرہ کے تذکیر جذبات کی، لیکن کوئی بھی اصلاحی کوشش اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے، جب کہ خود مصلح کا کرداری وجود ان پاکیزہ جذبات کا ترجمان ہو۔ کیوں کہ تذکیر و اصلاح کے لیے کردار و عمل کی پختگی اور اقوال کی اعمال سے تائید بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی اصلاحی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ عمل کی زبان دہن کی زبان سے زیادہ اثر انگیز ہوتی ہے۔ کتاب و سنت میں اس کی واضح تائیدات موجود ہیں۔ اسی بنیادی تصور سے گریز کی ناخوش گوار اثرات ہیں کہ آج سیکڑوں تقریریں کہیں اور سنی جاتی ہیں، ہزاروں محفلیں اسی مقدس نصب العین کے لیے ہی برپا کی جاتی ہیں اور زبان و قلم کی بھرپور توانائیاں اسی راہ کے لیے وقف ہوتی ہیں، مگر معاشرہ کسی صالح انقلاب کے لے آمادہ نظر نہیں آتا۔ ذہن و دماغ اور کردار و عمل میں کوئی خوش گوار تبدیلی دیکھنے کو نہیں ملتی اور سعادتوں کے اس محترم نقیب کی دعوت پر کسی لبیک کی آواز سنائی نہیں دیتی، بلکہ اخلاقی تباہیوں اور فکری پستیوں کا بھیانک سیلاب بڑی تیزی کے ساتھ دشت و جبل، کوہ و دہن کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے بڑھتا چلا آ رہا ہے اور پورا چمن مستقبل کی فکر سے بے نیاز ہو کر اس کی رو میں خس و خاشاک کی مانند بہتا چلا جا رہا ہے۔ اس ابتر ماحول میں بھی سعید روحیں افرادِ امت کو اس گرداب بلا

سے نکالنے کے لیے بے قرار نظر آتی ہیں۔ کوئی سنے تو سہی، کوئی دیکھے تو سہی۔

صدرالشریعہ قدس سرہ کی فکر اس اساسی تصور کے جلوؤں سے مالا مال تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کی ہر کوشش کامیاب ملتی ہے اور ہر قدم کامرانیوں کا پیش خیمہ نظر آتا ہے۔ ان اسلامی تصورات کے استحکاماتی پس منظر کو انھیں کے قلم کے خوبصورت نقش ونگار میں ملاحظہ کیجیے:

"امر بالمعروف کے لیے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول علم کہ جسے علم نہ ہو اس کام کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا۔ علم سے یہ مراد نہیں کہ وہ پورا عالم ہو، بلکہ مراد یہ ہے کہ اتنا جانتا ہو کہ یہ چیز گناہ اور دوسرے کو بُری بھلی بات سمجھانے کا طریقہ معلوم ہو کہ مؤثر پیرایہ سے اس کو کہہ سکے۔ دوم اس سے مقصود رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ سوم جس کو حکم دیتا ہو، اس کے ساتھ شفقت و مہربانی کرے، نرمی کے ساتھ کہے۔ چہارم امر کرنے والا صابر اور بردبار ہو۔ پنجم یہ شخص خود اس بات پر عامل ہو، ورنہ قرآن کے اس حکم کا مصداق بن جائے۔ کیوں کہتے ہو وہ جس کو تم خود نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک ناخوشی کی بات ہے یہ کہ ایسی بات کہو جس کو خود نہ کرو اور یہ بھی قرآن مجید میں فرمایا کہ کیا لوگوں کو تم اچھی بات کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے کو بھلے ہوئے ہو (اس کا یہ مطلب نہیں جو شخص خود عالم نہ ہو وہ دوسروں کو اچھی بات کا حکم ہی نہ دے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ خود بھی کرے اور دوسروں کو بھی کرنے کو کہے)"۔ (اسلامی اخلاق وآداب، ص:۲۶۸)

"کیوں کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے اور خود انھیں باتوں میں آلودہ ہے، اس کو سب سے پہلے اپنی ذات کو نصیحت کرنی چاہیے"۔ (اسلامی اخلاق وآداب، ص:۲۷۸)

اب آپ اس تناظر میں صدرالشریعہ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتے چلیں، قدم قدم پہ خودی کی تذکیر، نفس کا محاسبہ اور ذات کی اصلاح کی بہاریں دیکھنے کو ملیں گی، جیسا کہ آپ سابقہ سطور میں اس کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ کر چکے۔ آپ کی ذاتِ گرامی مذکورہ تذکیری شرائط کے معیار پہ مکمل طور سے پوری اترتی ہے۔ علم آپ پہ ناز کرتا ہے، اخلاص، عمل اور حسن نیت کی رونق آپ کے پورے وجود پہ چھائی ہوئی ہے۔ شفقت ومحبت کے انداز کوئی آپ سے سیکھے۔ صبر وتحمل اور برد باری آپ کا امتیازی وصف اور حسن عمل کا یہ عالم کہ پوری زندگی ہی اسوۂ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا شفاف آئینہ تھی۔ اب میں اخیر میں صدرالشریعہ قدس سرہ کی حیاتِ مبارکہ کی ایک روشن پہلو کی جانب اشارہ کرتا چلوں، جس تک شاید کم ہی نگاہوں کی رسائی ہو۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ دنیا سے بے نیازی کے بغیر طریقت کا ایک قدم نہیں اٹھ سکتا، اگر اس کی محبت دلوں میں بیٹھ گئی تو پھر اسے اس راہ سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔ سیدنا سلطان المحققین مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

"تم سمجھ لو کہ دنیا کے تین درجے ہیں: بقدرِ ضرورت کھانے، کپڑے اور سکونت کے واسطے ایک

گھر کی حاجت ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ زینت و آرائش، شان و شکوہ میں داخل ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ جس نے اپنی مختصر سی حاجت پر بسر کی وہ پُرسش عقبیٰ سے آزاد ہو گیا اور جو شان و شوکت کے لیے سرگرداں رہا، اس نے دوزخ میں اپنا گھر بنا لیا"۔ (مکتوبات صدی، ص:۴۶)

حکیم الامت سیدنا امام غزالی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ بے وفا دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور اس کی دوستی تمام مصیبتوں کی بنیاد ہے"۔

(کیمیائے سعادت اردو، ص:۵۵۷)

"اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ جن لوگوں نے دنیا کی بُرائیوں کو پہچان لیا ہے، ان کا طریقہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا طریقہ ایسا ہی تھا، عاقبت اندیش لوگ یہی ہیں۔ اگر تم اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اتنا ہی کرو کہ جس قدر چیز کی ضرورت ہے، اسی پر اکتفا کرو اور دنیاوی نعمتوں اور اس کے عیش و آرام سے احتراز کرو تاکہ بلائے عظیم میں گرفتار نہ ہو جاؤ"۔ (کیمیائے سعادت اردو، ص:۵۵۷)

صدر الشریعہ کی پوری زندگی اسی مختصر سی حاجت اور ضرورت پر اکتفا سے عبارت تھی۔ ایامِ طفولیت سے لے کر شباب کے سرمست و شاداب دور تک اور شباب سے ضعیفی کے لرزتے ہوئے لمحات تک کبھی بھی پُر تکلیف اسباب زندگی کا اہتمام نظر نہیں آتا۔ کھیلنے کودنے کے لمحات حصولِ تعلیم کی مشقت خیزی میں گزرتے ہیں۔ شباب کے زمانے میں دین کی تبلیغ اس کی نشر و اشاعت اور تدریس و تالیف کے صحرا کی آبلہ پائی نظر آتی ہے اور ضعیفی کے لمحات میں آلامِ روزگار کے صدمات سہنے پڑتے ہیں۔

محدث کبیر استاذ الکریم حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ بچپن کے حالات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"تعلیمی دور میں آپ نے علم کی دولت کس قدر مشقت سے حاصل کی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ آپ کی والدہ محترمہ ستو وغیرہ زادِ سفر کی پوٹلی باندھ دیتیں اور آپ اسے لے کر گھوسی سے جونپور تک کا سفر کبھی پیدل اور کبھی تانگہ سے کرتے"۔ (یہ روایت آپ نے گزشتہ عرس امجدی کے اجلاس میں بیان کیں۔ ۱۲ رضوی)

آج کی اس سہل پسند دنیا میں اس قسم کی مشقت خیزی کا تصور بھی کلفت سے کم نہیں، دور شباب کے حالات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وطن سے دور کبھی راجستھان کے ریگزاروں میں خونِ جگر سے دین و سنت کا نخلستاں سجاتے ہیں، کبھی اہل و عیال کی کلفت آمیز مفارقت کا داغ سہتے ہوئے علی گڑھ دادوں میں علم و فن کی بساط بچھاتے ہیں۔ اور کبھی مدتوں مرشد برحق کے تجدیدی کارناموں کو منظر عام پر لانے کے لیے اپنی ساری توانائیاں وقف کر دیتے ہیں۔

علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ سے ان حیرت انگیز مصروفیات کی تفصیل سنیے:

"بریلی شریف میں قیام کے دوران حضرت صدر الشریعہ کی مصروفیات حیرت انگیز حد تک بڑھی

ہوئی تھی۔ تدریس، پریس کی نگرانی، پروف ریڈنگ، پریس مینوں کو ہدایت، پارسلوں کی ترسیل اور فتویٰ نویسی وغیرہ امور تن تنہا انجام دیتے۔ فیض رضا نے دین کے لیے کام کرنے کی وہ اسپرٹ پیدا کردی تھی کہ تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ بعض حضرات کہا کرتے تھے: مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں"۔ (یہ روایت آپ نے گزشتہ عرس امجدی ۱۴۱۵ھ کے اجلاس میں بیان کی۔ رضوی)

اور ان مصروفیات کی حیرت انگیزی اس وقت اور بڑھ جاتی ہے، جب آپ کی عائلی زندگی کی طرف نظر جاتی ہے۔ کثرتِ عیال اور معاشی الجھنوں کے باوجود فکر معاش سے بے نیازی اور دین وسنت کی خدمات میں اس قدر انہماک، یہ رب کریم کی رحمتوں پر کامل اعتماد اور دنیا سے بے نیازی نہیں تو اور کیا ہے؟

معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ جاڑے کے موسم میں مقوی دوائیں دہلی سے لاکر معجون تیار کرتے اور اغنیا کے ہاتھوں فروخت کرتے اور بقیہ دنوں میں بس تنخواہ کی اسی قلیل مقدار پر اکتفا کرتے"۔ (بروایت شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مدظلہ)

جب کہ فن طبابت میں اس قدر مہارت تھی کہ دولت کا انبار لگا سکتے تھے، مگر جس کا مذاق دینی خدمات کی لازوال نعمتوں سے آشنا ہو چکا ہو، وہ اس متاعِ قلیل کی جانب دیکھنا کب گوارہ کرے گا۔ یہ توکل کا وہ اعلیٰ معیار ہے، جو توفیق ایزدی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ آپ کے نزدیک دینی خدمات کس قدر اہمیت کی حامل تھی، اس کا اندازہ آپ کے اس مکتوب سے ہو جاتا ہے، جسے آپ اپنے شاگرد رشید حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد گورداسپوری علیہ الرحمہ کو تحریر کیا تھا۔ یہ مکتوب صحیح معنوں میں آپ کی مصروف زندگی کے داخلی محرکات کا ترجمان ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"بریلی شریف، ہم تمام اہل سنت کے لیے مرکز ہے اور وہ تقریباً کام کرنے والوں سے خالی، وہاں کسی بلکہ کئی اچھے کارکن کی سخت ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ چھوٹے مولانا صاحب (مفتی اعظم) ہرگز تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ پہلے تم گورداسپور میں رہتے تھے اور اب گوجرانوالہ میں رہو گے۔ کچھ بہت زیادہ فرق نہیں، صرف راستہ کی بے امنی ہے، جس کی وجہ سے وہ جگہ دور ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد یہ بات جاتی رہے گی، مسبب الاسباب کوئی سبب پیدا فرمادے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بال بچوں کے پاس رہنا یا قریب رہنا ہر شخص پسند کرتا ہے، مگر دین دار کے لیے خدمت دین اور ضرورتِ دین کا خیال سب سے مقدم ہوتا ہے۔ میں مجبور نہیں کرتا، مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ تم خود کو غور کرو اور جو صورت زیادہ تر دین کے لیے مفید ہو، اسے اختیار کرو"۔

(تذکرہ محدث اعظم پاکستان: ۲/۴۵-۴۴)

دور شباب کے بعد زندگی کے ہنگامے کچھ کم ہو جاتے ہیں اور زندگی کچھ پُرسکون ہو جاتی ہے، مگر حسرتوں کے گرداب میں ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی حیات جب پے در پے حوادثات کے متعدد چٹانوں سے ٹکراتی ہے تو ہمت جواب دے جاتی ہے

اور دنیا سے بالکل بیزار ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ زندگی کی پاکیزہ خواہشات بھی ادھوری رہ جاتی ہے:

"اپنا ارادہ تو یہ تھا کہ اس کتاب (بہارشریعت) کی تکمیل کے بعد اسی نہج پر ایک دوسری کتاب اور بھی لکھی جائے گی جو تصوف وسلوک کے مسائل پر مشتمل ہوگی، جس کا اظہار اس سے پیشتر نہیں کیا گیا تھا۔ ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔ چند سال کے اندر متعدد حوادث پیہم ایسے درپیش ہوئے، جنھوں نے اس قابل بھی مجھے باقی نہیں رکھا کہ بہارشریعت کی تصنیف کو حدِ تکمیل تک پہنچاتا۔

۷؍شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ کو میری ایک جوان لڑکی کا انتقال ہوا اور ۲۵؍ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کو میرا منجھلا لڑکا مولوی محمد یحیٰ کا انتقال ہوا۔ شب دہم رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ کو بڑے لڑکے مولوی حکیم شمس الہدیٰ نے رحلت کی۔ ۲۰؍رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ کا دادوں ضلع علی گڑھ میں انتقال ہوا اور اسی دوران مولوی شمس الہدیٰ مرحوم کی تین جوان لڑکیوں کا اور ان کی اہلیہ کا اور مولوی محمد یحیٰ مرحوم کے ایک لڑکے کا اور مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کی اہلیہ اور بچی کا انتقال ہوا۔ ان پیہم حوادث نے قلب ودماغ پر کافی اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کے سوم کے روز جب کہ فقیر تلاوتِ قرآن مجید کر رہا تھا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا معلوم ہونے لگا اور اس میں برابر ترقی ہوتی رہی اور نظر کی کمزوری اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں"۔ (بہارشریعت: ۱۸/۷)

چار پانچ سال کی قلیل مدت میں گیارہ عزیزوں کی مفارقت کا غم ایک قلب ناتواں کہاں تک سہہ سکتا تھا۔ غموں کے اس کوہِ گراں سے آپ کے اعصاب جواب دے گئے۔ اے کاش! آلامِ روزگار نے آپ کو مہلت دی ہوتی تو آج ہماری نگاہوں کے سامنے شریعت کی بہار کی طرح طریقت کی بہار بھی فکر وعمل کی وادیوں میں ہمارے قلب ونظر کی تسکین کا سامان بن کر موجود ہوتی۔ اور ہم آپ کے احسان وتصوف کے تعلیماتی نظریات سے مکمل طور سے آشنا ہوتے۔ لیکن مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

آپ کے اس اجمالی مطالعۂ حیات سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ دنیا کی رنگینیاں اور اس کی عیش وعشرت کے طرب انگیز اسباب آپ نے کبھی نہیں قبول کیے۔ اور دنیا سے آپ کا رابطہ کفایتی ضروریات ہی تک محدود تھا اور بس۔ میرا خیال ہے کہ کسی حد تک صدر الشریعہ قدس سرہ کے باطن کے اس پاکیزہ سفر کی روداد مکمل ہو چکی۔ اس کے سہارے منزل تک آپ کی رسائی اور سرمدی اعزازات واکرامات سے سرفرازی کے حالات کا اندازہ اربابِ بصیرت خود ہی لگا سکتے ہیں۔ مزید تسکین کے لیے ایک عارف کامل کی یہ سند کافی ہے:

"بزرگانِ راہ رفتہ کا قول ہے کہ بندہ کے اصل حجاب چار ہیں: (۱) دنیا (۲) خلق (۳) شیطان (۴) نفس۔

دنیا حجابِ آخرت، خلق حجابِ عبادت، شیطان حجابِ دین، نفس حجابِ خدائے عزوجل ہے۔ جب مرید زہد وعبادت پر کمربستہ ہوا، حجاب

دنیا سے باہر نکلا۔ جب گوشہ نشینی اختیار کی، حجاب خلق سے دور ہوا۔ جب اتباع سنت پر فدا ہونے لگا، حجاب شیطان سے اس کو رہائی۔ جب مجاہدۂ نفس میں اس نے قدم رکھا اور تابعداری نفس سے منہ موڑ لیا، حجاب نفس کو چیر کر باہر نکل آیا۔ پھر کیا کہنا، کشف در کشف، مشادہ در مشاہدہ ہے اور اس میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ آناً فاناً اپنے کو صحرائے شوق اور عرصۂ محبت میں پڑا پاتا ہے۔ پھر وہاں سے ریاضِ رضواں اور بزم گاہ انس میں پہنچ جاتا ہے۔ پہنچتے ہی انعام و اکرام، منعم ومکرم خداوند تعالیٰ سے پاتا ہے اور اس وقت یہ حال ہو جاتا ہے کہ جسم تو دنیا میں ہے، لیکن دل عقبیٰ میں ہے"۔ (مکتوباتِ صدی، ص:۲۶۱)

زہد واتقا سے سرسبز وشاداب زندگی کے لمحات آپ سے دنیا کے حجابات اٹھائے دے رہے ہیں۔ تدریس وتصنیف اور نشر واشاعت کے محدود دائرۂ خلق کے ہجوم کو قریب آنے نہیں دیتے۔ حلقۂ ارادت بھی محدود تھا، بہت مشکل سے کسی کو نسبت ارادت سے سرفراز کرتے۔ اسوۂ سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاکیزہ عکس لیے ہوئے نفس کی ظلمتوں سے آزاد، حسن عمل کی تجلیات سے نفس وشیطان کی ظلمتوں کو الجھنے کی ہمت کہاں؟ اسی روحانی کمال اور سلوکی ارتقا کے نمایاں اثرات تھے کہ بعد وصال صدر الشریعہ قدس سرہ کی یہ کرامت گھوسی اور قریب کے بے شمار لوگوں نے دیکھی کہ برسات کے سبب قبر مبارک کا ایک حصہ کھل گیا تو جس باغ میں مدفون ہیں، وہ پورا باغ خوشبو سے معطر ہو گیا۔

محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ بیان کرتے ہیں:

"جو خوشبو یہاں سونگھنے میں آئی وہ دنیا کے کسی عطر وگلاب میں نہ ملی۔ باغ کی خوشبو موافق مخالف سب نے محسوس کی، بلکہ ایک مخالف نے یہ برملا کہا "مولوی امجد علی مرنے کے بعد بھی اپنی کرامت ظاہر کرنے سے باز نہ آئے"۔ (اسلامی اخلاق وآداب، ص:۳۲۳)

حتی کہ آپ کے آستانہ کی مقدس خاک بھی اوروں کے واسطے اکسیر شفا ثابت ہوئی۔ استاذ المعظم حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی نے یہ روایت گزشتہ عرس امجدی ۱۴۱۵ھ کے اجلاس میں بیان فرمائی، جس میں راقم موجود تھا۔

گھوسی کے مولانا فخر الدین کے والد محترم نظام الدین صاحب کے گردے میں پتھری ہو گئی تھی، انھوں نے ہر طرح کا علاج کیا لیکن کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا، بالآخر صدر الشریعہ قدس سرہ کے قبر انور کی مٹی استعمال کی، جس سے ان کے گردے کی پتھری کا مرض تین دن میں دور ہو گیا۔

بالآخر علوم وفنون کا یہ نیر تاباں اور کردار وعمل کا ماہِ کامل، روحانی تجلیات کے جہانِ لطیف کا سفر کرکے بحر عرب کی گود میں روپوش ہوتا ہوا آفتابِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حظیرۂ قدس میں حاضر ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کس قدر پُر کیف تھی پوری کتابِ زندگی فکر
پاکیزہ شگفتہ قلب سنجیدہ نظر
ارتقائے روح بڑھتی ہی گئی سوئے ہدف
ابتدا بھی ایک سفر تھی انتہا بھی ایک سفر

☆☆☆

صدر الشریعہ اور درس و تدریس

علامہ بدرالقادری مصباحی
اسلامک اکیڈمی دی ہیگ (ہالینڈ)

کاروبارِ تدریس کی تقدیس و طہارت پر ڈاکٹر اقبال کی زبان سے جب یہ ریمارک سننے میں آیا:۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

تو ذہن میں خیال گزرا کہ مدارس و مدرسین نظامِ عالم میں قانونِ رحمت کی عطر بیزیاں گھولنے کا ذریعہ ہیں، نہ کہ انسان کی فطری صلاحیتوں کا خون کرنے والے۔ گویا اقبال کا اشارہ مدارسِ اسلامیہ کی روحانی طہارت کو بدنام کرنے والے لوگوں کی طرف ہے، معاً نگاہ تاریخ اسلامیانِ ہند کی اس صفحہ پر ٹک گئی، جب اورنگ زیب عالمگیر جیسے باجبروت شہنشاہ کا ایک قاصد امیٹھی جیسی غیر معروف بستی میں ایک خرقہ پوش درویش صفت عالم کے دروازہ پر باادب کھڑا ہے۔

کون ہے یہ؟

عالم ربانی ملا احمد جیون علیہ الرحمہ کے پاس شاہ جہاں آباد دہلی سے بادشاہ کا مکتوب لے کر آنے والا قاصد، عالم ربانی نے شاہی لفافہ چاک کیا اور فرمانروائے ہند کا مکتوب پڑھنے لگے، جس میں بادشاہ نے نہایت منت و سماجت سے ان کو طلب کیا تھا اور سواری کے لیے خاص اپنا گھوڑا بھیجا تھا، پورا خط پڑھنے کے بعد آپ کی زبان سے ایک جملہ برآمد ہوا ”کاش کہ اورنگ زیب کو معلوم ہوتا کہ میں بھی اس سے کچھ کم مصروف نہیں“۔

اس کے بعد اورنگ زیب کو جو جواب تحریر فرمایا، اس کا یہ فقرہ بھی لائق توجہ ہے ”تم جانتے ہو یہاں تشنگانِ علوم دینیہ اس نیاز مند سے رشتہ جوڑے پڑے ہیں، ان پر علم کا دروازہ کیسے بند کردوں“۔

جملہ کی گہرائی اور معنی خیزی پر توجہ دیجیے تو مدارس کی فضاؤں میں مرتب ہونے والا تدریس و تعلیم کا رنگ و آہنگ مملکت و سلطنت پر فائق نظر آرہا ہے۔ ٹوٹی چٹائیوں پر بیٹھے ہیں، مگر تخت طاؤس ان کی قدم بوسی کو بے قرار ہے۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق رائیں قوم
شہانِ بے کلہ وخسروانِ بے کمر اند

انھیں شاہانِ مملکت علم وادراک میں چودھویں صدی کے نصف اوسط میں مسند تدریس سے علوم نبویہ کی تقسیم فرمانے والے عظیم عالم ربانی حضرت صدر الشریعہ فقیہ اعظم علیہ الرحمہ بھی ہیں، جن کی تدریسی سرگرمیوں نے ہندوستان میں حافظ ملت بانی الجامعۃ الاشرفیہ اور پاکستان میں محدث پاکستان مولانا سردار احمد گورداس پوری جیسے اشخاص کے ذریعہ علم و شعور کی خنک روشنی عطا کردی۔ حضرت صدر الشریعہ فقیہ اعظم مصنف بہارشریعت کی تدریسی

خدمات پر روشنی ڈالنا ان کی بارگاہ سے بلا واسطہ خوشہ چینی کرنے والے کسی عالم جلیل ہی کا کام ہے۔ ہاں میں زیادہ سے زیادہ نزدیک و دور بکھرے ہوئے جلوہ زار علم کی کچھ کرنوں کو سمیٹ سکتا ہوں۔

ہم سے جمالِ یار کی تابندگی نہ پوچھ
ہم تو بتانے والوں پہ قربان ہوگئے

حضرت صدرالشریعہ میدانِ تدریس کے شہ سوار تھے۔ میدان کے کسی رُخ سے بھی جن کے علمی پیکار کی خوبیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ تدریسی سلسلہ میں حضرت کی چند نمایاں خصوصیات پر ان کے جن تلامذہ نے جو کچھ لکھا ہے، مختصراً حاضر خدمت ہے:

''آپ حدیث، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ، معانی، بیان، بدیع، فلسفہ، منطق، نحو، صرف، حساب، ہیأت، ریاضی، ہندسہ، اصولِ حدیث، طب، تاریخ اور جملہ مروجہ علوم وفنون پر یکساں نہ صرف عبور رکھتے تھے، بلکہ طلبہ کو گھول کر پلانا بھی جانتے تھے''۔

اندازِ تدریس ایسا فطری بتایا جاتا ہے کہ پہلے طالب علم سے عبارت پڑھواتے، اسی سے ترجمہ کراتے، عبارت وترجمہ کی درستگی کے بعد تشریحی وتوضیحی تقریر فرماتے۔ تقریر اتنی جامع اور مانع ہوتی کہ وارد ہونے والے اعتراضات خود ہی دفع ہوجاتے اور کبھی اونچی اونچی کتب قاضی مبارک، امور عامہ، میر زاہد خیالی، شمس بازغہ وغیرہ میں تقریر درس کے بعد خود ہی اہم مقامات پر محاکمہ بھی فرماتے۔ تقریر کا انداز ایسا دل پذیر ہوتا کہ ذہن پر مرتسم ہوجاتا۔

ترجمہ کرنے میں بعض الفاظ سے چڑھ تھی، مثلاً فی کا ترجمہ بیچ اور اندر کرنے سے فرماتے کہ اندر اسم ہے اور فی حرف ہے، حرف کا ترجمہ حرف سے اور اسم کا اسم سے ہونا چاہیے۔ ترجمہ کرنے میں اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ اردو زبان وادب کا حسن زائل نہ ہونے پائے۔

میدانِ درس وتدریس میں ایک مرحلہ مدرسین کی لیاقتوں کی باہمی تصادم اور معاصرانہ چشمک کا بھی آتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔ اس دور کے بعض علما امتحان کے موقع پر حضرت کے شاگردوں سے غبار خاطر کا اظہار کردیتے۔ چنانچہ دادوں کے ایک امتحان کے دوران جناب مولانا خلیل صاحب سے ایک ممتحن خارج از کتاب سوال کرنے لگے اور انھوں نے صدرالشریعہ کی شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ یہ سوال میری کتاب سے بلند ہے جواب دے دیا۔

صدرالشریعہ خود اپنے تلامذہ کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے۔ اس امتحان کی رپورٹ ملی تو فرمایا: ''میرا خلیل انھیں درس دینے کی صلاحیت رکھتا ہے''۔

تصنیف وتالیف کی اہمیت ہر زمانے میں مسلم، مگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ ایک مصنف اپنی تصنیف سے مطالعہ کرنے والوں کو تو ضرور مستفید کرسکتا ہے، مگر علومِ اسلامیہ کے تمام ماہرین اسی جانب متوجہ ہوجاتے تو بعد کے دور کو علما کہاں سے میسر آتے؟۔

آپ کا دور اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی دھوم دھام کا

دور تھا۔ فقیہ اعظم اگر اسی جانب متوجہ ہو جاتے تو ایک عظیم پیمانہ کا دارالمصنفین قائم کر سکتے تھے یا خود اپنے زور قلم سے تصنیفات کا ایک انبار چھوڑ سکتے تھے، عہد ساز ضرورتوں کے پیش نظر فقہ حنفی کی عظیم کتاب شرح معانی الآثار جلد اول نصف پر حاشیہ محض سات ماہ کی قلیل مدت میں تحریر فرمانے والے قلم کار کے لیے کچھ دشوار نہ تھا، مگر ان کی دور بیں نگاہوں نے اس طرف کوئی خاص شغف نہ رکھا۔ چوں کہ ان کا مقصود یہ تھا کہ میں کیوں نہ درس گاہ کی چٹائی پر بیٹھ کر فیضانِ نظر سے ایسے دیوانے پیدا کروں، جو نظامِ مصطفیٰ کے قیام واستحکام کا ستون بنیں۔

مجھے کہنے دیجیے کہ صدرالشریعہ کی نگاہ مستقبل کے ہندوپاک پر تھی، جب ان کی بارگاہ کے خوشہ چینیوں سے بساطِ علم وتہذیب کی لالہ کاری ہونے والی تھی، صدرالشریعہ کی تدریس نہ ہوتی تو حافظ ملت کہاں سے پیدا ہوتے، محدث پاکستان کا وجود کہاں سے ہوتا؟ دنیا شیخ العلما کو کہاں سے پاتی اور کہاں ہوتے علامہ ازہری اور مولانا وقارالدین جیسے علما۔

مذکورہ مدرسانہ کمالات میرے نزدیک ہرگز لائق اعتنا نہ ہوتے، اگر اس عظیم شخصیت میں فیضانِ نظر کی صفت نہ پائی جاتی۔ اللہ اللہ! کیا نظر تھی، جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا۔

تدریسی اور تعلیمی مہارت وکمالات اپنی جگہ، اس کا تو یہ عالم ہے کہ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی جیسا دوراندیش زمانہ میں ان الفاظ میں اعتراف کر رہا ہے:

''میرا جو ذاتی تجربہ ہے، وہ یہ کہ جس کو مدرس کہتے ہیں وہ ہندوستان میں چار پانچ سے زائد نہیں، ان چار پانچ میں سے ایک مولوی امجد علی صاحب ہیں''۔ (روداد مدرسہ سعیدیہ دادوں، بابت: ۱۳۵۷ھ۔ ۱۳۵۸ھ)

جب اخلاص مندسنیوں پر علم نبوی کا پرتو پڑتا ہے تو ایک تنہا انسان خدمات اور کارناموں کی پوری انجمن پر بھاری ہو جاتا ہے، پھر اس کا ہر اقدام کس پوشیدہ قوت کے مقناطیسی اشاروں پر متحرک ہوتا ہے، ایسے لوگ ہی جب مسند تدریس پر جلوہ آرا ہوتے ہیں تو درس گاہوں سے فکر غزالی اور شعورِ رازی کا انعکاس ہوتا ہے۔ یہ سب نتیجہ ہے اس اضطراب دروں کا جو علوم اسلامیہ کے مدرسین کا طرۂ امتیاز ہے۔

نہ عیش کوشی وسروت نہ حب جاہ وحشم
جو اضطراب نہ دیکھے وہ زندگی کیا ہے

ایسی زندگیاں ہی عہدوں اور قرنوں کی زندگی کی ضمانت ہوتی ہیں، یقیناً فقیہ اعظم ایک عہد کے مسیحا اور ایک دور کے مؤسس ہیں۔ فعال، متحرک اور حیات بخش۔

عشق کی رہ میں فنا ہوگیا دیوانہ تھا
روش کش مکش دہر سے بے گانہ تھا
ہند کی خاک کا بے مثل فقیہ اعظم
شمع محراب رسالت کا یہ پروانہ تھا

☆☆☆

صدر الشریعہ
ایک بلند پایہ شخصیت

علامہ احمد میاں برکاتی کراچی

کرۂ ارض کے ماتھے پر ہر روز سینکڑوں انسان جنم لیتے ہیں اور سینکڑوں فنا کا جام پی کر موت کی وادی میں گم ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان میں ہی بعض ایسے ہوتے ہیں، جو اپنی شبانہ روز محنت اور ملی دینی خدمات کی وجہ سے اپنا نام رہتی دنیا تک چھوڑ جاتے ہیں۔ تاریخ کے اوراق اس قسم کی عظیم شخصیات سے بھرے پڑے ہیں۔

آیئے ذرا ماضی قریب کے جھروکوں میں دیکھیں تو ان پاک ہستیوں میں سے ایک ہستی مولانا امجد علی کی نظر آتی ہے۔

آپ کا مقام مقتدر علما اور دنیائے اسلام میں بہت بلند و بالا ہے۔ علوم وفنون میں مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے استاذ ہیں، جب کہ علم حدیث آپ نے بلا واسطہ مولانا وصی احمد محدث سورتی سے سیکھا، جو اپنے وقت کے بلند پایہ محدث تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ فن حکمت کی تکمیل کے بعد ایک سال تک گھر پر حکمت کا کام کیا۔ آپ کی پیدائش قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔

صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ اس صدی کے مجدد مولانا شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے دست راست تھے۔ تقریباً اٹھارہ سال تک آپ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ ذکر و اشغال اور تکمیل مدارج سلوک میں گزارے اور اسی دوران آپ نے اہل اسلام کے لیے معرکۃ الآرا خدمات انجام دیں، جنھیں بلا شبہ عظیم کارنامے کہا جاسکتا ہے۔ ان میں پہلا اہم کام یہ ہوا کہ آپ ہی کی کوششوں سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قرآن کریم کا سلیس اردو میں ترجمہ فرمایا۔ ہوا یوں کہ صدر الشریعہ اعلیٰ حضرت سے کئی بار ترجمہ کے لیے عرض کر چکے تھے، لیکن کام کی مصروفیات اس جانب توجہ سے مانع تھیں۔ بالآخر ایک روز مولانا خود ہی قلم دوات اور کاغذ لے کر حاضر ہو گئے اور ترجمہ لکھنا شروع کر دیا۔ اعلیٰ حضرت ایک رکوع کا ترجمہ فرماتے، پھر مولانا اور دیگر احباب موجودہ تفاسیر سے ان کا مقابلہ کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا تمام تفاسیر کا خلاصہ اس ترجمہ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ آج اردو کے موجودہ ترجمہ میں کوئی ترجمہ بھی اس کے ہم پلہ نہیں۔

آپ کا دوسرا کارنامہ فقہ حنفی کا وہ ضخیم انسائیکلوپیڈیا ہے، جو "بہار شریعت" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب سترہ حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کام کا آغاز ۱۳۳۴ھ میں کیا گیا اور آخر عمر تک جاری رہا، یہی وجہ ہے کہ اس کی تکمیل کے لیے ابھی اور چند حصوں کی ضرورت ہے۔ کراچی میں بہار شریعت کے اٹھارہویں حصے کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ یہ کام آپ کے وہ تلامذہ انجام دے رہے ہیں، جنھیں آپ نے بہار شریعت کے سترہویں حصہ میں تکمیل وصیت فرمائی تھی۔ اس کام میں بالخصوص آپ کے تلمیذ ارشد حضرت علامہ مفتی وقار الدین صاحب مدظلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بہار شریعت کی بڑی خصوصیت یہ ہے جو عام کتب فقہ اردو عربی اور فارسی میں نہیں ہے کہ "بہار شریعت" میں مسائل کو قرآن کی آیتوں سے ظاہر کیا گیا ہے، پھر احادیث مبارکہ سے اس کی تاکید و تفصیل کی گئی ہے۔ اس کے بعد کتب فقہ سے اس کے مسائل اور مثالیں اور جزئیات کے ذخائر جمع کیے گئے ہیں۔

مسائل اس انداز سے جمع کیے گئے ہیں کہ شاید کوئی ضروری مسئلہ ہو جس کی ایک عالم کو تلاش ہو اور اس میں نہ ملے۔ ہر مسئلہ کے ساتھ فقہ کی بڑی کتاب کا حوالہ ضرور موجود ہے۔

آپ کی دوسری تصنیف ''فتاویٰ امجدی'' ہے، یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے، اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے۔[1] اس میں وہ فتاویٰ جمع ہیں جو ہندوستان کے مختلف گوشوں سے آپ کے پاس آتے تھے۔ نقل فتاویٰ کا کام حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ تھا۔

تیسری بڑی تصنیف اور عظیم کارنامہ حدیث کی مشہور کتاب ''شرح معانی الآثار'' کا حاشیہ ہے، جو عربی میں ہے۔ ۱۳۶۲ھ میں اس کا کام تقریباً سات ماہ کر سکے، جلد اول کا نصف محشیٰ ہو چکا ہے، جس کے صفحات کی تعداد باریک قلم سے ۴۵۰ رہے اور ہر صفحہ ۳۵ رسطروں پر مشتمل ہے۔ اس سے حضرت مولانا مرحوم کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

اجمیر شریف میں دار العلوم معینیہ میں آپ صدر مدرس رہے۔ یہ غالباً ۱۹۲۴ء کی بات ہے، جب فاضل بریلوی کا وصال ہو چکا تھا، اسطرح اجمیر شریف، بریلی شریف اور دادوں کی مرکزی درس گاہوں سے آپ نے برسوں علم وفضل کے خزانے تقسیم کیے۔

آپ کا اندازِ بیان اور طریقۂ درس بھی بہت مدلل پُر لطف اور دلچسپ ہوتا تھا۔ مختلف شہروں اور قصبوں میں تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے، مناظروں میں بھی تشریف لے جاتے تھے۔ اپنے وقت کے قطب اور غزالی دوراں تھے۔ آپ کے درس میں ہندی، سندھی، پنجابی، مدراسی، بلخی، بخاری، سمرقندی، افغانی، ترکی، افریقی، ایرانی غرض یہ کہ تقریباً ہر علاقہ کے طلبہ نے حاضر ہو کر استفادہ کیا اور اس وقت دنیا کے ہر علاقہ میں آپ کے تلامذہ کا شمار ممتاز علما، مفتی اور محققین میں ہوتا ہے۔

آپ کے جذبۂ دینی وذوقِ علمی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنی تمام اولاد کو علم دین سے بہرہ ور فرمایا اور نرینہ اولاد کے علاوہ اپنی صاحبزادیوں کو بھی علم دین پڑھایا۔ چنانچہ ایک صاحبزادی کو مشکوٰۃ وتفسیر جلالین تک پڑھایا تھا، فرماتے تھے: اگر زندگی رہی تو میں اس کو بخاری ومسلم تک ضرور پڑھاؤں گا، لیکن تفسیر جلالین پڑھانے کے زمانے میں ہی آپ کا وصال ہو گیا، پاکستان میں آپ کے صاحبزادوں میں قاری رضاء المصطفیٰ بھی ہیں۔

آپ کے وصال کا واقعہ بھی بہت عجیب ہے، جب آپ کو واقعات کے ہجوم سے فرصت ملی اور تدریس میں جب عشق رسالت نے انگیخت کی اور غلبۂ شوق بڑھا تو پہلی بار حجاز مقدس کا مبارک سفر فرمایا، بارگاہِ نبوی میں حاضری نصیب ہوئی، سعادتوں کے خزانے سمیٹ کر ہند لوٹ آئے۔ دوسرے سفر کے انتظار میں ایک ایک دن گن گن کر کٹے دوبارہ ارادہ فرمایا، تاریخ معین ہوگئی، ۲۰ رشوال ۱۳۶۷ھ کو سفر کا آغاز فرمایا، کسی کو خبر نہ تھی کہ اپنے وطن میں دنیائے اسلام کے اس فقیہ اعظم کی یہ آخری رات ہے۔ رات کو عالمانہ تقریر فرمائی اور کہا: میں نے سب کو معاف کر دیا، خدا معاف کرے، آپ میں سے کسی کے حقوق مجھ پر ہوں تو آپ معاف فرمائیں۔ یہ سن کر لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ ٹرین میں سوار ہوئے، راستے میں شدت سے بخار ہو گیا، لوگوں نے عرض کی: سفر ملتوی فرما دیں، فرمایا: میں اگر اسی حال میں راہِ حبیب میں جان دے دوں تو اس سے زیادہ سعادت کون سی ہوگی؟ بمبئی پہنچے، دوشنبہ کی رات کو حالت بگڑنا شروع ہوئی اور مورخہ ۲ ر ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ اہل سنت کا یہ دمکتا سورج ہمیشہ کے لیے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

---

(۱) دو جلدیں چھپ چکی ہیں۔

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں

حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب کی وجاہت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک نظر دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے۔ مزاج بہت سادہ تھا، نشست علاحدہ ہوتی تھی، گفتگو میں ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی، آپ کی ڈانٹ میں بھی پیار ہوتا تھا۔ کبھی تو ایسا ہوتا کہ شاگرد خود ایسی حرکتیں کرتے کہ جس سے ان کو ڈانٹ پڑے۔

ایک مرتبہ مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی دامت برکاتہم العالیہ کو حرکت سوجھی، یہ سفر میں حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ آپ کو ایک انتظار گاہ میں لے گئے اور وہاں جا کر بٹھا دیا، شرارت کا موڈ تھا پوچھا کہ "اباجی" آپ کے تمام شاگرد آپ کو اباجی کے نام سے پکارتے تھے، اسی طرح آپ کے صاحبزادے علامہ عبد المصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے تلامذہ "بابا" کہہ کر پکارتے تھے۔

ناشتہ دان میں کچھ ہے؟ فرمایا: دیکھ لو۔ انھوں نے دیکھا اور چٹ کر گئے۔ آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ یہ ڈانٹ کھانے کے موڈ میں تھے، چنانچہ نہ رہا گیا اور پھر سوال کیا: اباجی! اگر کوئی مسافر ہو اور نماز کے وقت میں گنجائش بھی ہو پھر وہ سنتیں نہ پڑھے؟ فرمایا: کہ وقت ہے تو سنتیں پڑھ لے۔ انھوں نے اس وقت تک مغرب کی نماز نہ پڑھی تھی اور وقت ختم ہونے میں پچیس منٹ باقی تھے۔ پھر پوچھا کہ اگر سنتیں نہ پڑھے؟ آپ نے وہی جواب دیا۔ انھوں نے پھر وہی سوال کیا تو آپ نے ڈانٹ کر فرمایا: ابے پڑھے گا کیوں نہیں؟ ان کا مقصد ڈانٹ کھانا تھا، حل ہو گیا۔ چنانچہ آپ خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ ناگ پور کے جلسہ میں تشریف لے گئے، وہاں حضرت محمد محدث صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ رات کو مدرسہ میں قیام کیا، صبح حضرت صدر الشریعہ کی ملاقات محدث صاحب سے ہوئی، پوچھا کہ حضرت! رات کیسی گزری؟ محدث صاحب یوں گویا ہوئے کہ مولانا! میرے بغل کے کمرے میں رات کو تصوف کا دنبہ ذبح ہو رہا تھا، اس وجہ سے رات بے کیفی میں گزری۔ برابر کے کمرے میں دراصل علامہ ارشد القادری رات کو نعت پڑھ رہے تھے۔

مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صدی کے زبردست عالم تھے، بزرگ تھے۔ آج کل تو لوگوں کا ذوق بالکل ہی بدل گیا ہے، اچھائی اور بُرائی کے معیار کی کچھ تمیز نہیں رہی ہے۔ آج بزرگی کا معیار یہ رہ گیا ہے کہ یا تو وہ بزرگ ننگا ہو، مجذوب ہو، کپڑے پھٹے ہوں، رال بہہ رہی ہو تو اس کو بزرگ کہیں گے، یا وہ بڑے بیش قیمت لباس پہنے ہوئے ہو، عمامہ جبہ زیب تن کیے ہوئے ہو، علم و عمل کو آج کوئی بزرگی کا معیار قرار نہیں دیتا، جو کہ زیادتی ہے۔ ایک بہروپیے سے عالمگیر بادشاہ کے تحفے محض اس لیے قبول نہیں کیے گئے کہ پوشاک بدنام ہو جائے گی تو بادشاہ نے تحفہ میں دو گاؤں دیے۔

حضرت صدر الشریعہ عملی طور پر شدت کے ساتھ شریعت کے پابند تھے۔ اتباع اور پیروی جیسی لوگوں نے آپ میں دیکھی، وہ ناقابل مثال ہے۔ کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے، ہمیشہ حق ارشاد فرماتے تھے، کسی کی بزرگی کا آسان طریقہ سے اندازہ کثرتِ اجر سے لگایا جا سکتا ہے۔ جس طرح ایک مالی چند بیج ڈال کر پودے لگاتا ہے اور وہ کچھ عرصہ بعد تناور درخت بن جاتے ہیں اور جو اس کے سایہ میں بیٹھتا ہے، وہ درخت لگانے والے کو دعا دیتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کے بے شمار تلامذہ آج پاک و ہند کے علاوہ دیگر ملکوں میں بھی خوب پھیلے ہوئے ہیں اور اسی طرح تلامذہ کے تلامذہ۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
ایک زندۂ جاوید شخصیت

علامہ ایوب صابر القادری مصباحی
سہرسہ بہار

بلند حوصلگی، اولوالعزمی، جہد مسلسل، عمل پیہم، ایمان محکم کی زندہ جاوید شخصیت صدر الشریعہ بدر الطریقہ الحاج حضرت علامہ حکیم محمد امجد علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے جلیل القدر، خدا ترس بزرگ اور دین دار، علامۂ روزگار و عابد شب بے دار، شیخ طریقت باوقار اور بہت بڑے متقی و پرہیز گار تھے۔ ترویج سنت و تشکیل ملت اور استحکام اسلام کے لیے جو نمایاں خدمات آپ نے انجام دی ہیں، وہ تاریخ عالم کے اوراق میں آب زر سے ثبت کرنے کے لائق اور قابل صد تحسین ہیں۔

آپ کی تصنیفات میں بہار شریعت ہر پڑھے لکھے فرد کے لیے گراں مایہ سرمایہ اور بیش بہا عطیہ ہے، جس میں نہ صرف توحید و رسالت کے بنیادی عقائد کو ان کی افہام و تفہیم کے لیے نرالے انداز اور نہایت دل کش و موثر طور پر عام فہم زبان میں پیش کیے گئے ہیں، بلکہ وہ تمام تر مسائل انتہائی عالمانہ بصیرت سے مندرج کر دیے گئے ہیں، جو زندگی کے تمام شعبوں میں روز و شب کام آنے والے ہیں۔ میرا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہے کہ کم سے کم تر علم رکھنے والے لوگ بھی جو اس سے استفادہ کرتے ہیں، انھیں اکثر و بیشتر مسائل علمائے کرام وفقہائے عظام سے دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔

سترہ حصوں پر مشتمل بہار شریعت میں احکام ربانی، احادیث نبوی اور اقوالِ ائمہ کے بیش بہا خزانے اس طرزِ نگارش سے بھر دیے گئے ہیں کہ بے ساختہ قاری پکار اٹھتا ہے: مبارک باد! اے صدر الشریعہ! آپ نے سمندر کو کوزے میں بند کر ڈالا ہے۔ خداوند قدوس آپ کی اس مساعی جمیلہ کو اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں قبول فرمائے۔ آمین۔

اس کتاب کے مستند اور ثقہ ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ بڑے بڑے علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین سند میں اس کتاب کا حوالہ پیش فرماتے ہیں۔ اپنوں کا تو تذکرہ کیا، غیر بھی اس سے استفادہ کر کے مصنف علیہ الرحمہ کے ممنون احسان ہیں۔ گویا بہار شریعت علوم دینیہ واحکام شرعیہ کا گنجینہ ہے، جس سے اس بات کی غمازی ہوتی ہے کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علومِ دینیہ میں بے حد عبور اور فقہی مسائل میں بے اندازہ دسترس حاصل تھی۔

آپ خدا ترسی و سادگی، عجز وانکساری اور شفقت و رافت، خلوص ومحبت کے مجسمہ پیکر تھے۔ حق بات قبول فرمانے میں ذرا بھی آپ کو کسر شان کا احساس نہ ہوتا تھا۔ بزرگوں کی ہدایت ونصیحت آپ کے لیے قابل احترام ونقش کالحجر ہوتی

تھیں۔ آپ یقیناً خدا ترس، عالم باعمل اور دین دار بزرگ تھے۔ آپ نے اپنے کچھ واقعات بیان فرمائے ہیں، جن سے آپ کی خدا ترسی، قبولیت حق و بلند حوصلگی خوب خوب نمایاں ہوتی ہے۔ ناظرین کے ذوق کی تسکین کے لیے چند واقعات درج کیے جا رہے ہیں:

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجددِ دوراں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ علیل تھے، میں عیادت کو گیا، حسب محاورہ پوچھا: حضور! اب شکایت کا کیا حال ہے؟ فرمایا: شکایت کس سے ہو؟ اللہ سے نہ تو شکایت پہلے تھی اور نہ اب ہے، بندہ کو خدا سے کیسی شکایت؟ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی بھر کے لیے اس محاورہ سے توبہ کرلیا۔

دوسرا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ لوگ اکثر بولا کرتے ہیں "فلاں چیز کافی ہے" جیسے چائے میں شکر ہے؟ جی ہاں! کافی ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت کی بزم میں کسی نے ایسے الفاظ استعمال کیے تو ٹوکتے تو نہیں مگر تنبیہ ضرور فرماتے، اس لیے لفظ کافی اسمائے الٰہی میں سے ہے، اس لیے اس کا استعمال مناسب نہیں ہے۔ گویا آپ کا اس پر بھی احتیاطی عمل تھا۔ ممکن ہے کہ آپ کے معاندین ومخالفین باطنی بغض وحسد سے آپ کی ان باتوں کو تصنع پر محمول کریں، لیکن جس مکتبۂ فکر سے دنیا کو تزکیۂ قلب وراست گوئی کا سبق ملا، وہاں تصنع کا گزر کہاں۔

آپ مسلک امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بے غرض امین ووارث تھے اور حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے لائق وفائق جانشین اور حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید تھے۔

اگر مجددِ دوراں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں تو حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی بھی شخصیت ایسی نہیں کہ قلم کار حضرات نظر انداز کرسکیں۔ آپ حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگردِ رشید اور حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری علیہ الرحمہ کے استاذ اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ مغلیہ دور کے آخری تاج دار بہادر شاہ ظفر دہلوی کے عالی شان دربار میں مسند قاضی القضاۃ پر فائز ورونق افروز تھے۔ شاہ کے خاص مشیر کار و دست راست تھے۔ آزادیٔ ہند کے علم بردار او مرد غازی اور بے باک مجاہد تھے۔ آپ کی عمر رواں کے آخری حصے میں جب مغلیہ حکومت کا زوال اور انگریزی تسلط واقتدار کا ظہور ہوا تو آپ نے جابر وظالم انگریز حکمراں کے خلاف ببانگ دہل مجاہدانہ اقدام فرمایا اور انگریزی تسلط واقتدار اور اس کے اثر ورسوخ کے استیصال کے لیے سعی بلیغ کی اور مجاہدہ شاقہ کی زحمت گوارہ فرمائی۔ یہاں تک کہ جزیرۂ انڈمان میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد فرمائی۔ لیکن نصاریٰ کی طاغوتی حکومت کو تسلیم نہ فرمایا۔ جابر وظالم انگریز جرنیلوں کے ظلم وتشدد، شقاوت وبربریت کا نشانہ بنتے رہے، لیکن ظالم حکمراں سے رحم وکرم کی بھیک نہ مانگی، انگریزوں کے متاعِ قلیل پر نہ بکے، اس کی دولت وثروت سے مرعوب نہ ہوئے، دنیاوی جاہ وحشمت کے لیے ضمیر فروشی نہ کی، بلکہ اپنی جان دے کر دنیا کو حصولِ بقا ودوام کا درس دیا اور خود مسرتِ جاودانی وآسائش دوانی حاصل کر کے

دنیا والوں کے لیے اَنمٹ یادگار اور اہم نقش و نگار چھوڑے جو دنیا والوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ یوں آپ کا نام زندہ اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے

اسی بے باک، مردِ مجاہد، عارف باللہ کے شاگردِ رشید حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری قدس سرہ جیسی معزز و باکمال ہستی سے صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا حکیم محمد امجد علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحصیل علومِ دینیہ وفنونِ عقلیہ فرمائی۔ آپ کی ذہانت وخداداد صلاحیت کو دیکھ کر آپ کے استاذِ محترم علیہ الرحمہ ارشاد فرمایا کرتے کہ ''شاگرد ملا تو ایک وہ بھی پیرانہ سالی میں'' اور اپنی خاص الخاص توجہات آپ کی تعلیم وتربیت میں مرکوز ومبذول فرمایا۔ آپ نے بھی شفیق استاذ کی خاص توجہ وشفقت دیکھی تو بے اندازہ محنت ومشقت کے ساتھ حصولِ تعلیم میں منہمک ہوئے اور اپنی انفرادی حیثیت حاصل کرلی۔ غرض یہ کہ مہربان استاذ سے علومِ دینیہ وفنونِ عقلیہ کی تکمیل فرما کر علومِ دینیہ کے درخشاں آفتاب ہوئے، ذروں کو چمکایا۔ اور فنونِ عقلیہ کے تابندہ ماہتاب ہوئے، شعور واحساسات سے نا آشنا افراد کو احساس وشعور کی راہ پر گامزن فرمایا۔

آپ کے علمی کارناموں، دینی وملی خدمات، زہد وتقویٰ کے واقعات اور تدریسی خصوصیات الگ الگ ضبط تحریر میں لائی جائیں تو تقریباً دو سو صفحات منقوش ہو جائیں۔ تاہم ناظرین کی تواضع طبع کے لیے اجمالی طور پر قلم بند کر رہا ہوں۔

آپ نے کچھ دنوں مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت عالیہ میں رہ کر اکتسابِ فیض فرمایا اور فن حدیث میں کافی عبور حاصل کرلیا۔ جب محدث سورتی علیہ الرحمہ نے آپ کو سند فراغت عطا فرما دیا تو آپ نے اس کے بعد ہی تدریسی خدمات کا آغاز فرما دیا۔ تقریباً گیارہ سال تک دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں بحیثیت صدر المدرسین تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر مجددِ دوراں امام العصر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نوازش وشفقت، خلوص ومحبت کی کشش نے آپ کو کچھ دنوں بریلی شریف میں رہنے پر مجبور کردیا۔ وہاں رہ کر کچھ ممتاز دینی خدمات انجام دیں، مثلاً قرآن پاک کا ترجمہ کرنے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے شروع سے آخر تک معاون رہے، بلکہ بیچ میں ایک بار کسی کام سے اپنے وطن گھوسی ضلع اعظم گڑھ تشریف لے آئے تو ترجمہ کا کام بند ہوگیا، پھر جب واپس بریلی شریف آئے تو بعض اہم دینی امور کے پیش نظر کچھ اور دنوں تک یہ کام ملتوی رہا، یہاں تک کہ موسم گرما ختم ہوکر برسات کا موسم شروع ہوا تو ترجمہ کا کام شروع کیا گیا۔ ایک طرف برسات کی گرمی، قریب میں لالٹین اور اس پر کیڑوں اور پتنگوں کی یورش، متعدد دشواریوں کے باوجود گھنٹوں اس کام کو روزانہ انجام دیا جاتا۔

ترجمہ کی تحریری نوعیت یہ ہوتی کہ پہلے آپ پوری آیت پڑھتے تھے، اس کے بعد اعلیٰ حضرت ترجمہ املا فرماتے، بعض مرتبہ مسلسل دو تین سطر کی عبارت ایک ساتھ بلا توقف بول دیا کرتے تھے۔ جس روز جتنا ترجمہ کیا جاتا، اس کی مقدار مع

تاریخ نوٹ کرلی جاتی۔ ابتدا میں چند روز یہ طریقہ رہا کہ آیت پڑھی جاتی اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ لکھواتے، اس کے بعد حضرت شیخ سعدی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، ڈپٹی نذیر احمد اور مرزا حیرت دہلوی وغیرہم کے ترجمے سنائے جاتے، ان میں جہاں جہاں غلطی ہوتی، اعلیٰ حضرت تنبیہ فرماتے۔ چند روز کے بعد یہ محسوس ہوا کہ اس طرح وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور کام کم ہوتا ہے، دوسرے مترجمین کے اغلاط پر تنبیہات تو ایک جداگانہ کام ہے، اس ترجمے کے بعد اگر موقع ملا تو اس پر توجہ کی جائے گی، لہٰذا تمام ترجموں کا سنانا تو موقوف کردیا گیا، صرف حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا فارسی ترجمہ اور شاہ عبدالقادر کا اردو ترجمہ سنایا جاتا اور یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

اس سلسلے میں لطف کی بات تو یہ ہے کہ جب آپ نے زمانہ کے بدلے ہوئے حالات، ضلالت کی کثرت اور اس کے اسباب کی فراوانی دیکھی تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بدمذہب، عوام کو گمراہ کرنے کے لیے ایک ذریعہ قرآن پاک کے ترجموں کو بھی بنائے ہوئے ہیں، اس لیے کہ الفاظِ قرآن میں توردوبدل کی جسارت نہیں کرسکتے، لیکن ترجمے اور تفسیر میں ایسی بات لکھ دیتے ہیں جس سے عوام کو گمراہ کرنے اور بہکانے کا موقع مل جاتا ہے۔ البتہ اردو ترجموں میں شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ قرآن پاک صحیح قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن شاہ کا ترجمہ بالکل پُرانی اردو میں ہے جو ہندوستان میں متروک ہوچکی ہے۔ اس لیے ایک صحیح اور اغلاط سے منزہ احادیث نبویہ واقوالِ ائمہ کے مطابق ترجمہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے آپ نے ترجمہ قرآن پاک کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہِ عالیہ میں درخواست پیش کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

''یہ تو بہت ضروری ہے، مگر چھپنے کی کیا صورت ہوگی، اس کی طباعت کا کون اہتمام کرے گا، باوضو کاپیوں کو لکھنا، باوضو کاپیوں اور حرفوں کی تصحیح کرنا اور تصحیح بھی ایسی ہو کہ اعراب نقطے یا علامتوں کی بھی غلطی نہ رہ جائے، پھر یہ سب چیزیں ہوجانے کے بعد سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ پریس میں ہمہ وقت باوضو رہے، بغیر وضو نہ پتھر کو چھوئے اور نہ کاٹے، پتھر کاٹنے میں بھی احتیاط کی جائے اور چھپنے میں جو جوڑیاں نکلی ہیں ان کو بھی بہت احتیاط سے رکھا جائے اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کا پورا ہونا بظاہر دشوار اور ناممکن سا معلوم ہوتا ہے اور جب چھپنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو پھر ترجمہ لکھنے سے کیا فائدہ، اس کا مقصد عوام کو فائدہ پہنچانا ہے نہ کہ کتب خانے کی الماری کی زینت بنانا ہے''۔

آپ نے عرض کیا:

''ان شاءاللہ جو باتیں ضروری ہیں ان کو پوری کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ بالفرض مان لیا جائے کہ ہم سے ایسا نہ ہوسکا تو جب ایک چیز موجود ہے تو ہوسکتا ہے آئندہ کوئی شخص اس کے طبع کرنے کا انتظام

کرے اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے اور اگر اِس وقت یہ کام نہ ہوسکا تو آئندہ اس کے نہ ہونے کا ہم کو بڑا افسوس ہوگا"۔

آپ کے اس معروض اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"دوسرے لوگوں کے ترجمے بھی حاصل کرلیے جائیں تاکہ اس ضمن میں بھی ان کے اغلاط پر تنبیہ کی جائے۔ نیز قرآن پاک ڈاک وغیرہ سے نہ منگوایا جائے، کیوں کہ اس طرح سے منگوانے میں بے ادبی ہوتی ہے، بلکہ اس کے لیے جہاں سے دستیاب ہوتے ہوں جاکر ایسے طریقے سے لایا جائے کہ بے ادبی نہ ہو"۔

خیر کسی طرح انھیں شرائط کے ساتھ اس زمانہ میں جتنے ترجمے طبع ہوکر منظر عام پر آچکے تھے، حاصل کیے گئے اور انتہائی حوصلہ مندی اور احتیاط کے ساتھ ترجمہ کا کام شروع کردیا گیا۔ بحمد اللہ آپ کی مساعی جمیلہ سے خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور آج مسلمانوں کی کثیر تعداد ایک مجددِ دوراں امام وقت کے لکھے ہوئے قرآن پاک کے صحیح ترجمہ سے مستفید ہوکر آپ کی ممنون احسان ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اس کے علاوہ اور بھی دیگر دشوار ترین امورِ دینیہ وممتاز خدماتِ ملیہ آپ نے انجام دیں۔ چنانچہ آپ کی خدمات وکارہائے نمایاں سے خوش ہوکر مجددِ دوراں امام وقت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو اپنے فیوض وبرکات سے مستفیض فرماکر سند خلافت عطا فرمائی۔

حیاتِ مقدسہ کے آخری دور میں دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ علی گڑھ ریاست دادوں میں علم وعرفان کی پیہم بارش فرمائی۔ چودھویں صدی کے اوائل میں ہندوستان علومِ دینیہ کے اعتبار سے انحطاطی دور سے گزر رہا تھا۔ علمی بصیرت افروز شخصیتوں سے ہندوستان قریب قریب خالی ہورہا تھا۔ جو علمائے کرام موجود تھے، ان میں اکثر سیاسی انجمنوں میں محصور ہوچکے تھے۔ اکثر درس گاہیں سنسان ہوچکی تھیں۔ ایسے نامساعد حالات میں جن دور اندیش اساتذہ نے تمام ہنگاموں سے بے نیاز ہوکر درس گاہوں کو آباد کیا اور درس وتدریس کے سلسلے کو جاری رکھا، ان میں آپ یعنی صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست نظر آتے ہیں۔ آپ نے اپنی علمی صلاحیت اور وہبی بصیرت وادراک سے کام لے کر سیکڑوں افراد کو عمل کے سانچے میں ڈھال دیا اور علم کی دولت سے مالامال فرمادیا۔

آپ فیضانِ علم کی تقسیم میں علمائے سلف کے صحیح مظہر تھے۔ مولانا عبدالحکیم شرف آپ کی تدریسی خوبیوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"آپ نے ابتدائے شباب سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر حیات تک جاری رکھا اور ایسے نابغۂ روزگار افراد تیار کیے، جن پر علم وفن کو ناز ہے"۔

حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کا قول ہے:

"مولانا امجد علی صاحب پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسوں میں ایک ہیں جنھیں میں منتخب

جانتا ہوں‘‘۔

حق تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے ہم عصر علما میں جو اہم تدریسی خدمات انجام دی ہیں، وہ بے نظیر ہیں۔ آپ کی درس گاہ میں زانوے ادب تہ کرنے والے تمام طلبہ علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ زہد و تقویٰ، خلوص و مروت سے لبریز ہوئے، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معمور اور جذبۂ دین وملت سے سرشار ہوئے۔ آپ نے بلا تفریق ہند و پاک مشترک ملکوں کی سرزمین پر علومِ دینیہ و احکامِ شرعیہ کے بلند مینارے نصب فرمادیے۔

آپ کی تدریسی خدمات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ سے مستفید ہونے والوں اور مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری علیہ الرحمہ سے مستفیض ہونے والوں میں آپ سے زیادہ علومِ دینیہ کی ترویج و اشاعت کرنے والا کوئی دوسرا نہیں۔ آپ نے اسلام کے فروغ و استحکام کے لیے بے لوث دینی خدمات انجام دی ہیں اور قوم و ملت کی تعمیر و ترقی کے لیے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، جس نے آپ کو زندہ جاوید شخصیت کا مالک بنا دیا ہے۔ آپ کے ارشد تلامذۂ کرام نے آپ ہی کے طرزِ عمل پر اپنی اپنی مثالی درس گاہوں سے بے شمار علمائے کرام و مفتیانِ شرع متین اور عمائدین اسلام کی جماعتیں نکالی ہیں، جو قوم وملت کو فروغ دینے اور ترویج سنت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

آپ کے جانشین و شاگردِ رشید استاذ العلما حضرت حافظ ملت شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمہ کی عظیم الشان یادگار الجامعۃ الاشرفیہ اور امام النحو مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی، مولانا قاضی شمس الدین صاحب جونپوری، مولانا عبد المصطفیٰ صاحب ازہری، مولانا سلیمان صاحب بھاگلپوری، مولانا عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی، مولانا رفاقت حسین صاحب کانپوری کی (ملک و بیرونِ ملک میں) عظیم الشان درس گاہیں آپ کی بقا و دوام کی ضامن ہیں اور دیگر اکابر تلامذہ کی اہم دینی خدمات نے آپ کی شخصیت کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدثِ پاکستان علیہ الرحمہ نے پاکستان میں نابکاروں کی اصلاح کی، نابلدوں کو علومِ شرعیہ سے روشناس کرایا اور مردہ ماحول کو اسلامی تعلیمات سے نئی زندگی بخشی۔

اس طرح سے آپ کے تلامذۂ کرام اور تلامذہ کے تلامذہ فروغِ اسلام کے لیے رہتی دنیا تک آپ کے طرزِ عمل و اطوار پر کام کرتے رہیں گے اور تا قیامِ قیامت آپ کا نام چلتا رہے گا اور آپ کی شخصیت زندہ و جاوید بنی رہے گی۔

زندہ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ
امت مرحومہ سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

قارئین کرام! جو کچھ میں نے اپنے سادے اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنے دادا استاذ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا الحاج حکیم محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں خراجِ تحسین و نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے، دعا فرمائیں کہ پروردگارِ عالم بطفیل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسے سند قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
کا علمی جاہ وجلال

مفتی محمد حبیب اللہ مصباحی
سابق استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی ضلع مئو

کسی باعظمت شخصیت کے مراتب حقیقی کی معرفت یا تو اس کے کارناموں سے ہوتی ہے یا اس کے زمانہ کے اکابر علمائے کرام کے اظہارِ خیال سے۔ یہ دونوں طریقے بہت حد تک حقیقت کی ایسی صحیح عکاسی ونشاندہی کرتے ہیں کہ جس میں غلطی کا کوئی شائبہ واحتمال نہیں رہتا ہے۔

ان مذکورہ دونوں طریقے سے جب حیاتِ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح سے کھل کر سامنے آجائے گی کہ آپ علوم وفنون کے جامع اور آسمانِ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب تھے۔

(۱) اکابر علما میں مجددِ دین وملت سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے پیرومرشد ہیں اور علم کے بحر بے کراں، جن کی علمی گہرائی وگیرائی کا اعتراف شرق وغرب میں پھیلے ہوئے ان کے معاصرین نے بھی کیا ہے کہ وہ میدانِ تحقیق وتدقیق میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھیں بے شمار علوم وفنون میں کامل مہارت ومکمل عبور حاصل تھا اور ہر فن میں منصب امامت ودرجۂ سیادت پر فائز تھے۔

حضرت صدر الشریعہ نے طویل مدت تک آپ سے اکتسابِ فیض کیا اور آپ کی نگرانی میں دینی خدمات اور تدریسی امور کی انجام دہی میں شب وروز مشغول رہے۔

اعلیٰ حضرت آپ کی ذہانت وفطانت، ذکاوت وحذاقت اور علمی جلالت اور فقہی بصیرت، ذخیرۂ علم کے استحضار، احکامِ شرعیہ پر گہری نظر، نکتہ سنجی، باریک بینی، حقیقت رسی، معاملہ فہمی، تدریسی وتصنیفی صلاحیت، تنظیمی مہارت، امانت ودیانت کا برملا اظہار فرماتے تھے۔ گویا کہ حضرت صدر الشریعہ کی ذاتِ مبارکہ میں کمالاتِ علمی وعملی کا اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے تاثرات کو بیان فرمایا۔

(۲) فاضل اجل حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب علیہ الرحمہ رام پوری، جو شیخ المعقولات حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے بلا واسطہ ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، آپ حضرت صدر الشریعہ کے استاذ بھی ہیں۔ فرماتے ہیں:

"زندگی میں شاگرد ملا تو ایک وہ بھی بڑھاپے میں"۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ عہد تحصیل ہی میں ان خوبیوں کے حامل تھے کہ جن کی بنا پر آپ کے جلیل الشان استاذ کو بھی آپ پر ناز تھا۔

(۳) اسد السنۃ محدث جلیل حضرت علامہ وصی احمد سورتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مجھ سے اگر کسی نے پڑھا تو امجد علی نے"۔

اساتذۂ ذوی الاحترام کے یہ ارشادات گو کہ الفاظ وعبارات کے اعتبار سے بہت مختصر ہیں، مگر اپنے اندر بے اندازہ معنویت رکھتے ہیں، جو اہل علم وفضل پر مخفی نہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ اساتذۂ کرام آپ کی ٹھوس استعداد، بھر پور صلاحیت اور وقت نظر کے قائل آپ کے زمانۂ طالب علمی ہی میں تھے اور آپ کے اندر علمی گہرائی وگیرائی اسی وقت اتنی ہوگئی تھی کہ آپ معاصر علما میں مقامِ امتیاز پر فائز تھے اور ان بزرگوں کی نظر میں آپ کا علمی مقام اتنا بلند تھا جو خود اُن کے تلامذہ کی صفوں میں تنہا آپ کو حاصل تھا۔

آپ کے یہ اساتذۂ کرام کسی خوش فہمی کے سبب آپ کے فضل وکمال اور علمی جاہ وجلال کے قائل نہیں ہو گئے تھے، بلکہ بہت دنوں تک آپ کی علمی خوبیوں اور ذہنی توانائیوں کا تجربہ کرنے کے بعد قائل ہوئے تھے۔ اسی لیے آپ کے فضل وکمال کے لیے اس کے علاوہ اگر کوئی دوسرا ثبوت نہ بھی ہو تو یہی کافی ہے، کیوں کہ شاگرد کی علمی حیثیت واقعی کو جتنا اس کا استاذ سمجھ سکتا ہے کوئی دوسرا ہرگز نہیں سمجھ سکتا ہے۔ کیوں کہ استاذ کی درس گاہ، طلبہ کے علم کی جولانگاہ ہوتی ہے۔ طلبہ وہیں اپنی معلومات کا ہمہ وقت مظاہرہ کرتے ہیں اور دورانِ مباحثہ اپنی قابلیت وصلاحیت کے جوہر دکھاتے ہیں، وہیں ان کا علم نکھرتا سنورتا ہے اور وہیں ان کے علم کی راہ ومنزل کا تعین ہوتا ہے، وہیں ان کے علم کی صحیح جانچ وپڑتال بھی ہوتی ہے، اسی لیے استاذ کی بات شاگرد کے حق میں دلیل وسند ہوتی ہے۔

حضرت صدرالشریعہ کو ابتدا ہی سے یہ علمی برتری اس لیے حاصل تھی کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے آپ کو قوتِ حافظہ اس معیار کی عطا ہوئی تھی، جو کسی کسی کو ملتی ہے۔ آپ اپنی قوتِ یادداشت کے بارے میں بطورِ تحدیث نعمت کے خود فرماتے تھے کہ کسی کتاب کو یاد کرنے کی نیت سے تین دفعہ دیکھ لینا کافی ہوتا تھا۔ سبحان اللہ! جس کی ذہنی توانائی کا یہ عالم ہو، وہ کیوں نہ فقید المثال، وحید العصر اور علامۂ زمن ہوگا۔

جب آپ کے ابتدائی دور کی تابناکی کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے علمی جاہ وجلال والے علمائے کرام بھی آپ کے تبحر علمی کے قائل تھے۔ تو اس وقت کا عالم کیا ہوگا، جب آپ وفورِ علم کی منزل میں تھے اور اس مرحلہ پر کہ ناقص بھی کامل ہوجاتے ہیں، پڑھتے پڑھاتے رہنے اور علمی مشغلہ ہونے کی وجہ سے علم میں نکھار آجاتا ہے، پیچیدگیاں سلجھ جاتی ہیں۔

جب عام لوگوں کا یہ حال ہے تو جس کے علم میں پہلے سے پختگی رہی ہو، پڑھنے ہی کے زمانہ میں مہارتِ تامہ پیدا ہوگئی ہو اور استعداد میں اصلاح ہوگئی ہو، وہ جب پڑھے پڑھائے گا تو اس کے علم میں ایسی جلا ہوگی کہ آناً فاناً مطالب حل ہوجائیں گے، حقیقت کی تہ میں پہنچ جائے گا، پیچیدہ سے پیچیدہ تر مسائل ومباحث کے سمجھنے میں اس کے لیے کوئی وقت ودشواری نہ ہوگی، ہر مشکل وآسان مسئلہ اس کے نزدیک یکساں ہوگا۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی شخصیت کچھ ایسی ہی تھی کہ آپ کو فنونِ مروجہ میں یکساں کمال تھا۔ کسی بھی فن کا کوئی مسئلہ ہو، جب بھی پیش ہوا، فوراً حل کر دیا۔ سفر ہو یا حضر، گھر ہو یا باہر، بیمار ہوں یا تندرست، خوشی ہو یا غم ہر حال میں آپ کے علم میں مکمل استحضار تھا۔ خارجی اثرات سے آپ کے باطنی قویٰ متاثر نہیں ہوتے تھے۔

استاذ العلما جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ آپ کے بارے میں فرماتے تھے:

"آپ جامع الکمالات، مجمع البحرین تھے۔
تبحر علمی کا یہ عالم کہ پورا درسِ نظامی متحضر تھا"۔

البتہ آپ کا خصوصی لگاؤ فن فقہ سے تھا، اسکے جزیات وکلیات پر بڑی عقابی نظر رکھتے تھے، قواعد فقہیہ ہوں یا قواعد اصولیہ ہر ایک کی لم وان سے واقف تھے۔ صدر العلما حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب علیہ الرحمہ میرٹھی جو اس دور اخیر کے امام النحو تھے۔ آپ کے بارے میں فرماتے تھے:

''آپ کو فقہ کے جمیع ابواب کے تمام جزئیات تفصیلی دلائل کے ساتھ متحضر تھے''۔ (ماہنامہ فیض الرسول، شمارہ ماہ ستمبر ۱۹۶۶ء)

اس لیے آپ کی فقہی بصیرت سے سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی متاثر تھے۔ آپ کے تفقہ ودینی بصیرت واحکام شرعیہ کی معلومات کے بارے میں ایک بار آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا، وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے''۔

سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد پاک سے جہاں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کی فقہی بصیرت کی عظمت ورفعت ثابت ہوتی ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقام فقہی بصیرت میں اعلیٰ حضرت ہی کے زمانہ میں اس معیار تک پہنچ چکا تھا کہ آپ اپنے معاصرین میں امتیازی شان کے حامل ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بالاتفاق مرجع فتویٰ ہوئے۔ علمائے کرام آپ ہی کے پاس اپنے الجھے اور پیچیدہ مسائل کو پیش کرتے تھے اور جو جواب آپ دیتے تھے، اسکو تسلیم کرتے تھے۔ بہت کم ایسے مسائل ملیں گے، جس میں آپ کے ہم عصر علمائے کرام آپ سے اختلاف رائے رکھتے ہوں۔ اس لیے کہ یہ بات سب کے نزدیک مسلم تھی کہ مسائل فقہیہ کی معلومات میں آپ ہی سب سے آگے تھے۔

واضح رہے کہ آپ کے ہم عصر علما بھی علم وفضل کے بادشاہ تھے۔ شب وروز ان کی زندگی علمی مباحث میں گزری تھی۔ مشکل وپیچیدہ مسائل کو آنِ واحد میں حل کرتے تھے۔ ایسے جلیل القدر علما کا کسی کی علمی برتری کا قائل ہونا محض حسن ظن کی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جس سے معاصرین کا صرفِ نظر کرنا آسان نہ تھا۔

ان علمائے کرام کے ارشادات کی تصدیق وتائید آپ کے اس عظیم کارنامے سے ہوتی ہے، جو آپ نے اپنی مستند قلمی یادگاریں بہار شریعت، فتاویٰ امجدیہ اور حاشیہ طحاوی چھوڑی ہیں۔ آپ کی یہ علمی یادگاریں اردو میں ہونے کی وجہ سے بظاہر بہت آسان معلوم ہوتی ہیں، لیکن ان کا جب گہری نظر سے جائزہ لیا جاتا ہے اور ان کی تہہ میں اتر کر دیکھا جاتا ہے تو ان میں بہت سی ایسی علمی خوبیاں نظر آتی ہیں، جو دوسرے علما کی تصانیف میں مفقود ہیں۔

''بہار شریعت'' گو کہ فقہائے کرام کی معتبر ومستند کتابوں سے ماخوذ ومنقول ہے، لیکن اس کے اندر کچھ ایسے اوصاف اور ایسی خوبیاں ہیں، جو فقہ حنفی کی کسی بھی کتاب میں یکجا طور پر موجود نہیں ہیں۔ مثلاً:

(۱) عبارت بہت آسان وسلیس کہ کم علم لوگ بھی بآسانی مطلب تک پہنچ سکیں۔

(۲) دلائل سے گریز کرتے ہوئے صرف مسائل کا بیان، تاکہ نفس مسئلہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔

(۳) تنقیح شدہ راجح قول پر اکتفا کرتے ہوئے دیگر اقوال کے ذکر سے احتراز، تاکہ عوام کے لیے باعث تشویش نہ ہو اور خواہش کے بندوں کے لیے اتباعِ نفس کی راہ نہ نکل سکے۔

(۴) ہر مسئلہ میں مفتیٰ بہ صحیح وراجح قول کا بیان، تاکہ بلا دقت ہر شخص بغیر کسی غور وفکر کے عمل کر سکے۔

(۵) جملہ ابوابِ فقہ میں حتی الوسع مسائل ضروریہ کا استیعاب۔

(۶) ترتیب مسائل میں امر ضروری کا لحاظ اور حسن ترتیب، نیز مصطلحاتِ فقہیہ کی جامع مانع تعریف اور اس کا واضح حکم۔

(۷) احکامِ فقہیہ کے بیان سے پہلے مناسب آیاتِ قرآنیہ واحادیث مبارکہ کا ذکر کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ فقہ حنفی کا ماخذ کتاب وسنت ہے، نہ کہ قیاس ورائے۔

(۸) فقہی جزئیات کے بیان میں قواعد فقہیہ کا ذکر تاکہ مستقبل میں اسی کے پیش نظر دوسرے مسائل کا حل نکالا جا سکے۔

(۹) اصحابِ افتا کی دشواری و دقت کو دور کرنے کے لیے رسم المفتی کا بیان۔

(۱۰) فائدہ کے عنوان سے مسائل مذکورہ کی مزید توضیح و تشریح اور ضمنی وذیلی مسائل کا ایک انبار۔

(۱۱) تنبیہ کے تحت جا بجا مسلمانوں کی غفلت وبے توجہی دور کرنے کے لیے وعظ ونصیحت اور احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کی ترغیب وتشویق۔

بہار شریعت کی یہ سب ایسی خصوصیات ہیں، جو فقہ حنفی کی کسی بھی کتاب میں ایک ساتھ موجود نہیں۔ ان خصوصیات کے ذکر سے کتب فقہ میں جہاں بہار شریعت کی اہمیت وافادیت پر روشنی پڑتی ہے، وہیں مصنف بہار شریعت فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی فقاہت جلیلہ بھی واضح و نمایاں ہوتی ہے۔ بہار شریعت کی تصنیف سے فقہ کی کافی حد تک ضرورتیں پوری ہوگئیں، اب اس کی روشنی میں نئے پیدا شدہ مسائل کا حل اور مزید جزئیات کی تفریعات کے لیے راہیں طے کی جاسکتی ہیں۔ دراصل سیدنا اعلیٰ حضرت اور حضرت صدر الشریعہ نے اس فن پر اتنا کام کر دیا ہے، جو ماضی کی کئی صدیوں میں نہیں ہوا ہے۔ اور اب جو کام ہو رہا ہے، انھیں بزرگوں کی تصنیفات وتالیفات سے ماخوذ ومستنبط ہو کر ہو رہا ہے اور اسی اساس پر ہو رہا ہے۔

آپ کی دوسری تصنیف ''فتاویٰ امجدیہ'' ہے، جو آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ وہ بھی مکمل نہیں، بلکہ زندگی کے اخیر حصہ کا۔ کاش! آپ کی پوری زندگی کے جملہ فتاویٰ ہوتے تو اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کے بعد آپ ہی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہوتا۔ پھر بھی جو ہے، وہ سر اور آنکھوں سے لگانے اور قلب وجگر میں جگہ دینے کے قابل ہے۔ اس لیے کہ آپ کے فتاویٰ افتا کے جمیع شرائط وضوابط پر مشتمل ہیں اور ان میں افتا کے بنیادی اصول اور رسم افتا وغیرہ کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے۔ نیز ایک مفتی کے اندر جو جو خوبیاں ہونی چاہیے، وہ سب آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اس لیے اگر آپ کے فتاویٰ کو رسم المفتی کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ہر فتویٰ بغیر کسی کمی کے برابر اترتا چلا جائے گا۔ اب اگر کوئی نااہل، جس کو آسان عربی عبارتوں کے صحیح ترجمہ بھی نہ آتا ہو، اسے اگر کوئی کمی نظر آئے تو یہ اس کی نظر اور پرکھ کا قصور ہے۔ اس سے حضرت صدر الشریعہ کی شاندار فقہی کارناموں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

حضرت صدر الشریعہ کی فقاہت کے ثبوت کے لیے ان کے یہ قلمی، علمی، تحقیقی کارنامے، بہت ہیں۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
اربابِ علم ودانش کی نظر میں

مولانا فتح احمد مصباحی
ڈربن ساؤتھ افریقہ

جانشین بوحنیفہ، فقیہ اعظم، ابوالمجد والعلی، صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی حکیم الحاج شاہ محمد امجد علی اعظمی سنی حنفی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۸ء میں متحدہ اعظم گڑھ موجودہ ضلع مئو کے مدینۃ العلما قصبہ گھوسی محلّہ کریم الدین پور کے ایک دین دار اور خوش حال گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد حکیم جمال الدین بن مولانا خدا بخش بن مولانا خیر الدین (قدست اسرارہم) فن طب اور علم و فضل میں باکمال تھے۔

صدر الشریعہ نے ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد صدیق علیہ الرحمہ سے پڑھیں، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے استاذ الاساتذہ علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری ثم جونپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء) کی خدمت میں مدرسہ حنفیہ جونپور حاضر ہوکر علوم وفنون میں کمال پیدا کیا اور حجۃ العصر شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۳۳۴ھ۔ ۱۹۱۶) کے سامنے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں زانوے تلمذ تہ کیا اور فقہ وحدیث میں مہارت حاصل کرتے ہوئے سند فراغت حاصل کی۔

صدر الشریعہ نے علم الادیان کے ساتھ علم الابدان بھی اپنے والد حکیم جمال الدین کی رہنمائی میں جناب حکیم عبد الولی صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے تحصیل کی اور دونوں مفید علوم کی تکمیل کے بعد اسے عمل میں بھی لائے۔ مطب تو آپ نے پٹنہ میں کیا، مگر تدریسی فرائض ہندوستان کی مختلف مرکزی درس گاہوں میں انجام دیتے رہے۔ آپ کی علمی صلاحیت اور فنی لیاقت کا ایک جہاں معترف ومداح ہے، جس کی شہادت و گواہی آپ کے شیخ واساتذہ اور معاصری وتلامذہ نے بڑے پیارے انداز میں بارہا دی ہے۔ مثلاً درج ذیل اساطین امت نے صدر الشریعہ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

★ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی:

"اخی فی اللہ ذو المجد والجاہ".

★ محدث سورتی:

"مجھ سے اگر کسی نے پڑھا تو امجد علی نے"۔

★ علامہ ہدایت اللہ رامپوری:

"شاگرد ایک ہی ملا وہ بھی بڑھاپے میں"۔

★ حجۃ الاسلام:

"مولانا امجد علی صاحب جوابات دے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک دریائے زخار ہے، جو موجیں مار رہا ہے"۔

★ صدر الافاضل:

"یہ اعلیٰ حضرت کے احب الخلفا ہیں"۔

★ ملک العلما:

''صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب پھر حضرت صدر الافاضل کا ارتحال، سنی دنیا میں سخت غم کی بات ہے''۔

★ مبلغ اسلام:

''بہار شریعت جیسی جامع کتاب تالیف فرما کر مسلمانانِ ہند پر احسان فرمایا''۔

★ محدث اعظم:

''حضرت مولانا مولوی امجد علی قادری اعظمی مدظلہ نے ایسی تحقیق رفیق فرمائی ہے''۔

★ مفتی اعظم:

''اگر یہ یہاں سے چلے گئے تو علم کی بہت بڑی دولت ہم لوگوں کے ہاتھ سے جاتی رہے گی''۔

★ سید سلیمان اشرف:

''ذوالفضل والکرم، اس وقت سنی حنفی کوئی مدرس ایسا نہیں جو معقول ومنقول صحیح استعداد کے ساتھ پڑھا سکتا ہو، میرے علم میں مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ علیہ الرحمہ کے صرف آپ ہی یادگار رہیں''۔

★ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی:

''جس کو مدرس کہتے ہیں، وہ ہندوستان میں چار پانچ سے زائد نہیں، ان میں سے ایک مولوی امجد علی صاحب ہیں''۔

★ سلیمان ندوی:

''جدید ضرورتوں سے آگاہ، نصابہائے تعلیم اور درس گاہوں کے تجربہ کار عالم''۔

★ سید احمد بن اشرفی میاں:

''یہ علم کی لائبریری ہیں''۔

صدر الشریعہ کی شانِ علم وفضل کے یہ قصیدے ان کی عبقریت کے غماز ہیں۔ اسی لیے مولانا یٰسین اختر مصباحی فرماتے ہیں:

''صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ یہ دو شخصیتیں ایسی تھیں جن کا علمی فیضان اپنے وقت میں بے مثال رہا اور غیر منقسم ہندوستان کے اکثر علمائے کرام انھیں دو حضرات کے دامنِ فیض سے وابستہ نظر آتے ہیں''۔

صدر الشریعہ کے علمی جاہ وجلال کے شاہکار نمونے آپ کے مشاہیر تلامذہ، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد، شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی، حافظ ملت مولانا عبدالعزیز، سید العلما مولانا سید آلِ مصطفیٰ، مولانا غلام یزدانی اعظمی، مولانا غلام جیلانی اعظمی، مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن، شمس العلما مولانا قاضی شمس الدین، رفیق العلما مولانا رفاقت حسین، مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، مولانا مبین الدین امروہوی وغیرہم ہیں، جو اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب اور اپنے اپنے فن کے امام ومردِ میدان رہے ہیں اور جن کے ہاتھوں میں مسلمانوں کی دینی وملی قیادت ورہنمائی کی باگ ڈور رہی ہے۔ ہندو پاک کی تقریباً تمام معتمد اسلامی درس گاہوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ انھیں کا فیض تقسیم ہو رہا ہے۔

صدر الشریعہ سے نسبت تلمذ رکھنے والوں میں خصوصاً وہ

سرچشمۂ علم و حکمت جن کا دائرۂ فیض سب سے زیادہ وسیع اور کثرتِ تلامذہ میں جن کو سب سے نمایاں حیثیت حاصل ہے، ان میں ممتاز اول حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ہیں، جنھوں نے جنت ارضی، وطن عزیز، ہندوستان میں دین و دانش کا ''باغِ فردوس'' لگایا۔ دوسرے محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ ہیں، جو کثرتِ تلامذہ کے اعتبار سے سرزمین پاکستان میں اپنی مثال آپ ہیں۔

صدر الشریعہ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور جلد ہی خلاف و اجازت سے بھی نواز دیے گئے۔ تقریباً اٹھارہ سال مرشد کامل سے اکتسابِ فیض کیا اور ان کے فیضانِ کرم، نیز صحبت کیمیا اثر سے اتنے فضل و شرف کے کمالِ عروج کو پہنچے کہ آپ کی کرامت و بزرگی کے بارے میں رہبر شریعت و طریقت فاضل بریلوی نے بڑی اپنائیت سے اعلان فرمایا:۔ ''میرا امجد مجد کا پکا''۔

صدر الشریعہ مرکز اہل سنت بریلی شریف کے زمانۂ قیام میں دار العلوم منظر اسلام کی تدریسی خدمات کے ساتھ افتا کا کام، مطبع اہل سنت کا انتظام، جماعت رضائے مصطفیٰ کے شعبۂ علمیہ کی صدارت، پروف ریڈنگ کی مصروفیت، پریس کی نگرانی، پارسلوں کی ترسیل وغیرہ تمام فرائض و معاملات کی ذمہ داری تن تنہا، وہ بھی احسن طریقے سے نبھاتے رہے۔ آپ کے انھیں مشاغل کو دیکھ کر فاضل بریلوی نے فرمایا:

''مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں''۔

صدر الشریعہ کی درسیات میں بالغ نظری اور دین میں آپ کے تفقہ کو دیکھ کر مجددِ اسلام نے ارشاد فرمایا:

''امجد علی کو درسِ نظامی کے تمام فنون میں کافی دسترس حاصل ہے اور فقہ میں تو ان کا پایہ بہت بلند ہے''۔

پھر کہتے ہیں کہ:

''تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا''۔

یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ کے سلسلہ میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پر امام اہل سنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ اور مجددِ دین وملت فاضل بریلوی کے مذکورہ اعلان وارشاد اور بیان واعتماد کا مکمل مصداق اور منہ بولتا ثبوت صدر الشریعہ کا وہ قلمی کارنامہ ہے، جو ''فتاویٰ امجدیہ'' اور ''بہار شریعت'' کے نام سے اردو دنیا میں فقہ کے حوالہ سے عالم گیر شہرت کا حامل ہے۔

''فتاویٰ امجدیہ'' دو ضخیم جلدوں پر مشتمل صدر الشریعہ کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جسے آپ نے ۷؍ربیع الاول ۱۳۴۰ھ سے لے کر ۸؍شوال ۱۳۶۷ھ تک صادر فرمائے اور بعد میں اسے کتابیں شکل دی گئی۔ یہ مجموعہ علمی تحقیقات پر اپنی مثال آپ ہے، جس کے بارے میں خود مصنف کے فرزند ارجمند محدثِ کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی فرماتے ہیں:

''فتاویٰ امجدیہ کتاب وسنت کی تائیدات سے مزین ہیں، تحقیق کے مواقع پر فتاویٰ میں تو حدیثوں کا سیل رواں موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح ان میں قواعد اصولیہ اور فقہی کلیات وجزئیات اور نظائر و شواہد کے ذکر میں بھی کسی طرح کی کمی نہیں ہے۔

ندرتِ استدلال، حسن استنباط دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ فتاویٰ امجدیہ حقیقتاً فتاویٰ رضویہ کا تتمہ ہے"۔

"بہارشریعت" صدرالشریعہ کی وہ معرکۃ الارا اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے، جو دوسرے اہم مصنفین کی جملہ تصانیف پر اکیلے بھاری ہے۔ جو بجا طور پر اردو قالب میں فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے۔ اسی سدابہار کتاب کی بدولت صدرالشریعہ کو عالم اسلام میں زندہ جاوید شہرت ملی اور آپ کو فقیہ اعظم ہند کا خطاب ملا۔

بہارشریعت کی ابتدا ۱۹۱۵ء سے ۱۹۴۳ء تک سترہ جلدیں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں، جو بارہا طبع ہو کر قبولیت عامہ کی سند بھی حاصل کر چکی ہیں۔ یوں تو صدرالشریعہ فقہ اسلامی اور مسائل شرعیہ کو بہارشریعت کی مکمل بیس جلدوں میں سمیٹنا چاہتے تھے، مگر سترہ جلدوں کے بعد حادثات وحالات نے اتنی مہلت نہ دی۔ اس لیے بقیہ تین حصوں کی وصیت فرما کر آپ دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔

بہارشریعت اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر جہاں تمام اہل علم وفضل اور عوام وخواص کے حلقہ میں پڑھی جاتی ہے، وہیں اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے چند ابتدائی حصوں کو امام اہل سنت مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حرف بہ حرف سن کر جابجا حسب ضرورت اصلاح بھی فرمائی ہے اور مسرت وشادمانی کا اظہار فرما کر اپنی تصدیق انیق اور تقریظ جلیل سے اسے مزین بھی فرمایا ہے۔

مذکورہ دونوں کتابیں فتاویٰ امجدیہ وبہارشریعت اگر صدرالشریعہ کے کمالِ فقاہت پر دلالت کرتی ہیں تو امام ابو جعفر طحاوی حنفی (م ۳۲۱ھ۔۹۳۳ء) کی تصنیف حدیث کی مشہور کتاب "شرح معانی الآثار" پر باریک قلم سے ۴۵۰؍ صفحات پر مشتمل مبسوط حاشیہ آپ کے محدثانہ مقام کی وضاحت کرتا ہے، جس شرح کو آپ نے دادوں ضلع علی گڑھ میں قیامِ تدریس کے دوران صرف سات ماہ کی مختصر مدت میں تحریر فرمایا تھا۔

اسی طرح جب ۱۹۲۰ء میں گاندھی تحریک، ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد، بہت زور سے اٹھی اور اسی کے ساتھ مسئلہ خلافت کو بھی ملا کر سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہا جانے لگا، خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور کانگریس سے اس کا اتحاد ہو گیا، جسے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ودیگر علمائے حق نے خلاف شرع بتلایا تو کانگریسی اور خلافتی لیڈروں کی طرف سے اٹھنے والی اس غیر اسلامی تحریکات کو بند کرانے اور رفعِ نزاع کے لیے صدرالشریعہ نے ستر سوالات بعنوان "اتمامِ حجۃ تامہ" مرتب فرمائے، جو خلافت کمیٹی اور ابوالکلام آزاد وغیرہ کو بھیجے گئے، جماعت رضائے مصطفیٰ نے اسے شائع کیا ہے، جو مسلمانوں کی دینی ودنیاوی رہنمائی کے لیے ایک سنگ میل ہے۔

یوں ہی صدرالشریعہ کے بے شمار و بے مثال علمی، دینی، سیاسی اور تاریخی کارناموں میں سے یہ بھی ایک عظیم اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا فقید المثال ترجمۂ قرآن مسمّٰی باسم تاریخی "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" (۱۳۳۰ھ۔۱۹۱۱ء) آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے شروع ہو کر اختتام پذیر ہوا۔ آپ ہی اس کے واحد محرک

اور کاتب اول ہیں۔ یقیناً "دال الشیء کفاعلہ" کے تحت اس کنز الایمان کی تقسیم اور اس کے صدقۂ جاریہ میں فاضل بریلوی کے ساتھ صدر الشریعہ بھی برابر کے شریک ہیں۔

صدر الشریعہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ عطا فرمائی تھی۔ آپ معقولات ومنقولات کے تبحر عالم کبیر اور مشہورِ روزگار فاضل جلیل تھے۔ خصوصاً تفسیر، حدیث اور فقہ سے ایسا گہرا لگاؤ تھا کہ جزئیات ومسائل شرعیہ آپ کی نوکِ زبان پر رہا کرتے تھے۔ اسی نسبت سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے آپ کو "صدر الشریعہ" کا لقب عطا فرمایا تھا۔

نوجوان محقق اور اسلامی وتاریخی اسکالر مولانا ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم مصباحی علیگ اپنے ایک مضمون "فقہ اسلامی اور بہار شریعت" میں لکھتے ہیں:

"امام علم وآگہی مولانا احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو میں نے سطور بالا میں آفتابِ علم کہا ہے۔ بلاشبہ اس کی ایک کرن صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یوں تو اس آفتاب کی نہ جانے کتنی کرنیں تھیں اور کہاں کہاں تک اس کی چمک تھی۔ مگر جس کرن کی تابانی سے پورا برصغیر ہند وپاک مستنیر ہے، وہ صدر الشریعہ ہی تھے۔ انھوں نے مولانا احمد رضا بریلوی سے باضابطہ پڑھا تو نہیں مگر اس رضوی گلشن کے گل چیں ضرور ہے، جس کے سبب انھیں اتنی قربت رہی کہ اکثر تلامذہ اس جیسی قربت سے محروم رہے اور اسی قربت سے ایسی علم وآگہی میسر آئی کہ اس کی ایک جہت "فقہی بصیرت" کے سبب انھیں صدر شریعت اور بدر طریقت جیسے اہم القاب سے نوازا گیا"۔

مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے ہر فن میں یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، خصوصاً فقہ حنفی میں انھوں نے اور ان کے جلیل القدر خلیفہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہماری جماعت کو اس منزل پر پہنچا دیا ہے کہ آج دنیا کا کوئی طبقہ ہمارے فقہی سرمایہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا"۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی دار القلم دہلی حضور حافظ ملت کی انقلاب آفریں شخصیت پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مسبب الاسباب نے کچھ ایسی راہیں پیدا کر دیں کہ آپ کو ایسے عظیم عالم دین اور محدث وفقیہ کی بارگاہ تک پہنچا دیا، جس کے اساتذہ میں دو شخصیتیں جلیل القدر اور بے نظیر وبے مثال تھیں۔ جس میں سے ایک پچاس علوم وفنون، بالخصوص علومِ نقلیہ میں اپنے وقت کا فقید المثال صاحب فضل وکمال تھا اور دوسرا علومِ عقلیہ میں معلم رابع علامہ فضل حق خیر آبادی کی یادگار تھا۔ وہ شخصیت جو ایسے دو شیریں اور حیات افروز سرچشموں سے سیراب تھی، اسے فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی (خلیفۂ امام احمد رضا فاضل بریلوی وتلمیذ علامہ ہدایت

اللہ خاں رامپوری) کہا جاتا ہے"۔

شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی مصباحی حضور مفتی اعظم ہند کے فضل وکمال کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

"پھر ایک وقت وہ آیا کہ مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کی ضرورت محسوس فرمائی کہ پورے ملک کے لیے ایک دارالقضا قائم کیا جائے، تو چوں کہ قاضی کے لیے کافی تربیت، تفقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس اعتبار سے حاضرین دربارِ رضوی میں سب سے زیادہ فائق حضرت صدرالشریعہ تھے، اس لیے انھیں قاضی بنایا اور حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت برہانِ ملت جبل پوری کو مفتی دارالقضا کے منصب پر فائز فرمایا۔ اس دارالقضا میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت صدرالشریعہ کے ماتحت تھے، مگر غور کر لیجیے کہ دارالقضا کوئی معمولی دارالقضا نہ تھا، پورے متحدہ ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی دارالقضا تھا، جسے سپریم کورٹ کہہ لیجیے۔

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے آل انڈیا سنی کانفرنس مرادآباد (منعقدہ: ۱۶ر تا ۱۹ر مارچ ۱۹۲۵ء) کے لیے جو خطبۂ صدارت مرتب فرمایا تھا، وہ اسلامیانِ ہند کے لیے آج بھی فانوسِ ہدایت اور مشعل راہ ہے۔ آپ نے مسلمانوں کی فلاح وصلاح کے لیے اپنے خطبۂ صدارت میں ایک مکمل دستور العمل پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

"ابتدا میں بچوں کو "اسلامی قاعدہ" (مصنفہ مولانا مولوی امجد علی صاحب اعظمی) یا اور کوئی قاعدہ جو انجمن اہل سنت یا مدرسۃ التبلیغ نے منظور کیا ہو، شروع کیا جائے۔ قرآن پاک کی تعلیم لازمی ہے، اس کے ساتھ ساتھ دینیات کے لیے "بہار شریعت" پڑھائی جائے"۔

پھر فرماتے ہیں:

"بوڑھے، جوان، کاشت کار، مزدور، محنتی لوگ، جو پڑھنے کا وقت نہیں پاتے، انھیں روزانہ ایک وقت مقرر کر کے "بہار شریعت" کے مسئلے سمجھا کر سنائے جائیں اور کوشش کی جائے کہ اس پر عمل بھی کریں"۔

محدثِ اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی قیادت وصدارت میں ہونے والی "آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس" منعقدہ ۲۷ر تا ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کی مجلس سوم ۲۹ر اپریل ۱۹۴۶ء (بوقت ۹ر بجے صبح تا ایک بجے دوپہر) کی باتفاقِ آرا منظور تجاویز میں سے دوسری تجویز جو اسلامی حکومت کے لیے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنانے سے متعلق تھی، اس کمیٹی کے لیے بھی حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

اسی مذکورہ کانفرنس کی تجاویز میں "مرکزی دارالافتا" کے عنوان سے مجلس سوم کی نویں تجویز میں یہ منظور کیا گیا کہ:

"آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ بریلی شریف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے آستانہ پر حضرت مفتی اعظم ہند کے زیر قیادت ایک مرکزی دارالافتا کا انتظام کیا جائے، جس میں کم از کم چار جید عالموں کی خدمات حاصل کی جائیں اور فقیہ اعظم صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب دامت برکاتہم اس کی سرپرستی ونگرانی فرمائیں"۔

اور اسی کانفرنس کی مجلس چہارم میں "جمعیۃ آئین ساز" کے لیے ۱۴ ویں تجویز تھی، جو آئین میں مزید اضافوں پر غور کرنے کے لیے ایک "مجلس" ترتیب دی جانے سے متعلق تھی، جو کم از کم سات افراد پر مشتمل ہو۔ اس سات نفری مجلس میں بھی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو رکھا گیا۔

سید نور محمد قادری، فخر المتکلمین علامہ سید سلیمان اشرف قادری رضوی کے بارے میں لکھتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ کا بھی ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

"آپ (سید سلیمان اشرف) نہ صرف اچھے فاضل اور بہترین معلم تھے، بلکہ ایک سلجھے ہوئے ماہر تعلیم بھی تھے۔ ۲۶۔۱۹۲۵ء میں جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لیے میٹرک سے لے کر ایم اے تک کی دینیات کی جماعتوں کے لیے ایک نئے نصاب کے مرتب کرنے کی ضرورت پڑی تو آپ بھی نصاب مرتب کرنے والی کمیٹی میں دیگر ماہرین تعلیم مثلاً صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت وغیرہ کے ساتھ شامل تھے"۔

سلیمان ندوی نے اس کمیٹی اور اس کی کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے "معارف" میں اس طرح لکھا ہے:

"منتظمین یونیورسٹی کی دعوت پر چند ایسے علما جو جدید ضروریات سے آگاہ اور نصاب ہائے تعلیم اور درس گاہوں کا تجربہ رکھتے تھے، علی گڑھ میں جمع ہوئے اور متواتر سات اجلاسوں میں جو ۱۱ر فروری سے ۱۷ر فروری تک منعقد ہوتے رہے۔ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سمجھا اور اس کے آخر تک نقشۂ عمل اور ایک نصاب میٹرک سے ایم اے تک کا تیار کر کے یونیورسٹی کے سامنے پیش کر دیا۔ اس مجلس کے ارکان حسب ذیل اصحاب تھے:

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، مولانا سلیمان اشرف صدر علومِ شرقیہ، مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد امجد علی صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر اور خاک سار (سلیمان ندوی) مولانا عبدالعزیز میمن استاذ عربی ادبیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بھی خاص موقعوں پر شرکت کی۔ علومِ شرقیہ کو تین حصوں پر تقسیم کیا گیا: عقلیات، دینیات، ادبیات"۔

مولانا عبدالنعیم عزیزی "حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ تحریک" کے عنوان سے لکھتے ہوئے اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"امام احمد رضا کے خلفا میں ایک تابناک شخصیت تھی، ان کے ایک خلیفۂ اجل، ان کے مظہر اتم اور رفیق دم قدم صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی، جن کی فقاہت کو امام احمد رضا نے بھی سراہا ہے اور جن کی تدریسی خدمات زمانہ پر روشن ہیں۔ یہ وہی صدر الشریعہ ہیں، جنھوں نے زبانش اردو میں بہار شریعت کی شکل میں اسلامی قانون کا انسائیکلو پیڈیا عطا کیا ہے اور شریعت کی بہاروں سے مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کے

گلزاروں کو عطر بیزی اور شادابی بخشی ہے۔

صدر الشریعہ شہر تدریس کے شہر یار تھے اور اس شاہِ بے تاج نے جانے کتنے تاجورانِ علم وفضل کو خلعتیں اور فرماں روائی عطا کی ہیں۔ علم وفضل کے اس جوہری نے جانے کتنے ہیروں کو تراش کر نئی آن بان دی ہے۔ اپنے وقت کے اس عظیم معلم نے کتنی شخصیتوں کو نکھارا، سنوارا ہے اور ان کی کردار سازی کی ہے۔

اسی عظیم المرتبت فاضل و معلم اور علم وحکمت کے جوہری کے تراشے ہوئے ہیروں اور اس کی سجائی ہوئی شخصیتوں میں ایک انمول ہیرا، ایک نایاب رتن اور ایک تاباں شخصیت کا نام ہے استاذ العلما، جلالۃ العلم، حضرت علامہ مولانا حافظ ملت عبد العزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری، بانی الجامعۃ الاشرفیہ، جنھیں زمانہ ''حافظ ملت'' کے لقب وخطاب سے یاد کرتا، جانتا اور مانتا ہے''۔

مشرقی علوم وفنون اور اسلامی افکار ونظریات کے اعتبار سے چودھویں صدی ہجری کی دوسری دہائی کو ماقبل کی بہ نسبت انحطاط وتنزل کا دور گردانتے ہوئے مولانا مبارک حسین مصباحی رامپوری لکھتے ہیں:

''ایسے مایوس کن اور حوصلہ شکن دور میں جن مسیحانِ علم وفن نے علم وحکمت کی شمعیں فروزاں کیں، ان میں فقیہِ اعظم ہند صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت کی شخصیت نمایاں ہے۔ آپ نے صدہا نونہالانِ ملک وملت کو علم وحکمت اور فکر وبصیرت کے سانچے میں ڈھال دیا، جنھوں نے آگے چل کر عالم اسلام میں علوم وفنون کی قندیلیں روشن کیں اور ملک وملت کی باگ ڈور سنبھالی۔ علم وحکمت کے اسی کوہِ گراں کے سقوط کے وقت کسی دیدہ ور نے کہا تھا: جانشین بوحنیفہ چلا گیا مگر سیکڑوں ایسے افراد پیدا کر گیا جن میں ہر ایک شانِ امجدی کا حامل ہے''۔

صدر الشریعہ بریلی شریف کے دورانِ قیام ۱۳۳۷ھ ۱۹۲۲ء میں پہلی مرتبہ حج وزیارت کی سعادتوں سے مشرف ہو چکے تھے۔ دوسری دفعہ حرمین شریفین کی حاضری کے ارادے سے بمبئی پہنچے ہی تھے کہ ۲/ ذو قعدہ ۱۳۶۷ھ ۶/ ستمبر ۱۹۴۸ء دوشنبہ رات کو ۱۲/ بجکر ۲۶/ منٹ پر تقریباً ستر سال کی عمر میں دار السلام جنت کی طرف تشریف لے گئے۔ ''ان المتقین فی جنت وعیون'' ۱۳۶۷ھ کے مادۂ تاریخ سے ان کی کرامت وبزرگی اور کامرانی و سرفرازی کا ثبوت ملتا ہے۔ وطن مالوف قصبہ گھوسی ہی میں آپ کا مزار اقدس طالبانِ حق کے لیے مینارۂ ہدیٰ ہے۔

صدر الشریعہ کے عرسِ چہلم کے موقع پر بطورِ خراجِ عقیدت شاعرِ مشرق علامہ شفیق جونپوری نے یہ قطعہ پیش کیا تھا:

سلامی جا بجا ارض وسما دیں
مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خدام اے صدرِ شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں

☆☆☆

اعلیٰ حضرت کے ایک نامور خلیفہ

ڈاکٹر محمود حسین بریلوی
صدر شعبہ عربی و فارسی روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی کالج بریلی

شریعت و طریقت میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کو جو بالغ نظری حاصل تھی، اس کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی۔ علم و ادب کی دنیا میں ان کی عبقری شخصیت مسلم الثبوت تھی۔

طریقت و سلوک کی راہیں جس طرح آپ نے خاندانِ مارہرہ کی رہنمائی میں طے کی ہیں، وہ آپ کی حیات کا عدیم المثال مقام ہے۔ ایسے لوگ جنھیں آپ نے رشد و ہدایت کا پیغام عطا کیا اور ساتھ ہی بیعت و خلافت سے نوازا، ایسے حضرات کی ایک لمبی فہرست ہے جو عرب و عجم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

فاضل بریلوی کے خلفا کا سرسری جائزہ لیا جائے تو آج بھی صوبہ مدراس، صوبہ بنگال، صوبہ بہار، صوبہ پنجاب، صوبہ یوپی، بنگلور، کلکتہ، آرہ، مرادآباد، اعظم گڑھ وغیرہ وغیرہ میں ان کے معتقدین کی شخصیت مشعل ہدایت بلکہ جہالت کی تاریکیوں کو دور کر رہی ہے۔

آپ کے خلفا نے دینی مشن سے لیکر تحریک آزادی تک نمایاں کام انجام دیے ہیں، جس کی مکمل تفصیل اگر بیان کی جائے تو وہ خود ایک زبردست دستاویز ہوگی۔ درج ذیل طوالت سے احتراز کرتے ہوئے صرف ایک نامور خلیفہ کا ذکر پیش کیا جا رہا ہے، جنھیں فاضل رضوی نے جذبۂ کامل عطا فرمایا۔

یوں تو امام احمد رضا بریلوی کے خلفا چند آفتاب، چند ماہتاب سے کم نہ تھے۔ اور طریقت و سلوک کی دنیا میں ہر ایک کسی نہ کسی میدان کا امام تصور کیا جاتا تھا۔ مگر صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی آپ کے ایسے عقیدت مند تھے، جن کی صلاحیت علوم و فنون کی دنیا میں ہمیشہ رہی اور جن کی عبقریت کا سلسلہ ہمیشہ رائج الوقت رہا اور علوم و فنون کے تمام گوشوں میں انھوں نے اپنی ریاست تسلیم کرائی، جن کا بلا اختلاف مذہب و ملت تمام معاصر اہل علم نے اعتراف کیا۔ امام احمد رضا خاں بریلوی نے ان کی صلاحیت کے اعتراف میں اجازات و سندات سے نوازا۔

مولانا امجد علی نے جہاں طریقت و سلوک میں اپنا مقام حاصل کیا تو اسی کے ساتھ ساتھ علوم معقول و منقول کی تحصیل سرخیل علما و محدثین سے فرمائی اور ہندوستان کی اہم درس گاہوں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ آپ کی علمی صلاحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک موقعہ پر فاضل بریلوی حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے روہیل کھنڈ کے مشہور و معروف محدث حضرت مولانا وصی احمد سورتی سے منظر اسلام (بریلی) میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے کسی ماہر مدرس کے لیے درخواست کی تو محدث سورتی نے اپنے ممتاز شاگرد صدر الشریعہ کو منظر اسلام کے لیے منتخب فرمایا۔ (۱) آپ اس وقت مدرسہ حنفیہ (پٹنہ) میں علوم و فنون کی نشر و اشاعت کر رہے تھے، مگر استاذ کا حکم ہوتے ہی

بریلی کے شہرۂ آفاق مدرسہ میں درس وتدریس اور افتا کی ذمہ داری سنبھالی اور ساتھ ہی مطبع اہل سنت (بریلی) سے متعلق نشر واشاعت اور امور طباعت کی بھی ذمہ داری سنبھالے رہے۔ آپ کی حد درجہ مشغولیت ومصروفیت اور نشر واشاعت کو دیکھ کر حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی بہت متاثر ہوئے اور ایک موقع پر اس کا اظہار یوں فرمایا:

''مولانا امجد علی تو کام کی مشین ہیں''۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ فاضل بریلوی نے مولانا اعظمی کی علمی صلاحیت، تقویٰ وطہارت، درس وتدریس میں مہارت اور نشر واشاعت میں مشغولیت کی وجہ سے ہی اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کیا اور ساتھ ہی سلسلۂ عالیہ قادریہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

صدر الشریعہ ۱۸ر برس تک مرشد اعلیٰ کی خدمت میں رہے اور اس اثنا میں ایسے ایسے نمایاں کام کیے جس کی تفصیل نہیں بیان کی جاسکتی۔ مولانا اعظمی علم فقہ میں کامل دسترس رکھتے تھے اور تفقہ کی بنا پر آپ کی شخصیت سکہ رائج الوقت کے مانند تھی۔

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں بھی آپ کی اس صلاحیت کے معترف ومداح تھے۔ ایک مرتبہ مولانا اعظمی کی علمی صلاحیتوں کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چکی ہے''۔ (محمد مصطفیٰ رضا خاں، الملفوظ: ۹۳)

مولانا اعظمی کو فاضل بریلوی سے کتنا لگاؤ تھا، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی طرح فاضل بریلوی کی نگارشات کی طباعت سے انھیں کس درجہ دلچسپی تھی، اس کی تفصیل بھی نہیں پیش کی جاسکتی۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ فاضل بریلوی کے عدیم النظیر ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان فی ترجمة القرآن'' (۱۳۳۰ھ) آپ کی ہی جد وجہد اور مسلسل کاوشوں سے مکمل ہوا اور یہ ایک ایسا عدیم المثال کارنامہ ہے، جسے رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا اعظمی اپنے مرشد کی بارگاہ میں عرصۂ دراز تک علوم وفنون کی نشر واشاعت سے متعلق اہم کام کرتے رہے۔

۱۳۴۲ھ میں دار العلوم معینیہ (اجمیر) میں مدرس اول کی حیثیت سے چلے گئے اور دار العلوم میں ایک علمی فضا قائم کی اور سیکڑوں طالبانِ علوم وفنون کی تشنگی بجھائی، مگر منظر اسلام میں پھر آپ کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی، جس کے سبب آپ نے دار العلوم معینیہ کی ملازمت سے سبک دوش ہوکر ۱۹۳۲ء میں بریلی چلے آئے۔ دوبارہ بریلی میں قیام آپ کا زیادہ نہ رہ سکا کہ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں کی باگ ڈور آپ کے سپرد کی گئی۔ اس وقت مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی اس درس گاہ کے نائب مدرس تھے۔ مولانا شیروانی نے مدرسہ حافظیہ میں مولانا اعظمی کا پُر جوش خیر مقدم کیا اور علی گڑھ کے نوابین آپ کی جلالت علمی کی بنا پر مدرسہ حافظیہ میں حاضر ہوئے اور موصوف سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ یہی وجہ ہے کہ نوابین نے آپ کی علمی صلاحیت اور تجربۂ علمی وفنی کا اعتراف کیا۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی اور مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے مولانا اعظمی کی صلاحیت کو تسلیم کیا اور کلماتِ تحسین سے بھی نوازا۔

۱۹۲۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات

کے نصاب کی تشکیل کے لیے ہندوستان کے جن پانچ سرخیل اساتذہ کو دعوت دی گئی تھی، ان میں:

(۱) مولانا امجد علی اعظمی۔

(۲) مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (نواب صدر یار جنگ)

(۳) سید سلیمان اشرف بہاری (خلیفہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی و سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

(۴) عبدالعزیز میمن (سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

(۵) سید سلیمان ندوی (بانی دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ)

وغیرہ شامل تھے۔ (معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۲۶ء)

ان حضرات کے باہمی مشورہ سے شعبۂ اسلامیات کا ایسا مایۂ ناز نصاب تیار ہوا، جو اپنی نوعیت کا انفرادی نصاب تھا۔ اس نصاب کی مقبولیت اور انفرادیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ یہ نصاب آج بھی اہمیت کا حامل ہے۔

مولانا اعظمی کو جہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے گہرا شغف تھا تو اسی کے ساتھ انھیں ملکی سیاست بھی گہری دلچسپی تھی۔

تحریک آزادئ ہند اور قیامِ پاکستان سے متعلق جو انھوں نے سیاسی کردار ادا کیا ہے، آج بھی تاریخ قیام پاکستان میں زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ (باغی ہندوستان: ۳۴۵)

صدر الشریعہ ۱۳۳۷ھ میں پہلی بار زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے، لیکن بارگاہِ رسالت کی حضوری کی تمنا ہمیشہ دل میں انگڑائیاں لیتی رہی، وہ موقع بھی آیا کہ سرکار مدینہ میں آپ کو دوبارہ یاد فرمایا، آپ دوبارہ حج مبرور کی ادائیگی کے لیے اپنے وطن مالوف سے سفر میں چل پڑے، بمبئی پہنچے تھے کہ اچانک طبیعت خراب ہوگئی اور راہِ مدینہ کا یہ مسافر ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں راہی ملک عدم کا سفر طے کرنے لگا۔ (صدر الشریعہ دائرۃ المعارف الامجدیہ: ۱۰)

صدر الشریعہ درس و تدریس اور فتوئ نویسی کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت مختصر ہے، مگر جو تصانیف بھی ہیں، وہ مسائل شرعیہ کا شاندار خزانہ اور وقت کی ایک اہم ضرورت ہیں۔ آپ کی گراں قدر تصانیف میں ''بہار شریعت'' مسائل دینیہ اور علم فقہ کا ایک زبردست سرمایہ ہے، جو ۱۷ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے اور جس کی ہر جلد سیکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ علمی و تحقیقی سرمایہ مفصل دستاویز ہونے کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کا بھی احاطہ کرتا ہے، جو اہل علم پر مخفی نہیں۔

صدر الشریعہ کو جہاں درس و تدریس میں مہارت تھی تو اسی کے ساتھ انھیں علم فقہ میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت حاصل تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ فقہی بصیرت کی بنا پر اصحابِ علم و فن میں آپ کی مقبولیت ہوئی تو بے جا نہ ہوگا۔ فتاویٰ امجدیہ آپ کی فقہی خدمات کا بہترین دستاویز ہے۔ یہ اہم فتاویٰ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے شرح معانی الآثار کا حاشیہ قلم بند فرمایا، جو علمی معلومات کا ایک عظیم شاہکار ہے۔

کتابیات:

(۱) محمود احمد: تذکرہ علمائے اہل سنت، مطبوعہ اسلام آباد بھوانی پور۔

(۲) عبدالشاہد خاں: باغی ہندوستان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء۔

(۳) حسن رضا خاں: فقیہ اسلام، مطبوعہ اسلامک پبلکیشن سینٹر (پٹنہ)

(۴) ماہنامہ پاسبان (الٰہ آباد) احمد رضا نمبر مارچ ۱۹۶۴ء۔

(۵) محمد مصطفیٰ رضا خاں: الملفوظ حصہ اول دوم مطبوعہ جلال آباد۔

(۶) معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۲۶ء۔

(۷) صدر الشریعہ دائرۃ المعارف الامجدیہ اعظم گڑھ۔

(۸) فقہ اسلامی اور بہار شریعت، ماہنامہ حجاز جدید (دہلی) جنوری ۱۹۹۰ء۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت

مفتی شمشاد احمد مصباحی
جامعہ امجدیہ گھوسی مئو

حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ یوں تو جملہ علوم وفنون میں یکساں مہارت رکھتے تھے، مگر فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ بہار شریعت اور فتاویٰ امجدیہ اور حاشیہ شرح معانی الآثار اس پر شاہد عدل ہیں۔ نیز اعلیٰ حضرت کا ان پر اعتماد کامل اور ان کے تفقہ فی الدین کا برملا اعتراف بھی روشن دلیل ہے۔ حضرت صدر الشریعہ سے صرف عوام الناس ہی نے استفتا نہ کیا، بلکہ ان کے معاصرین اکابر علمائے اہل سنت نے بھی بکثرت ایسے سوالات کیے، جن کے حل میں وہ کوشش کے باوجود عاجز رہے۔ مثلاً حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی نے میرٹھ سے ایک مرتبہ یہ پیچیدہ سوال بھیجا۔ ظاہر ہے حضرت صدر الشریعہ کی طرف مراجعت اسی وقت کی ہوگی، جب خود اس کے حل سے عاجز ہو گئے ہوں گے۔

سوال یہ ہے:

''ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ان میں سے ایک نے شوہر کے پینے کے لیے پانی رکھا، شوہر کو بچھو نے جو پیالے کے نیچے تھا کاٹ لیا، شوہر نے کہا جس نے پانی رکھا، اس کو طلاق۔ اب دونوں عورتیں پانی رکھنے سے انکار کرتی ہیں تو طلاق کس پر واقع ہوگی؟''۔ (فتاویٰ امجدیہ جلد دوم ص ۲۵۹)

اس پر حضرت صدر الشریعہ نے یہ تحقیقی جواب ارقام فرمایا:

''اگر شوہر کو معلوم ہے کہ فلاں عورت نے پانی رکھا تھا، جب تو ظاہر ہے کہ اس کو طلاق ہے، اس کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر شوہر کو بھی معلوم نہیں، وہ خود مشتبہ ہے کہ کس نے ایسا کیا، مگر یہ معلوم ہے کہ انھیں دونوں میں سے ایک نے پانی رکھا ہے۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جب تک دونوں میں سے ایک کو تعیین نہ کرے اور اشتباہ جاتا نہ رہے، کسی سے قربت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ طلاق بائن ہو یا عدت گزر چکی ہو، اگر رجعی ہے تو دونوں سے رجعت کرے اور اگر بائن مادون الثلث ہے تو دونوں سے نکاح کرے اور مغلظ ہو تو بالکل قربت نہیں کر سکتا، جب تک تحلیل نہ ہو جائے، یعنی ہر ایک کو ایک طلاق دے دے تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کر سکے، پھر اگر وہ طلاق دے دے اور عدت گزر جائے تو شوہر اول نکاح کر سکتا ہے۔ اگر شوہر نے کوئی ایسا فعل کیا، جس سے ایک کا مطلقہ ہونا معین ہو جائے تو اسی پر طلاق کا حکم ہوگا''۔ (فتاویٰ امجدیہ دوم ص ۲۵۹)

جواب لکھنے کے بعد عالمگیری سے طویل تائیدی عبارت بھی پیش کی ہے، جس سے آپ کی فقاہت، دقت نظر، وسعت مطالعہ اور قوت استحضار کا پتہ چلتا ہے۔

اس طرح ایک مرتبہ عرس رضوی کے موقع پر ایک کمرہ میں حضرت صدر الشریعہ، حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت صدر الافاضل تشریف فرما تھے۔ حضرت صدر الافاضل نے خادم سے کہا کہ اسٹوپ پر چائے بنالو (پہلے اسٹوپ اسپرٹ سے گرم کیا جاتا تھا) حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا: مولانا! اسپرٹ کا استعمال حرام ہے۔ اس پر صدر الافاضل نے فرمایا: استعمال کہاں کر رہا ہوں، میں تو اسپرٹ کو ضائع کر رہا ہوں۔ بہت دیر تک اس پر گفتگو ہوتی رہی، مگر فیصلہ نہ ہوا۔ پھر دونوں حضرات حضرت صدر الشریعہ

کی جانب متوجہ ہوئے۔ حضرت درمیان میں بیٹھے ہوئے تھے، حقہ نوش کر رہے تھے اور دونوں حضرات کی گفتگو سنتے ہوئے مسکراتے جاتے، پھر متوجہ کرنے پر فرمایا: صدر الافاضل سے پوچھئے! اسپرٹ کی خرید آپ نے کس لیے کی ہے؟ صدر الافاضل نے فرمایا: اسٹوپ جلانے کے لیے۔ اس پر حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا: اس کا اس طرح جلانا ہی اس کا استعمال ہے، یہ ضائع کرنا نہیں۔ اس پر صدر الافاضل بالکل خاموش ہوگئے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ فقہ کی باریکیوں کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اور حاضر جواب بھی تھے۔
حضرت صدر الشریعہ کی فقہی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند جیسے بالغ نظر فقیہ اور عظیم مفتی بھی اہم مسائل میں حضرت صدر الشریعہ کی طرف رجوع کرتے اور ان کے جواب پر ان کو اعتماد کلی تھا۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک اہم سوال پیش ہوا، اس وقت آپ سفر حج وزیارت کی تیاری میں مصروف تھے۔ آپ نے سائل سے فرمایا: ابھی سفر حج کی تیاری کی وجہ سے جواب مستحضر نہیں ہے اور کتاب دیکھنے کی فرصت بھی نہیں ہے، یہ مسئلے صدر الشریعہ کے سامنے پیش کرو۔ اگر چہ حضرت صدر الشریعہ اس وقت شدت کے بخار میں مبتلا تھے، تاہم صدر الشریعہ بستر پر لیٹے لیٹے ان سارے سوالوں کے جوابات عطا فرمادیئے۔ اس سے حضرت صدر الشریعہ کی شانِ فقاہت اور حضرت مفتی اعظم ہند کا ان پر اعتماد ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مسئلہ طہارت آبِ قلیان جو عرصۂ دراز سے علما کے مابین مختلف فیہ رہا، اس پر ایسی تحقیق فرمائی کہ یہ مسئلہ منقح ہوکر ایسا واضح ہوا کہ کسی منصف کو انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:
"بہار شریعت حصہ دوم میں جہاں آبِ مطلق وآبِ مقید کے جزئیات فقیر نے گنائے، ایک مسئلہ یہ بھی بیان میں آیا کہ "حقہ کا پانی پاک ہے اگر چہ رنگ وبو ومزہ میں تغیر آجائے، اس سے وضو جائز ہے بقدر کفایت اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں"۔ اس پر کاٹھیاواڑ کے بعض اضلاع میں عوام میں خواہ مخواہ اختلاف پیدا ہوا اور یہاں ایک خط طلب دلیل کے لیے بھیجا۔ چاہیے یہ تھا کہ خلاف کرنے والے دلیل لاتے کہ دلیل ان کے ذمہ ہے، نہ کہ ہمارے ذمہ۔ اس لیے کہ پانی اصل میں طاہر مطہر ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: "وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا" اور فرماتا ہے: "وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ" رد المحتار میں ہے: "ویتدل بالآیة ایضا علی طھارته اذا لامسة بالنجس" فقہ کا وہ ارشاد کہ کسی پانی کی نجاست کی کافر نے خبر دی، اس کا قول نہ مانا جائے گا اور اس سے وضو جائز ہے کہ نجاست عارضی ہے اور قولِ کافر دیانات میں نامعتبر، لہٰذا اپنی اصل طہارت پر رہے گا، اس سے ہمارے قول کی کافی تائید ہے۔ مگر یہ سب باتیں تو اس کے لیے ہیں، جو قواعد شرعیہ کے مطابق کہے یا کہنا چاہے اور آج کل اس سے بہت کم علاقہ رہا، الا ماشاء اللہ۔ اس زمانہ میں تو یہ رہ گیا ہے کہ کچھ کہہ کر عوام میں اختلاف پیدا کر دیا جائے، صحیح ہو یا غلط، اس سے کچھ مطلب نہیں۔ معترضین اگر چہ اسے ناپاک مانتے ہیں، لہٰذا صرف طہارت کی سند دینی ہمیں کافی تھی، مگر ہم احساناً دونوں حکموں کا ثبوت دیتے ہیں"۔ (بہار شریعت ضمیمہ ج۲ ص۱۱۷)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے فتاویٰ اور بہار شریعت کے مسائل میں اگر غور وفکر کیا جائے تو اس قسم کے مسائل سیکڑوں ملیں گے، جن کے حل میں علمائے عصر وفقہائے حرم حیران وپریشان تھے، مگر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ان مسائل کا ایسا حل تحریر فرمایا کہ تمام شکوک وشبہات ختم ہوگئے اور مسئلہ بالکل منقح ہوگیا۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ
کا فقیہانہ ومحدثانہ مقام

مفتی شمشاد احمد مصباحی
خادم الافتاء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

حضور صدر الشریعہ، بدر الطریقہ، علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان مصنف بہار شریعت یوں تو تمام دینی واسلامی علوم وفنون میں گہری بصیرت رکھتے تھے، مگر فقہ وحدیث میں ان کی مہارت وقابلیت بے مثال تھی، سترہ جلدوں میں مسائل شرعیہ پر مشتمل ان کی تصنیف بہار شریعت، ہزاروں فقہی تحقیقات پر مشتمل چار جلدوں میں ان کا مجموعہ ''فتاویٰ امجدیہ'' ان کی فقہی بصیرت ومہارت پر روشن دلیل ہے۔ نیز بہار شریعت میں مذکور جملہ ابواب کے تحت سینکڑوں حدیثوں کا انتخاب واندراج اور ان سے مسائل کا استناد، اور حاشیۂ طحاوی میں متن حدیث کی تشریح وتوضیح، متعارض حدیثوں میں تطبیق، اسمائے رجال پر مفصل بحث، حل لغات اور پھر ان تمام مراحل کے بعد متعدد حدیثوں کی روشنی میں فقہ حنفی کی تائید وترجیح ان کے بے مثال محدث ہونے کی دلیل ہے۔

حاشیہ طحاوی جلد دوم کی کچھ اوراق مجھے دیئے گئے تاکہ جلد دوم کے اس حصے پر بھی کچھ روشنی ڈالی جاسکے۔ مجھ جیسا کم علم اور بے بضاعت حضور صدر الشریعہ کے حاشیۂ طحاوی پر کیا روشنی ڈال سکتا ہے اور حاشیہ کے اوصاف وکمالات کو کس طرح بیان کرسکتا ہے؟ بس بارگاہ صدر الشریعہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی نیت سے یہ چند سطور سپرد قلم کررہا ہوں، گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

زیر مطالعہ اوراق دو ابواب پر مشتمل ہیں ایک:

"باب الرجل يدخل المسجد والامام فى صلوة الفجر ولم يكن ركع أيركع اولا يركع".

دوسرا باب:

"باب الصلوة فى الثوب الواحد".

قلتِ وقت کے سبب صرف پہلے باب کا مطالعہ کرسکا، جس کے امتیازات وخصائص درج ذیل ہیں:

(۱) باب سے متعلق جملہ اقوال ومذاہب کا احاطہ اوران کے قائلین واصحاب کے ناموں کا بیان مع حوالہ۔

(۲) طحاوی شریف میں مذکور حدیثوں کے ماخذ ومراجع کی نشاندہی اوران کے تعددِ طرق کا بیان۔

(۳) متعارض حدیثوں میں تطبیق اور اس کا مفصل بیان۔

(۴) اگر کسی حدیث میں کوئی لفظ زیادہ ہے تو متعدد حدیثوں سے اس کی تائید وتوثیق اور سند کا بیان جبکہ وہ حدیث احناف کی مستدل ہو۔

(۵) احناف کی مستدل حدیثوں کے بعض

راویوں پر تنقید کا بھرپور جواب اور حفاظ حدیث کے متعدد بیانوں سے ان کی تعدیل۔

(٦) مشکل مقامات کی لغوی ونحوی تشریح۔

(٧) حدیث کی مفصل تشریح وتوضیح اور اس کے مفہوم ومعنی کا تفصیلی بیان۔

(٨) مذہب حنفی کی بھرپور تائید وترجیح اور مستدل حدیثوں کا بیان۔

(٩) حاشیہ میں نہایت صاف واضح اور شستہ زبان وبیان اور الفاظ وعبارت کا استعمال۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی خوبیوں پر یہ حاشیہ مشتمل ہے جس سے اس بات اندازہ ہوتا ہے کہ کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے محض رسمی حاشیہ کا کام نہیں کیا ہے بلکہ اس سے بہت اوپر اٹھکر ایک بالغ نظر مصنف اور باکمال شارح کی طرح شرح حدیث کے تمام تقاضوں کا پورا کیا ہے۔ اس لیے میری نظر میں حاشیہ طحاوی صرف حاشیہ نہیں، بلکہ طحاوی شریف کی ایک جامع اور مفصل شرح ہے۔ اب ذیل میں مذکورہ بالا دعواؤں سے متعلق کچھ نمونہ ومثال پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

باب مذکور سے متعلق تمام فقہاء ومحدثین کے اقوال کا احاطہ کرتے ہوئے حضور صدر الشریعہ اپنے حاشیہ میں رقمطراز ہیں:

قوله باب الرجل يدخل المسجد: إختلف فى هذه المسئلة على تسعة اقوال الاول: "الكراهة. وبه قال عمر بن الخطاب . وابوهريرة وعروة بن الزبير ومحمد ابن سيرين وابراهيم النخعى وعطاء بن ابى رباح وغيرهم". الثانى :" انه لا يجوز شئ من النوافل إذا كانت المكتوبة قد قامت من غير فرق بين ركعتى الفجر وغيرهما. قاله إبن عبدالبر فى التمهيد". الثالث: "انه لاباس بصلوة سنة الصبح. والامام فى الفريضة حكى إبن المنذر عن ابن مسعود ومسروق والحسن البصري ومجاهد ومكحول وحماد بن أبى سليمان وهو قول الحسن بن حى". والرابع:" التفرقة بين أن يكون فى المسجد او خارجه وبين أن يخاف فوت الركعة الأولىٰ مع الامام أو لا. وهو قول مالک. قال: إذا كان قد دخل المسجد فليدخل مع الإمام ولا يركعهما، وإن لم يدخل المسجد، فإن لم يخف أن يفوته الامام بركعة، فليركع خارج المسجد. وإن خاف تفوته الركعة الاولىٰ مع الامام فليدخل وليصل معه". والخامس:" أنه إن خشى فوت الركعتين معا وأنه لايدرک الامام قبل رفعه من الركوع فى الثانية دخل معه. والا فيركعهما خارج المسجد. ثم يدخل مع الامام. وهو قول ابى حنيفة وأصحابه كما حكاه ابن عبدالبر". السادس: " أنه يركعهما فى المسجد الا

ان يخاف فوت الركعة الأخيرة . وهو قول الاوزاعي وسعيد بن عبد العزيز. وحكاه النووی عن ابی حنیفة وأصحابه". السابع: "یرکعهما فی المسجد وغيره إلا أن يخاف فوت الركعة. وهو قول سفيان الثوری حکی ذلک ابن عبدالبر" الثامن: " أنه يصليهما وان فاتته صلوة الامام اذا كانت الوقت واسعا. قاله ابن الجلاب من المالكية. التاسع: " أنه إذا سمع الاقامة لم یحل له الدخول فی رکعتی الفجر. ولا فی غیرهما من النوافل سواء كان فی المسجد أو خارجه فان فعل فقد عصیٰ. وهو قول اهل الظاهر.

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تمام مذاہب واقوال اوران کے قائلین واصحاب کومفصلا بیان کرنے کے بعد شرح حدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں: پہلی حدیث جو اس باب میں مذکور ہے وہ ابو ہریرہ سے اس طرح مروی ہے: عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال إذا أقيمت الصلوٰة فلا صلوة الا المكتوبة. حدیث کے پہلے حصے "إذا أقيمت الصلوٰة" پر حاشیہ لکھتے ہوئے پہلے اس کے ماٰخذ ومراجع کی نشاندہی فرماتے ہیں: قوله إذا أقيمت الصلوٰة الخ هذا الحديث اخرجه مسلم فی صحیحه واصحاب السنن وابن حبان ___ پھر حدیث کے دوسرے حصے پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: قوله الا المكتوبة: ای المفروضة يشمل الحاضرة والغائتة ولكن المراد الحاضرة كما يدل عليه رواية ابی سلمة عن ابی هريرة "فلا صلوة الا التی اقيمت لها"

اس مقام پرامام ابوجعفر طحاوی نے ایک دوسری حدیث بھی جوابو ہریرہ ہی سے مروی ہے: اس حدیث کوذکر کرنے کے بعد اختلاف مذاہب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فذهب قوم إلى هذا الحديث فكرهوااللرجل إن يركع ركعتی الفجر فی المسجد والامام فی صلوة الفجر وخالفهم فی ذلک اخرون فقالوا لاباس بان يركعهما غير مخالط للصفوف مالم يخف فوت الركعتين مع الامام.

حضور صدر الشریعہ اس مقام پر "فذهب قوم" میں قوم سے کون حضرات مراد ہیں اس کا انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قوله فذهب قوم الخ. منهم الشافعی واحمد واسحق وابوثور. وكذالک رُوِیَ ذالک عن ابن عمر وابی هريرة وسعيد ابن جبير وعروة وابن سيرين وابراهيم وعطاء "وخالفهم فی ذالک اخرون" پر حاشیہ لکھتے ہوئے قول اول کے مخالف تمام اقوال ومذاہب اور ان کے قائلین واصحاب کومفصلا بیان کرتے ہوئے تمام مباحث کا احاطہ فرماتے ہیں کہ حدیث "إذا أقيمت الصلاة فلا صلوة الا المكتوبة" سے سنت فجر مستثنیٰ ہے کیونکہ بعض روایتوں میں " لا تدعوهما وان طرد تكم الخيل" رواه ابو داود. اوروہ بعض حدیثیں جن سے

سنت فجر کی بھی ممانعت ثابت ہوتی ہے اس کا جواب دیتے ہوئے حضور صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث ابو ہریرہ پر موقوف ہے۔ مرفوعا اس کی اصل ثابت نہیں، کیونکہ بہت سے حفاظ حدیث نے اسے ابو ہریرہ سے موقوفا بیان کیا ہے۔ حضرت امام ابو جعفر طحاوی نے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے جس کی سند درج ذیل ہے:

"حدثنا ابوبکرة قال حدثنا ابوعمر الضریری قال اخبرنا حماد ابن سلمة وحماد بن زیدعن عمر و ابن دینار عن عطاء ابن یسارعن ابی ھریرة بذالک. ولم یرفعه فصار اصل ھذا الحدیث عن ابی ھریرة لا عن النبی صلی الله علیه وسلم.

اس مقام پر حضور صدر الشریعہ نے مذہب حنفی کو قوت دیتے ہوئے مزید ایک حدیث مرفوع نقل کی ہے وہ یہ ہے:

روی البیھقی من طرق حجاج ابن نصیر عن عباد ابن کثیر عن لیث عن عطاء عن ابی ھریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: إذا أقیمت الصلوة فلا صلوٰة الا المکتوبة الا رکعتی الفجر.

اس حدیث میں سنت فجر کا صاف صاف استثناء ہے یعنی جب تک اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ دونوں رکعتیں چھوٹ جائیں گی اور امام کو دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے نہ پا سکے گا تو خاص اس صورت میں سنت فجر چھوڑ کر جماعت میں شامل ہونے کی اجازت ہے ورنہ پہلے سنت فجر پڑھے پھر جماعت میں شامل ہو اس حدیث کے آخری حصہ میں "الا رکعتی الفجر" پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے اور فرمایا کہ حدیث کا یہ حصہ ثابت نہیں اور اس زیادتی کی کوئی اصل نہیں کیونکہ جس حدیث میں یہ زائد حصہ وارد ہے اس کی سند میں دو ایسے راوی ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں اور وہ راوی حجاج ابن نصیر اور عباد ابن کثیر ہیں۔ حضور صدر الشریعہ نے عینی کے حوالہ سے پہلے ان دونوں راویوں کی تعدیل ثابت کی تحریر فرماتے ہیں:

قال العینی قال یعقوب بن شیبة سألت ابن معین عن حجاج ابن نصیر فقال صدوق وذکره ابن حبان في الثقات وعباد بن کثیر کان من الصالحین.

پھر حضرت صدر الشریعہ نے ایک فیصلہ کن بحث تحریر فرماتے ہوئے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اس باب میں مذہب امام اعظم ابو حنیفہ نہایت قوی اور احادیث صحیحہ کے عین مطابق ہے ــــــ امام اعظم کا مسلک میرے مقالے میں پانچویں قول کے تحت مذکور ہے۔ حضور صدر الشریعہ کا حاشیہ طحاوی حقیقت میں شرح معانی الآثار کی ایک مفصل شرح ہے۔ اور صدر الشریعہ کی حیثیت "کشف الاستار" میں حاشیہ نگار کی کم اور شارح کی زیادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضور صدر الشریعہ ایک عظیم محدث وفقیہ اور ذمہ دار شارح کی طرح متن حدیث، رجال حدیث، اس کے مأخذ ومراجع، حل لغات ترکیب نحوی وغیرہ پر پوری بحث کی ہے ایسا نہیں کہ محض کسی مغلق اور پیچیدہ مقام پر حاشیہ لگا کر آگے بڑھ گئے ہیں بلکہ متعلقہ باب کی تمام احادیث کو سامنے رکھ کر ایک فیصلہ کن بحث تحریر فرمائی ہے اور مذہب حنفی کی وکالت وترجمانی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے ــــــ

مثال کے طور پر اسی باب میں ایک حدیث ہے:

"عن مالک ابن بحینة قال اقیمت صلوة الفجر فاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی رجل یصلی رکعتي الفجر فقام علیه ولاث به الناس فقال أتصیلهاا ربعا ثلاث مرات".

اس حدیث میں ہے "أتی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی رجل" رجل سے کون صاحب مراد ہیں اس کی تعیین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله علی "رجل" الخ هذا الرجل هو عبدالله کما رواه احمد من طریق محمد ابن عبدالرحمن بن ثوبان عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم مربه وهو یصلی"____

واضح رہے کہ یہاں عبداللہ سے مراد عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ ہیں جس کی مفصل بحث حاشیہ میں موجود ہے اس حدیث میں "لاث به" کی لغوی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله لاث به الناس الخ بالثا ء المثلثة الخفیفة ای دار. واحاط وقال ابن قتیبة "اصل اللوث الطی" ویقال: لاث عمامته ای ادارها ویقال فلان یلوث بی ای یلوذبی والمقصود ان الناس احاطوا به والتفوا حوله. والضمیر فی "به" یرجع الی الرجل.

حدیث مذکور میں "أتصیلها اربعا" آیا ہے۔ حضور صدر الشریعہ پہلے اختلاف روایت کوذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقع فی روایة مسلم "عن حفص ابن عاصم عن عبدالله ابن مالک یوشک ان یصلی احدکم" الصبح اربعا" "وفی روایة اخری له" أتصلی الصبح اربعا ووقع فی روایة البخاري "الصبح اربعا الصبح اربعا"

پھر حضرت صدر الشریعہ "اربعا" کی ترکیب نحوی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله اربعا" منصوب علی الحال. قاله ابن مالک. وقال الکرمانی علی البدلیة، فیجوز ان یکون بدل الکل من الکل. لان الصبح صار فی معنی الأربع. و یجوز ان یکون بدل الکل من البعض لان الاربع ضعف صلوة الصبح. و یجوز ان یکون بدل الاشتمال، لأن الذی صلاها الرجل أربع رکعات فی المعنی____

مذکورہ بالا مثالوں سے صاف واضح ہے کہ حضور صدر الشریعہ جہاں ایک عظیم محدث تھے وہیں ایک زبردست فقیہ بھی تھے اور یہ بھی واضح ہے کہ "کشف الاستار" میں حضور صدر الشریعہ کی حیثیت محشی کی کم اور شارح کی زیادہ ہے یہ تو چند مثالیں ہیں جو سرسری مطالعہ کے بعد منتخب کی گئی ہیں اگر گہری نظر تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو اس قسم کی ہزاروں مثالیں جن سے حضور صدر الشریعہ کا فقیہانہ ومحدثانہ مقام بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔ بس انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے میں اپنے قلم کو روکتا ہوں اور خدا کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ حضور صدر الشریعہ کے علم کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

❖❖❖

حضور صدر الشریعہ
اپنے تلامذہ کے جھرمٹ میں

مفتی محمد عابد حسین قادری نوری مصباحی
خادم افتا: مدرسہ فیض العلوم جمشید پور

ہُوا تیری توجہ سے مجاہد دین کا کوئی
کوئی سرادرِ دوراں اور حافظ کوئی ملت کا

اس خاک دانِ گیتی پر ایک سے ایک بندگانِ خدا آئے اور ایک زمانے تک اس دنیا کو آباد وشاد کرتے رہے، پھر وعدۂ الٰہی کے تحت موت کے منہ یں چلے گئے، آج ان کا کوئی نام لینے والا نہیں۔ مگر اس فرشِ گیتی پر کچھ ہستیاں وہ جلوہ آرا ہوئیں، جو موت کا مزہ چکھنے کے باوجود زندہ وتابندہ ہیں۔ ان کے نقوشِ حیات بھی زندہ ہیں، ان کے کارنامے بھی۔ صدیاں بیت گئیں، مگر وہ اب بھی اربابِ علم ودناش کے دل ودماغ میں بسے ہوئے ہیں، وہ چُھپے نہیں چُھپے ہوئے ہیں۔ ان ہی پاک ہستیوں میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت، فقیہ اعظم ہند، صدر الشریعہ، بدر الطریقہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ کی عبقری شخصیت ہے۔ وہ ایک ولی اللہ اور امام اصفیا ہونے کے سبب زندہ ہیں۔ وہ اپنی تصنیفات حاشیۂ شرح معانی الآثار، ۱۷ حصوں پر مشتمل بہار شریعت اور چار جلدوں پر مشتمل فتاویٰ امجدیہ کی شکل میں زندہ ہیں۔ وہ اپنے عظیم مریدین، خلفا اور تلامذہ کے جھرمٹ میں رہ کر حیاتِ جاودانی کے پیکر محسوس بن گئے ہیں۔

وہ بلاشبہ اپنے شاگردانِ رشید (۱) حضور حافظ ملت (۲) مجاہد ملت (۳) محدث اعظم پاکستان (۴) شیر بیشۂ اہل سنت (۵) صدر العلما میرٹھی (۶) مفتی رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور (۷) محدث پاکستان علامہ مفتی عبد المصطفیٰ ازہری (۸) حضرت محدث کبیر وغیرہم کے تبحر علمی، تفقہ فی الدین اور دینی وملی کارناموں کے جھروکے سے زندہ وپائندہ ہیں۔

مشہور مقولہ ہے:

''درخت اپنے پھل اور استاذ اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے''۔

اگر یہ حقیقت ہے تو واقعی اس شجر طوبیٰ کے مولانا شمس الہدیٰ، مولانا یحییٰ، مولانا عطاء المصطفیٰ مرحوم، علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، مولانا قاری رضاء المصطفیٰ، علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری، مفتی ثناء المصطفیٰ، مفتی بہاء المصطفیٰ، استاذِ گرامی مولانا فداء المصطفیٰ، مولانا علاء المصطفیٰ، مولانا عطاء المصطفیٰ پاکستان، مفتی جمال مصطفیٰ، مولانا ابو یوسف ازہری، مفتی فیضان المصطفیٰ، مولانا وفاء المصطفیٰ جیسے بیٹے اور پوتے کی شکل میں میٹھے میٹھے نہایت خوش گوار پھل ہیں تو مندرجہ بالا آٹھ تلامذہ کے علاوہ:

(۹) شمس العلما مولانا شمس الدین جونپوری (۱۰) مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا جیلانی (۱۱) مفتی تقدس علی خان بریلوی پاکستان (۱۲) خیر الاذکیا مفتی غلام یزدانی اعظمی

(۱۳) مولانا غلام جیلانی اعظمی (۱۴) مفتی محبوب رضا خان بریلوی پاکستان (۱۵) سید العلما حضرت آل مصطفیٰ مارہروی (۱۶) مفتی مبین الدین امروہوی (۱۷) مفتی وقار الدین پاکستان (۱۸۱) صاحب تصانیف کثیرہ مفتی خلیل احمد برکاتی (۱۹) جامع معقولات ومنقولات مولانا سلیمان اشرف بھاگل پور (۲۰) مفتی اعجاز ولی خان پاکستان (۲۱) مولانا فیض الھدیٰ گیاوی (۲۲) مولانا افضل الدین حیدر، درگ (۲۳) مولانا محمد عمر مدراسی (۲۴) مولانا سید ظہیر الدین زیدی (۲۵) مفتی شریف الحق امجدی (۲۶) مفتی لطف اللہ علی گڑھی (۲۷) علامہ محسن فقیہ شافعی (۲۸) فیض العارفین مولانا غلام آسی (۱) ان کے شاگرد ہونے کا تذکرہ صدر الشریعہ نمبر کے صفحہ ۱۹۴ر پر ہے) (۲۹) مفتی مجیب الاسلام ادروی (۳۰) مولانا الفت علی گورکھپوری (۳۱) مولانا خلیل احمد کچھوچھوی (۳۲) سید مظہر ربانی، باندہ (۳۳) امین شریعت علامہ سبطین رضا بریلوی (۲) اس کے راوی مفتی مجیب الرحمٰن رائے پور چھتیس گڑھ ہیں، موصوف نے راقم السطور سے بیان کیا کہ حضور امین شریعت موصوف نے خود مجھ سے فرمایا کہ میں نے حضرت صدر الشریعہ سے پڑھا ہے، جب حضرت جلالین شریف پڑھا رہے تھے تو میں دور کنارے بیٹھنا چاہتا تھا اور حضرت اپنے قریب سامنے بیٹھاتے تھے) (۳۴) بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی (۳) اس کے راوی حضرت مفتی عبد المنان کلیمی ہیں، انھوں نے راقم سے فرمایا کہ حضرت بحر العلوم نے خود مجھ سے فرمایا کہ حضرت صدر الشریعہ نے مجھے بخاری شریف شروع کرائی (نور) (۳۵) مولانا اسد الحق اندوری (۳۶) مولانا حامد فقیہ ممبئی (۳۷) مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی مہکتے دمکتے ہوئے جامع معقولات ومنقولات جید تلامذہ ہیں۔

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، مفتی ظفر علی پاکستان، مولانا سید عبد الحق مبارک پوری ثم کاٹھیاواڑی، قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری، مفتی جلال الدین امجدی، مولانا ثناء اللہ مئوی، قاری مصلح الدین صدیقی پاکستان، مولانا غلام ربانی فائق الامجدی، قاری محمد یحییٰ مبارکپوری، مولانا عبد الشکور اعظمی، حضرت علامہ عبد الرؤف مبارکپوری جیسے اکابر امت آپ کے خلفا ومریدین ہیں علیہما الرحمۃ والرضوان۔

نوٹ:۔ شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی قدس سرہ، حضور حافظ ملت، صدر العلما حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی میرٹھی اور محدث اعظم پاکستان حضرت مفتی سردار احمد علیہم الرحمہ کے واسطے تو حضور صدر الشریعہ کے تلمیذ ہیں ہی، مگر بلا واسطہ بھی آپ کے شاگردوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، کیوں کہ صدر الشریعہ کے آخری ایام میں ایک سال تک گھوسی میں آپ نے حضرت سے استفادہ کیا ہے، حضرت کے شاگرد ہونے کا ذکر حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ نے خود اپنے مضمون میں کیا ہے۔ مرید وخلیفۂ مجاز ہونا اس پر مستزاد ہے۔

یہ اکابر علما ومشائخ عمائدین قوم وملت ہیں، جن کو تاریخی صفحات میں اپنی جگہیں دیں، ان کے علاوہ اور بھی تلامذہ ہیں، جن کو بہت کم لوگ جانتے ہیں:

(۳۸) مولانا علاء الدین پرنوی سابق شیخ الحدیث مدرسہ فیض العلوم جمشید پور (جھارکھنڈ) (۱) ان کی تعریف مفتی عبد الستار مصباحی سابق صدر المدرسین مدرسہ فیض العلوم جمشید پور سے سنی تھی اور ان کے تلمیذ مولانا محمد یٰسین فیضی مدھوپور نے فرمایا کہ حضرت کافی صلاحیت کے مالک تھے اور بخاری

شریف نہایت شاندار طریقے پر پڑھاتے تھے)(۳۹) مولانا غلام مصطفیٰ کوثر امجدی بلیاوی سابق محرر دارالافتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور(۲) زمانۂ طالب علمی کے دوران ۱۹۸۶ء تک ایک عرصۂ دراز تک حضرت موصوف کی صحبت بافیض سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ان سے راقم الحروف فیض یاب ہوتا رہا، اسی دوران معلوم ہوا تھا کہ آپ صدرالشریعہ کے شاگرد ہیں)(۴۰) مولانا عبدالعزیز امجدی مبارکپوری(۳) ماہنامہ اشرفیہ صدرالشریعہ نمبر،ص۲۵۸) (۴۱) مولانا محمد زاہد(۴) مرجع سابق، ص:۲۳) (۴۲) مولانا محمد خلیل امروہوی (۵) مرجع سابق،ص:۲۴) (۴۳) مولانا ابوالوفا شاہ مظفر پوری (۴۴) مولانا غلام یٰسین مظفر پوری (۴۵) مولانا سید محمد علی اجمیری (۴۶) سید حسین علی اجمیری (۴۷) سید اقبال اجمیری (۴۸) مولانا خیرات الحسن اجمیری (۴۹) مولانا یونس اجمیری(۶) ان ساتوں کا تذکرہ محدث پاکستان عبدالمصطفیٰ ازہری نے اپنے مضمون میں کیا ہے، صدرالشریعہ نمبرص:۳۳،۳۴ر پر) (۵۰) مولانا افتخار احمد خالص پور اعظم گڑھ(۷) حضور صدرالشریعہ حیات و خدمات،ص:۸۷) (۵۱) قاری مولانا رضاء المصطفیٰ کراچی (۵۲) شاہ صدیق اللہ بناری (۸) ماہنامہ اشرفیہ صدرالشریعہ نمبر،ص:۵۷) (۵۳) مفتی ثناء المصطفیٰ علیہم الرحمہ (۹) حضرت محدث کبیر قبلہ کی روایت کے مطابق آپ نے حضرت صدرالشریعہ سے چندابتدائی کتابیں پڑھیں)

آپ کے تلامذہ کا یہ وہ دستہ ہے جو بذاتِ خود اپنے اپنے وقت کے سرچشمۂ علم وحکمت، امام علم وفن اور مردمیدان تھے۔ جو جہاں تھا کوہِ ہمالہ تھا، آفتاب وماہتاب تھا۔ اس لیے کہ ان سب کا شیخ ومربی بڑا قد آور تھا، تناور تھا، شناور تھا، خود روشن تھا، دوسروں کو روشن کرنے والا تھا۔ نور وہ ہے جو خود روشن ہو اور دوسروں کو بھی روشن کرے۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

حضرت صدرالشریعہ کی تدریس کا چہار دانگ عالم میں شہرہ تھا، اسی لیے صرف ہندوستان ہی نہیں افغانستان، بخارا اور افریقہ کے طلبہ بھی آپ کی بارگاہ میں پہنچے اور آپ کے ارشد تلامذہ میں اپنا نام لکھوانا باعث فخر سمجھا۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنے مقالہ میں رقم طراز ہیں:

''ایک افغانی طالب علم سن رسیدہ، جو دوسرے مدارس میں کئی بار درس نظامی کی تکمیل کر چکا تھا، حضرت کی شہرت سن کر اجمیر شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، درس میں بخاری شریف آپ سے پڑھتا تھا، اس نے ''تتمۂ خانقاہی'' پڑھنے کی درخواست کی، حضرت نے اس کی درخواست منظور فرمالی، تتمۂ خانقاہی اصول فقہ میں بہت مشکل کتا ہے، ہندوستان میں رائج نہیں، اس لیے نہ کتب خانہ میں تھی، نہ حضرت کے پاس تھی، صرف ایک ہی کتاب اس افغانی طالب علم کے پاس تھی، خارجِ وقت میں پڑھاتے تھے اور فارسی میں تقریر فرماتے تھے، کیوں کہ یہ اردو کم سمجھتا تھا''۔

(ماہنامہ اشرفیہ کا صدرالشریعہ،ص:۱۲)

اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ حضور صدرالشریعہ سہ لسانیات کے ماہر تھے، عربی، فارسی اور اردو زبان بولنے پر کمال قدرت رکھتے تھے اور عالمی شخصیت کے مالک تھے۔

امین شریعت مفتی عبدالمنان کلیمی صاحب اپنے مضمون

میں بخاری اور افریقی طلبا کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

''ایک افریقی طالب علم مولانا محبوب خدا بخش کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرزمین ہند میں ایک نابغۂ روزگار شخصیت میدان درس و تدریس کے شہ سوار حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت فقیہ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، جو بے قرار دل کو قرار اور پراگندہ ذہن کو جلا بخشتے ہیں، جن کی بارگاہ میں صبح و شام لوگ ان کے فیضانِ علم و حکمت سے سرفراز ہوتے ہیں، تو وہ بھی رخت سفر باندھتے ہیں اور ریاست ''دادوں'' کا قصد کر لیتے ہیں، بالآخر حضرت صدر الشریعہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہونا چاہتے ہیں، حضرت صدر الشریعہ نے درخواست منظور فرمالی اور ان کی تعلیم و تربیت کا عمدہ انتظام فرمایا''۔

آگے لکھتے ہیں:

''ملک روس کے مشہور و معروف شہر بخارا کو کون نہیں جانتا، عہد اول میں وہ اسلامی تعلیمات اور دینی امور کا عظیم مرکز رہا ہے، وہاں سے بڑے بڑے فضلا اور علما نکلے اور عالم اسلام میں انقلاب پیدا کر دیا، آج وہی شہر بخارا نے اپنی آغوش کے ایک پروردہ کو حضرت صدر الشریعہ کی بارگاہ میں بھیج دیا، اور اس شان بان کے ساتھ کہ وہ عالم حضرت صدر الشریعہ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے کے بعد سب سے پہلا سوال یہ کرتے ہیں کہ حضور میں ''شرح مطالع'' پڑھنا چاہتا ہوں، حضرت فقیہ اعظم ہند جو علوم و معارف کے ناپیدا کنار سمندر تھے، فوراً تیار ہو جاتیں اور اس بخاری عالم کو تعلیم دینے لگتے ہیں''۔ (ملخصا اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر، ص:۱۳۶)

اسی لیے علامہ مفتی ظفر علی کراچی روداد دار العلوم امجدیہ کے صفحہ ۷ پر رقم طراز ہیں:

''آپ کا محبوب ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، ہر فن پوری مہارت سے پڑھاتے، آپ کے درس میں ہندی، پنجابی، سندھی، مدراسی، بلخی، بخاری، سمرقندی، افغانی، ترکی، افریقی، ایرانی سب ہی شریک ہوتے۔ چوں کہ اس وقت طلبا کا باقاعدہ رجسٹر نہیں ہوتا تھا، اس لیے ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں''۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر، ص:۱۰۵)

آپ کی شانِ درس و تدریس اور ان ارشد تلامذہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد بے ساختہ نوکِ قلم پر یہ بات آتی ہے کہ حضور صدر الشریعہ بلاشبہ چودھویں کے چاند ہیں اور ان کے یہی تلامذہ ستارے۔ ان ستاروں کے جھرمٹ میں رہ کر ضیا پاشی کرنے والے آپ ہیں، یہ سب آپ سے روشن ہوئے، جس طرف گئے، قلوب واذہان کو روشن کیا، حقیقت مجیں نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ ایک چاند کا ہالہ ہے اور اس کے اِرد گرد ستاروں کی انجمن ہیں جس کی شعاعیں ہر طرف تابانیاں بکھیر رہی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے دیگر محاسن کے ساتھ اپنے درس و تدریس کا لوہا اپنے اور بے گانے ہر ایک سے منوا لیا تھا، ہندو پاک کا کوئی دار العلوم یا جامعہ ایسا نہیں جہاں آپ کے علمی فیضان کا بادل نہ برسا ہو۔ ہندوستان میں آپ کے تلامذہ میں سے حضور حافظ ملت، شمس العلما، مجاہد ملت، صدر العلما اور حضور محدث کبیر وغیرہم نے۔ اور پاکستان میں حضور محدث اعظم پاکستان، عبد المصطفیٰ ازہری، مفتی وقار الدین وغیرہم علیہم الرحمۃ والرضوان نے مسند تدریس کو زینت بخشی۔

اس طرح ہند و پاک کے تقریباً تمام ادارے آپ کے درس و تدریس کے فیوض و برکات سے مالا مال ہیں، اور ان کے اداروں کے فضلا کسی نہ کوئی طرح آپ کے شاگرد یا کم از کم آپ کے علمی تراث سے استفادہ کرنے والے ضرور ہیں۔

کردار سازی اور افراد سازی آپ کا نصب العین تھا، فروغ اسلام وسنیت آپ کا مشن تھا۔ اس کے لیے آپ نے لائحۂ عمل تیار کیا اور اس لائحۂ عمل کو آپ کے تلامذہ نے اپنا کر پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ بڑے پتے کی بات کہہ گئے قائد اہل سنت حضرت رئیس القلم علیہ الرحمہ:

"اس موقع پر تاریخ کے حوالے سے ایک خاص نکتے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، بریلی سے لے کر اجمیر مقدس، دادوں اور بنارس تک حضرت صدرالشریعہ کی تدریسی زندگی کا اگر آپ جائزہ لیں تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ درسیات میں مہارت رکھنے والے اساتذہ کی تیاری حضرت کی زندگی کا خاص نصب العین تھا اور اس حقیقت کا انھیں پوری طرح ادراک تھا کہ علم کا مرکز افراد ہیں، سنگ و خشت کی عمارتیں نہیں، اور زمانہ گواہ ہے کہ ہندوپاک کے سنی مدارس کے اندر جہاں جہاں بھی نئی نسلوں میں علم کا نور منتقل ہو رہا ہے، اس میں امجدی نسل کے علما کا زبردست حصہ ہے"۔

(حضور صدرالشریعہ حیات وخدمات، ص:۱۰۵)

ذہن پر بار نہ ہو تو الفاظ وعبارت کی حلاوت وچاشنی سے شادکام ہونے کے لیے حضرت موصوف کا مبنی بر حقائق ایک اور اقتباس دیدہ زیب کر لیجیے، رقم طراز ہیں:

"دبستان امجد کے شجرے میں دو شخصیتوں کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، جن سے اساتذہ اور علما کی نسل چلی اور آج تک چل رہی ہے۔ ہندوستان میں استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اور پاکستان میں شیخ الاساتذہ بقیۃ السلف حضرت علامہ محمد سردار احمد علیہ الرحمۃ والرضوان، دونوں ملکوں میں یہی دو عظیم منبع ہیں، جن سے چھوٹی بڑی بہت ساری نہریں نکل کر مختلف بلاد وامصار سے ہوتی ہوئی ہر آن بحر و بر کی سرحدوں کو عبور کر رہی ہیں، یہاں تک کہ ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے سنی مراکز ومدارس میں علم کا کوئی روشن چراغ آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کی لو کسی شمع امجدی سے منور نہ ہوئی ہو"۔

(حضور صدرالشریعہ حیات وخدمات، ص:۱۰۶)

اک آفتاب دفن یہاں زیر خاک ہے
پُر نور جس سے انجمنِ ہند و پاک ہے

اللہ کا شکر ہے کہ راقم السطور کو بھی حضرت ممدوح کے فیوض و برکات سے حظ وافر ملا ہے، صرف ایک واسطہ سے آپ کا شاگرد ہے، استاذ گرامی سلطان الاساتذہ ممتاز الفقہا محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ حضرت والا سے قرآن وحدیث اور وظائف و معمولات کی اجازت اور سلسلۂ عالیہ قادریہ امجدیہ عزیزیہ اور عالیہ قادریہ رضویہ مصطفویہ کی اجازت وخلافت حاصل ہے۔ شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب علیہ الرحمہ اور استاذ گرامی حضرت بحر العلوم سے قرآن وحدیث کی اجازت اور مرشد خلافت امین شریعت علامہ سبطین رضا سے سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ مصطفویہ کی خلافت واجازت حاصل ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے دوران طالب علمی میں حلقۂ دراز تک حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہ کر نقل

افتا کا موقع ملا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت صدر الشریعہ کے کئی شہزادوں، تلامذہ، مریدین وخلفا اور تربیت یافتہ کی زیارت کا شرف بھی ملا ہے۔ مثلاً علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری پاکستان، قاری رضاء المصطفیٰ پاکستان، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، مفتی مجیب الاسلام ادروی، مفتی ثناءاللہ امجدی، علامہ ارشد القادری، مفتی جلال الدین امجدی، مفتی مبین الدین امروہوی، حضور مجاہد ملت، مفتی اعظم کانپور مفتی رفاقت حسین، قاری محمد یحییٰ مبارک پور، مفتی ظفر علی کراچی، فیض العارفین مولانا غلام آسی، مفتی ثناء المصطفیٰ، مفتی بہاء المصطفیٰ، استاذ گرامی حضرت مولانا فداء المصطفیٰ۔

تو ہے سواد ملت بیضا کا پیش امام
رب نے عطا کیا تیرے فیضان کو دوام

حضرت ایک مشفق استاذ تھے:

حضور صدر الشریعہ نہایت مشفق استاذ تھے۔ آپ نے اپنے دیگر تلامذہ کی طرح جلالۃ العلم، استاذ العلما حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کو بھی نہایت خلوص ومحبت اور شفقت کے ساتھ پڑھایا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ملاحسن وغیرہ پڑھنے کے بعد حافظ ملت قدس سرہ خانگی مشکلات کے باعث دورہ لے لینے کی خواہش کا اظہار کیا، مگر حضرت صدر الشریعہ نے آپ کی علمی لیاقت اور فطری صلاحیت کے پیش نظر منظور نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''زمین پھٹ جائے، آسمان ٹوٹ پڑے یہ تو ممکن ہے، مگر آپ کی ایک کتاب بھی چھوٹ جائے یہ ممکن نہیں، آپ کو ہر صورت درس نظامیہ کا پورا کورس مکمل کرنا ہے''۔ پھر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ساتھ اجمیر شریف سے بریلی شریف آئے اور دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے فارغ التحصیل ہو کر دستار فضیلت اور سند فضیلت حاصل کی۔

(حضور صدر الشریعہ حیات وخدمات، ص:۴۰۲)

کس قدر پُر کیف تھی پوری کتاب زندگی
فکر پاکیزہ، شگفتہ قلب، سنجیدہ نظر
ارتقائی روح بڑھتی ہی گئی سوئے ہدف
ابتدا بھی اک سفر تھی انتہا بھی اک سفر

مفتی محبوب رضا خاں بریلوی بانی مدرسہ رضویہ حنفیہ ساہیوال پاکستان اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں:

''حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں ۱۹۳۹ء میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ میں حاضر ہوا، چوں کہ درمیان سال تھا، حضرت نے فرمایا کہ بندۂ خدا بغیر پیشگی خط وکتابت کے آگئے، تین پیسے کا خط لکھ کر پہلے مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا، یہاں درمیان سال میں داخلہ ممنوع ہے، یہ ریاست ہے اور نواب صاحب کی اجازت کے بغیر درمیان سال میں داخلہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے عرض کی کہ حضور اب تو میں آگیا، واپس نہیں جاؤں گا، داخلہ نہیں ہوتا تو نہ ہو، میں بستی میں کرایہ پر مکان لے لوں گا، آپ پرائیویٹ طور پر کوئی ایک سبق مجھے شروع کرادیں، فرمایا میرے پاس وقت کہاں ہے؟ عرض کی کہ حضور مجھے دس منٹ عنایت فرمادیں، فرمایا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو، دس منٹ یں پڑھایا جاسکتا ہے؟ عرض کی کہ حضور میرے لیے دس منٹ بہت ہے، فرمایا کیا پڑھنا چاہتے ہو؟ عرض کی جو حضور پڑھائیں، ہنس پڑے، پھر فرمایا: منطق کہاں تک

پڑھی ہے؟ عرض کی ''قطبی'' پڑھی، فرمایا ''ملا جلال'' شروع کر دو، عرض کیا جو حکم ہو، پھر کچھ تأمل کے بعد دریافت کیا ''میر زاہد'' رسالہ پڑھا ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا پھر پہلے رسالہ پڑھو، عرض کی جو حکم ہو، فرمایا کل سے میر زاہد شروع کردو۔ چنانچہ دوسرے روز عصر کی نماز کے بعد مدرسہ کے چبوترے پر چار پائی پر بیٹھ کر میر زاہد شروع کرایا تو اساتذۂ مدرسہ بھی شریک درس ہو گئے اور اکثر طلبا بھی، یعنی میر زاہد رسالہ میں میرے شریک طلبا کی تعداد سب اسباق کی جماعتوں سے بڑی ہو گئی۔ نیز چھٹی جماعت میں شریک ہو کر اسباق کی سماعت کی اجازت بھی مل گئی، مطبخ کے باورچی کو بلا کر حکم فرمایا کہ قاری صاحب کا کھانا دونوں وقت کا تم دے دینا اور پیسہ تم ان سے طے کر لینا۔ چنانچہ میں کئی مہینے اس طرح ہوسٹل میں رہا، پھر ایک روز نواب غلام محمد خان صاحب مرحوم متولی مدرسہ ہوسٹل میں تشریف لائے، میری طلبیہوئی اور مجھ کو باقاعدہ داخلہ مل گیا''۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر، ۱۹۹۵ء ص: ۲۵)

بھیڑ کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

تدریس کا انداز نرالہ تھا:

حضور صدر الشریعہ کے بارے میں حضور حافظ ملت اپنے مشاہدات کے آئینے میں فرماتے ہیں:

''خاتم الفقہا حجۃ العصر حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ ابو العلا محمد امجد علی صاحب علیہ الرحمہ جامع الکمالات، مجمع البحرین تھے۔ آپ متبحر عالم، جامع معقول و منقول ہونے کے ساتھ اپنے علم پر عامل، متبع سنت، پابند شریعت تھے۔ تبحر علمی کا یہ عالم کہ پورا درسِ نظامی مستحضر تھا، جو کتاب سامنے آتی بے دریغ پڑھاتے، کما حقہ پڑھاتے۔ ایسی جامع تقریر فرماتے کہ تمام اعتراضات و شبہات رفع ہو جاتے اور مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا، علاوہ درسیات کے جو بھی کتاب لائی گئی کما حقہ پڑھایا۔ قاضی کا حاشیۂ فضل حق و امور حامہ کا حاشیۂ عبد الحق، مولانا سید غلام جیلانی و مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہما جیسے ذی استعداد اور خیر الاذکیا حضرات کو پڑھایا''۔

آگے رقم طراز ہیں:

''حاشیہ عبد الغفور بہت مشکل کتاب ہے، اکثر ایسا ہوا ہے کہ جہاں مجھے کچھ شبہ رہ جاتا حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کرتا، حضرت ایسی واضح تقریر فرماتے کہ شبہ رفع ہو کر پورا اطمینان ہو جاتا، ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت پہلے سے اس کی تفہیم کے لیے تیار تھے۔ یہ آپ کے تبحر علمی کی دلیل ہے''۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص: ۱۲)

تدریسی مہارت:

آپ کی علمی اور تدریسی مہارت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے آپ کے تعلق سے دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر خطبۂ صدارت میں کہا تھا:

''حضرات! آج کل مدارس بہت، مدرس

بہت، طلبہ بہت۔ میں ہندوستان کے مختلف مدارس میں پھرا اور دیکھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پھر جایئے اور مدرس تلاش کیجیے، صحیح معنوں میں مدرس نہیں ملیں گے۔ میرا جو ذاتی تجربہ ہے، وہ یہ ہے کہ جس کو مدرس کہتے ہیں، وہ ہندوستان میں چار پانچ سے زائد نہیں، ان چار پانچ میں سے ایک مولوی امجد علی صاحب ہیں، ان کے ہاتھ سے طلبہ کا فاضل ہونا اور اسناد پانا، صاف بتلا رہا ہے کہ کہ ان میں ضرور استعداد ہے، نام کے مولوی نہیں"۔

(روداد مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ، بابت: ۵۸۔ ۱۳۵۷ھ ص: ۵، بحوالہ صدر الشریعہ نمبر ص: ۱۲۲، مقالہ استاذ گرامی مفتی عبدالمنان کلیمی صاحب۔ بعض کتابوں میں موصوف کے الفاظ یوں درج ہیں: "مولانا امجد علی صاحب پورے ملک کے ان چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں، جنھیں میں منتخب جانتا ہوں"۔ (کتابچہ صدر الشریعہ بحوالہ حضور صدر الشریعہ حیات وخدمات، ص: ۱۵)

مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ کے نائب مدرس مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے بھی صدر الشریعہ کی درسیات پر پوری مہارت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"مولانا محمد امجد علی اعظمی سات سال سے صدر مدرس تھے۔ بریلی، اجمیر اور دوسرے مدرسوں کے صدر مدرس رہ چکے تھے۔ کہنہ مشقی کی بنا پر درسیات پر پوری مہارت رکھتے تھے"۔ (باغی ہندوستان، از محمد عبدالشاہد خاں شیروانی، ص: ۲۴۰ بحوالہ حضور صدر الشریعہ حیات وخدمات، ص: ۵۳، ناشر دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی)

یہ گوشہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آپ جہاں کہیں بھی رہے، شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کی حیثیت سے رہے۔ اس لیے آپ صدر صاحب کے لقب سے بھی پکارے جاتے تھے۔ بلاشبہ آپ صدر الشریعہ بھی ہیں، صدر العلما اور شیخ العلما بھی۔

حشر تک یوں ہی رہے گا گلستان اہل سنت
تیری خوشبو سے معطر، حضرت صدر شریعت

آپ سا کوئی استاذ و مدرس نہیں:

سید المتکلمین مولانا سید شاہ سلیمان اشرف بہاری، صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، آپ کے نام ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

"میری نیاز مندانہ گزارش ہے کہ آں جناب درس کے سلسلے کو جاری رکھیں۔ اس وقت سنی حنفی کوئی مدرس ایسا نہیں ہے، جو معقول ومنقول صحیح استعداد کے ساتھ پڑھا سکتا ہو۔ میرے علم میں مولانا محدث سورتی اور استاذ علیہ الرحمہ کے صرف آپ ہی یادگار ہیں"۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر، ص: ۱۳۳)

آپ علم کے موج مارتا ہوا سمندر ہیں:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان من دنوں منظر اسلام بریلی شریف میں درس دے رہے تھے، ان دنوں کی بات ہے کہ طلبہ کے سوالات کے جوابات اس قدر وفور علم اور خوش اسلوبی کے ساتھ دے رہے تھے کہ حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خاں بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، دروازہ کے اوٹ سے طلبہ کے سوالات اور حضرت کے جوابات آپ سماعت

فرما رہے تھے۔ آپ نے برجستہ ارشاد فرمایا:

"مولانا امجد علی صاحب جوابات دے رہے تھے تو معلوم ہو رہا تھا کہ ایک بحر ذخار ہے جو موجیں مار رہا ہے"۔

اس لیے گدائے قادری کہے گا علوم وفنون کے بحر مواج کا نام حضور صدر الشریعہ ہے۔

تدریس کے شہنشاہ تھے:

صدر العلما حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں:

"آپ کی تدریسی خصوصیات میں اول یہ خصوصیت تھی کہ درسی کتابوں کے علاوہ ان کے مطبوعہ حواشی بھی پڑھاتے تھے۔ چنانچہ فقیر کو میر زاہد امور عامہ کے ساتھ ساتھ اس کا حاشیہ مولانا عبدالحق خیر آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی بھی سبقاً سبقاً پڑھایا، اگرچہ بعض شرکائے درس بوجہ قلت وقت اس کے پڑھنے سے گریز چاہتے تھے اور قاضی مبارک کا حاشیہ مولانا فضل حق خیر آبادی خصہ اللہ تعالیٰ باخص الاہادی بھی فقیر کو پڑھایا، لیکن وقت مدرسہ ختم ہونے کے بعد بے شرکت غیر۔ دوم یہ کہ متقدمین کے غیر مطبوعہ حواشی جو صرف بعض کتب خانوں میں قلمی موجود ہیں اور آج تک طبع نہ ہوسکے، وہ بھی پڑھاتے تھے۔ چنانچہ فقیر نے شرح تجرید پر محقق دوانی قدس سرہ النورانی کے حواشی قدیمہ اور جدیدہ بھی آپ کے قلمی نسخوں سے نقل کر کے پڑھے۔ ان میں شریک درس، طبیب حاذق، جلیل القدر فائق، مولانا مولوی غلام یزدانی قدس سرہ الربانی تھے"۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر ۱۹۹۵ء ص:۲۲)

آپ کی علمی صلاحیت کا اعتراف اغیار نے بھی کیا:

علمی صلاحیتوں اور تدریس و درس گاہ سے متعلق پختہ تجربوں کا اعتراف غیروں نے بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یوپی کو میٹرک سے لے کر ایم، اے تک علومِ شرقیہ کا نصاب تیار کرنے کی ضرورت پڑی تو جہاں ملک کے کئی ارباب علم و دانش کو مدعو کیا، وہیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو بھی مدعو کیا اور اس سے متعلق بنائے گئے بورڈ کا ایک اہم رکن بنایا۔ اس کا تذکرہ سید ندوی نے ایک مقام پر یوں کیا ہے:

"چنانچہ اس غرض سے منتظمین یونیورسٹی کی دعوت پر چند ایسے علما جو جدید ضروریات سیا گاہ اور نصابہائے تعلیم اور درس گاہوں کا تجربہ رکھتے تھے، علی گڑھ میں جمع ہوئے اور متواتر سات اجلاسوں، جو ۱۱ر فروری سے ۱۷ر فروری تک منعقد ہوتے رہے، مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سمجھا اور اس کے لیے ایک نقشۂ عمل اور ایک نصاب میٹرک سے ایم، اے تک کا تیار کر کے یونیورسٹی کے سامنے پیش کر دیا۔

اس مجلس کے ارکان حسب ذیل اصحاب تھے:

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی۔ مولانا سلیمان اشرف صاحب، صدر علوم شرقیہ مسلم یونیورسٹی۔ مولانا مناظر احسن، استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد۔ مولانا امجد علی، صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر، الخ"۔ (شذرات معارف، فروری ۱۹۲۶ء)

سرزمین ہند میں اب اس کا ثانی کون ہے؟

ہو مسلم سب کو جس کی نکتہ دانی، کون ہے؟

آپ نمونۂ عمل اور مشعل راہ تھے:

حضور صدرالشریعہ صرف پڑھاتے نہیں تھے، بلکہ پلاتے بھی تھے۔ آپ کے نقوشِ حیات نہایت مؤثر تھے۔ اس لیے آپ کے تلامذہ اور عقیدت کیشوں نے اپنے لیے مشعل راہ بنایا۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''گرم چائے صرف اس لیے پیتا ہوں کہ میرے استاذ حضرت صدرالشریعہ کو گرم چائے بہت پسند تھی''۔ (حضور صدرالشریعہ حیات و خدمات، ص:۵۰۴، مرتبہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری)

ایسے ہی ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت صدرالشریعہ سے صرف علم ہی نہیں سیکھا بلکہ عمل بھی سیکھا۔ ان کی ہر ہر ادا کو اپنانے کی کوشش کرتا، کیوں کہ حضرت صدرالشریعہ ایک کامیاب آدمی تھے اور کامیاب آدمیوں کی تقلید کرنی چاہیے، ان کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بنانا چاہیے''۔ (مرجع سابق)

حضور حافظ ملت کا چلنا بھی سنت طریقے پر ہوتا تھا ''نیچی نظریں، کل کی خبریں'' کا جلوہ نمایاں ہوتا۔ اور فرماتے تھے:

''میں نے چلنا بھی حضرت صدرالشریعہ سے سیکھا ہے''۔ (افکار اور کارنامہ، ص:۹۷، ناشر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور)

یہ اعلیٰ حضرت کا فیض ہے:

چالیس سے زائد سالوں تک آپ نے درس و تدریس کی خدمت انجام دیں۔ اور بخاری شریف وغیرہ پڑھا کر بے شمار افراد پیدا کیے۔ دس سال اجمیر شریف میں، سات سال دادوں ضلع علی گڑھ میں، ایک سال مظہرالعلوم بنارس میں، بقیہ زندگی کے اکثر و بیشتر حصے اپنے مرشد و آقا، جدِ اعظم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بارگاہِ عالی کی خدمت بابرکت میں گزاری یا مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف میں خدمت انجام دیں۔ کبھی منصب تدریس پر، کبھی مسند افتا پر، تو کبھی عہدۂ قضا پر فائز ہو کر فیصلے کرتے رہے۔ اس صحبت و خدمت کا اثر یہ ہوا کہ کوئی پوچھتا تھا کہ حضرت یہ علمی گہرائی و گیرائی آپ کے اندر کہاں سے آئی؟ تو برملا فرماتے کہ:

''یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا فیض ہے، یہ انھیں کی برکات ہیں''۔

فرشتے پر بچھاتے تھے:

ان فیوض و برکات کے اثرات تھے کہ آپ کے تلامذہ بھی شریعت و سنت کے پابند ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ حدیث شریف میں جو ارشاد ہے کہ طالب علموں کے لیے فرشتے پر بچھاتے ہیں، اس کے مصداق آپ کے تلامذہ پیکر زہد و تقویٰ، جلالۃ العلم، رئیس المتقین، حضور حافظ ملت۔ امام الاصفیا، رئیس المتکلمین حضور مجاہد ملت۔ خیرالاذکیا مفتی غلام یزدانی اعظمی۔ صدرالعلما علامہ غلام جیلانی میرٹھی، جیسے عمدۃ العلما و زبدۃ الاصفیا متقین و ابرار، صالحین و اخیار کو شاعر مشرق شفیق جون پوری نے دیکھا تو حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے عرس چہلم کے موقع پر برسرِ اسٹیج پکار اٹھے:

سلامی جا بجا ارض و سما دیں
مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خدام اے صدر شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں

حضور صدر الشریعہ کے خانوادے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حکما، علما، عالمات، اساتذہ و مدرسین کی لمبی قطاریں ہیں۔ آپ کے والد گرامی مولانا حکیم جمال الدین، دادا مولانا خدا بخش، پردادا مولانا خیر الدین۔ آپ کیبھائی مولانا حکیم احمد علی، چچازاد بھائی مولانا محمد صدیق، چچازاد بھائیوں کی اولادیں شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی بن مولانا محمد صدیق، خیر الاذکیا مفتی غلام یزدانی اعظیم بن مولانا محمد صدیق، شارحِ بخاری مفتی شریف الحق امجدی بن مولانا عبد الصمد بن ثناء اللہ بن لعل محمد بن مولانا خیر الدین علیہم الرحمۃ والرضوان، آپ ہی کے خانوادے کے چشم وچراغ ہیں۔

حکیم مولانا شمس الہدیٰ، مولانا محمد یحییٰ، مولانا عطاء المصطفیٰ، محدث عبد المصطفیٰ ازہری، مولانا قاری وحافظ رضاء المصطفیٰ، استاذ گرامی محدث کبیر حکیم علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ، مفتی ثناء المصطفیٰ، مفتی بہاء المصطفیٰ، استاذ گرامی مولانا فداء المصطفیٰ مصباحی۔

آپ کے پوتے: مولانا علاء المصطفیٰ (ناظم صاحب)، مفتی مولانا عطاء المصطفیٰ (پاکستان)، مفتی جمال مصطفیٰ، مولانا ابو یوسف ازہری، منفتی فیضان المصطفیٰ، مولانا وفاء المصطفیٰ، مولانا انتصار المصطفیٰ، مولانا انوار المصطفیٰ، مولانا ریحان المصطفیٰ، مولانا حسان المصطفیٰ، مولانا عرفان المصطفیٰ۔

شہزادیوں میں: عائشہ خاتون، سعیدہ خاتون۔

پوتیوں میں: کنیز عائشہ، سعیدہ خاتون، فاطمہ وغیرہا۔

سب کے سب علما و عالمات ہیں۔

اور حضور صدر الشریعہ کی شان تدریس کا عکس جمیل بن کر تلامذہ کے جھرمٹ میں رہنے والے اساتذہ ومدرسین ہیں۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''بلا شبہ خاندان امجدی کی اس عظیم اور منفرد خصوصیت کو حسن اتفاق پر ہرگز محمول نہیں کیا جاسکتا، پشت در پشت اور نسل در نسل علما اور عالمات کی پیداوار کا یہ نہ ٹوٹنے والا تسلسل ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ یقیناً اس کے پیچھے موہبتِ الٰہی اور عنایتِ رسالت پناہی کا کوئی انعام واکرام ضرور کار فرما ہے، جو امام احمد رضا کے تعلق سے صدر الشریعہ کی عظیم دینی اور علمی خدمات کے صلے میں ان کی نسل کو عطا ہوا''۔

(حضور صدر الشریعہ حیات وخدمات، ص:۱۰۷)

مفتی احمد رضا ہیں چاند یہ ہیں چاندنی
چاند گو پردے میں ہے، پھیلی ہوئی ہے روشنی
یہ ساری برکتیں ہیں خدمت دین پیمبر کی
جہاں میں ہر طرف ہے تذکرہ صدر شریعت کا
یک چراغے است دریں خانہ کہ پرتوِ آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

آخر میں ہم حسینی خیمہ والے یزیدی خیمے کے تمام بدمذہبوں کو للکارتے اور کہتے ہیں:

''یہ ہمارے سادات علما و مشائخ ہیں، تو جس دن تم جمع اکٹھا کر رواس دن تم ان کے مثل لاکر دکھا دو اور ہرگز ان کے مثل نہ لاسکو گے تو پھر حسینی وسنی کیوں نہیں ہوجاتے، تاکہ تمہاری عاقبت بنے''۔

☆☆☆

حدیثِ ظلِّ عرش اور سیرتِ صدر الشریعہ

مفتی شمیم رضا اویسی امجدی
خادم التدریس: طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

موسم گرما اپنے پورے شباب پر ہو، خشک و گرم ہوا کے جھونکے اٹھ رہے ہوں، چلچلاتی دھوپ کی تپش پورے بدن کو جھلسا رہی ہو، ایسے وقت میں ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ حتی الامکان دھوپ کی تپش اور تمازت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے، عاجز کر دینے والی گرمی اور اسکی جان لیوا لو سے حفاظت کی پوری تدبیریں کی جائے اور جہاں تک ہو سکے کسی درخت یا عمارت کے سائے میں اپنی مشغولیات کو انجام دیا جائے۔ٹھیک اسی طرح کل بروز محشر جب ایک وسیع وعریض میدان میں اولین وآخرین جمع ہونگے، سورج سوا نیزے پر ہوگا، زمین تانبے کی طرح گرم ہوگی، شدت پیاس سے زبانیں باہر نکل رہی ہونگی، ہر شخص پسنے میں غرق ہوگا کوئی ٹخنے تک کوئی گھٹنے تک، اور کوئی کمر یا گردن تک پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا، اس وقت نہ کسی درخت یا عمارت کا سایہ ہوگا نہ سر چھپانے کے لئے کسی طرح کا کپڑا، ایسے پریشان کن ماحول میں لوگ سائے کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھتے پھریں گے، اچانک لوگوں کی نظر پڑے گی کہ اللہ رب العزت کے عرش کے نیچے بڑا خوبصورت اور ٹھنڈا سایہ ہے، کچھ لوگ وہاں بڑے آرام سے بیٹھے ہونگے، اللہ کی رحمت نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا، نہ انہیں قیامت کی سختیوں کی پرواہ ہوگی نہ حساب و کتاب کی فکر، لوگ ان کی طرف حیرت بھری نگاہ سے دیکھیں گے اور ان کے مقدر پر رشک کریں گے، آخر وہ خوش قسمت حضرات کون ہوں گے؟ ان کے اوصاف کیا ہوں گے؟ جنہیں یہ عظیم سعادت نصیب ہوگی!

جب ہم احادیث کی طرف اپنا رخ کرتے ہیں تو ایک روایت سامنے آتی ہے، جسے امام بخاری نے صحیح بخاری میں چار جگہ نقل کیا ہے، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکاۃ، کتاب الحدود میں تفصیلاً اور کتاب الرقاق میں مختصراً، علاوہ ازیں یہ روایت صحیح مسلم، مؤطا امام مالک، سنن نسائی اور جامع ترمذی میں بھی موجود ہے۔حافظ ابن عبد البر اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

''ھذا احسن حدیث یروی فی فضائل الاعمال و اعمها و اصحها". (تنویر الحوالک)

"یعنی فضائل اعمال میں جو روایتیں مروی ہیں، ان میں یہ حدیث سب سے زیادہ بڑھ کر، سب سے زیادہ عام اور سب سے زیادہ صحیح ہے"۔

آیئے اب حدیث پاک ملاحظہ کریں:

"عن ابی هریرة عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: سبعة یظلهم الله فی ظله، یوم لاظل الا ظله، امام عادل، وشاب نشأ فی عبادة

الله، ورجل قبله معلق بالمسجد، ورجلان تحابا في الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه، ورجل دعته امرأة ذات حسب وجمال فقال: إني أخاف الله، ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لاتعلم شماله ما تنفق يمينه، ورجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه". (صحيح بخاری: باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة و فضل المساجد)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے (عرش) کے سائے میں جگہ دے گا، جس دن کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) عادل بادشاہ، (۲) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پلا بڑھا ہو، (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، (۴) ایسے آدمی جن کی محبت محض اللہ کی خاطر تھی، اسی کے لیے جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، (۵) وہ آدمی جس کو کسی صاحبِ حسب وجمال عورت نے دعوت دی تو اس نے کہا مجھے خدا کا خوف ہے، (۶) وہ آدمی جس نے اس قدر چھپا کر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی اور (۷) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو آنکھیں ابل پڑیں۔

ان سعادت مند افراد کے متعلق چند تفصیلات:

الإمام العادل: منصف، حاکم جس نے تمام معاملات میں عدل و انصاف کے تقاضے ملحوظ رکھے، چونکہ حکمران کے کندھوں پر رعایا کا بوجھ ہوتا ہے، کہا گیا ہے "الناس علی دین ملوکھم" لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ وہ جیسی فضا قائم کرتے ہیں رعایا پر ویسے ہی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بسا اوقات اپنے قریبی رشتہ داروں کے خلاف فیصلے دینے پڑ جاتے ہیں، صاحب عزّ و شرف حضرات کی فرمائشیں ٹھکرانی پڑ جاتی ہیں، اور ذرا سی بے توجہی امت میں بگاڑ پیدا ہونے کی باعث بن جاتی ہے۔ غرض کہ ایک انصاف پسند حکمران کو بہت ساری آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے، اس لیے اللہ رب العزت ایسے حکمرانوں سے بروز حشر فرمائے گا۔ اے عدل پسند حکمرانو! عدل و انصاف قائم کرنے اور صحیح فیصلوں کو نافذ کرنے کے سلسلے میں تم نے بہت ساری دشواریاں برداشت کیں! اس لیے آج عرش کے ٹھنڈے سائے میں بیٹھ کر ہماری رحمتوں سے لطف اندوز ہو کر، ہماری طرزِ حکومت کو دیکھو!

شاب نشأ في عبادة ربه: دوسرا وہ نوجوان جو اپنے پروردگار کی عبادت میں پروان چڑھا۔ شباب کا اعتبار یہاں اس لیے کیا گیا ہے کہ جوانی میں انسان کے اندر بے شمار جذبات، امنگیں، خواہشیں اور ارمان جنم لیتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے "الشباب شعبة من الجنون" گویا جوانی کے دنوں میں اللہ رب العزت کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا آسان کام نہیں، اس لیے جواں سال عابد بھی مستحقِ سایۂ الٰہی ہے۔

رجل قلبه معلق في المسجد: تیسرا وہ خوش نصیب شخص ہے جسکا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے، جب ایک نماز پڑھ کر مسجد سے چلا آتا ہے تو دوسری نماز کا منتظر رہتا ہے کہ کب نماز کا وقت آئے اور مسجد میں جا کر دوبارہ نماز پڑھ

سکے، اسے نماز میں ایسا سکون اور اطمینان ملتا ہے کہ بار بار اسکا دل یہ تمنا کرتا ہے کہ نماز کے ذریعے کب اپنے رب سے کلام کروں، کب اپنے رب سے ملاقات اور مناجات کروں۔

و رجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ و تفرقا علیہ: چوتھے نمبر پہ وہ دو افراد ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے سے محبت کی اور اس محبت کی بنیاد خالص رضائے الٰہی اور اطاعت رسول رہی، نہ کہ کوئی دنیوی غرض و مفاد اور اسی محبت پر زندگی بھر قائم رہے، یہاں تک کہ موت نے انہیں جدا کر دیا۔

و رجل طلبتہ ذات منصب و جمال فقال انی اخاف اللہ: پانچواں وہ نیک اور پاک باز مرد ہے، جسے کسی خوبصورت اور اونچے خاندان کی عورت نے برائی کی دعوت دی اور اس نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ واقعی اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے، حسن و جمال، دولت و ثروت اور جسمانی نشاط سے منہ پھیر لینا اور خواہشات نفسانی کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے اپنے دامن کو بچا لینا، بہت مشکل ترین کام ہے۔ اسی ایسے شخص کے لیے بھی قیامت کے دن عرش الٰہی کی بشارت دی گئی۔

رجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا: چھٹا وہ آدمی جس نے صدقہ کیا اور اس کو اتنا مخفی رکھا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا، یعنی ریا کاری اور شہرت پسندی سے بچ کر صرف اور صرف رضائے الٰہی کی خاطر صدقات و خیرات کرتا رہا۔ روایت میں ''صدقۃ'' کا لفظ بطور نکرہ واقع ہے، جو عموم چاہتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صدقہ واجبہ اور صدقہ نافلہ دونوں مراد ہے۔

رجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ: ساتواں وہ شخص جس نے خلوت میں خدا کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ تنہائی میں انسان کی سچی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ کیا ہے۔ اجتماعی طور پر عبادات کا اہتمام بہت آسان ہے۔ اس لیے ایسے شخص کو سایۂ عرش کی بشارت دی گئی، جو عالم تنہائی میں اپنے رب کے حضور اشک برساتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

"ما من عبد مؤمن یخرج من عینیہ دموع و ان کان مثل رأس الذباب من خشیۃ اللہ ثم یصیب شیئا حر وجھہ إلا حرمہ اللہ علی النار".

"یعنی جب بندہ مومن کی آنکھ سے آنسو اللہ کے خوف سے نکلیں، اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اور پھر اس کے چہرے کے کسی حصے پر بہہ نکلیں تو اللہ تعالیٰ اس بندہ پر آگ کو حرام فرما دیتا ہے"۔

کسی ایک صفت سے متصف بھی اس کے اندر داخل ہوگا یا تمام صفات ضروری ہیں؟

مذکورہ روایت میں سات فریق مراد ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان ان اعمال میں سے کسی ایک عمل پر بھی کاربند ہوگا تو خداوند کریم اسے یہ فضیلت عطا فرمائے گا، اور جس مومن بندے کے اندر یہ سارے ہی اوصاف پائے جائیں تو پھر اس کی شان کا کیا کہنا!!

یقیناً اللہ رب العزت کے بعض بندے ایسے بھی ہوں گے، جن میں یہ ساری خوبیاں جمع ہوں گی۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس کسی کے اندر ان میں سے بعض یا اکثر اوصاف پائے جائیں، وہ شخص بھی بڑا بخت آور ہوگا۔

اسی طرح یہاں پر محض سات ہی افراد کی تخصیص مراد نہیں ہے، اس لیے کہ بعض دیگر روایات میں اور بھی کئی ایک اوصاف مذکور ہوئے ہیں، جن کے سبب سایۂ عرش کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہے۔ نزہۃ القاری میں ہے:

" سبعة، سات ہی کی تخصیص نہیں، مفہومِ عدد معتبر نہیں، اس لیے کہ کہیں بھی عدد کا ذکر حصر کا افادہ نہیں کرتا، جب تک کہ حصر پر قرینہ نہ ہو۔ مسلم شریف میں حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من انظر معسرا أو وضع له اظله الله فی ظله"

یعنی جو کسی تنگ دست مقروض کو مہلت دے یا اسے معاف کردے، اسے اللہ اپنے سائے میں رکھے گا، جب اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

صدرالشریعہ کی بے مثال شخصیت مذکورہ اوصاف کی روشنی میں:

برصغیر میں اسلام کے احیا و تجدید کے اُفق پر اُبھر کر آنے والی شخصیات، جنہوں نے اس دیار میں سرمایہ ملت کی نگہبانی اور دین وعقیدے کی پاسبانی کا ناقابل فراموش اور تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا اور اپنی علمی، تصنیفی خدمات، دعوتی وتبلیغی مساعی کے ذریعہ برصغیر بلکہ پوری دنیا کے دینی وعلمی ماحول کو متاثر کیا اور ایک بڑے طبقے کا رشتہ ان کے حقیقی خالق ومالک سے جوڑا، ان میں صدرالشریعہ بدرالطریقہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی ایک ممتاز اور نمایاں مقام رکھتی ہے۔

آپ کی تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر کے ذریعہ جہاں عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی، وہیں مسائل صحیحہ کی اشاعت عمل میں آئی اور باطل بدعات ورسومات کا قلع قمع ہوا۔

آپ کی ذات اپنی جامعیت کے اعتبار سے "ان ابراهیم کان امة" کی تفسیر تھی، کیونکہ آپ بیک وقت قرآنی علوم کے عالم، فقہ وافتا کے امام، احادیث وسیرت اور تصوف ومعرفت کے رمز شناس، اپنے عہد کے بے مثل واعظ ومتکلم، مجلس ارشاد وسلوک کے صدر نشیں، عزیمت واستقامت کے پہاڑ، فقر وتواضع کے نشان، بصائر وحکم کے سرچشمہ، زہد وقناعت کے مجسمہ، اخلاص وایثار کے پیکر، میدان صبر ورضا کے شہسوار، قافلہ جہد وعمل کے تاجدار اور سلف وصالحین کی مکمل اور متحرک یادگار تھے۔

آپ کے اندر شخصیت سازی اور تعمیر سیرت کی بے پناہ صلاحیتیں موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بارگاہ سے فیض یافتہ ایسے ایسے آفتاب وماہتاب پیدا ہوئے، جنہوں نے عالم اسلام کے اُفق پر ایسی روشنی بکھیری، جس سے کفر وضلالت کی تاریکیاں ماند پڑ گئیں۔

حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات یوں تو بہت سارے مجموعہ کمالات اور جامع انواع فضائل واوصاف کی حامل ہے، جنہیں جمع کرنے کے لیے عظیم دفتر درکار ہے۔

اسی لیے یہاں پر محض انہیں اوصاف کا ذکر مقصود ہے، جن کے باعث حدیث رسول میں سایۂ عرش کی نوید سنائی گئی۔

صفت عدل (امام عادل) اور صدر الشریعہ:

بظاہر تو اس سے مراد وہ شخص ہے، جو کسی سلطنت کا حکمران یا بادشاہ ہو۔ جس کے ہاتھ میں حکومت کی داغ بیل ہو، لیکن اس زمرے میں وہ شخص بھی شامل ہے، جو مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی بھی معاملہ کا حق ولایت رکھتا ہو۔ عام ازیں کہ وہ کسی ملک یا صوبے کا شرعی قاضی ہو یا کسی شہر کا ناظم ہو یا کسی جماعت کا سربراہ۔

حافظ بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والمراد به صاحب الولاية العظمى و يلتحق به كل من ولى شيئا من امور المسلمين فعدل به".

(فتح الباری شرح صحیح البخاری)

"امام سے مراد وہ آدمی ہے، جسے ولایت عظمیٰ حاصل ہو اور اس کے ساتھ ہر وہ شخص بھی شامل ہے، جسے مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں کسی معاملہ میں حق ولایت حاصل ہو اور وہ اس میں عدل سے کام لے"۔

اس حوالے سے صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت کافی ممتاز اور نمایاں ہے۔ آپ کو غیر منقسم ہندوستان کے قاضی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ رجب المرجب ????ھ میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان نے متحدہ ہندوستان کے لیے دار القضا قائم فرمایا، اور بعض علمائے کرام کی موجودگی میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی اور مفتیِ اعظم کو منصب افتا پر معمور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے جو اختیار عطا فرمایا ہے، اس کی بنا پر ان دونوں کو نہ صرف مفتی بلکہ شرعی قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان دونوں کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی، جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے"۔

قاضی کا منصب اور اس کے شرائط بہت ہیں۔ صدر الشریعہ کو اس منصب پر فائز فرمانا، اس امر کی واضح دلیل ہے کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کو صدر الشریعہ کے تفقہ، عدل و انصاف اور فیصلہ مقدمات کے متعلق کس درجہ اطمینان ویقین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پوری زندگی کسی کی حق تلفی کیے بغیر عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے اور بے شمار ضروری کاموں میں مصروفیات کے باوجود بھی اس منصب جلیلہ کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

اس مضمون کو تھوڑا سا اور وسیع کیا جائے تو اس ضمن میں وہ افراد بھی شامل ہو سکتے ہیں، جو کسی خاندان یا پریوار کے سرپرست ہوں اور اپنے ماتحتوں اولاد وامجاد کے متعلق انصاف سے کام لیتے ہوں، اس لیے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اتقوا الله و اعدلوا فى أولادكم". (صحیح بخاری، کتاب الهبة، باب الاشهاد فى الهبة)

"یعنی اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو"۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے افرادِ خانہ اور اولاد کے متعلق بھی کافی انصاف پسند تھے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ المفسرین علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"والد صاحب قبلہ نے ہم چار بھائیوں کے حساب سے قادری منزل کی تعمیر کی تھی، اور اس کا سلسلہ ایسا رکھا تھا کہ بوقت ضرورت چاروں اپنے آپ کو الگ کر سکیں، دیواروں میں جگہ رکھی گئی تھی جو پلاسٹر سے چھپی ہوئی تھی، لیکن ہم سب کو معلوم تھی۔ اس کے بعد قضائے الٰہی سے دونوں بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی والد صاحب کی موجودگی میں ہی فوت ہو گئے، انتہائی صدمہ سے ان کی آنکھ کی بینائی میں کمی آگئی، وہ جو کہا جاتا ہے کہ اولاد آنکھوں کا نور ہوتے ہیں، ان کے انتقال سے اس کا ظہور ہو گیا۔ تو اب سفر حج سے قبل والد صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بتاؤ! مکان کس طرح تقسیم کیے جائیں، چونکہ برادرم مولانا ضیاء المصطفیٰ سلمہ یہ چار بھائی ایک ہی والدہ صاحبہ سے تھے، جو ابھی تک زندہ ہیں۔ میں نے کہا قادری منزل ان چار بھائیوں کو دے دیں اور قاری رضاء المصطفیٰ اور مجھے پرانا مکان دے دیں، اور بھتیجوں مولانا قمر الہدیٰ سلمہ اور قاری ساجد سلمہ کو بھی کچھ نا کچھ دے دیں، تا کہ یہ سر چھپا سکیں۔ چنانچہ والد صاحب قبلہ نے تقریباً اسی مطابق کچھ ترمیم و تنسیخ کے ساتھ اپنا وصیت نامہ مرتب فرمایا تھا"۔ (حیات و خدمات)

حضور صدر الشریعہ کا شان تقویٰ:

تقویٰ ایک سچے مومن کی پہچان ہے، ہر سچا مومن تقویٰ کا لباس پہنے ہوئے ہی زندگی گزارتا ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان بچپن ہی سے منہیات سے دور اور احکام شرع کے مکمل پابند تھے۔ آپ کی پوری زندگی شریعت مصطفیٰ اور سنت مصطفیٰ کی پیروی کرتے ہوئے گزری۔ آپ کے تقویٰ کی شان بہت بلند و بالا ہے۔ آپ شریعت و طریقت دونوں کے جامع تھے۔ اسی باعث حضور حافظ ملت اکثر فرمایا کرتے:

"صدر الشریعہ مجمع البحرین ہیں"۔

شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں:

"آپ شریعت و طریقت دونوں کے جید عالم تھے، نماز پنجگانہ پابندی کے ساتھ باجماعت ادا کرتے، روزہ پر پابندی کا حال یہ تھا کہ اگر آپ ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتے، جس میں شریعت نے رخصت دی ہے، جب بھی روزہ قضا نہ کرتے۔ زکاۃ پوری پابندی سے ہر سال ادا فرماتے۔ حج بھی آپ نے کئی بار کیا۔ حقوق العباد کا بھی خاص خیال رکھتے۔ اتباع سنت میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ حسنِ اخلاق، صبر و شکر، توکل و قناعت، خودداری و استغنا، امتیازات و خصوصیات میں سے تھے۔ آپ زہد و اتقا کے بلند مدارج پر فائز تھے۔ بلاشبہ آپ ولی کامل تھے۔ (تذکرہ صدر الشریعہ)

مسجد میں باجماعت نماز کی پابندی:

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں:

"آج کل علما و مشائخ میں یہ بیماری پیدا ہوگئی ہے کہ نماز اپنے کاشانوں میں پڑھ لیتے ہیں، لیکن صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس پر بہت سختی سے پابند تھے، کہ مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کریں۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے مقررہ مؤذن مقررہ وقت پر نہیں پہنچتے تو خود اذان دیتے۔ قدیم دولت خانہ سے مسجد بالکل قریب تھی، وہاں تو کوئی دقت نہیں تھی، لیکن جب نئے دولت خانے قادری منزل میں رہنے لگے تو آس پاس میں دو مسجدیں تھیں، ایک بازار کی مسجد دوسری بڑے بھائی

کے مکان کے پاس جو "نوا کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے، یہ مسجدیں فاصلے پر تھیں۔ اس وقت بینائی بھی کمزور ہو چکی تھی، بازار والی مسجد نسبتاً قریب تھی، لیکن راستے میں بے تکی نالیاں تھیں، اس لیے نوا کی مسجد نماز پڑھنے آتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے جا رہے تھے، راستے میں ایک کنواں پڑتا ہے، ابھی کچھ اندھیرا تھا اور راستہ بھی برابر نہ تھا، اونچا نیچا تھا، اندازے سے کنویں پر چڑھ گئے، قریب تھا کہ کنویں کے غار میں قدم رکھ دیتے، اتنے میں ایک عورت آ گئی اور زور سے چلائی "ارے مولوی صاحب! رک جاؤ کنواں ہے، ورنہ گر ہڑھیو!" یہ سن کر حضرت نے قدم روک لیے اور کنویں سے اتر کر مسجد گئے، اس کے باوجود بھی مسجد کی حاضری نہیں چھوڑی۔ سفر میں بھی یہی کوشش رہتی کہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھیں۔ مبارکپور کبھی امتحان اور سالانہ جلسے میں تشریف لاتے تو گولہ بازار کی مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھتے"۔ (ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر)

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"ذوقِ عبادت کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ علیل ہو گئے، شدت کا بخار تھا، بے ہوشی اور غنودگی طاری تھی، اور میں بھی حاضر تھا، جب ذرا ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا وقت ہے؟ میں نے گھڑی دیکھ کر وقت بتایا تو ظہر کا وقت ختم ہو چکا تھا، فوراً آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے"۔ (المرجع السابق)

مفتی شریف الحق علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"حضور حافظ ملت نے عرض کیا کہ کیا حضور کو کہیں درد ہے؟ کہیں تکلیف ہے؟ فرمایا: تکلیف ہے، نماز ظہر قضا ہو گئی۔ حافظ ملت نے عرض کیا، حضور بیہوش تھے اور بے ہوشی کے عالم میں نماز قضا ہونے پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ فرمایا: آپ مؤاخذہ کی بات کر رہے ہیں، وقت مقررہ پر ایک حاضری سے تو محروم رہا"۔ (ایضاً)

اللہ کی خاطر دوسروں سے محبت:

حضرت سیدنا امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی "حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء" کے اندر لکھتے ہیں:

"جان لو! اللہ عزوجل کے دوستوں کی کچھ ظاہری صفات اور مشہور علامات ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن انبیائے کرام و شہدائے عظام بھی ان کے مرتبے پر رشک کریں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ عزوجل کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ وہ نہ نبی ہیں، نہ شہید، لیکن قیامت کے دن اللہ عزوجل کی طرف سے ان کو ملنے والے رتبے پر انبیا و شہدا بھی رشک کریں گے۔ ایک شخص نے عرض کی، ہمیں ان کے اعمال کے بارے میں بتائیں، تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں، جو بغیر کسی رشتہ داری اور لین دین کے محض اللہ عزوجل کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں گے۔ اللہ عزوجل کی قسم! ان کے چہرے روشن ہوں گے، اور وہ نور کے ممبروں پر جلوہ گر ہوں گے، جب لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے تو انہیں خوف نہ ہوگا اور جب لوگ غمگین ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہ ہوگا۔ پھر

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی "الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم و لا هم یحزنون"
سن لو! بیشک اللہ کے ولیوں کو نہ کچھ خوف ہے، نہ کچھ غم"۔
(سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی الرھن)

اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک ہے۔ ہر کوئی اس کا محتاج ہے، مگر وہ کسی کا محتاج نہیں۔ شان صمدیت کا مالک اور منتہائے رضا کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے مخلوق کے لیے اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ کہا گیا ہے کہ عمل کی قبولیت حسن نیت پر ہے اور حسن نیت کا نکھار اور کمال اللہ کی رضا سے ہے۔ اگر بندے کے دل کا مرکز محور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا ہو تو ہر طرح کی آلائش، خوف، لالچ، حرص و ہوس، غرور و تکبر وغیرہ سے نجات مل جاتی ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ آپ کا ایک ایک عمل اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل کرنے اور اخلاص وللّٰہیت کا آئینہ دار تھا۔

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"عرفا نے لکھا ہے: کچھ لوگ دوزخ کے ڈر سے فرائض و واجبات کی پابندی کرتے ہیں اور معاصی سے بچتے ہیں، کچھ لوگ جنت کی امید پر، اور کچھ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں کہ وہ جنت و دوزخ سے بے پروا ہو کر صرف رضائے الٰہی کے لیے سارے اعمال حسنہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ " لو كانت الجنة بدون جماله فيا ويلاه، و لو كان النار بجماله فيا سوقاه" اگر جنت میں اس کا دیدار نہ ہوا تو صد افسوس، اور جہنم میں اس کا دیدار نصیب ہو تو خوش نصیبی۔ ان سے بلند وہ عارفان حق ہیں، جو دیدار کے بھی طالب نہیں، وہ صرف رضائے الٰہی کے طلبگار ہیں۔ حضور صدر الشریعہ عرفان کی اسی منزل پر فائز تھے"۔ (ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں سے ہمیشہ رشتہ بحال رکھتے۔

آپ کے صاحبزادے علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں:

"والد صاحب جس زمانہ میں کریم الدین پور گھوسی رہا کرتے تھے تو روزانہ بعد نماز عصر ہمیشہ اپنے بڑے بھائی حکیم احمد علی صاحب کے یہاں جاتے، اور وہ روزانہ بعد نماز مغرب ہمارے یہاں آتے۔ حکیم صاحب کا گھر دیہہ کلاں بڑا گاؤں میں تھا اور وہیں قادری منزل بھی تھی اور بڑے بھائی حکیم شمس الھدیٰ کی دکان کے سامنے کبھی کبھی ٹھہر جاتے یا کرسی پر بیٹھ جاتے۔ سیر و تفریح سے بہت انس تھا اور دوستوں کے ساتھ بہت بے تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ عید بقر عید کے موقعہ پر وہ رحمت الٰہی تلاہی، محمد ظاہر اور محمد عمر عرف کرو، جو والد صاحب کے بچپن کے دوست تھے، اور اکثر اہلِ محلّہ کے ساتھ ساتھ ہوتے، دیہاتوں میں جایا کرتے تھے۔ جب بھی گھوسی آتے تو محلّہ بیسواڑہ میں عبد الحئی خاں صاحب سے ضرور ملاقات فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح فتح پور ہسوہ جا

کر وہاں بزرگ سنی عالم سے ملتے، وہاں ایک اشرف علی کا بھی مرید تھا، بڑا مکار، اس سے یا کسی بدمذہب سے کبھی ملاقات نہ کرتے"۔ (حیات و خدمات)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی زندگی "من کان للہ کان اللہ لہ" سے عبارت تھی۔ آپ نے جس سے محبت کی اللہ کی خاطر کی اور جس سے نفرت کی اللہ کی خاطر کی۔ آپ نے کبھی بھی دنیاوی جاہ و حشمت اور مال و دولت کی چاہ میں کسی سے اپنی عقدت و محبت کا اظہار نہ فرمایا۔ اس حوالے خانوادۂ اعلیٰ حضرت سے آپ کی بے لوث عقیدت اور سرکار مفتی اعظم کا یہ ارشاد کسی دلیل یا سند سے کم نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنا کوئی گھر نہیں بنایا، بریلی ہی کو اپنا گھر سمجھا۔ وہ صاحب اثر بھی تھے اور کثیر التعداد طلبہ کے استاذ بھی، وہ چاہتے تو بآسانی کوئی ذاتی دار العلوم ایسا کھول لیتے جس پر وہ یکہ و تنہا قابض رہتے، مگر ان کے خلوص نے ایسا نہیں کرنے دیا"۔ (تذکرہ صدر الشریعہ)

صدر الشریعہ کی غربا پروری:

اللہ رب العزت نے مخلوقات میں رزق کی تقسیم یکساں نہیں رکھی۔ محلے یا خاندان میں ایک شخص بے انتہا امیر ہوتا ہے، دوسرا غریب ترین۔ ایک کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے تو دوسرے کو تن ڈھانپنے تک کا بھی کپڑا میسر نہیں ہوتا۔ تقسیم دولت کے حوالے سے قدرت کے اس نظام میں اللہ رب العزت کی مصلحت اور منشا اپنے بندوں کو آزمانا ہے۔ ایک بخیل اور تنگ دل شخص تو اس امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے، لیکن ایک فیاض اور سخی دل انسان آزمائش پر پورا اترتا ہے، بشرطیکہ اس میں کسی طرح کا دکھاوا اور ریاکاری شامل نہ ہو۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات میں یہ وصف بھی بالکل نمایاں اور واضح نظر آتا ہے۔ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"میرے والد ماجد ابتدائے نوعمری میں بہت بڑے تاجر تھے اور حساب کے ماہر، صدر الشریعہ ان کو بلا کر زکاۃ کا پورا حساب لگواتے، پھر انہیں سے کپڑے کا تھان منگا کر عورتوں کے لائق الگ، مردوں اور بچوں کے لائق الگ الگ اور سب کے مناسب قطع کرا کے تقسیم فرماتے۔ کبھی کوئی سائل دروازے سے خالی واپس نہ جاتا۔ آپ بہت بڑے مہمان نواز بھی تھے اور عموماً مہمان آتے رہتے تھے، سب کے شایانِ شان کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور آرام کا اہتمام فرماتے۔ مہمانوں کے لیے خصوصیت سے ان کی ضروریات کی چیزیں ہر وقت گھر میں رکھتے"۔

(ماہنامہ اشرفیہ، صدر الشریعہ نمبر)

خلوت میں اللہ کو یاد کرنا:

تنہائی کے عالم میں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں پر نادم ہو کر آنسو بہانا، اس کے احکام کی پابندی کرنا، منہیات سے بچنا، ذکر کی صدائیں بلند کرنا، عبادت و ریاضت انجام دینا ایک اعلیٰ درجے کا عمل ہے، جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ چیز اللہ رب العزت کے مقرب بندوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان انتہائی متقی پرہیزگار، عابد شب زندہ دار اور صاحب تقویٰ شعار بزرگ تھے۔ شبانہ روز کی حد درجہ مصروفیات کے باوجود بھی حیرت انگیز طور پر رات کی تاریکیوں میں ذکر واذکار، اوراد و وظائف اور تسبیحات و تہلیلات میں مشغول رہا کرتے تھے۔ بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"رمضان مقدس کے مہینے میں اکثر و بیشتر مجھے ہی خدمت اقدس کی حاضری کا شرف حاصل رہا کرتا تھا۔ عام لوگوں کی طرح میرا معمول یہ تھا کہ سحری کھانے کے بعد عموماً سو جاتا، پھر نماز فجر کے لیے بیدار ہوتا۔ اس بابرکات مہینے کی ایک شب تھی، میں معمول کے مطابق سحری کھا کر سو گیا کہ اچانک فجر سے پہلے میری آنکھ کھل گئی، کیا دیکھتا ہوں، سیدی صدر الشریعہ قدس سرہ یوں ہی مصلے پر بیٹھے مراقبہ کی حالت میں ذکر الٰہی میں مصروف ہیں، اور اسم جلالت کی ضرب سے پورا کمرہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سے گونج رہا تھا، در و دیوار انوار و تجلیات میں ڈوبے ہوئے تھے، اور حضرت پر بے خودی سی کیفیت طاری تھی۔ سبحان اللہ! جسے ہم اس دور کا فقیہ اعظم سمجھتے ہیں، وہ اپنے وقت کا بے مثال عارف کامل، مرد حق آگاہ، ذکرِ الٰہی سے سرشار، قلب لطیف کا حامل، اللہ رب العزت کا مقرب بندہ بھی ہے۔ اس وقت مجھے آپ کے قرب الٰہی اور روحانیت کے بلند مراتب کا اندازہ ہوا"۔ (ماہنامہ اشرفیہ، صدر الشریعہ نمبر)

مسجد نبوی کی قابل رشک رات:

حضور شارح بخاری لکھتے ہیں:

''جب حضرت صدر الشریعہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو حضرت صدر الشریعہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ رات میں جب بعد نماز عشا مسجد نبوی شریف خالی کرا لی جاتی، صرف خدام رہ جاتے، (آپ فرماتے ہیں) مجھے شریف مکہ کی خصوصی سند کی بنا پر رات میں مسجد نبوی کے اندر رہنے کی اجازت تھی اور زمانۂ قیام میں ہر رات مسجد نبوی کے اندر رہتا، خدام نے مجھے اس کی بھی اجازت دی کہ میں روضہ مبارک کے اندر جا سکوں، مگر میری ہمت نہ ہو سکی۔ میں کہاں، کہاں وہ مبارک خطہ، یہی بہت کرم تھا کہ دربار میں رات کی تنہائیوں میں مسلسل باریاب فرماتے رہے۔ منجھلے بھائی حکیم احمد علی صاحب نے پوچھا کہ ان راتوں کی خلوت کی حاضریوں میں کیا ہوا؟ مسکرا کر فرمایا: یہ مت پوچھیے! یہ بتانے کی بات نہیں''۔ (ایضاً)

سبحان اللہ! کیا شان ہے اللہ والوں کی، جس در پاک پر ایک لمحے کی حاضری دو جہاں کی سب سے بڑی سعادت مانی گئی، وہاں ساری رات بالکل تن تنہا مکین گنبدِ خضراء سے مسلسل باریابی حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کسی بڑی نعمت سے کم نہیں۔

☆☆☆

باب سوم

تصنیفی خدمات

حضور صدر الشریعہ کا حاشیہ طحاوی

حضور محدث کبیر مدظلہ العالی

کتاب وسنت سے استنباط احکام کا عمل عہد صحابہ سے جاری ہے۔ لیکن اصولِ استنباط کے انضباط اور فروع احکام کی فنی تدوین کی طرف سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے توجہ فرمائی۔ اس طرح امام اعظم ہی نے فقہ اور اصول فقہ کی فنی تاسیس کا اقدام کیا، جسے امام محمد رحمہ اللہ اور بعد کے ائمہ نے مزین ومنقح فرمایا، اور قواعد وضوابط کی بھی باقاعدہ تبویب وتفصیل فرمائی۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ہی مسائل کی وہ تمام صورتیں متعین کیں جن سے احکام میں جمع وفرق کے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور ان کے جوابات بھی قلم بند فرمائے۔

کتاب وسنت کے معاملہ میں امام اعظم کو امتیازی بصیرت حاصل تھی، اور اس وصف میں آپ اپنے تمام معاصرین اور بعد کے ائمہ دین کے درمیان ہر طرح سے مقدم نظر آتے ہیں۔ اسی بنا پر امام شافعی نے فرمایا: "**الناس فی الفقه عیال علی أبی حنیفة**".

امام کے استخراج مسائل میں ان کے بعض اہل عصر کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ سنت رسول کے بالمقابل اپنی رائے اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے سب سے پہلے امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "**کتاب الحجج**" میں اہل مدینہ کی طرف سے امام اعظم پر کیے گئے اعتراض ومباحث کا مکمل جواب احادیث صحیحہ اور قیاسِ شرعی کی روشنی میں تحریر فرمایا۔ ساتھ ہی تنقیحی مباحث بھی منضبط فرمائے۔ اس کے علاوہ امام محمد نے مؤطا اور کتاب الآثار میں بھی امام اعظم کے دلائل کی نشاندہی یا صراحت فرمادی ہے۔

بعد میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "شرح معانی الآثار" میں محدثین کی طرز پر ہر فریق کے دلائلِ استنباط کی تخریج فرمائی، اور احادیث کی صحت وغیرہ پر فنی بحث فرماتے ہوئے قول حق کو ترجیح دی۔ پھر بحث کے اختتام پر قیاس ونظر کی روشنی میں یہ بھی ثابت فرمایا کہ قول ابوحنیفہ کی حیثیت قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔ امام طحاوی نے اپنے دلائل میں جن احادیث کی تخریج فرمائی ہے، ان کی صحت محدثین کے نزدیک بیّن وظاہر ہے۔ اسی بنا پر بہت سے ائمہ نے سنن اربعہ پر امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کو ترجیح دی ہے۔

شرح معانی الآثار پر سب سے پہلے امام بدرالدین العینی حنفی نے دو شرحیں "**نخب الافکار**" اور "**مباني الأخبار**" تصنیف فرمائی۔ مگر ان شرحوں میں متنِ احادیث اور ابحاثِ امام طحاوی پر ہی تشریحی کام انجام دیا، رجال احادیث پر گفتگو نہ فرمائی۔ اس لیے ایک تیسری شرح "**مغاني الأخبار فی رجال معانی الآثار**" خاص رجالِ طحاوی کے متعلق تصنیف فرمائی۔ لیکن علامہ عینی کی یہ شرحیں اب تک نایاب ہیں، معلوم ہوا ہے کہ جامعہ ازہر قاہرہ میں مخطوطات کی لائبریری میں وہ موجود ہیں۔

ہندوستان میں شرح معانی الآثار کے جتنے نسخے طبع ہوئے، وہ سب کے سب غیر محشی ہیں۔ البتہ مطبوعہ نسخہ کے کسی کسی صفحہ پر حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کی چند جملوں پر مشتمل تشریح مل جاتی ہے۔

"شرح معانی الآثار" فنی خصوصیات کی وجہ سے اہم ترین کتاب تھی اور داخل درس بھی، اس لیے طلبہ کے اصرار پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کتاب کی شرح بصورتِ حاشیہ تحریر کرنے کا قصد فرمایا، اور کام شروع کیا۔ چند ماہ میں ہی کئی سو صفحات قلمبند فرمائے کہ اچانک نگاہ پر "گلاکوما" کا حملہ ہوا، جس سے آپ کی بینائی چلی گئی، پھر شرح کا کام بھی موقوف ہوگیا۔

جب میں کتاب فہمی کے قابل ہوا تو اس کی تکمیل کا ارادہ کیا، پہلے میں نے حضرت صدر الشریعہ کے حاشیے پر نظر ثانی شروع کی اور کہیں کہیں چند جملوں کے نوٹ لکھے، مگر کچھ خارجی عوائق کی بنا پر یہ کام بھی موقوف ہوگیا۔ پھر میں نے یہ کام عزیز گرامی قدر مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب سلمہ کو سپرد کیا۔ بحمدہٖ تعالیٰ انھوں نے پوری جانفشانی کے ساتھ از اول تا آخر حواشی پر نظر ثانی اور تصحیح کا کام انجام دیا، مٹے ہوئے الفاظ کو درست کیا۔ کتاب کی فوٹو کاپی جہاں جہاں نا قابل خواندگی تھی، باریک بینی سے اس کی تصحیح کی۔ متن وحاشیہ کو کمپوز کیا۔ متن وحاشیہ دونوں کے صفحات کی مطابقت کا کام بہت ہی مشکل تھا، وہ بھی خود ہی انجام دیا۔ الحمدللہ کتاب کا جزءِ اول تیار ہے۔

کچھ حاشیے سے متعلق:

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ زبردست محقق اور صائب الرائے مدرس تھے۔ فقہی بصیرت میں یگانۂ روزگار، حدیث اور شرحِ احادیث میں آپ کو مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ دیگر منقولات ومعقولات پر بھی آپ کو بھرپور عبور حاصل تھا۔ اس لیے آپ نے کمالِ تحقیق کے ساتھ طحاوی شریف پر حاشیہ نگاری شروع کی، جب کہ آپ کے لیے امام بدر الدین عینی کی شرحیں بھی مہیا نہ ہوسکیں۔ حاشیے کے مطالعہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے حاشیے کے کسی گوشے کو تشنۂ بحث نہیں چھوڑا۔ طلبہ کی فہم وضرورت کے پیش نظر اولاً آپ نے صرف متن حدیث اور ابحاث امام طحاوی پر حاشیہ نگاری فرمائی، پھر چند صفحات کے بعد ہی اندازِ نگارش میں یہ اضافہ فرمایا کہ شرح معانی الآثار کی احادیث جو دیگر کتب حدیث میں تخریج کی گئی ہیں، ان تخاریج کا بھی اضافہ فرمایا ہے، اور بقدرِ ضرورت رجال پر بھی گفتگو فرمائی، تاکہ کتب احادیث کے درمیان شرح معانی الآثار کا مرتبہ متبین ومتعین ہوسکے۔ اور امام بیہقی نے اپنی مذہبی عصبیت کے زعم میں امام طحاوی کی کتاب پر اور ان کی علمی بصیرت وحفظِ حدیث پر جو کچھ اوچھے حملے کیے ہیں، ان سب کا جواب حضرت صدر الشریعہ کے اس اندازِ حاشیہ نگاری سے ہوجاتا ہے۔ جہاں جہاں امام طحاوی کی ابحاث کے علاوہ مزید بحثوں کی گنجائش تھی، اس حاشیے میں ان بحثوں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ اس حاشیے میں مشکل الفاظ کی تنقیح، متن حدیث سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام اور کئی قسم کے فوائد اور دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ اس حاشیہ کا مطالعہ کرنے والا خود اس کی اہمیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ جلد تر ان حواشی کا جزءِ ثانی منظر عام پر لائے۔ اور شکر گزار ہوں مولانا فیضان المصطفیٰ کا کہ انھوں نے اپنی کاوش سے یہ کام انجام دیا، اور ان سے امید ہے کہ شرح معانی الآثار کے باقی حواشی کی تکمیل فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور ان کے تحقیقی کاموں میں برکت دے۔ اور اس کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ
کا حاشیہ طحاوی شریف

علامہ مبین الدین محدث امروہوی
سابق شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ مراد آباد یوپی

صرف اتنا یاد ہے کہ شوال ۱۳۶۱ھ میں دادوں مدرسہ حافظیہ میں حضرت نے دورہ شروع کر دیا۔ اس میں ۵ر متعلم شریک تھے۔ ایک یہ احقر، مولوی سید ظہیر احمد صاحب نگینوی علی گڑھی، مولوی محمد خلیل خاں صاحب مارہروی، قاری حافظ محبوب رضا بریلوی، حافظ غلام ربانی صاحب ساکن دادوں، ہم چار کا قیام مدرسہ میں یکجا تھا۔ اکثر اوقات حضرت اقدس کی جامعیت وکمالات کا ذکر ہوتا رہتا۔ ایک دن اثنائے گفتگو میں یہ بات نکلی کہ کلام پاک کا ترجمہ کنز الایمان لوگوں نے اصرار کر کے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے لکھوایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ املا کراتے اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ لکھتے جاتے، اس طرح وہ دولت امت کو ملی۔ اس پر خیال ہوا کہ ہم لوگ اپنے حضرت سے کچھ لکھوائیں، مناسب وقت کے ہم لوگ منتظر رہے۔ آخر ایک دن موقع پا کر عرض کیا کہ حضور درسی تین کتابیں بالکل معری ہیں، پڑھنے پڑھانے میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ للخیر آبادی، مدارک التنزیل، طحاوی شریف، یہ تینوں کتابیں اس مدرسہ کے مجوزہ نصاب میں داخل تھیں، ان کی شرح تحریر فرما دی جائے۔ اس وقت منظوری کا پروانہ ملتوی رہا۔ پھر دوبارہ سہ بارہ عرض کرنے پر فرمایا کہ اچھا کریں تو کوئی دینی خدمت کریں۔ طحاوی شریف منتخب فرمائی اور اس کے تحشیہ کی تیاری شروع کر دی کچھ کتابیں خود حضرت کی دادوں میں موجود تھیں۔ ضرورت کی بعض کتب کتب خانہ حبیبیہ حبیب گنج علی گڑھ سے مستعار حاصل کیں، کچھ کتابیں بریلی جا کر ساتھ لائے، کچھ کتابیں خرید فرمائیں۔

جو کتابیں تحشیہ کے لیے جمع فرمائیں ان کی تعداد بہت زائد تھی۔ چند کے نام یہ ہیں:

صحاح ستہ، سنن الکبریٰ للبیھقی، مستدرک للحاکم، موطا امام محمد، دارقطنی، کتاب الآثار، کتاب الخراج، موطا امام مالک، مشکل الآثار، فتح الباری، دارمی، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ للطیبی، اشعۃ اللمعات، بذل المجھود، تقریب، تھذیب التھذیب، الاستیعاب، تذکرۃ الحفاظ الاکمال، صفۃ الصفوہ لابن الجوزی، ھدایہ، کفایہ، عنایہ، فتح القدیر، بدائع صنائع، سعایہ حاشیہ شرح الوقایہ، بحر الرائق، شامی، جد الممتار، فتاوی رضویہ، مراقی الفلاح، القاموس، صراح، مختار الصحاح، المنجد منتھی الارب. ان کے علاوہ اور بہت ذخیرہ تھا۔

اوائل محرم ۱۳۶۲ھ اس کام کا آغاز ہوا، بعد نماز عشا ہم چاروں خدام حضرت کی درسگاہ ہال کمرے میں جمع ہو جاتے پھر

حضرت تشریف لاتے، وسیع ہال میں کتابیں پھیلی ہوتیں، ہم میں سے مولانا سید ظہیر احمد صاحب و مولانا محمد خلیل خاں کتابت کے لیے مقرر ہوئے۔ ان کی تحریر اچھی تھی، باقی دو خادم کتب بینی پر مامور تھے، اس طرح تحشیہ کا آغاز فرمایا۔ پہلے ہر باب کے عنوان کی کچھ وضاحت لکھائی جاتی، اس کے بعد امام طحاوی کی روایت کردہ حدیث کے رواۃ کے حالات قلم بند کراتے، پھر تمام حاشیہ میں اس کی پابندی کی گئی ہے کہ جتنی احادیث اس کتاب میں امام طحاوی نے روایت کی ہیں، اس کی تقویت وتائید کے لیے دوسرے محدثین کی تخریج کا ضرور بیان فرماتے۔ کبھی متعدد محدثین کا حوالہ فراہم ہو جاتا اور کبھی ایک دو کا، اگر کسی حدیث کی تخریج کا پتہ نہ چلا تو یاد رکھتے، کسی اور موقع پر اتفاقاً نظر پڑ جاتا، اسے فوراً وہاں نقل فرماتے۔ تخریج کی تفتیش میں اس قدر کدو کاوش کا فائدہ، خود ہی ارشاد فرمایا کہ غیر مقلدین کہہ دیتے ہیں کہ امام طحاوی نے اپنے حنفی مذہب کی تقویت میں یہ حدیث بنالی، ان کا یہ الزام وبہتان اس طرح دفع ہو جائے گا کہ اس حدیث کو امام طحاوی ہی نے روایت نہیں کیا بلکہ فلاں فلاں محدثین نے اپنی فلاں فلاں کتابوں میں بیان کیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اسی مضمون کی حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے تو اس کو بالتفصیل بیان فرماتے کہ اس صحابی کی روایت فلاں سند سے فلاں کتاب میں ہے اور فلاں کی فلاں میں۔

اس کے علاوہ الفاظ حدیث کی پوری وضاحت وتشریح درج فرماتے الفاظ کریمہ سے جو احکام ونکات واشارات مستنبط ہوتے، وہ بیان کیے جاتے۔ ان میں سے بعض وہ ہوتے کہ جن سے ایمان جگمگا گئے۔

مثلاً باب سجود التلاوۃ میں سورۂ انعام کی آیت "فبھداھم اقتدہ" کی تشریح کرتے ہوئے یہ ثابت ہوا۔

اس کے بعد یہ ہوتا کہ اول باب میں دو چار حدیث نقل فرما کر مصنف علیہ الرحمہ فرمایا کرتے ہیں "**فذھب قوم الی ذالک**" یعنی جوبات اس حدیث سے ظاہر ہوئی، وہی ایک قوم کا مذہب ہے۔ اس پر حضرت محشی رحمہ اللہ بیان فرماتے۔ وہ کون لوگ ہیں جن کا یہ مذہب ہے، ان کے نام بتاتے۔ کتنے مواقع پر بالتفصیل بالترتیب بتایا گیا ہے کہ فلاں فلاں صحابہ کا یہ مذہب ہے اور تابعین میں سے فلاں فلاں کا اور ائمہ مجتہدین میں سے فلاں فلاں امام کا۔ بیانِ مذاہب میں احتیاط رکھتے، ہر کس وناکس سے نقل نہ فرماتے۔ مثلاً شوکانی نے کسی جگہ لکھا کہ یہ فلاں کا مذہب ہے، اسے معتبر نہ جانتے۔ علامہ عینی، امام نووی جیسے حضرات پر اعتماد رکھتے۔

اس کے بعد مصنف قدس سرہ فرمایا کرتے ہیں "**وخالفھم فی ذالک اخرون**" اس موقع پر محشی علیہ الرحمہ مخالفین کے نام بتاتے ہیں۔ اسی طرح کہ صحابہ میں سے یہ حضرات اور تابعین میں سے مثلاً سعید ابن المسیب وغیرہ اور ائمہ وفقہا میں سے یہ لوگ ہیں۔ اس کے بعد کتاب میں مخالفین کے مستدلات ذکر کیے جاتے ہیں اس پر محشی قدس سرہ حسب عادت احادیث کے مخرجین کا پتہ اور احادیث کی تشریح وتوضیح وبیان مطالب کرتے ہیں آگے بڑھ کر مصنف احادیث متخالفہ کا تعارض دفع کرتے ہیں۔ دفع کی چار صورتیں مشہور ہیں: تطبیق، ترجیح، ناسخ منسوخ، سقوط۔ مصنف علیہ الرحمہ کسی تخالف کو تطبیق سے اور کسی کو ترجیح وغیرہ سے دفع کرتے ہیں۔ یہاں محشی علیہ الرحمہ اکثر اضافہ فرماتے ہیں۔ مثلاً مصنف نے تطبیق سے کام لیا ہے تو محشی قدس سرہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا

حدیثوں کا تعارض ترجیح سے بھی دفع ہوتا ہے پھر اس کی تقریر لکھتے ہیں۔اس طرح کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی۔

اس کے بعد مصنف علیہ الرحمہ مقام روایات سے گزر کر میدان درایت میں قدم رکھتے ہیں اور "فنظر نافی ذالک" کہہ کر بطریق نظر وفکر اور قیاس شرعی مسئلہ دائرہ میں قلم تحقیق کو خوب جولانی دیتے ہیں۔نظائر وامثلہ سے مسئلہ کو واضح تر کر دیتے ہیں۔ یہاں محشی علیہ الرحمہ نظر مذکور کو خوب مضبوط بناتے ہیں۔مخالفین نے اس نظر پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان کا ذکر فرما کر بہت جم کر ان کی مدافعت کرتے ہیں۔ اس کے لیے "باب اوقات الصلاۃ" اور "باب جمع بین الصلاتین" ملاحظہ ہو۔

"باب ما مست النار" میں یہ بحث ہے کہ کھانا کھانے کے بعد وضو ضروری ہے یا نہیں؟ بعض احادیث میں وضو کا امر ہے یعنی کھانے سے نقض وضو ہو جاتا ہے۔ دوسری حدیث سے ان کا خلاف ظاہر ہوتا ہے۔یعنی کھانا کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، پہلا وضو باقی رہتا ہے، اس میں خلل نہیں پڑتا۔

اس تخالف کو مصنف علیہ الرحمہ نے اس طرح دفع کیا ہے کہ نقض وضو کا امر پہلے تھا مگر بعد کو یہ حکم اٹھا دیا گیا۔اس پر مصنف علیہ الرحمہ نے حدیث کے اس لفظ سے استدلال کیا ہے "کان آخر الامرین ترک الوضو" یعنی کھالینے سے نقض وضو کا امر پہلے تھا اور وضو کا نہ ٹوٹنا اس کا امر بعد کو ہوا۔

اس حدیث کو ابو داؤد شریف میں روایت کر کے یہ کہا کہ "ھذا اختصار من الاول" محشی قدس سرہ نے اس فقرہ کی تشریح کی اور یہ بتایا کہ محدث ابو داؤد سجستانی کا مقصد اس فقرہ سے کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ امام طحاوی کے مذکورہ بالا استدلال کو توڑنا اور اعتراض کرنا مقصود ہے۔ان کے اعتراض کی تقریر کر کے اس کا بہت واضح اور قوی جواب تحریر فرمایا۔

اس قسم کے محاسن حاشیہ میں بھرے ہوئے ہیں دیکھنے سے تعلق ہے تمام حاشیہ میں خیر الکلام ماقل ودل پر عمل فرمایا ہے۔فضول کلام اور تکرار سے اجتناب کیا ہے۔الفاظ کی تشریح واستعمال ان کا ماخذ وغیرہ بیان کرنے میں علامہ ابن حجر عسقلانی کے کلام کو پسند فرماتے، اکثر جگہ اسی کو نقل کیا ہے۔ البتہ احناف وشوافع کے اختلافی مسائل ودلائل میں علامہ بدر الدین عینی کے کلام کو ترجیح دیتے۔

سند حدیث اور صفت وغیرہ کے مباحث میں امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر وتہذیب التہذیب کے کلام کو درج فرماتے۔ احناف کے دلائل اور مخالفین کے جواب میں ملک العلما ابو مسعود کاشانی صاحب بدائع صنائع کا کلام پسند آتا، ان ائمہ اعلام کا کلام نہایت مضبوط اور قوی وجامع ہوتا ہے حالات رواۃ کے بیان میں علامہ ابن الجوزی کی کتاب "صفۃ الصفوہ" کو ضرور ملاحظہ فرماتے اور چیدہ چیدہ اوصاف نقل کرتے۔کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت غور وخوض میں لگے ہوتے یا کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوتے اور ہم نے کسی کتاب کا کوئی بیان زیر بحث مسئلہ کے مناسب جانا، برائے نقل حضرت کے سامنے پیش کیا، حضرت اس کو ملاحظہ فرماتے، اپنے معیار پر وہ کلام ہوتا تو نقل کا حکم دیتے۔یعنی تکرار نہ ہو، فضول نہ ہو، مقصد سے بیگانہ نہ ہو۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ باب الکسوف کا حاشیہ لکھا جا رہا تھا۔ کسوف کی لفظی، فقہی تحقیق ہو رہی تھی اور کسوف کے اسباب پر گفتگو تھی۔حضرت نے حسب عادت جامع بیان میں لفظی ومعنوی تحقیق لکھا دی ہم لوگوں کی یہ خواہش رہتی تھی کہ ہر موقع پر خوب پھیلاؤ ہونا چاہیے اس بنا پر ہم نے کسی کتاب کا مزید بیان ملاحظہ

کے لیے پیش کیا دیکھ کر فرمایا کہ سب کچھ بیان سابق میں آ چکا اور زائد کی ضرورت نہیں۔ کسوف کے اسباب پر گفتگو ہو رہی تھی حضرت نے یہاں بھی وہی انداز اختیار فرمایا کہ جامع واضح الفاظ میں اس کا سبب ظاہر کر دیا بعض شارحین حدیث نے اسباب کسوف پر خوب تفصیلی بحث کی تھی نہایت بسط سے اسباب بتائے تھے ہم نے پورا مضمون درج حاشیہ کرنا چاہا، مگر حضرت اقدس نے یک نظر دیکھ کر رد فرما دیا، پھر ہم کو مطمئن کرنے کے لیے، اس کے رطب و یابس کو چھانٹ کر رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ سب سطحی باتیں ہیں، اصل سبب وہ ہے جو میں نے لکھ دیا، وہ بہت قوی ہے۔ پھر فرمایا کہ آدمی سونہ کہے، ایک کہے، ڈھنگ کی کہے۔

اسی طرح احتیاط کو تمام حاشیہ میں ہر منزل پر ملحوظ رکھا ہے۔ ہم لوگوں کو تحشیہ کی خدمت کے موقع پر کئی طرح کے فوائد حاصل ہوئے۔ مضامین حاشیہ کو حضرت اقدس خود املا کراتے مولوی محمد خلیل خاں صاحب ماہروی اور مولوی ظہیر احمد صاحب علی گڑھی خوشخط ہونے کی بنا پر باری باری تحریر کرتے، ان کے نوشتہ کو خود ملاحظہ فرماتے، کتابت کے آداب کا افادہ فرماتے۔ مثلاً لکھتے لکھتے صفحہ ختم ہو گیا مضمون باقی رہ گیا تو یہاں سرخی سے لکھواتے باقی ہر صفحہ آئندہ اور جب دوسرے صفحہ پر چھوٹا ہوا مضمون لکھا جاتا تو فرماتے یہاں لکھو بقیہ صفحہ فلاں۔ اس وقت ہمیں باقی اور بقیہ کا فرق معلوم ہوا۔

نیز یہ افادہ فرمایا اگر درمیان تحریر میں کوئی لفظ رہ گیا اور وہاں جگہ بڑھانے کے لیے نہیں ہے تو اسی سطر کے داہنی طرف محاذ میں ترک لکھ کر وہ لفظ درج کر دو اور اگر کوئی لفظ غلط لکھا گیا تو اگر کاٹ کر دوسرا لفظ لکھنے کی وہاں گنجائش ہے تو خیر ورنہ حاشیہ پر بالکل محاذ میں بدلہ کا نشان بنا کر وہ لفظ لکھواتے جو مقصود ہوتا۔ لفظوں کے شوشے صحیح ہونے کی تاکید اور ہر نقطہ اپنی جگہ پر ہو، ادھر ادھر نہ ہو۔ ایک مرتبہ نوشتہ ملاحظہ فرما رہے تھے، اس میں اسم جلالت اللہ اور اس کے ساتھ کوئی اور لفظ قلم زد تھا جو لغزش قلم کا نتیجہ تھا، یہ دیکھ کر حضرت کو سخت تاثر ہوا اور فرمایا کہ ہمارا یہ طریقہ نہیں، اسم جلالت پر قلم پھیرنا بے ادبی ہے، ادب یہ ہے کہ اسم جلالت کو دائرہ میں (اللہ) اس طرح گھیر دو، اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ یہاں کوئی دوسرا لفظ مقصود ہے، نہ یہ کہ بیکار ہے، غلط ہے، بے سود ہے۔ لفظ اللہ ہر وقت ہر حال میں سود مند کار آمد ہے۔ اس لفظ پاک کا غلط ہونا چہ معنی۔

مذکورہ احتیاط اور محاسن کے ساتھ تحشیہ کا کام محرم سے شروع ہو کر شعبان تک چند مہینہ ہوا۔ اس کام کے لیے عشا کے بعد ۲/۳ گھنٹے مقرر تھے اور جمعہ کو صبح سے گیارہ تک یا درمیان سال کی تعطیلات میں یہ کام انجام پاتا۔ اس مختصر مدت میں باریک قلم سے کچھ کم پانچ سو صفحات لکھے گئے، مشیت الٰہی کہ پھر وہ کام ملتوی ہو گیا۔ اب تک نہ مکمل ہو سکا نہ اتنا ہی شائع ہو سکا۔

مقام غور ہے کہ قلیل مدت میں جلد اول کے نصف پر تحشیہ پانچ سو صفحات پر ہوا، جو ابھی مسودہ ہے۔ حضرت اقدس خود فرمایا کرتے تھے کہ ابھی مضامین و مواد جمع کیا جا رہا ہے۔ نظر ثانی ضروری ہے، نہ اس کا دیباچہ لکھا گیا، نہ نام تجویز ہوا، موجودہ صورت میں اتنا بڑا علمی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ خدا جانے نظر ثانی کے بعد کیسے کیسے مضامین عالیہ و جواہر غالیہ و گرانقدر معانی کا اضافہ ہوتا، اہل علم کے لیے بے بہا خزانہ ہوتا۔ شکر خدا جو کچھ ہے بسا غنیمت ہے۔

مولیٰ عزوجل حضور اقدس کی اس دینی خدمت کو شرف قبول بخشے قبر شریف کو انوار سے بھر دے۔ مراتب علیا عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ
کی دینی اور قلمی خدمات

مولانا سید الزماں حمدوی
پوکھریرہ بہار

تمہید:

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ہوں یا وہ علمائے کرام جن کی ذواتِ قدسیہ نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی علمی، اعتقادی، شرعی، فقہی فیض بخش تربیت گاہ سے تربیت حاصل کی۔ ان تمام حضرات کے یہ خصوصی امتیاز ہیں کہ ان میں شرعی احتساب و اعتقادی انتقادات کا ملکہ پیدا ہوگیا۔ اور بلاخوف لومۃ لائم ببانگ دُہل اظہار حق فرمانا ان کا شعار بن گیا۔ ان حضرات کو یہ جو ہر حق گوئی اہل حق اسلافِ اہل سنت سے ورثہ میں ملا ہے۔

"التباس الحق بالباطل" کی اشاعت صرف چودہویں صدی کے ساتھ خاص نہیں اور نہ صرف سرزمین ہند کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ جدت جدید سے یہ وبا ہر طرف پھیلی نظر آرہی ہے۔ قلت و کثرت کا فرق ضرور ہے، مگر ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں بدمذہبی جاری و ساری رہی ہے اور ہر دور کے گمراہوں نے اپنی گمراہیوں کی پردہ پوشی کے لیے جو حربے وحیلے اختیار کیے تھے۔ وہ سب حیلے، ضلالت کے حربے آج اہل حق کے مقابلے میں بھی اختیار کیے جارہے ہیں۔

اپنے اپنے دور میں متبع سنت و پابند شریعت اہل حق نے جو جوابات گمراہ جماعتوں کو دیے تھے، وہی جواب با صواب آج بھی اہل سنت و جماعت اِس زمانہ کے بد دینوں کو دے رہے ہیں۔ اس دل دوز واقعات کی مختصر داستان سماعت فرمایئے:

متاخرین علمائے احناف میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، ان کی کتاب "موضوعاتِ کبیر" ایک متداول معروف و مشہور کتاب ہے۔ اسی کتاب سے تھوڑا سا اقتباس بطورِ ہدیہ قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے پیش کررہا ہوں۔

علامہ موصوف نے پہلے "واضعین حدیث" کی حرکاتِ ناشائستہ کا تذکرہ فرمایا، اس کے بعد "ناقدین حدیث" کی تنقیدی تبصروں پر مذبذب قسم کے حضرات کی اس سادہ لوحی کا اظہار فرمایا کہ "یہ تنقید تو غیبت ہے" وقیعۂ قبیحہ ہے، جو شانِ مسلم کے خلاف ہے۔ اس اعتراض کا جواب جو ناقدین حدیث نے دیا ہے، اس کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قال الدار قطنی فان توهم متوهم ان المتكلم فيمن روى حديثا مردوداً غيبة له يقال له ليس كما توهمت وذالک ان جماع اهل العلم عليان هٰذا واجب ديانة للدين ونصيحة للمسلم.

دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی وہمی یہ وہم

کرے کہ جن لوگوں نے حدیث موضوع کی روایت کی ہے، ان پر نکتہ چینی کرنا، ان کی غیبت کرنا ہے۔ تو ایسے وہمیوں سے کہا جائے گا: یہ کام ایسا نہیں جیسا تم نے وہم کیا ہے، بلکہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ ایسا ضرور کرنا چاہیے، کیوں کہ ایسے لوگوں کا رد کرنا دین کی حمایت وصیانت کی خاطر دین ہی نے واجب فرمایا ہے اور اس میں اہل اسلام کی خیر خواہی بھی ہے کہ ان کو ضلالت وگمراہی سے بچانا ہے۔

حدثنا ابو بکر بن خلاد قال قلت بیحی بن سعید القطان اما تخشی ان یکون ہؤلاء الذین ترکت حدیثھم خصماء لک عند اللہ تعالی فقال لان یکون ہؤلاء خصمامی احب الی من ان یکون النبی علیہ السلام خصمی یقول لم لم تذب الکذب عن حدیثی.

ہم سے ابو بکر بن خلاد نے بیان کیا کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان سے کہا: کیا آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ وہ تمام لوگ جن کی مرویات کو آپ نے چھوڑ دیا ہے، کل اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے دشمن ہوں تو حضرت یحییٰ بن سعید القطان نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر یہ لوگ ہمارے دشمن ہوں تو یہ مجھے محبوب تر ہے اس بات سے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ قیامت میں مجھ سے مطالبہ فرمائیں کہ تو نے کیوں نہیں میری حدیث سے جھوٹ کو دور کیا تو کیا جواب ہوگا۔

وقیل لشعبۃ ھٰذا الذی تکلم فی الناس الیس ھو غیبۃ فقال یا احمق ھٰذا دین وترکہ محاباۃ.

حضرت شعبہ سے کسی نے کہا: آپ حضرات تنقیداً جو عیوب راویانِ حدیث کے بیان کرتے ہیں، کیا یہ غیبت نہیں ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمق! یہ جرم وتعدیل تو دین ہے، اس کو چھوڑ دینا تو دینی باتوں میں بے پروائی ہے، جس کے نتائج خطرناک ہوں گے۔

وقد قال محمد بن بندار الجرجانی لاحمد بن حنبل انہ یشتد علی ان اقول فلان ضعیف وفلان کذاب فقال احمد اذا سکت انت یعرف الجاھل الصحیح من السقیم.

محمد بن بندار الجرجانی نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے یہ بات بہت گراں معلوم ہوتی ہے کہ میں یہ کہوں کہ فلاں شخص ضعیف اور فلاں بڑا ہی جھوٹا ہے۔ تو امام احمد بن حنبل نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: جب آپ ایسے موقع پر خاموشی اختیار کریں گے تو بے علم مسلمان صحیح وغلط حدیثوں میں کس طرح امتیاز کریں گے۔

اسی طرح حضرت سفیان ثوری سے مروی ہے کہ آپ نے کسی راوی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

کذاب واللہ لو لا انہ لا یحل لی ان اسکت لسکت.

بڑا جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میرے لیے اس موقع پر چپ رہنا شرعاً جائز ہوتا تو ضرور میں خاموش رہتا۔

اسی طرح امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اذا علم الرجل من محدث الکذب لم یسعہ السکوت علیہ ولا یکون ذالک غیبۃ فان العلماء کالنقاد فلا یسع الناقد فی دینہ ان لا یبین الزیوف

من غیرہ.

جب کسی آدمی کو کسی محدث کا جھوٹ معلوم ہو جائے تو اس کو اس موقع پر چپ رہنے کی گنجائش نہیں، ایسے محدث کے جھوٹ کا ظاہر کر دینا شرعاً غیبت نہیں، کیوں کہ علمائے دین اس نقاد کی طرح ہیں جو کھرے اور کھوٹے سکوں کو پرکھتے ہیں۔ اسی طرح علما کو دینی باتوں کی چھان بین کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

وکان شعبة بن الحجاج یقول تعالوا نغتاب فی دین الله.

اور شعبہ بن حجاج فرماتے تھے کہ اے لوگو! آؤ تا کہ ہم خدا کے دین کی خاطر غیبت کریں۔ یعنی سچے، جھوٹے، کھرے، کھوٹے کو الگ کر دکھائیں۔

ناظرین کرام ''موضوعات کبیر'' کے اقتباسات آپ کے سامنے ہیں، اس کی روشنی میں حق و باطل کا ایک معیار قائم کیجیے اور اپنی نقادانہ نگاہ سے دیکھئے! آپ کو چودھویں صدی میں ہندوستان کے اندر نئے نئے عقیدوں کے انبار دیکھنے کو ملیں گے۔ لفظاً حدیثوں کے اختراعات نہ سہی مگر معناً مطالب حدیث و قرآن کے اختراعی حضرات کا کارواں در کارواں گزرتا ہوا محسوس ہوگا اور جدید عقیدہ سازی کے سیل بے کراں کا سامنا ہوگا۔

ہندوستان میں اکابر اہل سنت وعلمائے اہل حق اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے اس دینی فتنے کے سد باب کے لیے متحرک نظر آئیں گے۔ جارحیت و دفاع کی آویزش وحق و باطل کی محاذ آرائی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے نمایاں ہوگا۔ اس دینی جنگ میں کچھ حضرات تماشا بینی میں مصروف نظر آئیں گے اور ان کے ضمیر کی وہی بزدلانہ آواز سنائی دے گی کہ:

''یہ عقائد کی معرکہ آرائی عوام میں تفریق کی آگ کو ہوا دے گی، ہر طرف فتنہ وفساد کی فضا قائم ہو جائے گی، ایک دوسرے کی غیبت وعیب جوئی کا بازار گرم ہو جائے گا''۔

تو اس غیر شرعی اعتراض کا جواب بھی اس دور کے شیرانِ حق یہی دے رہے ہیں کہ یہ فساد نہیں ہے، فساد مٹا کر اصلاح پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ یہ پھوٹ ڈالنا نہیں ہے، بلکہ صحیح اور غلط میں امتیاز پیدا کرنا ہے۔ یہ غیبت نہیں، بلکہ کارِ ثواب ہے۔ قلمی ولسانی جہاد ہے۔ نفلی عبادتوں سے فاضل تر ہے۔ ''متی الجاهل الصحیح من السقیم'' کی صحیح ترجمانی ہے۔

اس باطل وغلط نظریہ کا جس عزیمانہ شان سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رد فرمایا اور اپنی نظر فیض اثر سے خلفا و شاگردوں کا ایک ایسا حلقہ تیار فرمایا، جس کی نظیر گزشتہ چند صدیوں میں نہیں ملتی۔ انھیں میں سے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک ذات ہے۔

یہ صحیح ہے، آپ اعلیٰ درجہ کے ماہر درس استاذ تھے، مگر یہ وصف صرف آپ ہی کے ساتھ خاص نہ تھا، بلکہ آپ کے ہم عصر اغیار بھی بڑے بڑے مدرس تھے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے کس وصف خاص نے آپ کی تدریسی کمال کو چار چاند لگایا ہے؟ تو اس کا جواب صرف یہی ہوگا کہ وہ وصف خاص وہی ہے، جو انھیں بارگاہِ رضا سے حاصل ہوا۔ شاگردوں

میں حق و باطل کا امتیاز پیدا کرنا، ابطالِ باطل، احقاقِ حق کا جذبہ پیدا کرنا، یہی وہ وصف خاص ہے، جس نے صدرالشریعہ قدس سرہ کو نادرِ روزگار بنادیا۔

صدرالشریعہ قدس سرہ کی دینی خدمات کا اجمالی تذکرہ:۔ صدرالشریعہ قدس سرہ العزیز، مصنف ومحشی بھی تھے۔تو کیا دوسرے ان کے ہم زمانہ مصنف ومحشی نہ تھے۔ پھر تصنیف وتحشیہ کے لحاظ سے آپ کا وہ کون سا منفردانہ انداز ہے جو آپ کی تصنیفی زندگی کو تشخص وامتیاز کا جامۂ زریں پہنا تا ہے۔تو اس سوال کے جواب میں بھی یہی کہنا پڑے گا کہ آپ کا وہ وصف خاص اسحاقِ باطل ازہاقِ ضلالت اور اظہارِ حق وتبیانِ صداقت ہے۔ اسی طرح ان کی تدریسی منفردانہ شان کو دیکھنا ہو تو اس کا عکس ان کے شاگردوں کی زندگی میں دیکھیۓ۔ ان کی تصنیف و افتا کا رنگ خاص اگر ملاحظہ کرنا ہو تو تو ان کی کتاب ''بہار شریعت'' اور ''فتاویٰ امجدیہ'' کو ملاحظہ فرمائیں۔ اگر ان کے شاگردوں میں تصلب فی الدین کا منظر آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو صدرالشریعہ کے ایک شاگرد حضرت مولانا قاضی جونپوری کی کتاب ''قانون شریعت'' کی دوسری جلد بیانِ غیبت کا مطالعہ فرمایئے۔ نموۃً زیرنظر اقتباس اسی مقام سے ماخوذ ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا فاجر کے ذکر سے بچتے ہو، اس کو لوگ کب پہچانیں گے، فاجر کا ذکر اس چیز کے ساتھ کرو جو اس میں ہے، تا کہ لوگ اس سے بچیں''۔ (طبرانی وبیہقی)

''اور فرمایا: فاسق کی غیبت نہیں ہے''۔ (طبرانی)

''اور فرمایا: جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے، رب تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور عرش جنبش کرنے لگتا ہے''۔ (بیہقی)

(قانونِ شریعت، جلد۲/ص:۲۳۸، بیانِ غیبت)

اسی سلسلہ میں بیانِ مسئلہ کے بعد علامہ جون پوری ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ حکم فاجر وفاسق کا ہے، جس کے شر سے بچانے کے لیے لوگوں پر اس کی بُرائی کھول دینا جائز ہے اور غیبت نہیں۔اب سمجھنا چاہیے کہ بدعقیدہ لوگوں کا ضرر فاسق کے ضرر سے زائد ہے۔ فاسق سے جو ضرر پہنچے گا وہ اس سے بہت کم ہے جو بدعقیدہ لوگوں سے پہنچتا ہے۔ فاسق سے اکثر دنیا کا ضرر ہوتا ہے اور بدمذہب سے تو دین وایمان کی بربادی کا ضرر ہے۔ اور بدمذہب اپنی بدمذہبی پھیلانے کے لیے نماز، روزہ کی بظاہر خوب پابندی کرتے ہیں، تا کہ ان کا وقار لوگوں میں قائم ہو۔ پھر جو گمراہی کی بات کریں گے ان کا پورا اثر ہوگا۔ لہٰذا ان کی بدمذہبی کا اظہار فاسق کے فسق کے اظہار سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے بیان میں ہرگز دریغ نہ کریں۔

آج کل کے بعض نیم مولوی اور بے صوفی اپنا تقدس وپرہیزگاری ظاہر کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی کی بُرائی نہیں کرنی چاہیے۔ ان کی یہ بات غلط ہے، مخلوقِ خدا کو گمراہوں سے بچانا یہ کوئی

معمولی بات نہیں، بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے، جس کو ناکارہ تاویلات سے چھوڑنا چاہتا ہے اور اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ میں ہر دل عزیز بنوں، کیوں کسی کو اپنا مخالف کروں"۔

ایک امجدی فیض یافتہ کا یہ بیان بارگاہِ رضویہ کی صدائے حق ہے، جس کو گوشِ امجدی نے سنا، دل نے جگہ دیا، پھر امجدی زبان سے ان کے شاگردوں نے سنا اور اپنے قلب وجگر کو ندائے حق سے معمور کیا اور آج ہر طرف امجدی فیوض کا دریا بہہ رہا ہے۔

میں اپنے اس خیال پر کہ صلابتِ دین وایمان کی یہ لہر جو چل رہی ہے، اعلیٰ حضرت کے فیض دینی کی ممنون ہے۔ بطورِ شاہد حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ایک مایۂ ناز شاگرد حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی کو پیش کر رہا ہوں، جو شارحِ بخاری بھی ہیں۔ آنجناب اپنی شرح "بشیر القاری" میں اپنی سند معقول کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

"فقیر حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے مجاز ہے اور آپ امام الجہابذہ، استاذ الاساتذہ، حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جونپوری قدس سرہ سے ...."۔

اس کے بعد مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا جیلانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اور مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی جنھوں نے کسی ذاتی مصلحت کی بنا پر دیوبندی مسلک اختیار فرمالیا"۔

حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب مرحوم کے شاگرد صدر الشریعہ بھی تھے اور بلیاوی صاحب بھی، دونوں میں اتنا بون وبعید کیوں؟ بلیاوی صاحب ذاتی مصلحت کی بنا پر دیوبندی مسلک اختیار کر بیٹھے اور صدر الشریعہ دیوبندی مسلک کا قلع قمع فرماتے ہوئے واصل بحق ہوگئے۔ یہ فرق اسی امام اہل سنت کی وجہ سے پیدا ہوا، جن کی پوری زندگی "فارق بین الحق والباطل" رہی ہے۔ جن کو عالم اسلام اعلیٰ حضرت کے نام سے یاد کرتا ہے۔ خوبیٔ قسمت سے صدر الشریعہ قدس سرہ کو بارگاہِ رضا کی غلامی مل گئی اور وہ کندن ہوگئے۔ بلیاوی صاحب کو اس فیض بخش آستانہ سے محرومی نصیب ہوئی، اِسی لیے مِس خام ہی رہے۔

صدر الشریعہ اور تصلب فی الدین:۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ براہِ راست "بہار شریعت" کا ایک مختصر اقتباس اس مقام پر نقل کر دیا جائے، تا کہ معلوم ہو جائے کہ اصل علم ومقصود عمل حفاظت دین وایمان کی پختگی اور اس کی تلقین ہے۔ بہار شریعت حصہ نہم "مرتد کا بیان" مطالعہ کیجیے! فرماتے ہیں:

"آج کل بعض لوگوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ کسی شخص میں ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اسے کافر نہ کہیں گے، یہ بالکل غلط بات ہے۔ کیا یہود ونصاریٰ میں اسلام کی کوئی بات نہیں پائی جاتی؟ حالاں کہ قرآن عظیم میں انھیں کافر فرمایا گیا، بلکہ بات یہ ہے کہ علما نے فرمایا یہ تھا کہ اگر کسی مسلمان نے ایسی بات کہی جس کے بعض معنی اسلام کے مطابق

ہیں تو کافر نہ کہیں گے، اس کو ان لوگوں نے یہ بنالیا۔
ایک یہ وبا بھی پھیلی ہوئی ہے، کہتے ہیں کہ "ہم تو کافر کو کافر نہ کہیں گے کہ ہمیں کیا معلوم کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا" یہ بھی غلط ہے۔ قرآن عظیم نے کافر کو کافر کہا اور کافر کہنے کا حکم دیا "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور اگر ایسا ہے تو مسلمان کو بھی مسلمان نہ کہو، تمھیں کیا معلوم کہ اسلام پر مرے گا۔ خاتمہ کا حال تو خدا جانے، مگر شریعت نے کافر و مسلم میں امتیاز رکھا ہے۔ اگر کافر کو کافر نہ جانا جائے تو کیا اس کے ساتھ وہی معاملات کرو گے جو مسلم کے ساتھ ہوتے ہیں، حالاں کہ بہت سے امور ایسے ہیں، جن میں کفار کے احکام مسلمانوں سے بالکل جدا ہیں۔ مثلاً ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا، ان کے لیے استغفار نہ کرنا، ان کو مسلمانوں کی طرح دفن نہ کرنا، ان کو اپنی لڑکیاں نہ دینا، ان پر جہاد کرنا، ان سے جزیہ لینا، اس سے انکار کریں تو قتل کرنا وغیرہ وغیرہ۔ بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ "عقائد وغیرہ ہم کیا جانیں، عالم لوگ جانیں، وہ کافر کہیں"۔ مگر کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ عوام کے تو وہی عقائد ہوں گے جو قرآن وحدیث وغیرہما سے علما نے انھیں بتائے، یا عوام کے لیے کوئی شریعت جداگانہ ہے۔ جب ایسا نہیں تو پھر عالم دین کے بتائے پر کیوں نہیں چلتے۔ نیز یہ کہ ضروریات کا انکار کوئی ایسا امر نہیں جو علما ہی جانیں، عوام جو علما کی صحبت سے مشرف ہوتے رہتے ہیں، وہ بھی ان سے بے خبر نہیں ہوتے۔ پھر ایسے معاملہ میں پہلو تہی اور اعراض کے کیا معنیٰ"۔

مذکورہ بالا عبارتوں کے تھوڑے ہی بعد اسی "مرتد کا بیان" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"مرتد کو قید کرنا اور اسلام نہ قبول کرنے پر قتل کرڈالنا، بادشاہِ اسلام کا کام ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص اگر زندہ رہا اور اس سے تعرض نہ کیا گیا تو ملک میں طرح طرح کے فساد ہوں گے اور فتنہ کا سلسلہ روز بہ روز ترقی پذیر ہوگا، جس کی وجہ سے امن عامہ میں خلل پڑے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کو ختم کردینا ہی مقتضائے حکمت تھا۔ اب چوں کہ حکومتِ اسلام ہندوستان میں باقی نہیں، کوئی روک تھام کرنے والا باقی نہ رہا۔ ہر شخص جو چاہتا ہے بکتا ہے۔ اور آئے دن مسلمانوں میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ نئے نئے مذہب پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایک خاندان بلکہ بعض جگہ ایک گھر میں کئی مذہب ہیں اور بات بات پر جھگڑے لڑائی ہیں۔ ان تمام خرابیوں کا باعث یہی نیا مذہب ہے۔ ایسی صورت میں سب سے بہتر ترکیب وہ ہے، جو ایسے وقت کے لیے قرآن وحدیث میں ارشاد ہوئی۔ اگر مسلمان اس پر عمل کریں، تمام قصوں سے نجات پائیں، دنیا وآخرت کی بھلائی ہاتھ آئے۔ وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے بالکل میل جول چھوڑ دیں، سلام کلام ترک کردیں۔ ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا، ان کے

ساتھ کھانا پینا، ان کے یہاں شادی بیاہ کرنا، غرض ہر قسم کے تعلقات ان سے قطع کردیں۔ گویا سمجھیں کہ وہ اب رہا ہی نہیں۔ واللہ الموفق"۔

"بہار شریعت" کے دونوں اقتباس سے روزِ روشن کی طرح اپنی صلابت، اسلامی حمایت کا مہر تاباں آنکھوں کے سامنے ضوفگن ہے۔ حضرت صدر الشریعہ نے اپنی اس مہتم بالشان فقہی کتاب کا نام "بہار شریعت" تجویز فرمایا، اس میں بھی ایک شانِ انفرادیت ہے اور ناموسِ شریعت کی پاسبانی کا جذبہ کارفرما ہے۔ اس پُرفتن دور میں یہ بھی ایک عظیم دینی خدمت ہے۔ ہمارے خیالِ ناقص و ذہنِ نارسا میں اِس نام کے انتخاب سے بھی تبلیغ شریعت کی حکمت آشکارا ہے۔

اس دور میں جملہ کتب فکر نے اپنے عقائد و مسائل پر کتابوں پر کتابیں لکھیں ہیں، مگر شاید ہی کسی نے اپنی دینی تصنیف کا نام شریعت کے انتساب کے ساتھ رکھا ہو۔ یہ صرف علمائے اہل سنت ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ جتنے فقہی رسائل اور کتابیں تحریر ہوئی ہیں، وہ شریعت سے معنون ہیں۔ سب سے پہلے پیشوائے اہل سنت اعلیٰ حضرت کا ایک مجموعہ فتاویٰ بنام "احکام شریعت" زیور طبع سے مزین ہوکر اشاعت پذیر ہوا۔ اسکے بعد بارگاہِ رضویت کے صحبت یافتہ عالموں نے ایک سلسلۂ تصنیف بنام شریعت قائم فرمادیا۔ "بہار شریعت" مصنفہ صدر الشریعہ کے سترہ حصوں کی بہار واقعی بہارِ بے خزاں ہے۔ پھر "قانونِ شریعت" "عرفانِ شریعت" "نظام شریعت" شہود پر جلوہ گر ہوگئیں۔ شریعت کے ساتھ موسوم کرنے کی حکمت ظاہر ہے۔ لفظ شریعت ایک دینی جامع اصطلاح ہے۔ شریعت بولتے ہی ذہن اس طرف بہ عجلت منتقل ہوجاتا ہے کہ اس میں کتاب بھی ہے، سنت بھی ہے، اجماع و قیاس بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ عالی شان کا اتباع بھی ہے "ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ"۔ پھر ہم نے اس کام یعنی دین کے عمدہ راستہ پر تمہیں کیا۔ اے حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اسی راہ پر چلو اور نادانوں کی خواہشوں کا ساتھ نہ دو۔ یعنی رؤسائے قریش کی جو اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں، اس کی طرف دھیان نہ دو۔

ملاحظہ فرمایئے! شریعت پر رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو قائم فرمایا اور حکم دیا کہ اسی راہِ شریعت پر گامزن رہیے۔ پھر مزید تاکید فرمائی گئی کہ نادانوں جاہلوں کی خواہشوں کا ساتھ نہ دیجیے۔ اللہ! اللہ! مخاطب وہ حبیب رب ہیں، جو سید المعصومین ہیں، مطائع عالم ومنجی اولادِ آدم ہیں، جن کا ہر بول بھی خواہش نفس سے پاک ہے، جن کی ہر جنبش لب وحی الٰہی ہے۔ بھلا غور تو کیجیے! کیا ان سے شریعت کے خلاف چلنے کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ پیرایۂ خطاب اس لیے اختیار فرمایا گیا، تاکہ حضور کے ذریعہ امت کو سمجھا دیا جائے کہ شریعت الٰہی میں اپنی خواہشوں کی آمیزش کرنے والوں کی پیروی نہ کریں، کیوں کہ بہت ایسے گروہ وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہیں گے، جو کتاب وسنت کا نام لے کر اور اسلامی لیبل لگا کر جادۂ شریعت سے ڈگمگانے کی

کوشش کریں گے۔ لہٰذا اے مسلمانو! مولیٰ تعالیٰ جل شانہ نے جس شریعت پر تمہارے آقا و مولیٰ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جلوہ افروز فرمایا ہے، ہر حال میں اسی شریعت کی پیروی کرتے رہنا۔

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں علمائے اہل سنت نے فقہی واعتقادی مسائل پر مشتمل کتابوں کا نام شریعت کے انتساب کے ساتھ رکھا۔ اتنی گزارشوں کے بعد اب جی چاہتا ہے کہ ''بہار شریعت'' کی جامعیت پر کچھ عرض کروں، جس سے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا تخصص وامتیاز اپنے اقران و اماثل پر ظاہر ہو جائے۔

حضرت صدر الشریعہ کی تصنیفی دینی خدمات:۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ جو فقیہ ہوگا، وہ جملہ اسلامی علوم وفنون میں کامل و ماہر بھی ہوگا۔ اس کو اس طرح بھی سمجھئے کہ جو فقیہ ہوگا محدث بھی ہوگا، مفسر بھی، اصولی بھی ہوگا اور کلامی بھی، مگر یہ ہر گز ضروری نہیں کہ جو محدث و مفسر ہوں وہ فقیہ بھی ہوں۔ یہی وہ راز ہے، جس کی وجہ سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ہم عصر بڑے بڑے محدث کرام نے یوں مخاطب فرمایا تھا کہ اے ابوحنیفہ! واقعی آپ طبیب ہیں اور ہم لوگ عطار۔ مطلب یہ کہ عطار و کمپونڈر صرف دواؤں کے خزینہ دار و اسٹاکسٹ ہوتے ہیں۔ انھیں امراض کی تشخیص اور مریضوں کے مطابق دواؤں کی تعین اور دواؤں کے استعمال کے مواقع کی شناخت سے کیا واسطہ۔ یہ حضرات تو صرف نسخہ جات کی پڑیا بندی جانتے ہیں۔ اس کے برخلاف اطبا، دواؤں کو بھی جانتے ہیں۔ مرضوں کی شناخت، نبض شناسی کی مہارت بھی رکھتے ہیں۔ انھیں دواؤں کے استعمال کے طریقوں سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ اسی طرح غیر فقیہ محدثین حدیثوں کے حافظ تو ضرور ہوتے ہیں، مگر حدیث پاک کی معنوی وفقہی ندرت سے کما حقہ واقف نہیں ہوتے۔ مگر فقہائے کرام حدیث بھی جانتے ہیں، تفسیر کا بھی علم رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آیات وحدیث کی روح کے بھی حامل ہوتے ہیں، جس کو فقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ظاہر میں محدثین وفقہائے اہل تحقیق کے مابین خلا سا رہتا ہے۔ اس معیار پر حضرت صدر الشریعہ کی بہار شریعت کو پرکھیے، چھان بین کیجیے، ضرور آپ اس نتیجہ تک پہنچیں گے کہ حضرت صدر الشریعہ اپنے دور کے ایک فقیہ کامل ہیں۔ اور جب فقیہ ہیں تو محدث ومفسر بھی ہیں۔ علم کلام کے ماہر بھی، علم خلافیات پر گہری نظر رکھنے والے بھی اپنے دور کے دینی ضرورتوں کی بے پناہ بصیرت سے مالا مال بھی۔ اسی وجہ سے ''بہار شریعت'' میں جابجا ضرورتِ زمانہ وحوادثاتِ تازہ کی رہنمائیاں بھی موجود ہیں۔

بہار شریعت کی جامعیت:۔ بہار شریعت کی ہر جلد میں ہر باب کے آغاز میں فقہی مسائل کے بیان سے پہلے قرآن کریم کی آیتوں کا اردو ترجمہ کے ساتھ بیان موجود ہے۔ اس کے بعد اس باب کے مناسب حدیثوں کا بھی اردو ترجمہ کے ساتھ بیان موجود ہے۔ بعض بعض بابوں میں بیس بیس پچیس پچیس حدیثوں کو نقل فرمایا ہے۔ اس کے بعد مسائل فقہیہ کا آغاز کیا ہے۔

پڑھنے کے بعد ہر سلیم الصدر قاری محسوس کرنے پر مجبور

ہوگا کہ صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، کیوں محسوس نہ ہو جب ہر فقیہ، مفسر ومحدث ہوتا ہے۔ بہارشریعت کے جملہ حصص میں معتد بہ قرآن حکیم کی احکامی آیتیں مذکور ہوگئی ہیں۔ اسی طرح حدیث مقدسہ کے وافر ذخیرے بھی جلائے ایمان کا سامان بنے ہوئے ہیں۔اس طرزِ بیان نے اس حقیقت کو بھی بالکل واشگاف کردیا ہے کہ فقہ حنفی کی جزئیات ومسائل، کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں۔ان بے شعور، بے دینوں کا رد بلیغ بھی ہے، جو بغض وعناد کی بنا پر عوام میں یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد قرآن وحدیث کے خلاف صرف قیاس پر مبنی ہے۔

حضرت صدرالشریعہ کی تحریری خصوصیت بعض جگہ نہایت ہی دل آویز ہے اور کہیں کہیں نہایت ہی دل نشیں انداز سے مختصر تمہید بیان کرتے ہیں کہ دل کے لیے ان کے قلم حق رقم کو داد دیے بغیر گزر جانا مشکل ہوجاتا ہے۔گویا ایک دریائے علم وعرفان ہے جو الفاظ کے کوزے میں بند ہے۔اب اہل قلم اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس مختصر کو مطول فرماتے رہیں۔ مثال کے طور پر کچھ عبارتیں ملاحظہ فرمائیے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ" جن اور آدمی میں نے اسی لیے پیدا کیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ہر تھوڑی سی عقل والا بھی جانتا ہے کہ جو چیز جس کام کے لیے بنائی جائے اگر اس کام میں نہ آئے تو بے کار ہے۔تو جو انسان اپنے خالق ومالک کو نہ پہچانے، اس کی بندگی وعبادت نہ کرے، وہ نام کا آدمی ہے۔ حقیقتاً آدمی نہیں، بلکہ ایک بے کار چیز ہے۔تو معلوم ہوا کہ عبادت ہی سے آدمی، آدمی ہے۔اور اسی سے فلاحِ دنیوی و فلاحِ اُخروی ہے۔لہٰذا ہر انسان کے لیے عبادت کے اقسام و ارکان وشرائط واحکام کا جاننا ضروری ہے کہ بے علم عمل ناممکن۔ اسی وجہ سے علم سیکھنا فرض ہے۔ عبادت کی اصل ایمان ہے، بغیر ایمان عبادت بے کار کہ جڑ ہی نہ رہی تو نتائج کہاں سے مرتب ہوں۔ درخت اسی وقت پھول پھل لاتا ہے کہ اس کی جڑ قائم ہو، جڑ جدا ہونے کے بعد آگ کی خوراک ہوجاتا ہے۔اسی طرح کافر لاکھ عبادت کرے، اس کا سارا کیا دھرا برباد اور جہنم کا ایندھن۔ (بہارشریعت، حصہ دوم، ص:۶)

اسی طرح حصہ یازدہم "بہارشریعت" میں خرید و فروخت کا بیان شروع کیا گیا ہے۔جس کی تمہید یوں ہے:

وہ خلاقِ عالم جس کی قدرتِ کاملہ کا ادراک انسانی طاقت سے باہر ہے۔عرش سے فرش تک جدھر نظر کیجیے! اسی کی قدرت جلوہ گر ہے۔ حیوانات ونباتات وجمادات اور تمام مخلوقات اسی کے مظہر ہیں۔ اس نے اپنی مخلوقات میں انسان کے سر پر تاجِ کرامت وعزت رکھا اور اس کو مدنی الطبع بنایا کہ زندگی بسر کرنے میں یہ اپنے بنی نوع کا محتاج ہے، کیوں کہ انسانی ضروریات اتنی زائد اور ان کی تحصیل میں اتنی دشواریاں ہیں کہ ہر شخص اگر اپنی تمام ضروریات کا تنہا متکفل ہونا چاہے تو غالباً عاجز ہوکر بیٹھ رہے گا اور اپنی زندگی کے ایام خوبی کے ساتھ گزار نہ سکے گا۔لہٰذا اس حکیم مطلق نے انسانی جماعت کو مختلف شعبوں، متعدد قسموں پر منقسم فرمایا کہ ہر ایک جماعت ایک ایک کام انجام دے اور سب کے مجموعہ سے ضروریات پوری ہوں۔ مثلاً کوئی کھیتی

کرتا ہے، کوئی کپڑا بنتا ہے، کوئی دوسری دست کاری کرتا ہے۔ جس طرح کھیتی کرنے والوں کو کپڑے کی ضرورت ہے، کپڑا بننے والوں کو غلہ کی حاجت ہے۔ نہ یہ اس سے مستغنی نہ وہ اس سے بے نیاز، بلکہ ہر ایک کو دوسرے کی طرف احتیاج۔ لہٰذا یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ اِس کی چیز اُس کے پاس جائے اور اُس کی اِس کے پاس آئے تاکہ سب کی حاجتیں پوری ہوں اور کاموں میں دشواریاں نہ ہوں۔ یہاں سے معاملات کا سلسلہ شروع ہوا۔ بیع وغیرہ ہر قسم کے معاملات وجود میں آئے۔ اسلام چوں کہ مکمل دین ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا حکم نافذ ہے۔ جہاں عبادات کے طریقے بتاتا ہے، معاملات کے متعلق بھی پوری روشنی ڈالتا ہے، تاکہ زندگی کا کوئی شعبہ تشنہ باقی نہ رہے اور مسلمان کسی عمل میں اسلام کے سوا دوسرے کا محتاج نہ رہے۔ جس طرح عبادات میں بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز، اسی طرح تحصیل مال کی بھی بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز اور حلال روزی کی تحصیل اس پر موقوف کہ جائز وناجائز کو پہچانے اور جائز طریقے پر عمل کرے، ناجائز سے دور بھاگے۔ قرآن مجید میں ناجائز طور پر مال حاصل کرنے کی سخت ممانعت آئی۔ (بہار شریعت)

ناظرین باتمکین بہار شریعت کے دو حصوں کی دو تمہیدی عبارتیں آپ کے پیش نظر ہیں، مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ فرمائیں کتنی باوقار باوزن عبارتیں ہیں، حکمت احکام و رموز دین اور اسرارِ شریعت سے لبریز ہیں۔ اختصار کے خیال سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ بہت سے مقامات سے اور بھی اقتباسات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ عالم تو یہ ہے کہ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست مگر علمی بے بضاعتی عناں گیر ہے۔

حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ العزیز کے علمی کارناموں، دینی خدمتوں کی فہرست میں یہ کارنامہ و دینی خدمت بھی کم اہم نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت مجددِ دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد آپ کے اہتمام وانصرام میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر دنیا کے سامنے نمودار ہوئی۔ اس جلد میں کتاب الطہارۃ سے تیمم تک کے مسائل ومباحث کی تفصیلی فہرست صفحہ ۸۵۰ر سے شروع ہوکر صفحہ ۸۸۰ر پر ختم ہوئی ہے۔ جس میں رسائل کی تفصیل، پھر ان رسالوں کے ضمن میں جو ضمیمہ رسالے ہیں، ان کا بیان، یہ سب کام دقتِ نظر وعبورِ فقہی کے بین ثبوت ہیں۔ آخر میں مشتہر کی حیثیت سے آپ کا نام نامی اسم گرامی ہے، جس سے میں نے سمجھا کہ یہ کارنامے آپ ہی کی محنت پسند شخصیت کے ہیں۔ اسی اشتہار کی عبارتوں سے آپ کے ان والہانہ جذبات کی نشان دہی بھی ہوتی ہے، جو آپ کو اعلیٰ حضرت کے ذات قدسی صفات کے ساتھ تھے۔ اسی لیے میں نے یہ بات آغازِ مضمون میں سپردِ قلم کی ہے کہ حضرت صدرالشریعہ کو صدرالشریعہ اعلیٰ حضرت کی چشمِ کرم نے بنادیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہمارے اسلاف کے فیوض سے ہمیں نوازے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

☆☆☆

بہار شریعت
فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف

مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی
استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی

تعارف:

چودھویں صدی ہجری کی عظیم فقید المثال فقہی شخصیت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ، جنھوں نے ملت اہل سنت اور فقہ حنفی کو ایک بیش بہا علمی و فقہی تحفہ یعنی بہار شریعت (سترہ جلدوں میں) دے کر نا قابل فراموش احسان فرمایا۔

آپ نے ایک علمی اور مذہبی گھرانہ میں آنکھ کھولی، متدین والدین کی نگرانی میں نشو و نما پائی، آپ خاندان کے مذہبی ماحول سے بے اثر نہ رہے۔ آپ کی تعلیم ملک کے ممتاز اساتذہ مثلاً استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری، حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی کے یہاں ہوئی۔ آپ نے یوں تو بہت سے علوم و فنون سیکھے اور ان میں مہارتِ تامہ بھی حاصل کی، لیکن فقہ و حدیث میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے، جس کی مثال فقہ حنفی کی مایۂ ناز اور مقبول خاص وعام کتاب ''بہار شریعت'' اور حدیث میں ''حاشیہ طحاوی شریف'' ہے۔

آپ کے زمانہ میں ہندوستان میں ایک سے ایک بلند پایہ اساتذہ موجود تھے، لیکن جب مرکزی منظر اسلام میں خدمت تدریس وافتا کی انجام دہی کا مسئلہ درپیش ہوا تو موجودہ صدی کے مجددِ اعظم، صاحب فتاویٰ کثیرہ، امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسی جوہر شناس شخصیت کی نگہ انتخاب آپ پر پڑی۔ چنانچہ آپ منظر اسلام تشریف لے گئے اور مجددِ وقت کے زیر سایہ تدریس وافتا کی اہم ذمہ داری سنبھالی۔ آپ فتویٰ لکھ کر مجددِ وقت کی خدمت عالیہ میں اصلاح کی غرض سے پیش فرماتے، اس کے بعد مستفتی کے حوالہ کرتے۔ اٹھارہ برس تک مجددِ وقت کی بارگاہ میں رہ کر استفادہ کیا اور قضا وافتا اور درس وتدریس کی خدمت کی۔ یہی وجہ ہے کہ مجددِ وقت کو آپ پر کافی اعتماد ہو چکا تھا۔ آپ کے تفقہ کا ذکر چھڑتا تو مجددِ وقت فرماتے ''تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا''۔ آپ نے آخری دم تک فتویٰ نویسی کا کام کیا۔ آخری فتویٰ آٹھ شوال ۱۳۶۷ھ وفات سے تقریباً ایک ماہ پہلے تحریر فرمایا۔ فتاویٰ کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، جو عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہونے والا ہے۔ (دو جلدیں دائرۃ المعارف گھوسی سے چھپ چکی ہیں۔ ادارہ)

تشریح علم فقہ:

صدر الشریعہ نے جملہ علومِ متداولہ کے حامل ہونے کے باوجود علم فقہ پر خصوصی توجہ دی۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ ایک

مسلمان کی زندگی اس کے مبدأ و معاد کے مصالح اور ضروریاتِ انسانی کی تکمیل فقہ ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ علم فقہ، علومِ نقلیہ وعقلیہ کو حاوی ہے۔ علم فقہ، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاس کا مخزن ہے۔ کوئی بھی شخص جملہ علومِ نقلیہ وعقلیہ میں مہارت حاصل کیے بغیر فقیہ و مفتی نہیں بن سکتا۔ بہارشریعت کی سترہ جلدیں صدرالشریعہ کے فقیہ اعظم ہونے دلیل اور آپ کا فقیہ ہونا علومِ متداولہ میں مہارتِ تامہ کا واضح ثبوت ہے۔

اردو میں مبسوط فقہ حنفی کی ضرورت اور بہارشریعت:

مذہب اسلام کے سارے ضوابط وقوانین عربی زبان میں ہیں۔ قرآن وحدیث اور دیگر فقہی کتابیں سب کی سب عربی زبان میں ہیں۔ کیوں کہ جس سرزمین سے آفتابِ نبوت طلوع ہوا ہے، وہاں کی زبان عربی تھی، لیکن جوں جوں اسلام عرب کے حدود کو توڑ کر عجم میں پھیلتا گیا، اسی لحاظ سے عربی کتابوں کا ترجمہ عجمی زبانوں میں ہوتا گیا تو پھر ہندوستان جہاں کے مسلمانوں کی آبادی دیگر ممالک کے اعتبار سے بہت کثیر ہے اور یہاں کے مسلمانوں میں مذہبیت بھی زیادہ پائی جاتی ہے، اسلامی قوانین وضوابط ان کی زبان اردو میں کیوں نہ مشکل ہوں۔

لیکن جہاں اور علوم وفنون پر ترجمہ وتلخیص کا کام ہوا، وہاں فقہ پر کوئی ایسا ٹھوس اور جامع کام نہیں ہوا، جس سے ہندوستانی مسلمانوں کی کماحقہ ضرورت پوری ہو سکے اور اسے فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کہا جا سکے۔

چنانچہ چودھویں صدی کے بطل جلیل ہندوپاک کے عظیم المرتبت فقیہ صدرالشریعہ حضرت علامہ امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے وقت اور قوم کے نبض پر ہاتھ رکھا اور اپنی مصروف زندگی سے تھوڑے تھوڑے اوقات نکال کر سترہ جلدوں میں بہارشریعت تصنیف فرمائی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت مجدد وقت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے بھی محسوس فرمائی، لیکن جب بہارشریعت منظر عام پر آئی تو وقت کی اہم ضرورت پوری ہوگئی۔ چنانچہ مجدد وقت اس ضرورت کی تکمیل پر دعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقیر غفرلہ المولی نے یہ مبارک رسالہ بہارشریعت حصہ سوم تصنیف لطیف اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلا ومولانا ابوالعلا مولوی حکیم امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنیٰ رزقہ اللہ تعالیٰ فی الدارین مطالعہ کیا، مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی سلیس اردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی واغلاط کے مصنوع وملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔ عزوجل مصنف کی عمر وعلم وفیض میں برکت دے اور ہر باب میں اس کتاب کے اور حصص کافی وصافی تالیف کرنے کی توفیق بخشے اور نھیں اہل سنت میں شائع ومعمول اور دنیا وآخرت میں نافع ومقبول فرمائے۔ آمین''۔

بہارشریعت کی مقبولیت واہمیت:

موصوف علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں کیا بیان کیا، طرزِ تحریر کیا ہے، طریقۂ استدلال کیا ہے؟ وہ تبصرہ سے مستغنی اور

بے نیاز ہے۔ بہارِ شریعت کی بے پناہ مقبولیت اس کی اہمیت کی دلیل ہے۔ ہند و پاک کا کون ایسا دارالافتا ہے جہاں بہارِ شریعت نہیں ہے، خواہ اپنا ہو یا غیر کا ہر ایک دارالافتا بہارِ شریعت کا محتاج ہے، بغیر بہارِ شریعت کے ہر ایک دارالافتا ناقص ہے۔ بلکہ مجھے کہہ لینے دیا جائے کہ بہارِ شریعت ہی دارالافتا ہے۔ گویا کہ حضرت صدرالشریعہ دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی فتوی دے رہے ہیں۔ آج بہارِ شریعت کے طفیل دارالافتا کھول لینا اور فتوی دینا بڑا ہی آسان ہو چکا ہے۔ مجھ جیسا بے بضاعت اور بے علم صدرالشریعہ کے تفقہ پر کیا کچھ لکھ سکتا ہے، لیکن اتنا کہوں گا کہ اردو میں کتاب العقائد سے لے کر کتاب الحظر والاباحۃ تک کوئی کتاب ملتی ہے تو صرف بہارِ شریعت ہے۔

آج تاریخ فقہ کے اوراق شاہد ہیں کہ اربابِ علم و دانش کی نظر میں فتاوی عالمگیری و فتاوی شامی کی جو قدر و قیمت ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں اور حقیقت بھی ہے۔ آج اگر فتاوی عالمگیری اور شامی نہ ہوتی تو علمائے عصر کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، لیکن بہارِ شریعت کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اس دعوی کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتے ہیں، جن کو فقہ و اصولِ فقہ کی چاشنی مل چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کے ایک عبقری شخصیت نے بہارِ شریعت سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ:

> ''حضرت عالمگیر نے فتاوی عالمگیری کی تدوین و ترتیب کے لیے ایک مجلس بنائی تھی اور بادشاہی خزانہ اور ایک عظیم لائبریری وقف کی تھی، تب کہیں جا کر یہ عظیم الشان مجموعہ تیار ہوا، مگر حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے لیے نہ بادشاہی خزانہ تھا، نہ کوئی عظیم لائبریری اور نہ علما کی مجلس تھی، ہاں اگر کچھ تھا تو صرف مجددِ وقت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی نگرانی اور اصلاح حاصل تھی''۔

بلاشبہ اگر حضرت صدرالشریعہ کی بہارِ شریعت اگر حضرت عالمگیر کے زمانہ میں ہوتی تو حضرت صدرالشریعہ کو سونے اور چاندی سے تولا جاتا۔

اگر اس بات پر مزید روشنی ڈالی جائے تو جہاں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، وہیں تفصیل کی طالب بھی ہے۔ یہ تو صرف بہارِ شریعت کی بات تھی۔ یہی آپ کی جملہ مایۂ ناز تصانیف کا حال ہے۔

آپ کی فقاہت معاصرین علما کی نظر میں:

عوام الناس، تلامذہ اور اصاغر کا عالم سے استفتا کرنا، مسائل کا سمجھنا یہ تو کوئی اہم اور خوبی کی بات نہیں، کیوں کہ ایسا تو عام طور سے ہوتا ہے، لیکن اگر کسی عالم سے اس کے معاصرین علما، اکابر فضلا استفتا کریں اور اس کے فتوی پر اعتماد کریں تو یہ یقیناً بہت اہم بات ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ معاصرین علما اپنے وقت کے علم و ادب کے آفتاب و ماہتاب ہوں۔

اس لحاظ سے بھی جب ہم حضرت صدرالشریعہ کی شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ بے مثل و بے مثال نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے مجموعہ فتاوی میں جن حضرات نے استفتا کیا اور جواب پر اعتماد کا اظہار فرمایا، ان عظیم شخصیتوں میں سراج الفقہا حضرت علامہ سراج الدین

صاحب قبلہ پاکستان، حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی اور حضرت علامہ سید محمد میاں صاحب قبلہ مارہروی علیہم الرحمہ کا نامِ نامی اسم گرامی آتا ہے۔

وہ سراج الفقہا جن کے استفتا کا جواب علمائے دیوبند تک نہ دے سکے، انھوں نے حضرت صدرالشریعہ سے تشفی بخش جواب پایا۔

حضرت صدرالشریعہ کی فقاہت کا اندازہ ان کے فتاویٰ کے مندرجہ ذیل خصوصیات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

(۱) عبارت عام فہم
(۲) مسائل مفتیٰ بہ
(۳) چند اقوال میں یقین وترجیح
(۴) قابل تشریح وتنقیح فتاویٰ کی تشریح وتنقیح
(۵) مختصر مگر معنی خیز
(۶) تطویل سے اجتناب
(۷) دلائل لیکن اختصار کے ساتھ
(۸) چند متعارض اقوال کی تعبیر وتاویل

تقابلی جائزہ:

ہم یہاں صرف ایک قول نقل کرنا چاہتے ہیں، جس میں آپ نے مولوی رشید احمد گنگوہی کے ایک فتویٰ کا رد فرمایا ہے اور اس پر فقہی معارضات قائم کیے ہیں، جب کہ مولوی گنگوہی آپ کے معاصرین میں سے تھے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے فقاہت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۲۷ر میں لکھا ہے کہ جتنے رنگ ولایتی ہیں، سب میں شراب کا جز رہتا ہے، ہم نے اس فتاویٰ میں جو کچھ لکھا ہے، ایک واقف کار آدمی سے سنا ہے۔ یہ مولوی رشید احمد گنگوہی کا جواب تھا۔

ایک مستفتی حضرت صدرالشریعہ سے استفتا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جناب مولانا صاحب! یہ بات جو فتاویٰ میں تحریر ہے، یہ بات آپ کی تحقیق میں سچ ہے یا خلاف؟ اگر خلاف ہے تو کیا دلیل ہے؟ مع دلیل تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ ولایتی رنگوں کے ناپاک ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ محض بعض لوگوں کا کہہ دینا کافی نہیں۔ جب تک کہ شرعی ثبوت نہ ہو۔ پھر اس رنگ میں ابتلائے عام ہے، عورتیں عموماً اس رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی ہیں اور ان میں نمازیں پڑھتی ہیں، کبھی کپڑے کا کونا تر چیز وغیرہ میں پڑ جاتا ہے، کبھی بھیگا ہاتھ کپڑے پر لگتا ہے، پھر اس ہاتھ کو پانی میں ڈالتی ہیں اور چیزیں چھوتی ہیں۔ اگر اس کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے تو نہ ان کی نماز ہو، نہ گھر کی چیزیں پاک رہیں، نہ کھانا اور پانی پاک رہیں، سب ناپاک ہوجائیں۔ اس طرح مرد بھی عمامہ وغیرہ اس رنگ سے رنگا استعمال کرتے ہیں اور وضو کرتے وقت بھیگا ہاتھ سر پر مسح کرتے، عمامہ سے لگاتے ہیں، پھر لوٹے کو چھوتے ہیں اور دوسرے کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اگر اس رنگ کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے تو بڑی مشکل ہوگی۔ ایسی دشواری کے موقع پر شرع مطہر نے عمومِ بلویٰ کا اعتبار کیا ہے۔ لہٰذا اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اس مسئلہ کی کامل تحقیق اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے اپنے رسالہ "الاحی من السکر" میں فرمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

بہارِ شریعت
ایک تحقیقی مطالعہ

مفتی قمر الحسن مصباحی
النور سوسائٹی ہوسٹن امریکہ

رسول ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے "من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین" (۱) اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی چاہتا ہے، اس کو دین کا جان کار بنا دیتا ہے (دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے)

اس حدیث پاک کے تناظر میں دیکھا جائے تو فقہائے اسلام کا ایک سلسلۃ الذہب ہے۔ فقہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنا اسلام۔ کیوں کہ قرنِ اول سے فقہا کا وجود ہے۔ اس میں صحابہ، تابعی و تبع تابعی ہر ایک کا دور شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر، حضرت عروہ بن زبیر، حضرت عطا بن ابی رباح، حضرت عکرمہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت سعید بن جبیر، حضرت رجا بن حیوہ کندی، حضرت طاؤس بن کیسان جندی وغیرہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا ایک روشن سلسلہ ہے۔ یہ وہ دور تھا، جس دور میں اجتہادی قوت سے فقہ اسلامی کو فروغ دیا جا رہا تھا۔ عہد رسالت سے قریب زمانہ ہونے کی وجہ سے کسی بھی مسئلے کا حل آسان تھا۔ کسی بھی امر میں درپیش مسائل کا حل تلاش کرنا اتنا مشکل نہ تھا جتنا بعد میں ہوا۔ کیوں کہ جب اسلامی سلطنتوں کی حدیں پھیلتی گئیں تو نئی نئی اقدار ابھر کر سامنے آتی رہیں، مگر مجتہدین کرام نے ہر ایک کا واضح، مدلل اور شافی حل تلاش کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

پھر ائمہ اربعہ (حضرت سیدنا امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) کا دور اس تعلق سے اتنا روشن دور ہے، جس میں فقہ اسلامی نے اتنی ترقی کی کہ زندگی کی جملہ جہات کو محتوی ہو گئی۔ صرف فقہ حنفی کی تدوین میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے کتنی محنت و جانفشانی کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تراسی ہزار دفعات مرتب فرما کر شعبہ ہائے حیات کے جملہ گوشوں کو سیراب کر دیا گیا۔ ایک قول کے مطابق:

> "تقریباً بائیس سال کی اس شبانہ روز کاوش کے بعد امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کا مجموعہ فقہی تیار ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں آیا۔ یہ مجموعہ تراسی ہزار دفعات پر مشتمل تھا، جس میں اڑتیس ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے اور باقی پینتالیس ہزار کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔ اس میں انسان کے دنیوی کاروبار کے متعلق آئین و ضوابط اور معاشیات و سیاسیات کے بارے میں تمام بنیادی اجتماعی امور

موجود تھے۔ یہ مجموعہ ۱۱۴۲ھ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا، مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے''۔

اس تناظر میں گزرتے وقتوں کے ساتھ فقہ اسلامی کی ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آئے دن کے درپیش مسائل نے وسعتوں کو کہاں تک پہنچا دیا اور اسلامی اقدار کو کتنا متنوع کردیا، یہ خود ایک الگ باب کا متقاضی ہے۔ پھر ائمہ اربعہ میں فقہ حنفی اپنی جامعیت کے لحاظ سے اتنی ہمہ گیر رہی کہ اکثر سلاطین اسلام نے اس کو معمول یہ بنایا اور ملکی قوانین کی جگہ اس کو اتنا اثر ورسوخ ہوا کہ ہزار سال تک اسی پر عمل ہوتا رہا۔ داخلی وخارجی، نیز عائلی ذمہ داریوں پر فقہ حنفی حاوی ہوتی رہی۔ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

''آپ (حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مسلک ومذہب کو اللہ جل وعلا نے وہ فضیلت وعظمت اور قبولیت عطا فرمائی کہ صدیوں تک عہدۂ قضا احناف ہی کے پاس رہا، بلکہ ایسی مثال شاذ ونادر ہی ملیں گی کہ عہدۂ قضا کسی غیر حنفی عالم کو ملا ہو۔ حکومت عباسیہ کے پورے دور میں یہ عہدۂ قضا حنفی علما کے پاس ہی رہا، حالاں کہ بنی عباس مسلکاً حنفی نہ تھے، پھر ان کے بعد سلاطین سلجوقی اور خوارزمی کے زمانہ میں عدۂ قضا پر احناف ہی مقرر تھے اور ان کے بعد سلاطین آلِ عثمان نے بھی عہدۂ قضا پر حنفی علما کو ہی مقرر کیا۔ ہندوستان میں بھی اسلامی حکومت کے پورے دور میں حنفی علما ہی اس عہدہ پر رہے اور یہ پورا زمانہ ہزار سال پر مشتمل ہے''۔ (۳)

یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ فقہ حنفی کے کتابی ذخیرے جس قدر ہیں، دوسرے اور ائمہ کے اتنے نہیں ہوں گے، کیوں کہ یہ ہزار سال تک مسلمانوں کے جملہ مسائل اور اصولِ حیات پر کلیۃً کارفرما نظر آتی ہے۔ چوں کہ مسلکی آئین ہونے کی حیثیت سے اس کو آئے دن نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑتا رہا ہوگا، لہٰذا ضرورتیں ان امور کی داعی رہی ہوں گی کہ زیادہ سے زیادہ مسائل، دفعات اور آئین کو بروئے کار لاکر انھیں محفوظ کیا جائے۔ یوں فقہ حنفی میں کتابوں کا روز افزوں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ان میں بعض وہ ہیں جو ہمارے ائمہ امام محمد، امام ابویوسف، امام زفر اور عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہم وغیرہ کے دور میں تصنیف کی گئیں، جن کی تفصیل تاریخ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، بلکہ خود امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے فقہ حنفی کے ارتقا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ سب سے پہلے بزرگ ہیں، جنھوں نے فقہ حنفی میں باضابطہ کتاب تصنیف کی۔ بقولِ محمد الخضری:

''وہ (حضرت سیدنا امام ابویوسف رضی اللہ عنہ) پہلے شخص ہیں، جنھوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں، مسائل قلم بند کروائے، ان کی اشاعت کی اور تمام روئے زمین میں امام ابوحنیفہ کے علم کو پھیلا دیا''۔ (۴)

یوں تو فقہ حنفی کے علمی ذخیرے وجود میں آتے رہے اور امہات الکتب معرضِ وجود میں آتی رہیں، اس طرح تصنیف وتالیف کی حنفی تاریخ مرتب ہوتی رہی۔ مثلاً ان کتابوں پر نظر ڈالیے:

املاء، کتاب اختلاف الامصار، کتاب الرد علی مالک بن انس، کتاب الخراج، کتاب الجوامع، اصول، امالی وغیرہ

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی تصانیف اور مسائل الاصول جن کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، سیر صغیر اور سیر کبیر وغیرہ امام محمد علیہ الرحمہ کی تصانیف ہیں۔ انھیں امہات کتب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پھر ان کے بعد الواقعات، کتاب النوازل، واقعات الناطفی، فتاویٰ قاضی خاں، الخلاصہ، المحیط، کتاب الکافی اور کتاب المنتقی وغیرہ یہ دوسرے اور بعد کے ادوار کی وہ علمی تحقیقات ہیں، جن کی اہمیت وافادیت مسلم، جن میں اصولیات کو سمو دیا گیا ہے۔ گویا فقہ حنفی اپنے علمی ذخائر سے مالا مال رہی۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا، اس کے مطابق اس میں اضافہ ہوتا رہا، جیسے ماحول و واقعات رونما ہوتے گئے، اس میں تدقیقات کی راہیں کھلتی گئیں۔ جیسا کہ یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ فقہ حنفی اپنے تنوعات اور وسعت واحتوا کی وجہ سے کوئی ہزار سال تک ملکی قوانین کی معمول علیہ رہی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی عہد مغلیہ میں اسی فقہ کو ملکی قانون کا درجہ ملا اور اس میں بیش بہا اضافہ ہوا۔

عہد عالمگیری ہندوستان کی تاریخ میں اسلامی عہد کا زریں دور تھا، جس میں معتد بہ مقدار میں اسلام کی نشو و نما ہوئی اور علمی ذخائر وجود میں آئے۔ فتاویٰ عالمگیری اس دور کا وہ شہرۂ آفاق شاہ کار ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ فقہ حنفی کا یہ تموجاتی اثر اس قدر آفاقی ہوا کہ آج کل قریب قریب پوری دنیا میں اس کی ہمک سنائی پڑ رہی ہے۔ یوں ہندوستان میں بھی اس پر کام ہوا۔ غالباً فقہی نوعیت کا یہ پہلا بڑا اجتماعی کام تھا، جس کو انتہائی دیدہ ریزی سے انجام دیا گیا۔ ویسے یوں ہندوستان میں ظہور اسلام ہی سے مذہبی قدریں پروان چڑھ رہی تھیں، تاہم بعد کے ادوار میں ترقی کی شرح کچھ زیادہ نمایاں نظر آ رہی ہے، جس کی وجہ سے بہت سارے علمی فقہی ذخیرے آج بھی موجود ہے، مگر ہندوستان بلکہ برصغیر میں فتاویٰ عالمگیری کے بعد جس کو سب سے زیادہ شہرت اور علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، وہ امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی بے مثل، معتمد اور لائق افتخار تصنیف ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' ہے۔ فتاویٰ رضویہ ایسی تصنیف ہے، جس میں ترجیحات، تنقیحات، ادلہ عقلیہ ونقلیہ اور حدیث وقرآن کی روشنی میں ایسی موشگافیاں کی گئی ہیں، جس کو دیکھ کر عہد قدیم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ ایک اجتماعی نہیں بلکہ شخصی کام تھا، جس میں امام اہل سنت علیہ الرحمہ نے اپنی حیات کا قیمتی علمی لہو جذب کیا ہے۔

مگر چودھویں صدی ہجری کے اوائل کے چوتھے دہے میں ایک ایسی فقہی تصنیف کا کام شروع ہوا، جس کا انداز بالکل جداگانہ تھا۔ یہ صدر الشریعہ علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی مایہ ناز تصنیف ''بہار شریعت'' تھی، جو تنقیحات، وتدقیقات اور دلیلوں کی چھیڑ چھاڑ کے بغیر بامحاورہ، سلیس اور شستہ اردو میں تصنیف کی گئی، جس کا مقصود ایک ایسی سادہ تصنیف عوام کو دینا تھا، جو علما کے لیے کم اور عوام کے لیے زیادہ ملحوظ خاطر ہو۔ اس میں دلیلوں سے کوئی تعرض نہ کیا گیا، مختلف اقوال میں جو مفتیٰ بہ قول ہوتا ہے، اسی کو نقل کیا گیا ہر ممکن سہل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''اس کتاب میں حتی الوسع یہ کوشش ہوگی کہ عبارت بہت آسان ہو، سمجھنے میں دقت نہ ہو اور کم علم اور عورتیں اور بچے بھی اس سے فائدہ حاصل

کر سکیں....... (کچھ آگے چل کر) اس کتاب میں مسائل کی دلیل نہ لکھی جائے گی کہ اول تو دلیلوں کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ دوسرے دلیلوں کی وجہ سے اکثر الجھن پڑھ جاتی ہے کہ نفس مسئلہ کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہر مسئلہ میں خالص منقح حکم بیان کر دیا جائے گا"۔(۵)

اسلوبِ نگارش اتنا جاذب ہے کہ کہ پڑھتے جائیے لفظوں کا تناسب اور روز مرہ کے محاورات سے اس کو سجا دیا گیا ہے، حالاں کہ قانون کی زبان خشک ہوتی ہے۔ مگر بہار شریعت قانون کی کتاب ہونے کے باوجود شیریں اور مربوط، نیز انتہائی جاذب ہے۔ اس کتاب کی وجہ تصنیف بتاتے ہوئے آپ خود رقم طراز ہیں:

"اب وہ زمانہ آگیا ہے، عوام تو عوام بہت وہ جو علما کہلاتے ہیں، روز مرہ کے ضروری جزئیات حتی کہ فرائض و واجبات سے ناواقف اور جتنا جانتے ہیں اس پر بھی عمل سے منحرف کہ ان کو دیکھ کر عوام کو سیکھنے اور عمل کرنے کا موقع ملتا، اسی قلت علم و بے پروائی کا نتیجہ ہے کہ بہت ایسے مسائل کا جن سے واقف نہیں، انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حالاں کہ نہ خود علم رکھتے ہیں کہ جان سکیں، نہ سیکھنے کا شوق کہ جاننے والوں سے دریافت کریں، نہ علما کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں کہ ان کی صحبت باعث برکت بھی ہے اور مسائل جاننے کا ذریعہ بھی۔ اور اردو میں کوئی ایسی کتاب کہ سلیس عام فہم قابل اعتماد ہو، اب تک شائع نہ ہوئی۔ بعض میں بہت تھوڑے مسائل کہ روز مرہ کی ضروری باتیں بھی ان میں کافی طور پر نہیں اور بعض میں اغلاط کی کثرت۔ لاجرم ایک ایسی کتاب کی بے حد ضرورت ہے کہ کم پڑھے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ لہٰذا فقیر بہ نظر خیر خواہی مسلمانان بمقتضائے "الدین النصح لکل مسلم" مولیٰ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس امر اعظم واہم کی طرف متوجہ ہوا"۔

پھر کچھ آگے چل کر رقم طراز ہیں:

"اس کتاب میں حتی الوسع اختلافات کا بیان نہ ہوگا کہ عوام کے سامنے جب دو مختلف باتیں پیش ہوں تو ذہن متحیر ہوگا کہ عمل کس پر کریں۔ اور بہت سے خواہش کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جس میں اپنا فائدہ دیکھتے ہیں اسے اختیار کر لیتے ہیں، یہ سمجھ کر نہیں کہ حق یہی ہے، بلکہ یہ خیال کر کے کہ اس میں اپنا مطلب حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب کبھی دوسرے میں اپنا فائدہ دیکھا تو اسے اختیار کر لیا اور یہ ناجائز ہے کہ اتباع شریعت نہیں، بلکہ اتباع نفس ہے۔ لہٰذا ہر مسئلہ میں مفتیٰ بہ، صحیح، اصح، راجح قول بیان کیا جائے گا کہ بلا دقت ہر شخص عمل کر سکے"۔(۷)

چنانچہ آپ بہار شریعت کو ابتدا سے آخر تک پڑھ جائیے، اس میں وہ ساری تفصیلات ملیں گی، جن کا مذکورہ بالا حوالوں میں ذکر کیا گیا ہے، گویا حیات کے جملہ شعبوں کو انتہائی جاذب، دل کش اور سہل انداز میں اسلامی اقدار سے ایسا مربوط کر دیا گیا ہے کہ خواص تو خواص عوام بھی بھرپور مستفید ہوں۔

بہار شریعت کا تصور آتے ہی حضرت صدر الشریعہ علیہ

الرحمہ کا تصور ناگزیر ہے۔ اور یوں ہی جب حضرت صدر الشریعہ کا تصور آئے تو معاً بہار شریعت کا احساس لازمی ہے، گویا دونوں میں تلازم ہے۔ حالاں کہ حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی بہت ساری تصانیف ہیں، جن میں فتاویٰ امجدیہ بھی فقہ حنفی کا ایک عظیم شاہ کار ہے۔ مگر شہرت کے جس ذروۂ بلند پر بہار شریعت کو مقام ملا، وہ دوسری تصانیف کو نہ مل سکا۔ شاید اس کتاب کے قبولِ عام ہونے میں امام اہل سنت شاہ احمد رضا علیہ الرحمہ کے وہ پاکیزہ دعائیہ کلمات کی اثر انگیزی جلوہ فرما رہی ہے، جو انھوں نے اس کتاب کے دیکھنے پر تصدیق فرماتے وقت قلب سے فرمایا تھا:

''مولیٰ عزوجل مصنف کی عمر و عمل وفیض میں برکت دے اور عقائد سے ضروری فروع تک ہر باب میں اس کتاب کے اور حصص کافی ووافی وشافی وصافی تالیف کرنے کی توفیق بخشے اور انھیں اہل سنت میں شائع ومعمول و دنیا و آخرت میں نافع ومقبول فرمائے۔ آمین''۔(۸)

بہار شریعت کا زمانۂ تصنیف:

بہار شریعت اس وقت تصنیف کی گئی، جب اردو میں فقہی ذخائر کم یاب تھے، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ خال خال کہیں کہیں ان کا سراغ ملتا تھا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ راقم کے علم میں جو بات آئی وہ یہی کہ امام اہل سنت علیہ الرحمہ کی فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ایسی کوئی تصنیف نظر نہیں آتی جو اردو زبان میں یوں عام فہم ہو۔ رہ گئی بات فتاویٰ رضویہ کی تو وہ اردو، عربی اور فارسی کا مجموعہ تھا، جو علمی استدلال اور اجتہادی زورِ بیان سے مملو۔ ایسے ماحول میں حضرت صدر الشریعہ بہار شریعت کو تصنیف فرما رہے تھے، یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتدا کب اور انتہا کب ہوئی، تاہم بعض قرائن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کا زمانۂ تصنیف چودہویں صدی ہجری کے چوتھے دہے میں شروع ہوا، کیوں کہ ابتدا کے چند حصے جو امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کو دکھائے گئے اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی تو اس میں حصہ دوم کے تصدیق نامے میں ۱۲ر ربیع الآخر شریف ۱۳۳۵ھ مرقوم ہے، جس سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ اس حصہ دوم کا زمانۂ تصنیف یقیناً اس تصدیق سے قبل ہوا ہے۔ تصدیق نامہ کی آخری چند سطریں جو تاجدارِ اہل سنت کے قلم علم و حکمت سے ثبت ہوئیں وہ یوں ہیں:

''والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ واللہ وحزبہ اجمعین. ۱۲/ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۵ھ علی صاحبھا والہ الکرام افضل الصلوٰۃ والتحیۃ. آمین.

کتبــــــــــــــــــہ

الفقیر احمد رضا البریلوی

بحمدنا المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم''(۹)

اس تحریر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تصدیق نامہ سے دو ایک سال قبل ہی اس کی تصنیف عمل میں آئی ہوگی۔ اسی طرح سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے حصہ سوم و چہارم کی بھی تصدیق فرمائی۔ مگر حصہ سوم کے تصدیق نامہ میں ۱۲ر شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ اور حصہ چہارم کے تصدیق نامہ میں ذی الحجہ الحرام ۱۳۳۷ھ رقم ہے، لیکن چوتھے حصے کی تصدیق

میں ۱۳۳۰ھ درج ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ ابتدا کے چند حصے بڑی سرعت سے لکھے گئے اور اسی طرح ان کی تصدیق بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ حصہ دوم اور چہارم کے درمیان کا فاصلہ کوئی ایک سال آٹھ ماہ کا ہوتا ہے، جس میں حصہ چہارم تک منصۂ شہود پر آچکا تھا۔ اسی طرح حصہ ہشتم، نہم، دہم اور یازدہم کا سنہ تصنیف حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے خود کتاب کے آخر میں تحریر فرمایا:

حصہ ہشتم: شب بست و دوم ماہ فاخر ربیع الآخر شب پنجشنبہ ۱۳۳۸ھ باتمام رسید۔ (۱۰)

حصہ نہم: ۱۲ر ماہ مبارک رمضان الخیر ۱۳۴۸ھ۔ (۱۱)

حصہ دہم: ۱۵ر رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ۔ (۱۲)

حصہ یازدہم: قد وقع الفراغ من تسوید ھٰذا الجز لثلث یقین من شھر رمضان اعنی لیلۃ السابع والعشرین لیلۃ الجمعۃ المبارکۃ، لیلۃ التی ترجی ان تکون لیلۃ القدر ھی خیر من الف شھر ۱۳۵۳ھ. (۱۳)

اس کے بعد کسی اور حصہ میں اس کی کوئی علامت نہیں ملتی کہ بقیہ حصے کب اور کس سنہ میں تصنیف کیے گئے، لیکن حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے سترہویں حصہ کے آخر میں جو عرضِ حال رقم فرمایا، اس میں ان ناگہانی حادثوں کا ذکر فرمایا، جس کی وجہ سے بہارشریعت بجائے بیس حصوں کے صرف سترہ حصے ہی پر منتہی ہوئی۔ اگرچہ ان کی وصیت رہی کہ اس کے بقیہ حصے کو پورا کیا جائے، جو زیادہ سے زیادہ تین حصوں پر اور مشتمل ہوتا۔ تحریر فرماتے ہیں:

"چند سال کے اندر حوادثِ پیہم ایسے در پیش ہوئے، جنھوں نے اس قابل بھی مجھے باقی نہ رکھا کہ بہارشریعت کی تصنیف کو حد تکمیل تک پہنچاتا۔ ۷ر شعبان ۱۳۵۸ھ کو میری ایک جوان لڑکی کا انتقال ہوا۔ اور ۲۵ر ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کو میرا منجھلا لڑکا مولوی محمد یحیٰی کا انتقال ہوا۔ شب دہم رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ کو بڑے لڑکے مولوی حکیم شمس الھدیٰ نے رحلت کی۔ ۲۰ر رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ کا دادوں ضلع علی گڑھ میں انتقال ہوا۔ اور اسی دوران مولوی شمس الھدیٰ مرحوم کی تین جوان لڑکیوں کا اور ان کی اہلیہ کا اور مولوی محمد یحیٰی مرحوم کے ایک لڑکے کا اور مولوی عطاء المصطفیٰ کی اہلیہ اور یحیٰی کا انتقال ہوا۔ ان پیہم حوادث نے قلب و دماغ پر کافی اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کے سوئم کے روز جب کہ فقیر تلاوتِ قرآن مجید کر رہا تھا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا معلوم ہونے لگا اور اس میں برابر ترقی ہوتی رہی اور نظر کی کمزوری اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں۔ ایسی حالت میں بہارشریعت کی تکمیل میرے لیے بالکل دشوار ہوگئی اور میں نے اپنی اس تصنیف کو اس حد پر ختم کر دیا"۔ (۱۴)

اس تحریر سے واضح پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۶۲ھ کے بعد حضرت علیہ الرحمہ پھر بہارشریعت کی طرف متوجہ نہ ہو سکے، کیوں کہ ان حادثات نے ان کو شدید کرب میں مبتلا کر دیا تھا، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا تھا کہ آپ پھر روبہ صحت نہ ہو سکے اور ۲ر ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ / ۶ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو بروز دوشنبہ مبارکہ رب تعالیٰ جل مجدہ کے جوارِ رحمت میں تشریف لے گئے۔ امام اہل

سنت کی تصدیق ۱۳۳۵ھ اور حضرت صدرالشریعہ کی اس تحریر ۱۳۶۲ھ سے مکمل پتہ چلتا ہے کہ بہار شریعت کی تصنیف کا زمانہ چودھویں صدی ہجری کے چوتھے عشرے کی ابتدا میں شروع ہوکر ساتویں عشرے کی ابتدا پر ختم ہو جاتا ہے، گویا اس جامع تصنیف کا مکمل عرصہ قریب قریب ۲۷ر سال پر محیط ہے، جس میں ایسے بھی لمحات گزرے ہیں کہ کثرتِ مشاغل کے باعث کبھی کبھار دو حصوں کی تصنیف میں دس سال کا وقفہ بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً ہشتم ۱۳۳۸ھ میں مکمل ہوتا ہے اور حصہ نہم ۱۳۴۸ھ میں پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض اجزا کی تصنیف میں ایک ایک سال کا زمانہ بھی پایا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

لیکن اس قدر عظیم الشان کارنامہ ہونے کے باوجود یہ آپ کی جملہ توجہات کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ جب کبھی ان شبانہ روز مصروفیات سے کچھ موقع ملتا تو کچھ لکھ لیا جاتا۔ چوں کہ تدریسی مشغولیت، فتویٰ نویسی کا عمل اور اس کے علاوہ بے شمار ذمہ داریاں اس راستہ میں حائل تھیں، تاہم جذبۂ صادق اور خدمت اسلام کی کسک نے ان بے شمار مصروفیات سے اتنا وقت نکالنے پر مجبور کر ہی دیا۔ خود ارشاد فرماتے ہیں:

”فقیر بوجہ کثرتِ مشاغل دینیہ اتنی فرصت نہیں پاتا کہ اس کام کو پورے طور پر انجام دے سکے، مگر حالت زمانہ نے مجبور کیا اور اس کے لیے تھوڑی فرصت نکالنی پڑی۔ جب کبھی فرصت ہاتھ آجاتی، اس کام کو قدرے انجام دے لیتا۔ تدریس کی مشغولیت اور افتا وغیرہ چند دینی کام ایسے انجام دینے پڑتے، جن کی وجہ سے تصنیف کی فرصت نہ ملتی“۔ (۱۵)

بہار شریعت کا تجزیاتی جائزہ:

علامہ ارشد القادری فرماتے ہیں:

”یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حدیث کے ساتھ فقہ کا تعلق لازم وملزوم کی طرح ہے۔ لہٰذا مفتی کے لیے اگر فقیہ ہونا ضروری ہے تو فقیہ کے لیے محدث ہونا بھی لازمی ہے۔ لیکن محدث کے لیے فقیہ ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے“۔ (۱۶)

اس قول کی روشنی میں ایک طرف تو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا علمی معیار بہار شریعت سے اجاگر ہوتا ہے تو دوسری طرف بہار شریعت کا فقہی مستویٰ حضرت صدرالشریعہ کی ذات سے اظہر من الشمس ہوتا جاتا ہے۔ نیز اسی تناظر میں آپ کا محدثانہ منصب بھی واضح ہو جاتا ہے، کیوں کہ بہار شریعت کا اندازِ نگارش بڑا معیاری، دقیع اور موثق ہے۔ آیاتِ قرآنیہ، پھر احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم، پھر کتب فقہ کے چیدہ چیدہ مسائل، جس سے ایک طرف تو آپ کی فقہی بصارت اجاگر ہوتی ہے تو وہیں دوسری طرف ایک محدث کے محدثانہ عزم کا اَنمٹ تصور بھی اُبھرتا ہے۔ نیز مطالعہ قرآن کا جذباتی احساس بھی بلند ہوتا ہے۔ پھر زورِ مطالعہ کا آفاقی معیار اس وقت اور بھی مستحکم اور تعمیری ہو جاتا ہے، جب بہار شریعت کے ماخذ پر نظر پڑتی ہے۔ جہاں مصنف نے ایک مومن کی ان جملہ ضروریاتِ زندگی کو فقہی پیکر میں ڈھال دیا ہے، جو سترہ حصوں میں تقریباً ۳۸۱ر اہم اور اصول عنوانات کے تحت بکھرے ہوئے ہیں، جب کہ یہ تعداد اصل عنوانات کی ہے۔ پھر ان کے تحت ضمنی عنوانات جو قائم کیے گئے ہیں، ان کو اس تعداد میں شامل نہیں کیا گیا

ہے، جو اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

بہارشریعت کے ماخذ:

۱۷ رحصوں پر مشتمل بہار شریعت کے ماخذ چند طرح کے ہیں، کچھ تو عقائد سے متعلق بحثوں کے ماخذ ہیں، جن میں چند فرقہ ہائے باطلہ کے رد وابطال پر ان کی کتابوں کے حوالے وشواہد کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اعمال سے متعلق ماخذ میں قرآن مقدس، احادیث کریمہ اور فقہ حنفی کی مستند امہات کتب ہیں۔ ایسا نہیں کہ مصنف نے کسی ایک ہی کتاب کا حوالہ ہر جگہ اور بار بار دُہرایا ہو۔ بلکہ جب جیسی ضرورت ہوئی، اسی کے لحاظ سے مراجع کا حصول ہوا ہے۔

ماخذ کی یہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(الف): قرآن مقدس

(ب): حدیث مبارکہ

(ج): کتب فقہ

(د): ردِفرقہ ہائے باطلہ

احادیث مبارکہ:

(الف) ۱۔ ابن ماجہ شریف

۲۔ ابوداؤد شریف

۳۔ امام احمد بن حنبل

۴۔ اصحاب السنن

۵۔ اصبہانی

۶۔ امام مالک

۷۔ ابن عساکر

(ب) ۸۔ بخاری شریف

۹۔ بزار

۱۰۔ بیہقی

(ت) ۱۱۔ ترمذی شریف

۱۲۔ تاریخ حاکم

۱۳۔ تاریخ بخاری

۱۴۔ ترغیب

ج: ۱۵۔ حصن حصین

۱۶۔ حاکم

۱۷۔ حلیہ

خ: ۱۸۔ خطیب

د: ۱۹۔ دارِقطنی

۲۰۔ دارمی

۲۱۔ دیلمی

۲۲۔ دعواتِ کبیر

ر: ۲۳۔ رزین

س: ۲۴۔ سنن اربعہ

ش: ۲۵۔ شرح معانی الآثار

۲۶۔ شرح السنہ

ص: ۲۷۔ صحیح ابن خزیمہ

۲۸۔ صحیح ابن حبان

ض: ۲۹۔ ضیا

ط: ۳۰۔ طبرانی صغیر

۳۱۔ طبرانی کبیر

۳۲۔ طبرانی اوسط

ک:۳۳۔ کتاب الآثار

۳۴۔ کنزالعمال

م:۳۵۔ مسلم شریف

۳۶۔ مشکوٰۃ شریف

۳۷۔ مسندابویعلی

۳۸۔ موطاامام محمد

۳۹۔ مستدرک

۴۰۔ معرفہ

۴۱۔ مصنف عبدالرزاق

ن:۴۲۔ نسائی شریف

حدیث کے ان مراجع پر نظر ڈالنے سے جہاں ایک طرف حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا محدثانہ منصب اجاگر ہوتا ہے اور ثقافت پر یقین کی مہر ثبت ہوتی ہے، وہیں بہارشریعت کی فقہی جزئیات اوراس کے مستنبط کا معیار دقیع سے دقیع تر ہوتا جاتا ہے۔اورفقہ حنفی کا حدیث وقرآن سے ارتباطی عمل بھی واشگاف ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد ذرافقہ حنفی کی ان کتابوں پر نظر ڈالیے کہ مصنف نے کتنی ساری کتابیں نظروں میں رکھ کر بہارشریعت کو ترتیب دیا ہے، وہ بھی فقہ حنفی کی شاہ کارامہاتِ کتب، جن پر فقہ حنفی کا انحصار ہے۔گویااس منظرنامے میں بہارشریعت ایک ایسابنیادی کارنامہ ہے، جس پر جتنا بھی زیادہ ناز کیا جائے کم ہے۔اس تعداد کودیکھ کرامام اہل سنت کے اس قول کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے، جوآپ نے تفقہ سے متعلق حضرت صدرالشریعہ کے لیے ارشادفرمایا تھا:

''آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجدعلی صاحب میں زیادہ پایئے گا،وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاسنایا کرتے ہیں اور جومیں جواب دیتاہوں لکھتے ہیں،طبیعت اخاذ ہے،طرز سے واقفیت ہوچلی ہے''۔(۱۷)

یہ الفاظ اس بات کی بین دلیل ہیں کہ مندرجہ ذیل مراجع حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی افتادِطبع کے عین مطابق ہیں،جن پرامام اہل سنت نے بھرپوراعتماد کیا تھا۔

مراجع پرغورکریں:

(۱)بحر الرائق (۲) بزازیہ (۳)بحر (۴)بدائع (۵)تنویر الابصار (۶) تبیین (۷) جوہرہ نیرہ (۸) حلیہ (۹)خیریہ (۱۰)خلاصۃ الفتاویٰ (۱۱)درمختار (۱۲) ذخیرہ (۱۳)ردالمحتار(۱۴)زیلعی (۱۵)شرح وقایہ(۱۶)شرنبلالی (۱۷)شرح ملتقی (۱۸)شلبیہ (۱۹)صغریٰ(۲۰)طحطاوی علی مراقی الفلاح (۲۱) عالمگیری (۲۲) عنایہ (۲۳) غنیۃ (۲۴)غایۃ البیان (۲۵) غرر (۲۶) فتاویٰ رضویہ (۲۷)فتح القدیر (۲۸) قاضی خاں (۲۹) قاری الہدایہ (۳۰) کشف الغطاء (۳۱) کنزالدائق (۳۲) لباب (۳۳) مراقی الفلاح (۳۴) منیہ (۳۵) منتقیٰ (۳۶) محیط (۳۷) منسک (۳۸)مسلک (۳۹) مبسوط (۴۰) مجمع الانہر (۴۱) منحۃ الخالق (۴۲)نظم زندیسی (۴۳) نتائج (۴۴) وشاح الجید (۴۵)بدایہ۔

یہ مذکورہ بالادونوں مراجع حصہ دوم سے لےکرسترہویں حصہ تک بکھرے ہوئے بےشمارابواب پرمشتمل ان بحثوں کے

مراجع و ماخذ ہیں، جن میں ایک مسلمان کے داخلی اور عائلی قوانین کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث اور کتب فقہ کے یہ ذخائر حضرت علیہ الرحمہ کی شانِ تفقہ کے غماز ہیں۔ جس میں ایک فقیہ کی اعلیٰ ژرف نگاہی، زورِ مطالعہ اور جزئیاتِ فقہ پر عبور رکھنے کی مکمل نشان دہی ہے۔

یہ تصور اس وقت اور بھی اہم ہو جاتا ہے، جب بہار شریعت کا جائزہ اردو میں لکھی گئی ان تمام فقہی کتابوں کے درمیان لیا جائے۔ مگر حصہ اول جو صرف معتقدات کی بحثوں پر مشتمل ہے، اس کے مراجع اور ہیں۔

چوں کہ عصر حاضر میں بہت سارے ایسے فرقے جنم لے چکے ہیں، جو خود رو پودوں یا حشرات الارض کی طرح ہر جگہ نظر آتے ہیں، جن کا مقصد مسلمانوں کے ایمان کو تباہ و برباد کرنا ہوتا ہے، اس لیے ان کی خصوصاً نشان دہی کی گئی ہے۔ یوں تو عقائد کے ضمن میں سبھی باطل فرقوں کا رد کیا جا چکا ہے، مگر عصری گمراہ فرقوں کی نشان دہی از بس کہ ضروری تھی، اس لیے ان کی علامات و نشان دہی خصوصاً کی گئی ہے۔ جیسے قادیانی، دیوبندی، وہابی وغیرہ۔ اس کے علاوہ بقیہ اور دیگر گمراہ فرقوں کا رد یوں نہ کرنا ہوا کہ اس میں بعض بعض کی فرع ہیں اور یہ جو اوپر بیان کیے گئے ہیں، یہ اصل ہیں تو اصل کی رد حقیقت میں فرع کی رد ہو جاتی ہے۔ ان باطل فرقوں کے رد و ابطال میں جن کتابوں کو استشہاد میں پیش کیا گیا ہے، وہ کچھ اس طرح ہیں:

قادیانی:

(۱) ازالۂ اوہام

(۲) انجام آتھم

(۳) دافع البلاء

(۴) اربعین

(۵) معیار

(۶) کشتیِ نوح

(۷) اعجازِ احمدی

(۸) دافع الوسواس

(۹) ضمیمہ انجام آتھم

وہابی:

(۱۰) تقویۃ الایمان

(۱۱) ایضاح الحق

(۱۲) صراطِ مستقیم

(۱۳) تحذیر الناس

(۱۴) براہین قاطعہ

حصہ اول و دوم کی ترتیب:

یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے کہ بہار شریعت کا حصہ دوم پہلے تصنیف کیا گیا اور حصہ اول بعد میں، چوں کہ دوسرے حصے میں اعمال سے متعلق بحث ہے، جس میں خصوصاً طہارت کا ذکر ہے، مگر اعمال بغیر عقیدہ کی صحت ضائع و بے کار ہوتے ہیں، اس لیے عقیدہ کی بحث کو تقدم لازم آیا۔ اسی لیے حصہ دوم ترتیب میں اگرچہ مقدم تھا، مگر رتبۃً مؤخر ہو گیا اور حصہ اول ترتیب میں اگرچہ مؤخر تھا، مگر رتبۃً مقدم ہو گیا۔ خود تحریر فرماتے ہیں:

''فقیر بارگاہِ قادری ابوالعلی امجد علی اعظمی رضوی عرض کرتا ہے کہ زمانہ کی حالت نے اس طرف

متوجہ کیا کہ عوام بھائیوں کے لیے صحیح مسائل کا ایک سلسلہ عام فہم زبان میں لکھا جائے، جس میں ضروری روز مرہ کے مسائل ہوں، باوجود بے فرصتی اور بے مائیگی کے توکلا علی اللہ اس کام کو شروع کیا، ایک حصہ لکھنے پایا تھا کہ یہ خیال ہوا کہ اعمال کی درستی عقائد کی صحت پر متفرع ہے اور بہتیرے مسلمان ایسے ہیں کہ اصولِ مذہب سے آگاہ نہیں، ایسوں کے لیے سچے عقائد ضروری کے سرمایہ کی بہت شدید حاجت ہے۔ خصوصاً اس پُر آشوب زمانہ میں کہ گندم نما جو فروش بکثرت ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے بلکہ عالم کہلاتے ہیں اور حقیقتاً اسلام سے ان کو کچھ علاقہ نہیں، عام ناواقف مسلمان ان کے دامِ تزویر میں آکر مذہب اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا اس حصہ یعنی کتاب الطہارت کو اس سلسلہ کا حصہ دوم کیا اور ان بھائیوں کے لیے اس پہلے حصہ میں اسلامی سچے عقائد بیان کیے۔ امید کہ برادرانِ اسلام اس کے مطالعہ سے ایمان تازہ کریں"۔ (۱۸)

بہار شریعت کے وہ سترہ حصے جو حضرت موصوف علیہ الرحمہ کے قلم فیض رقم سے معرضِ وجود میں آئے۔ ان میں آیاتِ قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور مسائل وغیرہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

کل آیاتِ قرآنیہ:	۳۹۵
کتب احادیث مبارکہ:	۴۳
کل احادیث مبارکہ:	۲۲۲۴
کتب فقہیہ:	۵۰/ سے زائد
کل مسائل فقہیہ:	۹۹۹۳
کتب عقیدہ ورد:	۱۴
کل عقیدہ:	۱۳۶

یاد رہے کہ یہ ساری بحثیں ۳۸۱/ اہم اور اصول عنوانات کے تحت قائم کی گئی ہیں، جن میں اصل عنوان کے تحت ضمنی عنوانات بھی ہیں، جن کو یہاں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ اگر ان عناوین کو بھی ذکر کیا گیا ہوتا تو تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوتی۔ یوں ہی جن آیاتِ کریمہ کی تعداد یہاں پیش کی گئی ہے، وہ ایسی آیتیں ہیں جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔ وگرنہ تمثیل کے طور پر جن آیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اس شمار سے خارج ہیں۔

اس سے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی وسعت مطالعہ اور دقت نظر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی نگاہ قرآن مقدس، حدیث رسول اور فقہی کتب، نیز روز نئے جنم لینے والے باطل و گمراہ فرقوں کے مزخرفات عقیدوں سے مملو کتب پر کس قدر سخت اور ناقدانہ ہوتی تھی۔ یقیناً آپ اپنے دور کے ان عباقرہ میں سے تھے، جن کی مثال خال خال ملتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ جو خالی اور فارغ وقت مل جاتا تھا، اسی میں یہ امور انجام پاتے تھے۔ اگر آپ مستقل طور پر لکھتے اور وقت کی فراوانی میسر ہوتی تو خدا بہتر جانتا ہے کہ آپ کے قلم فیض ترجمان سے فقہی شہ پاروں کے کتنے جلوے بکھرتے اور بہار شریعت مزید کتنے حصوں پر مشتمل ہوتی۔

اب بہار شریعت کے جملہ مندرجات پر تفصیلی نظر ڈالیے اور جزئی طور پر اس کا جائزہ لیجیے۔

بہار شریعت	عنوانات	آیاتِ قرآنیہ	احادیث مبارکہ	مسائل	عقائد
حصہ اول	۱۳	۱۴	......	۲۸	۱۳۶
حصہ دوم	۲۹	۱۲	۸۲	۶۶۹	......
حصہ سوم	۱۵	۵۹	۲۷۹	۸۴۳	......
حصہ چہارم	۲۴	۳۳	۱۹۷	۸۹۶	......
حصہ پنجم	۲۵	۲۲	۲۲۹	۵۶۰	......
حصہ ششم	۱۹	۳۹	۱۱۵	۴۸۶	......
حصہ ہفتم	۱۲	۱۴	۴۸	۴۱۴	......
حصہ ہشتم	۲۱	۲۶	۲۱	۷۵۳	......
حصہ نہم	۳۲	۴۴	۱۱۸	۷۳۹	......
حصہ دہم	۱۷	......	۲۵	۵۶۷	......
حصہ یازدہم	۲۱	۱۵	۱۰۱	۷۷۲	......
حصہ دوازدہم	۱۵	۱۲	۴۰	۶۵۴	......
حصہ سیزدہم	۳۱	۷	۵	۵۹۴	......
حصہ چہاردہم	۱۶	۶	۲۴	۵۴۱	......
حصہ پانزدہم	۲۵	۱۱	۸۵	۶۵۶	......
حصہ شانزدہم	۵۰	۶۴	۸۱۴	۵۲۸	......
حصہ ہفدہم	۱۶	۱۷	۴۱	۲۹۳	......
میزان	۳۸۱	۳۹۵	۲۲۲۴	۹۹۹۳	۱۳۶

اس طرح بہار شریعت کے سترہ حصے کے محتویات کا تجزیہ ہوا، مگر آپ کا منشا چوں کہ اس کو بیس حصوں پر لکھنے کا تھا، لیکن جب آپ کثرتِ غم واندوہ کی وجہ سے معذور ہوگئے تو آپ نے اس کو اسی پر روک دیا، مگر بقیہ حصوں کی تکمیل کے لیے اپنے شاگردوں، اولاد یا علمائے اہل سنت کو اس بات کی وصیت کردی کہ اس کے بقیہ حصوں کو پورا کردیں، یہ میری عین خوشی ہے۔

عرض حال میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ابھی اس کا آخری تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے، جو زیادہ سے زیادہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا، اگر توفیق الٰہی سعادت کرتی اور یہ بقیہ مضامین بھی تحریر میں آجائے تو فقہ کے جمیع ابواب پر یہ کتاب مشتمل ہوتی اور کتاب مکمل ہوجاتی۔ اور اگر میری اولاد یا تلامذہ یا علمائے اہل سنت

میں سے کوئی صاحب اس کا قلیل حصہ جو باقی رہ گیا ہے، اس کی تکمیل فرمائیں تو میری عین خوشی ہوگی"۔(۱۹)

چنانچہ آپ کے وصال کے ایک عرصہ بعد ان کے شاگردوں اور اولاد نے اس طرف بھرپور توجہ دی اور "حق بہ حقدار رسید" کے مطابق بہار شریعت کے مزید تین حصے مکمل کر لیے گئے اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ کی عین خوشی کے اسباب فراہم کر دیے گئے۔ آخری تین حصوں کی تفصیل اس طرح ہے:

حصہ ہیزدہم: علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ، مولانا مفتی وقارالدین اور مولانا قاری محبوب رضا خاں بریلوی علیہما الرحمہ

حصہ نوزدہم: مولانا سید ظہیر احمد زیدی صاحب

حصہ بستم: مولانا مفتی وقارالدین علیہ الرحمہ

گویا بہار شریعت مکمل ہو چکی۔ یقیناً اس امر خیر پر حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی روح اپنی قبر انور میں شاداں و فرحاں ہوگی اور ان مصنفین کے لیے لحہ لحہ دعا گو بھی۔ بہار شریعت فقہ کی دنیا کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے، جس پر نسلیں صدیوں فخر کریں گی اور برصغیر کے مسلمانوں کی گردن پر آپ کا یہ احسان ایسا ہے، جس کا شکریہ ادا کرنے کے باوجود بھی حق شکر ادا نہ ہو سکے گا۔ خداوند قدیر حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی تربت نور کو جنت نشاں بنائے اور کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ آمین

بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

نوٹ:۔ اس مقالے کی تیاری میں عزیزی محمد اصغر اللہ آبادی سلمہ نے میرا ہاتھ بٹایا اور بڑی محنت کی، خداوند قدوس سلمہ کو علم کی دولت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین

☆☆☆

---

(۱) محدث امام شیخ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ ربعی قزوینی ابن ماجہ شریف، ص: ۲۰، مطبع اصح المطابع، دہلی

(۲) مولانا دوست محمد شاکر مقدمہ مسند امام اعظم، ص: ۲۸، ۲۷، مطبع کلاسیکل پرنٹرس، دہلی

(۳) مولانا سید ظہیر احمد زیدی آداب الافتاء، ص: ۳۸، مطبع نیو پبلک پریس، دہلی

(۴) علامہ محمد الخضری تاریخ التشریع الاسلامی (مترجم) ص: ۳۲۴، مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ۔

(۵) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ دوم، ص: ۴۰۵، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۶) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ دوم، ص: ۴، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۷) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ دوم، ص: ۵، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۸) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ دوم، ص: ۱۱۶، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۹) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ دوم، ص: ۱۱۶، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۱۰) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ ہشتم، ص: ۱۷، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۱۱) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ نہم، ص: ۷۳، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۱۲) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ دہم، ص: ۱۲۴، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۱۳) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ یازدہم، ص: ۲۱۱، ناشر قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۱۴) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ ہفدہم، ص: ۹۲، ناشر رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی

(۱۵) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ ہفدہم، ص: ۹۱، ناشر رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی

(۱۶) مولانا محمد قمر الحسن قادری قمر بستوی، تجلیات مفتی اعظم ہند، ص: ۲۱، مطبع بھارت پریس گلشن محل کپاؤنڈ فارس روڈ بمبئی ۔ ۱

(۱۷) مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں، الملفوظ حصہ اول، ص: ۳۰، ۷، مکتبہ نعیمیہ گوالٹولی کانپور

(۱۸) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ اول، ص: ۲۳، قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی

(۱۹) صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت حصہ ہفدہم، ص: ۱۰۲، ۱۰۱، شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران ناشران کتب کشمیری بازار لاہور

حضور صدر الشریعہ
کے آٹھ اہم کارنامے

مولانا علاء المصطفیٰ قادری
مدیر اعلیٰ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے بے شمار علمی و عملی کارناموں میں آٹھ ایسے کارنامے ہیں جن میں کا ہر ایک اہل قلم کا موضوع سخن بن سکتا ہے اور ان پر مقالہ لکھنے کی جرأت کی جاسکتی ہے۔ اور وہ آٹھ کارنامے یہ ہیں:

(۱) فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف (بہار شریعت)

(۵) تلامذہ کا عظیم سلسلہ۔

(۲) چار ضخیم جلدوں میں فتاویٰ امجدیہ۔

(۶) مطبع اہل سنت۔

(۳) زبان عربی میں حاشیہ شرح معانی الآثار

(۷) اولاد امجاد کا عالم ہونا۔

(۴) ترجمہ کنز الایمان کا املا۔

(۸) بیس فنون پر مشتمل دار المطالعہ۔

یہ وہ کارنامے ہیں جن کی نظیریں ملنا مشکل ہیں اگر ان کارناموں کو دنیائے سنیت سے الگ کر دیا جائے تو دنیائے سنیت عظیم نعمت غیر مترقبہ سے محروم ہو جائے گی اور عمارت رضویت کا ایک اہم بنیادی ستون گرتا ہوا نظر آئے گا۔ ذیل میں ان کارناموں کی مختصر تشریحات ملاحظہ فرماتے چلیں، تاکہ ہم فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ کے علمی کارناموں کو اجمالی طور پر صحیح خط و خال کے ساتھ جان سکیں اور مرد دُرویش کی بارگاہ میں خراج تحسین اور نذرانہ عقیدت و محبت پیش کرنے پر مجبور ہوں۔

فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف:۔ فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ''بہار شریعت'' حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا علمی شاہکار اور آپ کی حیاتِ طیبہ کا نایاب و نادر نمونہ ہے۔ جو رہتی دنیا تک حضرت صدر الشریعہ کو زندہ رکھے گی اور سارا عالم اس فقیہ اعظم کا شکر ادا کرنے پر مجبور ہوگا۔ یہ کتاب سترہ حصوں پر مشتمل ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے لے کر مجددِ اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ تک کے جملہ فتاویٰ اور تمام فقہی سرمایہ کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔

فقہ حنفی کا ناپیدا کنار سمندر صرف بہار شریعت کے سترہ حصوں میں موجود ہے۔ جو مقبولِ خاص و عام ہے۔ اس کتاب کی خصوصیات اور اس کے محاسن کیا ہیں۔ یہاں کے مقدس علما جانتے ہیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہر وہ شخص بھی جان سکتا ہے، جو فقط اردو داں ہو۔ یہ صرف فقہ حنفی کا عظیم سرمایہ ہی نہیں، بلکہ فقہ حنفی کے مطابق احادیث کریمہ کا عظیم الشان مجموعہ بھی ہے۔ اس کتاب کا ہندوستان کے تمام دار الافتا میں ہونا ضروری ہے۔ جس کے بغیر دار الافتا کا قیام اور اس کی بقا مشکل اور دشوار ہے۔

الفتاویٰ الامجدیہ:۔ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ جب تک باحیات رہے سوال و جواب، پوچھ تاچھ اور استفتا و فتویٰ نویسی کا اہم

ترین مشغلہ رہا۔ چنانچہ جو سوال و جواب اور فتاویٰ نقل کر دیے جاتے تھے، آج وہ ''فتاویٰ امجدیہ'' کے نام سے سترہ سو صفحات پر مشتمل دو ضخیم جلدوں میں موجود ہے۔ انشاء اللہ مستقبل قریب میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قوم وملت سے خراجِ تحسین حاصل کرے گا۔

فتاویٰ رضویہ کے بعد فتاویٰ کی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے، جس کو فتاویٰ امجدیہ کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکے۔ اس مجموعہ کی عبارت نہایت شستہ اور سہل ہے، جس سے ہر عام آدمی بھی افادہ واستفادہ کر سکتا ہے۔ اس مجموعہ میں بڑے بڑے علمائے کرام سائل کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، جس سے فتاویٰ اور صاحب فتاویٰ کی عظمت واہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

حاشیہ شرح معانی الآثار:۔ کتب حدیث کی ایک اہم اور مستند کتاب ''شرح معانی الآثار'' ہے، جو امام طحاوی حنفی کی مایۂ ناز علمی وتحقیقی تصنیف ہے۔ جو لوگ فقہ حنفی کو خلافِ قرآن وحدیث بتاتے ہیں، ان کا دندان شکن جواب ہے۔ ہر مسئلہ کو احادیث طیبہ کی روشنی میں ثابت کرنے کی سعی بلیغ کی گئی ہے۔ یہ کتاب بہ نسبت اور کتب حدیث کے نہایت مشکل اور ادق ہے۔ اس لیے علوم ومعارف کے تاجدار فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے زبانِ عربی میں اس کا حاشیہ نہایت جامع اور مستند تحریر فرمایا ہے۔ (۲) اور احادیث کی تخریج فرماتے ہوئے دو حدیثوں میں تطبیق، ناسخ ومنسوخ، اور حوالہ جات کی تشریح نہایت واضح اور دلکش عبارت سے کی ہے۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ سرزمین ہند میں قرآن مجید کے اگرچہ متعدد ترجمے ہوئے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے پہلے بھی کئی ترجمے ہو چکے تھے، مگر سب میں کچھ نہ کچھ سقم تھے، ضرورت تھی کہ قرآن مجید کا ایک صحیح ترجمہ لکھا جائے۔ یہ کارنامہ حضرت صدر الشریعہ ہی کا ہے کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے قرآن مجید کا ترجمہ کنز الایمان کرالیا۔

اس ترجمہ کا جب دوسرے تراجم سے تقابل کیا جاتا ہے تو صرف اعلیٰ حضرت ہی کا ترجمہ معیار پر اترتا ہے اور اسی ترجمہ کے متعلق یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ صرف ترجمہ اعلیٰ حضرت ہی قرآن کریم کا صحیح اور مستند ترجمان ہے اور زبان وبیان کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ ترجمہ کن مرحلوں سے گزر کر ہم تک آیا ہے۔ اس کی ساری تفصیلات حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنی سوانح میں یوں لکھاتے ہیں:

''جب سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ قیلولہ فرماتے تو میں کاغذ قلم لے کر بارگاہِ رضوی میں حاضر ہوتا اور میں قرآن کی آیتیں پڑھتا اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ فرماتے۔ اور میں ان ترجموں کو قیدِ تحریر میں لیتے جاتا۔ اسی طرح سلسلہ رہا یہاں تک کہ ایک وہ بھی وقت آیا کہ قرآن شریف کا ترجمہ کنز الایمان کے نام سے مکمل ہو گیا''۔

اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں:

''یہ ترجمہ کنز الایمان میرا ہے اور میں ہی اس کا مالک ہوں، کیوں کہ یہ میرے ہی کاغذ اور قلم سے معرض وجود میں آیا ہے''۔

دیکھا آپ نے ترجمہ کنز الایمان کا وجود پذیر ہونا آپ کے مساعی جمیلہ اور علمی وعملی کارناموں کا ایک تابندہ وپائندہ باب ہے، جو رہتی دنیا تک آپ کے علمی، عملی کارنامہ کی یاد دہانی کراتا رہے گا۔

تلامذہ کا عظیم سلسلہ:۔ تاریخ کی روشنی میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مسلک رضویت کو گاؤں گاؤں، دیہات دیہات اور شہر شہر کس ذات بابرکات نے پھیلانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ یہ وہی ذاتِ بابرکات ہے، جن کو ہم حضرت صدر الشریعہ کے لقب سے

جانتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے دم خم سے علمبردارانِ اسلام کا ایک دستہ تیار ہوا اور سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ اور پورے ہندوستان کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا شیدا و متوالا بنالیا، یعنی آپ نے درس و تدریس کا وہ اہم رول ادا کیا ہے کہ اس وقت ہمارے جتنے اکابر ہیں، وہ آپ کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ ہیں۔

مطبع اہل سنت:۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے علمی، عملی کارناموں میں مطبع اہل سنت کا انتظام و انصرام بھی ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ حضرت صدرالشریعہ کے زیر اہتمام اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی تصنیفات و تالیفات اور دیگر اسلامی کتابوں کی اشاعت کا عمدہ انتظام تھا، آپ کے وقت نظامت میں کافی اہم رسالے اور کتابچہ شائع ہوئے۔ خصوصیت کے ساتھ الفتاویٰ الرضویہ جلد اول، فتاویٰ امام الغزی قابل ذکر ہیں۔ آپ اپنے مدتِ اہتمام میں صحت کا کافی خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ اس دور میں جتنے شد و مد سے طباعت و اشاعت کا کام ہوتا رہا، اس کے لحاظ سے اس وقت کچھ نہیں ہے۔ یہ سب حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے جد و جہد عمل پیہم اور مساعی جمیلہ کا ثمرہ تھا۔

اولادِ امجاد:۔ آپ کی جملہ اولادِ امجاد، عالم دین اور واقف شریعت ہیں۔ اس دورِ پُرفتن میں علما تک اپنے بچوں کو اسلامی مدرسوں اور دینی درس گاہوں میں بھیجنا عیب اور عار محسوس کرتے ہیں، لیکن یہ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی اہم ترین خصوصیت ہے کہ آپ نے جملہ اولادِ امجاد کو اسلامی علوم سے بہرہ ور ہونے کا معقول انتظام فرمایا۔

آپ نے زرِ کثیر صَرف فرما کر علوم عربیہ کے حصول کے لیے اپنے صاحبزادے حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب قبلہ کو جامعہ ازہر مصر بھیجنا گوارہ فرمایا، لیکن یہ نہیں پسند فرمایا کہ میرا کوئی لڑکا علوم اسلامیہ سے غافل اور فنونِ دینیہ سے جاہل رہے۔ آپ کی اولادِ امجاد میں دو اہم ترین خصوصیات کے مالک ہیں۔ ایک حضرت سید المفسرین علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب قبلہ ازہری دامت برکاتہم العالیہ ہیں، جو اس وقت دارالعلوم امجدیہ کراچی میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز تھے۔ اور آپ نے نہایت خوش اسلوبی اور کمالِ تدبیر سے قوم و ملت کی بے شمار خدمات انجام دیا ہے اور علم و فن کے میدان میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ دوسرے ممتاز الفقہا والمحدثین حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ ہیں، آپ سرزمین ہند میں فقیہ اعظم ہند حضرت صدرالشریعہ کے علمی و عملی یادگار ہیں۔ آپ علما کے جھرمٹ میں ایک شان رکھتے ہیں، آپ کے متعلق بارہا جلالۃ العلم استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

> ''حضرت صدرالشریعہ نے جو کچھ پڑھایا، وہ سب میں نے ضیاء المصطفیٰ کو پڑھادیا''۔

آپ فقہ و حدیث میں کافی دسترس اور مہارتِ کاملہ رکھتے ہیں، آپ کے تبحر علمی اور جلالت شان کا یہ عالم ہے کہ جب مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ کا آغوش فخر العلما استاذِ گرامی حضرت علامہ مولانا مولوی حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ سے خالی ہو گیا تو حضور حافظ ملت نے آپ کو بلالیا اور اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں پڑھانے کے لیے اہم کتب عطا فرمادیں۔ غرض کہ یہ دونوں بزرگ بھی حضرت صدرالشریعہ کے علمی و عملی یادگار اور کارنامے ہیں، جو سید المفسرین اور ممتاز الفقہا والمحدثین کی شکل میں ہیں۔

آپ کا کتب خانہ:۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی عظیم علمی یادگار آپ کا کتب خانہ بھی ہے، جس میں تقریباً بیس فنون پر مشتمل کتابوں کا عظیم سرمایہ ہے۔ جس سے بڑے بڑے علمائے کرام اور فضلائے عظام نے استفادہ کیا اور اس وقت تک کر رہے ہیں۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ
کی خدمت حدیث

تحریر: مفتی محمد ناظم علی رضوی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان ان عبقری شخصیتوں میں سے ہیں جن کا فیض نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں جاری وساری ہے۔ آپ کے چشمۂ فیض سے جہان اسلام سیراب ہو رہا ہے اور صبح قیامت تک سیراب ہوتا رہے گا۔ آپ مختلف علوم وفنون میں حیرت انگیز دسترس رکھتے تھے علم فقہ میں تو آپ کو ایسا کمال حاصل تھا کہ مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا"

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا ارشاد فقہ میں آپ کے رسوخ وکمال کی روشن دلیل ہے، اسی لیے دنیائے اسلام آج آپ کو نہ صرف فقیہ بلکہ فقیہ اعظم کے نام سے جانتی پہچانتی ہے، اس کی روشن دلیل آپ کے گراں قدر فتاوی ہیں جو فتاوی امجدیہ کی شکل میں شائع شدہ ہیں۔ اور بہار شریعت تو اپنی نظیر آپ ہے۔ وہ تو فقہ اسلامی کا ایسا انسائیکلوپیڈیا ہے کہ میرے علم میں بہار شریعت کے علاوہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں ماخوذ ومفتی بہ اقوال صحیحہ رجیحہ معتمدہ مستندہ اس شان کے ساتھ موجود ہیں کہ آج کسی مفتی کو جب کسی مسئلہ میں ماخوذ ومفتی بہ قول میں تشویش ہوتی ہے تو بہار شریعت کی طرف ضرور مراجعت کرتا ہے اور اس میں موجود قول کو مفتی بہ تسلیم کرتا ہے۔ تنقید کرنا بہت آسان ہے مگر تنقید کرنے والے آج تک ایسا فقہی شاہ کار پیش نہ کر سکے۔ بہار شریعت کے مطالعہ سے نہ صرف آپ کی فقاہت واشگاف ہوتی ہے بلکہ آپ کی محدثانہ شخصیت آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن نظر آتی ہے مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بہار شریعت کے ابتدائی حصوں پر اپنی تقریظ جلیل اور وقیع دستخط ثبت فرما کر نہ صرف آپ کی فقاہت پر مہر لگا دی ہے۔ بلکہ آپ کی محدثانہ شخصیت پر بھی مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے۔

محدث اجل واکبر امام ابو جعفر طحاوی جیسا جامع امامت حدیث وفقہ آج تک شاذ ونادر ہوا ہو، آپ کی تصنیف لطیف شرح معانی الآثار کا علمی پایہ کس قدر بلند ہے وہ اصحاب نظر سے پوشیدہ نہیں اس کی تدریس کے لیے کس قدر علوم وفنون میں رسوخ درکار ہے اسے ایک دیانت دار استاذ ہی جانتا ہے ضرورت اس بات کی تھی کہ اس پر ایک گراں قدر حاشیہ تحریر کیا جائے فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود

اس گراں قدر اہم کام کے لیے وقت کا ایک اہم حصہ نکالا اور اس کام کا آغاز فرمایا اور اس شان کا حاشیہ تحریر فرمایا کہ ایک عادل، منصف مزاج، صائب الرائے، علم حدیث میں آپ کی جلالت شان کا اعتراف کرتا ہوا نظر آئے گا جہاں اختصار کی ضرورت تھی مختصرا حاشیہ تحریر فرمایا اور دریا کو کوزے میں بھر دیا اور تفصیل کے مقام پر علوم وفنون کے ایسے گوہر آب دار لٹائے کہ نگاہیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں۔ علم حدیث میں آپ کو اس قدر کمال حاصل تھا کہ ایک حدیث، حدیث کی کن کن کتابوں میں اور کن کن مقامات پر کن روایتوں کے ساتھ موجود ہے آپ اس پر گہری نظر رکھتے۔ حاشیہ شرح معانی الآثار میں کثیر شواہد موجود ہیں۔

حدیث عرینہ کی سند ومتن کی تحقیق:

امام ابوجعفر طحاوی نے "باب حکم بول ما یو کل لحمہ" میں عرینیین کی حدیث تخریج فرمائی۔ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر تفصیلی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ امام بخاری نے آٹھ مقامات پر فلاں فلاں راویوں سے یہ حدیث تخریج فرمائی۔

"باب الابل والدواب" میں سلیمان بن حرب سے تخریج کی:

"محاربین" میں قتیبہ سے تخریج کی:

اور "جہاد" میں معلّٰی بن اسد سے۔

اور "محاربین" میں موسی بن اسماعیل اور علی بن عبداللہ اور محمد بن الصطلت سے۔

اور "تفسیر" میں علی بن عبداللہ سے۔

اور "مغازی" میں محمد بن عبدالرحیم سے۔

اور "دیات" میں قتیبہ سے تخریج کی

اور اسی پر اکتفانہ فرمایا بلکہ مزید فرمایا:

امام مسلم نے "باب المحاربین والمرتدین" میں ہارون بن عبداللہ بن سلیمان بن حرب، اور حسن بن احمد، اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن، اور ابوبکر ابن ابی شیبہ، اور محمد بن الصباح، اور محمد بن مثنی، اور احمد بن عثمان نوفلی سے تخریج کی۔

ابوداود نے "کتاب الطھارۃ" میں سلیمان بن حرب اور موسی بن اسماعیل، اور محمد بن الصباح، اور عمرو بن عثمان اور محمد بن قدامہ سے تخریج کی۔

نسائی نے "المحاربۃ" میں احمد بن سلیمان اور عمرو بن عثمان اور اسحاق بن منصور اور اسماعیل بن مسعود سے تخریج کی اور "کتاب التفسیر" میں عمرو بن عثمان کی حدیث دوبارہ تخریج کی۔

اس تفصیل کے بعد آپ نے ایک بحث فرمائی کہ مسلم کی روایت میں ابوایوب اور ابوقلابہ کے درمیان ابورجاء مولی ابو قلابہ ایک راوی ہیں اور دارقطنی نے ذکر فرمایا کہ حماد بن زید کی روایت صرف اس طرح ہے:

"عن أيوب عن أبي رجاء عن أبي قلابة".

اور فرمایا کہ ابورجاء راوی کا ذکر بعض روایتوں میں موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں درست ہے اشبہ یہ ہے کہ ایوب نے ابو قلابہ سے انھوں نے انس سے محض عرینیین کا قصہ سنا ہو اور ابو رجاء سے انھوں نے ابوقلابہ سے ان کی حدیث عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ "قسامۃ" کے بارے میں اور اس کے آخر میں عرینیین کا قصہ سماعت کیا ہو تو حماد بن زید نے ایوب سے دونوں قصہ حفظ کرلیا "عن أبي رجاء عن أبي قلابة"

اور دوسرے حضرات نے ابو قلابہ سے انہوں نے انس سے صرف عرینیین کا قصہ حفظ رکھا۔

اس تفصیل کے بعد مزید تخریج ذکر فرمائی اور فرمایا:

امام ترمذی نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے حمید اور ثابت اور قتادہ اور انس سے تخریج کی اور ابن ماجہ نے حمید سے انہوں نے انس سے تخریج کی اور عرینیین کی حدیث صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالی عنہ سے اس طرح مروی ہے:

"قدم أناس من عكل أو عرينة فاجتووا المدينة فامرهم النبي صلى الله عليه وسلم بلقاح وأن يشربوا من أبوالها وألبانها فانطلقوا راعی النبی صلى الله عليه وسلم واستاقوا النعم فجاء الخبر فی أول النهار فبعث فی آثارها فلما ارتفع النهار جیئ بهم فامر فقطع أيديهم وأرجلهم وسمرت أعينهم وألقوا فی الحرة يستسقون فلا يسقون".

عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ آئے تو انہیں مدینہ کی آب وہوا ناخوشگوار ہوئی تو انھیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم فرمایا یہ لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہا کے پاس پہنچے اور چوپایوں کی کونچیں کاٹ ڈالیں دن کے ابتدائی حصہ میں حضور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ان کے پیچھے اپنے اصحاب کو بھیجا جب دن بلند ہوا انھیں بارگاہ رسالت میں لایا گیا تو حضور نے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹنے کا حکم فرمایا اور گرم سلائی سے ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں اور انہیں سخت دھوپ میں ڈال دیا گیا پانی مانگتے انھیں نہ دیا جاتا۔

اس کے بعد یہ تفصیل فرمائی کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے والے وفد کی تعداد کتنی تھی؟ تو فرمایا کہ اس وفد میں "عرینہ" کے چار اور "عکل" کے آٹھ اشخاص تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ سات افراد تھے "عرینہ" کے چار اور "عکل" کے تین تھے حدیث پاک کی روایت میں "ناس من عرينة" اس لیے فرمایا گیا کہ اس وفد میں عرینہ کے لوگ زیادہ تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی مدینہ منورہ سے چھ میل دوری پر "نمیر" کے قریب "قبا" کے ایک گوشہ میں چر رہے تھے جب یہ لوگ ان مویشیوں کے پاس پہنچے انھوں نے ان کا دودھ اور پیشاب پیا تو صحتیاب ہو گئے انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ چرواہا "یسار" کو قتل کر دیا ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے آنکھ اور زبان میں کانٹے چبھو دیے یہاں تک کہ آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد فرما دی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان سرکش لوگوں کے پیچھے کرز بن فہری اور ان کے ہمراہ بیس گھوڑ سواروں کو بھیجا یہ لوگ پکڑ کر لائے گئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وہی معاملہ فرمایا جو آپ کے چرواہا یسار کے ساتھ انھوں نے کیا تھا۔

اس کے بعد آپ نے یہ تفصیل فرمائی کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تو فرمایا اس سلسلے میں قدر اختلاف ہے ابن اسحاق نے مغازی میں ذکر فرمایا کہ یہ واقعہ جمادی الآخر ۶ھ میں پیش آیا اور بخاری نے حدیبیہ کے بعد اسے ذکر فرمایا اور یہ ذی قعدہ میں ہوا اور واقدی نے ذکر کیا کہ شوال میں اور ابن سعد نے مویشیوں کی تعداد پندرہ ذکر کی ہے ان لوگوں نے ان میں سے ایک کو ذبح کر ڈالا اس کا نام "حنا" تھا۔

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب

کی نجاست اور ان سے دوا وعلاج کے متعلق ایک محققانہ شاندار بحث فرمائی اور فرمایا:

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا پیشاب نجس ہے ملک العلماء علیہ الرحمہ نے بدائع الصنائع میں فرمایا:

پیشاب کے نجس ہونے کی دلیل حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث ہے:

"انما یغسل الثوب من خمس".

کپڑا صرف پانچ چیزوں سے دھلا جائے۔

اور ان پانچ چیزوں میں پیشاب کو مطلقا بلا کسی تفصیل کے ذکر فرمایا۔ اور اللہ تعالی نے فرمایا:

"ویحرم علیھم الخبائث".

اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

(کنزالایمان۔ آیت ۱۵۷ / الاعراف)

اور ہر شخص جانتا ہے کہ طبیعت سلیمہ پیشاب کو خبیث جانتی ہے اور کوئی چیز جب حرام ہو اور اس کی حرمت وکرامت کے سبب نہ ہو تو شرعا وہ نجس ہوا کرتی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ پیشاب میں نجاست کا معنی استقذار طبعی (طبعی ناپسندیدگی) موجود ہے اس لیے کہ پیشاب فساد میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ اس میں بدبو ہوتی ہے تو اس کا حکم ان جانوروں کے پاخانہ کا حکم ہوگا اور جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کے پیشاب جیسا حکم ہوگا۔ رہ گئی اہل عرینہ کی حدیث تو قتادہ نے ذکر کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرینہ کو جانوروں کا پیشاب پینے کا حکم نہ دیا دودھ پینے کا حکم دیا لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں علاوہ ازیں یہ احتمال ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اہل عرینہ کی شفا پیشاب میں معلوم رہی ہو اور حرام سے شفا حاصل کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ اس بات کا یقین ہو کہ اس حرام سے شفا حاصل ہو جائے گی یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں مردار کھانا اور پیاس اور لقمہ نگلنے کے وقت شراب پینا شرعا جائز ہے۔ رہ گئیں وہ حرام چیزیں جن سے شفا ملنے کا یقین نہیں ان سے شفا حاصل کرنا جائز نہیں۔

پھر امام ابویوسف کے نزدیک علاج کے لیے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پینا جائز ہے ان کی دلیل اہل عرینہ کی حدیث ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک مباح نہیں اس لیے کہ جس حرام سے شفا کا حصول یقینی نہیں ان سے شفا حاصل کرنا مباح نہیں یہی حکم ان حرام چیزوں کا ہے جن میں شفا عقل سے جانا نہیں جاسکتا اور اطبا کے نزدیک پیشاب میں شفا نہیں اور اہل عرینہ کی حدیث اس پر محمول ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص کر اہل عرینہ کی شفا کا علم تھا۔

اور شمس الائمہ رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ قتادہ نے انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث روایت کی کہ حضور نے اہل عرینہ کو اونٹنیوں کا دودھ پینے کی رخصت بخشی اور اس روایت میں پیشاب پینے کا ذکر نہیں ہاں حمید طویل نے انس رضی اللہ تعالی عنہ سے جو روایت ذکر فرمائی اس میں پیشاب پینے کی رخصت کا ذکر ہے اور یہ حدیث حکایت حال کے لیے ہے لہٰذا جب حدیث حجیت اور عدم حجیت کے درمیان گردش کر رہی ہے تو اس سے استدلال ساقط ہو گیا۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حضرت

ملک العلماء اور شمس الائمہ رحمہما اللہ تعالی کی بحثوں کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

اقول: ملک العلماء نے بدائع میں اور شمس الائمہ نے جو یہ ذکر فرمایا کہ انس کی اس حدیث میں قتادہ نے اونٹنیوں کے پیشاب پینے کا ذکر نہ کیا بلکہ صرف حمید طویل نے انس سے ذکر کیا تو میرے نزدیک یہ کوئی محصل بات نہیں اس لیے کہ خود قتادہ نے "من أبوالها" (اونٹنیوں کے پیشاب) کا ذکر کیا ہے جیسا کہ امام ابوجعفر طحاوی کی روایت مذکورہ میں ہے کہ قتادہ نے انس سے اونٹنیوں کے پیشاب کا حفظ رکھا اور حماد بن سلمہ کی اس روایت میں ہے جو قتادہ سے مروی ہے اور انس سے قتادہ وحمید کی مروی روایت میں ہے تو پھر یہ کہنا کیوں کر صحیح ہوگا کہ قتادہ نے پیشاب پینے کا ذکر نہ کیا

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ قتادہ نے اس لفظ "من ابوالها" (پیشاب پینے) کا ذکر نہ کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی کی روایت میں یہ زیادتی (پیشاب پینا) مذکور ہے تو قتادہ کے عدم ذکر سے کیوں کر استدلال تام ہوگا جب کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے لہٰذا جواب وہی ہے جسے حنفیہ کے امام اجل ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے ذکر فرمایا کہ یہ اجازت بوجہ ضرورت ہے اور وہ موجب طہارت نہیں جس طرح بوجہ ضرورت لقمہ نگلنے کے لیے شراب پینا اور مردار کھانا یا یہ کہا جائے کہ اہل عرینہ کا واقعہ ایک خاص واقعہ ہے اس کے لیے عموم نہیں کہ اہل عرینہ کے علاوہ عام لوگوں کو بھی اس کا حکم ہو۔ واللہ تعالی اعلم

یا یہ کہا جائے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ معلوم تھا کہ اہل عرینہ کو پیشاب سے شفا حاصل ہوگی تو خاص ان کے حق میں پیشاب حرام نہ رہا لیکن حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر اشخاص کو یقین سے یہ معلوم نہیں کہ پیشاب میں شفا ہے اس لیے حرام چیزوں سے دوا وعلاج ناجائز وحرام ہے اس لیے کہ طب کے اصول ظنیات پر قائم ہیں تجربات اکثر غلط ثابت ہوئے تو یقین حاصل نہ ہوا لہٰذا دوا وعلاج بھی جائز نہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ واللہ تعالی اعلم

ریشم کا پہننا جائز ہے یا ناجائز اس سلسلے میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث تخریج فرمائی: "قال أنس فرأيت على كل واحد منهما قميصا من حرير الخ" اور مفصل بحث فرمائی۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ایک محققانہ بحث فرمائی اور فرمایا:

بعض حضرات نے فرمایا جنگ میں ریشم کا لباس پہننا جائز ہے اسی لیے امام ابوعیسی ترمذی علیہ الرحمہ نے ایک باب قائم فرمایا:

"باب ماجاء في لبس الحرير في الحرب"

اور اسی طرح امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک باب کا یہ عنوان رکھا:

"باب الحرير في الحرب".

جنگ میں ریشمی لباس پہننے کا باب

اور ان دونوں حضرات نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ جنگ میں ریشم کا لباس پہننا جائز ہے اور بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ خارش یا جوں کے موجود ہونے کے وقت ریشم کے لباس کے استعمال کی رخصت نہیں ہاں اگر سفر میں ہو تو

استعمال کی رخصت ہے جیسا کہ امام مسلم کی ایک روایت سفر کے باب میں اس سلسلے میں وارد ہے۔

اور بعض لوگوں نے کہا کہ خارش اور جوں کے ذکر کی تعلیل تو ظاہر ہے لیکن یہ حکم رخصت سفر یا غزوہ میں ہوتا تو اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کے سبب ہونے کو ترجیح دے ہاں اس میں اس مقام کا ذکر ہے جہاں ان دونوں (خارش، جوں) سببوں کے سبب رخصت دی گئی اور اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہ سبب ہو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر یہ فرمایا:

علامہ عینی نے فرمایا:

بلکہ وہ بھی ایک سبب ہے اس لیے کہ اس میں دشمنان اسلام کو خوف ودہشت دلانا ہے جیسا کہ تکبر وغرور اس میں مباح فرمایا گیا تو ہوسکتا ہے کہ غزوہ اور سفر اور خارش ہر ایک مستقل سبب ہوں۔

اور ابن عربی نے فرمایا:

یہ مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ تینوں اسباب میں سے ہر ایک سبب میں رخصت عطا فرمائی ہے تو کسی روایت میں ان تینوں اسباب میں کسی ایک سبب میں حکم رخصت عطا فرمانا اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر ہر سبب کا ایک حکم ہو اور جس جگہ تمام اسباب جمع ہوں وہاں اس بات کا مقتضی ہے کہ تینوں علتوں کا مجموعہ حکم اجتماعی میں موثر ہے جیسا کہ حکم انفرادی میں موثر تھا۔

اس بحث کے بعد فرمایا:

علامہ قرطبی نے فرمایا: یہ حدیث ان لوگوں کے خلف حجت ہے جنھوں نے بوجہ ضرورت بھی ریشم کا پہننا ممنوع قرار دیا اور یہ دعوی کیا کہ یہ زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف کی خصوصیت تھی کہ انھیں ریشم پہننے کی رخصت دی گئی مگر ان لوگوں کا یہ دعوی خصوصیت بھی صحیح نہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کا اسی طرف میلان ورجحان ہے اس لیے کہ ابن عساکر نے بطریق ابن عون ابن سیرین سے یہ روایت کی کہ عمر نے خالد بن ولید کو ریشم کی قمیص پہنے دیکھا تو فرمایا یہ کیا معاملہ ہے؟ تو خالد نے عبدالرحمٰن بن عوف کا واقعہ ذکر کیا تو حضرت عمر نے فرمایا آپ عبدالرحمٰن بن عوف کی طرح ہیں یا آپ کے لیے اسی طرح حکم ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کے لیے ہے اس کے بعد حضرت عمر نے حاضرین کو حکم دیا تو انھوں نے خالد بن ولید کی وہ ریشمی قمیص چاک کردی اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے۔

اس گفتگو کے بعد ریشمی لباس کے استعمال کے سلسلے میں علمائے سلف کا اختلاف ذکر فرمایا جیسا کہ فرماتے ہیں:

ریشم کے لباس کے سلسلے میں علمائے سلف کا اختلاف ہے تو امام مالک اور ابو حنیفہ نے مطلقاً ممنوع قرار دیا اور امام شافعی اور ابو یوسف نے بوجہ ضرورت جواز کا قول فرمایا۔

اور علامہ عینی نے فرمایا: ابن عربی نے کہا:

ریشم کے لباس کے استعمال کے متعلق علما کے دس اقوال ہیں:

۱۔ بہر حال حرام ہے۔ ۲۔ جنگ کے علاوہ صورتوں میں حرام ہے۔ ۳۔ حرام ہے مگر سفر میں۔ ۴۔ حرام ہے مگر بیماری میں۔ ۵۔ حرام ہے مگر غزوہ میں۔ ۶۔ حرام ہے مگر علم میں۔ ۷۔ مردوں اور عورتوں پر حرام ہے۔ ۸۔ لباس کے اوپر پہننا حرام ہے نیچے سے نہیں اس کے قائل امام ابو حنیفہ اور ماجشون ہیں۔ ۹۔ بہر حال مباح ہے۔ ۱۰۔ حرام ہے اگرچہ دوسری چیز سے

مخلوط ہو جیسا کہ ریشم اور اون کا بنا ہوا کپڑا۔

اور ابن بطال نے کہا: ریشم کے لباس کے سلسلے میں اختلاف علما ہے ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے اور کچھ لوگوں نے اسے مکروہ کہا جن حضرات نے مکروہ فرمایا ان میں سیدنا عمر بن خطاب اور ابن سیرین اور عکرمہ اور ابن محیریز کا اسم گرامی سرفہرست ہے اور ان حضرات نے فرمایا کہ جنگ میں امید شہادت کے سبب کراہت اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور یہی امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

جن حضرات نے جنگ میں اجازت دی ان میں حضرت انس ہیں معمر نے ثابت سے روایت کرتے ہوئے کہا میں نے انس بن مالک کو اس خوف و دہشت کے وقت ریشمی لباس زیب تن کیے دیکھا جس سے لوگ خوف و دہشت زدہ ہو گئے۔

اور ابو فرقد نے کہا: میں نے ابو موسی کے برگستوان (تجافیف) پر ریشم و دیباج دیکھا۔ اور عطا نے کہا: ریشمی لباس جنگ میں ہتھیار ہے محمد بن حنفیہ اور عروہ اور حسن بصری نے اس کی اجازت دی ہے اور یہی امام ابو یوسف اور محمد اور شافعی کا قول ہے اور ابن حبیب نے ابن ماجشون سے یہ ذکر کیا کہ جہاد میں مجاہدین اسلام کے لیے ریشمی لباس پہننا مستحب ہے اور بوقت جہاد ریشمی لباس پہن کر نماز پڑھنا دشمنان اسلام کو خوف و دہشت دلانے اور فخر و مباہات کے لیے ہے۔

تیمم کے باب میں حدیث عمار پر بحث:

تیمم کے باب میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث ذکر کی جس میں یہ ہے:

"ومسح بهما وجهه وكفيه".

اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کیا۔

جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تیمم میں چہرہ اور ہتھیلیوں کے مسح کا حکم ہے اس مقام پر فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حدیث کے اصول کی روشنی میں یہ ثابت فرمایا کہ تیمم میں چہرہ اور دونوں ہاتھوں پر مسح کا حکم ہے نہ کہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں پر اور اس کی موید روایتیں بھی ذکر کیں جیسا کہ رقمطراز ہیں:

"قوله وجهه وكفيه: باب تیمم میں ابوجہیم نے جو روایت ذکر کی جسے خود مصنف نے "باب قراءة القران للحائض" میں ذکر فرمایا اس میں "كفيه" (دونوں ہتھیلیوں) کا ذکر نہیں بلکہ اس میں "مسح وجهه ويديه" (اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح فرمایا) وارد ہے اور داود اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایسا ہی روایت کیا ان دونوں حضرات کے الفاظ روایت یہ ہیں:

"مسح وجهه ويديه: اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح فرمایا۔

اب جبکہ دوسری روایتوں "مسح وجهه ويديه" میں وارد ہے تو ان لوگوں کا استدلال ساقط ہو گیا جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ تیمم صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کا نام ہے۔

ابن حجر نے فتح الباری میں کہا:

ابوجہیم کی حدیث میں "یدین" (دونوں ہاتھوں) اجمالا مذکور ہے اور صحیحین میں عمار کی حدیث "کفین" (دونوں ہتھیلیوں) کے ذکر کے ساتھ وارد ہے اور سنن میں "مرفقین" (دونوں کہنیوں) کے ذکر کے ساتھ وارد ہے تو

باب تیمم میں یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان کے علاوہ جو حدیثیں وارد ہیں یا تو ضعیف ہیں یا ان میں اختلاف ہے کہ وہ مرفوع یا موقوف ہیں اور راجح یہی ہے کہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں اھ۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حافظ ابن حجر کی اس بحث کے بعد فرمایا:

اقول: عمار کی حدیث کے بارے میں جو کچھ کہا تو اس سلسلے میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس میں اضطراب ہے اس لیے وہ کسی کے لیے لائق حجت نہیں رہا یہ کہ ابو جہیم کی حدیث میں "یدین" کا ذکر اجمال کے ساتھ وارد ہے تو یہ صحیح نہیں علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرمایا:

اس پر اجمال کی حد کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ حدیث مطلق ہے جو دونوں ہتھیلیوں اور کہنیوں اور ان کے علاوہ سب کو شامل ہے مگر دار قطنی کی روایت نے اس مطلق کے اطلاق کی تخصیص وتفسیر کر دی کہ انہوں نے اس طرح روایت ذکر فرمائی:

"فمسح بوجهه وذراعيه" تو اپنے چہرہ اور دونوں ذراع کا مسح فرمایا۔

رہ گیا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ: تیمم کے اوصاف کے باب میں ان دونوں حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث صحیح مرفوع نہیں تو یہ بھی صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت جابر سے مرفوعا یہ روایت وارد ہے:

"إن التيمم ضربة للوجه وضربة للذراعين إلى المرفقين"

بے شک تیمم دو ضرب ہیں ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت دونوں ذراع کے لیے۔

حاکم نے فرمایا اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور حافظ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور جو لوگ اس حدیث کی صحت کا انکار کرتے ہیں ان کا قول لائق التفات اور قابل توجہ نہیں اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کو ایک جماعت نے موقوفا ہی روایت کیا ہے مرفوعا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ہی زیادہ باقوت اور پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے۔ لأنه أسند من وجهين

(کشف الاستار شرح معانی الآثار ۱/۲۵۲،۲۵۳)

تیمم کی کیفیت کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی جو حدیث مروی ہے اس سلسلے میں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے اس پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت عمار کی اس حدیث کی سند کا اضطراب یوں ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کو عبد الرحمن بن ابزی سے، انہوں نے اپنے باپ ابزی انہوں نے عمار سے روایت کی۔

اور بعض لوگوں نے اس طرح روایت کیا:

"عن ابن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار".

اور امام شعبہ نے اسے اس طرح روایت کیا:

"عن الحكم عن ذر عن ابن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار".

اور ایک بار اس طرح روایت کیا:

"عن حصين عن أبي مالك عن عمار".

زائدہ نے اسی طرح اسے روایت کیا

اور شعبہ نے ایک مرتبہ اس طرح روایت کیا:

"عن الحكم عن ذر عن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار".

اور ایک بار اس طرح روایت کیا:

"عن سلمة عن ذر عن ابن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار".

اور اعمش نے اسے اس طرح روایت کیا:

"عن سلمة بن كهيل عن سعيد بن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار".

اور قتادہ نے اس طرح روایت کیا:

"عن عروة عن سعيد بن عبدالرحمن بن إبزى".

اور سفیان نے اس طرح روایت کیا:

"عن سلمة بن كهيل عن أبي مالك عن عبدالرحمن بن إبزى".

سند کے اضطراب کو ذکر فرما کر اس حدیث کے متن کا اضطراب تفصیلاً ذکر فرمایا جیسا کہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کا متن یوں مضطرب ہے کہ بعض راویوں نے کہا: الوجه والكفين اور بعض نے کہا مجھے یہ نہیں معلوم کہ دونوں ذراع تک مسح پہنچایا نہیں۔

اور بعض راویوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کا نصف ذراع تک مسح فرمایا۔ اور ابن ماجہ نے محمد بن ابی لیلیٰ قاضی کی جو حدیث روایت کی اس میں یہ وارد ہے:

"ومسح على وجهه".

اور اپنے چہرہ پر مسح فرمایا

حکم نے کہا: "ويديه" اور اپنے دونوں ہاتھوں کا مسح کیا اور سلمہ نے کہا: "ومرفقيه" (اپنی دونوں کہنیوں کا مسح فرمایا) اور ابوداود کی روایت میں ہے شعبہ نے کہا: سلمہ کہتے تھے:

"الكفين والوجه والذراعين"

اور ابو موسیٰ بن اسماعیل کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إلى المرفقين (دونوں کہنیوں تک مسح کرو)

اور دارقطنی نے روایت کیا کہ جب عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جسم کو خاک آلود کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تو خاک زمین پر اپنی ہتھیلی سے ضرب لگا کر اسے جھاڑا اور فرمایا:

"تمسح بها وجهك وكفيك إلى الرسغين".

اس سے اپنے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کا کہنیوں سمیت مسح کرو۔

اور طبرانی اوسط میں عمار سے یوں مروی ہے:

"تمسح وجهك وكفيك بالتراب ضربة للوجه وضربة للكفين".

اپنے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کرو، ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک ضرب دونوں ہتھیلیوں کے لیے۔

اور امام بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: إلى المرفقين. دونوں کہنیوں تک مسح کرو۔

تو یہ ساری روایتیں اس اختلاف کثیر کے باوجود اس بات پر متفق ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار

کو جو تیمّم کی تعلیم فرمایا اس میں یہ مذکور نہیں کہ دونوں بغلوں یا مونڈھوں تک مسح کرو تو عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مقالۂ اولی والوں نے جو استدلال کیا وہ ساقط ہوگیا۔ رہ گئی اس بات کی تحقیق کہ تیمّم دونوں گٹوں تک ہے یا دونوں کہنیوں تک تو عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث مختلف فیہ ہے تو اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ تیمّم میں مسح دونوں گٹوں تک ہے بلکہ اس سلسلے میں دوسری دلیل دیکھنا ضروری ہے امام شمس الائمہ سرخسی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں فرمایا: ہمارے علما اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کے قول میں تیمّم کہنیوں تک ہے اور امام اوزاعی اور اعمش نے کہا: دونوں گٹوں تک اور امام زہری نے فرمایا: بغلوں تک عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں یہ سب وارد ہے تو ہم نے آپ کی اس روایت کو ترجیح دی جس میں یہ ذکر ہے کہ "مرفقین" تک مسح کرو۔ اس ترجیح کا سبب دو حدیثیں ہیں ایک ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين".

تیمّم میں دو ضرب ہیں ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

اور دوسری اسلع کی یہ حدیث ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ تعلیم فرمایا:

"التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين".

تیمّم میں دو ضرب ہیں ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

اس ترجیح کا راز یہ ہے کہ تیمّم وضو کا خلف اور بدل ہے وضو میں کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے تو تیمّم کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ تیمّم میں سرے سے دو عضو ساقط ہیں صرف عضو باقی ہیں تو ان دونوں عضو کا تیمّم تمام اعضا کے وضو کے حکم جیسا ہوگا جیسا کہ سفر میں چار رکعت والی نماز سے دو رکعت ساقط ہے تو باقی رکعتیں صفت کمال پر قائم و برقرار ہیں اسی لیے علمائے کرام نے فرمایا تیمّم میں انگشتری نکالنا اور انگلیوں کا خلال کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعہ مسح مکمل ہوجائے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ تیمّم دونوں گٹوں تک ہے انھوں نے آیت سرقہ سے استدلال فرمایا اللہ عزوجل نے فرمایا:

"والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما".

چوری میں گٹے تک ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ چوری کی یہ حد عقوبت وسزا ہے اور باب عقوبات میں یقین ہی کو لیا جاتا ہے اور تیمّم عبادت ہے اور عبادات میں احتیاط کو لیا جاتا ہے۔

(کشف الاستار شرح معانی الآثار ۱/۲۵۵ تا ۲۵۷)

پتھر سے استنجا کیا محل کے لیے مطہر ہے؟

حدیث پاک میں پتھر وغیرہ سے استنجا کا حکم آیا ہوا ہے اس سلسلے میں علمائے کرام وفقہائے اعلام کا یہ اختلاف ہے کہ پتھر سے استنجا کرنے سے کیا محل پاک ہوجاتا ہے یا نجس ہی رہتا ہے؟ فقیہ اعظم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے احادیث کریمہ کی روشنی میں اس مقام کی تحقیق فرمائی اور مفتی بہ و معتمد قول کی توضیح فرمائی جیسا کہ فرماتے ہیں:

ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ پتھر سے استنجا کیا محل کے لیے مطہر ہے یا استنجا کے بعد بھی محل نجس ہی رہتا ہے قلیل نجاست تو ہمارے نزدیک معاف ہے۔ فریق ثانی اس کا قائل ہے کہ پتھر نجاست کو زائل نہیں کرتا اسی لیے پتھر سے استنجا کرنے والا آب قلیل میں داخل ہوجائے تو آب قلیل نجس ہوجاتا ہے اور امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں یہ کہہ کر اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ: کوئی قائل یہ کہہ کر اسے منع کرسکتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ شرع نے مسح کے سبب اس کی طہارت کو معتبر مانا ہو جیسا کہ شرع نے مسح کے سبب جوتے کی طہارت کو معتبر مانا ہے ان علمائے کرام نے بہت سے نظائر میں زمین کے بارے میں دونوں روایتوں کو جاری فرمایا ہے جب کہ زمین پر نجاست لگ جائے پھر وہ خشک ہوکر تر ہوجائے اور کپڑے سے منی کو کھرچ دیا جائے پھر وہ تر ہوجائے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ سبیل (محل استنجا) میں بھی جاری ہو مگر یہ کہ اس بات پر اجماع ہو کہ پتھر سے استنجا کرنے والا آب قلیل میں داخل ہوجائے تو وہ آب قلیل نجس ہوجائے گا پھر ان نظائر میں اکثر فقہا کا مختار یہ ہے کہ پانی نجس نہ ہوگا اور ان کے قول کا قیاس یہ چاہتا ہے کہ سبیل بھی (محل استنجا) نجس نہ ہو اور اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ پانی نجس نہ ہو پتھر سے استنجا کی صورت میں سبیل (محل استنجا) پر اگر پانی لگ جائے تو اس سلسلے میں فقہا کا صریح اختلاف موجود ہے، دو قولوں میں سے ایک قول پر پانی نجس نہ ہوگا اور متاخرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ پسینہ کے سبب نجس نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر سبیل (محل استنجا) سے پسینہ بہا اور کپڑے اور بدن پر درہم کی مقدار سے زیادہ لگا تو اس سے بدن اور کپڑا ناپاک نہ ہوگا جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ پتھر وغیرہ سے طہارت شرعی حاصل ہوجاتی ہے شارع نے اس طہارت کو معتبر قرار دیا ہے اس کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جسے دار قطنی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہڈی یا لید و گوبر سے استنجا کرنے سے منع فرمایا اور یہ فرمایا: "إنهما لايطهران" کہ ہڈی اور گوبر اور لید مطہر نہیں دار قطنی نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح کہا اس روایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ جس شی پر استنجا کا اطلاق ہوتا ہے وہ مطہر ہے اس لیے کہ اگر مطہر نہ ہو تو حدیث مذکور میں حضور کے ارشاد فرمودہ اس علت کے بحکم اس پر استنجا کا اطلاق نہ ہوگا یہ حکم اس وقت ہے جب کہ نجاست محل نجاست سے آگے نہ بڑھے ہمارے شیخ مجدد (سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ) نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ شرع نے دفع حرج کے لیے مخرج پر موجود نجاستوں کے لیے پتھروں کو مطہر قرار دیا ہے یہ حکم باقی بدن کے احکام کے برخلاف قیاس ہے صاحب حلیہ کے آداب وضو میں یہی تقریر فرمائی تو جو نجاست مخرج سے متجاوز ہوگی پتھر سے پاک نہ ہوگی صرف وہ خشک ہوجاتی ہے جب آب قلیل اس سے ملتا ہے تو اسے یہ فاسد و نجس کر دیتی ہے یہی تحقیق ہے جو کلمات کثیرہ شدیدۃ الاضطراب کے مطالعہ سے بندۂ ضعیف کو حاصل ہوئی ہے میں نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق (جد الممتار) میں اس تحقیق کو ذکر کیا ہے پھر (شیخ مجدد سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے) فتح القدیر امام ابن ہمام کی ذکر کردہ بحث کو ذکر فرما کر فرمایا کہ: البحر الرائق میں صاحب بحر نے اسی کی اتباع کی ہے اور نہر میں اسی کی تائید کی اور جامع الرموز میں فرمایا یہی اصح ہے

اور اس کے بعد فرمایا کہ طبرانی نے طبرانی کبیر میں بسند حسن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من استطاب بثلاثة أحجار ليس فيها رجيع كن له طهورا".

جس شخص نے ایسے تین پتھروں سے پاکی حاصل کی جن میں لید و گوبر نہ ہو تو وہ اس کے لیے مطہر ہیں۔

تو بحمد اللہ تعالی ہمارے مقصود کی تائید میں یہ نص صریح ہے اور علما نے فرمایا جیسا کہ غنیۃ وغیرہ میں ہے کہ درایت سے عدول نہ کیا جائے اگر روایت درایت کے موافق ہو تو کیوں کر وہاں عدول کیا جائے گا جہاں اختلاف تصحیح موجود ہے تو اسی قول پر اعتماد و تعویل ہونی چاہیے۔ وباللہ التوفیق اھ

یہ سارے احکام اس وقت ہیں جب کہ پتھروں سے استنجا کیا جائے لیکن جب ہڈی اور لید سے کیا جائے تو محل پاک نہ ہوگا بلکہ نجس ہی رہے گا جیسا کہ فتح القدیر میں امام ابن ہمام نے یہی افادہ فرمایا لیکن اگر یہ نجاست قلیل ہو تو معاف ہے اور اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

(کشف الاستار شرح معانی الآثار۔ ۱/۲۷۷ و ۲۷۸۔ از فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ، دائرۃ المعارف الامجدیہ)

انہیں پتھروں سے استنجا کے سلسلے میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث ذکر کی:

"كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم فأتى الغائط فقال ايتني بثلاثة أحجار فالتمست فلم أجد إلا حجرتين و روثة فألقى الروثة وأخذ الحجرين وقال إنها ركس".

میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا حضور اقدس اپنی حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو فرمایا: مجھے تین پتھر دیجیے میں نے تلاش کیا تو صرف دو پتھر اور لید کے سوا کچھ نہ پایا حضور نے لید کو پھینک دیا اور دونوں پتھروں کو قبول فرمالیا اور فرمایا: یہ ناپاک اور پلید ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر حافظ ابن حجر کا کلام اور امام طحاوی کے استدلال پر ان کی جرح ذکر فرمائی پھر حافظ ابن حجر کے کلام کا سخت رد فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ حنفیہ کے امام ابو جعفر طحاوی کا اپنے مذہب کی تائید میں استدلال حد درجہ قوی ہے اور استنجا میں تین پتھروں کی قید شرط نہیں اس مقام کی تحقیق انیق فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"حافظ ابن حجر نے فرمایا اس حدیث بالا سے امام طحاوی نے یہ استدلال فرمایا کہ تین پتھروں سے استنجا کرنا شرط نہیں اس لیے کہ اگر تین پتھروں کا استعمال کرنا شرط ہوتو حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تیسرا پتھر ضرور طلب فرماتے۔ حافظ ابن حجر نے امام طحاوی کے اس استدلال کا رد کرتے ہوئے کہا: کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی اس حدیث سے غافل ہیں جسے امام احمد نے اپنی مسند میں بطریق معمر ابو اسحٰق سے یوں روایت کیا: کہ علقمہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی حدیث میں یہ (زائد کلمات) روایت کیے کہ حضو اقدس نے اس لید کو پھینکنے کے بعد فرمایا:

"إنها ركس ايتني بحجر". یہ ناپاکی اور پلیدی

ہے مجھے دوسرا پتھر دیجیے۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ثبت ہیں۔ ابو شیبہ واسطی نے اس پر معمر کی متابعت کی ہے جو کہ ضعیف ہیں دار قطنی نے اس کی تخریج کی اور عمار بن رزیق جو ثقہ لوگوں میں سے ہیں انہوں نے ابو اسحٰق سے ان دونوں کی متابعت میں حدیث ذکر کی اور یہ کہا گیا ہے کہ علقمہ سے ابو اسحٰق کا سماع ثابت نہیں لیکن کرابیسی نے علقمہ سے ابو اسحٰق کا اس حدیث کا سماع ثابت کیا ہے اور اگر علقمہ سے ابو اسحٰق کا سماع ثابت نہ بھی ہو تو یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث مخالفین (حنفیہ) کے نزدیک حجت ہے اور ہمارے نزدیک بھی اس وقت حجت ہے جب کہ اسے قوت حاصل ہو جائے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حافظ ابن حجر کے اس استدلال کو تفصیلاً ذکر فرما کر اس کا روشن رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

علامہ عینی نے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ: امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی کو غافل کہنے والا خود غافل ہے امام اجل بھلا اس حدیث سے کیوں کر غافل ہوں گے جب کہ ان کے نزدیک علقمہ سے ابو اسحٰق کا سماع ثابت ہی نہیں تو امام طحاوی کے نزدیک یہ حدیث سرے سے منقطع ہے، اور یہ گفتگو علمائے محدثین کے اسلوب پر ہے اور ان حضرات محدثین کے نزدیک منقطع حدیث پر عمل جائز نہیں لہٰذا ابو شیبہ واسطی کی متابعت لائق اعتبار نہیں اس لیے کہ وہ ضعیف ہیں اور ابو الحسن بن قصار مالکی نے کہا کہ مروی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور اقدس کی خدمت میں تیسرا پتھر پیش کیا لیکن یہ صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ تین پتھروں کا استعمال شرط نہیں اس حدیث سے ان کا استدلال اپنی جگہ قائم ہے اس لیے کہ دو جگہ تین پتھروں پر اقتصار فرمایا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے تین سے کم حاصل ہوا۔ اھ

اور اگر ابو اسحٰق سے امام احمد کی یہ زائد روایت: "ایتني بحجر" علمائے محدثین کے نزدیک ثابت ہوتی تو امام ترمذی باب الاستنجاء بالحجرین (دو پتھروں سے استنجا کا باب) قائم نہ فرماتے اور نہ ہی امام نسائی باب کا عنوان "الرخصة في الاستطابة بالحجرين" (دو پتھروں سے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کا بیان) رکھتے ان دونوں حضرات کا یہ عنوان قائم فرمانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ علمائے محدثین کے نزدیک امام احمد کی روایت میں "ایتني بحجر" (مجھے تیسرا پتھر دیجیے) کی زیادتی ثابت نہیں۔

حافظ ابن حجر کے استدلال مذکور کا روشن رد فرما کر فرمایا:

حافظ ابن حجر نے فرمایا: امام طحاوی کا استدلال بھی محل نظر ہے اس لیے کہ یہ احتمال ہے کہ حضور اقدس نے تین پتھروں کے طلب میں پہلے ہی امر پر اکتفا فرمایا ہو اس لیے اسی امر سابق پر اکتفا فرما کر تیسرے پتھر کے طلب کے لیے امر نہ فرمایا، یا ان پتھروں میں سے ایک پتھر کے کنارے کو تیسری بار استعمال فرمانے پر اکتفا فرمایا ہو اس لیے کہ تین پتھروں سے استنجا کا مقصود دراصل یہ ہے کہ تین بار اس سے پاکی حاصل کی جائے اور صورت دائرہ میں یہ حاصل ہے اگر چہ ایک ہی پتھر سے تین بار پاکی حاصل کرے اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی پتھر کے ایک کنارے سے پاکی حاصل کر کے اسے پھینک دیا پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے اسی پتھر کا دوسرا

کنارے پیش کیا تو یہ بلا کسی اختلاف کے کفایت کرے گا۔

علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: کہ امام طحاوی نے اپنے مذہب کی تایید و تقویت میں صریح نص سے استدلال فرمایا اور صریح نص کا استدلال احتمال بعید سے کیوں کر مدفوع ہوگا، اور حافظ ابن حجر کا یہ کہنا: ''اس لیے کہ تین پتھروں کے استعمال کا مقصد یہ ہے کہ ان سے تین بار پاکی حاصل کی جائے'' یہ خود ان کے استدلال کے منافی ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک پتھروں میں عدد (تین پتھروں کا استعمال) شرط ہے اس لیے کہ یہ لوگ حضور اقدس کے ظاہر ارشاد سے استناد کرتے ہیں:

''ولا يستنج أحدكم بأقل من ثلاثة أحجار''

اور تم میں سے کوئی شخص تین پتھروں سے کم سے استنجا نہ کرے۔

اور حافظ ابن حجر کا یہ کہنا: ''ایک ہی پتھر کے تین کناروں کو تین بار استعمال کرنے سے مقصود حاصل ہے'' صریح حدیث کے مخالف ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے علامہ عینی کا جواب ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

وأنا أقول: حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ یہ تاویل حد درجہ بعید ہے اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ نظافت و پاکیزگی فرماتے آپ کی ذات پاک کی طرف کیوں کر یہ نسبت کی جا سکتی ہے کہ حضور اقدس نے ایک پتھر کو دو یا تین بار استعمال فرمایا ہو۔

اس محققانہ کلام کے بعد مزید تحقیق و توضیح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''خود یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس کوئی پتھر نہ تھا بلکہ وہاں کوئی تیسرا پتھر موجود نہ تھا اس لیے کہ اگر وہاں تیسرا پتھر موجود ہوتا تو صحابی جلیل حضور اقدس کے اس ارشاد کے بعد ضرور اسے پیش کرتے اور لید نہ لاتے اس لیے کہ حضور اقدس نے انہیں تین پتھر لانے کا حکم دیا تھا دو پتھر اور لید لانے کا حکم نہ دیا تھا اس واضح ارشاد کے بعد بھی جب دو پتھر اور لید لے کر آئے تو معلوم ہوا کہ وہاں کوئی تیسرا پتھر موجود نہ تھا لہٰذا علقمہ سے ابو اسحاق کی یہ روایت بھی ساقط ہو گئی کہ: لید پھینکنے کے بعد حضور اقدس نے دوبارہ انہیں یہ حکم فرمایا: ''ايتني بحجر'' (مجھے پتھر لا کر دیجیے) نیز حافظ ابن حجر کا یہ کلام بھی ساقط ہو گیا کہ: طلب (امر سابق) پہلے سے موجود ہے اس لیے جدید طلب کی چنداں ضرورت نہیں اس کلام کے ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہاں تیسرا پتھر موجود ہوتا تو ضرور اسے پیش کرتے اور لید اور دو پتھر لے کر نہ آتے''۔

(کشف الاستار شرح معانی الآثار۔ ۱/۲۷۲ تا ۲۷۵۔ از فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ، دائرۃ المعارف الامجدیہ)

جنبی کا سونے سے پہلے وضو کرنے کی بحث:

امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے ابو اسحاق سے بروایت اسود بن یزید تخریج کیا کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا:

''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجنب ثم ينام ولا يمس ماء حتى يقوم بعد ذالك فيغتسل''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت لاحق ہوتی پھر سو جاتے اور پانی کے قریب نہ جاتے یہاں تک کہ نیند سے

بیدار ہوکر غسل فرماتے۔

اس حدیث کی مختلف سندیں ذکر فرما کر فرمایا کہ: بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جنابت والا اگر جنابت کے بعد بغیر وضو کے سو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ وضو جنابت سے پاک نہیں کرتا اور دوسرے حضرات کی رائے اس کے بر خلاف ہے اس لیے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ سونے سے قبل وضو کر لینا چاہیے اور ان لوگوں نے کہا کہ: یہ حدیث غلط ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر محققانہ شاندار بحث فرمائی اور فرمایا کہ:

حفاظ حدیث کا اس حدیث کو غلط قرار دینا ابو اسحٰق سبیعی کی تدلیس کے سبب نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایک طویل حدیث کو مختصر کر کے روایت کیا جیسا کہ خود امام طحاوی نے اس کو بیان فرمایا اس مقام کی تحقیق و تدقیق فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: امام ترمذی نے فرمایا: شعبہ اور ثوری اور بہت سے علمائے محدثین نے یہ حدیث ابو اسحاق سے روایت کی اور ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث ابو اسحاق کی جہت سے غلط ہے اور ابو داود نے فرمایا: حسین واسطی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے یزید بن ہارون سے یہ فرماتے سنا کہ ابو اسحاق کی حدیث میں وہم ہے اور ان سے یہ روایت صحیح نہیں اور مدینی نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ: صحیح نہیں ہے، میں نے کہا: کیوں؟ تو کہا: اس لیے کہ شعبہ نے حاکم سے بروایت ابراہیم عن الاسود روایت کیا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے اور جنابت کی حالت ہوتی تو نماز جیسا وضو فرماتے۔

میں نے کہا: یہ اختلاف کہاں سے آیا؟ تو کہا: ابو اسحاق کی جانب سے۔ انہوں نے فرمایا اور میں نے احمد بن صالح سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: یہ روایت کرنا حلال نہیں اور ابو علی طوسی نے ویسا ہی فرمایا جیسا کہ امام ترمذی نے کہا۔ اور ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: سفیان نے فرمایا: میں نے ایک دن یہ حدیث ذکر کی تو اسماعیل نے مجھ سے کہا: اے نوجوان! یہ حدیث ذرا شاذ ہے اور ایک جماعت اس حدیث کی تصحیح کے در پے ہے ان تصحیح کرنے والوں میں دار قطنی ہیں کیوں کہ انہوں نے فرمایا: اشبہ یہ ہے کہ یہ دونوں خبریں صحیح ہوں اس لیے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بسا اوقات غسل کو مقدم کر کے اور کبھی موخر کر کے روایت کیا جیسا کہ عفیف اور عبد اللہ بن ابی قیس وغیرہما نے عائشہ سے ایسا ہی بیان کیا اور اسود نے عائشہ سے اسے حفظ رکھا تو ابو اسحاق نے ان سے وضو اور غسل کی تاخیر کا حفظ رکھا اور ابراہیم اور عبد الرحمٰن نے غسل پر وضو کی تقدیم کو حفظ رکھا اور ان تصحیح کرنے والوں میں امام بیہقی بھی ہیں اور ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو اسحاق کی حدیث از روئے روایت صحیح ہے اور وہ یوں کہ اسود سے ان کا سماع اس روایت میں بیان کر دیا گیا جو زہیر نے ان سے روایت کی اور مدلس نے جس سے روایت کی ہے جب اس سے اپنا سماع بیان کر دے اور ثقہ ہے تو بلا وجہ اسے رد نہ کیا جائے گا ان دونوں روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق اس طریقہ پر کی جا سکتی ہے جس کا احتمال ہے ابو العباس بن شریح نے ان دو روایتوں کے درمیان بہتر جمع و تطبیق پیش کی ہے ان سے اس حدیث اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث:

" أينام أحدنا وهو جنب قال نعم إذا توضأ"

کیا ہم میں سے کوئی بحالت جنابت سوسکتا ہے فرمایا:
ہاں جب وضو کرلے۔

کے متعلق پوچھا گیا اور حکم نے ان دونوں کے متعلق کہا رہی عائشہ کی حدیث تو صرف آپ کی مراد یہ ہے کہ غسل کے لیے پانی نہ چھوئے اور رہی عمر کی حدیث:

" أينام أحدنا وهو جنب قال نعم إذا توضأ"

کیا ہم میں سے کوئی بحالت جنابت سوسکتا ہے؟ فرمایا:
ہاں جب وضو کرلے۔

تو یہ مفسر ہے جس میں وضو کا ذکر ہے اور ہم اسی حدیث کو لیتے ہیں۔

اور ان تصحیح کرنے والوں میں ابن قتیبہ بھی ہیں کیوں کہ انہوں نے کہا: دونوں چیزیں واقع ہوسکتی ہیں تو فعل (وضو فرمانا) بیان استحباب کے لیے ہے اور ترک (وضو نہ فرمانا) بیان جواز کے لیے ہے اور اس کے علمائے محدثین نے یہ فرمایا کہ: ہمارے پاس ابواسحاق کی حدیث کے شواہد ومتابع موجود ہیں۔ متابعت کرنے والے عطا اور قاسم اور کریب اور دستوائی ہیں جیسا کہ ابواسحاق حرمی نے "کتاب العلل" میں ذکر کیا اور اس بارے میں ان تمام توجیہات سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ ابواسحاق کی حدیث صحیح ہے اس وجہ سے کہ ان روایت وموافقت کرنے والوں نے یہ خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسود کو یہ خبر دی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات وضو فرمالیتے اور کبھی صبح تک وضو اور غسل میں تاخیر فرماتے تو اسود نے ابراہیم کو یہ خبر دی کہ حضور اقدس وضو فرماتے اور ابواسحاق کو یہ خبر دی کہ صبح تک وضو وغسل میں تاخیر فرماتے اس حدیث کی یہ سب سے بہتر توجیہ ہے (عینی ۳/۲۴۴)

علامہ عینی کی اس بحث کو ذکر فرمانے کے بعد فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے "أقول" فرما کر ارشاد فرمایا کہ علامہ عینی نے جس توجیہ کو سب سے بہتر توجیہ کہا وہ توجیہ میرے نزدیک حسن بلکہ سرے سے صحیح بھی نہیں ہے جیسا کہ اس کے روشن دلائل ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

أقول: علامہ عینی نے جس توجیہ کو سب سے بہتر توجیہ قرار دیا وہ میرے نزدیک حسن بلکہ صحیح بھی نہیں اور امام دارقطنی نے جو یہ فرمایا کہ: عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسود کو دو چیزوں کی خبر دی جیسا کہ عفیف اور عبداللہ بن قیس نے اسے بیان کیا تو ان دو چیزوں میں سے ایک چیز ابواسحاق نے حفظ رکھی اور ابراہیم وغیرہ نے دوسری چیز حفظ رکھی تو یہ بھی درست نہیں اس لیے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جن دو چیزوں کی خبر دی عفیف کی روایت میں یہ دونوں چیزیں نہیں بلکہ وہ دونوں چیزیں یہ ہیں: رات کے ابتدائی اور آخری حصہ میں غسل فرمانا۔ رہا وضو کا موخر فرمانا تو ان دونوں میں سے کسی کی روایت میں نہیں جیسا کہ امام نسائی نے اپنے سنن میں ان دونوں حدیثوں کو اپنی اس سند کے ساتھ اس طرح ذکر کیا:

"عن عبدالله بن أبي قيس قال سألت عائشة كيف كان نوم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الجنابة أ يغتسل قبل أن ينام أو ينام قبل

أن يغتسل؟ قالت كل ذالک قد كان يفعل ربما اغتسل فنام وربما توضأ فنام".

عبداللہ بن ابی قیس فرماتے ہیں: میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت جنابت کس طرح سوتے کیا سونے سے قبل غسل فرماتے یا غسل سے قبل محو استراحت ہوتے؟ آپ نے فرمایا: حضور اقدس دونوں فرماتے کبھی غسل فرما کر محو خواب ہوتے اور کبھی وضو فرما کر سوتے۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن ابی قیس سے اسی طرح اس اضافہ کے ساتھ روایت فرمایا:

"قلت الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة".

میں نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے اس معاملہ میں وسعت وکشادگی رکھی۔

اور نسائی نے بھی عفیف کی حدیث اپنے سنن میں اس طرح روایت کیا:

"قال دخلت على عائشة فسألتها فقلت أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل من أول الليل واخره؟ قالت: كل ذالک قد كان ربما اغتسل من أوله وربما اغتسل من اخره قلت: الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة"

انھوں نے فرمایا میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں پہنچا آپ سے یہ کہہ کر سوال کیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ابتدائی یا آخری حصہ میں غسل فرماتے تھے؟ آپ نے فرمایا: دونوں طرح فرماتے تھے کبھی ابتدائی شب اور کبھی آخری شب میں غسل فرماتے میں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ عزوجل کی جس نے اس معاملہ میں وسعت وکشادگی رکھی۔

اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث جسے عبداللہ بن ابی قیس اور عفیف نے روایت کی اس میں وضو کی تاخیر کا ذکر نہیں بلکہ عبداللہ بن ابی قیس کی وہ روایت جسے امام نسائی ومسلم نے ذکر کیا اس میں سونے سے قبل وضو کا ذکر ہے تو اسود کی روایت ان دونوں روایتوں پر کیوں کر محمول ہوگی۔

نیز ابو اسحاق کی طویل حدیث جسے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے ذکر کیا جس میں یہ الفاظ روایت ہیں:

"وإن كان جنبا توضأ وضوء الرجل للصلاة".

اور اگر جنابت کی حالت ہوتی تو وضو فرماتے جس طرح انسان نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔

یہ اس کے منافی ہے جسے امام دارقطنی نے کہا ممکن ہے ان کے کلام کی کوئی بنیاد ہو جو مجھے حاصل نہ ہوسکی۔

اس محققانہ محدثانہ کلام کے بعد ابو اسحاق کی تغلیط حدیث کی وجہ بیان فرمائی جیسا کہ فرماتے ہیں:

أقول: حفاظ حدیث نے ابو اسحاق سبیعی کی روایت کردہ حدیث کو جو غلط قرار دیا اس تغلیط کی وجہ ان کی تدلیس نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک طویل حدیث کو مختصراً ذکر کیا اس طویل حدیث میں یہ زیادتی ہے:

"وإن كان جنبا توضأ وضوء الرجل للصلاة"

اور اگر جنابت کی حالت ہوتی تو وضو فرماتے جس طرح انسان نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔

امام طحاوی نے اس زیادتی کو اس سند کے ساتھ روایت کیا جس میں زہیر نے ابو اسحاق سے روایت کیا سفیان وغیرہ

کی روایت میں ابواسحاق کی حذف کردہ زیادتی اس حقیقت کو واشگاف کرتی ہے کہ پانی نہ چھونے سے حضور اقدس کا غسل نہ فرمانا مراد ہے ابواسحاق نے جب اس حدیث میں اختصار کیا اور اس زیادتی کو حذف کیا تو یہ وہم ہوا کہ حضور اقدس کے پانی نہ چھونے سے مراد وضو نہ فرمانا ہے اور یہ دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے بالکل برخلاف ہے۔

رہا امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ: حفاظ حدیث نے اس لفظ میں طعن کیا انہیں یہ وہم ہوا کہ یہ لفظ اسود کے علاوہ سے ماخوذ ہے اور ابواسحاق بسا اوقات تدلیس کرتے ہیں جس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ابواسحاق سبیعی کی تدلیسات سے ہے تو یہ ایسا وہم ہے جس کی بنیاد کسی دلیل پر قائم نہیں کیوں کہ ثقہ راوی اگرچہ مدلس ہو اگر وہ یہ بیان کردے کہ اس نے مروی عنہ سے یہ حدیث سنی ہے تو اسے اس کی تدلیسات سے شمار نہ کیا جائے گا اور امام بیہقی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ ابو اسحاق سبیعی کی حدیث از روئے روایت صحیح ہے انہوں نے یہاں تک فرمایا: "فلا وجه لرده " بلاوجہ اسے رد نہیں کیا جاسکتا۔ ان تمام تحقیقات سے یہ حقیقت الم نشرح ہوگئی کہ حفاظ حدیث کا اس حدیث کو غلط قرار دینا ابواسحاق کی تدلیسات کے سبب نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایک طویل حدیث کو مختصراً ذکر کیا جیسا کہ حنفیہ کے امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے اسے واشگاف فرمایا۔

اور رہا بعض لوگوں کا یہ وہم کہ ابواسحاق نے یہ سمجھا کہ حاجت سے وطی کی حاجت مراد ہے تو انہوں نے حدیث کا معنی اپنے فہم کے اعتبار سے نقل کیا صرف حالت حدث ہی مراد ہے تو یہ وہم حفاظ بھی باطل ہے حدیث کا لفظ اس کی موافقت ومساعدت نہیں کرتا ہے۔

اس کے بعد ان دونوں حدیثوں کے درمیان ایسی جمع وتطبیق پیش کی جو ممکن اور مناسب مقام ہے جیسا کہ رقمطراز ہیں:

''ان دونوں حدیثوں میں اس طرح جمع وتطبیق ممکن ہے کہ عدم مس ماء (پانی نہ چھونے سے) حضور اقدس کا غسل نہ فرمانا مراد ہے یا یہ مراد ہے کہ بعض اوقات بیان جواز کے لیے وضو نہ فرماتے تھے۔ جمع وتطبیق کی یہ دونوں صورتیں ابواسحاق سبیعی کی حدیث کی تغلیط سے اولی ہیں اس لیے کہ سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے بھی موطا میں اس حدیث کو اس طرح روایت فرمایا:

" أخبرنا أبو حنيفة عن أبي إسحاق السبيعي عن الأسود بن يزيد عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصيب من أهله ثم ينام ولا يمس ماء فإن استيقظ من اخر الليل عاد واغتسل . قال محمد: هذا الحديث أرفق بالناس وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى"

امام محمد فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے بروایت ابواسحاق سبیعی مجھے یہ خبر دی کہ اسود بن یزید نے روایت کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہل سے مقاربت فرماتے پھر محو خواب ہوتے اور پانی استعمال نہ فرماتے اگر رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوتے واپس آکر غسل فرماتے۔ امام محمد نے

فرمایا: اس حدیث میں لوگوں کو زیادہ آسانی ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے۔

حب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے اس حدیث کو معتبر قرار دیا اور اسے امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا قول قرار دیا تو اس حدیث کو غلط قرار دینا بے معنی ہے"۔

(کشف الاستار شرح معانی الآثار ۱/ ۲۸۰ تا ۲۸۸)

اس اعلی تحقیق و تدقیق سے فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی محدثانہ شان آفتاب روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔ حفاظ حدیث کی بحثوں میں ایسی غائرانہ تحقیق وکامل تدقیق وہی کرسکتا ہے جسے علم حدیث میں دستگاہ تام اور یدطولی حاصل ہو۔

ہر فقیہ محدث ہوتا ہے:

کشف الاستار میں ایسی ایک دونہیں بلکہ صدہا حدیثیں موجود ہیں جس کا جی چاہے دقیق نظروں سے مطالعہ کرے حدیث دانی کا دعوی کرنا آسان ہے، بالاخانیاں بہت سے لوگ کرتے ہیں۔مگران کی حدیث دانی کا جب پردہ چاک کیا جاتا ہے تو برہنہ تن نظر آتے ہیں۔ آپ فقہ وافتا اور حدیث وغیرہ علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔مگر فقیہ اعظم کا روشن لقب ایسا شہرۂ آفاق ہوا کہ دنیا آپ کو فقیہ اعظم سے یاد کرتی ہے۔فقاہت خود وہ عظیم دولت اور گراں قدر سرمایہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین"

اللہ عز وجل جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنادیتا ہے۔

فقہائے عظام احادیث کریمہ سے جو گراں قدر جوہر نکالتے ہیں محض محدثین کی نظریں ان تک نہیں پہنچتیں۔فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس تحقیق بلیغ سے یہ آشکارا ہے کہ فقیہ ومجتہد اگر کسی حدیث کو معتبر قرار دے اور اسے اپنا قول ٹھہرائے تو اس حدیث کو غلط قرار دینا بے معنی ہے دراصل اس کی وجہ وہ ہے جسے مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

حضرت امام اجل سلیمان اعمش کہ اجلۂ تابعین وامام محدثین سے ہیں حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالی عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد، اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے استاذ ہیں ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے اس وقت امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش نے ہمارے امام سے فتوی لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراجواب دیا، امام اعمش نے کہا: یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سنیں، اور وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے کہا:

حسبک ما حدثتک بہ فی مائۃ یوم تحدثنی بہ فی ساعۃ واحدۃ ما علمت أنک تعمل بھذہ الأحادیث یا معشر الفقھاء أنتم الأطباء ونحن الصیادلۃ وأنت أیھا الرجل أخذت بکلا الطرفین"۔

بس کیجیے میں نے جو حدیثیں آپ سے سو (۱۰۰) دن میں بیان کیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنادیتے ہیں مجھے معلوم

نہ تھا آپ ان احادیث پر یوں عمل کرتے ہیں اے مجتہدو! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور اے ابو حنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔ (فتاوی رضویہ ۴/۴۴۸)

مزید فرماتے ہیں:

محدث و مجتہد کی نسبت عطار و طبیب کی مثل ہے، عطار دواشناس ہے، اس کی دوکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالامال ہے مگر تشخیص مرض و معرفت علاج و طریق استعمال طبیب کا کام ہے، عطار کامل اگر طبیب حاذق کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے۔ (فتاوی رضویہ ۱۴/۴۴۷)

نیز فرماتے ہیں:

امام اعمش سے بدرجہا اجل و اعظم ان کے استاذ اکرم، اقدم، امام عامر شعبی جنھوں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، حضرت امیر المومنین مولی علی، سعد ابن ابی وقاص، سعید بن زید، ابو ہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عمران بن حصین، جریر بن عبداللہ، مغیرہ بن شعبہ، عدی بن حاتم اور امام حسن و امام حسین وغیرہم بہ کثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے استاذ ہیں جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں:

"بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو"۔

ایسے امام والا مقام باآں جلالت شان فرماتے ہیں:

" إنا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه للفقهاء من إذا علم عمل"

(فتاوی رضویہ ۴/۴۴۸)

ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی کریں گے"۔

فقیہ فقید المثال مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا کے اس ارشاد سے یہ واشگاف کرنا مقصود ہے کہ فقیہ جب کسی حدیث کی توضیح و تشریح، تحقیق و تدقیق، تایید و ترجیح اور نکتہ آفرینی کرتا ہے تو غیر فقیہ کی تحقیق و تدقیق سے اس کا پایہ بلند ہوتا ہے دراصل وجہ وہی ہے کہ احادیث کے معانی پر فقہا کی نظر حد درجہ دقیق ہوتی ہے ان کے مدارک عالیہ غایت درجہ بلند ہوتے ہیں جب کوئی فقیہ کسی حدیث کی تحقیق و تدقیق کرتا ہے تو ایسے گوہر آب دار فراہم کرتا ہے کہ غیر فقیہ و مجتہد اس فقیہ محدث کے مدارک عالیہ تک پہنچنے سے معذور ہوتے ہیں کہ فقیہ دونوں کناروں کو گھیرے ہوتا ہے اسی لیے اگر وہ حدیث کو معتبر قرار دے اور اسے اپنا قول قرار دے تو اسے غلط قرار دینا بالکل بے معنی ہے۔ کشف الاستار شرح معانی الآثار میں ایسے گوہر آب دار ضرور ملیں گے جن سے حضرت فقیہ اعظم کی علم حدیث میں بلندی شان واشگاف ہوتی نظر آئے گی، راویان حدیث کی تعدیل و توثیق، جرح و طعن، مذہب حنفی کی تایید و ترجیح، احادیث کے مشکل معانی کا روشن حل، تحقیقات و تدقیقات کے گوہر آبشار سے یہ شرح مالامال ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے سیدنا ابو

سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث تخریج کی:

" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا أتی أحدکم أھله ثم أراد أن یعود فلیتوضأ"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب اپنی اہل کے پاس آئے پھر وہ دوبارہ اس کے پاس آنا (مقاربت ومجامعت کرنا) چاہے تو وضو کرلے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر ایک نفیس بحث فرمائی کہ یہ وضو واجب ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے اسی حدیث سے وجوب پر استدلال کیا یا وجوب پر محمول نہیں بلکہ اس سے استحباب مراد ہے پھر یہ نماز کا وضو ہے یا لغوی وضو مراد ہے تحقیق مقام فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مذکور امام مسلم نے اپنی صحیح اور ابوداود اور بیہقی اور ابن ماجہ اور ترمذی نے سنن میں تخریج کی، اور امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ: یہ وضو واجب ہے یہ بعض لوگ ابن حبیب مالکی اور داود ظاہری ہیں اور ابن حزم نے کہا: عطا، ابراہیم، عکرمہ، حسن اور ابن سیرین کا بھی یہ قول ہے۔

اور جمہور نے کہا: دونوں جماع کے درمیان وضو واجب نہیں، اور اس حدیث میں وضو استحباب پر محمول ہے اس سے وضو کا وجوب مراد نہیں جمہور کی دلیل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث پاک ہے:

" إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجامع ثم یعود ولا یتوضأ".

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے مقاربت فرماتے پھر دوبارہ مجامعت فرماتے اور وضو نہ فرماتے۔

ابوعمر نے کہا: میرے علم میں اصحاب ظواہر کے علاوہ اہل علم میں کوئی ایسا شخص نہیں جو اس وضو کو واجب قرار دے، اور علامہ عینی نے کہا: ابن شیبہ نے اپنی مصنف میں محارب بن دثار سے روایت کیا کہ میں نے ابن عمر سے فرماتے سنا:

" إذا أراد أن یعود توضأ".

جب دوبارہ مجامعت فرمانا چاہتے تو وضو فرماتے۔

اور وکیع نے ہم سے یہ بیان کیا کہ عمر بن ولید نے فرمایا: میں نے ابن محمد سے یہ فرماتے سنا: "إذا أراد أن یعود توضأ" اور عطار سے بھی اسی طرح مروی ہے رہا ابن حزم کا حسن اور ابن سیرین کی طرف یہ منسوب کرنا کہ یہ حضرات وضو کے وجوب کے قائل ہیں تو یہ نسبت مردود ہے اس لیے کہ ابن ابو شیبہ نے اپنی مصنف میں فرمایا کہ: ابن ادریس نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام نے یہ روایت کیا کہ حسن سے یہ مروی ہے کہ ان کی رائے یہ تھی کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرکے پھر وضو سے پیشتر اس سے دوبارہ جماع کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ابن سیرین فرماتے تھے میرے علم میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ایسا صرف اس لیے فرمایا گیا کہ دوبارہ جماع کے لیے وضو کرلینا زیادہ لائق ومناسب ہے امام ترمذی نے فرمایا: اور دونوں جماع کے درمیان وضو نہ کرنا بہت سے اہل علم کا قول ہے

جن میں حسن بصری ہیں ان کی رائے یہ تھی کہ وضو سے پیشتر دوبارہ جماع کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں۔

اور اسحاق ابن راھویہ سے یہ منقول ہے کہ حدیث مذکور میں دو جماع کے درمیان جس وضو کا ذکر ہے وہ لغوی وضو پر محمول ہے یہ بالکل ساقط و مردود ہے اس لیے کہ ابن خزیمہ نے حدیث مذکور میں یہ روایت کیا:

"ولیتوضأ وضوء ہ للصلاۃ".

اور وضو کرے، جس طرح نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔

اور ان کے نزدیک یہ لفظ بھی مروی ہے:

"فھو أنشط للعود"

کہ وضو سے دوبارہ جماع میں نشاط حاصل ہوتی ہے۔

اور حاکم نے لفظ "وضوء ہ للصلاۃ"، کو صحیح قرار دیا پھر فرمایا کہ: تنہا شعبہ نے عاصم سے یہ لفظ روایت کیا اور آپ جیسی بلند پایہ شخصیت کی تنہا روایت شیخین کے نزدیک مقبول ہے۔

امام ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مذکور:

"إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجامع ثم یعود ولا یتوضأ".

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ جماع سے پیشتر وضو نہ فرماتے۔

کو سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا ناسخ قرار دیا جس میں دوبارہ جماع سے پیشتر وضو کا ذکر ہے فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر یہ فرمایا کہ: امام طحاوی کا اس حدیث کو ناسخ قرار دینا اس وقت ہے جب کہ سیدنا ابو خدری کی حدیث مذکور میں دوبارہ جماع سے پہلے وضو سے وضو کا وجوب مراد ہو جیسا کہ بعض لوگوں نے یہی سمجھا لیکن جب اس وضو سے وضو کا مستحب ہونا مراد ہو جیسا کہ یہی جمہور کا قول ہے تو نسخ کے قول کی کوئی حاجت نہیں کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اس لیے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں "فلیتوضأ" سے وضو کے استحباب کا بیان ہے اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں "ثم یعود ولا یتوضأ" (پھر دوبارہ جماع کے لیے وضو نہ فرماتے) سے ترک وضو کے جواز کا بیان ہے اس لیے سیدنا ابو سعید خدری اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں کوئی منافات اور کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں۔

صدر الشریعہ۔ اور فن اسماء الرجال:

علم حدیث کا ایک اہم جز علم اسماء الرجال ہے علمائے جرح و تعدیل نے اس فن میں گراں قدر قلمی یادگاریں چھوڑیں ہیں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اس فن میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ کس راوی کا کیا نام ہے، وہ ثقہ اور مقبول ہے یا قابل طعن ہے ان تمام گوشوں پر آپ عمیق نظر رکھتے۔ راویان حدیث میں ایک راوی حصین حمرانی اور دوسرے ابو سعید خیر ہیں یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں یا دو الگ الگ راوی ہیں بہر حال دونوں مجہول یا ثقہ اور مقبول ہیں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر محدثین کرام کے کلمات و ارشادات کو ذکر فرما کر اپنی گراں قدر تحقیق تحریر فرمائی جیسا کہ فرماتے ہیں:

"قوله عن حصين الحبرانی عن أبی سعید هو أبو سعید الخیر" ابوعمرو بن حزم اور امام بیہقی نے فرمایا:

اس حدیث کی اسناد قائم نہیں اس سند میں دو مجہول راوی ہیں (۱) حصین حُبرانی اور (۲) ابوسعید خیر، اور بعض لوگوں نے کہا: ابوسعید خیر علامہ عینی نے کہا: یہ کلام ساقط الاعتبار ہے اس لیے کہ ابوزرعہ دمشقی نے "حصین" کے بارے میں کہا: "هذا شیخ معروف" یہ معروف ومشہور شیخ ہیں، اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں کہا: "لا أعلم إلا خیرا" مجھے خیر کے سوا کچھ معلوم نہیں، اور ابوحاتم رازی نے کہا: شیخ ہیں اور ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا "تهذیب التهذیب" میں کہا: حصین حمیری اور حبرانی کہا جاتا ہے اور حبران حمیر کا ایک بطن ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ حصین بن عبدالرحمٰن ہیں جنہوں نے ابوسعید حبرانی سے روایت کیا، اور کہا جاتا ہے کہ ابوسعید حمصی سے روایت کیا اور ان سے ثور بن یزید حمصی نے روایت کیا ان دونوں راویوں نے ان کے لیے ایک حدیث تخریج کی:

"من اکتحل فلیوتر".

جو سرمہ لگائے تو طاق عدد لگائے۔

میں کہتا ہوں: ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر فرمایا اور لیکن ابوسعید خیر تو ابوداود اور یعقوب بن سفیان اور عسکرین اور ابن بنت منیع نے اخرین میں کہا کہ: یہ صحابہ میں سے ہیں اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی اور ابوسعید کو کتاب الصحابہ میں ذکر کیا اور ان کا نام عامر ذکر کیا اور بغوی نے ان کا نام عمرو ذکر کیا اور صاحب التہذیب نے ان کا نام "زیاد" ذکر کیا، اور بخاری نے ان کا نام "سعد" ذکر کیا۔ تہذیب التہذیب میں کہا: ابو سعید حبرانی حمیر حمصی اور کہا جاتا ہے "ابوسعید خیر" اور کہا جاتا ہے کہ: یہ دونوں دو راوی ہیں انھوں نے ابو ہریرہ سے یہ حدیث روایت کی:

"من اکتحل فلیوتر".

جو سرمہ لگائے تو طاق عدد لگائے۔

اور ان سے حصین حبرانی نے روایت کیا جنھیں ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: (حضرت صدر الشریعہ) درست یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ راوی حدیث ہیں اس لیے کہ امام بخاری، ابوحاتم، ابن حبان، بغوی، ابن قانع، اور ایک جماعت نے ان کے صحابی ہونے پر نص جلی فرمادیا ہے اور رہے ابوسعید حبرانی تو بلاشبہ تابعی ہیں صرف بعض راویوں کو وہم ہوا تو ابوسعید خیر سے مروی حدیث میں کلام کیا اور شاید یہ حذف وتصحیف ہے۔ (کشف الاستار شرح معانی الآثار ۱/۱۷۷۔ دائرۃ المعارف الامجدیہ)

علم حدیث کے ان تحقیقی جواہر پاروں سے کشف الاستار شرح معانی الآثار مالا مال ہے میں نے چند شواہد اس لیے ذکر کردیے تاکہ فن حدیث میں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جلالت شان روز روشن سے زیادہ واضح ہوجائے ہر ذی شعور، عاقل وذی فہم ان جواہر پاروں کو دیکھ کر یہی کہے گا کہ آپ نہ صرف فقیہ اعظم بلکہ محدث اعظم ہیں۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ
اور خدمت حدیث

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی
جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو

باسمہ تعالیٰ وحمدہ

احادیث وآثار کے منطوق ومفہوم کی وضاحت، ان کی صحت اور حسن وضعف کی جانچ، پرکھ اور راویان حدیث کی جرح وتعدیل پر نظر کے اعتبار سے امام ابو جعفر طحاوی حنفی قدس سرہ العزیز متوفی ۳۲۱ھ کا پایہ بہت بلند تھا۔ انہوں نے شرح معانی الآثار میں احادیث وآثار سے استدلال کا ایسا مؤثر طریقہ اختیار فرمایا جو اہل علم کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دلوں کا سرور ثابت ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء ومحدثین نے اس عظیم الشان کتاب کی شروح وحواشی کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی، تاکہ اس کی افادیت اور اس کی تحقیقات سے عام اہل علم اور ارباب فکر و دانش کو واقف کرایا جا سکے اور حنفی مسلک کی قوت وترجیح کو باور کرایا جا سکے۔ اس کتاب کے اہم محشین وشارحین میں عبقری فقیہہ، بلند پایہ محدث صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ محمد امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ والرضوان بھی ہیں۔ اس وقت فقیر راقم الحروف کے پیش نظر حضرت صدر الشریعہ کی خدمت حدیث کے حوالے سے ایک اہم تصنیف کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار جلد دوم کے چند اوراق ہیں۔ ان کے مطالعے سے جو اہم افادات نظر فقیر میں آئے وہ ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

خطبہ جمعہ کے وقت نماز تحیۃ المسجد کا حکم:

اس تعلق سے پہلی مثال: ”باب الرجل يدخل المسجد يوم الجمعة والامام يخطب هل ينبغي له ان يركع ام لا“ سے ہم نقل کر رہے ہیں۔

(ا) مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن خطبے کے وقت کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا تو کیا اس کو شرعاً اجازت ہے کہ وہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کی پڑھ لے؟ امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ نہ سنت، نہ نفل، نہ فرض نماز دوران خطبہ پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی صلوٰۃ تحیۃ المسجد، ایسے وقت میں نماز پڑھنا ممنوع ہے یہی قول حضرت امام مالک، حضرت سفیان ثوری اور جمہور سلف کا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں دوران خطبہ داخل ہونے والے شخص کے لیے جائز ومستحب ہے کہ وہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کی پڑھے نماز پڑھنے سے قبل بیٹھ جانا مکروہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال فرمایا۔

جس کے کلمات مبارکہ یہ ہیں:

"عن جابر قال جاء سلیک ن الغطفانی فی یوم الجمعة،ورسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی المنبر فقعد سلیک قبل أن یصلي فقال له النبی صلی الله علیه وسلم ارکعت؟ قال لا، قال قم فارکعهما". (شرح معانی الاثار ص ۲۵۱، ج ۱)

ترجمہ: سلیک غطفانی جمعہ کے دن ایسے وقت میں مسجد آئے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے ،حضرت سلیک نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھ گئے ۔تو ان سے رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دو رکعت نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کی: نہیں، فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھ لو۔

اس حدیث کو امام بخاری ،امام مسلم ،ابو داؤد، احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، دار قطنی ،بیہقی، ابن حبان وغیرہ نے بھی کی ہے ۔فرق یہ ہے کہ بعض روایتوں میں مسجد میں داخل ہونے والے اس صحابی کا نام مذکور نہیں ۔اور بعض میں مذکور ہے ۔(یعنی سلیک غطفانی)۔ حضر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ حنفیوں کی جانب سے استدلال پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث خود دلالت کرتی ہیکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیک کو جو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا وہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے دیا، نہ کہ خطبہ شروع کرنے کے بعد ۔اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ امام نسائی نے اپنی سنن کبریٰ میں اس عنوان سے باب باندھا "باب الصلاۃ قبل الخطبة" (خطبہ سے پہلے نماز پڑھنے کا باب)اور اس باب کے تحت حضرت سلیک والی حدیث ذکر فرمائی ۔علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس کا جواب یہ دیا کہ "منبر پر بیٹھنا قبل خطبہ کے ساتھ خاص نہیں" بلکہ ہوسکتا ہے کہ دونوں خطبوں کے دوران والا قعود' بیٹھنا' مراد ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی سے دونوں خطبوں کے درمیان والی نشست میں یہ کلام فرمایا اور نماز پڑھنے کا حکم دیا پھر جب وہ صحابی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہو گئے ۔کیوں کہ دونوں خطبوں کے درمیان کی نشست کا زمانہ طویل نہیں ہوتا۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ راوی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بیٹھے ہونے کی "قعود" کی نسبت بطور مجاز کر دی ہو کیوں کہ اس مضمون کی تمام روایتوں میں یہ الفاظ قدر مشترک کے طور پر ہے کہ وہ صحابی مسجد میں داخل ہوئے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ اس لیے حضرت صدر الشریعہ نے اپنے حاشیہ طحاوی میں علامہ بدر الدین عینی کی اس تعلق سے بڑی وضاحت نقل فرمائی ہے۔

فرماتے ہیں:

"الاصل ابتداء قعوده. وقعوده بین الخطبتین محتمل .فلا یحکم به علی الاصل علی ان امره صلی الله علیه وسلم ایاه بأن یصلي رکعتین وسواله ایاه هل صلیت ؟وامره للناس بالصدقة

يضيق من القعود بين الخطبتين. لان زمن هذا القعود لا يطول ونسبة الراوى الى ارتكاب المجاز مع عدم الحاجة والضرورة لترويج كلامه بعيد .والمجاز في قوله يخطب اولىٰ من المجاز في قاعد". (ج ۲ ص ۴۴۵)

ترجمہ: اصل یہ ہے کہ قعود (بیٹھنے) سے مراد ابتدائے قعود ہے۔ اور قعود سے دونوں خطبوں کے درمیان کا قعود مراد لینا محتمل ہے اور امر محتمل سے اصل کے خلاف حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سلیک کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دینا اور یہ پوچھنا کہ کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ مزید برآں لوگوں کو صدقے کا حکم دینا یہ اس تنگ وقت میں نہیں ہوسکتا جو دو خطبوں کے درمیان کا ہے کیوں کہ اس بیٹھنے کا زمانہ دراز نہیں ہوتا۔ رہی علامہ ابن حجر کی یہ تاویل کہ حضور اقدس کے خطبہ دینے کی حالت کو راوی نے مجازا بیٹھنے کی حالت سے تعبیر کر دی ہو۔ یہ تاویل بھی بعید ہے کیوں کہ مجاز کا ارتکاب حاجت یا ضرورت کے وقت کیا جاتا ہے اور یہاں لفظ قاعد کو اس کے معنی اصلی سے ہٹا کر معنی مجازی میں لینے کی نہ کوئی حاجت ہے نہ ضرورت، اس راوی کے قول (یخطب) (خطبہ دے رہے تھے) میں مجاز مراد لینا لفظ قاعد (بیٹھ کر) میں مجاز مراد لینے سے بہتر ہے۔

اس میں ایک دوسرے پہلو پر حضور صدر الشریعہ نے روشنی ڈالی ہے وہ یہ کہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جن دو رکعتوں کی ادائیگی کے حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی (حضرت سلیک) کو دیا اس سے تحیۃ المسجد والی رکعت و نماز مراد نہیں۔ بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ قضا نماز مثلاً صبح کی نماز تھی۔ ابن المنیر نے اس احتمال کی تقویت میں یہ کہا کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صحابی کی نماز صبح قضا ہونے کا کشف ہو چکا ہو، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نماز کی بابت پوچھنا بطور لطف اور خطاب میں نرمی کے لیے ہو۔ کیوں کہ اگر نماز سے مراد تحیۃ المسجد والی نماز ہوتی تو نماز سے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت سلیک غطفانی کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا (تو یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے تحیۃ المسجد والی نماز ابھی نہیں پڑھی تھی تو پھر اس کے متعلق پوچھنے کے کیا معنی؟)

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس تاویل کو بایں طور رد کیا ہے کہ اگر یہ تحیۃ المسجد کی نہیں، قضا نماز کی بات ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار بطور تکرار انہیں نماز پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی نے ابن حبان کی یہ بات یہ کہہ کر مسترد فرما دی کہ ابن حبان کی بات میں کوئی وزن نہیں کیوں کہ نماز کی ادائیگی کا مکرر حکم دینا یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن نماز کی ادائیگی کا حکم دے رہے ہیں وہ قضا نماز ہے، فرض کی قضا ہے کیوں کہ تکرار واجب ہی میں ہوتی ہے غیر واجب میں تکرار مستحسن نہیں۔

(کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار ج ۲۔ص ۴۴۵)

حدیث کے الفاظ "قم فار كعهما" سے علامہ ابن حجر

نے فتح الباری میں یہ نقطہ آفرینی کی کہ اس ارشاد سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ خطبہ ایسے شخص کے لیے نماز تحیۃ المسجد سے مانع نہیں جو ابھی مسجد میں داخل ہوا ہو ۔حضرت صدرالشریعہ نے اس پر یہ تعاقب نقل فرمایا: کہ یہ واقعۂ حال ہے جس کے لیے عموم نہیں ہوتا۔ تو ممکن ہے کہ یہ حضرت سلیک کے ساتھ خاص ہو اس احتمال کے باقوت ہونے پر حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث دلالت کر رہی ہے جسے اصحاب سنن وغیرہم نے بایں طور تخریج کی ہے۔

"جاء رجل والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب. والرجل في هيئة بذة فقال له أصليت؟ قال: لا ،قال صلى ركعتين. وحض الناس على الصدقة (الحديث)

یعنی ایک شخص ایسے وقت میں حاضر ہوا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے وہ شخص بڑی خراب ہیئت وحالت میں تھا تو آپ نے ان سے فرمایا کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا دو رکعت پڑھ لو اور آپ نے لوگوں کو صدقہ دینے کی تلقین فرمائی۔

پھر یہ کہ ابن حبان نے یہ حدیث تخریج کی تو اس کے آخر میں یہ ٹکڑا بھی نقل فرمایا: کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیک سے یہ بھی فرمایا "لاتعودن بمثل هذا" یعنی اس طرح عادت من بنا لینا ۔اس سے ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت انہیں کے لیے تھی اور اسی دن تھی ،تو نماز پڑھنے کا حکم اس لیے دیا تا کہ کچھ لوگ اس صحابی کی حالت زار کو ان کے کھڑے ہونے پر دیکھ لیں اور اس پر صدقہ کریں اس کی تائید امام احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان هذا الرجل دخل المسجد فی هیئة بذة فامرته ان یصلی رکعتین و انا ارجو ان یفتن له رجل فیتصدق علیه".

یہ شخص مسجد میں بڑی خراب حالت میں داخل ہوا۔ تو میں نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا اس امید پر کہ کوئی شخص اسے دیکھ کر اس کی حالت زار کو بھانپ جائے اور اس کو صدقہ دیدے۔

یہ حضرت سلیک کی خصوصیت تھی، حافظ ابن حجر نے اس پر کئی طرح سے نقص وارد کیا۔

(۱) اصل عدم خصوصیت ہے نہ کہ خصوصیت رہی یہ علت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر تصدق کا قصد فرمایا تو اس سے حالت خطبہ میں نماز تحیۃ المسجد پڑھنے کی ممانعت نہیں ہوتی ۔ کیوں کہ مانعین جواز علت تصدق کی بنا پر نفل نماز کو جائز نہیں قرار دیتے۔ پھر دوسرے جمعہ میں نماز پڑھنے کے حکم کا اعادہ فرمانا باوجودیکہ اس صحابی کو دو کپڑے مل چکے تھے۔اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کا حکم فرمانا تصدق کے قصد و ارادہ میں منحصر نہیں، نیز امام احمد اور ابن حبان کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے تین جمعہ میں تین بار نماز کے حکم کی تکرار فرمائی تو یہ دلیل ہے اس بات کی اس صحابی پر تصدق کا قصد جزء علت ہے نہ کہ کامل علت ۔ حضرت صدرالشریعہ نے علامہ عینی کے حوالے سے قدرے تفصیل جو ان نقل

فرمایا ہے ہم یہاں اس کا خلاصہ تحریر کر رہے ہیں۔:ہمیں یہ تسلیم ہے کہ اصل عدم خصوصیت ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ خصوصیت پر قرینہ نہ اور یہاں خصوصیت پر قرینہ موجود ہے، قرینہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے جسے نسائی نے روایت کی ہے۔اس کے کلمات مبارکہ یہ ہیں:

"جا ء رجل یوم الجمعة ،والنبی صلی الله علیه وسلم یخطب هیئة بذة فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم اصلیت؟قال لا،قال: صلی رکعتین وحض الناس علی الصدقة. قال فالقوا ثیابا فاعطاه منها ثوبین". فلما کانت الجمعة الثانیة جاء ورسول الله صلی الله علیه وسلم یخطب وحض الناس علی الصدقة. قال: فالقی احد ثوبیه.

جمعہ کے دن ایک شخص شکستہ حالت میں آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا اور لوگوں کو صدقہ دینے پر ابھارا تو لوگوں نے اپنے کپڑے ڈال دیئے۔آپ نے ان میں سے دو کپڑے اس شخص کو عنایت فرمائے۔پھر دوسرے جمعہ کو آپ نے صدقہ کا حکم دیا تو اس نے اپنا ایک کپڑا صدقے میں دے دیا۔

آپ نے اسے منع فرمایا اور کہا اپنا کپڑا لے لو۔اس حدیث سے اس بات کا بھرپور اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ومنشائے مبارک یہ تھا کہ جب اس صحابی سے دو رکعت نماز پڑھوائی جائے گی تو لوگ ان کی شکستہ حالی دیکھ کر ان پر صدقہ کریں گے کیوں کہ وہ پھٹے پرانے کپڑے میں ملبوس تھے۔حدیث شریف میں خطبہ کے وقت امر بالمعروف سے بھی ممانعت وارد ہوئی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں "اذا قلت لصاحبک انصت والامام یخطب فقد لغوت " (جب تم نے اپنے ساتھی سے دوران خطبہ چپ رہنے کو کہا تو تم نے لغو کام کیا) یہ حدیث صحیح بھی ہے اور اس کی صحت متفق علیہ ہے بلکہ وہ تواتر کے قریب ہے تو جب اس حدیث پاک میں خطبہ کے وقت اس امر بالمعروف سے روکا گیا جو اس حالت میں فرض ہے تو سنت یا مستحب کے ادا کرنے سے بدرجۂ اولیٰ ممانعت ہوگی۔لہٰذا قصد تصدق کو علت کاملہ قرار نہ دینا صرف جزءِ علت قرار دینا نامناسب بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اگرچہ بظاہر قصۂ سلیک کے معارض ہے مگر یہ حدیث قوی ہے۔لہٰذا ترجیح اسی کو حاصل ہوگی اور اس سے بھی قوی آیت کریمہ "اذا قرا القرآن فاستمعوا له وانصتوا" ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا ہو، تو صاحب ترتیب کے علاوہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نماز پڑھے خواہ فرض ہو یا سنت یا صلوٰۃ تحیۃ المسجد کی، یہی امام اعظم کا مسلک محقق ہے۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ

اور ائمہ احناف پر اعتراضات کا جائزہ

مفتی فیضان المصطفےٰ قادری

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا حاشیہ کشف الاستار علمی مباحث کا خزینہ ہے۔ جس میں حنفی مذہب کی تنقیح و توضیح کی گئی ہے ۔ اس کے دلائل فراہم کیے گئے ہیں۔ اور اس پر اعتراضات کرنے والوں کے جوابات دیے گئے ہیں۔ جو کشف الاستار کے صفحات پر جابجا موجود ہیں۔ ہم ذیل میں بطور مثال حضرت کی چند بحثوں کا ذکر کرتے ہیں، جن میں آپ نے معترضین کے اعتراضات کا بڑا تحقیقی جواب دیا ہے۔

قراءت خلف الامام کی بحث:

قراءت خلف الامام کا مسئلہ فقہا و محدثین کے مابین ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ اس بارے میں امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ امام کے پیچھے بھی مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے، مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن پاک کی قراءت ناجائز وممنوع ہے۔ ائمہ کرام اور علمائے اعلام نے اپنے اپنے موقف پر قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہوئے خوب تفصیل سے لکھا ہے اور دادِ تحقیق دی ہے۔ امام طحاوی نے بھی اس مسئلہ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ اور اس کے لیے ایک باب ''باب القراءۃ خلف الامام'' مقرر فرمایا، اور روایت ودرایت کے حوالے سے حق تحقیق ادا فرمایا ہے۔ امام طحاوی نے اس باب میں ''قراءۃ خلف الامام'' کی ممانعت میں متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کا ترکِ قراءت خلف الامام پر اجماع نقل کیا ہے، اور فرمایا ''فهٰؤلاء جماعة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أجمعوا على ترك القراءة خلف الامام''. امام طحاوی کی اس عبارت پر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حاشیہ لگایا، جس میں آپ نے مزید اپنی تحقیقات کے جواہر پارے بکھیرے ہیں۔ اولاً تو آپ نے عمدۃ القاری سے علامہ عینی کی عبارت نقل کی، جس کا مفاد یہ ہے کہ قراءۃ خلف الامام کی ممانعت اسی صحابہ کرام سے مروی ہے، جن میں خلفائے راشدین، عبادلۂ ثلاثہ اور دیگر اکابر صحابہ کرام کے اسماء شامل ہیں، پھر علامہ عینی کی مزید مرویات نقل فرمائی جو اس ممانعت میں وارد ہیں۔ پھر امام زیلعی کے حوالے سے امام بخاری کا رسالہ ''قراءۃ خلف الامام'' کا خلاصہ نقل فرمایا، جس میں امام بخاری نے قراءت خلف الامام کی حمایت میں دلائل ذکر کیے ہیں، اور مانعین (احناف) پر شدید اشکالات واعتراضات وارد کیے ہیں۔ حضور صدر الشریعہ نے امام زیلعی کے حوالے سے امام بخاری کے اشکالات لکھنے کے بعد فرمایا: کہ امام زیلعی

نے ان کے جوابات نہیں دیے، پھر حضور صدر الشریعہ نے خود ہی ان کے جوابات بالتفصیل دیے ہیں۔

ہم امام بخاری کے ایرادات اور حضور صدر الشریعہ کے جوابات کا خلاصہ آسان الفاظ میں درج کرتے ہیں، جسے اصل عبارت کا شوق ہو وہ حضور صدالشریعہ علیہ الرحمہ کے حاشیہ "باب القراءۃ خلف الامام" کا مطالعہ کرے۔

امام بخاری کا پہلا اعتراض:

امام ابوحنیفہ نے آیت کریمہ "اِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَہٗ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ." (یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔) سے جو استدلال کیا ہے وہ "ثنا" سے منقوض ہے، حالانکہ ثنا تطوع (سنت) ہے اور قراءت فرض ہے، تو فرض ترک کر کے انصات واجب قرار دیا ہے اور سنت ترک کر کے انصات واجب نہیں قرار دیا۔ (یعنی امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے، مگر اس کی ثنا مقتدی کے لیے کافی نہیں، بلکہ امام کے ثنا پڑھنے کے باوجود مقتدی کو بھی ثنا پڑھنا ہے) اس سے تو لازم آتا ہے کہ ان کے نزدیک فرض کا درجہ سنت سے کم ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

استماع (کان لگانا) وانصات (خاموش رہنا) سے استدلال پر "ثنا" سے نقض وارد کرنے میں تدبر سے کام نہیں لیا گیا۔ اس لیے کہ استماع وانصات کا حکم تو قراءت قرآن کے وقت ہے، حکم الٰہی ہے: "اِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَہٗ وَاَنْصِتُوا" اور ثنا تو قرآن نہیں، لہٰذا ثنا کے وقت انصات کیسے واجب ہوگا؟۔ اور امام بخاری کا یہ کہنا "فاوجب علیه الانصات بترک فرض" امام ابوحنیفہ نے ترک فرض کر کے انصات واجب قرار دیا ہے، یہی تو نزاع ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک مقتدی پر قراءت فرض ہی نہیں، اور مقتدی کے لیے قراءت تسلیم بھی کر لیں تو اس کے لیے جو فرض ہوگی وہ قراءت حکمی ہوگی، جو منافی انصات نہیں۔ تو ترک فرض کر کے انصات نہ ہوا۔ رہا امام بخاری کا یہ کہنا کہ 'فرض کا درجہ نفل سے کم ہونا لازم آتا ہے' درست نہیں، کیونکہ نہ ہم نے فرض کو ترک کیا نہ تطوع کو، یہ نتیجہ مقدمہ باطلہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ بلکہ ہم یہ عرض کریں گے کہ آپ قراءت کرتے ہیں اور انصات کے حکم پر عمل نہیں کرتے تو فرضِ انصات کے تارک آپ ہوئے۔

امام بخاری کا دوسرا اعتراض:

احناف کا یہ جزئیہ کہ امام فجر کی پہلی رکعت میں قراءت کر رہا ہے اور اس دوران ایک نمازی آیا جس نے سنت فجر نہ ادا کی ہو تو پہلے دو رکعت تنہا سنت فجر ادا کرے گا، پھر جماعت میں شامل ہوگا۔ تو پہلی رکعت کی قراءت کے دوران جب وہ اپنی نماز پڑھنے لگا تو اس نے امام کی قراءت کا استماع وانصات تو نہ کیا۔؟

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

فجر کی جماعت کے دوران سنت پڑھنے کے جزئیہ سے اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا، کیونکہ نمازی پر انصات اُس وقت واجب ہے جب وہ کسی کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے استماع وانصات کو امام کی قراءت سے متعلق فرمایا ہے، ارشاد ہے: "انما جعل الامام لیؤتم به فاذا قرأ فانصتوا" ۔ اگر کسی شخص کی بھی قراءت پر انصات واجب ہوتا تو واجب ہوتا کہ جب بھی کوئی شخص مسجد

میں نماز پڑھ رہا ہو اس وقت کوئی دوسرا شخص نماز نہ پڑھے۔ حالانکہ صحابہ کرام بیک وقت تنہا تنہا بھی مسجد نبوی شریف میں نماز ادا فرماتے تھے۔ تو جو شخص فجر کی جماعت کے دوران فجر کی سنت ادا کر رہا ہے فجر کا امام اس کا امام نہیں۔ تو اُس کی قراءت سے اِس نمازی پر انصات کیسے واجب ہوگا؟۔

امام بخاری کا تیسرا اعتراض:

دن کی نمازوں میں جب کہ امام سرّی قراءت کر رہا ہو تو (احناف سے) سوال ہے کہ مقتدی قراءت کرے گا یا نہیں؟ اگر کہو: قراءت نہیں کرے گا، تو تمہارا دعویٰ باطل ہو گیا، کہ تم استماع کے قائل تھے اور استماع تو جہری قراءت کا ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

آیت کریمہ میں حکم دو ہے، استماع کا اور انصات کا۔ تو جہری قراءت میں استماع وانصات دونوں واجب ہیں۔ اور سرّی قراءت میں صرف انصات واجب ہے۔ کیونکہ سرّی قراءت کے استماع پر قادر نہیں، مگر انصات پر تو قادر ہے۔

امام بخاری کا چوتھا اعتراض:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت کریمہ میں استماع وانصات کا حکم خطبہ کے لیے ہے۔ اور اگر نماز کی تلاوت کے لیے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءت امام کے سکوت کے وقت کرے گا، تاکہ استماع وانصات کے حکم سے ٹکراؤ نہ ہو۔ اور یہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو بار سکتہ فرماتے تھے، پہلا تکبیر کے وقت، دوسرا قراءت سے فارغ ہو کر۔ امام کے سکوت کے دوران ہی سہی مگر مقتدی کی قراءت اِس لیے ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "**لاصلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب**" سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ اور امام کی قراءت کے دوران خاموش رہنا آیت مذکورہ کی بنا پر۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

سکتات امام کے دوران قراءت کرنے کی جہاں تک بات ہے تو اس پر عرض ہے کہ اگر آپ کے نزدیک آیت مذکورہ سے دوران قراءتِ نماز استماع وانصات واجب نہیں، اور حدیث "**من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ**" آپ کے نزدیک ثابت نہیں، پھر آپ کو سکتات امام کی کیا ضرورت؟ کہ آپ اس دوران قراءت کریں؟ اور جس حدیث پاک میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قراءت سے فارغ ہو کر سکتہ فرماتے تھے، تو یہ سکتہ مقتدیوں کی قراءت کے لیے تو متعین نہ تھا، بلکہ امام کے استراحت کے لیے تھا، تو ہو سکتا ہے کہ امام سکتہ نہ کرے، پھر آپ فرض قراءت کیسے کریں گے؟ یہ بھی ممکن ہے کہ امام مختصر سکتہ کرے جو پوری سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لیے کافی نہ ہو، پھر سورۂ فاتحہ کیسے پڑھیں گے؟ جو آپ کے نزدیک مقتدیوں پر بھی فرض ہے۔ اور اگر امام نے اتنا لمبا وقفہ کیا کہ اس کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں اور امام اتنی دیر تک ان کا انتظار کرتا رہے تو اس میں صریح قلبِ موضوع ہے، اس لیے کہ امام تو اس لیے ہے کہ مقتدی اُس کی اقتدا کریں، نہ اِس لیے کہ وہ خود مقتدیوں کی اقتدا کرے۔ رہی حدیث پاک "**لاصلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب**" تو وہ تو امام اور منفرد کے لیے ہے، رہا مقتدی، تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہے۔ "**من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ**"۔

امام بخاری کا پانچواں اعتراض:

اہل علم اور خود احناف کا اجماع ہے کہ امام مقتدیوں کے فرض کا متحمل نہیں ہوتا، پھر آپ کہتے ہیں کہ امام مقتدیوں کے اِس فرض (قراءت) کا متحمل ہے۔ حالانکہ آپ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام مقتدیوں کی طرف سے کسی سنت کا متحمل نہیں ہوتا، مثلاً: ثنا و تسبیح وغیرہ۔ اس سے بھی لازم آیا کہ فرض کا درجہ آپ کے نزدیک تطوع (سنت) سے کم ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

یہ درست ہے کہ امام مقتدیوں کے فرائض کا متحمل نہیں ہوتا، لیکن امام مقتدیوں کے اِس فرض (قراءت) کا متحمل ہوتا ہے، کیونکہ اس کا متحمل ہونا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ "من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة". رہا ثنا و تسبیح وغیرہ وظائف واذکار میں امام کا مقتدیوں کے وظائف کا متحمل نہ ہونا، تو چونکہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں جو ثنا و تسبیح وغیرہ کے وقت بھی مقتدیوں کا سکوت واجب قرار دیتی ہو، اس لیے مقتدیوں کے لیے امام کی قراءت تو کافی ہے، لیکن امام کی ثنا اور تسبیح انھیں کفایت نہ کرے گی، بلکہ انھیں خود بھی پڑھنی ہوگی۔

منی کی طہارت و نجاست کا مسئلہ:

منی پاک ہے یا ناپاک؟ یہ بھی ایک بحث کا موضوع ہے۔ امام شافعی کے نزدیک منی پاک ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ شوافع نے منی کی طہارت پر اُن روایات سے استدلال کیا ہے جن میں ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اسے رگڑ دیتی تھیں۔ امام طحاوی نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان مرویات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: "**لاحجة لكم فی هذه الآثار لانها انما جاء ت فی ذکر ثياب ينام فيها ولم تأت فی ثياب يصلی فيها**" یعنی ان روایات میں شوافع کے لیے دلیل نہیں، کیونکہ یہ ان کپڑوں کے بارے میں ہے جس میں آپ سوتے تھے، نہ کہ نماز کے کپڑوں کے بارے میں۔ اور نجس کپڑے میں سونے کا وہ معاملہ نہیں جو نجس کپڑے میں نماز پڑھنے کا ہے۔

اس پر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حاشیہ لگایا اور امام طحاوی کی مذکورہ عبارت پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا ایک اعتراض اور علامہ عینی کا جواب نقل کیا۔ حافظ ابن حجر نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ امام طحاوی کا یہ قول درست نہیں کہ منی کا رگڑنا نماز کے کپڑے سے نہ تھا۔ کیونکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے "**لقد رأيتنی افركه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فركا فيصلي فيه**" یعنی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اسے رگڑ کر دور کر دیتی تھی تو آپ اس میں نماز پڑھتے تھے۔ "**فيصلي فيه**" میں "فا" برائے تعقیب ہے، جس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس کپڑے سے منی رگڑ دیتی تھیں پھر آپ اسی میں نماز پڑھتے تھے۔ اور فا برائے تعقیب میں اس قدر گنجائش نہیں کہ رگڑنے اور نماز پڑھنے کے مابین اتنا وقفہ ہو کہ اسے دھل دیا گیا ہو۔

علامہ عینی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ یہ استدلال فاسد ہے، کیونکہ فا برائے تعقیب کا ہونا تخللِ غسل (اسی دوران دھونے) کے منافی نہیں۔ کہا جاتا ہے: "**تزوج فلان فولد له**" فلاں نے شادی کی تو اس کی اولاد ہوئی۔ حالانکہ شادی اور ولادت کے مابین مدتِ حمل ایک دراز

مدت ہوتی ہے۔یوہیں ہوسکتا ہے ام المومنین کا مقصد یہ ہو کہ اس وقت سونے والے کپڑے سے منی رگڑ دیتی تھیں، بعد میں دھو دیتی تھیں، تو اسی میں آپ نماز ادا فرماتے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ 'فا' 'ثم' کے معنی میں ہو۔اور اس کی تائید طحاوی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں "ثم یصلی فیہ" ہے۔اتنا ذکر کرنے کے بعد حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنی تحقیق پیش فرمائی، فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر کے دوسرے اعتراض کا علامہ عینی نے جواب نہ دیا، تو ہم اس کا جواب عرض کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر کا اعتراض:

فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام طحاوی کی مذکورہ عبارت پر دوسرا اعتراض یہ کیا: اگر ان روایات میں بقول امام طحاوی منی کی طہارت پر کوئی دلیل نہیں، تو منی کی نجاست پر بھی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ دیگر روایات میں اسی قدر ہے کہ آپ کے کپڑے سے منی کو دھویا گیا، اور دھونا ایک فعل ہے، جس سے دھونے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔تو کیسے ثابت ہوگا کہ منی نجس ہے؟۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

امام طحاوی کی مذکورہ عبارت پر یہ اعتراض درست نہیں، کیونکہ منی کی طہارت کے قائلین نے جب احادیث باب سے منی کی طہارت پر استدلال کیا ہے تو امام طحاوی نے اس استدلال پر منع وارد کرتے ہوئے فرمایا "لاحجۃ لکم فی ھذہ الآثار الخ" اور مانع کے لیے تو صرف احتمال کافی ہے، کہ احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے، اور امام طحاوی نے وہ احتمال پیش کر دیا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ کپڑے سونے کے کپڑے رہے ہوں، نہ کہ نماز کے۔ پھر منی کی طہارت پر کیسے استدلال ہوگا؟ تو امام طحاوی نے منع وارد کر کے سند منع پیش کر دیا ہے، اب آپ کے ذمہ ہے کہ مقدمہ ممنوعہ ثابت کریں، آپ کا یہ منصب نہیں کہ منع پر منع وارد کریں۔

حضرت صدر الشریعہ کا دوسرا جواب:

آپ کے بقول اگر منی پاک ہوتی تو بیانِ جواز کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اسے کبھی اپنے کپڑے پر چھوڑ دیتے اور اسی میں نماز ادا فرماتے۔جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بار بھی منی کے کپڑے میں نماز پڑھنا ثابت نہیں جب تک کہ اسے دھل نہ دیا گیا ہو یا رگڑ کر منی زائل نہ کر دی گئی ہو۔تو اس سے معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے۔(کشف الاستار ۱/۱۱۰)

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے، باقی ائمہ کرام کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔اس مسئلہ کے بیان میں محشی نے علامہ نووی کی ایک جامع عبارت نقل فرمائی، جس کا مفاد یہ ہے کہ جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اس سے نقضِ وضو کے قائل نہیں۔لیکن امام احمد، حضرت اسحٰق بن راہویہ اور جمہور محدثین نقضِ وضو کے قائل ہیں۔نقضِ وضو کے قائلین جابر بن سمرہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا گائے کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ فرمایا: چاہو تو کرو، چاہو تو نہ کرو۔پھر پوچھا: اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ فرمایا: ہاں وضو کرو۔جمہور نے اس حدیث کے جواب میں حضرت جابر بن عبداللہ کی

روایت پیش کی ہے کہ "كان آخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترک الوضوء مما مست النار". یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معاملہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہ کرنا تھا۔

امام نووی کی رائے:

اس قدر بیان کے بعد امام نووی نے اس پر یہ تبصرہ کیا کہ جابر بن عبداللہ کی حدیث عام ہے اور جابر بن سمرہ کی حدیث خاص ہے، اور خاص کو عام پر تقدم حاصل ہے۔ گویا امام نووی نے اونٹ کے گوشت سے نقض وضو کے موقف کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے۔

امام نووی کی رائے پر صدر الشریعہ کا ایراد:

امام نووی کی عبارت نقل کرنے کے بعد حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: امام نووی کا جابر بن سمرہ کی روایت کو خاص اور جابر بن عبداللہ کی روایت کو عام قرار دینا، اس سے اگر عام اور خاص اصطلاحی مقصود ہے تو یہ تسلیم نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو احناف کے نزدیک عام بھی افادۂ حکم میں خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے، اور خاص کو منسوخ کرسکتا ہے۔ لہٰذا جابر بن عبداللہ کی حدیث جو عام ہے وہ جابر بن سمرہ کی حدیثِ خاص کی ناسخ ہے۔ کیونکہ یہ عام متاخر ہے اور تعارض کے وقت جو متاخر ہوگا وہی ناسخ ہوگا اور جو متقدم ہو وہ منسوخ ہوگا۔ اسی لیے امام طحاوی نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معاملہ آگ پر پکی چیز کھانے سے وضو نہ کرنا تھا۔ جب کہ پہلے آپ اس سے وضو فرماتے تھے۔ اور 'آگ پر پکی چیز' میں اونٹ کا گوشت ہو یا کسی اور جانور کا، سب برابر ہیں۔ تو جابر بن سمرہ کی روایت منسوخ قرار پائی۔

مزید فرماتے ہیں:

یہ سب کچھ اس وقت ہے جب کہ وضو سے مراد وضوئے شرعی ہو، اور اگر وضو سے مراد وضوئے لغوی (ہاتھ منہ دھونا، کلی کرنا) ہو تو نسخ کے قول کی ضرورت نہیں، بلکہ اونٹ کے گوشت میں یہ حکم موکد ہوگا، کیونکہ اس کا گوشت سخت ہوتا ہے اور کھانے والے کے ہاتھ پر اس کی چکناہٹ کا غلبہ ہوتا ہے۔

اور ہاتھ دھونے پر وضو کا اطلاق حدیث شریف میں بھی وارد ہوا ہے، ارشاد ہے: "الوضوء قبل الطعام ينفي الفقر وبعده ينفي اللمم". یعنی کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے فقر دور ہوتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے بیماری دور ہوتی ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ کھانے کی برکت کھانے کے بعد ہاتھ دھونے میں ہے، تو میں نے اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا: "بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده". یعنی کھانے کی برکت پہلے ہاتھ دھونے میں ہے اور بعد میں ہاتھ دھونے میں ہے۔ (کشف الاستار ۱/۱۵۸)

صف کے پیچھے مقتدی کا تنہا قیام:

امام طحاوی نے "باب الرجل يصلي بالرجلين أين يقيمهما" میں حضرت انس بن مالک کی مشہور حدیث درج کی ہے کہ ان کی والدہ حضرت ملیکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، جب حضور علیہ السلام کھانے سے فارغ ہوئے تو نماز کے لیے چٹائی منگوائی جسے صاف کر کے اسی پر آپ نے امامت فرمائی، پیچھے انس بن مالک اور یتیم

نے صف لگائی، اور حضرت ملیکہ ان دونوں کے پیچھے تنہا کھڑی ہوگئیں۔

"فقام رسول الله صلی الله علیه وسلم وصففت أنا والیتیم وراءه والعجوز من ورائنا"

اس حدیث پاک پر حاشیہ درج کر کے حضور صدرالشریعہ نے متعدد مسائل کا استنباط کیا، مثلاً: نفل نماز کی جماعت کا جواز، (دوسرے مقام پر تداعی کی شرط کو ثابت کیا ہے۔) نفل نماز گھر میں افضل ہے۔ نماز کی جگہ میل کچیل سے بھی صاف ہونی چاہیے۔ بچہ عورت کی بجائے مرد کی صف میں کھڑا ہوگا، عورتیں مردوں کے پیچھے ہوں گی۔ اسی سے یہ بھی مستنبط کیا گیا کہ عورتوں کا مردوں کی امامت کرنا درست نہیں، اس لیے کہ جب عورت کا مقام بچے سے بھی پیچھے ہے تو مردوں سے آگے کیسے بڑھ سکتی ہیں، یہی جمہور کا قول ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سمجھوال بچے کی نماز درست ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ دو آدمی مقتدی ہوں تو ایک ساتھ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ یہ بھی کہ عورتیں جماعت سے نماز پڑھیں تو مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی۔ تو اگر عورت مرد کے محاذی ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

شارح بخاری ابن بطال پر صدرالشریعہ کا ایراد:

اس کے بعد ابن بطال کا ایک استدلال ذکر کر کے اس کا رد کرتے ہیں: فرماتے ہیں:

واستدل به ابن بطال علی صحة صلوٰة المنفرد خلف الصف، لأنه لما ثبت ذلک للمرأة کان للرجل أولیٰ إهـ.

اس حدیث سے ابن بطال نے استدلال کیا ہے کہ صف کے پیچھے مقتدی تنہا کھڑا ہوسکتا ہے، اس لیے کہ جب ایسا عورت کے لیے درست ہے تو مرد کے لیے بدرجہ اولیٰ درست ہونا چاہیے۔

اس پر صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

أقول: هذا الإستدلال فاسد، لأن المرأة إنما جازت صلوتها خلف الصف لأنها لایجوز لها القیام مع الرجال، بخلاف الرجل فإن له أن یقوم معه وأن یزاحمهم، وأن یجذب الرجل من حاشیة الصف فیقوم معهم، فافترقا. (کشف الاستار ثاني ص ۲۶۳)

میں کہتا ہوں: یہ استدلال فاسد ہے۔ اس لیے کہ عورت کے لیے صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا اس لیے درست ہوا کہ اس کے لیے مردوں کے ساتھ قیام جائز نہیں، برخلاف مرد کے، کہ وہ تو مرد کے ساتھ کھڑا ہوسکتا ہے، اور مردوں کی صف میں داخل بھی ہوسکتا ہے، اور کسی شخص کو صف کے کنارے سے کھینچ کر اپنے ساتھ بھی کھڑا کرسکتا ہے، تو دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔

صلاۃ الخوف کی مشروعیت:

صلوٰۃ الخوف کے بیان میں امام طحاوی نے امام ابو یوسف کا ایک قول نقل کیا ہے کہ صلاۃ الخوف صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مشروع تھی، اب مشروع نہیں۔

اس پر صدرالشریعہ نے بدائع اور فتح القدیر سے اس قول کی توضیح اور اس کے دلائل نقل کیے۔ اس کے بعد بحر العلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی نے "رسائلِ ارکان" میں امام

ابو یوسف کے قول کی تائید وحمایت میں جو دلائل بیان کیے ہیں انھیں نقل کر کے ایسے علمی اور استدلالی انداز میں ان دلائل کی تردید فرمائی کہ جن کے مطالعہ کے بعد حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ یاد آتا ہے کہ:

''مولانا امجد علی صاحب جب جواب دے رہے تھے تو معلوم ہو رہا تھا کہ ایک بحرِ ذخار موجیں مار رہا ہے''۔

ہم اس بحث کا خلاصہ اپنے الفاظ میں درج کرتے ہیں:

رسائل الارکان کے دلائل:

بحر العلوم علامہ عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ رسائل الارکان میں فرماتے ہیں:

امام ابو یوسف نے فرمایا کہ صلوٰۃ الخوف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور یہ قول میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

اولاً: اس لیے کہ آیت کریمہ ''فَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ'' میں اللہ تعالیٰ نے صلاۃ الخوف کو آپ علیہ السلام کی موجودگی کی شرط کے ساتھ مشروط فرمایا ہے، اور جب شرط فوت ہو جائے تو حکم اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ عملِ کثیر، مشی اور قبلہ سے انحراف فاحش کے سبب نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ نماز منافی کے ساتھ مشروع ہو تو ضرورت کی بنا پر مشروع ہوتی ہے، اور اب ضرورت نہیں، کیونکہ اب مسلمان خوف کی حالت میں دو گروہ بنا کر ایسا کر سکتے ہیں کہ ایک گروہ ایک امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل ڈٹا رہے، جب پہلا گروہ فارغ ہولے تو دشمن کے مقابل آجائے اور دوسرا گروہ اب دوسرے امام کی اقتدا میں نماز ادا کرے۔ اس طرح کوئی منافیٔ صلاۃ امر کا خلل نہ آئے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو ضرورت تھی، کیونکہ آپ کی اقتدا میں نماز قطعاً مقبول، اور فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی۔ تو صرف خوف کی وجہ سے اس فضل عظیم کو فوت کر دینا کسی عقل مند کا کام نہیں، اور جہاد میں ہلاکت سے بچنا بھی فرض ہے، لامحالہ صلاۃ الخوف مشروع قرار دی گئی تاکہ یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔ لیکن اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد وہ ضرورت باقی نہ رہی۔ تو اب حکم یہی ہوگا کہ ان منافی کے ساتھ نماز مشروع نہ ہوگی۔

اور صاحب ہدایہ کا یہ قول درست نہیں کہ ''امام ابو یوسف نے جو صلاۃ الخوف کی مشروعیت کا انکار کیا اس پر حضور علیہ السلام کے فعل سے حجت قائم کی جائے گی''۔ اس لیے کہ جب امام ابو یوسف نے صلاۃ الخوف کو حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے قرار دے دیا تو اب اُن پر کوئی حجت اُسی صورت میں قائم ہو سکتی ہے جب کہ دلیل قطعی کے ذریعہ اختصاص کی نفی ثابت کر دی جائے۔

صدر الشریعہ کے جوابات:

اب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ علامہ بحر العلوم کے اِن دلائل کا جواب دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

اقول: اولاً تو ہمیں تسلیم نہیں کہ صلاۃ الخوف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اور آیت کریمہ اختصاص پر دلالت بھی نہیں کر رہی ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلا نکیر صلاۃ الخوف ادا فرمائی۔ اگر صلاۃ الخوف خصائص سے ہوتی

اور صحابہ کرام نے آیت کریمہ سے اختصاص سمجھا ہوتا تو ضرور بعد وصال شریف صلاۃ الخوف پڑھنے والے پر نکیر فرماتے، جیسا کہ عصر کے بعد نماز پڑھنے، اور دیگر خصائص پر کسی نے عمل کیا تو نکیر فرمائی۔

اگر صلاۃ الخوف خصائص میں سے ہوتی تو آپ اسے بیان فرمادیتے، جیسا کہ اور خصائص مثلاً صوم وصال وغیرہ کو بیان فرمایا۔ اگر کہو کہ تخصیص تو آیت کریمہ سے ظاہر ہے، کہ ارشاد ہوا "وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ" تو رسول کی موجودگی سے مشروط تو کیا گیا، ہم کہیں گے: اس کا معنی ہے: جب تم یا تمہارا کوئی قائم مقام ان کے درمیان ہو، جیسا کہ "خُذْ مِنْ أموالِهِمْ صَدَقَةً" آپ کے ساتھ خاص نہیں۔ اور شرائع میں تو اصل تعمیم ہے نہ کہ تخصیص، جب تک کہ دلیل تخصیص قائم نہ ہو۔ اور یہاں دلیل تخصیص کچھ نہیں۔ رہی یہ بات کہ "یہ نماز تو منافی کے ساتھ مشروع ہے" تو یہ اس نماز کی خصوصیات میں سے ہے۔ نہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شی کبھی کسی حالت میں منافی ہو لیکن دوسرے وقت اور دوسری حالت میں منافی نہ ہو۔ تو مشی اور قبلہ سے انحراف اگر چہ منافیٔ صلاۃ ہے، مگر حالتِ امن میں منافیٔ صلاۃ ہے، حالت خوف میں منافیٔ صلاۃ نہیں۔

ثانیاً: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صلوا كما رأيتموني أصلي".

تو جب آپ نے صلاۃ الخوف ادا فرمائی تو آپ کا ادا فرمانا حالت خوف کے لیے اس نماز کی تشریع ہوئی۔

ثالثاً: متعدد روایتوں سے ثابت ہے (چند روایتیں نقل کیں) کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الخوف کی تعلیم دی اور طریقہ بتایا۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ صلاۃ الخوف آپ کی خصوصیات سے ہے۔

رابعاً: ہمیں یہ بھی تسلیم نہیں کہ عہد رسالت میں ضرورت تھی، اب نہیں۔ اس لیے کہ "تحصیل فضل" ضرورت کی قبیل سے نہیں۔ اور اگر مشی وانحراف عن القبلۃ کو خوف کی حالت میں بھی منافیٔ صلاۃ قرار دیا جائے تو صلاۃ الخوف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی جائز نہ ہونی چاہیے تھی، کیونکہ "تحصیل فضل" کے لیے منافی کا ارتکاب جائز نہیں۔

رہا صاحب ہدایہ کا ارشاد کہ "امام ابو یوسف کے قول پر فعل رسول سے حجت قائم کی جائے گی" اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کی عبارۃ النص ان پر حجت ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی دلالۃ النص ان پر حجت ہے۔ جیسا کہ صاحب عنایہ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صلاۃ الخوف پڑھنے کا سبب "خوف" تھا، نہ کہ آپ کی اقتدا میں نماز کی فضیلت کا حصول۔ اور "خوف" بعد میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ اگر "فضیلت کا حصول" سبب ہوتا، تو نماز میں تو ترکِ مشی اور ترکِ استدبارِ قبلہ فرض ہے۔ اور آپ کی اقتدا میں نماز فضل۔ اور فضل کے لیے فرض کا ترک جائز نہیں۔ (ملخصاً کشف الاستار ثانی ص ۳۰۰)

یہ چند نمونے تھے۔ اسی طرح پورا حاشیہ فقہی اصطلاحات کی تشریح، مختلف مسائل میں مذاہب فقہ کی توضیح، مذہب حنفی کی دلائل سے ترجیح، اور امام طحاوی کی مشکل عبارتوں کی تنقیح کا بہت خوبصورت مجموعہ ہے۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ
کی علم حدیث میں شانِ عبقریت

مفتی عابد حسین صاحب
شیخ الحدیث فیض العلوم جمشید پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله نحمده ونصلی علی رسوله الکریم وآله الطیبین واصحابه الطاهرین

فقہ حنفی کو فقہ مالکی، فقہ شافعی، اور حنبلی پر اس لیے فضیلت وفوقیت حاصل ہے کہ وہ جہاں قرآن وحدیث کے بالکل مطابق ہے وہیں دلائل عقلیہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہر دور میں اس کے متبعین اکثریت میں رہے ہیں اور الحمدللہ آج بھی اس کے مقلدین زیادہ تعداد میں ہیں۔

امام ابوجعفر طحاوی (ولادت: ۲۳۹ھ وفات: ۳۲۱ھ) ان خوش نصیبوں میں ہیں جنھوں نے شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی شریف لکھ کر اور اس میں فقہ حنفی کی موید احادیث درج کر کے اس کی زبردست تائید وحمایت کی ہے۔ کتاب مستطاب ''کتب سنن'' کے درجہ میں ہے۔ بلکہ بہت سے ائمہ حدیث نے اسے سنن اربعہ پر ترجیح دی ہے۔ مگر افسوس کہ اس کتاب کو معرض وجود میں آئے ہوئے گیارہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا لیکن اس کی کوئی اہم شرح ابھی تک دستیاب نہیں ہے۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کی شرح کی بھی، جس کا نام ہے نخب الافکار اور مبانی الاخبار، مگر وہ بروقت عام طور پر دستیاب نہیں ہے۔ کوئی مبسوط حاشیہ بھی نظر سے نہیں گزرا۔ ہاں اہل سنت کے ایک عظیم سرخیل حضرت مولانا محدث سورتی علیہ الرحمہ ایک مختصر سا حاشیہ نظر سے گزرا، جو طحاوی شریف کے ساتھ ہندوستان میں چھپ رہا ہے۔ معلوم نہیں فقہائے احناف نے کیوں کر اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ جب کہ اکابر فقہا سب کے سب محدث تھے۔ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس طرف توجہ فرماتے تو ضرور اس کی اور موطا امام کی کئی مبسوط شرحیں منظر عام پر آجاتیں۔

حسرت اس بات پر بھی ہے کہ علمائے احناف دوسرے مسلک کی کتب احادیث کی شروحات اور حاشیہ نگاری میں تیز گام نظر آتے ہیں۔ اگر پیچھے ہیں تو اپنے مسلک کی کتب احادیث میں۔ جب کہ دوسرے مسالک کے علمائے کرام کی توجہ عموماً اپنے مسلک کی کتب کی خدمات پر مرکوز ہے۔

ہزاروں رحمتیں ہوں خلیفہ اعلیٰ حضرت فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ امجدی علی اعظمی قدس سرہ پر کہ انھوں نے اپنے شاگردوں اور علمائے کرام پر کرم کرتے ہوئے اس پر مبسوط حاشیہ ''کشف الاستار'' کے نام سے لکھ دیا، جو تمام مغلقات اور مبہمات کو حل کرنے کی حیثیت سے شرح کا کام دیتا ہے۔ یہ حاشیہ اپنے اندر کئی خصوصیات رکھتا

ہے۔اس میں باب سے متعلق احادیث کی تخریج بھی ہے اور مدعا کو ثابت کرنے کے لیے موید احادیث کا انبار بھی۔ احادیث کریمہ اور عبارات طحاوی کی تسہیل وتیسیر اور تلخیص بھی ہے۔اور بیشمار مسائل کا استنباط بھی۔اس میں لغات حدیث کا حل بھی ہے اور اسمائے رجال پر گفتگو بھی۔آج ہم اپنے اس مختصر مقالہ میں اسی حاشیہ کی خصوصیات اور حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی فہم حدیث، شانِ فقاہت اور استنباط مسائل پر روشنی ڈالنا چاہیں گے۔

بعد نماز عصر دورکعت نماز نفل پڑھنے کا مسئلہ:

بعض علما نے کہا کہ جس شخص نے نماز عصر پڑھ لی ہے اس کے لیے اس کے بعد نماز نفل پڑھنا جائز ودرست ہے۔ داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عصر کے بعد کوئی نفل پڑھنا جائز نہیں ہے۔امام ابوجعفر طحاوی نے اپنی کتاب مستطاب شرح معانی الآثار میں ایک باب باندھا ہے "**باب الرکعتین بعد العصر**" اس کے تحت دونوں فریق کی موید حدیثیں لائی ہیں۔پھر کئی احادیث رسول سے امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کو ترجیح دی اور ثابت کیا ہے۔

مجوزین کی طرف سے ایک حدیث یہ پیش کی ہے:

"عن عائشة قالت ما ترک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الرکعتین عندی بعد العصر قط".

ترجمہ:۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی میرے پاس جلوہ فرما رہے تو کبھی انھوں نے عصر کے بعد دورکعت نماز پڑھنا نہ چھوڑا۔

(شرح معانی الآثار مع کشف الاستار ص۲۴۲ جلد دوم)

امام طحاوی بہت سے دیگر مصنفین سے ہٹ کر اسلوب تحریر میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔کہ آپ مثبت ومنفی دونوں پہلو اجاگر کرتے ہیں۔مثبت اور نافی دونوں طرح کی احادیث پیش کرکے مسلک حنفی کی خوبی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کا کئی جہت سے مدلل اور مطابق نقل وعقل ہونا ثابت کرتے ہیں۔چنانچہ آپ نے جہاں بعد عصر دورکعت نماز پڑھنے پر دلالت کرنے والی دس روایات کا ذکر کیا ہے، وہیں بتیس ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ بعد عصر نماز نفل پڑھنا ناجائز وممنوع ہے۔ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

حضرت کریب سے روایت ہے کہ ابن عباس، عبدالرحمٰن بن ازہر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا اور کہا یہ ہماری طرف سے انہیں سلام کہو اور بعد نماز عصر دورکعت نماز نفل پڑھنے کے بارے میں ان سوال کرو، اور یہ عرض کرو کہ آپ یہ دورکعتیں پڑھتیں ہیں، جب کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دورکعت سے منع فرمایا ہے۔

حضرت کریب کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ پاس آیا اور ان تک وہ پیغام پہنچایا جو ان تینوں نے کہا تھا۔حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاکر پوچھو پھر میں ان تینوں کے پاس واپس لوٹ کر آیا اور کہا کہ حضرت عائشہ نے

یہ فرمایا ہے، پھر ان سبھوں نے اس پیغام کو لے کر مجھے حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا لہذا پیغام پہنچانے پر ام سلمہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ اس نماز سے منع فرماتے ہیں۔ پھر میں نے انہیں یہ پڑھتے دیکھا، آپ نے اس وقت یہ نماز پڑھی جب عصر پڑھ کر میرے پاس تشریف لائے، اور میرے پاس انصار میں سے بنی حوام کی کچھ عورتیں تھیں۔ میرے پاس پہنچنے کے بعد یہ نماز پڑھی، میں نے ایک بچی کو آپ کے پاس بھیجا اور میں کہا کہ حضور کے بغل میں کھڑی ہو جا، اور عرض کر کہ آپ سے حضرت ام سلمہ عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "لم اسمعک تنھی عن ھاتین الرکعتین و اراک تصلیھا" (میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ اس دو رکعت نفل سے منع فرماتے ہیں اور آپ کو میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ انہیں پڑھ رہے ہیں۔ اگر حضور ہاتھ سے اشارہ کریں تو، پیچھے ہٹ جانا بچی نے ایسا ہی کیا، کہ حضور کے پہلو میں آ کر کھڑی ہو گئی، حضور نے اشارہ فرمایا تو پیچھے ہٹ گئی۔ جب سلام پھیر کر فراغت فرمائی تو فرمایا: اے بنت ابی امیہ (ام سلمہ) تو نے عصر کے بعد دو رکعت والی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وفد عبد القیس کہ کچھ لوگ اسلام لانے میرے پاس آئے تو ان کے ساتھ مشغولیت ظہر کے بعد والی دو رکعت سنت سے مانع ہوئی تو یہ وہی دو رکعت ہے، جو میں نے ابھی پڑھی ہے۔

(شرح معانی الاثار ج دوم ص ۲۴۵/۲۴۶)

دوسری حدیث یوں ہے:

"عن حمران بن ابان قال خطبنا معاویۃ بن ابی سفیان فقال یاایھا الناس انکم تصلون صلوٰۃ قدصحبنارسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما رأیناہ یصلیھا وقد نھی عنھا یعنی الرکعتین بعد العصر".

ترجمہ:۔ حضرت حمران بن حبان کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ ابن ابی سفیان نے خطبہ دیا تو فرمایا کہ اے لوگو! تم لوگ ایسی نماز پڑھتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں، میں رہا ان کو یہ نماز پڑھتے نہ دیکھا تحقیق کہ انہوں نے عصر کے بعد والی دو رکعت سے منع فرمایا۔

(شرح معانی الآثار مع کشف الاستار جلد دوم، ص۲۵۲)

اس روایت کو بخاری اور بیہقی نے بھی بیان کیا ہے۔

(کشف الاستار ص۲۵۲)

اسی طرح یہ روایتیں بھی ملحوظ خاطر رہیں کہ حضرت سیدنا عمر اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لوگوں کو مار مار کر منع کرتے تھے جو بعد نماز عصر نفل پڑھا کرتے تھے۔

الفاظ حدیث ملاحظہ ہوں:

"عن أبي جمرة قال سالت بن عباس عن الصلاة بعد العصر فقال رأيت عمر يضرب الرجل اذا رأه يصلي بعد العصر".

(شرح معانی الآثار ص ۲۵۳)

"عن الاشتر قال كان خالد بن الوليد يضربه الناس على الصلاةبعد العصر".

(شرح معانی الآثار ص ۲۵۳)

اس سے واضح ہوا کہ دونوں مدعا کے حوالے سے حدیثیں وارد ہیں۔ لہذا داؤد ظاہری اس بات کی طرف گیا کہ

بعد عصر نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے اور کچھ صحابہ سے بھی ایسا منقول ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ان صحابہ کرام تک منع والی حدیث نہیں پہنچ پائی یا یہ کہ انہوں نے اس حوالے کی نہی (منع) کو نہی تنزیہی پر محمول کیا،تحریمی پر نہیں۔

حضور صدر الشریعہ قدس سرہ نے اپنے مایہ ناز حاشیہ کشف الاستار میں یہ ذکر کیا کہ جن روایتوں میں یہ ذکر ہے کہ حضور نے عصر کے بعد نماز پڑھی وہ خصائص نبوت سے ہے۔

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

"ونحن نقول :صلوته بعد العصرمن خصائصه لا یجوز لاحد ان یتنفل بعد العصر ویدل علیه ما رواه ابو داؤد والبیهقی عن ذکوان مولیٰ عائشةانها حدثته ،ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلی بعد العصر رکعتین وینهی عنهما ویواصل وینهی عن الوصال وما روی عن ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها حین صلی النبی صلی الله علیه وسلم بعد العصر سالته یا رسول الله افتقضیهما اذا فاتتا قال لا "فدل هذا ان هذه الصلوٰة مخصوصة بالنبی صلی الله علیه وسلم لا یجوز لاحدان یصلیها". (کشف الاستار ص ۲۴۳)

ترجمہ:۔"اور ہم یہ کہتے ہیں کہ عصر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا تو یہ خصائص نبوت میں سے ہے۔او راس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کی روایت ابوداؤد او ربیہقی نے کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت ذکوان سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے ان سے حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے بھی اور اس سے منع بھی فرماتے تھے۔صوم وصال رکھتے بھی او راس سے منع بھی فرماتے تھے۔اور وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم ان دو رکعت کی قضا پڑھیں جب یہ فوت ہوجائیں۔تو آپ نے فرمایا نہیں۔تو یہ دلالت کرتی ہے کہ یہ نماز صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ان کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اسے پڑھے"۔

اور جب ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث میں یہ ہے، کہ حضور نے ظہر کی فوت شدہ سنت بعد عصر پڑھی تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا ہم بھی اس کی قضا پڑھیں تو حضور نے فرمادیا کہ نہیں۔تو واضح ہوا کہ بعد عصر کوئی نفل نہیں پڑھ سکتے اگرچہ فوت شدہ سنت ہی کیوں نہ ہو۔حضور کا پڑھنا آپ کی خصوصیت ہے۔لہٰذا یہ حدیث امام شافعی کے خلاف ہے کہ وہ ظہر وغیرہ کی فوت شدہ سنتوں کو پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

حضور صدر الشریعہ نے صرف دعویٰ نہیں کیا بلکہ دلیل سے بھی مزین کیا ہے۔جیسا کہ درج بالا عبارت سے واضح ہے ۔نیز آگے چل کر علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے "فدل علی ان صلوته علیه السلام مخصوصة به دون امته". (یعنی یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بعد عصر حضور کا نماز پڑھنا آپ کے

خصائص میں سے ہے۔آپ کی امت کو اس کی اجازت نہیں)

حضور صدر الشریعہ بابا کے آخر میں امام طحاوی علیہ الرحمہ کے قول کا خلاصہ بھی پیش کرتے ہیں جس سے اصل مسئلہ منقح ہوکر سامنے آجاتا ہے۔آپ لکھتے ہیں: ''اس باب میں جو بھی مذکور ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ بعد عصر نماز پڑھنا اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے مگر وہ آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کی موجودگی میں بعد عصر دو رکعت پڑھنے والے کو کوڑا مارتے تھے اور کوئی صحابی حضرت عمر کے اس فعل کا انکار نہیں کرتا تھا۔

اور شوافع میں سے ماوردی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔اور خطابی نے کہا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ دوسروں کے لیے یہ حکم نہیں۔اور ابن عقیل نے کہا یہی توجیہ توجیہ ہے۔

اس کے علاوہ ہم دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ مبیح اور حاظر (اباحت اور عدم اباحت پر دلالت کرنے والی روایات) جب متعارض ہوجائیں تو حاظر (عدم جواز پر دلالت کرنے والی) کو متاخر اور ناسخ مانا جاتا ہے۔اور اسی پر عمل ہوتا ہے۔لہٰذا ممانعت والی حدیث کثرت طرق اور اپنے مخرج کے تواتر کے ساتھ مبیح (جواز پر دلالت کرنے والی) حدیث پر راجح قرار پائے گی، اور مبیح مرجوح ہوگی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نہی (ممانعت) والی حدیث قولی ہے اور مبیح (جواز والی) فعلی ہے اور اصول یہ ہے کہ قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔لہٰذا ممانعت والی حدیث کو ترجیح دیا گیا''۔

(کشف الاستار ج۲،ص ۲۵۵)

استنباط مسائل:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی درج بالا حدیث سے کئی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ جن کو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے کشف الاستار میں درج کیا ہے۔انہیں ہم یہاں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ آپ کی شان فقاہت پر روشنی پڑے۔

(۱) حضرت ام سلمہ کی حدیث میں جب ایک لڑکی نے آپ کے حکم سے حضور کے پہلو میں کھڑی ہوکر حضور سے مذکورہ سوال کیا دراں حالیکہ آپ نماز میں تھے تو اس سے ثابت ہوا کہ نمازی کا دوسرے کے کلام کو سننا اور سمجھنا جائز ہے۔اور یہ نماز کے لیے مضر نہیں ہے۔

(۲) اس سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ سن کر یقین کی تحصیل پر قدرت رکھنے کے باوجود خبر واحد اور عورت کی خبر کا قبول کرنا درست ہے۔

(۳) کنیت میں تعظیم ہوتی ہے اور آدمی خود اپنے بارے میں تعظیم کا اظہار کرے، جائز نہیں۔لیکن جب اس حدیث میں ہے کہ اے نبی حضور سے کہو کہ ام سلمہ کہتی ہیں تو ثابت ہوا کہ آدمی اپنی کنیت کا ذکر کرسکتا ہے جب کہ کنیت ہی سے جانا پہچانا جاتا ہو۔

(۴) جب حضور نے اسلام لانے والے وفد عبدالقیس کو دیکھا تو ظہر کی دو رکعت کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوئے تو ثابت ہوا کہ جب دو دینی کام درپیش ہوں تو پہلے ان میں سے اہم کو اختیار کرے۔لہٰذا حضور نے وفد عبدالقیس کے نو مسلموں کی طرف توجہ کی اور سنت ظہر کو اس وقت چھوڑ دیا حتیٰ

کہ اس کا وقت گذر گیا۔ آپ نے اس لیے ایسا کیا کہ ان کے ارشاد و ہدایت میں مشغول ہونا زیادہ اہم تھا۔

(۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آداب میں سے ہے کہ آدمی جب کسی نمازی سے کچھ سوال کرے تو پیچھے یا سامنے نہ کھڑا ہو، بلکہ پہلو میں کھڑا ہو، تاکہ مصلی دقت میں نہ پڑے، اور اشارہ کرنے میں مشقت میں نہ پڑے۔

(۶) اس حدیث میں حضرت ام سلمہ کی ذہانت وفطانت پر اور سوال میں نرمی کے ساتھ اچھے طور سے جواب کے منتظر رہنے پر اور ان کے معاملۂ دینی کے اہتمام پر دلالت ہے۔

(۷) اس سے مہمان کے احترام و دل جوئی کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے جب حضرت ام سلمہ نے اپنے پاس کی موجودہ عورتوں کو سوال کرنے کا حکم نہ دیا اور خود سے اٹھ کر اور حضور کے پاس جا کر انہیں نہ چھوڑا، بلکہ ان کے درمیان جلوہ افروز رہیں اور بچی کے ذریعہ سوال کیا۔

(۸) عورتیں کسی عورت کی زیارت کے لیے جاسکتی ہیں اگر چہ اس کا شوہر اس کے پاس ہو۔

(۹) گھر میں نماز نفل پڑھنا ثابت ہوا جب کہ یہ مسئلہ محقق ہے کہ نفل گھر میں پڑھنا مستحب ہے۔

(۱۰) بلاضرورت نمازی سے قریب ہونا مکروہ ہے۔

(۱۱) یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ آدمی مشکل احکام کی تحصیل و معرفت میں جلدی کرے تاکہ وسوسہ سے نجات پائے۔

(۱۲) جب حضرت ام سلمہ کے حکم سے سوال کرنے والی بچی کو حضور نے ٹھہرنے کا اشارہ کیا تو ثابت ہوا کہ مصلی کا اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنا یا دوسرے افعال خفیفہ کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں۔ (کشف الاستار ج ۲، ص ۲۴۸ وغیرہ)

اب سوال یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو قول کیا ہے کہ بعد نماز عصر نفل پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے تو اس بابت صحابۂ کرام، تابعین عظام، محدثین فخام اور فقہائے ذوی الاحترام سے ان کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اس گوشہ کو بھی صدر الشریعہ نے نہیں چھوڑا، اور واضح کیا کہ کن کن اساطین ملت سے آپ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ عینی کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فجر کے بعد نفل پڑھنے کو مکروہ جانا اور عصر کے بعد بھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ اور یہی قول ہے حسن بصری، سعید بن مسیب، علاء بن زیاد، حمید بن عبد الرحمٰن کا۔ اور امام نخعی نے کہا کہ یہ لوگ اسے مکروہ جانتے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابن بطال نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر اب یہ حدیث آتی ہے کہ آپ نے فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام کی موجودگی میں عصر کے بعد نفل پڑھنے والے کو مارا کرتے تھے اور صحابہ کرام انکار نہ کرتے تھے۔ تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بعد عصر حضور کا دو رکعت پڑھنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے، امت کے لیے درست نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالب، عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، سمرہ بن جندب، زید بن ثابت، سلمہ بن عمرو، کعب بن مرہ، ابو امامہ، عمرو بن عضبہ، عائشہ، صنابحی، جس کا نام عبد الرحمٰن بن عسیلہ ہے، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمرو نے

اس نماز کو مکروہ جانا ہے۔ اور اشتر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ خالد بن ولید بعد عصر نماز پڑھنے والے لوگوں کو مارا کرتے تھے۔ اور اس نماز کو حضرت سالم اور ابن سیرین نے مکروہ جانا ہے"۔ (کشف الاستار ج ۲، ص ۲۴۳ ر ۲۴۴)

اسی طرح ترمذی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اور یہی قول ہے صحابہ کرام اور ان کے بعد والے اکثر فقہائے کرام کہ ان سبھوں نے نماز فجر کے بعد جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے اور عصر کے بعد جب تک کہ سورج غروب نہ ہو جائے نماز پڑھنے کو مکروہ جانا ہے"۔

(کشف الاستار ج ۲، ص ۲۵۰)

کشف الاستار کی ایک خوبی یہ ہے کہ امام طحاوی نے کسی مسئلہ پر احادیث کے انبار لگا ہیں تو حضور صدر الشریعہ نے ان کی تخریج کر کے واضح کر دیا ہے کہ یہ حدیث فلاں فلاں کتاب میں بھی ہے، اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ طحاوی کے علاوہ اور بھی احادیث مسلک حنفی کی تائید میں لاتے ہیں۔ جیسے مسئلہ دائرہ میں مسلک احناف کے اثبات میں امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے تقریباً ۳۲ ر احادیث پیش کی ہیں اور لکھا کہ یہ صحابہ کرام بعد عصر نماز پڑھنے سے منع فرماتے ہیں۔ اس کے ذیل میں حضور صدر الشریعہ یہ حاشیہ لگا کر مزید یہ اضافت فرماتے ہیں:

"ومثل هذا روي عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: تمرتان بزبد أحب الي من صلاة بعد العصر".

یعنی عصر کے بعد کی نماز سے مجھے جھاگ والی دو کھجور زیادہ محبوب ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم و محقق ہے کہ جو فقیہ ہوتا ہے وہ محدث بھی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ممکن ہے کہ کشف الاستار کے منظر عام پر آنے سے قبل بعض حضرات آپ کی تصانیف جلیلہ بہار شریعت اور فتاویٰ امجدیہ کے مطالعہ کے بعد صحیح نتیجہ پر نہ پہنچے ہوں اور اس وہم کے شکار ہوئے ہوں کہ حضور صدر الشریعہ صرف فقیہ اعظم ہند ہیں، عظیم محدث نہیں۔ کیوں کہ ان کی تصانیف صرف فقہ کے موضوع پر ملتی ہیں۔ لیکن حدیث کی جامع و مستند کتاب شرح معانی الآثار کے حاشیہ کشف الاستار کے جلوہ بار ہونے کے بعد اب کسی طرح کے وہم کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ کیوں کہ اس میں جہاں آپ کی فقیہانہ شان کے جلوے جابجا نظر آتے ہیں وہیں آپ کی محدثانہ شان کے گل کاریاں نظر آتی ہیں۔ امام طحاوی جہاں مسلک احناف کی تائید میں احادیث کا ذخیرہ پیش فرماتے ہیں وہیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بھی کئی احادیث حوالے کے ساتھ اضافہ فرماتے ہیں۔ دوسری طرف امام طحاوی قدس سرہ کی روایت کردہ احادیث کے بارے میں احادیث کی دیگر مستند کتابوں سے تخریج کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہی ام سلمہ کی حدیث جسے حضرت کریبہ نے بیان کیا ہے۔

اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قوله ان كريباًالخ: هذا الحديث أخرجه البخاري ومسلم وأبو داؤد والبيهقي باختلاف يسير في الالفاظ".

یعنی اس حدیث کی بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور بیہقی نے

بھی کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کی ہے۔

بلاشبہ صرف چند ماہ میں اس قدر دقیع، جاندار اور شاندار عربی زبان میں کتاب لکھ دینا آپ کی شان محدثانہ اور فقیہانہ کو اجاگر کرتا ہے اور بہرحال قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تصنیف جلیل کشف الاستار تحقیقات انیقہ کا بہترین شاہکار و مرقع ہے۔

شرح اور حاشیہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ ہر اہم گوشے کو اجاگر کیا جائے۔ مثلاً حدیث کی کتاب ہے تو تخریج احادیث کہ یہ حدیث کس کس کتاب میں ہے، مستنبط مسائل کو اجاگر کیا جائے، اگر کوئی عبارت حدیث مغلق ہو تو اس کی تشریح کی جائے، مشکل لغات حل کیے جائیں۔ اگر کسی لفظ پر اعتراض وارد ہو تو اس کا جواب دیا جائے۔ اگر بظاہر احادیث میں تعارض ہو تو ان کے درمیان تطبیق دی جائے۔ حضور صدر الشریعہ نے اپنے اس حاشیہ میں ان سب باتوں کا التزام کیا ہے، جس سے حاشیہ کی خوبیاں اجاگر ہو کر سامنے آتی ہیں۔

جیسے شرح معانی الآثار کی جلد دوم کے صفحہ ۲۴۲ پر حضرت عائشہ کی حدیث کے آغاز میں "رکعتان" کا لفظ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو نماز کو کبھی نہیں چھوڑ تے تھے۔ ایک فجر کی دو رکعت سنت دوسری بعد عصر دو رکعت نفل، یعنی "رکعتان" کا لفظی ترجمہ تو اگر چہ ہے دو رکعت مگر مگر یہاں دو نماز مراد ہے۔ کیوں کہ دو رکعت تو صرف ایک ہی نماز ہوگی جب کہ دو نمازوں کا ذکر مقصود ہے۔ ایک قبل فجر کی اور ایک بعد عصر کی۔ تو اگر "رکعتان" کو لفظی معنی پر رہنے دیا جائے تو یہ اعتراض وارد ہوگا کہ نماز تو دو ہے اور رکعتان سے سمجھ میں آتا ہے کہ ایک ہی ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کے تین جواب دیے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ ہے:

"وقوله "رکعتان" ای صلاتان لانه فسرها باربع رکعتان وهو من باب اطلاق الجزء و ارادة الكل"

یعنی حدیث میں رکعتان سے مراد صلاتان ہے۔ کیوں کہ اس کی تفسیر چار رکعت سے کی ہے، اور یہ جز بول کر کل مراد لینے کے قبیل سے ہے۔

اسی لیے محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری رقم طراز ہیں:

یقیناً ہمارے شیخ (محشی صدر الشریعہ علیہ الرحمہ) جلیل القدر محقق اور درست رائے رکھنے والے مدرس تھے۔ اور فقہی بصیرت میں منفرد اور فرید عصر تھے۔ احادیث نبویہ اور ان کی شرح میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا اور دوسرے علوم معقولات و منقولات میں انہوں نے قدم راسخ پایا تھا۔ اس لیے طحاوی (شرح معانی الآثار) پر تحقیق کامل اور تدقیق تام کے ساتھ حاشیہ نگاری کرنے لگے باوجودیکہ امام بدر الدین العینی کی شرح طحاوی کا حصول ان کے لیے ممکن نہ ہوا۔

اس حاشیہ کے مطالعہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ ضروری بحث و تحقیق کے کسی گوسے کو انہوں نے نہیں چھوڑا ہے۔

حضرت محشی نے طلبہ اسلامی کے افہام و اذہان کا خیال و لحاظ کرتے ہوئے ابتداء صرف متون احادیث اور امام طحاوی کی بحثوں پر حاشیہ کا التزام کیا۔ پھر چند صفحات کے لکھنے کے بعد احادیث کی تخاریج کا اضافہ کیا جو احادیث کی دوسری کتب

میں آتی ہیں۔اور رجال حدیث کے بارے میں حسب ضرورت کلام کیا تا کہ شرح معانی الآثار کا رتبہ دوسری کتب احادیث کے درمیان واضح اور متعین ہوجائے۔

(کلمۃ التقدیم علی کشف الاستارج ا،ص ۴)

دو مقتدی ہوں، ایک امام، تو امام کہاں کھڑا ہوگا؟

یہاں تین مسئلے ذہن نشین کرنے کے قابل ہیں:

(۱) نماز پڑھنے والے صرف دو آدمی ہیں اور جماعت سے پڑھنا چاہتے ہوں تو اس کے بارے میں متفق علیہ مسئلہ یہ ہے کہ امام کی دائیں جانب مقتدی کھڑا ہو۔

(۲) نماز پڑھنے والے تین سے زیادہ ہوں تو اس صورت میں متفق علیہ مسئلہ یہ ہے کہ امام آگے رہے گا اور بقیہ لوگ پیچھے کھڑے ہوں گے۔

(۳) صرف تین آدمی ہوں تو امام کہاں کھڑا ہو؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔حنفیوں کا مسلک یہ ہے کہ امام آگے رہیں گے،اور دونوں مقتدی پیچھے صف لگائیں گے۔

لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود اور امام نخعی کا مسلک یہ ہے کہ امام بیچ میں اور اس کے دائیں، بائیں دونوں مقتدی رہیں گے۔ اس طور سے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہوگیا۔ اس لیے محدث امام ابو جعفر طحاوی حنفی قدس سرہ (م ۳۲۱) نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب شرح معانی الآثار میں ایک باب باندھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''امام دو آدمیوں کو نماز پڑھائے تو وہ امام کہاں کھڑا ہو''۔اس باب میں امام نخعی علیہ الرحمۃ والرضوان کے موافق تین روایتیں عبداللہ بن مسعود کی لائیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں مقتدیوں کے درمیان میں امام کھڑا ہو۔اس کے بعد چار حدیثیں وہ لائیں جن سے مسلک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تائید ہوتی ہے۔ پھر اصول اسلام پر مبنی کئی دلائل پیش کر کے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہمارے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔امام طحاوی نے عبداللہ بن مسعود کی ایک حدیث یہ پیش کی ہے:

''عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ قال دخلت انا وعمی علی عبداللہ بالھاجرۃ فاقام الصلوٰۃ فتأخرنا خلفہ فاخذاحدنا بیمینہ والآخر بشمالہ فجعلنا عن یمینہ وعن یسارہ فلما صلی قال ھکذا کا ن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع اذا کانوا ثلثۃ''.

(شرح معانی الآثار مع کشف الاستار ج ۲،ص ۲۵۸)

ترجمہ:۔ عبدالرحمن بن اسود اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں اور میرے چچا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ظہر کے وقت پہنچے تو انہوں نے نماز قائم کی تو ہم دونوں نے ان کے پیچھے ہٹ کر صف لگائی، اس پر آپ نے ہم سے ایک کو داہنے ہاتھ سے اور ایک کو بائیں ہاتھ سے پکڑا، اور ایک کو داہنی طرف اور ایک کو بائیں طرف کردیا۔اور جب نماز سے فارغ ہو چکے تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے جب تین افراد ہوتے۔

یہ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے۔لیکن کئی احادیث طیبہ اس کے برخلاف ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے:

''عن عبادۃ بن الولید بن عبادۃ بن الصامت

قال اتينا جابر بن عبدالله فقال جابر جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهويصلى حتى قمت عن يساره فاخذنى بيده فادارنى واقامنى عن يمينه وجاء جبار بن صخر فقام عن يساره فدفعنابيده جميعاًحتىٰ اقامنا خلفه".

(شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۲۵۹/۲۶۰)

ترجمہ:۔عبادہ بن ولید سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو حضرت جابر نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) آیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ میں ان کی بائیں طرف کھڑا ہوگیا۔تو آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر گھما دیا اور مجھے داہنی طرف کردیا، پھر جبار بن صخر آئے تو وہ بائیں طرف کھڑے ہوگئے تو ہم دونوں کو ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کردیا۔

اس حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں یہی درج ہے کہ جب دو مقتدی تھے تو حضور نے او رحضرت عمر نے ان دونوں کو پیچھے کرکے نماز پڑھائی۔لہٰذا یہ حدیث حضرت امام ابراہیم نخعی کے مسلک اور عبداللہ بن مسعود کے عمل کے خلاف ہے۔اور اس سے سیدنا امام اعظم اور جمہور کا مسلک واضح ہوتا ہے۔

اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"تین نمازیوں کے بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو ہم نہیں لیتے ہیں، لیکن یہ کہتے ہیں کہ جب تین افراد ہوں تو ان میں کا ایک بحیثیت امام دو کے آگے اور باقی اس کے پیچھے رہیں"۔(کشف الاستار ج ۲، ص ۳۴)

اسی طرح حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت ملیکہ (ام سلیم رضی اللہ عنہا) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھانے کی دعوت دی جسے انہوں نے بنایا تھا۔حضور تشریف لائے اور اس سے تناول فرمایا ۔پھر فرمایا: تم لوگ کھڑے ہوجاؤ تاکہ میں تمہارے لیے نماز پڑھادوں حضرت انس نے کہا کہ میں اپنی ایک چٹائی کو لینے کھڑے ہوئے جو طول زمانہ کے سبب کالی ہوچکی تھی پھر میں نے اسے پانی سے دھو دیا بعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں اور ایک بچہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور بوڑھی (حضرت ملیکہ) ہم سب کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر واپس ہوگئے۔

اب سوال یہ ہے کہ بے شمار روایات کے وارد ہوتے ہوئے حضرت ابن مسعود نے ایسا کیوں کر کیا؟ اور کیا ان کے قول کی توجیہ ممکن ہے؟۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرور اس کی توجیہ ہے۔حضور صدر الشریعہ قدس سرہ نے امام طحاوی اور جمہور کے حوالے سے اس کے کئی جوابات دیے ہیں۔آپ رقمطراز ہیں:

(۱)"بیہقی نے ہشام بن حسان سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن مسعود کے اس فعل کا تذکرہ حضرت ابن سیرین کے پاس کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابن مسعود نے اس لیے ایسا کیا کہ مسجد تنگ تھی۔

(پیچھے صف قائم کرنا ممکن نہ تھا) اس لیے دونوں مقتدی کو دائیں اور بائیں کرلیا''۔

(۲) امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کی کہ حضرت اسود نے کہا میں اور میرے چچا علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دوپہر میں گئے، تو انہوں نے ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے اقامت کہی تو ہم ان کے پیچھے کھڑے ہوگئے تو آپ نے میرے اور میرے چچا کے ہاتھوں کو پکڑا اور ایک کو اپنی داہنی طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کردیا۔ پھر ہمارے بیچ میں کھڑے ہوئے اور ہم لوگوں نے انکے پیچھے صف لگایا پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی طرح کیا کرتے تھے جب تین افراد ہوتے۔ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسود اور علقمہ کے بیچ تو کھڑے ہوئے مگر ان دونوں کے آگے تھے۔ اور وہ دونوں آپ کے پیچھے۔

تو اس معنی کی بنیاد پر بھی حضرت ابن مسعود کا عمل جمہور کے خلاف نہ ہوگا۔ فتاویٰ ہندیہ میں کہا ہے: ''اگر امام کے ساتھ دو آدمی ہوں اور امام ان کے بیچ میں کھڑا ہو تو ان کی نماز جائز ہے''۔ اور در مختار میں ہے: ''امام کے علاوہ ایک سے زائد آدمی ہوں تو وہ پیچھے کھڑے ہوں، اور اگر امام دو کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اور زیادہ کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تحریمی ہے''۔ اور رد المحتار میں ہے کہ صاحب در مختار نے جو کہا کہ مکروہ تنزیہی ہے، اس کے خلاف ایک روایت میں ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ پہلا زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ امداد میں ہے۔ اور ہدایہ میں ہے: اگر کوئی دو آدمی کی امامت کرے تو وہ ان دونوں سے آگے رہے۔ اور امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ وہ ان دونوں کے بیچ کھڑا ہو۔ یہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اور ہمارے لیے دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امامت فرمائی تو حضرت انس اور ایک بچہ سے آگے کھڑے ہوئے۔ تو آپ کا اس طرح کرنا افضلیت کی دلیل ہے اور ابن مسعود کا عمل اباحت کی دلیل ہے''۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس توضیح سے یہ واضح ہوگیا کہ جب دو مقتدی ہوں تو امام آگے کھڑا ہو، تو اس میں کراہت تنزیہی سے اجتناب اور افضلیت پر عمل ہے۔ اور اگر بیچ میں کھڑا ہو تو کراہت تنزیہی کا ارتکاب ہے مگر یہ جائز ومباح ضرور ہے۔ اور اپنے اس مدعیٰ کو فتاوی ہندیہ، درمختار اور ردالمحتار کی عبارتوں سے مزین کردیا ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت مسند امام احمد بن حنبل کے حوالے سے پیش کرکے اور دونوں حدیث کا مجمل متعین کرکے ایسی تطبیق پیدا کردی ہے کہ اس کی طرف ہر کس ناکس کا ذہن نہیں جاسکتا۔ اس سے آپ کی احادیث طیبہ کی معانی ومفاہیم پر عبور اور مسائل کے استنباط پر دسترس کا اندازہ لگتا ہے۔

حضور صدر الشریعہ ایک دو دلیل پر اکتفا نہیں کرتے اپنے موقف کے اثبات میں دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں، چنانچہ مسئلہ زیر بحث میں فرماتے ہیں:

''فتح القدیر میں علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یا تو تنگی جگہ کی وجہ سے ایسا کیا یا وہ وجہ ہے جو حازمی نے کہا کہ وہ منسوخ ہے۔ کیوں

کہ اس طرح کی نماز مکہ شریف میں ہوئی ہے۔اس لیے کہ اس میں تطبیق اور دوسرے احکام کا تذکرہ ہے جو اس وقت متروک ہیں۔اور یہ مسئلہ دائرہ بھی ان ہی میں سے ہے۔پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے اسے ترک فرمادیا۔اس کی دلیل عبادہ بن الولید کی وہ حدیث ہے جس کی امام مسلم علیہ الرحمہ نے جابر سے تخریج کی۔حضرت جابر نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا، تو آپ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے تو میں آیا اور آپ کی بائیں طرف کھڑا ہوگیا۔تو آپ نے مجھے گھما کر دائیں طرف کردیا۔ پھر ابن صخر آئے اور وہ بائیں طرف کھڑے ہوگئے تو حضور نے ہم دونوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑا اور وہاں سے ہٹا کر پیچھے کھڑا کردیا۔تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ حضور کا آخری عمل ہے۔اس لیے کہ حضرت جابر بدر کے بعد والے غزوات میں شریک رہے ہیں الخ "۔(کشف الاستارج ۲،ص ۲۵۷)

مستنبط مسائل:

مذکورہ احادیث سے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ مندرجہ ذیل مسائل مستنبط کیے ہیں:

(۱)حضرت جابر کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ "مجھے حضور نے بائیں سے ہٹا کر داہنے لاکر کھڑا کردیا" اس سے مسئلہ مستنبط ہوا کہ عمل قلیل جیسے یہاں پر بائیں سے دائیں کرنا، نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

(۲)نفل کو جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں لیکن ہم حنفیوں کے نزدیک اس صورت میں ہے کہ تداعی کے طور پر نہ ہو۔درمختار میں کہا، نفل کی جماعت مکروہ ہے اگر تداعی کے طور پر ہو۔بایں طور کہ امام کے علاوہ پانچ نمازی ہوں۔اور ردالمحتار میں کہا، ایک آدمی کا ایک آدمی کی اقتدا میں نماز پڑھنا یا دو کا ایک آدمی کی اقتدا میں پڑھنا تو یہ مکروہ نہیں ہے۔اور تین آدمی ایک امام کی اقتدا میں پڑھیں تو اس میں اختلاف ہے (جیسا کہ بحرالرائق میں کافی کے حوالے سے ہے) اور یہ اس وقت ہے جب ہر شخص نفل پڑھ رہا ہو۔لیکن اگر نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور صدرالشریعہ نے مندرجہ ذیل مسائل متخرج کیے ہیں:

(۱)حدیث مذکور میں ہے کہ حضرت ملیکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دے کر بلایا تھا۔تو اس سے شادی کے علاوہ کی دعوت کا جائز ہونا ثابت ہوا۔ اور اس کھانے کا جواز بھی ثابت ہوا۔

(۲)تداعی کے طور پر نہ ہو تو نفل بھی جماعت سے پڑھنا درست ہے۔

(۳)حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ملیکہ کے گھر میں یہ نماز پڑھی تھی لہٰذا ثابت ہوا کہ نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔کیوں کہ مسجدیں فرض کی ادائی کے لیے ہیں۔

(۴)کسی بزرگ کا دعوت دینے والے کے گھر میں نماز پڑھنا اور نماز سے دعوت دینے والے کا برکت حاصل کرنا محمود وپسندیدہ ہے۔بعض علماء نے کہا کہ نماز پڑھ کر حضور نے برکت سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ عورتیں افعال بہت کم مشاہدہ کرپاتی تھیں، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ

فرمایا کہ حضرت ملیکہ انہیں سیکھ لیں اور دوسروں کو سکھادیں۔

(۵) جب حضرت انس نے میلی چٹائی کو دھویا تو پتا چلا کہ جائے صلاۃ میلوں کو دور کر کے اسے ستھرا کر دینا چاہیے، اور اسی کے مثل ہے جائے صلوۃ کو کوڑا کرکٹ سے پاک کرنا۔

(۶) بچہ مردوں کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔

(۷) عورتیں مردوں کے پیچھے رہیں گیں۔

(۸) اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ عورت کا مرد کی امامت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ جب عورت کے کھڑے ہونے کی جگہ بچوں کے کھڑے ہونے کی جگہ کے بعد تو ان کا مردوں سے آگے ہونا بدرجہ اولی جائز نہ ہوگا۔ اور یہی جمہور کا قول ہے، البتہ اس میں تبری اور ابو ثور کا اختلاف ہے، کیوں کہ یہ عورتوں کی امامت جائز کہتے ہیں، ان دونوں سے یہ بھی حکایت ہے کہ تراویح میں عورتوں کی امامت جائز ہے، جب مرد تراویح پڑھانے والے نہ ملیں۔

(۹) سمجھ وال بچے کی نماز صحیح و درست ہے، جب ہی تو حضرت انس کے ساتھ ایک نابالغ سمجھ وال بچے نے نماز پڑھی۔

(۱۰) نماز چٹائی پر پڑھنا جائز ہے، اور ہر اس چیز پر جو زمین سے پیدا ہو جائز ہے۔

(۱۱) چٹائی اور اس کے مثل میں طہارت کا ہونا اصل ہے لیکن اس پر پانی کا چھینٹا مارنا یا دھونا یا اسے نرم کرنے کے لیے تھا یا میل کچیل کو دور کرنے کے لیے۔

(۱۲) یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ امام کے پیچھے دو آدمی کے ہونے سے ایک صف ہو جاتی ہے۔

(۱۳) عورتیں جب امام کے ساتھ نماز پڑھیں تو مردوں کے پیچھے کھڑیں ہوں گی، لہٰذا اگر کوئی عورت مرد کی محاذات میں ہوئی تو حنفیوں کے نزدیک مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (کشف الاستارج ۲ ص ۲۶۲، ۲۶۳)۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی مسائل حضور صدر الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ السامی نے متخرج کیے ہیں، اس سے آپ کی فہم حدیث اور تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا پتہ چلتا ہے۔

آپ کی کتب حدیث پر گہری نظر ہونے اور فہم حدیث پر اس بات سے بھی خاصی روشنی پڑتی ہے کہ آپ طحاوی شریف کی مندرج احادیث کی مختلف کتابوں سے تخریج کرتے ہیں۔ مثلاً یہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث لے لیجیے اس کے تحت آپ رقم طراز ہیں:

"هذا الحديث أخرجه البخاري ومسلم والترمذي وأبو داود و نسائي". (اس حدیث کی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، ونسائی نے تخریج کی)

آخر میں ہم شکر گزار ہیں حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قبلہ قادری کے جن کی عنایتوں سے یہ حاشیہ ہماری نگاہوں کی ٹھنڈک بنا، اور حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری کے، جن کے اہتمام والصرام سے یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ خصوصاً حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری کے، جنھوں نے حضرت صدر الشریعہ کی اس علمی خدمت کی ترتیب وتہذیب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اور اس کو پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ طبع و اشاعت کے مرحلے تک پہنچایا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

☆☆☆

امام احمد رضا کی تحقیقات اور صدر الشریعہ کی خدمات

مفتی شہاب الدین رضوی

بریلی شریف میں آمد:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی ۱۹۲۱ء کو مدرسہ منظر اسلام بریلی کے لیے ایک ذی استعداد استاذ کی ضرورت پیش آئی۔ علامہ محدث سورتی سے امام احمد رضا کے دوستانہ مراسم تھے، جب محدث سورتی سے ذکر کیا تو آپ نے مولانا اعظمی کا نام صدر المدرسین کے لیے پیش کیا۔ امام احمد رضا بریلوی کے طلب فرمانے پر پٹنہ سے مطب چھوڑ کر دار العلوم منظر اسلام میں تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا امجد علی اعظمی کے پٹنہ اور بریلی سفر کے تناظر میں مولانا جلال الدین قادری (کھاریاں پاکستان) اظہار خیال فرماتے ہیں:

"اب طب جسمانی سے تبادلہ کر کے طب روحانی کے مطب میں کام شروع کیا۔ جلد ہی اپنی استعداد، قابلیت، خداداد حسنِ سلیقہ اور سعادت مندی سے مجدد ملت امام احمد رضا بریلوی کی نظر میں مقبول اور مورد الطاف خاص بن گئے"۔ (محدث اعظم پاکستان، ج:۱ رص:۱۲۸، ایڈیشن دنیا سوداگران بریلی شریف)

مولانا اعظمی کے مدرسہ منظر اسلام آنے پر طلبہ میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی، ابتداءً مدرسہ میں تدریسی خدمت سپرد کی گئی، بعدہ دیگر ذمہ داریوں کو آپ ہی کے حوالے کر دیا گیا۔ جس کی تفصیل آئندہ کے اوراق میں ملاحظہ کریں گے۔

دار العلوم مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں تدریس:

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی نے ابتدائے شباب ہی سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر حیات تک جاری رکھا۔ مولانا کے تلامذہ میں ایسے نابغہ روزگار افراد شامل ہیں، جن پر علم و فضل کو بھی ناز ہے۔

مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت اور پٹنہ کے بعد ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء سے ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء تک منظر اسلام بریلی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (۱۹۳۳ء) صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں صدر المدرسین کے لیے مدرسہ کے مہتمم و متولی میر نثار احمد کا دعوت نامہ لے کر بریلی شریف آئے، لیکن آپ نے اپنے شیخ کا آستانہ اور منظر اسلام کی تدریس چھوڑ کر جانے سے معذرت کر دی۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے امام احمد رضا بریلوی کے خلف مولانا حامد رضا خاں (۱۹۴۳ء) سے رجوع کیا۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا کی اجازت و حکم سے دار الخیر اجمیر مقدس حاضر ہوئے اور بے مثال تدریس کے ذریعہ مرجع علما و عوام بنے۔ (محمد جلال

الدین قادری، مولانا محدث اعظم پاکستان، ج:۱ص:۱۲۹)

دوبارہ بریلی آمد دارالعلوم حافظیہ میں علمی خدمات:

مولانا امجد علی اعظمی نے دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء تک درس وتدریس فرمائی۔ مہتمم ومتولی مدرسہ میر نثار احمد سے بعض امور میں اختلاف کے سبب مدرسہ معینیہ عثمانیہ کی تدریس سے علیحدگی اختیار فرمائی، علما کی ایک کثیر تعداد جو حلقۂ تلمذ سے وابستہ تھی، ہمراہ لے کر دوبارہ بریلی شریف آگئے اور منظر اسلام میں تدریس شروع کردی۔

تین سال بعد مولانا سید مصباح الحسن پھپھوندوی کی رہنمائی میں نواب حاجی غلام محمد خاں شیروانی رئیس دادوں ضلع علی گڑھ کی دعوت پر دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں میں بحیثیت صدر مدرس تدریس کا کام کیا۔ مولانا اعظمی نے سات سال تک بہ کمالِ حسن وخوبی دادوں میں درس دیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی سابق صدر امور مذہبی حیدر آباد (دکن) نے ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء کے سالانہ جلسہ امتحان کے موقع پر اپنی تقریر میں مولانا کی مہارتِ درس اور تبحر علمی کا بہ کمال اعتراف کیا۔ اور کہا:

> ”مولانا امجد علی صاحب پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں، جنھیں میں منتخب جانتا ہوں“۔

بعد ازاں کچھ عرصہ بہار اور بنارس میں بھی تدریسی فرائض سرانجام دیئے۔ منظر اسلام اور مظہر اسلام بریلی کے مدرسین جب کبھی بیماری یا اتفاقیہ رخصت کی بنا پر اپنے طلبہ کو سبق نہ پڑھا سکتے تو اس عرصہ میں عموماً مولانا امجد علی اعظمی طلبہ کو سبق پڑھاتے۔

بیعت وخلافت اور مرشد کی نوازش:

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی سے امام احمد رضا بریلوی کو کافی انسیت والتفات اور محبت ہوگئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ تدریس کے علاوہ افتا اور تصنیف وتالیف وغیرہ کی دیگر اہم ذمہ داریوں پر فائز کر دیا تھا، بالکل اسی عقیدت وخلوص سے مولانا اعظمی امام احمد رضا کے امور کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

امام احمد رضا بریلوی کی عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی اور ورع وتقویٰ سے شاداب ودرخشندہ زندگی کی مسلسل دید کے بعد آپ نے روحانی راہنمائی کے لیے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں امام احمد رضا بریلوی سے بیعت کی اور جلد ہی تمام سلاسل میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

صدر الشریعہ کا مقام اور واعظین کے لیے لمحہ فکریہ:

امام احمد رضا بریلوی کا شہرہ انھی کے عہد میں آفاق کو پہنچ چکا تھا۔ دور دراز کے افراد آپ کے پاس آتے اور مسائل دریافت کرتے، وعظ وتقریر کے لیے امام احمد رضا سے منسلک علما ومناظرین کو اپنے یہاں مدعو کرتے۔ جب یہ طریقہ بہت زیادہ رواج پا گیا کہ امام احمد رضا سے تعلق رکھنے والوں کو ہی میلاد شریف یا دیگر تقریبات میں مدعو کیا جائے گا، تو دوسری طرف علمائے سوء میں ہل چل سی مچ گئی اور اپنی گرتی ہوئی دوکان کو بچانے کے لیے انھوں نے اپنا تعلق ورشتہ امام احمد رضا بریلوی سے جوڑ دیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ وہ لوگ بھی اس میدان میں پیش پیش تھے، جو نہ عالم تھے، نہ مفتی۔ جب کہ غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔ (۳) اس صورت حال کے پیش نظر امام احمد رضا بریلوی نے ایک

اعلانیہ شائع فرمایا۔ انہی کے الفاظ میں:

''برادرانِ اہل سنت کو اطلاع فقیر کے پاس شکایتیں گزریں، بعض صاحب باوصف بے علمی دنیا طلبی کے لیے وعظ گوئی کرتے ہوئے اکناف ہند میں دورہ فرماتے ہیں اور یہاں سے اپنا علاقہ وانتساب بتاتے ہیں، جس کے سبب فقیر سے محبت رکھنے والے حضرات دھوکہ کھاتے ہیں۔ اس شکایت کے رفع کو یہ سطور مسطور۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احباب علمائے شریعت یا برادران طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعت دین وجماعت سنت میں جلب منفعت مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمات خالصتاً لوجہ اللہ ہوں۔ ہاں اگر بلا طلب اہل محبت سے نذر پائیں رد نہ فرمائیں کہ اس کا قبول سنت ہے۔ یہاں سے نسبت ظاہر فرمانے والے صاحبوں کے پاس فقیر کی دستخطی مہری سند علمی یا اجازت نامہ طریقت ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ زبانی دعوے پر عمل پیرانہ ہوں۔

والسلام: فقیر احمد رضا غفرلہ

(ماہنامہ الرضا بریلی، ص:۹)

مذکورہ فرمان اپنی افادیت واہمیت کا مزید حامل ہوگیا ہے۔ چوں کہ دور جدید میں بہت سے ایسے مقررین ہیں جو نذرانہ قبل جلسہ طے کرلیتے ہیں۔ اور جب مقرر کو متعینہ نذرانہ سے کم ملتا ہے تو وہ نذرانہ کو سڑک پر پھینک دیتے ہیں۔ جب کہ حقیقتاً یہ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ راقم السطور کا مقصد کسی پر تنقید وتنقیح نہیں ہے بلکہ امام احمد رضا بریلوی کے پیغام کو دور ونزدیک پہنچانے کی سعی ہے۔ تاکہ ہم اپنے اندر اصلاح کی تحریک پیدا کرسکیں۔

امام احمد رضا بریلوی کے قلم مبارک سے جاری شدہ اسمائے گرامی کو مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ایڈیٹر ماہنامہ الرضا بریلی نے شائع کردیا تھا۔ راقم السطور کو حاصل شدہ ۴۳ر علما، خطبا، مناظرین اور مفتیانِ کرام ہیں۔ ان میں سرفہرست مولانا حامد رضا بریلوی، مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی ہیں۔ تیسرے نمبر پر مولانا امجد علی اعظمی کا اسم گرامی مندرج ہے۔ لکھنے کی کیفیت یہ ہے:

''(۳) جناب مولانا مولوی حکیم امجد علی صاحب ساکن اعظم گڑھ وارد حال محلہ سوداگران بریلی۔ عالم، فقیہ، مصنف، واعظ، مناظر، حامی سنت، ومجاز طریقت''۔ (ایضاً ص:۱۰)

امام احمد رضا بریلوی نے اپنے مختصر سے الفاظ میں جامع خصوصیات کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ آخر مضمون میں مولانا حسنین رضا بریلوی یوں رقم طراز ہیں:

''فقیر مدیر (ماہنامہ الرضا بریلی) عرض کرتا ہے کہ مزید اطلاع کے لیے یہ بعض نام تحریر کیے گئے ہیں۔ جن کا علاقہ اعلیٰ حضرت مدظلہ سے خصوصیت کے ساتھ ہے۔ ان میں جو بفضلہٖ تعالیٰ علم میں کامل ہیں، ان سے مسائل بھی پوچھے جائیں اور ان کا بیان بھی سن کر فیض پائیں''۔ (ایضاً ص:۹)

حضرت مولانا امجد علی اعظمی کی خداداد صلاحیت وقابلیت

کا یہ بین ثبوت ہے کہ ان کے مرشد اور زمانہ کے امام ان کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ منصب اور رتبہ بڑے نصیب ور لوگوں کو میسر ہوتے ہیں۔

مولانا اعظمی کو "صدر الشریعہ" کا خطاب:

امام احمد رضا بریلوی اپنے معاصرین اور خلفا و تلامذہ کو ان کے مراتب کے مدنظر اپنی طرف سے ایک خطاب عطا فرماتے تھے، ان کی وسیع القلبی اور خرد نوازی پر مثال کسی دوسرے کے یہاں ملنا مشکل ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور اپنے سے بڑے کی تعظیم و توقیر کرتے، سادات کا نہایت درجہ ادب و احترام فرماتے یہ وہ خصوصیات ہیں، جن کی وجہ سے امام احمد رضا بریلوی اپنے تمام معاصرین میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی القاب و خطابات کی باقاعدہ کوئی تقریب منعقد نہیں فرماتے، بلکہ مخصوص اشخاص کے درمیان فرما دیتے۔ رام پور کے قدیم ہفت روزہ دبدبہ سکندری کے اڈیٹر شاہ فضل حسن صابری کو آپ نے "محبّ العلم والسنن" کا لقب عطا کیا۔ (۱) اور اسی طرح مولانا امجد علی اعظمی کو "صدر الشریعہ" کا خطاب عطا فرمایا۔ (۲) یہ خطاب انگریز تنخواہ یافتہ علما کے "شمس العلما" کی طرح نہیں ہے۔ (۳) بلکہ مولانا کی علمی تبحر کی عکاسی کرتا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کو کبھی کسی قسم کے خطاب کی خواہش نہ ہوئی، اگر وہ چاہتے تو درجنوں خطابات کی لائن لگ جاتی۔ مگر وہ اور ان کے فرزند وخلفا و تلامذہ ایسی تمام چیزوں سے اجتناب کرتے تھے۔ (۴) مولانا مصطفےٰ رضا نوری بریلوی کو امام احمد رضا نے "مفتی اعظم" کا خطاب دیا۔ اور آج وہ خطاب علم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

مسند افتا پر جلوہ گری:

امت مسلمہ میں علمائے دین کے دو طبقوں نے خاص طور پر دین اسلام کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کر کے نا قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں:

ایک محدثین کرام کا طبقہ، جس نے احادیث نبوی کی روایات اور ان کے بیان و ضبط کا اہتمام فرمایا۔ اور اسناد و الفاظ پر گہری نظر رکھی۔

دوسرا فقہائے کرام کا طبقہ، جس نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مسائل و احکام کا استنباط و استخراج کیا۔ اور الفاظِ حدیث سے زیادہ معانی حدیث اور اس سلسلہ کے اصول و قواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی، مفتیان شرع متین کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے ہے۔

تیرہویں صدی ہجری مولانا رضا علی خاں بریلوی نے بریلی شریف میں ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں افتا کی بنیاد رکھی۔ اور ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء تک فتویٰ نویسی کا گراں قدر کام بحسن وخوبی انجام دیا۔ اپنے فرزند مولانا نقی علی خاں کو خصوصی تعلیم دے کر مسند افتا پر فائز کیا۔ آپ نے مسند افتا پر فائز ہونے کے بعد ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ اپنے لخت جگر امام احمد رضا بریلوی کو بالخصوص تعلیم دی۔ جس نے بعد میں دنیا سے لوہا منوا لیا۔ (۱) اور ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء سے مستقلاً فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے۔ امام احمد رضا بریلوی اپنے قابل فخر شاگرد مولانا ظفر الدین بہاری کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"بحمدہ تعالیٰ فقیر کے ۱۴؍شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳؍

برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا، اگر سات دن اور زندگی بالخیر رہی تو اسی شعبان ۱۳۳۹ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔ اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کرسکتا ہے"۔

امام احمد رضا بریلوی کے قریب میں جب سے مولانا امجد علی اعظمی نے رہنا شروع کیا۔ اسی دن سے افتا کی مشق اور امام احمد رضا کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا املا کرنا، آپ کی ذمہ داری میں آگیا۔ دور دراز سے آئے ہوئے خطوط امام احمد رضا کو سناتے اور ان کا جواب لکھتے۔ مرشد کی اسی تربیت نے آپ کو کندن بنا دیا تھا۔ اور آپ کے فتاویٰ میں امام کی طرز تحریر اور طرز استدلال کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ مشہور صحافی اقبال احمد اختر القادری (کراچی) لکھتے ہیں:

"حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے طرز وفکر کے اپنانے میں منفرد نظر آتے ہیں۔ اور حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے"۔

رضوی دار الافتا اور تفقہ فی الدین:

امام احمد رضا بریلوی کی فقہی اور علمی تحقیقات نے علمائے عرب وعجم کو حیرت میں ڈال دیا تھا، انھوں نے دل کھول کر امام کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔ آپ کے دار الافتا میں صرف ہندوستان کے استفتا نہیں ہوتے تھے، بلکہ براعظم ایشیا، براعظم یورپ، براعظم امریکہ اور براعظم افریقہ سے بھی استفتا آتے تھے اور ایک وقت پانچ پانچ سو جمع ہو جایا کرتے تھے۔ امام احمد رضا کی سرعت تحریر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے مسودات کو نقل کرنے والے بیک وقت چار چار افراد نقل کرتے جاتے تھے۔ یہ ابھی فارغ بھی نہ ہوتے کہ پانچواں صفحہ تیار ہو جاتا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنا کچھ لکھا ہوگا۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص: ۱۱۰)

امام احمد رضا بریلوی نے دار الافتا کی روز افزوں ترقی، عالمی شہرت ومقبولیت اور کثرتِ کار کو دیکھتے ہوئے ایسا لاجواب نظام قائم فرمایا تھا کہ جس کی نظیر سوائے بریلی کے کہیں نہیں ملتی۔ آپ نے نظم جدید کے رو سے دار الافتا کا نام "رضوی دار الافتا" تجویز کیا۔ اور مہتمم مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کو مقرر کیا۔ آپ فتویٰ نویسی کا کام عموماً دو مقام پر کرتے تھے۔ ایک باہر دار الافتا میں دوسرے زنانہ مکان میں۔ باہر دار الافتا میں کام کرنے والے حضرات کو نظم جدید کی رو سے دو منصب عطا کیے تھے، ایک پیش کار۔ دوسرے امین الفتویٰ۔

امام احمد رضا بریلوی کے پیش کار کی سب سے زیادہ ذمہ داریاں تھیں۔ مولانا امجد علی اعظمی ایک متحرک اور فعال شخص ہونے کی وجہ سے امام احمد رضا نے کئی امور سونپ رکھے تھے۔ امام احمد رضا عموماً بعد نماز عصر بیٹھک میں تشریف لاتے، اور عوام سے ملاقات کرتے، حاجت مندوں کی حاجت پوری کرتے۔ اسی دوران مولانا اعظمی دن بھر کے لکھے ہوئے فتاویٰ کو سناتے اور اپنے فتویٰ پر تصحیح کے ساتھ تصدیقی مہر بھی لگواتے۔ عصر اور مغرب کے درمیان آئے ہوئے احباب کے خطوط کے جوابات بھی لکھتے۔ پیش کاری کے عہدے پر اولاً مولانا ظفر الدین بہاری منتخب ہوئے، مگر وہ شملہ کی جامع مسجد کے خطیب ہو کر شملہ چلے گئے، تو ان

کی جگہ مولانا اعظمی پیش کاری کے منصب پر فائز ہوئے۔امام کی نشست گاہ میں رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ زمانہ کے جید اکابر علما میں ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے۔امام احمد رضا بریلوی کو آپ کی علمی ثقاہت اور فقاہت پر کس قدر اعتماد تھا۔انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"آپ یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا۔اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں،اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے"۔(الملفوظ مکمل ج:۱)

مولانا امجد علی اعظمی، امام احمد رضا بریلوی کے زمانہ حیات ظاہری میں بھی حسب ضرورت اُفتا کا کام سرانجام دیتے رہے۔ ان کے وصال کے بعد ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اس کے بعد بلا تکلف میں اس خدمت افتا وغیرہ کو انجام دیتا رہا۔ اور سمجھ لیا کہ جس طرح اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات میں لوگوں کے سامنے اس کام کو تفویض فرمایا تھا، اب بھی اس کام کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں، اور جو کچھ دشواریاں ہوں گی اس میں وہ خود مددگار ہوں گے۔ چنانچہ کبھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے اس سلسلہ میں دشواری پیش نہیں آتی۔فللہ الحمد"۔(مقدمہ امجدیہ، ج:۱)

عہدۂ پیش کاری اور املائے خطوط:

امام احمد رضا بریلوی کے قائم کردہ "رضوی دار الافتا" کے نظم جدید کی رو سے ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری (۱۹۶۲ء) امام احمد رضا کے پیش کار ہوتے، ان کا کام نمازِ عصر کے بعد باہر کی آئی ہوئی ڈاک پیش کرنا تھا۔ جن کا جواب امام بولتے جاتے اور مولانا بہاری لکھتے جاتے تھے۔ اسناد کے موقع پر کتب فتاویٰ کی عبارتیں بھی امام احمد رضا بریلوی برجستہ پڑھ دیتے، حالاں کہ اس وقت کوئی کتاب بھی پاس نہ ہوتی تھی۔

مولانا ظفر الدین بہاری جب شملہ گئے تو ان کی جگہ مولانا امجد علی اعظمی پیش کاری کے منصب پر فائز ہوئے۔ مولانا کے اوپر بیک وقت کتنی ذمہ داریاں تھیں سید شاہ علی رضوی رامپوری رقم طراز ہیں:

"حضرت صدرالشریعہ بیک وقت پیش کار بھی تھے، منظر اسلام کے مدرس بھی تھے، مطبع اہل سنت کے مہتمم بھی تھے۔ یہ سب فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، اسی حالت میں تصنیف بہار شریعت کا کام بھی جاری تھا اور بوقت ضرورت مناظرہ کے لیے بھی یہی بھیجے جاتے تھے۔ حضرت صدرالشریعہ کی پیش کاری تاحیات امام احمد رضا قدس سرہ جاری رہی دیگر کارہائے متعلقہ جو پہلے سے کر رہے تھے بدستور کرتے رہے"۔(مفتی اعظم اوران کے خلفا،ص:۷۸،۷۹)

اسی عہدۂ پیش کاری پر مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی تقریباً چھبیس سال تک فائز رہے۔ مولانا ظفر الدین بہاری سے قبل پیش کاری اور مراسلت کی تمام تر ذمہ داریاں مولانا رضوی کے سپرد تھیں۔ مولانا اعظمی کے عہد میں وہ معین راست رہے۔ مولانا رضوی کی جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کے حوالے سے گراں مایہ خدمات ہیں۔ انھیں خدمات کی بنیاد

پر دنیا یاد کرتی ہے۔ (تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، قلمی)

وہ رضویات کے نقش اول ہیں اس لیے کہ مولانا رضوی نے سب سے پہلے امام احمد رضا بریلوی کی سوانح حیات لکھنے کا منصوبہ تیار کیا اور اس سلسلہ میں مختلف کوشش بھی کیں۔

(ماہنامہ جہانِ رضا لاہور)

مولانا اعظمی بعد نماز عصر امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیرونِ شہر سے آئے ہوئے خطوط املا کرتے۔ امام احمد رضا بولتے جاتے اور آپ جواب قلم بند کرتے جاتے۔ راقم السطور اپنے مذکورہ قول کی تائید وحمایت میں الملفوظ کی باسند روایت کا ذکر کرے گا۔ تاکہ کوئی بات تشنہ نہ رہ جائے اور قارئین کی اصل ماخذ کی طرف رہنمائی بھی ممکن ہو سکے۔ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"کھانے کے بعد ڈاک نکالنے کا حکم فرمایا ڈاک نکالی گئی، مولانا مولوی حکیم محمد امجد علی صاحب نے خطوط سنانا شروع کیے، جواب فرماتے جاتے مولانا لکھتے جاتے، ان میں ایک خط حضرت سید شاہ نور عالم میاں صاحب صاحبزادہ سرکار خرد مارہرہ مطہرہ کا تھا"۔ (الملفوظ، ج:۱رص:۳۴)

امام احمد رضا بریلوی دوپہر کا جب کھانا کھاتے تو اس وقت مولانا اعظمی موجود ہوتے تھے۔ وہ بولتے یہ لکھتے رہتے۔ اور صبح سے دوپہر تک کی لکھی ہوئی ڈاک اور استفتا کو سناتے کہیں کہیں ترمیم وتبدیلی فرماتے تھے مفتی اعظم ہند نے جس خط کا ذکر کیا ہے۔ اس کا املا بھی مولانا ہی نے کیا تھا۔

(الملفوظ، ج:۱رص:۳۴)

مرکزی دار القضا شرعی کا قیام:

امام احمد رضا بریلوی، اپنے فرزندوں اور مولانا اعظمی کی فقاہت وثقاہت پر اطمینان واعتماد کا اظہار فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض فتاویٰ پر مولانا اعظمی کے تائیدی دستخط بھی موجود ہیں۔

رجب المرجب ۱۳۳۹ھ میں امام احمد رضا بریلوی نے متحدہ ہندوستان کے لیے دار القضا شرعی قائم فرمایا۔ اور بعض علمائے کرام کی موجودگی میں حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی رضوی اعظمی، مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کو منصب افتا وقضا پر مامور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے اس کی بنا پر ان دونوں (صدر الشریعہ، مفتی اعظم) کو نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں، کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے"۔ (مشمولہ فتاوی امجدیہ، ج:۱)

پھر اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام کے لیے قلم اور دوات وغیرہ سپرد فرمایا مقدمات کے فیصلے کروائے۔ مزید معاون مفتی کی حیثیت سے برہان الملت مفتی برہان الحق جبل پوری کا تعین فرمایا (تذکرہ برہان ملت، مطبوعہ لاہور، ص:۳۵)

تبلیغی مشن میں جد وجہد:

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کی تبلیغی خدمات کا جائزہ آئندہ اوراق میں تفصیل سے لیا جائے گا۔ تاہم یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ اجمیر شریف کے قرب جوار راجہ پرتھوی راج کی اولاد تھی۔ جو اگرچہ مسلمان ہو چکی تھی، لیکن ان میں

فرائض واجبات سے غفلت اور مشرکانہ رسوم بکثرت پائی جاتی تھیں۔ مولانا اعظمی کے ایما پر آپ کے تلامذہ نے ان میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ اور جگہ جگہ جا کر مسائل شرعیہ بتائے، ان تبلیغی جلسوں کا خوشگوار اثر ہوا اور ان لوگوں میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب، اور دینی اقدار اپنانے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

(ماہنامہ پاسبان امام احمد رضا نمبر الٰہ آباد، ص:۶۱)

مشہور مؤرخ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

''اجمیر کے زمانۂ قیام میں نو مسلم راجپوتوں میں مولانا امجد علی نے خوب تبلیغ کی، اور اس کے بہت مفید نتائج بر آمد ہوئے''۔

(یادگار بریلی، کراچی ۱۹۷۰ء، ص:۱۶)

اس کے علاوہ ارد گرد کے بڑے بڑے شہروں اور قصبات مثلاً نصیر آباد، بیاور، لاڈ، جے پور، جودھپور، پالی مارواڑ اور چتوڑ وغیرہ میں بھی خود آپ اور آپ کے تلامذہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے، مذہب اہل سنت کی اشاعت اور وہابیہ، قادیانیہ کا رد کرتے تھے۔ آپ کی تقریر خالص علمی مضامین اور قرآن وحدیث کی تفسیر و تفصیل پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ مسلک اہل سنت کو ٹھوس دلائل سے اس طرح بیان فرماتے کہ مخالفین کو تسلیم کے علاوہ چارہ کار نہ رہتا۔

(تکملہ باغی ہندوستان، ص:۳۹۰،۳۹۱)

مطبع اہل سنت اور حسنی پریس کے کارنامے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف اس قدر پر زور بڑھتی جارہی تھیں بلکہ مسودات قلمی مخطوطات کے انبار لگ رہے تھے۔ اور دوسری جانب احباب کا اصرار تھا کہ جلد سے جلد شائع کر دی جائیں، اولاً یہ ہوتا تھا کہ جس رسالہ کی اس وقت ضرورت ہوتی، اس کو لکھنؤ، آگرہ، یا رام پور وغیرہ سے چھپوالیا جاتا۔ مگر یہ سلسلہ نہایت دقت پریشانی کا سبب ہو گیا۔ کئی کئی افراد آمد و رفت میں لگے رہتے۔ تو امام احمد رضا بریلوی کی قائم کردہ تنظیم جماعت رضائے مصطفیٰ کے ارکان نے مجلس شوریٰ منعقد کر کے یہ تجویز پاس کی کہ ان پریشانیوں کے باوجود کتاب صحیح وقت پر نہیں آپاتی ہے اس لیے ایک پریس لگوایا جائے۔ بالآخر امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر لوگوں نے عرض کیا۔ حضرت نے منظوری عطا فرمادی۔ پھر ایک پریس خرید کر سوداگران محلہ (بریلی) میں لگوادی گئی، جو امام احمد رضا بریلوی کے دولت کدہ سے بالکل متصل تھی۔

امام احمد رضا بریلوی نے اس کا نام ''مطبع اہل سنت و جماعت'' منتخب فرمایا اور مہتمم کے لیے مولانا امجد علی اعظمی کا انتخاب عمل میں آیا۔ مولانا اعظمی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود مطبع اہل سنت و جماعت کو بخوبی چلاتے رہے۔ اس مطبع کے ذریعہ امام احمد رضا بریلوی کی بے انتہا تصانیف شائع ہوئیں۔

مولانا امجد علی اعظمی کے بریلی سے جانے پر مطبع اہل سنت کی کارکردگی متاثر ہوئی۔ اور ملازمین نے مشین پر ضربیں پہنچائیں، جس کی وجہ سے اس کام کو جلد ہی ختم کر دیا گیا۔ راقم السطور نے اہل خاندان سے مطبع کے قیام کی تاریخ کے لیے کوشش کی مگر سب نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ تاہم تلاش و جستجو جاری ہے قدیم ماخذ بھی خاموش ہیں۔ اب ایسی صورت میں کسی حتمی تاریخ کا تعین خاصا مشکل ہے۔ قرین قیاس ہے کہ ۱۹۱۷ء میں مطبع اہل سنت و جماعت واقع محلہ سوداگران بریلی قائم ہوا۔

مطبع اہل سنت و جماعت کے زوال کے بعد مولانا حسنین رضا خاں بن مولانا حسن بریلوی کی مساعی جمیلہ سے حسنی پریس کا قیام ۱۳۳۸ھ سنہ ۱۹۱۹ء کو عمل میں آیا۔ حسنی پریس کے ناظم و مہتمم مولانا حسنین رضا خاں جو امام احمد رضا کے بھتیجے اور خلیفہ تھے ان کے ذمہ امام کی جملہ کتابوں کی طباعت و کتابت اور خلیفہ تھے ان کے ذمہ امام کی جملہ کتابوں کی طباعت و کتابت کی تصحیح تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی رسالہ یا دپوسٹر و پمفلٹ وغیرہ کی تصحیح تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی رسالہ یا پوسٹر کی امام احمد رضا بریلوی کو عجلت ہوتی تو اس کی کتابت مولانا حسنین رضا خود انجام دیتے۔ موجودہ زمانہ میں امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف پر سیکڑوں تعارفی مقالے لکھے گئے، اگر غور کیا جائے تو یہ فیض مطبع اہل سنت و جماعت اور حسنی پریس کا ہے۔ کیوں کہ امام کی تمام تصانیف انھیں دو پریس کی شائع کردہ ہیں۔ دنیائے اہل سنت و جماعت خصوصاً حلقہ بگوشان رضویت مطبع اہل سنت اور حسنی پریس کے اس احسان عظیم کے ممنون و متشکر ہیں۔ (ماہنامہ سنی دنیا بریلی ستمبر ۱۹۹۵ء)

ماہنامہ "الرضا" بریلی اور ماہنامہ "یادگار رضا" بریلی:

امام احمد رضا بریلوی کی سرپرستی میں نکلنے والا واحد ماہنامہ "الرضا" ہے۔ جس کی قسمت میں جید اکابرین ملت کی خدمات لکھ دی گئی تھیں، ماہنامہ الرضا بریلی کے ایڈیٹر مولانا حسنین رضا خاں بریلوی تھے۔ اور اس رسالہ کا اجرا محرم الحرام ۱۳۳۸ھ ر ۱۹۱۹ء کو ہوا۔ اور پہلا پرچہ اسی ماہ شائع ہوا، پہلا شمارہ ۲۴ رصفحات پر مشتمل اور سائز ۲۲۔۸ ۱۸ تھا۔ الرضا کو سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا، راقم السطور کے پیش نظر تمام شماروں میں کوئی ایسا مضمون پہلے نہیں گزرا جس میں سیاست کی بو بھی آتی ہو۔ (ماہنامہ نئی دنیا، جنوری، فروری ۱۹۹۵ء)

ماہنامہ الرضا بریلی مطبع اہل سنت و جماعت واقع محلہ سوداگراں بریلی سے شائع ہوتا تھا۔ اور مولانا امجد علی اعظمی کا خصوصی اہتمام و انصرام تھا۔ الرضا کی پیشانی پر یہ عبارت مستقل طور پر اشاعت پذیر ہوتی رہی ہے:

"الرضا"۔ جس کو خاکسار حسنین رضا خاں مدیر رسالہ ہٰذا نے محلہ سوداگراں سے شائع کیا اور مطبع اہل سنت و جماعت بریلی میں باہتمام مولانا مولوی حکیم محمد امجد علی صاحب طبع ہوا"۔ (ماہنامہ الرضا بریلی، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ، ص:۱)

ماہنامہ یادگار رضا بریلی، الرضا بریلی کی اشاعت بند ہو جانے کے بعد شائع ہونے لگا۔ اس کی سرپرستی حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی کرتے تھے۔ یہ بھی مطبع اہل سنت و جماعت بریلی سے طبع ہوتا تھا۔

(ماہنامہ یادگار رضا بریلی، محرم ۱۳۴۶ھ، ص:۱)

سیاسی بصیرت کی ایک جھلک:

برصغیر کی تاریخ میں قدم قدم پر منافقانہ ذہنیت اپنا کام کرتی نظر آتی ہے۔ مسلمانوں کی سماجی معاشی اور سیاسی حق تلفی ایک روایت بن گئی ہے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں رسائل سے محرومی مسلمانوں کی زندگی کے لیے ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گئی ماضی میں سوراج اور اتحاد کے روپ میں مسلمانوں سے مذہبی شعار چھڑائے گئے۔ ان ہی حالات میں قومی جدوجہد کی شمع روشن کرنے والوں میں علما و صوفیا پیش پیش رہے۔ غیر ملکی اقتدار سے نجات حاصل کرنے میں شجاعت و عزیمت کا مینار یہی گروہ رہا وطن دشمن غداروں کے بہروپ کو اتارنے کا تلخ

فریضہ انھوں نے ہی ادا کیا۔

راقم اپنے قارئین کو ماضی کی سنگ لاخ وادی میں لے جانا چاہتا ہے۔ جب ہندوستان آزاد نہیں ہوا تھا اور تحریک آزادی زور شور سے چل رہی تھی، اس وقت علمائے اہل سنت نے اجتماعی طور پر ہندوستان سے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کی کوششیں کیں۔ مگر متعصب مؤرخین نے ان سنی علما کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اور ان لوگوں کو خوب بڑھا چڑھا کر ذکر کیا جنھوں نے صرف انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوایا تھا۔ تحریک آزادی کو پروان چڑھانے والوں میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مفتی برہان الحق جبل پوری، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی، مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولانا حامد رضا بریلوی، امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت پیر مانکی شریف وغیرہ کا نام نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

ملت اسلامیہ ہند کو کانگریس پارٹی سے جتنا نقصان پہنچا ہے، اتنا کسی پارٹی سے نہیں پہنچا۔ کانگریس یہ چاہتی تھی کہ ہندوستان آزاد ہو جانے کے بعد یہاں سوراج کا نفاذ ہو، اور یہ ملک بالکل ہندو رسم ورواج کی بنیادوں پر گامزن ہو مگر مسلم لیڈروں کی وجہ سے کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔

امام احمد رضا بریلوی کے منعقدہ عرس مقدس ۲۳، ۲۴ ر صفر المظفر ۱۳۶۵ھ ۳۰ ر جنوری ۱۹۴۶ء کو بریلی شریف آستانہ عالیہ قدسیہ کے زبردست عظیم الشان مجمع میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی نے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کو متنبہ وآگاہ فرمایا۔

اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”کانگریس فتنہ عظیم ہے، وہ ہندوستان سے مسلمانوں کے استیصال کا ارادہ کر چکی ہے، اس کی سب سے بڑی آواز یہی اس کا سوراج ہے۔ یہی اس کی آزادی ہے ہم ہمیشہ سے مسلمانوں کو اس کے دام تزویر سے بچانے کی سعی کرتے رہے۔ اور اس کی اسلام دشمنی کا بے دریغ اظہار کرتے رہے خلافت کمیٹی کے زمانے میں مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں اس کے تملق وچاپلوسی سے دھوکہ کھا کر ان کے دام فریب میں آ گئی تھیں۔ مگر روز مرہ کے تجربوں نے ان کی آنکھیں کھول دیں، اور جو بات ہم بتاتے تھے ان کے معائنہ میں آ گئی، اور وہ ہندو جو اس وقت محبت کے پردہ میں دشمنی کرتا تھا۔ اب بالاعلان مقابل ہے اور کانگریس اس بات کی مدعی ہے کہ وہ تمام ہندوستان کے خود ہی نمائندہ ہے۔ اس باطل وعدے کی تائید کرنے کے لیے اس نے وہی مولوی حاصل کیے ہیں، جنھوں نے خدا ورسول سے غداری کی تھی۔ اور جو طمع زر میں آج مشرکین ہند کی زبان بنے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کو ان کے دام تزویر میں پھانسنا چاہتے ہیں، انتخابات کے موقعوں پر کوشش کرتے ہیں، کہ مسلمانوں کا تو ساتھ نہ دیں کانگریس کی حمایت کریں۔ کانگریس امیدواروں کو کامیاب بنائیں، علمائے اہل سنت مسلمانوں کو اس فریب کے جال میں پھنستا دیکھ کر صبر نہیں کر سکتے اس لیے ہم مدت سے

اعلان کر رہے ہیں، اور ہماری تمام سنی کانفرنسیں جوملک کے گوشہ گوشہ میں ہر ہر صوبہ میں قائم ہیں۔ کانگریس کے مقابلہ میں پوری جدو جہد کر رہی ہیں۔ چنانچہ پچھلے الیکشن میں ان کانفرنسوں کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ اور کانگریس کو شکست ہوئی۔ اس وقت ہم اعلان کرتے ہیں کہ مسلمان کانگریس کو اور کانگریس کے کھڑے ہوئے امیدوار کو کانگریس کی حامی جماعتوں جمیعت العلما دیوبندی پارٹی مولانا حسین احمد کے زیر اثر طوفان برپا کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ احرار و خاکسار یونینشٹ وغیرہ جن سے کانگریس کو مدد پہنچ رہی ہیں یا جو کانگریس کی ہوا خواہی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، مسلمان ہر گز ان کی فریب کاری میں نہ آئیں"۔ (ہفت روزہ دبدبہ سکندری لاہور، ۱۵ر فروری ۱۹۴۶ء)

صدر الشریعہ مولانا اعظمی کی تقریر بڑی غور سے سنی گئی، اور عرس کے اجتماع عام میں ہر فرد گہری عقیدت کے جوش میں وارفتہ تھا، بار بار تحسین و مرحبا اور تکبیر کی صدائیں بلند ہوتی تھیں اور مسلمان جو پہلے سے اپنے علمائے کرام کے ہدایات کے منتظر تھے، اس رہنمائی کے بعد مطمئن ہو گئے۔ مولانا اعظمی کا اعلان تھا کہ مسلمان کانگریس کے پھندے میں آنے سے رکیں وہ مذکورہ تقریر موجودہ دور کے لیے وہی افادیت و اہمیت رکھتی ہے، جتنی کہ آج سے ۴۵ رسال قبل تھی۔ آج پھر وہی زمانہ آچکا ہے، اور کانگریس مسلمانوں کو یرغمال بنا کر استحصال کر رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مضمر مضر نقصانات سے علمائے کرام عوام کو آگاہ کریں تا کہ مسلمان محفوظ و مامون رہ سکے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس:

اہل سنت و جماعت کا کوئی سیاسی پلیٹ فارم نہ ہونے کے سبب علمائے اہل سنت نے آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد مرادآباد میں ڈالی۔ جس کے صدر مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی اور جنرل سکریٹری مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی تھے۔ سرپرست شہزادگان امام احمد رضا تھے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی مختلف نشستوں اور کانفرنسوں میں مولانا امجد علی اعظمی نے شرکت فرمائی اور بہترین خطاب فرمایا۔

(خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء)

مولانا امجد علی اعظمی جہاں جید عالم و مفتی اور قاضی اسلام تھے وہیں نباض قوم اور ہمدرد ملت تھے۔ ان کی مدبرانہ نگاہیں ملکی سیاست کے آئینہ پر دیکھ رہی تھیں۔ اسی لیے انھوں نے سیاست میں عملاً حصہ لیا تا کہ اصلاح ممکن ہو سکے، ان کو گندی سیاست سے بالکل پرہیز تھا، آج کی سیاست اور کل کی سیاست میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ کل کے قائد تھے۔

جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی میں شمولیت:

امام احمد رضا بریلوی نے جماعتی نظم کے لیے اپنے احباب کے مشوروں سے کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی بنیاد ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں ڈالی۔

(روداد جماعت رضائے مصطفیٰ سال اول ۱۳۳۹ھ)

جماعت رضائے مصطفےٰ کے شعبہ جات میں ایک درجہ "شعبۂ علمیہ" تھا جس کی صدارت کے لیے صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کو مقرر کیا گیا، شعبہ علمیہ کے صدر کی حیثیت سے

آپ نے بے انتہا انتھک جدوجہد فرمائی، اور علمی میدان میں جماعت رضائے مصطفیٰ کے وقار وعظمت کو ملحوظ خاطر رکھ کر اقدار کو بلند و بالا کرتے رہے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے اغراض ومقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا تحفظ۔

(ب) متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کرنے والے فرقہ گاندھویہ کا تحریری وتقریری رد۔

(ج) بدمذہبوں کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(د) آریہ اور عیسائیوں کے اعتراضات کا تحریری و تقریری جوابات دینا۔

(ہ) امام احمد رضا فاضل بریلوی اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف کی اشاعت۔ (تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ)

جماعت رضائے مصطفیٰ کے عملی میدان سے کچھ دنوں کے لیے رخصتی اختیار کرلی تھی۔ تو اراکین جماعت نے آپ کو سرپرست عمومی کا درجہ دیکر اپنی جماعت میں داخل رکھا، اور وہ باہر سے علمی سرپرستی فرماتے رہے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کی مساعی جمیلہ میں مولانا اعظمی کا بھرپور حصہ رہا ہے۔ ان کی قربانیاں ہرگز فراموش نہیں کی جائیں گی۔

مولانا آزاد کی تاریخی شکست:

خلافت کمیٹی کے اراکین میں بالخصوص مسلم زعما مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا عبد الماجد بدایونی نے ۱۴ر رجب ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء کو شہر بریلی شریف میں جمعیۃ العلما کی جانب سے ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس سے قبل مذکورہ حضرات نے منافی اسلام کلمات کہے تھے۔ اور مسٹر گاندھی کو مذکر من اللہ بتایا، یہ کہا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتے (معاذ اللہ) وغیرہ وغیرہ۔ ان کے یہ کلمات اخبارات ورسائل میں چھپے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ نے فوراً ایکشن لیا۔ اور یہ دیکھا کہ یہ لوگ بریلی آرہے ہیں تو ان سے یہی سوالات کیے جائیں۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کے شعبہ کی ایک نشست ہوئی اور مولانا امجد علی اعظمی کی صدارت میں ایک پوسٹر ''حجت تامہ'' کے نام سے شائع کیا گیا اور ایک معزز وفد کے ہاتھ یہ پوسٹر ناظم جلسہ جمعیۃ العلما مولوی عبدالودود کے پاس پہلے ہی بھیج دیا تھا۔ مولانا آزاد اور مولانا فرنگی محلی جیسے ہی ٹرین سے اسٹیشن پر اترے بس وہیں ایک وفد نے اس کو پیش کرکے جواب کا مطالبہ کیا۔ ایک طرف جماعت نے مناظرہ کا چیلنج بھی دے دیا تھا مگر وہ مناظرہ کرنے سے کتراتے رہے۔

''شعبہ علمی'' کی جانب سے مناظرہ کے لیے ایک وفد تشکیل دیا گیا، جس میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، مولانا حامد رضا بریلوی، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا حسنین رضا خاں اور مفتی برہان الحق جبل پوری شامل تھے۔ یہ اکابر علما کا معزز وفد جلسہ گاہ میں پہنچ گیا۔ وفد کے پہنچتے ہی خلافتی خیمہ میں ہل چل مچ گئی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے اپنی بات اعلانیہ طور پر مجمع عام میں کہی جس پر وہ سب لاجواب ہوگئے۔ اتمام حجت تامہ کا جواب کسی سے بھی نہ بن پڑا۔

(ماہنامہ الرضا بریلی رجب ۱۳۳۶ھ)

مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے امام احمد رضا بریلوی

کے نام ایک مکتوب میں اس سوال نامہ کے بارے میں اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے:

''سیدی دامت برکاتھم! سلام نیاز کے بعد گزارش، حضور سے رخصت ہو کر مکان پہنچا۔ یہاں آکر میں نے ''اتمام حجت تامہ'' کا مطالعہ کیا۔ فی الواقع یہ سوالات فیصلہ ناطقہ ہیں۔ اور یقیناً ان سوالات نے مخالف کو مجال گفتگو اور راہ جواب باقی نہیں چھوڑی ہے''۔ (دواغ الحمیر، ص:۵۴/۵۵)

مولانا ابوالکلام آزاد نے روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر کہا:

''ان کے جس قدر اعتراضات ہیں، حقیقت میں سب درست ہیں۔ ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں۔ جن کا جواب نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے''۔ (ایضاً ص:۵۶/۵۷)

حضور مفتی اعظم کی نیابت:

مولانا امجد علی اعظمی نہ صرف علوم شرعیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے، بلکہ طریقت کے بحر بے کنار کے ماہر شناور بھی تھے۔ اجلہ علمائے کرام و مشائخ عظام نے بارہا اس کا عملی اعتراف کیا۔ امام کے فرزند ارجمند مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی جب ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء میں عازم حرمین شریفین ہوئے تو آپ نے مرکز علم و عرفان بریلی سے اپنی عارضی غیر حاضری میں مولانا اعظمی کو اپنا نائب و قائم مقام مقرر کیا۔ رضوی سلسلہ میں آپ کا یہ انتخاب اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ علمائے حقانی میں آپ بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

مولانا شاہ مصطفیٰ بریلوی نے بریلی سے الوداع ہوتے وقت جو پند و نصائح اور وصایا ارشاد فرمائے۔ اس کا ایک حصہ ملاحظہ کریں:

''آستانۂ عالیہ رضویہ بریلی سے شرعی احکام پہنچانے کی خدمت فقیر اپنے برادر طریقت صدر الشریعہ مولانا مولوی امجد علی صاحب اعظمی زید کرمہ کے سپرد کرتا ہے۔ موصوف آستانہ عالیہ مقدسہ پر قیام فرما رہیں گے۔ آپ کی ذات گرامی محتاج تعریف نہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ارشد تلامذہ و اکابر خلفا میں سے ہیں، ۲۰،۲۲/ سال تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر علم و معرفت سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے آپ کے پہنچائے ہوئے شرعی احکام اعلیٰ حضرت پر مبنی ہوں گے۔ موصوف مدرسہ اہل سنت مظہر اسلام مسجد بی بی صاحبہ کے صدر المدرسین کی حیثیت سے ہر طرح کی سرپرستی فرمائیں گے۔ اور جملہ اختیارات جو اس آستانہ کی عقیدت کی شان کی جانب سے اس فقیر کو حاصل ہیں، وہ سب فقیر اپنی طرف سے صدر الشریعہ کو تفویض کرتا ہے''۔ (ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۰/ اگست ۱۹۹۵ء)

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کا مذکورہ بالا فرمان عالی شان نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ انھوں نے اپنی غیر موجودگی میں اپنا جانشین مولانا اعظمی کو بنایا۔ یہ ہے امام احمد رضا کی تحریکات اور حضرت صدر الشریعہ کی خدمات کا مختصر جائزہ۔

☆☆☆

حاشیہ طحاوی
آسمان تحقیق کا روشن ستارہ

مفتی محمد رفیق عالم رضوی مصباحی
استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

علم وحکمت کے جن تاجداروں نے چودھویں صدی کے عظیم فقیہ ومحدث اور نامور محقق ومجدد، امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان سے بلا واسطہ اکتساب فیض کیا، اور اپنی حکمت ودانائی، فضل وکمال اور علم وعمل کی ضیاء بار کرنوں سے جہاں اہل سنت کا گوشہ گوشہ روشن ومنور کیا، ان باکمال اور قدرآور ہستیوں کی نورانی فہرست میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا نام آفتاب وماہتاب کے مانند جگمگا رہا ہے۔ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے گلستان علم وحکمت سے خوشہ چن چن کر شعور وآگہی کا ایسا گلشن آباد کیا جس کی عطر بیز خوشبوؤں سے جہان علم وادب کا گوشہ گوشہ مشکبار نظر آتا ہے۔ تفسیر وحدیث، فقہ واصول فقہ، منطق وفلسفہ، نحو وصرف، ادب وبلاغت، معانی وبیان، طب وحکمت ودیگر علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ کو مہارت وممارست حاصل تھی۔ بالخصوص حدیث وفقہ میں آپ عرش کمال کی بلندیوں پر فائز تھے۔ فقہ کا کوئی ایسا باب نہ تھا جس کے جزئیات ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ آپ کو مستحضر نہ ہوں، کتاب مبدأ ومعاد کا کوئی ایسا عنوان نہ تھا جس کے اوراق وسطور احادیث سے بھرپور نہ ہوں۔ بارگاہ رضا سے فیضان علم وعرفان حاصل کرنے والوں میں آپ کی شخصیت اپنی نظیر آپ ہے۔

امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کی فقہی شان امتیاز کا اظہار اس طرح فرمایا:

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء وغیرہ سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں طبیعت اخاذ ہے واقفیت ہو چلی ہے"۔

(الملفوظ حصہ اول ص ۱۰۳)

یہی وجہ ہے کہ حاشیۂ طحاوی ہو یا مجموعۂ فتاوی، آپ کے ہر قلمی رشحات میں رضا کا رنگ تحقیق وطرز استدلال نظر آتا ہے، ایک فقیہ میں فقہ وافتا کے جن بنیادی اصول کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے وہ تمام اصول حضور مفتی اعظم ہند اور حضور صدرالشریعہ علیہما الرحمہ میں بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ امام احمد رضا کو اپنے ان دونوں شاگردوں کی فقاہت پر مکمل اعتماد تھا اسی لیے آپ نے ان دونوں باکمال ہستیوں کو غیر منقسم ہندوستان کا قاضی مقرر فرمایا تھا، اور اس منصب جلیل پر تقرر فرماتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا اس کی بنا پر میں ان دونوں کو اس کام پر مامور کرتا ہوں، نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے

ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو ایک قاضیِ اسلام کی ہوتی ہے اور اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام کے لیے قلم اور دوات وغیرہ سپرد فرمایا"

(فتاویٰ امجدیہ، اول)

فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں آپ کے گرانقدر خدمات ارباب علم ودانش سے پوشیدہ نہیں۔

آپ کا ایک بے مثال کارنامہ "بہار شریعت" کی تصنیف ہے، فقہ حنفی میں یہ ایک ایسی اعلیٰ ترین کتاب ہے جس کی نظیر اردو کتابوں میں نہیں ملتی، عقائد واعمال کا ہر ہر مسئلہ اس میں بیان کر دیا گیا ہے، ہدایت و رہنمائی کا یہ ایک ایسا روشن مینارہ ہے جس کی روشنی میں گم گشتگان راہ اپنی منزلوں کا پتہ لگا لیتے ہیں، برصغیر پاک وہند بلکہ عالم اسلام کے رہنماؤں کے لیے آج یہ کتاب ایک ضرورت بن گئی ہے۔ جہان اہل سنت کی وہ کون سی ایسی درسگاہ ہے جن کے طاقوں کی یہ زینت نہیں ہے اور کون سا ایسا دارالافتاء ہے جن کی الماریوں میں بہار شریعت سجی ہوئی نظر نہیں آتی، بلکہ اکثر دین سے شغف رکھنے والوں کے گھروں میں پائی جاتی ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس عظیم کتاب پر اپنے قلبی تاثرات کا اس طرح اظہار فرمایا:

"فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ مبارک رسالہ بہار شریعت حصہ سوم تصنیف لطیف اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلی مولانا ابو العلا مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنی رزقہ اللہ تعالیٰ فی الدارین الحسنی مطالعہ کیا۔ الحمد للہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی سلیس اردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی واغلاط کے مصنوع وملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔ مولیٰ عزوجل مصنف کی عمر وعلم وفیض میں برکت دے اور ہر باب میں اس کتاب کے اور حصص کافی وشافی وصافی تالیف کرنے کی توفیق بخشے اور انھیں اہل سنت میں شائع ومعمول اور دنیا وآخرت میں نافع ومقبول فرمائے۔ آمین۔ والحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین"۔

(بہار شریعت جلد سوم ص ۱۸۷، قادری کتاب گھر بریلی)

امام احمد رضا کی دعاؤں کا اثر دیکھا جارہا ہے کہ بہار شریعت کو علما وعوام میں جو مقبولیت حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں، فقیہ اعظم، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا دوسرا اہم علمی کارنامہ، "کشف الاستار" کی تصنیف ہے۔ کشف الاستار امام محمد طحاوی حنفی علیہ الرحمہ کی شرح معانی الآثار، کا باقاعدہ مسلسل حاشیہ ہے۔ فقہ حنفی پر یہ آپ کا ایسا باکمال اور بلند پایہ حاشیہ ہے جس کا سطر سطر آپ کی علمی جلالت اور فقہی بصیرت پر شہادت دے رہا ہے۔ اس کتاب کے ہر ہر باب کے حاشیے میں اختلاف ائمہ، ان کے دلائل کے ساتھ بیان کرنا، حنفی موقف کی تائید وتوثیق کے لیے صحاح ستہ ودیگر کتب حدیث سے استدلال کرنا، اسماء رجال الحدیث کی تحقیق وتفتیش، احادیث میں تعارض کے وقت حسن تطبیق اور جمع بین الادلہ کی صورتیں نکالنا، متعلقہ حدیث سے مستنبط مسائل واحکام کی جانب اشارہ کرنا اور اپنے افادات علمیہ کے جواہر پاروں کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرنا حاشیۂ طحاوی کی گونا گوں خوبیوں میں سے ہے۔

خدائے ذوالجلال کو شاید یہ منظور تھا کہ عظیم دادا کے اس حاشیہ جلیل کی ترتیب وتذہیب ان کے ہونہار باصلاحیت پوتا کرے اسی لیے اس کو منظر عام پر آنے میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی ورنہ آسمان تحقیق کے آفتاب و ماہتاب کے اس باکمال حاشیہ کو بہت پہلے منظر عام پر آ کر اپنے علمی فیضان سے جہان اہل سنت کو فیضیاب کرنا چاہیے تھا۔

راقم السطور کو کشف الاستار جلد ثانی کے مقررہ صفحات (از ۲۲۹ تا ۳۰۴) پر اپنے تاثرات اور محشی علیہ الرحمہ کے کمالات علمیہ اور افادات عالیہ فن حدیث میں ان کی وسعت نظر اور تبحر علمی کے نقوش صفحات قرطاس پر ثبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ مجھ جیسا کم علم اور حقیر سراپا تقصیر ان کے علمی کمالات اور فنی اوصاف کا ہرگز احاطہ نہیں کرسکتا، تاہم مقررہ صفحات کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا حاشیہ طحاوی آسمان علم وحکمت کے بدر منیر اور حسن افادیت ومعنویت میں اپنی نظیر آپ ہے، دقت نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہر قاری یہ کہے گا کہ یقیناً اس کے محشی اپنے وقت کے فقیہ اعظم اور صدر الشریعہ تھے۔

احادیث کریمہ اور افادات صدر الشریعہ:

طحاوی شریف کے اکثر ابواب کے تحت آپ نے متخرجہ مسائل واحکام ذکر کرنے کے بعد اپنے ایسے افادات علمیہ کا ذکر فرمایا جو فن حدیث وفقہ میں آپ کی وسعت نظر اور علمی جلالت وفقہی بصیرت پر دلیل ہیں، مثلاً "باب الرکعتین بعد العصر" میں امام طحاوی نے یہ حدیث پاک ذکر فرمایا ہے:

عن بکیران کریبا مولی ابن عباس حدثه ان ابن عباس وعبدالرحمٰن ابن ازهر والمسور بن مخرمه ارسلوه إلی عائشة فقالوا اقراها السلام منا جميعا و سلها عن الركعتين بعد العصر وقل انا اخبرنا انک تصيلنا وقد بلغنا ان رسول الله صلی الله عليه وسلم نهی عنهما (الی آخر الحديث)

اس طویل حدیث کے تحت حاشیہ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے فوائد علمیہ وافادات عالیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وفی هٰذا الحديث فوائد اخر غير ماذكر سابقا منها جواز استماع المصلی الی كلام غيره وفهمه له ولا يضر ذلک صلوته ومنها قبول خبرالواحد والمرأة مع القدرة علی اليقين بالسماع ومنها لا بأس للانسان ان يذكر نفسه بالكنية اذا لم يعرف إلابها، ومنها اذا تعارضت المصالح والمهمات بدأ بأهمها ولهذا بدأ النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم بحديث القوم فی الإسلام وترک سنة الظهر حتی فات وقتها لأن الاشتغال بإرشادهم وبهدايتهم أهم، ومنها أن الأدب اذا سال المصلی شيئا ان يقوم إلی جنبه لا خلفه ولا أمامه لئلا يشوش عليه بان لا تمكنه الإشارة اليه إلا بمشقة، ومنها إكرام الضيف حيث لم تأمر ام سلمة إمرأة من النبوة الاتی كن

عندها، ولم تتركهن وتباشر السوال بنفسها، ومنها الدلالة على فطنة ام سلمة وحسن تأنيها بملاطفة سوالها و إهتمامها بامرالدين، ومنها زيارة النساء المرأة ولوكان زوجها عندها، ومنها جواز التنفل فی البیت، ومنها كراهية القرب من المصلی لغیر ضرورة، ومنها المبادرة الى معرفة الحكم المشكل فرارا من الوسوسة.

(كشف الاستار جلد ثانی، باب الرکعتین بعد العصر،ص۲۴۸)

مذکورہ حدیث پاک کے تحت حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے گیارہ افادات کا ذکر فرمایا، اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) نمازی کا دوسرے کی بات سننا اور سمجھنا جو جائز ہے، ان کا سننا اور سمجھنا مفسد للصلوۃ نہیں۔ (۲) یقین بالسماع پر قدرت کے باوجود ایک مرد یا ایک عورت کی خبر قبول کرنا۔ (۳) اپنے آپ کا ذکر کنیت سے کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے جبکہ اس کی معرفت اسی سے ہو۔ (۴) مصالح وحوادث کے متعارض ہونے کے وقت ان میں جو اہم ہو اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ (۵) نمازی سے جب کچھ پوچھنا ہو تو طریقہ یہ ہے کہ پوچھنے والا ان کے پہلو کی جانب کھڑا ہو نمازی کے آگے یا ان کے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ (۶) اس حدیث پاک میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے امر دین میں اہتمام کرنے سوال میں نرمی برتنے اور ان کی ذہانت و فطانت پر دلیل ہے۔ (۷) مہمانوں کی تعظیم وتکریم کرنا۔ (۸) عورتوں کا کسی عورت کے پاس جانا اگرچہ اس عورت کے پاس اس کا شوہر موجود ہو۔ (۹) گھر میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ (۱۰) بلا ضرورت نمازی سے قریب ہونا مکروہ ہے۔ (۱۱) وسوسہ سے بچنے کے خاطر مشکل امر کی معرفت کے لیے جلدی کرنا۔

فن حدیث میں آپ کی دقیق نظری کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام طحاوی نے "باب الرجل یصلی بالرجلین أین یقیمهما" میں یہ حدیث درج فرمائی:

عن انس بن مالک ان جدته مليكة دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعام صنعته فاكل منه ثم قال قوموا فلأصلی لكم قال انس فقمت إلى حصير لنا قد إسود من طول مالبث فنضجته بماء فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وصففت أنا واليتيم وراء ہ والعجوز من وراء نا فصلى بنا ركعتين ثم انصرف.

مندرجہ حدیث کے تحت حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اپنے تیرہ افادات سپرد قرطاس کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وفی هذا الحديث فوائد كثيرة، منها جواز الدعوة وإن لم تكن وليمة عرس والاكل من طعامها، ومنها جواز النافلة جماعة، ومنها أن الأفضل أن تكون النوافل فی البیت لأن المساجد تبنی لأداء الفرائض، ومنها الصلوة فی دار الداعی

وتبركه بها...... ومنها: تنظيف مكان المصلى من الاوساخ ومثله التنظيف من الكناسات والزبالات، ومنها قيام الطفل مع الرجال فى صف واحد، ومنها تأخر النساء عن الرجال، ويستنبط منه أن امامة المرأة للرجال لاتصح لأنه اذا كان مقامها متاخرا عن مرتبة الصبى فبالأولى أن لا نتقدمهم وهو قول الجمهور..... ومنها إن الأفضل فى نوافل النهار ان تكون ركعتين، لكن عند الإمام الأعظم ابى حنيفة رحمه الله الأربع أفضل سواء صلى فى الليل اوفى النهار، والحديث لا يدل على أفضلية الركعتين، ومنها صحة صلوة الصبى المميز، ومنها الصلوة على الحصير و سائر ماتنبته الارض، وهو اجماع من شذ، ومنها ان الاصل فى الحصير و نحوه الطهارة، لأن النضح فيه للتليين أو لإزالة الوسخ، ومنها ان الاثنين يكونان صفا وراء الإمام، ومنها ان النساء إذا صلين مع الجماعة يقمن خلف الرجال فلو حاذت المرأة فسدت صلوة الرجل عند الحنفية.
(كشف الاستار جلد ثانی ص ۲۶۲،۲۶۳)

عبارت بالا میں ذکر کردہ تیرہ افادات عالیہ کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) شادی و ولیمہ کے علاوہ بھی دعوت کرنا اور اس کا کھانا جائز ہے۔ (۲) نفل کی جماعت جائز ہے (جب بطور تداعی نہ ہو)۔ (۳) نوافل گھر میں ادا کرنا افضل ہے (جب کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ (۴) دعوت کرنے والے کے گھر میں نماز پڑھنا اور نماز سے اسے بابرکت بنانا۔ (۵) نمازی کی جگہ کا میل وکچیل ودیگر گندگیوں سے پاک و صاف ہونا۔ (۶) ایک ہی صف میں مردوں کے ساتھ بچے کا کھڑا ہونا۔ (۷) عورتوں کا مردوں سے پیچھے ہونا (اس زمانے میں عورتوں کا مسجد میں نماز کے لیے آنا جائز نہیں) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا مردوں کے لیے امام بننا صحیح نہیں کیونکہ ان کا مقام جب بچوں سے مؤخر ہے تو بدرجۂ اولیٰ وہ مردوں سے مقدم نہیں ہوسکتی جبکہ امام مقتدی سے مقدم ہوتا ہے۔ (۸) دن کے نوافل کا دو دو رکعت ہونا، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چار افضل ہے، دن میں ہو یا رات میں، اور یہ حدیث پاک رکعتین کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتی۔ (۹) ممیز اور سمجھدار بچے کی نماز صحیح ہے۔ (۱۰) چٹائی اور ہر اس شئ پر نماز صحیح ہے جو زمین پر اگتی ہے۔ (۱۱) حصیر وغیرہ میں طہارت اصل ہے۔ (۱۲) امام کے پیچھے دو مقتدیوں کا ہونا ایک صف ہے۔ (۱۳) عورتیں جب امام کے ساتھ نماز پڑھیں تو وہ مردوں کے پیچھے کھڑے ہوں اگر عورت مرد کے محاذی کھڑی ہوگئی تو نماز مرد کی فاسد ہو جائے گی۔

افادات صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے یہ صرف دو نمونے پیش کیے گئے، حاشیہ کی دونوں جلدوں کے افادات اگر جمع کیے جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ افادات صدر الشریعہ کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔

حاشیہ طحاوی کا طرز استدلال:

استحکام و پائیداری کے ساتھ احادیث سے موقف حنفی کی تائید و ثبوت میں استدلال کرنا او رمخالف موقف کے استدلالات کا اطمینان بخش جواب دینا، حاشیہ طحاوی کی اہم خصوصیت ہے، حسن استدلال کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

شرح معانی الآثار میں "باب الرکعتین بعد العصر" کے تحت حضرت امام طحاوی نے مندرجہ ذیل حدیث پاک تحریر فرمائی۔

عن عائشة انها قالت ما كان اليوم الذی یکون عندی فیه رسول الله صلی الله علیه ولم إلا صلی رکعتین بعد العصر.

مذکورہ حدیث پاک سے بعض لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا کہ بعد عصر نفل پڑھنا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ناجائز ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اولاً حنفی موقف کی تائید وثبوت پر اس حدیث پاک سے استدلال فرمایا جس کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، اور وہ حدیث شریف یہ ہے:

عن ابن عباس قال شهد عندی رجال مرضیون وارضاهم عندی عمر ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن الصلوة بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس.

اور ثانیاً قائلین جواز نفل بعد العصر کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ونحن نقول: صلوته صلی اللّٰه علیه وسلم بعد العصر من خصائصه، لایجوز لاحدان یتنفل بعد العصر، ویدل علیه ماروٰه البیهقی عن ذکوان مولی عائشة انها حدثته ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی بعد العصر رکعتین وینهی عنهما، ویواصل وینهی عن الوصال" وماروی عن ام سلمة رضی اللّٰه عنها حین صلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بعد العصر سألته یا رسول اللّٰه أفنقضیهما اذا فاتتا قال لا" فدل هذا ان هذه الصلوة مخصوصة بالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم لایجوز لأحد أن یصلیها.

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعد عصر دو رکعت ادا کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بعد عصر نفل پڑھے، خصوص ہونے پر دو حدیثیں دلالت کررہی ہیں، ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد عصر دو رکعت پڑھتے تھے لیکن اس سے منع فرماتے تھے، آپ صوم وصال رکھتے تھے لیکن لوگوں کو اس سے منع فرماتے تھے اور دوسری ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ جب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت ظہر کی دو رکعتوں کے فوت ہونے کی صورت میں ادا کرنے کا حکم پوچھا، تو آپ نے منع فرمایا۔

"رکعتین بعد العصر" کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونے پر حضرت صدرالشریعہ نے علمائے اعلام کے اقوال بھی پیش کیے اور پھر قائلین جواز کی دلیل کے متعدد جوابات تحریر فرمائے۔ چنانچہ اسی باب کے اخیر کے سطروں میں ارشاد فرماتے ہیں:

"حاصل ما ذكر فى هذا الباب أن الصلوة بعد العصر وإن ثبتت عن النبى صلى الله عليه وسلم لكنها مخصوصة به ولذا ضرب عمر رضى الله عنه على الركعتين بعد العصر بمحضر من الصحابة من غير نكير، وذكر الماوردى من الشافعية وغيره: ان ذلك من خصوصياته صلى الله عليه وسلم قال الخطابى: كان النبى صلى الله عليه وسلم مخصوصا بهذا دون الخلق وقال ابن عقيل، لاوجه الا هذا الوجه.

ومع هذا نقول: ان المبيح والحاظر اذا تعارضا جعل الحاظر متأخرا، ويعمل به، فحديث النهى مع كثرة طرقه وتواتر مخرجه، يترجح على حديث المبيح، وايضا حديث النهى قول وحديث المبيح فعل والقول يترجح على الفعل، وقال المحقق فى فتح القدير ماحاصله إن ضرب عمر رضى الله عنه على الصلوة بعد العصر كان بمحضر من الصحابة من خير نكير، فكان اجماعا هى ان المتقرر بعده عليه الصلوة والسلام عدم جوازهما، ثم كان ذلك دأبه لأانه وقع منه مرة، فلم يطلع عليه بعضهم، او يجوز رجوعه كما يفيده قول انس بن مالك حين سئل عن التطوع بعد العصر، كان عمر رضى الله عنه يضرب الأيدى عن الصلوة بعد العصر، الحديث رواه مسلم

(كشف الاستار، ج۲ ص ۲۵۵)

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعد عصر نماز کا ثبوت اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر وہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکعتین بعد العصر کے پڑھنے والے کو مارا اور صحابۂ کرام میں سے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا (گویا کہ صحابۂ کرام کا عدم جواز پر اجماع ہوگیا) اور شافعیہ میں سے ماوردی کا یونہی خطابی اور ابن عقیل کا بھی یہی موقف ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

اور اسی کے ساتھ ہم کہیں گے کہ مبیح اور حاظر کے درمیان تعارض کے وقت حاظر کو متاخر مان کر اسی پر عمل کیا جاتا ہے، لہٰذا حدیث نہی کو کثرت طرق اور تواتر مخرج کی وجہ سے مبیح پر ترجیح دی جائے گی، اور اس لیے بھی کہ حدیث نہی قول اور حدیث مبیح فعل ہے اور قول کو فعل پر ترجیح دی جاتی ہے۔ محقق نے فتح القدیر میں کہا: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلوۃ بعد العصر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مارنا صحابۂ کرام کی موجودگی میں تھا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی، تو اس سے یہ

ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام کے نزدیک عدم جواز ہی ثابت ومتقرر ہے۔

طرز استدلال کے حسن وخوبی کی ایک جھلک اور ملاحظہ کریں۔

امام کے علاوہ صرف دو نمازی ہونے کی صورت میں جماعت اس طرح قائم کی جائے گی کہ امام آگے اور دونوں مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہوں گے، یہی جمہور کا مسلک ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام دونوں مقتدی کے درمیان یعنی ان کے بیچ میں کھڑے ہوں گے، اور دلیل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کی ہے جو شرح معانی الآثار کے "باب الرجل يصلی بالرجلين أين يقيمهما" میں مذکور ہے، اور وہ یہ ہے۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود أنه صلى بعلقمة والأسود فجعل احدهما عن يمينه والآخر عن شماله قال ثم ركعنا فوضعنا ايدينا على ركبنا فضرب ايدينا بيده وطبق قال هكذا فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(كشف الاستار جلد ثانی ص۲۵۷/۲۵۸)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بحوالۂ بیہقی ومسند احمد اس حدیث پاک کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فنقول روى البيهقي عن هشام بن حسان قال ذكرت ذٰلك لابن سيرين يعني ما فعل ابن مسعود، فقال ابن سيرين كالمسجد ضيقاً. وروى احمد في مسنده عن يعقوب عن ابن إسحاق قال: وحدثني عبدالرحمٰن بن اسود بن يزيد النخعي عن ابيه، قال: دخلت أنا وعمي علقمة على عبداللّٰہ بن مسعود بالهاجرة، قال فاقام الظهر ليصلي فقمنا خلفه فأخذ بيدي ويدعمي، ثم جعل أحدنا عن يمينه والاخر عن يساره ثم قام بيننا، فصففنا خلفه صفا واحدا، ثم قال: هكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم بفعل إذا كانوا ثلثة. وهذه الرواية تدل على ان ابن مسعود توسط بين أسود وعلقمة ولكن كان أمامهما رهما خلفه، فعلى هذا هذه الرواية لا تختلف ما اختاره الجمهور.

(كشف الاستار جلد ثانی ص۲۵۶)

بیہقی کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہشام بن حسان نے جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فعل کا ذکر ابن سیرین سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کا یہ فعل تنگی مسجد کے بنا پر تھا یعنی اظہار سنت نبوی کے لیے نہ تھا۔

اور مسند امام احمد کی راویت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت اسود وعلقمہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ابن مسعود ان کے وسط میں، لہٰذا یہ روایت جمہور کے خلاف نہیں ہے۔

اسی طرح آپ نے فتح القدیر کے حوالے سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب اس طرح ارقام فرمایا:

قال في فتح القدير: والجواب عن

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنه إما بانه فعله لضیق المکان، او ما قال الحازمی أنه منسوخ. (کشف الاستار ص۲۵۷)

یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ ہے اور ناسخ حدیث جابر اور حدیث انس ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ ہے:

عن جابر قال: سرت مع النبی صلی اللہ علیه وسلم بغزوة فقام یصلی فجئت حتی قمت عن یساره فاخذ بیدی فأدارنی عن یمینه فجاء ابن صخر حتی قام عن یساره فاخذ نابیدیه جمیعا فوضعنا حتی أقامنا خلفه، فهذا دال علی أن هذا هو الاخر لان جابرا انما شهد المشاهد التی بعد بدر.

(کشف الاستار جلد ثانی ص۲۵۷)

اس حدیث شریف میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ مسئلہ مبحوث عنہا میں امام آگے اور دونوں مقتدی ان کے پیچھے کھڑے ہوں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر اور صخر کو اپنے پیچھے کھڑا کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس کا خلاصہ سطور بالا میں گذرا۔ حضرت فقیہ اعظم، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک جواب ابن عبدالبر اور نووی کے حوالے سے یہ بھی دیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے هکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نہیں کہا، اور راویوں سے ذہول ہوگیا اور اس طرح انھوں نے اپنی روایت میں جملہ سابقہ یعنی هکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کوملالیا۔

حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

قوله هکذا فعل النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ابن عبدالبر: لا یصح رفعه والصحیح عندهما الوقف علی ابن مسعود رضی الله عنه وقال النووی فی الخلاصة الثابت فی صحیح مسلم أن ابن مسعود فعل ذٰلک، فلم یقل هکذا کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یفعله وهما قد ذهلا، فان مسلما اخرجه من ثلث طرق، لم یرفعه فی الأولین ورفعه فی الثالثة، وقال هکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم. (کشف الاستار جلد ثانی ص ۳۳. باب التطبیق فی الرکوع)

بہر حال ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بعض کے نزدیک مرفوع اور بعض کے نزدیک موقوف ہے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے حاشیہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وایاما کان، فحدیث عبداللہ بن مسعود هذا قد عارضته احادیث اخر وبعض هذه الاحادیث یدل علی أن تقدم الإمام علی إثنین کان متاخرا، فیکون هو الناسخ لحدیث ابن مسعود رضی الله عنه.

(کشف الاستار جلد ثانی ص ۲۵۹)

پورا حاشیہ حسن استدلال کے دلکش نمونوں سے بھرپور

ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدرالشریعہ کو صرف فقہ ہی میں عبور حاصل نہ تھا بلکہ آپ کو فن حدیث میں بھی کمال مہارت وممارست حاصل تھا۔

کتب حدیث پر عقابی نظر:

مقررہ صفحات کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث پر آپ کا مطالعہ بڑا وسیع تھا، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کے ابواب آپ کی نگاہوں کے سامنے تھے، یہاں صرف دو عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جو آپ کی وسعت مطالعہ اور دقت نظر پر شاہد ہیں۔

باب الركعتين بعد العصر، میں امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں یہ حدیث نقل فرمائی۔

عن ابن عباس قال شهد عندى رجال مرضيون. الخ.

اس کے تحت حاشیہ میں حضرت صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

هذا الحديث اخرجه الائمة الستة، ففى البخارى، شهد عندى رجال مرضيون وارضاهم عندى عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد الصبح، الخ. ولمسلم: غير واحد من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم عمر بن الخطاب، وكان احبهم إلى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد الفجر. الخ. ولأبى داؤد: شهد عندى رجال مرضيون، وفيهم عمر بن الخطاب وارضاهم عندى عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة بعد صلوة الصبح حتى تطلع الشمس، ولا صلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وترمذى مثل لفظ مسلم، ولابن ماجه مثل رواية ابى داؤد إلا أنه قال لا صلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس، الخ. ورواه مسدد فى مسنده ومن طريقه رواه البيهقى، ولفظه حدثنى ناس اعجبهم الى عمر رضى الله عنه. الحديث. (جلد ثانى ص ۲۴۹)

اسی طرح امام طحاوی نے اسی باب میں یہ حدیث درج فرمائی:

عن عائشة أنها قالت ما كان اليوم الذى يكون عندى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا صلى ركعتين بعد العصر.

یہ حدیث بخاری، مسلم، ابواؤداور نسائی میں کن لفظوں کے ساتھ مندرج ہے۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حديث عائشة رضى الله تعالىٰ عنها اخرجه البخارى و مسلم و ابواؤد والنسائى عن ابى اسحاق، ففى البخارى: قال رأيت الأسود ومسروقا شهدا على عائشة قالت ماكان النبى صلى الله عليه وسلم يأتينى فى يوم بعد العصر الا ركعتين. وفى راوية مسلم، عن ابى اسحاق عن الأسود ومسروق قالا نشهد على عائشة

انها قالت: ماکان یومه الذی کان یکون عندی الاصلاهما رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی بیتی تعنی الرکعتین بعد العصر. وفی روایة ابی داؤد: قالت: ما من یوم یأتی علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إلا صلی بعد العصر رکعتین. وفی روایة النسائی قال: سمعت مسروقا والأسود قالا نشهد علی عائشة أنها قالت، کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اذا کان عندی بعد العصر صلاهما. رواه البیهقی ولفظه لفظ البخاری.

(کشف الاستار جلد ثانی ص ۲۴۱)

اسماء رجال الحدیث پر صدر الشریعہ کی ژرف نگاہی:

فن حدیث پر مہارت وممارست رکھنے والوں کی ضرور بات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسما رواۃ حدیث پر ان کے مطالعہ کا دائرہ بہت وسیع ہو، تاکہ اس کی روشنی میں وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ وہ حدیث لائق استناد و حجت ہے یا نہیں، یا وہ قبولیت کے کس درجے پر ہے اور وہ کس قسم کے حکم کا افادہ کرے گی، اس حیثیت سے جب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو آپ اس میدان کے بھی شہسوار نظر آتے ہیں، اسماء رجال الحدیث پر ان کی ژرف نگاہی اور دیدہ وری لائق صد رشک وفخر ہے۔ رجال الحدیث پر آپ کی وسعت مطالعہ کا یہاں صرف ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں ''باب القراءۃ فی رکعتی الفجر'' کے تحت مندرجہ حدیث نقل فرمائی ہے:

عن عائشة قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یصلی رکعتی الفجر رکعتین خفیفتین. الخ.

(کشف الاستار جلد ثانی ص ۲۳۰)

امام طحاوی نے اس حدیث کو تین سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

هذا الحدیث اخرجه المصنف بثلثة اسانید، الاول: عن یحییٰ بن سعید عن عمرة عن عائشة. الثانی: عن یحییٰ بن سعید عن محمد بن عبدالرحمٰن عن امه عمرة عن عائشه. الثالث: عن شعبة عن محمد بن عبدالرحمٰن قال: سمعت عمتی عمرة تحدث عن عائشة.

(کشف الاستار، ج ۲ ص ۲۳۰)

ان تینوں سندوں میں سے دوسری یعنی یحیٰ بن سعید کی روایت میں عمرۃ کو محمد بن عبدالرحمٰن کی ماں قرار دیا گیا، اور تیسری یعنی شعبہ کی روایت میں انھیں محمد بن عبدالرحمٰن کی پھوپھی کہا گیا، یونہی بعض روایتوں میں محمد بن عبدالرحمٰن کی کنیت ابوالرجال بتائی گئی ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وذکر الدار قطنی فی العلل: ان سلیمان بن بلال رواه عن یحییٰ بن سعید قال حدثنی ابوالرجال، وکذا رواه عبدالعز

بن مسلم ومعاوية بن صالح عن يحییٰ عن محمد بن عمرة وهو ابو الرجال.

بہر حال عمرہ محمد بن عبدالرحمٰن کی والدہ ہیں یا پھوپھی؟ پھر ان روایتوں میں محمد بن عبدالرحمٰن کیا ابوالرجال ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور؟۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ان باتوں کا جائزہ اور اس پر اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

واما المصنف ففی روایته عن یحییٰ جعل عمرة ام محمد بن عبدالرحمٰن وشعبه جعلها عمته، فمحمد بن عبدالرحمٰن هذا، إن كان محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارة، وعمرة بنت عبدالرحمٰن بن سعد، تكون عمة ابيه لا عمة نفسه، وإن كان محمد بن عبدالرحمٰن بن حارثة بن النعمان الملقب بأبی الرجال، لان له عشرة اولاد، فعمرة امه لا عمته، لكنه لم يروعنها هذاالحديث.

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سندوں میں محمد بن عبدالرحمٰن سے مراد اگر محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ ہو اور عمرہ سے مراد عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد ہو تو اس صورت میں عمرہ محمد کی پھوپھی نہیں ہوگی، بلکہ ان کے والد عبدالرحمٰن کی پھوپھی ہوگی۔

اور اگر محمد بن عبدالرحمٰن سے مراد محمد بن عبدالرحمٰن بن حارثہ بن نعمان الملقب بابی الرجال ہو تو پھر اس صورت میں عمرہ ان کی پھوپھی نہیں بلکہ ان کی ماں ہے لیکن ابوالرجال نے اپنی ماں سے یہ حدیث روایت نہیں کی ہے۔

اس پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے خطیب کے حوالے سے یہ عبارت پیش کی:

وقد نبه على ذلك الخطيب فقال فی حديث محمد بن عبدالرحمٰن عن عمته عن عائشة فی الركعتين بعد الفجر. ومن قال فی هذا الحديث عن شعبة عن ابی الرجال محمد بن عبدالرحمٰن فقد وهم، لان شعبة لم يرو عن ابی الرجال شيئا، وكذلك من قال عن شعبة عن محمد بن عبدالرحمٰن عن امه عمرة.

امام بیہقی نے اپنی سنن میں اسی حدیث پاک کو بایں سند ذکر کیا ہے:

"أنبأ يحییٰ بن سعيد الانصاری عن محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارة، وهو ابن أخی عمرة عن عمرة"

بیہقی کی اس سند حدیث کے متعلق حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

"ففی هذاالسند صرح بأن محمد بن عبدالرحمٰن هذا هو محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد، وهو ليس كذلك، بل هو محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن ابن سعد. وايضا صرح ان محمد بن عبدالرحمٰن

ابن اخی عمرة، وهذا ایضا لیس بصحیح، لأن عمرة هذه هی عمرة بنت عبدالرحمٰن بن سعد، فکیف تکون عمة محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد، بل هی اختہ، إلا أن یقال: ان قوله عبدالرحمٰن بن سعد نسبته إلی الجد"

حدیث بیہقی کے سلسلہ سند کے متعلق حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ امام طحاوی کی دونوں حدیثوں کی سندوں میں جو محمد بن عبدالرحمٰن ہیں وہ ابوالرجال نہیں، بلکہ وہ محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد ہی ہیں البتہ حدیث بیہقی کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد ہے، حالانکہ صحیح محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد ہے، اسی طرح بیہقی نے محمد بن عبدالرحمٰن کو عمرہ کا بھتیجا بتایا اور عمرہ کو ان کی پھوپھی کہا، حالانکہ صحیح یہ کہ عمرہ ان کی بہن ہیں نہ کہ پھوپھی۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا اور کہا "إلا أن یقال إن قوله عبدالرحمٰن بن سعد نسبته الی الجد".

یعنی سند میں عبدالرحمٰن بن سعد کہہ کر دادا کی جانب نسبت کی گئی ہے، اور ایسا کیا جاتا ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اس بات کی بھی تحقیق پیش کی ہے کہ تابعین اہل مدینہ میں اس نام کے کتنے راویان حدیث گزرے ہیں، چنانچہ عینی کے حوالے رقم طراز ہیں:

وذکر الجیانی: ان محمد بن عبدالرحمٰن اربعة من تابعی اهل المدینة، أسماء هم متقاربة، وطبقتهم واحداة، وحدیثهم مخرج فی الکتابین، الأول: محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، عن جابر وأبی سلمة، روی عنه یحییٰ بن ابی کبیر، والثانی: محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل أبوالاسود، والثالث: محمد بن عبدالرحمٰن یعنی ابن زرارة، والرابع: محمد بن عبدالرحمٰن ابو الرجال، کذا ذکره العینی.

یہ تو ایک نمونہ پیش کیا گیا پوری کتاب حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی وسعت مطالعہ، دقت نظر، فن حدیث پر آپ کی ژرف نگاہی اور دیدہ وری اور کمال مہارت وممارست کی دلیل پیش کررہی ہے، حاشیہ طحاوی در حقیقت علم وحکمت کا چشمہ اور کمال تحقیق وتدقیق کا ایک صاف وشفاف آئینہ ہے، اس حاشیہ کی طرح اکثر عام حاشیہ نگاروں نے اپنے اپنے حواشی میں تفصیلی وتحقیقی گفتگو نہیں فرمائی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حاشیہ نہیں بلکہ امام طحاوی کی کتاب کی شرح ہے۔

حاشیہ طحاوی کے مطالعہ کرنے کے بعد ہر قاری یہ کہے گا کہ بلاشک وہ جس طرح فقیہ اعظم اور صدرالشریعہ تھے، اسی طرح وہ اپنے وقت کے ایک عظیم محدث بھی تھے۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

❖❖❖

حاشیہ طحاوی

کا اجمالی تعارف

مفتی قاضی فضل احمد مصباحی بنارس

یوں تو دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو چند سال ایک بے مقصد زندگی گزرانے کے بعد مرجاتے ہیں اور دنیا کو اپنی موت وحیات کا مفہوم بتانے سے قاصر رہتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے افراد بھی ہیں جن کی زندگی جاذب توجہ اور قابل رشک بن جاتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہندوستان کی زمین بھی بڑی مردم خیز ہے۔ ایک سے ایک مردانِ کار اس سرزمین سے اٹھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے آفاق وانفس پر چھا گئے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی پر جتنا ناز کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی کو مسلک اہلسنت وجماعت کی حقانی قدروں کے تحفظ کے لیے منصب تجدید سے سرفراز فرمایا، آپ کی گراں قدر دینی وعلمی خدمات کا زمانہ شاہد ہے۔ عصر حاضر تحقیق وتدقیق کا دور ہے، اس تناظر میں جدید تحقیق یہ کہتی ہے کہ آپ کو ایک سو چودہ علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی، جس پر ہزار سے زائد آپ کی گراں قدر تصنیفات شاہد عدل ہیں۔ آپ کے کارنامہ ہائے حیات کے گوشے اتنے وسیع ہیں کہ انہیں اجمالی طور پر بھی سمیٹنے کی گئی تو پندرہ جلدیں نکل آئیں۔ ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب نے پندرہ جلدوں میں آپ کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کے حرف آغاز میں لکھتے ہیں:

''آج ہماری ہمتیں اتنی پست ہیں کہ پندرہ مجلدات پر مشتمل امام احمد رضا کا سوانحی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنا دشوار نظر آرہا ہے لیکن امام احمد رضا کی ہمت بلند کو مرحبا کہیے کہ انہوں نے صرف فتاویٰ کی جہازی سائز کی بارہ جلدیں مرتب کر ڈالیں اور ان کے حوصلہ کو حبذا کہیئے کہ پچاس سے زیادہ علوم وفنون پر ہزار سے زیادہ کتب ورسائل لکھ ڈالے، تحقیقی اور تاریخی نقطۂ نظر سے چودھویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں امام احمد رضا کی نظیر نہیں ملتی''۔

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تلامذہ اور خلفاء میں صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ امجد علی اعظمی سرفہرست ہیں آپ کی جلالت علمی کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ خود مجدد وقت نے آپ کے علمی فضل وکمال اور تفقہ فی الدین کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے۔

''آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں، اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے''۔

(الملفوظ حصہ اول ص ۹۳، مکتبہ مشرق بریلی شریف)

بہار شریعت حصہ سوم پر ان الفاظ کے ذریعہ تقریظ لکھی:

''فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ مبارک رسالہ بہار شریعت حصہ سوم تصنیف لطیف اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والعلی مولانا ابو العلیٰ مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنیٰ رزقہ اللہ تعالیٰ فی الدارین الحسنیٰ مطالعہ کیا، الحمد اللہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا''۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۸۷)

نواب صدر یار جنگ محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی جیسے قدیم وجدید علوم کے ماہر آپ کے علمی کمال کے قائل تھے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے نصاب کی تشکیل کے لے جو بورڈ بنایا گیا تھا حضرت صدر الشریعہ اس کے جلیل الشان رکن تھے۔ آپ نے ٹھوس علمی صلاحیت رکھنے والے کثیر تلامذہ پیدا کئے۔ حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور آپ ہی کے چہیتے شاگرد اور خلیفہ تھے جن کے علمی فیضان سے آج پوری دنیا مالا مال ہے۔

صدر الشریعہ زبردست عالم دین، بے بدل صاحب تدریس اور بہترین مصنف اور بے مثل محدث بھی تھے۔ فقہ میں بہار شریعت تمام ابواب فقہ کو جامع ایک ایسی کتاب ہے جو اپنی فادیت میں ممتاز ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے مجموعۂ فتاوی ''فتاویٰ امجدیہ'' سے پوری دنیا فیض یاب ہو رہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا حضور صدر الشریعہ ایک عظیم محدث بھی تھے۔ حدیث کی مشہور کتاب ''شرح معانی الآثار'' المعروف بہ طحاوی شریف پر ایک عمدہ ،نفیس اور جامع حاشیہ حضرت صدر الشریعہ کے علمی شاہکاروں کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

''کشف الاستار'' حاشیہ شرح معانی الآثار جلد ثانی ص ۴۸ تا ص ۱۰۷ ہی اس وقت مراروئے سخن ہے۔ امام طحاوی نے جن احادیث کی تخریج کی ہے وہ یا اس کے ہم معنی حدیثیں ''شرح معانی الآثار'' کے علاوہ صحاح کی جن کتابوں میں مذکور ہیں، محشی علام نے تقریباً ان تمام روایتوں کو اسناد کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ اور اگر حدیث میں کوئی حکم یا ممانعت مذکور ہے تو عموماً اس حکم یا ممانعت کی نفیس توجیہ بھی بیان کردی گئی ہے۔ ذیل میں مختلف مقامات سے مختلف اقتباسات نقل کیے جارہے ہیں تا کہ حاشیہ کی اہمیت وخصوصیت واضح ہو کر سامنے آجائے۔

(۱) رکوع وسجود کی حالت میں قرأت قرآن کی ممانعت کے تعلق سے امام طحاوی نے یہ حدیث نقل کی۔

"عن علی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیت ان اقرأ وانا راکع او ساجد".

اس ممانعت کی وجہ ذکر کرتے ہوئے صدر الشریعہ ارشاد فرماتے ہیں:

"والحکمۃ فی نہیۃ عن قرأۃ القرآن راکعا اوساجدا ماقال الخطابی لما کان الرکوع والسجود وہما غایۃ الذیل والخضوع مخصوصین بالذکر والتسبیح نہٰی علیہ السلام عن القرأۃ فیہما کانہ کرہ ان یجمع بین کلام اللہ تعالیٰ وبین کلام الخلق فی موضع واحد فیکونان سواء ذکرہٗ الطیبی".

یعنی رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرأۃ قرآن سے ممانعت میں حکمت خطابی کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ رکوع وسجود جو انتہائی انکساری اور خشوع وخضوع پر دلالت کرتے ہیں ان میں مخصوص ذکر وتسبیح ہیں تو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ ایک ہی جگہ خالق ومخلوق دونوں

کے کلام کو جمع کیا جائے اور دونوں برابر ہو جائے۔ اس کے علاوہ اور توجیہات بھی بیان فرمائی ہیں۔

(۲) حدیث شریف میں ہے:

"أقرب ما يكون العبد الى الله عزوجل وهو ساجد فأكثروا الدعاء"

یعنی بندہ سجدہ کی حالت میں سب سے زیادہ اللہ کی رحمت سے قریب ہو جاتا ہے تو سجدہ میں دعا کی کثرت کرو"۔

اس حدیث سے بعض اہل علم یہ استدلال کرتے ہیں کہ سجدہ، قیام اور نماز کے دوسرے ارکان سے افضل ہے۔ بعض نے کہا طول قیام کثرت رکوع وسجود سے افضل ہے۔ بعض نے کہا دن میں کثرت رکوع وسجود افضل ہے جبکہ رات میں طول قیام افضل ہے۔ ان اختلافات کو نقل کرنے کے بعد محشی علام نے فرمایا ہمارے نزدیک طول قیام کثرت رکوع وسجود سے افضل ہے۔ اولاً: طول قیام کی فضیلت پر حدیث ناطق ہے۔ ثانیاً: قیام میں ذکر قرأت ہے جبکہ سجدہ میں ذکر تسبیح ہے، اور قرأت قرآن تسبیح سے افضل ہے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"وعندنا طول القيام افضل من كثرة الركوع والسجود اى كثرة الركعة لحديث جابر فى صحيح مسلم ان النبى صلى الله عليه وسلم قال افضل الصلوٰة طول القنوت وجاء فى حديث آخر افضل العبادات احمزها ولان ذكر القيام القرأة وذكر السجود التسبيح والقرأة افضل ولان المنقول عن النبى صلى الله عليه وسلم انه كان يطول القيام اكثر من تطويل السجود". (كشف الاستار عن شرح معانى الآثار ج ۲ ص ۵۶)

(۳) حالت رکوع وسجود میں الفاظ ذکر معین ہیں ___ یا ___ آدمی جو چاہے اپنی طرف سے دعا میں الفاظ استعمال کرے، اس باب میں حدیثیں مختلف ہیں۔ امام طحاوی نے فرمایا کچھ اہل علم اسی بات کے قائل ہیں کہ رکوع وسجدہ میں آدمی جو چاہے دعا مانگے، اس کے لیے کوئی مخصوص وماثور دعاء ضروری نہیں ہے، جبکہ دوسرے اہل علم نے یہ فرمایا کہ رکوع وسجود میں مخصوص ذکر ہے۔ رکوع میں "سبحان ربى العظيم" اور سجدہ میں "سبحان ربى الاعلى" ___ امام طحاوی دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رکوع وسجود میں کسی بھی دعا وذکر کی اجازت پہلے تھی، مگر مرض وفات میں جو نماز آپ نے پڑھائی اس میں ارشاد فرمایا کہ "سبحان ربى العظيم" کو رکوع میں مخصوص کرلو، جبکہ "سبحان ربى الاعلى" کو سجدہ میں۔ لہٰذا یہ حدیث ناسخ ہوئی، اور پہلے والا حکم (جو چاہے دعا کرے) منسوخ ہو گیا۔

اس پر محشی علام نے جو موقف اختیار کیا وہ نہایت ہی جامع اور نقض وایراد سے صحیح وسالم ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

جن حدیثوں میں رکوع وسجود میں مخصوص دعاء کا ذکر ہے وہ فرائض کے لیے ہے۔ اور جن حدیثوں میں بندہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو چاہے دعا کرے وہ نوافل کے لیے ہے۔ یا یہ کہ رکوع وسجود میں مخصوص ذکر کا حکم فرائض ونوافل دونوں کو عام ہے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احیاناً بیان جواز کے لیے دوسرے الفاظ کے ذریعہ بھی دعا مانگی۔ اور امام طحاوی کے دعوئ نسخ پر یہ کہتے ہوئے عدم اطمینان کا اظہار فرمایا کہ اثبات نسخ بہت مشکل کام ہے۔ (اولاً) ناسخ کا متاخر ہونا ضروری ہے اور یہاں

حدیث عقبہ بن عامر جُہنی جس کو ناسخ بتایا جارہا ہے کسی بھی روایت سے اس کا تأخر ثابت نہیں ہو رہا ہے (ثانیاً) دعویٰ نسخ کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ ناسخ و منسوخ میں تعارض وتنافی ہو، جبکہ یہاں باہم احادیث میں کوئی تنافی نہیں ہے، پھر دعویٰ نسخ کیوں کر درست ہوگا؟۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

"اعلم ان الاذكار الواردة في

كما بينهٔ المصنف رحمه الله بالبسط والتفصيل قال بعضهم المصلى بالخيار يذكر من هذه الاذكار ما احب واما عندنا معشر الحنفية فقال مشائخنا بان يقتصر فى الفرائض علىٰ "سبحان ربى العظيم وسبحان ربى الاعلىٰ" ثلٰثا او اكثر بعد ان يكون وتراً واما غيرهما من الاذكار الواردة فيقول فى صلوة التطوع ان شاء كما قال صاحب الهداية فى بيان الاستفتاح وماروواه محمول على التشهداى فى النوافل مطلقا او يقال انه صلى الله عليه وسلم فعل احياناً لبيان الجواز واما مسلك النسخ الذى سلكهٔ المصنف رحمه الله فاثباته عسير جداً اما اولا فلا بد من ان يكون الناسخ متأخر عن المنسوخ وحديث عقبة بن عامر الجهنى رضى الله عنه لا يثبت تأخره باحد من الروايات واما ثانيا فلابد للنسخ ان يكون بين الناسخ والمنسوخ تعارض وتناف وهذه الاحاديث لا تنافى بينهما فكيف يقال بالنسخ". (كشف الاستار ج ۲ ص ۶۱)

(۴) قعدہ میں تشہد واجب ہے اور تشہد میں وہ الفاظ پڑھنا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، سنت ہے، اور خاص خور پر حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے جو الفاظ محقق علامہ ابن نجیم مصری حنفی [illegible] مسعود رضی اللہ [illegible] منقول ہیں ان تشہد کے الفاظ پڑھنا واجب ہے، اس لیے کہ فقہائے کرام نے تشہد کو واجب قرار دیا ہے۔ اس پر محشی علام نے یہ کہہ کر تأمل کا اظہار فرمایا کہ فقہائے کرام کے اس فرمان کا کہ "تشہد واجب ہے" مطلب یہ ہے کہ مطلق تشہد واجب ہے نہ یہ کہ خاص حضرت عبداللہ ابن مسعود کا تشہد۔ ہاں البتہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا تشہد باقی ان تمام تشہدات سے جو اس باب میں منقول ہیں اولیٰ وارجح ہے۔ امام طحاوی کے کلام کا ظاہر بھی یہی بتا رہا ہے کہ آدمی اس وقت گنہگار ہوگا جب وہ احادیث میں منقول تشہد نہ پڑھے۔ ایسا نہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا تشہد نہ پڑھنے سے گنہگار ہوگا۔ چنانچہ وہ اِن الفاظ کے ذریعہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حاصل كلامه هذا ان المصلى يتشهد بما جاء ت به الاحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه ولا يخالفه فلو تشهد من عند نفسه تشهداً يخالف لفظه لفظ المنقول كا مسيًا ولو كان الاخذ بتشهد ابن مسعود رضي الله عنه اولىٰ من تشهدات آخر لان حديثه اصح احاديث التشهد بخلاف غيره، واما ماقال فى البحر ان الاخذ بتشهد ابن

مسعود رضی الله عنه واجب لانه جعلوا التشهد واجبا وعینوه فی تشهد ابن مسعود رضی الله عنه ففیه تامل لان قولهم التشهد واجب معناه مطلق ان مطلق التشهد واجب واما تعیینهم تشهد ابن مسعود فمرادهم ان هذا التشهد اولی وارجح علی سائر التشهدات لا ان عینه واجب وظاهر کلام الطحاوی رحمه الله ان الاساءة بمخالفة لفظ التشهد المروی لا بخصوصیة تشهد ابن مسعود رضی الله عنه". (کشف الاستار عن شرح معانی الآثار ج۲ ص ۶۲، ۶۳)

(۵) امام تسمیع کے بعد تحمید کے الفاظ بھی بجالائے گا یا نہیں، اس سلسلہ میں امام اعظم اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک صرف تسمیع کے الفاظ ادا کرے گا، جبکہ صاحبین کے نزدیک تسمیع کے بعد تحمید یعنی ''ربنا لک الحمد'' کہے گا۔ صاحبین کے مذہب کو احادیث سے ثابت کرنے کے بعد امام طحاوی نے دلیل عقلی بھی پیش کی ہے کہ فقہائے کرام کا اجماع ہے کہ منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) تسمیع وتحمید دونوں بجالائے گا۔ تو اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ امام کا حکم منفرد کی طرح ہے یا نہیں؟ تو وہ ہم نے پایا کہ امام اپنی ہر نماز میں تکبیر، قرأت، قیام، قعود، تشہد، منفرد کی طرح ادا کرتا ہے، جن چیزوں سے منفرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے ان چیزوں سے امام کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے جن چیزوں کی وجہ سے منفرد پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے ان ہی چیزوں کی وجہ سے امام پر بھی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، تو امام اور منفرد ان احکام میں برابر ہوئے ___ اور جب باتفاق فقہاء یہ ثابت ہو گیا کہ منفرد ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہنے کے بعد ''ربنا ولک الحمد'' بھی کہے گا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ امام بھی ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہنے کے بعد ''ربنا ولک الحمد'' کہے گا۔ امام طحاوی کی بیان کردہ اس عقلی دلیل پر محشی علام نے فرمایا کہ منفرد کے تعلق سے یہ کہنا کہ وہ تسمیع وتحمید دونوں بجالائے گا، اور فقہائے کرام کا اسی بات پر اجماع ہے، یہ بات خلاف واقع ہے، اس لیے کہ منفرد کے سلسلہ میں علما کے تین اقوال ہیں (۱) صرف تسمیع کے الفاظ ادا کرے گا (۲) تسمیع وتحمید دونوں بجالائے گا (۳) صرف تحمید کے الفاظ بجالائے گا۔ جب علماء کے اقوال منفرد کے حق میں مختلف ہیں تو علماء کے مابین اتفاق کہاں ہوا، پھر دعویٰ اجماع کیوں کر درست ہوگا؟ پھر امام طحاوی کی دلیل عقلی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ حکم دیا جائے کہ امام تسمیع کے بعد تحمید کے الفاظ بھی بجالائے گا تو امام جو متبوع ہے اسے تابع بنانا لازم آئے گا اور مقتدی جو تابع ہے اسے متبوع بنانا لازم آئے گا، حالانکہ نماز کے تمام ارکان وافعال میں مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے، لہٰذا منفرد کے حال پر قیاس کرتے ہوئے امام کے لیے تسمیع وتحمید دونوں کا حکم لگانا درست معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ محشی علام رقمطراز ہیں:

"وقد عرفت ان المنفرد فیه ثلثة أقوال بل لیس فیه اتفاق بین العلماء فضلا عن الاجماع فاذاکان کذلک فکیف یقاس علیه حال الامام؟ قال فی البدائع وان کان منفرداً فانه یاتی بالتسمیع فی ظاهر الروایة وکذا یاتی بالتحمید عندهم وعن ابی حنیفة روایتان روی المعلیٰ عن ابی

يوسف عن ابى حنيفة انه يأتى بالتسميع دون التحميد واليه ذهب الشيخ الامام ابو القاسم الصفار والشيخ ابو بكر الاعمش وروى الحسن عن ابى حنيفة انه يجمع بينهماوذكر فى بعض النوادر عنه ان يأتى بالتحميد لا غير واما الجواب عن النظر الذى ذكره المصنف رحمه الله فقد ذكره صاحب البدائع بان ايتان التحميد من الامام يؤدى الى جعل التابع متبوعاً والمتبوع تابعا وهذا لايجوز بيان ذلک ان الذکر يقارن الانتقال فاذا قال الامام مقارناً للانتقال "سمع الله لمن حمده " يقول المقتدى مقارنا له " ربنا ولک الحمد" فلو قال الامام بعد ذلک لوقع قوله بعد قول المقتدى فينقلب المتبوع تابعا والتابع متبوعًا ومراعاة التبعية فى جميع اجزاء الصلوٰة واجبة بقدر الامكان وقوله الامام منفرد فى حق نفسه مسلم لكن المنفرد لايجمع بين الذكرين علىٰ احدى الروايتين عن ابى حنيفة ولان ماذكرنا من معنى التبعية لا يتحقق فى المنفرد فبطل الاستدلال". (كشف الاستار ج ۲ ص ۷۶)

(۶) اسماء الرجال اوران کے احوال وکوائف پر محشی علام کی نظر کتنی گہری اور وسیع تھی اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امام طحاوی نے حضرت انس بن مالک سے ایک حدیث نقل کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھا حضرت ابوبکر صدیق کو بھی ہمیشہ قنوت پڑھتے پایا، اسی طرح حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی توان کو بھی ہمیشہ قنوت پڑھتے پایا۔

اس حدیث کی روایت میں عمرو بن عبید نام کے ایک راوی ہیں جو حضرت حسن بصری سے روایت اور اخذ حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے تعلق سے محشی علام نے فرمایا کہ عمر بن عبید متروک الحدیث اور بدعتی ہیں، ایسا ہی عمرو بن علی نے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یحییٰ بن سعید ان سے روایت حدیث کرتے تھے پھر اخذ حدیث ترک فرمادیا، اور نیز یہ فرمایا امام یحییٰ اور عبید الرحمٰن ان سے روایت حدیث نہیں کرتے، اور ابو حاتم نے فرمایا کہ عمرو بن عبید متروک الحدیث ہیں امام نسائی نے فرمایا کہ وہ نہ تو ثقہ ہیں اور نہ ان کی حدیث لکھے جانے کے قابل۔ اور میمون نے امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے کہا کہ وہ اس بات کے اہل نہیں کہ ان سے روایت حدیث کی جائے۔ اور ابوداود طیالسی نے شعبہ سے اور شعبہ نے یونس بن عبید سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ عمرو بن عبید روایت حدیث میں کذب بیانی سے کام لیتے ہیں، اور عفان نے حماد بن سلمہ سے وہ حمید سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ان سے کچھ روایت نہ کرو کہ وہ حسن بصری کے حوالہ سے جھوٹی باتیں کہتے ہیں اور یہی بات ابن عون نے بھی کہا، اور معاذ نے کہا میں نے عوف سے کہا کہ عمرو بن عبید نے ہم سے حضرت حسن بصری کے حوالہ سے ایسی بات بیان کی تو انہوں نے کہا بخدا عمرو بن عبید نے جھوٹ کہا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"عمروبن عبيد هذا متروک الحديث صاحب بدعة كذا قاله عمرو بن علي وقال ايضا وكان يحىٰ بن سعيد يحدث عنه ثم تركه وقال ايضا كان يحىٰ

وعبدالرحمن لا یحدثان عنه وقال ابو حاتم متروک الحدیث وقال النسائی لیس بثقة ولا یکتب حدیثه وقال المیمون عن احمد بن حنبل لیس باهل ان یحدث عنه وقال ابو داود الطیالسی عن شعبة عن یونس بن عبید کان عمرو بن عبید یکذب فی الحدیث وقال عفان عن حماد بن سلمة عن حمید لا تأخذ عن هذا شیًا یکذب علی الحسن وقال ابن عون عمرو بن عبید یکذب علی الحسن وقال معاذ قلت لعوف ان عمرو بن عبید حدثنا عن الحسن بکذا قال کذب والله عمرو وقال همام عن مطر والله ما اصدق عمرو فی شئ"۔ (کشف الاستار عن شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۸۴)

(۷) فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کا حکم اب باقی ہے یا نہیں۔اس سلسلہ میں امام طحاوی نے فرمایا کہ مسلمانوں کو آفت ناگہانی کا سامنا ہو یا نہ ہو، جنگ کی حالت ہو یا نہ ہو، اب نماز فجر میں قنوت کا حکم نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"فثبت بما ذکرنا انه لا ینبغی القنوت فی الفجر فی حال الحرب ولا غیرہ، قیاساً ونظراً علی ما ذکرنا من ذلک"۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۰۷)

اسی پر محشی علام نے فرمایا کہ یہاں امام طحاوی کی رائے تو اسی بات پر جمی ہوئی معلوم ہوتی ہے، حالانکہ کتب مذہب میں بکثرت انہیں سے منقول ہے کہ اگر کوئی فتنہ یا بلوئی ہو تو نماز فجر کے وقت قنوت میں کوئی حرج نہیں ___ بظاہر امام طحاوی کی دونوں باتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تاویل کی جائے گی کہ یہاں مصنف نے جو کچھ کہا وہ نفی وجوب پر محمول ہے کہ اب قنوت نازلہ واجب نہیں رہا ___ اس طرح ان کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں رہ جائے گا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"قوله في حال الحرب ولا فی غیرہ هذا ما استقر علیه رأیه ههنا وقد تظافرت النقول عنه في کتب المذهب کالغنیة والملتقط والسراج الوهاج والاشباه وفتح الله المعین وردالمحتار وغیرها انه قال انما لا یقنت عندنا فی صلوة الفجر من غیر بلیة فان وقعت فتنة او بلیة فلا بأس به الخ فعلم انه فی کتاب آخر لهٗ رحمه الله تعالیٰ والذی قاله ههنا انما حط فیه کلماه علی نفی الوجوب حیث قال انتفیٰ ان یکون یجب لمعنی سوی ذلک والله تعالیٰ اعلم اهـ هذا ماافاده شیخنا المجدد رحمه الله تعالی فی حاشیته علی هذا الکتاب"۔

(کشف الاستار عن شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۰۶)

مختلف مقامات سے یہ چند نظیریں تھیں۔ پوری کتاب اس طرح کے رموز و نکات اور علمی و فنی معلومات سے بھری پڑی ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ اور "شرح معانی الآثار" کو مکمل طور پر سمجھنے میں کافی و وافی مدد ملتی ہے۔ پروردگار عالم سے دعا ہے کہ اس کتاب سے تمام اہل علم کو مستفید و مستفیض ہونے کا موقع فراہم کرے آمین۔

❖❖❖

صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت
فتاویٰ امجدیہ کی روشنی میں

مولانا صدر الوریٰ مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی مئو

ماضی کی کسی شخصیت کو جاننے پہچاننے کے دو ہی طریقے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ بذریعہ نقل و روایت اسے جانا جائے، مگر یہ طریقہ اسی وقت کار آمد ثابت ہو سکتا ہے، جب کہ راوی و ناقل ثقہ و مستند و معتمد ہو، ورنہ اگر اس کی ثقاہت ہی مجروح ہو تو اس کی روایت بھی معتبر و لائق اعتماد نہ ہو گی۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی امر قابل توجہ ہے کہ علوم و فنون کا ماہر اگر کسی کی توصیف و مدح سرائی کرے تو دانشور و پڑھے لکھے طبقہ میں اس کی بڑی اہمیت و وقعت ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر جاہل عوام کسی کی قابلیت اور ذہانت و فطانت کا ڈنکا پیٹیں تو اہل علم کے نزدیک اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔

شخصیت کو پہچاننے کا دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ پسماندگان کے سامنے کچھ اس کے علمی و فکری، تہذیبی و تمدنی ایسے نمایاں کارنامے ہوں، جن سے وہ شخصیت خود بخود اجاگر ہو کر ہر عام و خاص کے سامنے آجائے۔ یہ طریقہ انتہائی مستحکم و اقع فی النفس ہے، جس میں راویوں کے حالات جاننے یا کسی بھی جرح و تعدیل کی اصلاً ضرورت نہیں۔

ان دونوں معیار پر حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان کو دیکھا جائے تو آپ کی ہمہ گیر شخصیت میں اتنے کمالات و خوبیاں معلوم ہوتی ہیں، جنھیں جمع کرنے کے لیے ایک عظیم دفتر درکار ہے۔

میں اس مقام میں باقی خوبیوں سے صرف نظر کر کے صرف آپ کی شانِ فقاہت دونوں طریقوں کو مدنظر رکھ کر واضح کروں گا۔ تاہم مقدم الذکر طریقے پر مجھے زیادہ زور صرف کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ فقہ کے جملہ ابواب میں آپ کی حذاقت و رسوخ ثقہ راویوں کے ذریعہ اس قدر معروف و مشہور ہے کہ اس کو خبر متواتر سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہو گا، بلکہ برمحل ہی ہو گا۔ اور اس کے راوی بھی ایسے مستند و معتمد ہیں، جن کے بارے میں کوئی جرح و نقد نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلے میں میں صرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد کافی سمجھتا ہوں، جس سے پورے طور پر آپ کی شانِ فقاہت عیاں ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

> ”آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا، وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی“۔ (الملفوظ ج:ا ص:۱۰۳)

یہ ارشاد آپ کی فقاہت پر شاہد قوی ہے، کیوں کہ یہ کسی

جاہل یا نیم خواندہ مولوی کا جملہ نہیں ہے، بلکہ یہ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کے اس بحر زخار کا قول ہے، جسے دنیا مجددِ اعظم سے جانتی ہے، جس کی جلالتِ شان و تبحر علمی و تحقیق و تدقیق کا اعتراف اپنوں نے بھی کیا، غیروں نے بھی کیا، علمائے عجم نے بھی کیا، علمائے عرب نے بھی کیا اور برملا اس کا اقرار کیا:

لو راہ ابو حنیفة لاقربه عینه وجعله من اصحابه.

اگر انھیں (امام احمد رضا) امام ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور اپنے اصحاب میں انھیں شامل کر لیتے۔

موخر الذکر معیار پر حضرت صدر الشریعہ کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت کھل کر عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ نے یقیناً فقہ کے بحر زخار میں غوطہ زنی کر کے اس کے تمام جواہر بیش بہا کو جمع کر لیا۔ چنانچہ بہار شریعت آپ کا ایسا عظیم علمی و فنی کارنامہ ہے کہ عوام تو عوام خواص بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس میں آپ نے ترتیب فقہی کے مطابق صرف مسائل رجیحہ منقحہ مفتٰی بہا کو ذکر کیا، جس کی واضح دلیل اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی وہ تقریظ جلیل ہے، جو اسی سے منسلک ہے۔

دوسرا آپ کا عظیم فقہی شاہ کار ''فتاویٰ امجدیہ'' ہے۔ اس کی دو جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اس میں آپ نے زندگی سے متعلق مختلف سوالات کے جوابات جزئیاتِ فقہ کی روشنی میں انتہائی حسین پیرائے میں ثبت فرمائے۔ اس میں بے شمار ہیرے، جواہرات ملیں گے۔ میں اپنے اصل موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے فتاویٰ امجدیہ جلد دوم کا صرف ایک گوہر نایاب ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں، جو صفحہ ۴۶ر تا صفحہ ۵۲ر میں منتشر ہے۔ ان الفاظ میں آپ سے استفتا ہوا:

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو مس بشہوت کیا اور ہندہ نے خالد کی لڑکی زیب النسا کو دودھ پلایا تو زید یا زید کے لڑکے عمرو کا نکاح زیب النسا دختر خالد سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

مرسلہ: مولوی محمد آصف علی صاحب، از: کانپور

۳۰ر ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

یہ بظاہر اگرچہ ایک مختصر سوال ہے، مگر اس کے پیچ میں چار صورتیں مضمر ہیں۔ اولاً اس میں دو شقیں نکلتی ہیں۔ پہلی یہ کہ زید نے واقع میں ہندہ سے صرف لمس بشہوت کیا ہو۔ دوسری یہ کہ اس سے وطی کر لیا اور اسی سے اس عورت کو بچہ پیدا ہوا۔ دونوں صورتوں میں ہندہ نے زیب النسا کو منع خلو کے طور پر دودھ پلایا۔ اب اس کے بعد چار سوالات یہاں پیدا ہوتے ہیں:

(۱) زید نے ہندہ سے صرف لمس بشہوت کیا اور ہندہ نے زیب النسا کو دودھ پلایا تو کیا ہندہ کی یہ رضیعہ زید کے لیے حلال ہوگی؟

(۲) زید نے ہندہ سے صرف لمس بشہوت کیا، اس صورت میں کیا ہندہ کی رضیعہ کا نکاح زید کے لڑکے عمرو سے ہو سکتا ہے؟

(۳) زید نے ہندہ سے وطی کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا اور وہی زید کا دودھ ہندہ نے زیب النسا دختر خالد کو پلایا تو کیا اس صورت میں زید کے لڑکے عمرو کا نکاح اس رضیعہ سے جائز ہے؟

(۴) ہندہ کا دود زید مذکور ہی سے ہے تو کیا ہندہ کی رضیعہ سے خود زید کا نکاح حلال ہے؟

صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے پہلی دوشقوں پر کلام کرتے ہوئے پہلے یہ ظاہر فرمایا کہ زید اور ہندہ کے درمیان رضاعت کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ صرف لمس بشوت ہی کا صدور زید سے ہوا، جو حکم میں وطی کے ہے اور ہندہ موطوء ہ کے حکم میں ہے اور رضیعہ موطوءہ کی بیٹی ہے۔

پھر فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتب درمختار، بحر الرائق، مجمع الانھر، فتح القدیر کی عبارتوں سے استشہاد فرما کر شق اول کا جواب دیا کہ ہندہ کی رضیعہ زیب النسا، زید پر حرام ہے۔ اور شق ثانی کا یہ جواب دیا کہ زیب النسا زید کے لڑکے عمرو پر حرام نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

الجواب:۔ زید پر وہ لڑکی زیب النسا حرام ہے کہ ممسوسہ بشوت حکم میں موطوء ہ کے ہے اور موطوء ہ کی بیٹی واطی پر حرام، خواہ ہندہ زید کی زوج ہو یا اجنبیہ، دونوں کا ایک حکم ہے۔ (چند سطور بعد) تو جب ان میں رضاعت کا تعلق نہ ہوا، جس کی وجہ سے وہ مرد اس کا باپ ہو جاتا تو اب صورتِ مسئولہ میں زید کے لڑکے پر زیب النسا حرام نہ ہوئی کہ یہ زید کی رضاعی بیٹی نہیں کہ سوال سے ہی ظاہر ہے کہ ہندہ کو جو دودھ اترا ہے، زید سے نہیں بلکہ کسی اور سے ہے۔ (فتاویٰ امجدیہ ج:۲ رص:۴۶، ۴۷)

شق ثالث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں دو روایتیں ہیں: فتح القدیر، فتاویٰ خانیہ، عالمگیری، اجناس ناطقی، تجنیس، عنایہ، شرح ہدایہ کے حوالے سے ایک روایت یہ ذکر فرمائی کہ ہندہ کی رضیعہ زید کے بیٹے پر حرام ہوگی۔ جب کہ تبیین الحقائق، شلبیہ، جوہرہ نیرہ کی تصریحات سے دوسری روایت یہ بیان فرمائی کہ یہ رضیعہ زید کے اصول وفروع سے (بیٹے) پر حرام نہ ہوگی۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

''اگر صورتِ واقعہ یہ ہو کہ ہندہ کا دودھ زید سے تھا تو اب یہ رضیعہ زید کے بیٹے پر حرام ہے یا نہیں؟ اس میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ حرام ہے، محیط وخانیہ وذخیرہ میں اسی کو احوط فرمایا اور معراج الدرایہ سے اسی کا معتمد ہونا ظاہر'' (تصریحات کتب کے بعد) ''دوسری روایت یہ ہے کہ زانی کے اصول وفروع پر یہ رضیعہ حرام نہیں، امام اسبیجابی نے اسے ذکر فرمایا اور دبری وصاحب ینابیع و بدائع نے اسے اختیار فرمایا اور امام ابن الہمام نے اسے اوجہ بتایا اور صاحب بحر نے اسے معتمد فی المذہب کہا اور صاحب درمختار نے اسی کو مرجح رکھا اور قولِ اول کو بصیغۂ تمریض ذکر کیا''۔

(فتاویٰ امجدیہ، ج:۲ رص:۴۸، ۴۹)

شق رابع کے بارے میں علامہ قہستانی نے صیغہ ترجی سے دو روایتوں کا ادعا کیا، مگر اوجہ عدمِ حرمت کو قرار دیا، یعنی ہندہ کی رضیعہ کا نکاح اس کے واطی یعنی زید سے جائز ہے۔ چنانچہ عبارت متن ''وابوۃ زوج لبنھا منہ'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

فیہ اشعار بان رجلا لو زنی بامراۃ فولدت وارضعت صبیۃ جاز لہ ان یتزوجھا کما فی شرح الطحاوی ولکن خلاصہ انہ لم یجز وقد مر فلعل فیہ روایتین.

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مرد نے اگر کسی

عورت سے زنا کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا اور اس نے کسی بچی کو دودھ پلایا تو اس زانی کے لیے جائز ہے کہ اس بچی سے نکاح کرلے، لیکن خلاصہ میں ہے کہ جائز نہیں اور گزر چکا ہے تو شاید اس میں دو روایت ہے۔

پھر چند سطور بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

فالتحریم کما یکون من جهة المرأة یکون من جهة الزوج ویسمیها الفقهاء لبن الفحل وهو ما یکون نزوله من جهته کما فی المحیط ویدخل النازل بالزنا علی رأی.

تو تحریم جس طرح عورت کی طرف سے ہوتی ہے، اسی طرح شوہر کی طرف سے بھی ہوتی ہے اور اس کو فقہا شیر نر سے موسوم کرتے ہیں اور یہ وہ ہے جو شوہر کی طرف سے اترے، جیسا کہ محیط میں ہے اور ایک روایت میں زنا سے اترنے والا دودھ اسی میں داخل ہے۔

(جامع الترمذی للقھستانی، ج:۱ص:۲۹۹)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علامہ قہستانی کی ہی تائید فرمائی ہے۔ چنانچہ علامہ زین بن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ مسئلہ ان الفاظ میں بیان فرمایا:

انما قیدنا محل الخلاف باصول الزانی وفروعه لانها لا تحل للزانی اتفاقاً لانها بنت المزنی بها وقد منا ان فروع المزنی بها من الرضاع حرام علی الزانی. (البحر الرائق، ج:۳/ ص:۲۲۶)

ہم نے محل اختلاف کو زانی کو اصول وفروع سے اس لیے مقید کیا کہ وہ رضیعہ زانی کے لیے بالاتفاق حلال نہیں، کیوں کہ وہ مزنیہ کی لڑکی ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رضاعت سے مزنیہ کے فروع زانی پر حرام ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقتباس پر اس طرح حاشیہ نگاری فرمائی:

فی دعوی الاتفاق نظر ففی القھستانی ان فیه روایتین.

دعویٰ اتفاق محل نظر ہے، کیوں کہ قہستانی میں ہے کہ اس میں دو روایت ہے۔

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ قہستانی کے کلام کا دو طرح رد فرما کر یہ واضح کیا کہ قہستانی سے روایت کو سمجھنے میں دھوکہ ہوا، کیوں کہ روایت اور ان کے مزعوم کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

”بہت ممکن ہے کہ قہستانی کو فہم روایت میں دھوکا ہوا ہو کہ روایت یہ تھی کہ صرف مرضعہ کی طرف سے رضاعت ہے، زانی سے نہیں اور سمجھے یہ کہ زانی پر حرام نہیں“۔ **او بینهما بون بعید** (ج:۲/ص:۵۰)

پھر علامہ موصوف کے عدم فہم پر دو قرینہ بیان کیا، پہلے قرینے کا حاصل یہ ہے کہ متن کی جو عبارت ابھی گزری، اس کا معنی یہ ہے کہ رضیع کے لیے شوہر کی ابوت اسی وقت ثابت ہوگی جب کہ مرضعہ کو دودھ اسی شوہر سے آیا ہو اور اگر دودھ اس شوہر کا نہیں ہے تو وہ رضیع کا باپ نہ ہوگا۔ اس سے زیادہ سے زیادہ صرف اس کا افادہ ہوا کہ اگر عورت کا دودھ زانی سے نہ ہو تو وہ رضیع کا باپ نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ ابوت کے انتفا سے حرمت کا انتفا لازم نہیں آتا، کیوں کہ کتب فقہ سے اس کی صراحت ہے کہ اگر باکرہ کو دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو پلا دیا، اس صورت میں رضاعت صرف اسی باکرہ سے ثابت

ہوگی، مگر رضیعہ اس کے شوہر پر حرام ہے۔

اسی طرح دودھ والی کو طلاق دیا اور بعد میں اس نے دوسرے سے نکاح کیا اور وہی دودھ کسی بچہ کو پلایا تو ابوت صرف شوہر اول کے لیے ہے، شوہر ثانی کے لیے نہیں۔ حالاں کہ وہ رضیعہ دونوں کے لیے حرام ہے۔ قہستانی نے بھی یہ روایت ذکر کی۔ (ج:۲رص:۵۰)

مذکورہ دونوں صورتوں میں ابوت کی نفی ہے، مگر حرمت کی نفی نہیں، بلکہ حرمت کا ثبوت ہے۔ پھر نتیجہ کے آخری جملہ "ویدخل النازل، الخ" کے متعلق حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"اس آخر جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کے مقابل کی دوسری روایت لبن زنا لبن فحل نہیں، اس سے علامہ مذکور یہ سمجھے کہ رضیعہ زانی پر حلال ہے"۔ (ج:۲رص:۵۰)

یعنی اس روایت کے مقابل دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لبن زنا لبن فحل نہیں، اس بنیاد پر وہ رضیع کا باپ نہ ہوگا، اس سے یہ سمجھنا کہ رضیعہ زانی پر حلال ہوگی یہ بھی غلط فہمی ہے، کیوں کہ ابوت کی نفی سے حرمت کی نفی لازم نہیں آتی۔

پھر قہستانی کے عدمِ فہم پر دوسرا قرینہ یہ بیان کیا:

"اس روایت کے مقابل خلاصہ کی روایت ذکر کی "ولکن فی الخلاصة انه لم یجز" اور اس کے بالمقابل جو روایت ہے، وہ یہی ہے کہ زانی کے اصول وفروع پر رضیعہ حرام نہیں، نہ یہ کہ زانی پر بھی حرام نہیں تو صاف ظاہر ہوا کہ روایت خلاصہ کے مقابل والی روایت کو یہ سمجھے کہ زانی پر حرام نہیں، حالاں کہ وہ روایت یہ تھی کہ رضاعت جانب زانی سے نہیں"۔ (ج:۲رص:۵۰)

پھر درر کے حوالہ سے یہ واضح کردیا کہ رضاعت کا انتفا انتفائے ابوت کو مستلزم ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شوہر کا نکاح اس رضیعہ سے صحیح ہوجائے، کیوں کہ کسی عورت سے وطی کرنے سے اس کی بیٹیاں واطی پر حرام ہوجاتی ہیں، اگرچہ یہ بیٹیاں رضاعی ہی ہوں۔

پھر علامہ حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس صراحت کو بھی ذکر کردیا کہ اختلاف اس میں ہے کہ رضیعہ زانی کے اصول و فروع پر حرام ہے یا نہیں؟ رہا یہ امر کہ وہ رضیعہ خود زانی پر حرام ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔ اس سلسلے میں علامہ موصوف نے صاحب بحر علامہ ابن نجیم کے قول سے استناد کیا ہے اور یہ ابھی گزر چکا ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ زانی پر وہ رضیعہ بالاتفاق حرام ہوگی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا قہستانی کا اس بارے میں دعویٰ اختلاف اور دو روایت کا زعم خطا ہی پر محمول ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب بحر الرائق رحمۃ اللہ علیہ کے دعویٔ اتفاق پر قہستانی کے قول سے تمسک کرکے جو نقد ونظر کیا، اس پر کلام کرتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

اقول قد علمت ان القهستانی اخطأ فی فهم المسئلة ومن این یکون فیه روایتان اذ الرضیعة لا یحالة تکون بنت الزانیة رضاعا واتفق اصحاب المتون ان الزنا یوجب حرمة المصاهرة فقول القهستانی لا یقبل.

میں کہتا ہوں: آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ قہستانی نے یہ مسئلہ سمجھنے میں غلطی کی ہے اور کہاں سے اس میں دو روایت ہو سکتی ہے، جب کہ رضیعہ یقینی طور پر زانیہ کی رضاعی بیٹی ہوگی اور اصحاب متون کا اس پر اتفاق ہے کہ زنا حرمت مصاہرت کو واجب کرتا ہے تو قہستانی کا قول قابل قبول نہ ہوگا۔ (ج:۲رص:۵۱)

پھر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قہستانی کی موافقت میں جوہرہ نیرہ کی عبارت ذکر فرمائی:

وفی الجوهرة لو زنی رجل بامرأة فولدت منه وارضعت صبية لبنه تحرم عليه هذه الصبية وعلی اصوله وفروعه.

جوہرہ میں ہے اگر کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس سے بچہ پیدا ہوا اور اس نے کسی بچی کو اس کا دودھ پلا دیا تو اس پر یہ بچی حرام ہوگی اور اس کے اصول وفروع پر بھی۔

(منحۃ الخالق علی هامش البحر، ج:۳رص:۲۲۶)

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ علامہ ممدوح کے اس تمسک پر کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وایضا تمسک بما فی الجوهرة لو زنی رجل بامرأة الخ، وقد مر عبارته بتمامها ولا دلالة لهذه العبارة علی ان فی حرمة الرضيعة علی الزانی روایتین لان صاحب الجوهرة ذكر اولا ان الرضيعة تحرم علی الزانی وفی اصوله وفروعه.

نیز علامہ شامی نے جوہرہ کی عبارت (لو زنی رجل بامرأۃ) سے تمسک کیا، حالاں کہ اس کی پوری عبارت گزری اور اس عبارت کی اس پر کوئی دلالت نہیں کہ مانی پر رضیعہ کے حرام ہونے میں دو روایت ہے، اس لیے کہ صاحب جوہرہ نے پہلے یہ ذکر کیا کہ رضیعہ زانی پر اور اس کے اصول وفروع پر حرام ہوگی۔ (ج:۲رص:۵۱)

حاصل یہ ہے کہ جوہرہ کی عبارت سے تمسک کرنا بھی محل نظر ہے، کیوں کہ اس سے ہرگز یہ نہیں معلوم ہوتا کہ زانی پر مزنیہ کی رضیعہ حرام ہونے میں دو روایت ہے، بلکہ وہ عبارت اس بارے میں صریح ہے کہ رضیعہ خود زانی پر حرام ہوگی اور اس کے اصول وفروع پر بھی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ جوہرہ برجندی کا یہ قول ذکر کیا:

فان الرضاع يكون منها خاصة لا من الزانی.

(منحة الخالق، ج:۳رص:۲۲۶)

کیوں کہ رضاعت خاص طور پر زانیہ سے ہوگی، زانی سے نہیں۔

اس تمسک پر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نقد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

فهذا القول صريح فی ان الرضيعة لا تكون بنتا للزانی رضاعا لان الرضاع من جانب المرأة خاصة ولا يدل اصلا علی انها لا تحرم علی الزانی. (ج:۲رص:۵۱)

تو یہ قول اس بارے میں صریح ہے کہ رضیعہ زانی کی رضاعی بیٹی نہیں ہوگی، اس لیے رضاعت خاص طور پر عورت کی جانب سے ہے اور اس پر بالکل دلالت نہیں کرتا کہ زانی پر رضیعہ حرام نہ ہوگی۔

یعنی اس سے صرف اس قدر مستفاد ہوتا ہے کہ

رضاعت جانب زانی سے ثابت نہ ہو اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زانی پر وہ رضیعہ حرام نہیں، کیوں کہ نفی رضاعت نفی حرمت کو مستلزم نہیں۔

پھر معارضہ قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والا یلزم ان البکرا ذا نزل لھا لبن فارضعت به صبية فتحل تلک الصبية علی زوجها.

(ج: ۲/ص: ۵۱)

ورنہ لازم آئے گا کہ باکرہ کو جب دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچی کو پلا دیا تو وہ بچی اس کے شوہر پر حلال ہو جائے۔

پھر اس سلسلے میں خود ردالمحتار اور دیگر کتب کے حوالے سے کئی شواہد ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وبالجملة کلاما العلامة الشامی لا یخلو عن بعد. (ج: ۲/ص: ۵۲)

حاصل یہ ہے کہ علامہ شامی کا کلام بعد سے خالی نہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ نے اپنے موقف کی تائید میں علامہ وبری کا قول نقل کیا، یہ فرماتے ہیں:

ذکر الوبری ان الحرمة تثبت من جهة الام خاصة ما لم یثبت النسب فھٰذا صریح فی ان الحرمة لا تثبت من جهة الزانی لانه لم یثبت النسب منه. (منحة الخالق، ص: ۲/ص: ۲۲۷)

وبری نے ذکر کیا کہ خاص طور پر ماں کی جانب سے حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب کہ نسب ثابت نہ ہو تو یہ صریح ہے اس بارے میں کہ حرمت کا ثبوت جانب زانی سے نہ ہوگا کیوں کہ اس سے نسب ثابت نہیں۔

اس کلام سے نتیجہ نکالتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

فھٰذا صریح فی ان الکلام الوبری وغیرہ فی عدم ثبوت الحرمة علی الزانی نفسه. (ایضا، ایضا)

تو یہ اس بارے میں صریح ہے کہ وبری وغیرہ کا کلام اسی بارے میں ہے کہ رضیعہ کی حرمت خود زانی پر ثابت نہ ہوگی۔

صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ اس تمسک پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وانت تعلم ان کلام الوبری لا یدل علی ان الرضیعة لا تحرم علی الزانی لا صراحة ولا دلالة بل مقصودہ ان الحرمة لا تثبت من جهة الرجل الا اذا یثبت النسب منه اما کون الرضیعة محرمة علی الرجل فلا یتوقف علی ثبوت الحرمة من جهة الرجل ولا علی ثبوت النسب. (فتاویٰ امجدیہ، ج: ۲/ص: ۵۲)

اور آپ کو معلوم کہ وبری کا کلام اس پر دلالت نہیں کرتا کہ رضیعہ زانی پر حرام نہ ہوگی، نہ صراحۃً نہ دلالۃً، بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ حرمت کا ثبوت مرد کی جانب سے اسی وقت ہوگا جب کہ اس سے نسب ثابت ہو، رہا رضیعہ کا زانی پر حرام ہونا تو یہ مرد کی جانب سے ثبوت حرمت پر موقوف نہیں اور نہ ہی ثبوتِ نسب پر موقوف۔

یعنی یہاں دو امر ہیں، ایک زانی کی طرف سے حرمت ثابت ہونا اور یہ اس بات پر موقوف ہے کہ زانی سے نسب ثابت ہو۔ دوسرا امر یہ ہے کہ رضیعہ زانی پر حرام ہے اور یہ نہ اس پر موقوف کہ زانی کی طرف سے حرمت ثابت ہو اور نہ اسی پر موقوف کہ زانی سے نسب ثابت ہو۔ اور علامہ وبری کے کلام سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زانی کی طرف سے حرمت

ثابت نہ ہوگی، کیوں کہ اس سے نسب ثابت نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زانی پر رضیعہ حرام بھی نہ ہو۔ چنانچہ لبن باکرہ والی صورت میں شوہر سے نسب ثابت نہ حرمت ثابت، مگر اس کے باوجود رضیعہ اس باکرہ کے شوہر پر حرام ہے۔ لہٰذا عدمِ حرمت پر علامہ وبری کا کلام دلالت نہیں کرتا، صراحتاً نہ دلالۃً۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ وبری کے کلام سے وجہ تمسک یہ ذکر کی:

ولهذا قال فی الفتح رادا علی کلام الخلاصة الاتی واذا توجع عدم حرمة الرضیعة علی الزانی نفسه فیلزم منه بالاولی عدم ثبوت الحرمة علی اصوله وفروعه.

اسی لیے فتح القدیر میں خلاصہ کے آنے والے کلام پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جب خود زانی پر رضیعہ کی عدمِ حرمت راجح ہے تو اس سے بدرجۂ اولیٰ یہ لازم آتا ہے کہ زانی کے اصول وفروع پر حرمت کا ثبوت نہ ہو۔ (منحۃ الخالق، ج:۳، ص:۲۲۷)

صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ اس وجہ تمسک پر نقد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

لا یخفی علیک هٰذا الا مساس له بما ادعاه فان معناه ان الرضیعة لا تحرم علی الزانی بسبب اللبن واما نفس الحرمة فلیس فی کلامه شیء یدل علی نفیه کیف یثبت عدم الحرمة مع کونها بنت موطوءة وهی تحرم علیه بالاتفاق عند الحنفیة.

(فتاویٰ امجدیه، ج:۲/ص:۵۲)

آپ پر مخفی نہیں کہ اس کا ان کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ رضیعہ زانی پر دودھ کے سبب حرام نہ ہوگی۔ رہی نفس حرمت تو ان کے کلام میں کوئی ایسی شی نہیں جو اس کی نفی پر دلالت کرے۔ کیسے عدمِ حرمت کا ثبوت ہوگا باوجودیکہ یہ موطوءہ کی لڑکی ہے اور یہ اس پر بالاتفاق احناف کے نزدیک حرام ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس کلام سے مطلق حرمت کی نفی نہیں ہو رہی ہے، بلکہ یہ صرف اس حرمت کی نفی ہے جو دودھ کی وجہ سے ہو۔

گویا کہ اس کلام میں حرمت مقیدہ کی نفی ہے اور یہ مطلق حرمت کی نفی کو مستلزم نہیں۔ بالخصوص جب وہ موطوءہ کی رضاعی لڑکی ہے تو وہ زانی پر حلال ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ احناف کے نزدیک بالاتفاق موطوءہ کی لڑکی واطی پر حرام ہے۔

فتاویٰ امجدیہ جلد دوم کے اس ایک جواب مثل گوہر نایاب سے یہ امر روزِ روشن کی طرح خوب عیاں ہوگیا کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ گیر شخصیت جزئیات کا استحضار، کتب فقہ پر گہری نظر، متضاد اقوال میں تطبیق، فقہا کے کلام پر نقد و جرح، قطعی دلائل سے مدعیٰ کا اثبات، احوط وارجح پر اعتماد، فقہی قواعد کا لحاظ، آدابِ افتا کی رعایت، سوال کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث، اردو کے ساتھ عربی زبان وادب میں مہارت جیسی عظیم خوبیوں کی مالک تھی۔

یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ عالمی پیمانے پر مرجع فتویٰ تھے۔ عوام نے بھی آپ کی طرف رجوع کیا اور علمائے اہل سنت بھی آپ کی بارگاہ عالی سے مستفیض ہوئے۔ فللّٰه الحمد علی ذالک.

☆☆☆

صدر الشریعہ

اور خدمت حدیث

مولانا صدر الوریٰ مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڈھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب اسلام کی نشر و اشاعت اور تعلیماتِ نبویہ سے فرش گیتی پر بسنے والے انسانوں کو روشناس کرنے اور پرچم حق کو اوج ثریا سے ہم کنار کرنے میں جہاں ان مردانِ حق آگاہ کی جاں بازی کارفرما ہے، جنھوں نے اپنے لہو سے شجر اسلام کی آب یاری فرمائی، وہیں پر ان صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی مساعی جمیلہ کا بھی اہم کردار ہے جنھوں نے اللہ رب العزت کی توفیق وتائید سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے صادر ہونے والے کلماتِ طیبہ کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا۔ اور ''مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی'' کی مظہر اتم احادیث نبویہ کا حفظ واستحضار کر کے پوری امانت ودیانت کے ساتھ چہار دانگ عالم میں انھیں عام سے عام تر کیا۔ صحابۂ کرام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام احادیث نبویہ کا ذخیرہ جمع کرنے میں صفحاتِ تاریخ پر بہت جلی حرفوں میں نظر آتا ہے۔ علامہ حافظ ابو عمر وعثمان جو ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہیں، وہ فرماتے ہیں:

أکثر الصحابة حديثا عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أبو هريرة.

(مقدمة ابن الصلاح، ص ۱۴۸)

صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں روایت کیں۔

مگر انھیں صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں بعض ایسے صحابہ بھی تھے جو احادیث کے حفظ واستحضار کے ساتھ اپنے اندر اجتہاد واستنباط کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ یعنی ان کے پاس احادیث کا بھی ذخیرہ تھا اور اس کے ساتھ کتاب وسنت کے معانی ومفاہیم پر وہ بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اور اپنی خداداد قوتِ اخذ واستنباط کی بنیاد پر وہ مسائل شرعیہ کا استخراج و استنباط بھی کرتے تھے۔ انھیں فقہائے صحابہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جن میں حضرات خلفائے راشدین سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عبادلہ اربعہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو درداء، حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ازواج مطہرات میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسما تابندہ نقوش کی طرح اصول فقہ وحدیث کی کتابوں میں نظر آتے ہیں۔

عہد تابعین میں بھی دو قسم کے لوگ نظر آتے ہیں، بعض وہ تابعین تھے جو حدیثیں یاد تو کرتے تھے مگر انھیں اجتہاد و استنباط پر قدرت نہیں تھی، ان کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ حدیثیں یاد کرتے، پھر انھیں اپنے تلامذہ تک حرف بحرف پہنچا دیتے تھے، ان کا نصب العین رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا:

"نضر الله عبدا سمع مقالتي فحفظها ووعاها وأداها".

اللہ تعالیٰ اس بندے کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور محفوظ رکھا پھر اسے لوگوں تک پہنچا دیا۔

قیس بن ابی حازم، ابوعثمان نہدی، قیس بن عباد، ابوساسان حصین بن المنذر، ابووائل، ابورجا عطاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سرفہرست ہیں۔ اسی عہد میں ایسے بھی تابعین تھے جو حفظ حدیث کے ساتھ اپنی اجتہادی بصیرت اور فقہی عبقریت کی وجہ سے دیگر تابعین سے ممتاز تھے، جن میں خاص طور پر مدینہ طیبہ کے فقہائے سبعہ حضرت سعید بن المسیب، حضرت قاسم بن محمد، حضرت عروہ بن زبیر، حضرت خارجہ بن زید، حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عقبہ، حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه" (کیونکہ بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حاملین فقہ ان لوگوں تک فقہ کی بات پہنچاتے ہیں، جو ان سے فقاہت میں بڑھے ہوتے ہیں) ان کے پیش نظر تھی۔

پھر بعد کے فقہا میں ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم، امام عبدالرحمٰن اوزاعی، فقیہ لیث بن سعد سمرقندی، قاضی ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاں احادیث کے حفظ و اتقان میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے، وہیں فقہ و اجتہاد میں بھی انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سلیمان اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں موجود تھے کہ اسی درمیان کسی شخص نے امام اعمش سے کچھ مسائل دریافت کیے، انھوں نے امام اعظم سے پوچھا: اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرما دیئے، امام اعمش نے کہا: کہاں سے ان احکام کو بیان کرتے ہیں؟ فرمایا آپ ہی کی بیان کردہ احادیث سے۔ اور ان احادیث کو سندوں کے ساتھ بیان فرما دیا، اس پر امام اعمش نے امام اعظم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يا معشر الفقهاء أنتم الأطباء ونحن الصيادلة وأنت أيها الرجل أخذت بكلا الطرفين. (الخيرات الحسان، ص ٦٦، ٦٧)

اے گروہ فقہا! آپ لوگ طبیب ہیں اور ہم محدثین عطار ہیں اور آپ نے تو دونوں کو حاصل کر لیا۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ مصری طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ان فقہائے احناف میں سے ایک ہیں جنھیں حدیث و فقہ دونوں میں یکساں درک و رسوخ تھا، یہ حضرات احادیث پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور فقہ کے اسرار و رموز سے واقف بھی تھے، یقیناً ان فقہا نے اپنی محدثانہ بصیرت

کے ساتھ فقہ کے بحرنا پیدا کنار میں غواصی کر کے مذہب حنفی کو بیش بہا جواہر اور چمک دار موتیوں سے مزین و مرصع فرمایا، بڑے بڑے ائمہ نے حدیث وفقہ میں امام طحاوی کے براعت وکمال کا اعتراف کیا اور زمانے کے منفرد علما ان کی ثناخوانی و مدح سرائی سے رطب اللسان نظر آتے ہیں، امام ابوسعید بن یونس نے فرمایا:

"كان الطحاوي ثقة ثبتا فقيها عاقلا لم يخلف مثله".

امام طحاوی ثقہ، ثبت، فقیہ صاحب عقل وتمیز تھے ان کے بعد ان کے جیسا پیدا نہ ہوا۔

امام یافعی نے فرمایا:

"برع في الفقه والحديث وصنف التصانيف المفيدة".

فقہ وحدیث میں باکمال ہوئے اور مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ان کے بارے میں حافظ الحدیث اور فقیہ ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الامام العلامة الحافظ صاحب التصانيف البديعة وكان ثقة ثبتا فقيها لم يخلف بعده".

امام طحاوی امام ہیں علامہ ہیں، حافظ الحدیث ہیں، نادر تصانیف والے ہیں، اور وہ ثقہ ثبت فقیہ ہیں اپنے بعد انھوں نے اپنے جیسا نہ چھوڑا۔

صاحب نبراس علامہ عبدالعزیز فرہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صار من عظماء المجتهدين على مذهب الحنفية وإنا لانجد فيهم بعد الثلاثة مثل الطحاوي و ابن الهمام لإحاطتهما بعلم الحديث .(نبراس، ص ۷۳)

امام طحاوی مذہب حنفی کے عظیم مجتہدین سے ہو گئے، ہمیں ائمہ ثلاثہ (امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد) کے بعد امام طحاوی اور امام ابن الہمام جیسا نظر نہیں آتا کیونکہ ان دونوں نے علم حدیث کا احاطہ کر لیا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے فضل وکمال پر مقتدر ائمہ باوقار علما کی شہادتیں اور ان کے اعترافات کیوں کر نہ ہوں جب کہ فقہ وحدیث اور عقائد وکلام میں ان کی تصانیف کو اپنے امتیازات کی وجہ سے قبول عام حاصل ہے، خاص طور پر شرح معانی الآثار میں آپ نے ابواب فقہیہ کے مطابق جس حسن ترتیب سے احادیث کا ذخیرہ جمع فرمایا اور مذاہب فقہا کو ذکر کر کے ہر ایک کی متدل بہ وموید حدیثوں کو تحریر فرما کر روایت ودرایت کی روشنی میں مذہب حنفی کی ترجیح و تائید فرمائی ہے، اس کی وجہ سے یہ کتاب دیگر کتب احادیث سے ممتاز ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا مقام مسانید سے کچھ کم نہیں ہے، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

والمسانيد في الحديث سنن أبي داؤد و النسائي والترمذي وفي مرتبتهما مسند الروياني و مثلها بل فوق بعضها شرح معاني الآثار للطحاوي و كتاب

الآثار لمحمد.

اور حدیث میں مسانید سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ترمذی کی طرح ہیں اور مسند رویانی اسی درجے میں ہے او رانھیں کے مثل بلکہ بعض سے بڑھ کر امام طحاوی کی شرح معانی الآثار اور حضرت امام محمد کی ''کتاب الآثار'' ہے۔

ماضی قریب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے بعد جب ہم صف اول کے علما پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلفا میں صدر الشریعہ بدر الطریعہ علامہ الحاج مفتی امجد علی قدس سرہ کا نام انھیں علمائے اعلام کی فہرست میں نظر آتا ہے، جنھوں نے علم حدیث اور علم فقہ دونوں میں براعت وکمال حاصل کیا، آپ کی مشہور زمانہ اور مقبول انام تصنیف ''بہار شریعت'' ہی تنہا اس دعویٰ کی ایک واضح دلیل ہے، جس میں ابواب فقہیہ کے مطابق مسائل شرعیہ رجیحہ کو جمع فرمایا اور ہر باب کے تحت ان احادیث کو بھی ذکر فرمایا جن سے اس باب کے مندرجات کا استخراج واستنباط ہوتا ہے، اس طرز تصنیف سے یقینی طور پر یہ عیاں ہے کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ انھیں رجال سے ہیں جو طبیب یعنی فقیہ بھی ہیں اور عطار یعنی محدث بھی ہیں۔

بہار شریعت کے ساتھ مزید حاشیۂ طحاوی ''کشف الاستار'' آپ کی فقہی بصیرت اور محدثانہ شان کا دوسرا علمی و فنی شاہ کار ہے، اس کتاب کی سطر سطر سے جہاں آپ کی شان فقاہت ظاہر ہوتی ہے وہیں علوم حدیث میں جامعیت وکمال بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے، فن حدیث کی کسی کتاب کی شرح میں خاص طور پر جو امور ضروری ہوتے ہیں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ''کشف الاستار'' میں ان تمام چیزوں کا تمام تر لحاظ رکھا ہے، چنانچہ مشکل الفاظ کی جامع تشریح ہو یا مسائل شرعیہ کا استنباط، احادیث کی تخریج ہو یا رجال حدیث کی تجریح وتعدیل، متعارض حدیثوں کے درمیاں تطبیق ہو یا ترجیح دلیل، ناسخ ومنسوخ کی تعیین ہو یا صحیح غیر صحیح کا امتیاز، یہ تمام چیزیں اس حاشیہ میں ملحوظ رکھی گئی ہیں، مزید برآں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے حوالے سے قدیم شارحین حدیث کے کلام پر نقد ونظر بھی ہے، نقل مذہب میں امام طحاوی کے طرز بیان پر ناقدانہ کلام بھی ہے، تنقیح مذہب کے ساتھ، فقہائے مذہب کے اختلاف کی صورت میں قول صحیح ورجیح کی تعیین بھی فرمادی ہے، ساتھ ہی احناف کی مستدل بہ احادیث پر محدثین نے سند یا متن کی حیثیت سے جو بحث کی ہے اس کا علمی وفنی محاسبہ بھی فرمایا ہے، اب ہم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اس علمی شاہ کار کے کچھ نمونے نذر قارئین کرتے ہیں تاکہ اثبات مدعیٰ بھی ہو اور اس کے کچھ گوشے بھی سامنے آجائیں۔

مشکل الفاظ کی تشریح:

شرح معانی الآثار پر حاشیہ نگاری کے دوران اگر کوئی مشکل لفظ آتا جس کی صحیح شناخت یا اس کے معنی کی معرفت میں کوئی اشکال ہو خواہ وہ اشکال حرکات وسکنات کی جہت سے ہو یا حرکات وسکنات کے اعتبار سے لفظ متعین ہونے پر اس کے معنی میں کوئی اشتباہ ہو، بہر حال حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ایسے مقامات میں الفاظ کی ایسی تشریح فرمائی ہے کہ کسی بھی طرح کا کوئی اشتباہ نہیں رہ جاتا، امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے تخریج فرمائی، وہ فرماتے ہیں:

صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوۃ العصر بالمخمص، الخ

حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مخمص میں ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، الخ (شرح معانی الآثار، ۱/۳۴۰)

اس حدیث شریف میں لفظ "مخمص" کس طور سے پڑھا جائے، ارباب لغت نے اس پر حرکات وسکنات کا ضبط کیسے کیا ہے، پھر اس کا کیا معنی ہے یہ کسی جگہ کا علم ہے یا یہ اسم جنس ہے، حضرت محشی صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

قولہ: "المخمص" کذا وقع بالخاء المعجمۃ و الصاد المھملۃ فی روایۃ النسائی، قال فی القاموس: المخمص کمنزل اسم طریق، وضبط السندی فی حاشیۃ النسائی بمیم مضمومۃ وخاء معجمۃ مفتوحۃ ثم میم مفتوحۃ مشددہ اسم موضع، وضبط العینی المحمض بفتح المیمین وسکون الحاء المھملۃ وفی آخرھا ضاد معجمۃ وھو الموضع الذی ترعی فیہ الإبل الحمض و ھو ما حمض و ملح وأمر من النبات کالرمث والأثل والطرفا ونحوھا، قال فی القاموس المحمض ویضم أولہ الموضع.

(کشف الأستار ۱/ ۳۴۱، ۳۴۲)

ان کا قول مخمص، نسائی کی روایت میں ایسے ہی نقطہ والی خاء اور بغیر نقطہ والی صاد کے ساتھ یہ لفظ آیا ہے ہے، قاموس میں ہے مخمص بروزن منزل ایک راستہ کا نام ہے، اور سندی نے حاشیہ نسائی میں اس کا ضبط میم مضمومہ اور خائے معجمہ مفتوحہ پھر میم مفتوحہ مشددہ کے ساتھ کر کے ایک جگہ کا نام قرار دیا ہے، اور علامہ عینی نے محمض کا ضبط دونوں میم کے فتحہ اور حائے مہملہ کے سکون اور اخیر میں ضاد معجمہ کے ساتھ کیا ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں اونٹ حمض چرتا ہے اور یہ وہ پودا ہے جو ترش، نمکین اور نبات سے کڑوا ہوتا ہے جیسے رمث، اثل اور طرفا وغیرہ، قاموس میں ہے محمض اور شروع میں ضمہ بھی دیا جاتا ہے، ایک جگہ ہے۔

لفظ ظل، اور لفظ فئی دونوں کا معنی اردو زبان میں سایہ کیا جاتا ہے مگر کیا دونوں کی حقیقت اور موقع استعمال ایک ہے یا مختلف ہے، بظاہر سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جب دونوں کا معنی ایک ہی ہے تو دونوں باہم مترادف ٹھہرے لہٰذا ہر ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ پر درست ہونا چاہئے، مگر جب ہم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے حاشیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ دونوں میں کوئی ترادف نہیں، بلکہ درحقیقت دونوں کا معنی ایک دوسرے سے مختلف ہے، فئی اس سایہ کو کہتے ہیں جو آفتاب کے ڈھلنے کے بعد ہوتا ہے اور ظل وہ سایہ ہے جو صبح شام ابتدائے نہار سے آخر نہار تک ہوتا ہے، بلفظ دیگر ظل وہ سایہ ہے جس کے لیے دھوپ ناسخ ہو اور فئی وہ سایہ ہے جو دھوپ کے لیے ناسخ ہو، حضرت محشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قولہ وفئ کل شئ الخ ھو من فاء أی رجع قیل الظل الذی بعد الزوال فئ لأنہ

رجع من جانب المغرب إلى جانب الشرق والظل ما ينسخه الشمس والفئ ما ينسخ الشمس ويتوهم الناس أن الظل والفئ بمعنى واحد وليس كذلك بل الظل بكون غدوة وعشية من أول النهار إلى آخره وأما الفئ فلا يكون إلا من بعد الزوال ولا يقال لما قبل الزوال فئ.

(کشف الاستار، ۱/۳۲۹)

ان کا قول وفئ کل شئ الخ، یہ فاء سے ہے یعنی لوٹا، وہ سایہ جو زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے اسے فئ کہا گیا کیونکہ وہ جانب مغرب سے جانب مشرق کی طرف لوٹا، اور ظل وہ ہے جس کے لیے دھوپ ناسخ ہو اور فئ وہ ہے جو دھوپ کے لیے ناسخ ہو اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ظل اور فئ دونوں کا معنی ایک ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ظل صبح اور شام ابتدائے نہار سے آخر نہار تک ہوتا ہے، جب کہ فئ زوال آفتاب کے بعد ہی ہوتا ہے اور زوال سے پہلے جو سایہ ہوتا ہے اس کو فئ نہیں کہا جاتا۔

ان اقتباسات سے یہ ظاہر ہے کہ شرح معانی الآثار پر حاشیہ کے دوران اگر کوئی مشکل لفظ آیا جس کے معنی میں کچھ ابہام ہو تو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کی جامع تشریح بھی فرمادی ہے۔

مسائل شرعیہ کا استنباط:

کتب احادیث کی شرح اور ان پر تعلیق وتحشیہ کا ایک اہم عنصر یہ ہوتا ہے کہ احادیث احکام سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا جائے اور یہ کام ہر کس وناکس کا نہیں ہے بلکہ یہ ان مقتدر ہستیوں کا کام ہے جن کو فقہ وافتا میں کامل رسوخ ہو اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ انھیں علمائے اعلام سے ہیں جن کو فقہ و افتا پر مکمل عبور حاصل تھا بلکہ اس میدان میں وہ اپنے معاصرین میں منفرد وممتاز نظر آتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ وہ اس بارگاہ کے فیض یافتہ اور اس خرمن علم کے خوشہ چین ہیں جن کو دنیا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے نام سے جانتی پہچانتی ہے، جن کے بارے میں ان کے فتاویٰ و تحقیقات دیکھ کر وقت کے ارباب علم وفضل نے فرمایا کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں دیکھتے تو ان کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوتیں اور ان کو اپنے اصحاب میں شامل کر لیتے، ایسے مجدد نے حضرت صدر الشریعہ کے متعلق فرمایا:

"تفقہ جس کا نام ہے وہ موجودین میں مولوی امجد علی میں زیادہ پائیے گا" ملخصا۔

تو جو میدان فقاہت میں اتنے عظیم منصب پر فائز ہو بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ احادیث احکام کو پڑھ کر ایسے ہی گزر جائے اور اس سے مسائل شرعیہ کا استنباط نہ کرے، ایسا نہیں ہو سکتا اور ہوا بھی نہیں ہے بلکہ احکام سے متعلق کوئی حدیث آئی تو اس سے بھرپور مسائل کا استنباط فرمایا، موقع کی مناسبت سے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے، امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعا روایت کی:

إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلّوا عليّ فإنه من صلّى عليّ صلوة صلى الله عليه بها عشرا ثم سلوا الله تعالىٰ لي الوسيلة فإنها منزل في الجنة لا

ينبغي لأحد إلا لعبد من عباد الله وارجو ان اكون انا هو فمن سال الله لى الوسيلة حلت له الشفاعة.

جب تم لوگ مؤذن کو اذان کہتے سنو تو جیسے وہ کہے ویسے ہی تم لوگ کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو کہ یہ جنت میں ایک مقام ہے جو سوائے ایک بندۂ خدا کے اور کسی کو زیبا نہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں لہذا جو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرے اس کے لیے شفاعت حلال ہوئی۔

اس حدیث شریف سے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے درج ذیل مسائل کا استنباط فرمایا:

(۱) کلمات اذان میں موذن کی متابعت سے فارغ ہونے کے بعد حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مستحب ہے۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ کی دعا کرنا مستحب ہے۔

(۳) موذن جیسے جیسے کلمات اذان کہتا جائے اذان سننے والا ان کلمات کو دہراتا جائے، یہ انتظار نہ کرے کہ موذن پوری اذان سے فارغ ہو تو یہ کلمات اذان کا اعادہ کرے مثلا موذن نے "الله اكبر الله اكبر" کہا تو سننے والا بھی اسی وقت یہ کلمہ دہرائے نہ یہ کہ ختم اذان کا انتظار کرے۔

(۴) اگر کوئی شخص کسی کو کار خیر کی ترغیب دے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ تنشیط طبع کی خاطر دلائل رغبت بھی بیان کرے تا کہ سننے والے کا دل اس امر خیر کی طرف مائل ہو اور اس کو سرور و اطمینان خاطر حاصل ہو۔

(۵) اس حدیث سے امت کے حق میں شفاعت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے، خواہ وہ شفاعت زیادت ثواب و رفع درجات کے لیے ہو یا خطا کاروں سے عذاب دور کرنے کے لیے ہو کیونکہ "فمن سال، الخ" فرمایا گیا ہے اور لفظ "من" عموم کے لیے آتا ہے لہذا یہ حدیث معتزلہ کے خلاف حجت ہے، چنانچہ ان لوگوں نے شفاعت کو صرف رفع درجات کے لیے مانا ہے اور مطیعوں ہی کے ساتھ اسے خاص کیا ہے، اب کشف الاستار کی اصل عبارت چشم بصیرت سے ملاحظہ فرمائیں اور حضرت محشی کی شان استنباط کا اندازہ کریں فرماتے ہیں:

وفى هذا الحديث فوائد منها استحباب الصلوة على رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد فراغه من متابعة الموذن و استحباب سوال الوسيلة له، ومنها أنه يستحب أن يقول السامع كل كلمة بعد فراغ المؤذن منها ولا ينتظر فراغه من كل الأذان ومنها أنه يستحب لمن يرغب غيره فى خير أن يذكر له شيئا من دلائله لينشطه لقوله صلى الله عليه وسلم فإنه من صلىّ علىّ مرة صلى الله عليه بها عشرا ومن سأل لى الوسيلة حلّت له الشفاعة ومنها اثبات الشفاعة للأمّة صالحا و طالحا لزيادة الثواب أو اسقاط

العذاب لأن لفظة من عامة فهو حجة على المعتزلة حيث خصصوها بالمطيع لزيادة درجاته فقط.(۱/۷۱۳ باب ما يستحب للرجل أن يقوله إذا سمع الأذان)

اس حدیث میں کئی ایک فوائد ہیں انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ موذن کی موافقت سے فراغت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مستحب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ کا سوال بھی مستحب ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سننے والا ہر کلمۂ اذان کو اسی وقت کہے جب کہ موذن اس کلمہ سے فارغ ہو، پوری اذان سے فارغ ہونے کا انتظار نہ کرے، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ شخص جو دوسرے کو کسی امر خیر کی ترغیب دے اس کے لیے مستحب ہے کہ بعض دلائل ترغیب بھی نشاط طبع کی خاطر بیان کردے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرے اوپر ایک بار درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور جو میرے لیے وسیلہ کا سوال کرے تو اس کے لیے شفاعت حلال ہوتی ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ زیادت ثواب یا اسقاط عذاب کے لیے امت کے نیک و بد افراد کے لیے شفاعت کا اثبات ہوتا ہے اس وجہ سے کہ لفظ من عام ہے، لہٰذا یہ حدیث معتزلہ کے اوپر حجت ہے جو انھوں نے شفاعت کو صرف زیادت درجات کے لیے مطیع کے ساتھ خاص کیا ہے۔

ایک حدیث کے مختلف گوشوں سے اتنے مسائل شرعیہ کا استخراج حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی محدثانہ بصیرت، قوت استنباط، فقہی مہارت، دقت نظر اور وسعت مطالعہ کی روشن دلیل ہے، یہ مسائل شرعیہ کے استنباط کی صرف ایک مثال ہے، اور اس طرح کی نامعلوم کتنی مثالیں ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے، اہل بصیرت کے لیے مشتے از خاک ہی کافی ہے۔

احناف کے استدلالات پر کلام اور محدثین کا علمی محاسبہ:

بہت سارے مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں احناف اور شوافع کے مابین جواز و عدم جواز کا اختلاف ہوتا ہے، شوافع جواز کے قائل ہوتے ہیں تو احناف عدم جواز کا قول کرتے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عذر سفر کی وجہ سے دو نمازوں کو حقیقی طور پر ایک ساتھ جمع کرنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز ہے، جمع حقیقی کے عدم جواز پر ائمہ حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذیل سے بھی استدلال کیا ہے، فرماتے ہیں:

ما رایت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلاة قط في غير وقتها إلا أنه جمع بين الصلاتين بجمع وصلى الفجر يومئذ لغير ميقاتها.

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی نماز غیر وقت میں کبھی بھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر یہ کہ مزدلفہ میں دو نمازوں کو ایک ساتھ جمع فرمایا اور اس دن فجر کی نماز وقت معتاد کے علاوہ میں ادا فرمائی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جو علمائے شافعیہ میں اصحاب وجوہ سے ہیں انھوں نے ائمہ حنفیہ کی اس دلیل پر یہ کلام فرمایا کہ اس حدیث کے صرف مفہوم مخالف سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کے علاوہ کبھی جمع بین الصلاتین نہ فرمایا حالانکہ حنفیہ مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں ان کے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، اور ہم لوگ (شافعیہ) مفہوم مخالف کے قائل تو ہیں مگر چونکہ حدیث منطوق اس کے معارض ہے اس لیے ہم نے حدیث منطوق کو مفہوم پر مقدم کیا۔

مزید برآں کثیر احادیث صحیحہ سے جمع بیان الصلاتین کا جواز ثابت ہوتا ہے، علاوہ ازیں حصرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث متروک الظاہر بھی ہے کیونکہ اس میں عرفات میں ظہر وعصر کے جمع فرمانے کا بھی تذکرہ نہیں ہے جب کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل الفاظ ملاحظہ کریں، وہ فرماتے ہیں:

والجواب عن هٰذا الحديث أنه مفهوم و هم لا يقولون به ونحن نقول بالمفهوم ولكن إذا عارضه منطوق قدمناه على المفهوم وقد تظاهرت الأحاديث الصحيحة بجواز الجمع ثم هو متروك الظاهر بالإجماع فى صلاتى الظهر والعصر بعرفات

ترجمہ:۔ اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ مفہوم ہے اور وہ لوگ (حنفیہ) اس کے قائل نہیں ہیں، ہم لوگ مفہوم کے قائل ہیں لیکن جب حدیث منطوق اس کے معارض ہے تو ہم نے اسے مفہوم پر مقدم کیا، اور جمع بیان الصلاتین کے جواز پر احادیث صحیحہ کثرت کے ساتھ آئی ہیں، پھر عرفات میں ظہر وعصر کی نمازوں کے تعلق سے یہ حدیث اجماعی طور پر متروک الظاہر ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کلام کو نقل فرما کر اس کا جواب یہ دیا کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ جمع بین الصلاتین کی نفی اس حدیث کے مفہوم مخالف سے ہو رہی ہے بلکہ ہمارا کہنا ہے کہ اس حدیث کے منطوق سے جمع بین الصلاتین کی نفی ہو رہی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نے کبھی بھی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیر وقت میں کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مفہوم مخالف سے یہ نفی ہو رہی ہے جب بھی ہمارے استدلال پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مفہوم مخالف کے بارے میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف کلام شارع میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، باقی حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ارشادات اور بعد کے علمائے شرع کے کلام میں بلاشبہہ اس کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ تحریر الاصول، النہر الفائق، درمختار وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

رہا امام نووی کا یہ فرمانا کہ جمع بین الصلاتین کے جواز پر کثرت کے ساتھ احادیث صحیحہ آئی ہیں، تو اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ جمع بین الصلاتین کے جواز پر ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے چہ جائے کہ کثرت کے ساتھ اس سلسلے میں وارد ہوں، اور جن احادیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع فرمایا وہ جمع صوری پر محمول ہیں جمع حقیقی ان سے مراد نہیں ہے، علاوہ ازیں وہ حدیثیں مبیح ہیں جو جمع بین الصلاتین کی اباحت وجواز پر

دلالت کرتی ہیں اور ہماری مستدل بہ حدیثیں حاظر ہیں جو اس فعل کے منع وتحریم پر دلالت کرتی ہیں اور دلیل حاظر و مبیح میں حاظر کو مقدم کیا جاتا ہے۔

پھر جانب منع میں حدیث قولی و فعلی دونوں ہیں اور جانب اباحت میں محض احادیث فعلیہ ہیں اور حدیث قولی کو حدیث فعلی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

اور امام نووی کا یہ فرمانا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث متروک الظاہر ہے کیونکہ اس میں عرفات میں ظہر وعصر کے بھی جمع کرنے کا ذکر نہیں ہے جب کہ یہ اجماعی ہے، اس کا بھی جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس روایت میں اختصار ہے، اس لیے کہ خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ عرفات میں ظہر وعصر دونوں نمازوں کو ایک ساتھ جمع کر کے ادا کرنا جائز و درست ہے، یا بر بنائے شہرت عرفات کی ان دو نمازوں کا ذکر نہیں فرمایا، حضرت محشی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

أقول هذا الحديث ينفي الجمع بين الصلاتين بمنطوقه لا بمفهومه لأن لفظه الصريح ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلاة قط في غير وقتها، وقوله إن منع الجمع مفهوم لا يصح ولو سلمنا أنه مفهوم فالحنفية لاينفون المفهوم مطلقا بل في كلام الشارع وأما في كلام الصحابة ومن بعدهم من العلماء فيجوز فيه المفهوم كما نص عليه في تحرير الأصول والنهر الفائق والدر المختار وغيرها، وأما قوله قد تظاهرت الأحاديث الصحيحة بجواز الجمع وقد أجبناعنه سابقا بأنه ليس فيه حديث صحيح صريح فضلا عن الأحاديث الصحيحة، وأما قوله هو متروك الظاهر إلى آخره وقد أجبنا عنه سابقا أن في هذه الرواية اختصارا لأنه أخبر ايضا بجواز الجمع في عرفات أو ترك صلاتي العرفات لشهرته.

(كشف الأستار، ج ا ص ٣٦٥)

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث جمع بین الصلاتین کی نفی اپنے منطوق سے کرتی ہے نہ کہ اپنے مفہوم سے اس لیے کہ ان کا صریح لفظ یہ ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کوئی نماز غیر وقت میں پڑھتے نہیں دیکھا، لہٰذا امام نووی کا یہ کہنا کہ منع جمع، مفہوم ہے، صحیح نہیں، اور اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ مفہوم ہے جب بھی مضر نہیں کیونکہ حنفیہ مطلقا مفہوم کی نفی نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف کلام شارع میں اسے نامعتبر مانتے ہیں اور رہا صحابہ اور ان کے بعد کے علما کے کلام میں تو وہاں مفہوم کا اعتبار ہے، جیسا کہ تحریر الاصول، النہر الفائق، درمختار وغیرہ میں اس کی صراحت ہے، رہا امام نووی کا یہ فرمانا کہ جمع بین الصلاتین کے جواز پر احادیث صحیحہ بکثرت آئی ہیں، تو اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ اس بارے میں ایک بھی صریح حدیث صحیح نہیں چہ جائیکہ کئی احادیث صحیحہ ہوں اور رہا ان کا یہ کہنا کہ یہ متروک الظاہر ہے تو اس کا بھی جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ اس روایت میں اختصار ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا جائز ہے یا بر بنائے شہرت عرفات کی ان دو نمازوں کا ذکر نہیں فرمایا۔

یہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی وفنی بصیرت ہے جو انھوں نے اپنی مستدل بہ حدیث پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے وارد ہونے والے اشکالات کا بھرپور محاسبہ فرمایا اور بحسن وخوبی انھیں حل فرمایا اور اپنے مذہب کے معارض احادیث کی ایسی توجیہ فرمائی کہ وہ حدیثیں ہمارے خلاف نہیں رہ جائیں بلکہ ہمارے نزدیک بھی ان پر عمل ہوتا ہے۔

نقل مذہب میں امام طحاوی کے طرز بیان پر ناقدانہ کلام:

نقل مذہب میں شرح معانی الآثار کی بعض تعبیروں وطرز بیان سے اگر ایک ظاہر بیں کو اصل مراد تک پہنچنے میں دشواری لاحق ہوتی ہو اور معنی مقصود سمجھنے میں اشتباہ پیدا ہوتا ہو تو ایسے مقام میں حضرت محشی قدس سرہ نے اپنے شیخ فی العلم والعمل مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہ کے حوالے سے اس کی نشان دہی فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ بہتر تعبیر یہ تھی، اس لفظ کی بجائے یہ لفظ مناسب تھا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اوقات نماز کے باب میں امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر بھی بحث فرمائی ہے کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے یا اصفرار شمس یعنی آفتاب میں زردی آنے پر ختم ہو جاتا ہے اور آفتاب کی زردی اور اس کے غروب کے درمیان کا وقت مہمل ہے جو کسی بھی نماز کا وقت نہیں ہے۔

اس مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثیں جمع فرمائی ہیں اور نقلی وعقلی دونوں جہتوں سے تفصیلی بحث بھی کی ہے اور اخیر میں ترجیح اسی بات کی ہے کہ عصر کا وقت تغیر آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے اور تغیر آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت مہمل ہے، اور طرز بیان یہ ہے کہ پہلے یہ حدیث اور اس کے مفہوم کی حدیثیں تخریج فرمائیں:

من أدرک رکعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرک العصر

ترجمہ:۔ جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر پالی۔

اس کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا:

فلما کان من أدرک من العصر ما ذکرنا فی ھذہ الآثار صار مدرکالھا ثبت أن آخر وقتھا ھو غروب الشمس.

ترجمہ:۔ تو جب ان آثار کی روشنی میں غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پانے والا عصر کا پانے والا ہوا تو ثابت ہوا کہ عصر کا آخری وقت غروب آفتاب ہی ہے۔

پھر فرمایا:

وممن قال بذلک أبو حنیفة وأبو یوسف و محمد بن الحسن رحمھم اللہ تعالیٰ

ترجمہ:۔ اور اس کے قائلین میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

اس کے بعد کثرت کے ساتھ ایسی حدیثیں تخریج فرمائی ہیں جن سے غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے، پھر بعض علما کے حوالے سے فرمایا:

قالوا فلما نھی رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم عن الصلوة عند غروب الشمس ثبت أنه ليس بوقت صلوة وأن وقت العصر يخرج بدخوله

ان علما نے کہا: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو یہ ثابت ہوا کہ وہ کسی بھی نماز کا وقت نہیں ہے اور اس وقت کے داخل ہوتے ہی عصر کا وقت نکل جاتا ہے۔

پھر عقلی اعتبار سے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

فهٰذا هو النظر عندنا. یہی ہمارے نزدیک مقتضائے نظر ہے۔

اور اس کے معاً بعد فرمایا:

"وهو قول أبی حنيفة وأبی يوسف ومحمد" اور یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے۔ یہاں پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "ھو" کی ضمیر استعمال کی ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ ثلثہ امام اعظم، امام ابو یوسف، اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بھی عصر کا وقت تغیر آفتاب تک ہی رہتا ہے اور اس کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت مہمل رہتا ہے، کیونکہ ضمیر کا مرجع قریب کا ہوتا ہے، جب کہ حضرات ائمہ ثلثہ کا مذہب یہ ہے کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک ممتد ہے اور اس درمیان کا کوئی بھی وقت مہمل نہیں ہے، اور خود امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو بیان بھی فرمایا ہے کہ امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک عصر کا وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے، اس بنا پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کو "ھو" کی بجائے "ذٰلک" کہنا چاہئے تا کہ خلاف مقصود کا کوئی شبہہ نہ پیدا ہو اور مقصد بھی واضح ہو جائے، پھر امام طحاوی نے اس سے پہلے اپنا موقف واضح کرتے ہوئے فرمایا "هٰذا هو النظر عندنا" تو اگر ضمیر "هو" کے بدلے "ذٰلک" کہتے تو اسم اشارہ "هٰذا" سے تقابل بھی اچھی طرح ہو جاتا، یعنی قول ثانی ہمارا موقف ہے، جب کہ وہ یعنی جو قول اس سے پہلے بیان ہوا وہ حضرات ائمہ ثلثہ کا مذہب ہے، ورنہ امام طحاوی نے جو قول اختیار فرمایا ہے وہ حضرات ائمہ ثلثہ میں کسی کا مذہب نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ امام حسن بن زیاد کی ایک روایت نادرہ ہے کہ تغیر آفتاب سے غروب تک کا وقت مہمل ہے، اور روایت نادرہ کو قول نہیں کہا جاتا، ان حضرات کا قول وہی ہے جو پہلے بیان ہوا، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

قوله: وهو قول أبی حنيفة رحمه اللّٰه، أی ما تقدم من أن آخر وقت العصر إلى غروب الشمس فكان الأولى إبدال "هو" بذٰلک، ليفيد بعد المشار إليه ويحسن مقابلته بهٰذا لكن لا حرج بعد وضوح المراد فقد قدّم أن ممن قال بذٰلک أی بأن آخر وقت العصر هو غروبها أبوحنيفة وصاحباه رحمهم اللّٰه، أما هٰذا الذی اختاره الطحاوی فمعلوم أن أحداً من ائمتنا الثلثة لم يقل به، اللّٰهم إلا راوية حسن بن زياد أن من وقت التغير إلى المغيب وقت مهمل كما حكاه عنه الإمام شمس الأئمة

السرخسي كما في الحلية وغيرها والرواية النادرة لاتسمّى قولا إنما القول ماتقدم. (كشف الأستار، ۱/۱۴۱)

ترجمہ:۔ اور وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی جو پہلے گزرا کہ عصر کا آخری وقت غروب آفتاب تک ہے، اس لیے ''ہو'' کے بدلے ''ذٰلک'' لانا مناسب تھا تاکہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا اس کے بعد کا افادہ ہوتا اور ''ہٰذا'' سے مقابلہ بھی اچھی طرح ہوتا، لیکن مقصود واضح ہونے کے بعد کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ خود امام طحاوی نے پہلے یہ واضح فرمادیا ہے کہ غروب آفتاب تک عصر کا وقت باقی رہنے کے قائلین میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، رہا یہ قول جو امام طحاوی نے اختیار فرمایا تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ وہ ہمارے ائمہ ثلٰثہ میں کسی کا قول نہیں ہے، ہاں حسن بن زیاد کی ایک روایت ہے کہ تغیر آفتاب سے غروب تک کا وقت مہمل ہے جیسا کہ امام شمس الائمہ سرخسی نے ان سے یہ نقل کیا ہے، چنانچہ حلیہ وغیرہ میں اس کی صراحت ہے اور روایت نادرہ کو قول کا نام نہیں دیا جاتا قول تو وہی ہے جو پہلے گزرا۔

اس حاشیہ کے اختتامی عدد (۱۲) کے بعد تحریر فرمایا:

''شیخنا المجدد رحمه الله تعالیٰ'' اس کے علاوہ اور بھی جگہوں میں یہ لفظ ملتا ہے، اس سے یہ عیاں ہے کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے دوران حاشیہ اپنے شیخ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز کے ارشادات عالیہ کو بھی پیش نظر رکھا اور ان سے بھرپور استفادہ فرمایا۔

یہ کشف الاستار کے چند صفحات کے مطالعہ کے بعد چند ذیلی گوشے بادی النظر میں سامنے آئے جن سے قارئین کو آگاہ کیا گیا اور کتاب کی دونوں جلدوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس کی بہت سی ایسی خوبیاں بھی اجاگر ہوں گی جن کی طرف عام قاری کا ذہن نہیں جاتا۔

بہرحال کشف الاستار حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایسی علمی وفنی شاہ کار ہے، جس کی تخریجات کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ وقت کا کوئی امام زیلعی ہے جو کسی حدیث کی تخریج کرتا ہے تو اس کے تمام طرق روایت کا احاطہ کرڈالتا ہے، اور جب اس کی بحثوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے زمانہ کا کوئی علامہ عینی ہے جو اپنے مذہب کی حمایت میں احادیث کا ذخیرہ جمع کردیتا ہے اور اگر سند یا متن کی حیثیت سے ان پر کوئی کلام کرتا ہے تو اس کا ایسا علمی محاسبہ کرتا ہے کہ شکوک وشبہات کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور اقوال کے ہجوم میں قول امام اعظم نیر تاباں بن کر افق تحقیق پر جلوہ گر ہوتا ہے، اور الفاظ کی لغوی تشریحات دیکھی جائیں تو اپنے عہد کا کوئی امام لغت معلوم ہوتا ہے جو مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق پیش کرکے مقصود کی رہ نمائی کررہا ہے، اس طرح یہ کتاب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے فقہی فضل وکمال، محدثانہ شان، علمی تبحر، وسعت فکر ونظر، ذوق تحقیق کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔ اس لیے بقول امام اعمش آپ طبیب یعنی فقیہ بھی ہیں اور عطار یعنی محدث بھی ہیں۔

والحمد لله رب العٰلمين.

❖❖❖

کشف الاستار کا مطالعہ

مفتی محمد حبیب اللہ خاں مصباحی
دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا بلرام پور

کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ الحاج مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کا عربی زبان میں وہ معرکۃ الآراء حاشیہ ہے، جس کو آپ نے اپنی حیات ظاہری کے زمانہ اخیر میں اس وقت قلم بند فرمایا جب آپ سے کچھ تلامذہ نے یہ کہہ کر گزارش کی کہ حضور شرح معانی الآثار کے پڑھنے پڑھانے میں علما وطلبہ سب کو قدرے دشواری ہوتی ہے، کیونکہ اس کی اب تک کوئی شرح نہیں مل پا رہی ہے اور نہ ہی اس پر حاشیہ ہی ہے کہ جس سے کچھ مدد مل سکے اور مشکل و پیچیدہ مباحث کے سمجھنے میں آسانی ہو جب کہ یہ کتاب ''شرح معانی الآثار'' فن حدیث میں اپنے انداز بیان کے اعتبار سے منفرد و جداگانہ ہے اور جا بجا اس میں ابہام و اجمال، التباس و اشتباہ ہونے کے ساتھ الفاظ حدیث میں اشتراک بھی بہت ہے، جس کے حل کے لیے لغت عربی کافی نہیں جب تک کہ کسی معتبر و مستند روایت یا درایت سے اس کی تائید و توثیق نہ ہو جائے۔ مزید برآں ائمہ مجتہدین کے مذاہب مختلفہ کا بیان اور ان کے دلائل و مسائل کا تقابلی جائزہ، نیز عقل و نقل کی روشنی میں فقہ حنفی کو ترجیح و فوقیت اس احتیاط کے ساتھ کہ کسی بھی امام کی تخفیف شان نہ ہو اور نہ ہی کسی کی عزت و عظمت پر کوئی فرق آئے۔ علما وطلبا کی اس دشواری کے پیش نظر اس کام کے دینی ہونے کی وجہ سے آپ نے تحشیہ کا ارادہ فرمایا اور بغیر کسی تاخیر و تامل کے اس برق رفتاری کے ساتھ اس پر حاشیہ لکھا کہ مہینوں کا کام ہفتوں میں کر ڈالا جب کہ یہ کام آسان نہیں بلکہ بہت مشکل و دشوار تھا کیونکہ جس کتاب پر حاشیہ ہوتا ہے یا اس کی کوئی شرح ہوتی ہے اس پر تحشیہ کا کام اس لئے آسان ہوتا ہے کہ ماقبل والے حاشیہ اور شرح سے بہت کچھ مدد مل جاتی ہے اور اسی کی روشنی میں کچھ مزید اضافہ اور حذف بھی ہو جاتا ہے لیکن جس کتاب کی کوئی شرح و حاشیہ نہ ہو اس پر حاشیہ لگانا یا اس کی شرح لکھنا آسان نہیں از حد مشکل و دشوار و پر پیچ ہوتا ہے کیونکہ اب اس پر جو بھی حاشیہ لکھے گا وہ سب اسی محشی ہی کی اپنی تحقیق و تفتیش ہوگی کسی اور کی نہیں۔

فقیہ اعظم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ان تمام مشکلات و پریشانی کی پرواہ کیے بغیر تحشیہ کا کام شروع کر دیا اور ایسا مضبوط و مفصل حاشیہ رقم فرمایا کہ کتاب میں جو بھی کہیں ابہام و اجمال و پیچیدگی و اشکال تھا سب کو ایسا واضح کیا کہ سب

آسان تر ہو گیا چاہے وہ ابہام واجمال سند میں رہا ہو یا متن وترجمۃ الباب میں یا فکر ونظر کے پیراگراف میں ہر ایک کو رفع دفع کیا۔ نیز حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں جو باقی رہ گیا تھا اس کو بھی کما حقہ پورا کر دیا۔ نیز اگر تحقیق وتدقیق میں کہیں کوئی چوک ولغزش ہو گئی تھی تو اس کو بھی واضح کیا، حنفی ہونے کی باوجود اس پر پردہ نہیں ڈالا اور نہ ہی نظر انداز کیا، کیونکہ یہ رویہ ووطیرہ ایک دیانتدار محقق کی شان کے خلاف ہے۔ البتہ آپ نے اس حاشیہ آرائی میں یہ خیال ضرور رکھا کہ مقصود کی وضاحت میں اتنی ہی عبارت لکھی جائے جتنی ضرورت ہو بلا وجہ ضرورت سے زائدہ عبارت نہ لکھی جائے اور جو لکھا جائے آسان لفظوں میں ہو اور صاف وستھرا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جو کچھ بھی بیان فرماتے ہیں اس کے سمجھنے میں کوئی دقت ودشواری نہیں ہوتی ہے۔

کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار میں آپ کا جو سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے، وہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین نے استنباط مسئلہ میں جن جن دلیلوں کو پیش نظر رکھا اور مسئلہ کا استنباط کیا، اس پر آپ گہری وکڑی نظر رکھتے ہیں اور اس کی صحت وسقم اور قوت وضعف کو بڑی باریک بینی سے پرکھتے ہیں۔ اسی لیے جب کسی نے فقہ حنفی کے خلاف کوئی اعتراض کیا اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ فقہ حنفی کتاب وسنت کے بجائے قیاس ورائے سے ماخوذ ومستنبط ہے تو آپ نے اس کے اعتراض کا جواب بھی دیا اور فقہ حنفی کو کتاب وسنت کی روشنی میں ثابت کیا اور یہ واضح کر دیا کہ فقہ حنفی ہی دیگر ائمۂ مذاہب کے فقہ کے مقابلے میں کتاب وسنت سے قریب تر ہے، بلکہ فقہ حنفی کا ہر ہر مسئلہ ادلۂ شرعیہ ہی کے دائرے میں ہے، سرمو بھی کوئی مسئلہ منحرف ومتجاوز نہیں ہے، چاہے وہ رفع یدین کا مسئلہ ہو یا آمین بالجہر والسر کا یا اس کے علاوہ فقہ حنفی کا کوئی بھی مسئلہ ہو۔

نماز میں آمین بالسر والجہر کا مسئلہ ائمہ مجتہدین کے مابین مختلف فیہ ہے جب کہ آمین کہنے کے سلسلہ میں کسی بھی امام کا کوئی اختلاف نہیں ہے، سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ہی کے ختم پر آمین کہنا سنت ہے۔ اختلاف صرف یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہا جائے یا آہستہ؟۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین آہستہ کہا جائے بلند آواز سے نہ کہنا یہی بہتر وافضل ہے۔ اس کے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آمین بجائے آہستہ کہنے کے بلند آواز سے کہا جائے یہ بہتر وافضل ہے۔ یعنی یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے، جواز وعدم جواز میں نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو جب "غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین" پر پہنچے تو آمین کہا اور مقتدیوں نے بھی آمین کہا۔

"عن نعیم بن المجمر قال صلیت وراء ابی هریرة فلما بلغ غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین قال اٰمین فقال الناس اٰمین"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دوسری

روایت بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تب تم لوگ آمین کہو اس لیے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کے موافق ہو جائے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا أمن الامام فامّنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه".

آمین بالجہر کے قائلین ان دونوں حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے آمین کہنے کے ساتھ بلند آواز سے آمین کہنے کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اس استدلال پر ریمارک لگاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ان روایتوں سے صرف آمین کہنے کا ثبوت ہوتا ہے، بلند آواز سے کہنے کا ثبوت نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ حدیث پاک میں مطلقاً "قال آمین" کا لفظ ہے بالجہر یا بالسر کے لفظ سے مقید نہیں ہے اس لیے اس سے آمین کہنے ہی کا ثبوت ہوگا مزید بلند آواز سے کہنے کا ثبوت نہیں ہوگا کیونکہ قول کا اطلاق جس طرح بالجہر پر ہوتا ہے ویسے ہی بالسر پر بھی ہوتا ہے اس لئے تاوقتیکہ اس کے ساتھ کوئی دوسری ایسی دلیل نہ ہو جو صراحۃً جہر پر دلالت کرے آمین بالجہر کا ثبوت نہیں ہوگا اور نہ ہی آمین بالجہر کے قائلین کا اس سے استدلال صحیح ہوگا۔ اس کے برخلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک دوسری روایت ہے جس میں آمین بالجہر کے نفی کی طرف اشارہ ہے چہ جائیکہ آمین بالجہر کا ثبوت ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب امام "ولا الضآلین" کہے تب تم لوگ آمین کہو تو اس حدیث پاک میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم لوگ آمین اس وقت کہو جب امام سورۂ فاتحہ کی تلاوت ختم کردے نہ اس سے پہلے کہو اور نہ اس کے بعد تو اگر امام بلند آواز سے آمین کہتا تو مقتدیوں کو اس کے بتانے کی ضرورت نہ ہوتی اس لئے کہ مقتدی سن کر ہی جان لیتے کہ امام آمین کہہ رہا ہے اس لئے آمین کہو تو اس حدیث سے بھی آمین کہنے ہی کا ثبوت ہو رہا ہے بالجہر کا ثبوت نہیں ہو رہا ہے۔

ولا يخفىٰ عليك أن الجهر بالتامين لا يثبت بحديث ابى هريرة رضى الله عنه لان فى حديثهٖ قال آمين والقول كما يطلق على الجهر يطلق على السر ايضا فلا يتعين باحدهما إلا بدليل يدل عليه بل فى حديثهٖ على مارواه ابو صالح السمان عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه اشارة إلى عدم الجهر لانه قال فيه إذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضآلين قولوا آمين فبين فيه موضع تامين الامام ولا حاجة إلى بيان موضعهٖ لوجهر الامام بهٖ فهٰذه رواية ابى هريرة تفسر الرواية الاولى اى اذا أمن الامام فامنوا بان تامين الامام يقع بعد قراء ة غير المغضوب عليهم ولا الضآلين فهٰذا موضع تامين المقتدى فلم يثبت

الجهر لا من الامام ولا من المقتدی.

(کشف الاستار ص ۴۳۹)

اور اگر آمین بالجہر کے قائلین اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ کی وہ روایتیں پیش کریں جس سے آمین بالجہر کا صراحۃً ثبوت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معارض ومخالف وہ بھی روایتیں ہیں جو آمین بالجہر کے بجائے آمین بالسر پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں اور از روئے قوت وصحت اس کا درجہ ومرتبہ کم نہیں اس لیے تا وقتیکہ ان روایتوں کو ترجیح از روئے سند ومتن نہ حاصل ہو جائے ان سے آمین بالجہر کے قائلین کا استدلال صحیح نہ ہوگا اور نہ ہی بلند آواز سے آمین کہنے کا ثبوت ہوگا۔

والجواب عن حدیث وائل بن حجر ان ما رواه سفیان یعارضه ما رواه الترمذی أیضا عن شعبة إلی آخرہٖ وقال فیه وخفض بها صوته. (کشف الاستار ج ۱ ص ۴۴۰)

اس کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے اثبات میں جو دلیل پیش کرتے ہیں اس سے صراحۃً آمین بالسر ہی کا ثبوت ہوتا ہے آمین بالجہر کا ثبوت ہوتا ہی نہیں نہ اشارۃً نہ اقتضاءً اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے ”أربع یخفیهن الامام التعوذ والتسمیة وسبحانک اللهم وآمین“ یعنی امام تعوذ وتسمیہ اور ثناء اور آمین آہستہ ہی کہے گا بلند آواز سے نہیں کہے گا اس لیے کہ حدیث میں لفظ اخفاء صراحت کے ساتھ ہے جو جہر کو کسی بھی حیثیت سے مقتضی ومستلزم نہیں ہے نیز آمین کہنا از قبیل دعا ہے اور دعا میں اصل وراجح یہی ہے کہ پست وآہستہ آواز میں ہو بلند آواز سے نہ ہو اس لیے کہ قرآن حکیم سورۂ یونس میں ہے ”ادعوا ربکم تضرّعاً وخفیة“ یعنی اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور آہستہ۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ آمین دعا ہے تو اس پر کیا دلیل ہے؟ تو آپ فرماتے ہیں کہ سورۂ یونس میں ہے ”قد اجیبت دعوتکما“ کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی اور دونوں سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرما رہے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام دونوں کو دعا کرنے والا ہی کہا، جب کہ حضرت ہارون علیہ السلام بجائے دعا کے آمین کہہ رہے تھے اور دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام مانگ رہے تھے تو اس سے ثابت ہوتا ہے آمین دعا ہے اگر آمین کہنا دعا نہ ہوتا تو حضرت ہارون علیہ السلام کو دعا کرنے والا نہ کہا جاتا اور جب آمین کا دعا ہونا ثابت ہوا تو اس کو آہستہ کہنا دعا ہونے کی وجہ بھی ثابت ہوا مزید برآں اَجلہ صحابہ کا عمل یہی رہا کہ سورۂ فاتحہ کے ختم پر نماز میں آمین آہستہ ہی کہتے تھے بلند آواز سے نہیں کہتے تھے جیسا کہ طبرانی نے تہذیب الآثار میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

واجتمع أصحابنا ایضا بما رواه محمد بن الحسن فی کتاب الآثار قال اربع یخفیهن الامام وبما رواه الطبرانی فی تهذیب الآثار قال لم یکن عمر وعلی

رضی الله تعالی عنهما یجهر ان یسم الله الرحمن الرحیم ولا بامین وقالوا ایضا آمین دعا والاصل فی الددعاء الاخفاء والدلیل علی انه دعاء قوله تعالیٰ فی سورة یونس قد أجیبت دعوتکما قال ابوالعالیة وعکرمة ومحمد بن کعب والربیع بن موسیٰ کان موسیٰ علیه السلام یدعو وهارون یومن فسمّاها الله تعالیٰ ادعیین فاذا ثبت أنه دعاء فاخفاء افضل من الجهر بہٖ لقولهة تعالیٰ أدعوا ربکم تضرعا وخفیة.

(کشف الاستار ج ا ص ۴۴۰)

واضح رہے کہ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے مذہب کی ترجمانی کرنے میں وہی فرماتے ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہوتا ہے، مزید اپنی طرف سے کچھ ارشاد نہیں فرماتے ہیں اور نہ ہی کھینچ تان کر اپنا مذہب ثابت کرتے ہیں بلاشبہ ویسہ ہی اپنے مذہب کے خلاف جو دلیلیں ہیں اس کے بارے میں بھی وہی فرماتے ہیں جو اس سے واضح ہوتا ہے اپنی طرف سے کوئی کمی ونقص نہیں نکالتے ہیں البتہ ان دلیلوں میں جو سخافت وکمزوری ہوتی ہے اس کو اس طرح آشکارا کردیتے ہیں کہ ہر منصف مزاج واعتدال پسند یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ ان دلیلوں سے جو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ثابت نہیں ہورہا ہے اور جو ثابت ہورہا ہے وہ ان کا مذہب ودعویٰ نہیں ہے نیز دلیلوں کی سخافت وکمزوری کے واضح کرنے میں یہ ضرور ملحوظ رکھتے ہیں کہ ادب کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور نہ ہی اپنے بڑوں کی شان میں کوئی فرق آئے جب کہ یہ ایسا نازک موقع ہوتا ہے کہ قلم لغزش کھا جائے اور انداز بیان وتحریر میں شوخی کی جھلک آجائے لیکن کبھی بھی ایسا نہ ہوا پوری کتاب پڑھ جائیے آپ ہمیشہ یکساں ہی پائیے گا جیسے جس انداز میں آپ اپنے امام امام ہمام کا ذکر جمیل فرماتے ہیں ویسے ہی دیگر ائمہ مذاہب کا ذکر انھیں القاب وآداب کے ساتھ کرتے ہیں جو ان کے شایان شان ہے کوئی ایسا جملہ ہرگز نہیں استعمال کرتے جس سے ان کی ہتک ہو یا ان کی عظمت پر داغ ودھبّہ لگے اور کیوں نہ ایسا ہو کہ آپ امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ کے تربیت یافتہ تھے، آپ کی بارگاہ سے اکتساب فیض کرکے جہاں علم وفضل کے آفتاب وماہتاب ہوئے، وہیں سراپا ادب بھی تھے ہر حال میں اپنے بڑوں کی بڑائی کا لحاظ رکھتے اور تعظیم وتوقیر بجالاتے تھے، کبھی بے ادبی وگستاخی کا کوئی جملہ نہ ارشاد فرماتے اور نہ قلم سے تحریر فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا شرعی قلم تاحین حیات محتاط رہا، آپ کے قلم کو کہیں کوئی لغزش نہ ہوئی اور نہ ٹھوکر لگی اور نہ ہی آپ کا قلم راہ اعتدال سے بہکا، ہمیشہ شریعت کے دائرہ ہی میں رہا۔ اسی لیے آپ کے قلم فیض رقم سے جو بھی تحریر معرض وجود میں آئی، وہ آپ کے بعد علما کے لیے حجت ودلیل کا درجہ رکھتی ہے۔

❖❖❖

صدر الشریعہ اور علم اسماء الرجال

علامہ عبد الرحمٰن رضوی انصاری
سینئر استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

دینی علوم کا منبع و سرچشمہ قرآن و حدیث ہیں اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کا خلاصہ وعطر علم فقہ ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ قرآن وحدیث وعلم فقہ علوم دینیہ اصلیہ ہیں، بقیہ علوم یا تو ان کے لیے مبادی و معاون ہیں یا قرآن و حدیث سے استخراج کردہ ہیں اور علم وفن کی حیثیت سے مدون کیے گئے ہیں۔

عہد صحابہ میں عالم ہونے کا معیار یہ تھا جسے قرآن کی آیات اور احادیث نبویہ کا بڑا ذخیرہ حاصل و محفوظ ہو اور اس کے معانی ومطالب پر اس کی گہری نظر ہو۔

عہد تابعین میں جب علم تفسیر، علم اصول تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم کلام، علم فقہ، علم سلوک وغیرہ کثیر علوم وضع ہو گئے اور باقاعدہ ان کی تدوین ہو گئی تو بڑا عالم ہونے کا معیار یہ قرار پایا کہ جو عظیم محدث اور عظیم فقیہ ہو۔

ارباب علم یہ بخوبی جانتے ہیں کہ محدث ہونے کے ساتھ فقیہ ہونا ضروری نہیں ہے، بہت سے علما ایسے گزرے ہیں جو حافظہ کی قوت کے سبب احادیث کے حفظ وضبط اور اس کی روایت ونقل میں امتیازی شان کے مالک تھے، مگر ظواہر الفاظ کے پس پردہ دقیق معانی پر ان کی نظر نہیں ہوتی تھی۔

البتہ جو فقیہ ہو اس کو محدث ہونا ضروری ہے۔ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے، جب کہ فقیہ ہونا علم کا آخری زینہ ہے“۔ اس مختصر تمہید کے بعد فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) علیہ الرحمہ کی فقہی بصیرت، علمی جلالت مختلف علوم وفنون میں حیرت انگیز تبحر وکمال کے ساتھ فقہ وحدیث میں آپ کی انفرادی و امتیازی شان کو بیان کرنا مقصود ہے۔

علم فقہ میں آپ کے رسوخ وکمال کا عالم یہ تھا کہ مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے مصاحبین وحاشیہ نشینوں میں آپ کو ممتاز اور میدانِ فقہ کا شہسوار تسلیم کیا۔ اور ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

> ”آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پائیے گا“۔

علم فقہ میں آپ کے یگانۂ روزگار ہونے کی واضح دلیل آپ کے گراں قدر فتاویٰ ہیں، جس کا کچھ حصہ فتاویٰ امجدیہ کی شکل میں مطبوع ہے۔ اور دوسری عظیم تصنیف بہار شریعت ہے، جو فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا ہے اور اردو زبان میں تحریر کی گئی

مسائل واحکام کی تمام کتابوں پر بھاری وشہرۂ آفاق ہے۔ حتی کہ اسے عالم ساز بھی کہا جاتا ہے۔ اور فن حدیث میں آپ کے تبحر و وسعت نظری کا شاہد عدل حاشیہ طحاوی موسوم بہ ''کشف الاستار'' ہے۔

محدث اجل امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ) جیسا جامع فقہ وحدیث شاذ و نادر ہی کوئی ملے۔ آپ کی تصنیف لطیف شرح معانی الآثار کا پایہ اتنا بلند ہے کہ بڑے بڑے اصحاب فکر ونظر اس کے دقیق و غامض اسلوبِ تحریر کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔

اسی لیے شارحِ بخاری علامہ بدرالدین عینی مصری کے علاوہ کسی نے طحاوی شریف کے مکنونات ومضمرات پر خامہ فرسائی کرنے کی ہمت نہیں پائی۔

علامہ عینی کے بعد ہندوستان کے فقہائے احناف میں سے حضور صدرالشریعہ کی واحد ذات ہے، جنھوں نے شرح معانی الآثار پر تحقیقی انداز میں کلام کیا اور جلد اول کے نصف اول پر حاشیہ لکھ کر فن حدیث میں اپنی مہارت وجلالت شان کا نقش زریں صفحۂ قرطاس پر ثبت کردیا۔

میری گفتگو کا عنوان چوں کہ ''صدرالشریعہ اور علم رجال'' ہے، اس لیے علم اسماء الرجال وفن جرح وتعدیل میں حضور صدرالشریعہ کا رتبۂ کمال کیا ہے، اس کے چند شواہد حاضر خدمت ہیں۔

(۱)...... امام بیہقی کا ایک سند کو مرسل قرار دینے پر صدرالشریعہ کی تنقید:

امام طحاوی نے باب سؤر ابن آدم میں ایک حدیث تخریج کی، جس کا متن درج ذیل ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یغتسل الرجل بفضل المرأۃ والمرأۃ بفضل الرجل ولکن یشرعان جمیعا.

امام طحاوی نے حسب عادت اس کی چند سندیں ذکر فرمائیں۔

(۱)محمد بن خزیمہ عن المعلی بن راشد عن عبدالعزیز عن عاصم الاحول عن عبد اللہ بن سرجس.

(۲)احمد بن داؤد بن موسی قال حدثنا مسدد قال حدثنا ابو عوانۃ عن داؤد بن عبد اللہ الاودی عن حمید بن عبد الرحمن قال لقیت من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما صحبہ ابوھریرۃ، اربع سنین قال نھی رسول اللہ، الخ.

حضور صدرالشریعہ کشف الاستار کے صفحہ ۴۵ر پر حدیث مذکور کی سند پر امام بیہقی کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام بیہقی فرماتے ہیں:

''اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں، لیکن حمید نے صحابی کا نام ذکر نہیں کیا، لہٰذا ان کی حدیث معنیً مرسل ہے۔ ہاں ثابت ومتصل احادیث کے خلاف نہیں، لہٰذا مرسل جید قرار پائے گی''۔

اس پر حضور صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

''امام بیہقی کا یہ قول قابل قبول نہیں، اس لیے کہ جب تابعی نے صحابی سے ملاقات کی تصریح کردی تو اب صحابی کی

تعیین نہ کرنے اور نام مبہم رکھنے میں کوئی ضرر نہیں ہے اور حدیث کی ثقاہت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ سارے صحابہ عادل وثقہ ہیں"۔

آپ کی عبارت درج ذیل ہے:

ودعوی البیھقی انه فی معنی المرسل مردودة لان ابهام الصحابی لا یضر وقد صرح التابعی انه لقیه.

اسی طرح ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ حمید کے تلمیذ داؤد بن عبد اللہ الاودی، وہ ابن یزید اودی ہیں اور وہ ضعیف ہیں مردود ہے، کیوں کہ یہ داؤد بن عبد اللہ الاودی ہیں اور یہ ثقہ ہیں۔ امام ابوداؤد وغیرہ نے داؤد کی ولدیت کے ساتھ تصریحاً بیان کیا، اس لیے داؤد بن یزید کا وہم کرنا بیجا ہے۔

(۲)......ایک ہی نام کے دوراویوں کے درمیان فرق نہ کرنے کے وہم کا ازالہ:

باب فرض مسح الرأس فی الوضوء کے تحت امام طحاوی نے ایک سند اس طرح ذکر کیا ہے:

حدثنا یونس و عبد الغنی بن ابی عقیل واحمد بن عبد الرحمن، قالوا اخبرنا ابن وهب قال اخبرنی یحیی بن عبد الله بن سالم، ومالک بن انس عن عمرو بن یحیی المازنی عن ابیه عن عبد الله بن زید بن عاصم المازنی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، الخ.

اس سند میں عبد اللہ بن زید بن عاصم کی شخصیت کی تعیین کرتے ہوئے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کشف الاستار کے صفحہ ۵۹، پر تحریر فرماتے ہیں:

قوله عن عبد الله بن زید هو غیر عبد الله بن زید ابن عبد ربه الذی اری الاذان.

یعنی یہ عبد اللہ بن زید، عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ صاحب الاذان کے علاوہ ہیں اور جنھوں نے دونوں کو ایک کہا ہے، یہ اس کا وہم ہے۔ چنانچہ امام نووی کا قول ہے: عبد اللہ بن زید بن عاصم، عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ کے علاوہ ہیں، متقدمین ومتاخرین حفاظ حدیث کا یہی قول ہے۔

اور علما نے سفیان بن عیینہ کی تغلیط کی ہے۔ ان کے "ھو ھو" میں یعنی دونوں ایک ہیں، اور جنھوں نے سفیان بن عیینہ کی خطا کی صراحت کی ہے، ان میں نمایاں نام امام بخاری کا ہے۔ کتاب الاستقاء میں امام بخاری نے اس کی صراحت کی ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ:

صاحب الاذان عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ کی اذان کے علاوہ کوئی حدیث مروی ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

عبد اللہ بن زید بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن غنم بن مازن بن النجار الانصاری المازنی، مازن بن النجار کی نسل سے ہیں اور مدنی ہیں۔

وہ اور ان کے بھائی حبیب بن زید، ان کے والدین سب صحابی ہیں، یہ اس حدیث کے راوی ہیں اور ابن عیینہ کا یہ وہم ہے کہ یہ صاحب الاذان ہیں، کیوں کہ یہ بڑی عجیب بات ہے، اس لیے کہ صاحب الاذان، عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ بن ثعلبہ بن زید انصاری ہیں، تو دونوں راوی،

نام، ولدیت اور قبیلہ میں مشترک ہیں اور جدیت اور بطن قبیلہ میں مختلف ہیں۔

پس اول مازنی ہیں ثانی حارثی ہیں اور دونوں انصاری خزرجی ہیں تو یہ علوم حدیث کی نوع متفق و مفترق میں داخل ہے۔

اور اس عبد اللہ بن زید سے ۴۸/ احادیث مروی ہیں، جن میں سے ۸/ حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ جب کہ صاحب اذان عبداللہ بن زید سے صرف اذان والی حدیث ہی مروی ہے۔

چنانچہ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے ''لا یعرف لہ غیرہ لکن لہ حدیثان آخران''۔ یعنی عبد اللہ بن زید سے صرف اذان والی حدیث ہی معروف ہے، مگر ان سے دوسری دو حدیثیں اور بھی مروی ہیں، جو غیر معروف ہیں۔

اور اس حدیث کے راوی عبداللہ بن زید بن عاصم ۷۰/ سال کی عمر میں ذی الحجہ ۶۳ھ میں واقعۂ حرہ میں شہید ہوئے اور یہ غزوۂ اُحد میں بھی شریک تھے۔

ابن مندہ اور ابو احمد حاکم اور ابو عبداللہ صاحب مستدرک نے انھیں بدری یعنی غزوۂ بدر میں شریک ہونے والا کہا ہے، مگر یہ وہم ہے۔

صحابۂ کرام کی جماعت میں عبداللہ بن زید بن عاصم نام کے اور کوئی صحابی نہیں ہیں۔ البتہ عبداللہ بن زید نام کے چار دوسرے صحابہ بھی ہیں، انھیں میں صاحب اذان عبداللہ بن زید بن عبدربہ ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی رجال پر گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔ نیز ناقدین حدیث نے راویوں کے سلسلے میں کیا کہا ہے، ان تمام اقوال پر بھی آپ پوری طرح مطلع ہیں اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جو آپ کی نظر تحقیق سے اوجھل ہو۔

(۳)...... کسی راوی کے مجہول ہونے کے شبہ کا ازالہ:

طحاوی شریف میں "باب الذی یجامع ولا ینزل" کے تحت یہ سند مذکور ہے:

حدثنا احمد بن عبد الرحمن قال حدثنا عمی قال اخبرنی عمرو بن الحارث قال قال ابن شهاب حدثنی بعض من ارضٰی عن سهل بن سعد الساعدی ان ابی بن كعب الانصاری اخبره ان رسول الله صلی الله عليه وسلم جعل الماء من الماء رخصة فی اول الاسلام ثم نهی من ذالک.

اس سند میں ابن شہاب زہری کے بعد جو راوی ہیں، ان کی تعبیر "بعض من ارضیٰ" سے کی گئی ہے۔ اس پر کشف الاستار صفحہ ۱۲۷/ پر حضور صدر الشریعہ حاشیہ میں فرماتے ہیں:

قوله بعض من ارضی فان قلت هٰذا الراوی مجهول فلا حجة فيه، الخ.

یعنی اگر تم یہ اعتراض کرو کہ یہ راوی مجہول ہیں تو یہ سند حجت نہیں بن سکے گی۔

قلت. میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ظاہر یہی ہے کہ "بعض من ارضی" سے مراد ابو حازم سلمہ بن دینار اعرج ہیں۔

کیوں کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد یہ کہا ہے "ورویناہ باسناد آخر موصول عن ابی حازم" یعنی ہم نے ایک دوسری سند متصل سے اس حدیث کو ابو حازم سے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث "عن سہل عن ابی بن کعب" محفوظ ہے۔

جیسا کہ ابوداؤد نے اس کی تخریج کی ہے۔ اور ابن عبد البر نے استذکار میں ذکر کیا ہے کہ ابن شہاب زہری نے اِسے ابو حازم سلمہ بن دینار سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ثابت ہے عادل راویوں کے نقل سے۔

اور ابن حبان نے کہا ہے کہ میں نے اس خبر کے طرق واسانید کا تتبع واحاطہ کیا تا کہ یہ دیکھوں کہ کیا سہل بن سعد سے کسی اور نے روایت کیا ہے "فلم اجد فی الدنیا احدا رواہ عن سہل بن سعد الا ابا حازم". یعنی تو دنیا میں ابو حازم کے سوا کسی کو نہیں پایا۔

تو قرین قیاس یہی ہے کہ ابن شہاب زہری نے جس راوی کو "بعض من ارضی" کہا ہے وہ ابو حازم ہی ہیں۔

نیز ابوداؤد میں ایک سند اسی طرح ہے:

حدثنا محمد بن مهران الرازی قال حدثنا بشر الحلبی عن محمد بن غسان عن ابی حازم عن سهل بن سعد قال حدثنی ابی بن کعب عن الفتیا التی کانوا یفتون ان الماء من الماء کان رخصة رخصها رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بدء الاسلام ثم امرنا بالاغتسال بعد.

اسے ابن ماجہ وترمذی نے بھی تخریج کیا ہے۔ اور ترمذی نے "هذا حدیث حسن وصحیح" بھی کہا ہے۔

اس پوری بحث میں ایک متن حدیث کی متعدد سندوں پر حضور صدر الشریعہ کی وسعت نظری نے نام نہ ہونے پر راوی کے مجہول ہونے کے وہم کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ اس سے علم حدیث میں حضور صدر الشریعہ کی دقیقہ رسی وژرف نگاہی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔

سچ ہے! خدا جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے، اس کا سینہ علوم ومعارف کا گنجینہ بن جاتا ہے۔

امام واقدی کی توثیق کی ترجیح:

امام طحاوی نے کتاب الطہارت "باب الماء تقع فیه النجاسة" کے تحت بیر بضاعہ کی قرار واقعی حیثیت کی بحث میں امام واقدی کے قول کو بطور سند ذکر کیا ہے۔

امام طحاوی کی عبارت اس طرح ہے:

قد حکی هذا القول الذی ذکرناہ فی بیر بضاعة عن الواقدی انها کانت کذالک.

یعنی واقدی کا قول ہے کہ بیر بضاعہ مثل نہر تھا۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

قد کان ماء ها جاریا فی البساتین یسقی منه خمس بساتین.

حضور صدر الشریعہ کشف الاستار صفحہ ۱۸ ار پر فرماتے ہیں:

"قال فی البحر اعترض علیه البیهقی، بکون الواقدی لا یحتج بما یسنده فضلا عما یرسله".

البحر الرائق میں ہے کہ طحاوی نے واقدی سے جو استناد کیا ہے، اس پر بیہقی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ واقدی کا قول

حجت نہیں ہے، خواہ بطور مسند ہو پھر بطور ارسال ان کا قول کیسے حجت ہوسکتا ہے۔

اس پر حضور صدر الشریعہ واقدی کی توثیق پر شہادت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلنا قد اثنی علیه الدروادری، و ابوبکر ابن العربی، و ابن الجوزی، و جماعة.

کہ واقدی کی تعریف دراوردی، ابوبکر بن العربی، ابن الجوزی اور ایک گروہ نے کی ہے، پھر واقدی قابل احتجاج کیوں نہیں ہوں گے۔

پھر اسے مدلل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والدلیل علی انه کان جاریا ان الماء الراکد اذا وقع فیه قذرة الناس.

یعنی بیر بضاعہ کے نہر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ مائے راکد میں وقوع نجاست سے تغیر اوصاف ہونے کے بعد پانی کا نجس ہونا مجمع علیہ ہے، جب کہ حدیث مذکور میں کوئی استثنا نہیں ہے جو بیر بضاعہ کے مائے جاری ہونے پر واضح دلیل ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام نووی نے شرح مہذب میں ابو داؤد سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنی چادر کو بیر بضاعہ پر پھینک کر اس کو ناپا تو وہ چھ ذراع تھا، پھر میں نے بستانی سے پوچھا کہ کیا اس کی بنا میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا اور اس کا پانی متغیر تھا۔

صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

امام طحاوی نے جو ذکر کیا ہے، وہ اثبات ہے۔ اور ابو داؤد نے جو بستانی سے نقل کیا ہے، وہ نفی ہے۔ اور اثبات نفی پر مقدم ہے۔ نیز بستانی مجہول ہے تو پھر مجہول کی بات کیسے حجت ہوسکتی ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ابو داؤد کا وصال ۱۵؍ شوال ۲۷۵ھ میں بصرہ میں ہوا ہے تو ان کے اور زمانۂ نبوی کے درمیان لمبا عرصہ ہے، اس عرصے میں تبدیلی ہونا غالب ہے، لہٰذا امام نووی کا اعتراض ساقط ہے۔

اس پوری گفتگو میں حضور صدر الشریعہ کا علمی جلال پورے شباب پر نظر آتا ہے۔ اولاً امام طحاوی کی تائید، ثانیاً امام واقدی کی توثیق، ثالثاً حدیث کے معنی کی توضیح، رابعاً امام نووی کے اعتراض کا ابطال۔

راویوں کے درمیان التباس پر تنبیہ:

مذکورہ باب کے تحت "ماء الراکد" یعنی غیر جاری کے سلسلے میں امام طحاوی نے ایک سند ذکر کی ہے:

حدثنا ابراهیم بن منقذ العصفری قال حدثنی ادریس بن یحیی قال حدثنا عبد الله بن عیاش عن الاعرج عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم، الخ.

اس سند میں نام کے بجائے صرف اعرج وصفِ راوی مذکور ہے۔

اس پر حضور صدر الشریعہ کشف الاستار کے صفحہ ۲۴؍ پر تحریر فرماتے ہیں:

هو عبد الرحمن بن هرمز والاعرج صفته وهو تابعی مدنی قرشی مولی ربیعه بن الحارث بن

عبد المطلب.

یعنی اعرج سے مراد یہاں عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں اور اعرج راوی کا وصف ہے اور یہ راوی یعنی عبدالرحمٰن بن ہرمز تابعی قریشی مدنی ہیں جو ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے آزاد کردہ ہیں۔ اور یہ ابوسلمہ اور عبدالرحمٰن بن القاری کے تلمیذ اور امام زہری اور یحیٰ بن ابی کثیر وغیرہ بہت سے افراد کے شیخ ہیں، ان کی ثقاہت متفق علیہ ہے، صحیح قول پر ان کا وصال اسکندریہ میں ۱۱۷ھ میں ہوا ہے۔

پھر ایک علمی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم ان مالکا لم یرو عن عبد الرحمن بن هرمز هذا الا بواسطة اما عبد الله بن یزید بن هرمز فقد روی عنه مالک واخذ عنه الفقه.

یعنی صاحب مذہب امام مالک علیہ الرحمہ نے اس عبدالرحمٰن بن ہرمز سے بلا واسطہ روایت نہیں کیا ہے، بلکہ بالواسطہ روایت کیا ہے۔ البتہ ایک دوسرے راوی عبداللہ بن یزید بن ہرمز ہیں، ان سے امام مالک نے روایت کیا ہے اور ان سے علم فقہ بھی پڑھا ہے۔

یہ مدینہ منورہ کے ایک عظیم محدث وفقیہ ہیں، مگر بہت قلیل الروایت ہیں، ان کا وصال ۱۴۸ھ میں ہوا ہے تو امام مالک علیہ الرحمہ جہاں کہیں ابن ہرمز سے نقل و حکایت کرتے ہیں، ان سے یہی عبداللہ بن یزید بن ہرمز فقیہ مراد ہیں، نہ کہ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج۔ بہت سے لوگ اس میں التباس کا شکار ہو جاتے ہیں، اس لیے یہ یاد رکھنا ضروری ہے۔

حضور صدر الشریعہ نے اگرچہ یہ ساری بحث عینی شرح بخاری سے اخذ کی ہے، مگر اس سے یہ بات تو ظاہر ہی ہو جاتی ہے کہ روایوں کے احوال پر شراح حدیث کا کلام پورے طور سے حضور صدر الشریعہ کی نظر میں ہے، جو آپ کے بے دار مغزی کی روشن دلیل ہے۔

مطر الوارق کے بارے میں اقوال عدیدہ کا احصاء:

"باب اکل ما غیرت النار هل یوجب الوضوء ام لا" کے تحت پہلی سند اس طرح ہے:

حدثنا ابن ابی داؤد واحمد بن داؤد قالا حدثنا ابو عمر الحوضی قال حدثنا همام عن مطر الوارق قال قلت عمن اخذ الحسن الوضوء مما غیرت النار، قال اخذه الحسن عن انس، الخ.

اس سند میں چوتھے نمبر پر مطر الوارق کا نام ہے۔ حضور صدر الشریعہ کشف الاستار صفحہ ۱۳۷ر پر مطر الوارق کا تعارف کراتے ہوئے ان کے سلسلے میں ناقدین کا قول تفصیلاً ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"قوله عن مطر الوارق، الخ. هو مطر بن طهمان الوراق........".

یعنی یہ مطر بن طہمان وراق، ابورجا خراسانی سلمی ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ ہیں۔ ابوطالب احمد بن حنبل کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ یحیٰ بن سعید عطا سے روایت کرنے میں مطر کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

اور عبد اللہ بن احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد احمد بن حنبل سے مطر کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید مطر وراق کی حدیث کو سوئے حفظ میں ابن ابی لیلیٰ کی حدیث کے مثل قرار دیتے تھے، پھر میں نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا: صرف عطا سے روایت میں مطر، ابن ابولیلیٰ سے مشابہ ہیں اور ضعیف ہیں۔ عبد اللہ فرماتے ہیں: میں نے یحییٰ بن معین سے مطر کا تذکرہ کیا تو انھوں نے کہا ضعیف فی حدیث عطا اور اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن معین کے حوالہ سے فرمایا "هو صالح الحديث".

اور ابوذرعہ کا قول ہے: مطر کی روایت حضرت انس سے مرسلا صالح یعنی درست ہے، لیکن مطر نے حضرت انس سے سماع نہیں کیا ہے۔

اور ابن ابوحاتم کا قول ہے: میں نے اپنے والد سے کہا کہ کیا مطر نے حفصہ سے سماعت کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا "هو اكبر من حفصة" یعنی مطر حفصہ سے بڑے ہیں اور یہ بھی کہا کہ میں نے والد سے ان کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: "هو صالح الحديث". سلیمان بن موسیٰ سے میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں اور قتادہ کے تلامذہ میں سب سے بڑے تھے۔

امام نسائی کا قول ہے کہ وہ قوی نہیں ہیں۔ البتہ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ لوگوں میں کیا ہے، طاعون سے قبل ۱۲۵ھ میں انتقال ہوا ہے۔

امام بخاری نے اپنی جامع میں "باب التجارة فی البحر" میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ خلیفہ کا قول ہے کہ "مطر لا باس به". ابن سعد کا قول ہے کہ مطر میں حدیث کے سلسلے میں ضعف تھا۔ عجلی نے کہا کہ وہ بصری و صدوق ہیں اور کبھی کہتے "لا بأس به". ان سے پوچھا گیا کہ وہ تابعی ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ ابوبکر بزار کا قول ہے "ليس به باس" آجریٰ نے ابوداؤد کے حوالہ سے کہا "ليس هو عندی بحجة ولا يقطع به فی حديث اذا اختلف". یعنی وہ میرے نزدیک مقبول نہیں ہیں اور اختلاف کے وقت ان کی حدیث پر اعتماد نہ ہوگا۔ ساجی کا قول ہے کہ "صدوق يهم". یعنی سچے ہیں، مگر وہم کرتے ہیں۔

اور ابن حبان نے جب ان کا ذکر کیا تو کہا "ربما اخطأ" کبھی کبھی خطا کرتے تھے اور اپنی رائے میں خود پسند تھے اور میں نے ابن حمدون کے تذکرہ میں پڑھا کہ ابوجعفر منصور نے انھیں قتل کیا۔ اس تقدیر پر ان کی وفات ۱۴۰ھ کے قریب واقع ہوئی۔

راوی حدیث مطر الوراق کے سلسلے میں مختلف ناقدین کے اقوال پر اطلاع کے ذریعہ حضور صدر الشریعہ نے رجال پر اپنی وسعت نظری کا کامل منظر پیش کر دیا ہے، جس سے متن کے ساتھ رجال پر گرفت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور احادیث کے معانی کے ساتھ اسناد کی باریکیوں پر کتنی گہری نظر ہے، جس سے حدیثوں کے مراتب و درجات کا تعین ہوتا ہے۔

ذالک فضل الله يؤتيه من يشاء بغير حساب

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ قدس سرہ
اور عربی نثر نگاری

علامہ رضوان احمد نوری شریفی

مخدوم زادہ حضرت مولانا علاء المصطفیٰ صاحب قادری زید مجدہ کی فرمائش پر ''کشف الاستار اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھ چکا تھا، لیکن دوبارہ فرمائش ہوئی کہ حضور کی عربی نثر نگاری سے متعلق بھی ایک تحریر پیش کروں، لہٰذا تعمیل کرتے ہوئے ''حضور صدر الشریعہ قدس سرہ اور عربی نثر نگاری'' کے عنوان سے ایک دوسرا مقالہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ اس مقالہ میں پہلے مقالہ کی اکثر و بیشتر عبارتیں تحریر کی گئی ہیں، جن کے ترجمے کے بغیر صرف عبارت کے حسن و جمال کو بیان کیا گیا، اس لیے کہ پہلے مقالہ میں ان عبارتوں کا ترجمہ وتشریح موجود ہے۔ ان کے علاوہ جو عبارتیں ہیں، ان کے محاسن کے ساتھ ترجمہ بھی کر دیا گیا۔

مادری زبان اور ادب میں درک حاصل کرنا، خوبی و کمال کی بات ہوتی ہے۔ لیکن اجنبی زبان و ادب میں درک حاصل کرنا، اس سے کہیں زیادہ کمال و خوبی کی بات ہے۔ بالخصوص عربی زبان میں مہارت حاصل ہونا انتہائی کمال و خوبی کی بات ہے، اس لیے کہ عربی زبان بہت ہی وسیع اور مشکل زبان ہے، کیوں کہ اس کے اصول وضوابط، قوانین وقواعد، اور زبانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ دشوار اور مشکل ہیں۔ اسی لیے عام طور سے عجمی کے لیے عربی قواعد وقوانین، سیکھنے، سمجھنے، پڑھنے اور بولنے کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے، پھر بھی کافی تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے، جو کوشش کے باوجود نہ عربی سمجھتے ہیں نہ ہی بول پاتے ہیں اور کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی ذہانت و فطانت اور فطری صلاحیت و رغبت کی وجہ سے بہت جلد اس زبان میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ انھیں لوگوں میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی بھی ہے۔

آپ کو عربی زبان و ادب میں کافی عبور حاصل تھا۔ مافی الضمیر کو فصیح اور شستہ الفاظ میں برجستگی کے ساتھ ادا کرنے پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ میں نے جہاں جہاں کشف الاستار کی عبارتوں کو دیکھا ان کو فصیح و بلیغ ہی پایا۔ اس کی عبارتیں تنافر حروف، غرابت، مخالفت قیاس لغوی، تنافر کلمات، تعقید معنوی اور تعقید لفظی سے پاک وصاف اور مقتضائے حال کے مطابق ہیں اور پورا حاشیہ فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ اسلوب اور طرزِ بیان بڑا پیارا اور دل کش ہے۔ مشکل الفاظ سے اجتناب اور آسان الفاظ کا

استعمال، زبان کی شائستگی، سلاست وروانی سے آراستہ ہے۔ محاسن لفظیہ اور معنویہ سے عبارتیں مرصع ہیں۔ جہاں ایجاز، مساوات اور اطناب کے دواعی واسباب موجود تھے، اسی کے مطابق مختصر مساوی اور طویل عبارتیں ہیں۔

الغرض پورا حاشیہ عربی زبان وادب میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ کی بہترین دلیل ہے۔ ذیل میں چند اصطلاحی کلمات کی وضاحت کردوں، جو تقریباً پورے حاشیہ کے حسن و جمال میں اضافے کا سبب ہیں۔

انسان کے دل ودماغ میں جو معانی ہوتے ہیں، ان کو تین طریقوں سے بیان کیا جاتا ہے:

(۱) معنیٔ مقصود کو اگر ایسی عبارت سے ادا کیا جائے جو معانی کے برابر ہوں تو اس کو مساوات کہتے ہیں۔

(۲) اگر معنیٔ مقصود کو ایسی عبارت سے ادا کیا جائے جو معانی کے بہ نسبت کم ہو لیکن اس سے غرض پوری ہو جاتی ہے تو اس کو ایجاز کہتے ہیں۔

(۳) معنیٔ مقصود کو ایسی عبارت سے ادا کیا جائے جو اس معنی کی بہ نسبت زائد اور مفید ہو تو اس کو اطناب کہتے ہیں۔

(۴) طباق: کلام میں دو یا زیادہ ایسے معنوں کو اکٹھا کرنا جو ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہوں اس کو تضاد اور تقابل بھی کہتے ہیں۔

(۵) مراعاۃ النظیر: کلام میں چند ایسی چیزوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے جن میں تضاد کی نسبت کے سوا کسی اور طرح کی مناسبت اور موافقت ہو۔

(۶) افتنان: یہ وہ صنعت معنوی ہے جس میں دو مختلف فنون کو فنون و اغراض متکلم میں سے ایک کلام میں اکٹھا کرتے ہیں۔

(۷) جمع: متعدد چیزوں کو ایک حکم کے تحت اکٹھا کرنے کو جمع کہتے ہیں۔

(۸) تقسیم: یا تو کسی شی کی تمام قسموں کو پورے طور پر بیان کرنے کو کہتے ہیں، یا چند چیزوں کو اس طرح بیان کرنے کو کہتے ہیں کہ ہر ایک کو اپنے منسوب کی طرف تعیین کے ساتھ لوٹایا جاسکے۔

(۹) ائتلاف اللفظ مع المعنی: اس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ، معانی کے مطابق وموافق ہوں، یعنی فخر اور بڑائی، بہادری اور دلیری کے لیے بھاری بھرکم الفاظ اور عشق و محبت، الفت وعقیدت کے لیے نرم و نازک، عمدہ کلمات استعمال کیے جاتے ہیں۔

(۱۰) سجع: نثر میں دو فقروں کے آخری کلمات باہم متفق ہوں۔

(۱۱) جناس: دو لفظوں کا بولنے میں مشابہ ہونا، نہ کہ معنی میں۔ اگر اس کے حروف، ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب میں متفق ہوں تو تام ہے، ورنہ غیر تام ہے۔ اگر دونوں لفظ ایک ہی نوع کے ہوں تو متماثل اور دو نوع کے ہوں تو مستوفی کہلاتا ہے۔ اگر دونوں لفظ میں سے ایک مرکب ہو اور دوسرا مفرد تو متشابہ کہلاتا ہے۔

ذیل میں چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں، جو حسن وجمال سے آراستہ اور مزین ہیں:

(۱) "باب الماء تقع فيه النجاسة" کے تحت ایک حدیث میں "وهي بير يلقى فيها ما يلقى من النتن" کی عبارت ہے، جس میں "النتن" کا معنی تلفظ کے ساتھ بیان

فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"النتن بفتح النون وسكون التاء وقد تكسر الرائحة الكريهة والمراد هٰهنا الشيء النتن كالقذرة والجيفة". (كشف الاستار، ج: ١/ص: ١٧)

اس عبارت میں "قد تكسر" میں ایجاز ہے، اس لیے کہ اسم ظاہر التاء کا ذکر نہ کر کے ضمیر مستتر سے کام لیا گیا، جس سے کم عبارت میں غرض پوری ہوگئی۔

اور اس پوری عبارت میں اطناب بھی ہے، اس لیے کہ "النتن" کے صرف لغوی معنی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ حدیث شریف میں اس سے جو چیز مراد ہے، اس کو بیان کرنے کے لیے "والمراد هٰهنا الشيء المنتن" کی عبارت بڑھائی۔ اور "الشيء المنتن" کی وضاحت اور اس کو سمجھانے کے لیے "كالقذرة والجيفة" کی عبارت بڑھائی۔ لہٰذا مذکورہ عبارت میں ایجاز واطناب دونوں کی صنعت ہے۔

(۲) جہاں امام طحاوی قدس سرہ نے بدن اور زمین کے نجس نہ ہونے سے متعلق مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی:

"وكيف يكون ذلك وقد امر بالمكان الذى بال فيه الاعرابى من المسجد ان يصيب عليه ذنوب من ماء".

اس عبارت میں لفظ "ذنوب" پر حاشیہ تحریر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله ذنوب قال الخليل الدلو ملأى ماءً وقال ابن فارس الدلو العظيمة وقال ابن السكيت ماء قريب من الملأ ولا يقال وهى فارغة ذنوب كما فى الفتح. (كشف الاستار، ج: ١/ص: ٢٠)

اس عبارت میں اطناب اور تقسیم دونوں صنعت ہے۔ اس لیے کہ ذنوب سے متعلق جتنے معانی تھے ان کو بیان کرنے کے لیے عبارت طویل ہوئی، جو فائدہ سے خالی نہیں۔

(۳) جلد ۱/صفحہ ۱۴۲/ پر "حدثنا يونس والربيع المؤذن قالا حدثنا اسد، ح" میں صرف "ح" پر حاشیہ آرائی فرمائی ہے:

(۲۲) قوله "ح" الخ اذا كان للحديث اسنادان او اكثر كتبوا عند الانتقال من اسناد الى اسناد ح وهى حاء مهملة مفردة والمختار انها مأخوذة من التحول لتحوله من اسناد الى اسناد آخر وانه يقول القارى اذا انتهى اليه ح ويستمر قراء ة مابعدها وفائدته ان لا يركب الاسناد الثانى مع الاسناد الاول فيجعلا اسنادا واحدا قيل انها من حال بين الشيئين اذ حجز لكونها حالة بين الاسنادين وانه لا يلفظ عند الانتهاء اليها بشيء ليست من الرواية وقيل انها رمز الى قوله الحديث وان اهل المغرب كلهم يقولون اذا وصلوا اليها الحديث وقد كتب جماعة الحفاظ موضعها "صح" فيشعر بانها رمز "صح" وحسنت هٰهنا كتابته لئلا يتوهم انه سقط متن الاسناد الاول.

مذکورہ بالا عبارت میں اطناب اور تقسیم کی صنعتیں ہیں، اس لیے کہ حرف "ح" سے متعلق جتنے اقوال اور جتنی باتیں تھیں سب کو اکٹھا فرما دیا، جس کی وجہ سے عبارت طویل ہوگئی جو افادیت سے خالی نہیں۔

(۴) "دعوه ای اترک قال فی المرقاۃ فانه معذور لانه لم یعلم عدم جواز البول فی المسجد لقربه بالاسلام وبعده عنه علیه الصلوٰۃ والسلام وکان فی الفتح کان هذا الامر بالترک عقب زجر الناس له انما ترکه یبول فی المسجد لانه کان شرع فی المفسدة فلو منع لزاد اذ حصل تلبیث جزء من المسجد فلو منع لدار بین الامرین اما ان یقطعه فیتضره واما ان لا یقطعه فلا یأمن من تنجیس بدنه وثوبه او مواضع أخری من المسجد". (ج: ۱/ص: ۲۱)

مندرجہ بالا عبارت سے "دعوه" سے متعلق اطمینان بخش شرح فرمائی، جس کی وجہ سے عبارت طویل ہوگئی، جو اطناب کی ایک صورت ہے اور "لقربه بالاسلام" اور "وبعده عنه" کے درمیان اور "ان یقطعه، وان لا یقطعه" کے درمیان تضاد و طباق کی صنعت اور "تنجیس بدنه او ثوبه او مواضع أخری" میں مراعاۃ النظیر کی صنعت ہے۔

۵. (۷) "قوله کلما خفض ورفع: هو عام فی جمیع الانتقالات فی الصلوة لکن خص منه الرفع من الرکوع بالاجماع فانه شرع فیه التحمید فاما ان یقال ان قوله ویکبر علی التغلیب حیث اطلق التکبیر علی التحمید ایضا واما ان یقال ان فی التحمید اظهار عظمته تعالی فلذا اطلق علیه التکبیر قال ابن حجر لقد جاء بهٰذا اللفظ العام ایضا من حدیث ابی هریرة وابی موسی وابن مسعود وعمران بن حصین وابن عباس ومن حدیث بن عمر عند احمد والنسائی ومن حدیث عبد الله بن زید عن سعید بن منصور ومن حدیث وائل بن حجر عند ابن حبان ومن حدیث جابر عند البزار". (کشف الاستار، ج: ۲/ص: ۸)

اس پوری عبارت میں کلما کے عموم کو سمجھانے کے لیے عمدہ انداز میں تشریح فرمائی، جس کی وجہ سے عبارت طویل ہوگئی، اس لیے اس عبارت میں اطناب کی صنعت موجود ہے۔

۶. (۲) "کان رسول الله صلی الله علیه وسلم وابوبکر وعمر یتمون التکبیر یکبرون اذا سجدوا واذا رفعوا واذا قاموا من الرکعة". کشف الاستار، ج: ۲/ص: ۹)

اس میں "یتمون التکبیر" پر حاشیہ آرائی فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(۱۰) "قوله یتمون التکبیر ای اعداده فیکون قوله یکبرون الخ، بیانا له والتکبیرات فی الثنائیة احدی عشرة تکبیرة وهی تکبیرة الاحرام وخمس فی کل رکعة وفی الثلاثیة سبع عشرة وهی تکبیرة الاحرام وتکبیرة القیام من التشهد الاول وخمس فی کل رکعة منها وفی الرباعیة ثنتان وعشرون وفی الصلوات الخمس اربع وتسعون تکبیرة فی کل یوم ویحتمل ان یکون معناه مد التکبیر الی ان یصل الی حد الرکوع او السجود".

مذکورہ عبارت میں مساوات اور اطناب دونوں

صنعت ہے، اس لیے کہ "یتمون التکبیر" کے بعد "أی اعداده" معنی کے برابر عبارت ہے۔ اور "التکبیرات فی الثنائیة" سے اخیر تک طویل عبارت میں اطناب ہے، جو افادیت سے خالی نہیں۔

۷۔ (۷) ابو مسعود انصاری کی حدیث "کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ليلنی منکم اولوا الاحلام والنهی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم" میں "ليلنی" پر حاشیہ آرائی یوں فرمائی ہے:

(۲۶) "قوله ليلنی: قال الطيبی هو بكسر اللام وتخفيف النون من غير ياء قبل النون ويجوز اثبات الياء مع تشديد النون على التوكيد كذا قاله النووی وقال التور پشتی من حق هٰذا اللفظ ان يحذف منه الياء لانه على صيغة الامر وقد وجدنا باثبات الياء وسكونها فی سائر كتب الحديث والظاهر انه غلط اهـ اقول لو قرئ باسكان الياء فهو غلط لانه امر يجب فيه حذف الياء واما لو قرئ بفتح الياء وتشديد النون فهو صحيح كما قاله النووی والاحلام جمع حلم بالكسر كانه من الحلم والاناة والتثبت فی الامور وذلک من شعار العقلاء وقال بعضهم المراد باولی الاحلام البالغون فحينئذ الاحلام جمع حلم بالضم والنهی بضم النون العقول جمع نهية بضم النون وهی العقل وسمی العقل نهية لانه ينتهی الى ما امر به ولا يتجاوز وقيل لانه ينهی عن القبائح وقال ابو علی الفارسی يجوز ان يكون النهی مصدر كالهدی وان يكون جمعا كالظلم فعلى قول من يقول "اولوا الحلام العقلاء" يكون اللفظان بمعنى واحد ولما اختلف اللفظ عطف على الآخر تاكيدا فهو من باب الفی قولها كذبا ومينا وهو كثير فی الكلام وعلى قول من يجعلها بمعنى "البالغين" يكون ليلنی البالغون العقلاء وانما امرهم ليلوه ليحفظوا صلواته ويضبطوا الاحكام والسنن التی فيها ويبلغونها فياخذ عنهم من بعدهم".

(كشف الاستار، ج:۲/ص:۲۵)

اس پوری عبارت میں افتنان، تقسیم اور ائتلاف اللفظ مع المعنی کی صنعتیں ہیں۔ اس لیے کہ اس عبارت میں لغت، نحو، صرف، شرح حدیث کے فنون کو جمع فرمایا ہے۔ لہٰذا اس میں افتنان کی صنعت ہے۔ اسی طرح احلام اور نہی کی تمام صورتوں کو بیان فرمایا، لہٰذا تقسیم کی صنعت بھی ہے اور جن فنون کو اس عبارت میں جمع فرمایا، انھیں کے مطابق الفاظ استعمال فرمائے۔ لہٰذا ائتلاف اللفظ مع المعنی کی صنعت بھی ہے۔

۸۔ جلد دوم کے شروع باب میں حدیث ابن زیاد کو ذکر کیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر انتقال پر رفع یدین کیا اور بعد میں عاصم ابن کلیب کی حدیث ذکر کی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا۔ اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فحديث عاصم بن كليب هٰذا قد دل على ان حديث ابن ابی الزناد على احد وجهين اما ان يكون فی نفسه سقيما او لا يكون فيه ذكر الرفع اصلا.

اس عبارت میں "علی احد وجھین" پر حاشیہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

(۱۸) "قوله علی احد وجهين الخ: يعنی ان حديث علی رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله عليه وسلم فی رفع اليدين المذكور فی اول الباب يحتمل وجهين، اما ان يكون ذلک الحديث فی نفسه سقيما او لا يكون فيه ذكر الرفع كما رواه غير عبد الرحمن بن ابی الزناد وليس فيه ذكر الرفع فان كان الاول فلا حاجة للخصم به وان كان حديث ابی الزناد صحيحا لان فيه زيادة والزيادة من الثقات مقبولة فترک علی رضی الله عنه رفع اليدين بعد النبی صلی الله عليه وسلم مع انه رای النبی صلی الله عليه وسلم يرفع يديه دليل علی نسخ رفع لانه لو كان ثابتا ما تركه".

اس عبارت میں "سقیما" اور "صحیحا" اسی طرح "ترک" اور "ما ترکه" کے درمیان تضاد وطباق کی صنعت ہے اور معانی کے برابر عبارت بھی ہے، لہٰذا مساوات کی صنعت بھی ہے۔

(۹) عاصم ابن کلیب کی حدیث میں "ان علیا رضی اللہ عنه کان یرفع یدیه" کی تائید میں حاشیہ میں دوسری روایت کا ذکر فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(۱۷) "قوله ان عليا رضی الله الخ، قال محمد بن الحسن فی المؤطا وفی كتاب الحج اخبرنا محمد بن ابان بن صالح عن عاصم بن كليب الجرمی عن ابيه قال: رأيت علی ابن ابی طالب رضی الله عنه رفع يديه عند التكبيرة الاولی فی الصلوة المكتوبة ولم يرفعهما فی ما سوی ذلک". (كشف الاستار، ج:۲/ ص:۲۰/ ۲۱)

اس عبارت میں "رفع یدیه" اور "لم یرفعهما" کے درمیان تضاد وطباق ہے۔

(۱۰) حضرت امام طحاوی قدس سرہ نے حدیث وائل کی مخالفت میں یہ ذکر فرمایا:

"فقد ضاده ابراهيم بما ذكر عن عبد الله انه لم يكن رای النبی صلی الله عليه وسلم فعلی ما ذكر فعبد الله اقدم صحبة لرسول الله صلی الله عليه وسلم وافهم لافعاله من وائل".

اس عبارت میں "فعبد الله اقدم صحبة لرسول الله صلی الله علیه وسلم" پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۲۳) "قوله فعبد الله اقدم صحبة: لانه اسلم بمكة قديما وهاجر الهجرتين وشهد بدرا والمشاهد كلها وكان صاحب نعل رسول الله صلی الله عليه وسلم ووساده وسواكه وطهوره فی السفر وقال ابو النعيم كان سادس الاسلام وكان يشبه بالنبی صلی الله عليه وسلم فی هديه ودله وسمته وقال ابو موسی الاشعری رضی الله عنه لقد رأيت رسول الله صلی الله عليه وسلم وما اری ابن مسعود و الا من اهله وقال علقمة كان عبد الله اشبه بالنبی صلی الله عليه

وسلم وعن عبد الله ابن يزيد قال اتينا حذيفة فقلنا له حدثنا باقرب الناس برسول الله صلى الله عليه وسلم هديا ودلا وسمتا ناخذ عنه ونسمع منه قال كان اقرب الناس برسول الله صلى الله عليه وسلم هديا وسمتا ودلا عبد الله ابن مسعود حتى يتوارى عنا فی بیته وقال ابو موسى الاشعرى رضى الله عنه فيه لا تسألونى عن شیء ما دام هٰذا الحبر فيكم يعنى ابن مسعود". (کشف الاستار، ج:۲/ ص:۲۴)

اس تشریحی عبارت میں "نعل وساد وسواک" اور "طهور" میں مراعاۃ النظیر ہے۔ اسی طرح "هديا ودلا وسمتا ناخذ عنه ونسمع منه" میں مراعاۃ النظیر اور جناس ہے اوراس پوری عبارت میں تقسیم کی صنعت بھی۔

اس لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدیم صحابی ہونے کے تمام اسباب اوراس کی تمام صورتوں کو بیان فرمادیا، لہٰذا اس میں تقسیم کی صنعت بھی ہے۔

(۱۱) مس ذکر کے متعلق بحث کرتے ہوئے جہاں امام طحاوی نے فرمایا:

"فهٰذا حديث ملازم صحيح مستقيم الاسناد غير مضطرب فی اسناده ولا فی متنه".

اس میں لفظ صحیح پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے راویوں کی ثقاہت اور صداقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۳۷) "قوله حديث ملازم صحيح قال الترمذى وحديث ملازم ابن عمرو وعن عبد الله ابن بدر اصح واحسن فان ملازم بن عمرو وقيس بن طلق صدوقان وعبد الله ابن بدر ثقة وطلق ابن على صحابى فالسند جيد قوى".

اس عبارت کے سند کے عمدہ ہونے کے لیے "صدوقان، ثقة" اور "صحابی" کے الفاظ کے استعمال میں ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ کی صنعت ہے۔

۱۲. (۳۶) "قوله واما وجه هٰذا الباب من طريق النظر الخ، اعترض عليه ابن حجر بقوله "هو عجيب فان القياس فی مقابلة النص فاسد على انهم لم يجمعوا على ترک الرفع بين السجدتين كما زعم، بل ذهب جماعة الى مشروعيته".

مذکورہ نظریہ کے بارے محشی علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں:

"اقول: هٰذا وهم نشأ من عدم فهمه كلام الطحاوى فان غرضه أن عند تعارض السنن يصار الى القياس كما هو المقرر وليس هو معارضة النص بالقياس او غرضه ان الرفع عند السجود منسوخ عندنا وعند الخصم فاما ان يلحق الرفع عند الركوع بالمنسوخ او بالرفع عند الافتتاح والظاهر الاول والمراد بالاجماع اتفاقنا مع الخصم".

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں کہ یہ وہم ہے جو امام طحاوی قدس سرہ کے کلام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا، اس لیے کہ ان کی غرض یہ ہے کہ جب سنن میں تعارض ہوتو قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جیسا کہ طے شدہ بات ہے اور ایسی صورت میں نص قیاس کے معارض نہیں ہوگی، یا ان کی یہ غرض ہے کہ

ہمارے اور ہمارے مقابل کے درمیان سجدہ کرنے کے وقت رفع یدین منسوخ ہے، اس طور پر کہ رکوع کے وقت رفع یدین کو منسوخ مانا جائے یا افتتاح کے وقت رفع یدین مشروع مانا جائے اور ظاہر پہلا معنی ہے اور اجماع سے مراد مقابل کے ساتھ ہمارا متفق ہونا ہے۔

اس عبارت میں "عندنا و عند الخصم" میں تضاد ہے۔ اور "فاما ان یلحق الرفع عند الرکوع بالمنسوخ او بالرفع عند الافتتاح والظاهر الاول" میں لف ونشر مرتب ہے، اس لیے کہ اس کا تعلق پہلی صورت ہے اور "المراد بالاجماع" کا تعلق "عندنا وعند الخصم" سے ہے، لہٰذا یہ لف ونشر غیر مرتب کی صنعت سے ہے۔

(۱۳) کشف الاستار جلد ۲ رصفحہ ۲۷۴ رمیں صلوٰۃ خوف سے متعلق ایک حدیث میں "ثم سلم" ہے۔ جس کے بارے میں امام طحاوی نے فرمایا:

"وکان قوله ثم سلم بعد الرکعة الاولی یحتمل ان یکون سلاما لا یرید به قطع الصلوة ولکن یرید به اعلام المامومین موضع الانصراف".

اس عبارت میں "یحتمل ان یکون" پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وهٰذا التاویل لابد منه لتتوافق الآثار ولاتتضاد".

ترجمہ:۔ اور یہ تاویل ضروری ہے تا کہ آثار واحادیث ایک دوسرے کے موافق ہوں نہ کہ مخالف۔

"لتتوافق الآثار ولا تتضاد" میں تضاد اور جناس کی صنعتیں ہیں۔

(۱۴) نقض وتر سے متعلق طحاوی شریف میں یہ عبارت ہے:

"فلیس له اصل فی النظر"

اس پر حاشیہ آرائی یوں فرمائی ہے:

"ای من قال بنقض الوتر بان یصلی رکعة واحدة فی آخر اللیل وینقض وتره الذی صلی فی اول اللیل بهٰذه الرکعة، لا نظیر له فی الشرع بان من صلی صلوة وقطعها بالسلام ثم تکلم وعمل عملا ینافی الصلوة ونام فلا یمکن ان یضم بصلوته هٰذا رکعة اخری وتکون هٰذا الرکعة مع صلواته الاولی صلاة واحدة". (کشف الاستار، ج: ۲رص: ۳۸۲)

ترجمہ:۔ یعنی جو نقض وتر کا قائل ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں ایک رکعت پڑھے اور اول شب میں جو وتر پڑھی ہے اس میں ضم کر دیں، شرع میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے، اس لیے کہ جس نے ایک نماز پڑھی اور اس کو سلام کے ذریعہ قطع کر دیا پھر گفتگو کی اور ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہے اور سو گیا تو ممکن نہیں کہ اپنی پڑھی ہوئی نماز سے دوسری رکعت کو ضم کر کے ایک نماز مان لی جائے۔

اس عبارت میں "وقطعها بالسلام، ثم تکلم، وعمل عملا ینافی الصلوة ونام" میں مراعاۃ النظیر کی صنعت ہے۔

رضوان احمد نوری شریفی

خادم الجامعۃ البرکاتیہ

نوری نگر، مانک پوراسنا، سورج پور روڈ، گھوسی

۵ر رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ
کی فقہی بصیرت کشف الاستار کے حوالے سے

مفتی شمشاد احمد صاحب مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور صدر الشریعہ، بدر الطریقہ، فقیہ اعظم ہندوستان، خلیفہ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ و الرضوان ان علمائے ربانیین وفقہائے شرع متین میں سے ہیں جن کی پوری زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف، فتویٰ نویسی، افراد سازی، تبلیغ دین، اشاعت علم، اتباع شریعت میں گزری۔ حیات مستعار کا ہر لمحہ مسائل کی تنقیح، حدیث نبوی کی تشریح اور خدمت دین کے لیے وقف تھا۔ عبادت وریاضت ان کی روحانی غذا تھی۔ احقاق حق، ابطال باطل ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہ علوم و معارف کا ایسا بحر زخار تھے، جس نے ہزاروں تشنگانِ علوم نبویہ کو سیراب کر دیا۔ وہ ایسے ماہر مدرس تھے کہ پورا درس نظامی ان کے دل ودماغ میں متحضر تھا۔ وہ ایسے بالغ نظر مفتی تھے کہ جملہ ابواب فقہ سے متعلق ہزاروں فتاوے تحریر کیے۔ ایسے بے دار مغز اور قادر الکلام مصنف کہ جس نے علم وفن کی ہر شاخ کو رعنائی وتازگی بخشی۔ میدان مناظرہ کے ایسے شہسوار کہ جس نے بڑے بڑے کج کلاہوں کے غرور وتمکنت کو خاک میں ملا دیا۔ امام احمد رضا کے ایسے چہیتے خلیفہ کہ جس پر خود امام وقت کو ناز تھا۔ ایسا روشن ضمیر کہ جس کا باطن، ظاہر سے زیادہ پاک صاف تھا، جس کی طہارت دپاکیزگی اور تقوی وپرہیزگاری کا یہ عالم کہ مجدد وقت نے اپنی نماز جنازہ کے لیے ان کو پسند فرمایا، جس فقیہ بے بدل نے بہار شریعت کی صورت میں فقہ حنفی کا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا قوم کے حوالے کیا، جس نے فتاویٰ امجدیہ کی صورت میں فقہ وفتاویٰ اور مسائل واحکام کا ایک مستند مجموعہ علمائے فحول کے حوالے کیا۔ ایسا مربی اور مشفق استاذ کہ جس نے اپنی بے لوث تعلیم وتربیت اور بافیض صحبت سے حضور حافظ ملت، حضور مجاہد ملت، حضور مفتی سردار احمد، علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی جیسے اصحاب فضل وکمال پیدا کر کے ملت اسلامیہ پر احسان عظیم فرمایا۔

اسی نابغۂ روزگار، امام العلما، افقہ الفقہا، سند المحدثین، علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے ”کشف الاستار“، جو امام ابو جعفر طحاوی کی شرح معانی الآثار پر عربی زبان میں گراں قدر حاشیہ ہے۔

کشف الاستار میں جس طرح مسائل کی تنقیح، فقہ حنفی کی تائید وترجیح، دلائل وبراہین کی کثرت اور مختلف فیہ مسائل پر فیصلہ کن بحث مرقوم ہے۔ وہ حضور صدر الشریعہ کے بے مثال فقیہ اور عظیم محدث ومحقق ہونے پر روشن دلیل ہے۔

میں نے اس مضمون میں کشف الاستار کے صرف تین مقامات سے تین مسائل پر حضور صدر الشریعہ کی تحریر کردہ علمی و

فقہی بحثوں کا خلاصہ اختصار و جامعیت کے ساتھ ہدیۂ ناظرین وقارئین کرنے کی کوشش کی ہے۔انھیں بحثوں سے حضور صدر الشریعہ کا تحقیقی مزاج اور محدثانہ وفقیہانہ مقام ظاہر ہوجائے گا اور حضور صدر الشریعہ کے بارے میں میرے مذکورہ بالا تمہیدی جملوں کی تائید وتصدیق ہوجائے گی۔

(ا)......حدیث ''بیر بضاعۃ'' کی تحقیق اور صدر الشریعہ کی فقیہانہ بحث:

بیر بضاعۃ والی حدیث جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، طحاوی شریف کے شروع ہی میں مذکور ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے لیے بیر بضاعہ سے پانی بھرا جاتا ہے جب کہ یہ وہ کنواں ہے جس میں لوگوں کی غلاظت، عورتوں کے کرسف اور مردار کتے پھینکے جاتے ہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان الماء طھور لا ینجسہ شییء''.

پانی پاک کرنے والا ہے کوئی چیز اسے ناپاک نہیں کرسکتی۔

اس حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پانی مطلقاً مُطَہِّر ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر، جاری ہو یا غیر جاری، بیر بضاعہ کا ہو یا کسی اور کنویں کا، اس میں پڑنے والی نجاست قلیل ہو یا کثیر، پانی کے اوصاف ثلاثہ میں کوئی وصف بدلا ہو یا نہ بدلا ہو، بہر صورت پانی پاک ہے اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرسکتی۔

حضور صدر الشریعہ نے کشف الاستار میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فقہ حنفی کے اثبات و اظہار پر زبردست دلائل قائم کیے اور اپنی فقہی بصیرت کا جوہر دکھاتے ہوئے نہ صرف اس حدیث کا محمل متعین فرمایا بلکہ اس حدیث کے عموم و اطلاق کی نفی پر متعدد دلائل قائم کرتے ہوئے امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب کی شاندار ترجمانی فرمائی۔

حضور صدر الشریعہ نے کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار میں اس حدیث پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''قولہ ان الماء طھور اللام للعھد الخارجی یعنی ان ھٰذا الماء الذی فی بئر بضاعۃ لا مطلق الماء کما فھمہ البعض''. (کشف الاستار ج: ۱/ص:۱۷)

یعنی حدیث مذکور میں ''الماء'' پر جو الف لام ہے وہ عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد خاص بیر بضاعہ کا پانی ہے، مطلقاً ہر پانی مراد نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔

پھر فتح القدیر سے عدم نجاست کی علت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''قال فی الفتح القدیر قد کان ماء ھا جاریا فی البساتین یسقی منہ خمس بساتین''.

فتح القدیر میں فرمایا کہ اس کا پانی باغات میں جاری تھا، اس سے پانچ باغات سیراب کیے جاتے تھے۔

اسی بحث میں کچھ آگے فقہائے احناف کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''والدلیل علی انہ کان جاریا ان الماء الراکد اذا وقع فیہ قذرۃ الناس والجیف والمحائض والنتن تغیر طعمہ وریحہ ولونہ یتنجس بذالک اجماعا ولیس فی الحدیث استثناء فدل ذالک علی جریان مائھا''.

بیر بضاعہ کا پانی جاری تھا اس پر دلیل یہ ہے کہ ٹھہرے

ہوئے پانی میں جب لوگوں کی غلاظت، مردار جانور، حیض کے کپڑے، بدبودار چیزیں پڑ جائیں اور اس کے مزہ، بو، رنگ کو بدل دیں تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اس پر اجماع ہے۔ جب کہ حدیث مذکور میں استثنا نہیں تو یہ دلیل ہے کہ بیر بضاعہ کا پانی جاری تھا۔ اسی لیے اس کے نجس اور ناپاک ہونے کا حکم نہ ہوا، بلکہ اس کو مطہر مانا گیا، لہٰذا "الماء طهور" میں پانی سے مراد مطلق پانی نہیں ہے، بلکہ بیر بضاعہ کا پانی مراد ہے، جو کثیر اور وافر مقدار میں کنویں میں موجود تھا اس کنویں سے پانی کی ایک نہر باغات کی طرف جاتی تھی، جس سے باغات سیراب کیے جاتے تھے، پانی کے بہاؤ کے سبب اس کنویں میں نجاست ٹھہرتی نہیں تھی بلکہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ جاتی تھی اور نجاست سے پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف متغیر نہیں ہوتا تھا۔

(۲)......ظہر کا وقت مثل اول تک ہے یا مثل ثانی تک، قول امام کی تائید و ترجیح میں فقیہ اعظم حضور صدر الشریعہ کی معرکۃ الآراء فقہی بحث:

شب معراج نماز فرض ہوئی اور اس سے متصل دوسرے ہی دن ظہر کی نماز سے حضرت جبرئیل امین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت فرما کر اوقات نماز کی تعلیم دی، یہ حدیث امامت جبریل سے مشہور ہے۔ اکثر محدثین نے مواقیت صلاۃ کے بیان میں امامت جبریل والی حدیث کو بیان فرمایا ہے اور اوقات صلاۃ کی تعیین و تحدید میں اسے مستدل بنایا ہے، حضرت امام طحاوی نے بھی امامت جبریل والی حدیث کو متعدد سندوں سے شرح و بسط کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اس حدیث کے مطابق حضرت جبریل امین نے پہلے دن ظہر کی نماز سورج ڈھلتے ہی پڑھائی اور عصر کی نماز مثل اول پر پڑھائی اور دوسرے دن ظہر کی نماز مثل اول پر پڑھائی اور عصر کی نماز مثل ثانی پر۔

پہلے دن نماز عصر پڑھانے سے متعلق حدیث کے الفاظ یہ وارد ہوئے:

"وَصَلّٰی بِیَ العصرَ حین صارَ ظِلُّ کلِّ شیءٍ مثلہ"

اور دوسرے دن نماز ظہر کے سلسلے میں بھی یہی الفاظ وارد ہوئے:

"وَصَلّٰی بِیَ الظهرَ من الغد حینَ صارَ ظِلُّ کل شیء مثلَہ"

اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ پہلے دن نماز عصر جس وقت میں پڑھائی اسی وقت میں دوسرے دن نماز ظہر کی امامت کی، گویا دونوں نمازوں کے وقت میں اشتراک ہے، جب کہ ایسا ہرگز نہیں۔ حضور صدر الشریعہ نے اپنی فقہی بصیرت کا جلوہ دکھاتے ہوئے اس تعارض کو کشف الاستار میں یوں دفع فرمایا:

"قوله وصلی بی الظهر من الغد الخ، ای فرغ من صلوة الظهر الی المثل لا انه صلی الظهر بعد المثل ومعنی قوله فی صلاة یوم الاول "صلّٰی بِیَ العصرَ حین صار ظِلُّ کلِّ شیءٍ مثلَہ" ای شرع فی صلاة العصر بعد کونِ ظلِّ کلِّ شیءٍ مثلَه وبهٰذا التاویل تبین ان الظهر فی الیوم الثانی والعصر فی الیوم الاول لم یکونا فی وقت واحد فلا اشتراک بینهما فی الوقت". (ج: ۱/ص: ۳۲۷)

ایک بالغ نظر فقیہ اور مفتی کسی بھی مسئلہ میں اس کے تمام گوشوں پر نظر رکھتا ہے اختلاف ائمہ، ان کے دلائل، دلائل کی کمزوریوں اور اپنے امام کے قولِ راجح، دلائل ترجیح اور مختلف جہات سے اس کی تقویت کے اسباب پر بھرپور واقفیت و بصیرت

رکھتا ہے۔ یہ کمال حضور صدر الشریعہ میں بدرجۂ اتم موجود تھا، حضور صدر الشریعہ نے کشف الاستار میں حدیث جبریل پر بحث کرتے ہوئے متعدد مقامات پر اپنی خداداد صلاحیت، وسعت مطالعہ، قوت استدلال اور جودت طبع کا بھرپور جلوہ دکھایا ہے اور مذہب امام کی تائید و ترجیح اور قوتِ استدلال کے اثبات و اظہار میں دلائل وشواہد کے دریا بہادیے۔

اسی مسئلہ میں حضور صدر الشریعہ نے اختلاف ائمہ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ظہر کے آخری وقت میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت اس وقت تک ہے جب تک ہر چیز کا سایہ سایۂ اصلی کے بعد اس کے مثل تک نہ پہنچ جائے اور مثل اول کے بعد بلا فصل عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہی عبد اللہ بن مبارک اور ایک جماعت کا قول ہے۔ اور امام شافعی، امام ابوداؤد کا قول یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت سایۂ اصلی کو چھوڑ کر جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل کو پہنچ جائے مگر ظہر کے آخری وقت اور عصر کے اول وقت میں کچھ فاصلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سایہ، مثل اول پر کچھ زائد ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور امام حسین بن صالح بن حیی، امام سفیان ثوری، امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، اور امام محمد بن جریر طبری کا قول یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت مثل اول تک ہے اور اس کے بعد بلا فاصلہ عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ظہر کا آخری وقت مثل ثانی تک رہتا ہے، یہی ظاہر الروایہ ہے۔ اس کے فوراً بعد بلا فاصلہ عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ امام اعظم کا یہ قول حدیث جبریل کے خلاف ہے مگر دیگر متعدد صحیح وقوی حدیثوں سے قول امام کی قوت ظاہر ہے''۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے امام اعظم کے اس قول کے ظاہر الروایہ ہونے اور اس کے مختار و مفتیٰ بہ ہونے پر درجنوں کتابوں کے حوالے پیش کر دیے، حضور صدر الشریعہ کشف الاستار میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ھٰذا ظاهر الرواية عن الامام، نهاية، وهو الصحيح، بدائع ومحيط وينابيع، وهو المختار، غياثية، واختار الامام المحبوبى، و عول عليه النسفى وصدرالشريعة، تصحيح قاسم واختاره اصحاب المتون وارتضاه الشارحون، فقول الطحاوى ''وبقولهما نافذ'' لا يدل على انه المذهب'' (رد المحتار ص: ۲۵۱)

''قال فى البدائع: انها المذكورة فى الاصل وقد رَجَّحه فى الهداية والزيلعى فى التبيين، واعتمد عليه صدرالشريعةفقال فى الغياثية وجواهر الاخلاطى هوالمختار واقتصر عليه الامام السمعانى فى خزانة المفتين وقدمه فى ملتقى الابحر وفى المراقى هو الصحيح وعليه جمل المشائخ والمتون، وفى الطحاوى على المراقى صَحَّحَهُ جمهورُ أهلِ المذهب وفى شرح المجمع انه المذهب واختاره المتون وارتضاه الشارحون وفى الهندية هو الصحيح وفى جامع الرموز هوالمفتى به وفى سراج المنير على قوله الفتوى وقدمه فى الخانية وعادته انه يقدم ما هو اظهر من

حیث الدرایة والروایة (ج: ۱/ص: ۳۳۲)

امام طحاوی نے حسن بن زیاد سے امام اعظم ابوحنیفہ کی ایک روایت یہ بھی ذکر کی کہ ان کے نزدیک ظہر کا آخری وقت مثل اول تک رہتا ہے۔ حضور صدر الشریعہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ قول ظاہر الروایہ نہیں ہے۔ ظاہر الروایہ یہی ہے کہ ظہر کا آخری وقت مثل ثانی تک رہتا ہے۔ درجنوں کتابوں کے حوالے پیش کیے۔

مذکورہ بالا حوالوں سے حضور صدر الشریعہ کے تبحر علمی وسعت مطالعہ اور متون وشروح پر گہری نظر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حوالوں کی کثرت دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم کا ایک بحر ذخار ہے جو موجیں مار رہا ہے۔

ظہر کا وقت مثل ثانی تک رہتا ہے یہی قول ظاہر الروایۃ ہے اور یہی قول راجح، مختار، مفتی بہ اور روایت ودرایت کے لحاظ سے اقویٰ ہے، اس پر مذکورہ بالا درجنوں کتابوں کا حوالہ شاہد عدل ہے۔ مذکورہ بالا تفصیلات کو ذکر کرنے کے بعد حضور صدر الشریعہ اب امام اعظم کے دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں:

"والدلیل لابی حنیفة رحمه الله قوله علیه الصلاة والسلام أبرِدُوا بالظهر فان شدةَ الحرِّ من فَیح جهنم واشد الحر فی دیارهم کان فی هذا الوقت یعنی فی المثل الاول فلا یتحقق الابراد وفتور الحرارة الا فی المثل الثانی فحدیث الابراد معارض لحدیث امامة جبرئیل علیه السلام فاما ان یقال ان حدیث الابراد ناسخ لحدیث الامامة لکونه متاخرا عنه او یقال وقع الشک فی المثل الثانی انه وقت للظهر ام لا وقبله کان الوقت یقینا فلا یثبت خروجه بالشک کذا وقع الشک فی کونه وقتاً للعصر فلا یثبت بالشک قال المحقق فی فتح القدیر: بقی ان یقال هذا البحث انما یفید عدم خروج وقت الظهر ودخول وقت العصر بصیرورة الظل مثلا غیر فیئ الزوال ونفی خروج الظهر بصیرورته مثلا لا یقتضی ان اول وقت العصر اذا صار مثلین حتی ان ما قبله وقت الظهر وهو المدعٰی فلا بد له من دلیل".

وغایة ما ظهر ان یقال ثبت بقاء وقت الظهر عند صیرورته مثلا نسخا لامامة جبرئیل فیه فی العصر بحدیث الابراد وامامته فی الیوم الثانی عند صیرورته مثلین یفید انه وقته لم ینسخ هذا فیستمر ما علم ثبوته من بقاء وقت الظهر الی ان یدخل هذا الوقت المعلوم کونه وقتا للعصر".

حضور صدر الشریعہ نے مذہب امام اعظم کی تائید وترجیح میں دوسری حدیث حضرت ابوذر غفاری کی پیش کی، جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہم نے اپنی کتابوں میں تخریج فرمائی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، موذن نے ظہر کی نماز کے لیے اذان دینا چاہا تو رسول پاک نے فرمایا "ابرد" ٹھنڈا کر، کچھ دیر کے بعد مؤذن نے پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو حضور نے فرمایا: "ابرد" کچھ دیر کے بعد پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو حضور نے فرمایا: "ابرد" یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا، تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سخت گرمی جہنم کی لپٹ سے

ہے۔اور ابوذر کی دوسری روایت جو مسلم میں ہے، حضور نے فرمایا: جب سخت گرمی ہو تو ظہر ٹھنڈا کر کے پڑھو اور مشاہدہ شاہد ہے اور علم ہیئت کے قواعد اس پر دلالت کرتے ہیں کہ زوال کے وقت ٹیلوں کا سایہ نہیں ہوتا، اسی لیے امام نووی اور امام قسطلانی نے فرمایا کہ ٹیلے پھیلے ہوتے ہیں کھڑے نہیں ہوتے اور جب تک سورج خوب زیادہ ڈھل نہ جائے عادۃً اس کا سایہ نہیں ہوگا تو ٹیلوں کا سایہ سورج کے خوب ڈھلنے کے بعد ہی شروع ہوگا اور ٹیلوں کے برابر مثل ثانی میں ہوگا، بلکہ مثل ثانی کے آخر میں ہوگا، اسی لیے ابن اثیر جزری شافعی نے کہا کہ ظہر کے اکثر وقت کے نکلنے کے بعد ہی ٹیلوں کا سایہ ہوگا، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن نے ٹیلوں کے برابر سایہ ہونے پر اذان دی تو یقیناً مثل ثانی میں ظہر کی نماز ہوئی۔

حضور صدر الشریعہ نے اس مقام پر ایک شبہ کا ازالہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کو جمع بین الصلاتین پر محمول کرنا ممکن نہیں، کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "اَبْرِدْ" کا حکم دیا، ظہر کو اس کے وقت سے مؤخر کرنے کا حکم نہیں دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم "اَبْرِدُوا" حکم عام ہے سفر کے ساتھ خاص نہیں، لہٰذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مثل ثانی میں ظہر کا وقت باقی ہے، رہ گئی امامت جبریل والی حدیث تو وہ اوقات صلاۃ کے بیان میں پہلی حدیث ہے، کیوں کہ جبریل امین نے شب معراج کی صبح مکہ میں امامت کی تھی، جب کہ ابوذر غفاری کی حدیث اس کے بعد کی ہے، لہٰذا حدیث ابراد حدیث امامت جبریل کی ناسخ ہے، جس میں ظہر کا آخری وقت مثل اول تک مذکور ہے۔ (کشف الاستار ج:۱ ص:۳۳۳)

حضور صدر الشریعہ نے قول امام اعظم کی تائید و ترجیح اور اس کے قوی و مضبوطی ہونے پر تیسری حدیث بھی پیش فرمائی، جسے امام بخاری اور کثیر محدثین نے روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر رکھا اور کہا کون میرے لیے صبح سے دوپہر تک ایک قیراط پر کام کرے گا تو یہود نے کام کیا، پھر کہا کون میرے لیے دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر کام کرے گا تو نصاریٰ نے کیا، پھر کہا کون میرے لیے عصر سے غروب آفتاب تک کام کرے گا تو یہ تم لوگ ہو تو یہود و نصاریٰ غضب ناک ہوگئے اور کہا کہ ہم لوگوں نے کام زیادہ کیا اور مزدوری کم اور تم لوگوں نے کام کم کیا مزدوری زیادہ تو یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک ممتد ہے ورنہ عصر کا وقت ظہر کے وقت سے بڑھ جائے گا، پھر یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم کام زیادہ کریں اور مزدوری کم۔

(کشف الاستار ج:۱ ص:۳۳۴)

حدیث امامت جبریل پر حضور صدر الشریعہ نے جس فقیہانہ و محدثانہ انداز میں بحث کی ہے اور جس طرح قول امام کی تائید و ترجیح پر دلائل و براہین کے انبار لگائے ہیں وہ آپ کے عظیم فقیہ و محدث ہونے پر روشن دلیل ہے۔ ان مباحث کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صدر الشریعہ اپنے دور کے بے مثال فقیہ بھی تھے اور بے مثال محدث بھی۔

(۳)...... نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا واجب؟ حضور صدر الشریعہ کی فقیہانہ بحث اور مذہب حنفی کی شاندار ترجمانی:

حضرت عبادہ ابن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب".

سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔

اس قسم کی دیگر احادیث و آثار کی بنیاد پر امام عبداللہ بن مبارک، امام اوزاعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ابوثور، امام ابوداؤد نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی، یعنی فرض ادا نہیں ہوگا۔ جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد وغیرہم کا مذہب یہ ہے کہ مطلق قراءت فرض ہے اور سورہ فاتحہ پڑھنا واجب اور جب امام کے پیچھے آدمی نماز پڑھ رہا ہو تو مقتدی پر نہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے نہ کوئی اور سورہ، بلکہ اس پر چپ رہنا واجب ہے۔

کشف الاستار میں حضور صدر الشریعہ ارشاد فرماتے ہیں: "قوله فانه لا صلاة لمن لم يقرء بها".

شافعیہ نے اس حدیث سے نماز میں سورہ فاتحہ کی فرضیت پر استدلال کیا ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص سے نماز کی نفی فرمائی جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اور اصل نماز کی نفی اسی وقت ہوگی جب کہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہو، اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے۔ کوئی بھی آیت یا کوئی بھی سورہ پڑھنے سے فرض ادا ہو جائے گا، البتہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

احناف کی دلیل یہ آیت ہے:

"فاقرء وا ما تيسر من القرآن".

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو بھی آیت میسر آئے مطلقاً اس کو پڑھنے کا حکم دیا۔ لہٰذا قراءت کو سورہ فاتحہ کی قید سے مقید کرنا نص قرآنی پر زیادتی ہے اور یہ جائز نہیں، کیوں کہ تخصیص نسخ ہے اور کتاب اللہ کا نسخ خبر واحد سے جائز نہیں، اس لیے پورے قرآن میں سے کم سے کم اتنا کہ اس پر قرآن کا اطلاق ہو جائے، اس کا پڑھنا فرض ہے۔ اور قراءت خارج نماز فرض نہیں تو متعین ہو گیا کہ نماز ہی میں قراءت فرض ہے۔ اس مقام پر احناف نے کتاب و سنت دونوں پر عمل کیا ہے بایں طور کہ جو کتاب اللہ سے ثابت ہے وہ فرض ہے اور جو حدیث سے ثابت ہے وہ واجب ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں کلمہ "ما" مجمل ہے اور حدیث اس کا بیان، تو ہم جواب میں کہیں گے، اس آیت میں کلمہ "ما" عام ہے مجمل نہیں، جیسا کہ اصول کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے تو ہم کہیں گے اس حدیث کا مشہور ہونا ہم کو تسلیم نہیں، اس لیے کہ تابعین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور اگر مشہور ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو کتاب اللہ پر زیادتی اس حدیث مشہور سے جائز ہے جو محکم ہو اور یہ حدیث محتمل ہے، اس لیے اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہ ہوگی، کیوں کہ کلمہ لا جو نفی جنس کے لیے ہے اور جو حدیث "لا صلاة الا بفاتحة الكتاب" میں مذکور ہے، وہ کبھی نفی جواز کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی نفی فضیلت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث "لا صلاةَ لجارِ المسجد الا فی المسجد" میں "لا"، نفی فضیلت کے لیے ہے۔

امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا کہ احناف کا یہ کہنا "لا صلاة الخ" میں "لا"، نفی کمال کے لیے ہے، حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لا تجزی صلاة لا يقرء فيها بفاتحة الكتاب" اس حدیث کو ابوبکر ابن خزیمہ نے سند صحیح کے ساتھ اپنی صحیح میں ذکر فرمایا۔ اسی طرح ابوحاتم ابن حبان نے بھی روایت کی ہے۔

حضور صدر الشریعہ نے امام نووی کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ ظاہر سے عدول کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو قرآن سے جو عموم مستفاد ہو رہا ہے یہ اس کے منافی ہو جائے گا اور حدیث کو ایسے معنی پر محمول کرنا جائز نہیں جو قرآن کے معارض ہو، اسی لیے ہم نے حدیث کو نفی کمال پر محمول کیا، اصل صلاۃ کی نفی پر محمول نہیں کیا، اور ابو ہریرہ کی حدیث سے جو تائید پیش کی ہے، اس میں بھی دونوں معنوں کا احتمال ہے، نفی کمال اور نفی جواز، اس لیے ابو ہریرہ کی حدیث سے تائید ثابت نہیں ہوتی بلکہ ابو ہریرہ کی دوسری حدیث ہماری تائید کرتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"من صلی صلاۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خِداج غیر تمام".

اور "خداج" نقصان اور عدم تمامیت کو کہتے ہیں اور یہی ہے نفی کمال، تو اس حدیث میں نقصان کا اثبات اور کمال کی نفی ہے، جس سے سورۂ فاتحہ کی عدم فرضیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ فرضیت۔

حضور صدر الشریعہ آگے ارشاد فرماتے ہیں:

سورۂ فاتحہ کی عدم فرضیت پر اصحاب حنفیہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جسے محدثین کی ایک جماعت نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، پھر ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے نماز پڑھی، پھر حضور کی خدمت میں آیا اور آپ کو سلام کیا تو رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیوں کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، اسی طرح اس نے تین مرتبہ کیا، پھر اس آدمی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس سے اچھا نہیں کر سکتا، آپ مجھے نماز کی تعلیم دیں، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِذا قُمتَ الی الصلاۃ فکَبِّرْ ثم اقرءْ ما تَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ القرآن".

حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ جو کچھ قرآن سے میسر آئے پڑھے، سورۂ فاتحہ کی تخصیص نہیں فرمائی، اگر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہوتا تو ضرور سورۂ فاتحہ پڑھنے کی تعلیم دیتے۔ (کشف الاستار ج:۱ ص:۴۸۱)

سورۂ فاتحہ کے عدم فرضیت پر حضور صدر الشریعہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اصولی انداز میں جو معرکۃ الآراء بحث رقم فرمائی ہے، یہ اس کا بہت مختصر حصہ ہے، جو میں نے ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے، مگر انھیں بحثوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہی بصیرت، فنی مہارت، وفور علم، دقت نظر، وسعت مطالعہ، قوت استدلال اور ملکۂ استنباط میں آپ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے ان کارناموں کے وجود میں آنے سے بہت پہلے آپ کی فقہی بصیرت کا صحیح اندازہ لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"تفقہ جس کا نام ہے وہ یہاں کے موجودین میں آپ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا"۔

امام احمد رضا کا یہ ارشاد آپ کے تفقہ فی الدین پر روشن دلیل ہے۔ اللہ رب العزت حضور صدر الشریعہ کے روحانی اور علمی فیوض و برکات سے ہم سب کو مالا مال فرمائے۔ آمین

شمشاد احمد مصباحی

جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

یکم رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ

۲۴ مارچ ۲۰۲۳ء بروز جمعہ

☆☆☆

معانی الآثار سے کشف الاستار تک

علامہ کوثر امام قادری

محدث اعظم، فقیہ اکبر، حافظ حدیث، حجت علم وفن، حضرت امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ کی مشہور زمانہ تصنیف شرح معانی الآثار کسی تعارف وتبصرے کی محتاج نہیں۔ اکابر ائمہ، حفاظ حدیث، جلیل القدر ماہرین وناقدین نے اس کی عظمت کا لوہا مانا اور اس کی برتری تسلیم کی۔اس نوعیت کی کتاب نہ تو پہلے لکھی گئی تھی اور نہ ہی بعد میں کسی نے زحمت تصنیف اٹھائی، اس کتاب نے فقہاء احناف کے کلاہ افتخار میں چار چاند لگا دیا اور حنفی محدثین نے اسے خالق لوح وقلم کی عظیم نعمت کے طور پر آنکھوں سے لگایا۔شرح معانی الآثار جب اپنے آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آئی تو فنون حدیث کی دنیا میں اور خصوصاً شوافع علماء کے حلقہ میں ایک زوردار دھماکہ محسوس کیا گیا۔احناف مسرت وشادمانی اور فرحت وانبساط کے سمندر میں غوطہ زن نظر آئے تو مخالفین حیرت واستعجاب اور کرب واضطراب سے دوچار ہوئے، نہ تو اس کا رد لکھ سکتے تھے اور نہ ہی اس سے اتفاق ممکن تھا، لیکن سوائے خموشی کے وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

امام طحاوی کا انتقال ۳۲۱ھ میں ہوا اور ۳۸۴ھ میں امام بیہقی پیدا ہوئے۔اس درمیانی مدت میں نہیں، بلکہ اور بعد تک یعنی امام بیہقی کے قرطاس وقلم سنبھالنے تک یہ کتاب دور دور تک علمی حلقوں میں باعزت مقام پاچکی تھی۔

حقیر کی معلومات کے مطابق سب سے پہلے اس کے خلاف امام بیہقی نے زبان وقلم کا استعمال کیا۔اور فرمایا کہ امام طحاوی نے اپنی کتاب میں صحیح کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح بنا کر پیش کیا ہے۔چنانچہ اپنی کتاب معرفۃ السنن والآثار کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

حين شرعت في كتابي هذا جاء ني شخص من أصحابي بكتاب لأبي جعفر الطحاوي فكم من حديث ضعف فيه صححه لأجل رائه وكم من حديث فيه صحيح ضعّفه لأجل رائه.

ترجمہ:۔ جس وقت میں نے اپنی یہ کتاب شروع کی میرے دوستوں میں سے ایک شخص نے ابو جعفر طحاوی کی کتاب پیش کی اس میں طحاوی نے بہت سی ضعیف حدیثوں کو اپنی رائے سے صحیح اور بہت سی صحیح حدیثوں کو اپنی رائے سے ضعیف بنا دیا ہے۔

امام بیہقی کی شخصیت کوئی معمولی نہ تھی، بڑا اونچا مقام

رکھتے تھے۔ اور علمی وفنی دنیا میں آپ کی امامت مسلم تھی اور ظاہر ہے کہ اس مرتبہ کا آدمی کچھ کہے تو عام آدمی اسے باوزن ہی تسلیم کرے گا۔ نتیجے میں آں حضور کا چھوڑا ہوا شگوفہ اگرچہ عام نہیں ہوا لیکن بعض اذہان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ہاں اس زمانے میں امام بیہقی کا چھوڑا ہوا شگوفہ عوام سے بلند ہوکر امراء تک پہنچ چکا تھا۔ اور وہ شش وپنج کا شکار ہونے لگے تھے۔

اس پس منظر میں ضرورت تھی بروقت تعاقب کی۔ لیکن حنفی محدثین کی جانب سے حمایت طحاوی میں کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ شاید انھوں نے اس الزام کو مذہبی تعصب پر محمول کیا۔ اور سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کی ضرورت محسوس نہ کی، اس طرح تقریباً دو صدیاں گزر گئیں۔

اس کے بعد حافظ محی الدین عبدالقادر بن محمد قرشی حنفی متوفی ۷۷۵ھ کا دور آیا۔ اسی دور میں قاضی حجۃ اللہ علی العالمین امام علاء الدین ماردینی نے امام بیہقی کا رد الجوہر النقی تصنیف فرمائی۔

امام عبدالقادر حنفی قرشی فرماتے ہیں:

"بعض امراء نے شیخ الاسلام امام علاء الدین ماردینی سے عرض کیا کہ حضور شرح معانی الآثار میں جو حدیثیں ہیں وہ صحیح بخاری میں نہیں ہیں۔ آخر کیوں؟

ان کا منشا یہ تھا کہ طحاوی کی حدیثیں صحیح نہیں ہیں، ورنہ بخاری ومسلم میں ضرور ہوتیں۔

امام ماردینی نے فرمایا:

"والاحاديث التي في الطحاوي أكثرها في البخاري ومسلم والسنن وغير ذلک من كتب الحفاظ".

وہ تمام حدیثیں جو طحاوی میں ہیں ان میں سے اکثر بخاری مسلم وسنن اور دیگر حفاظ حدیث کی تصنیفات میں موجود ہیں۔

شیخ الاسلام کا جواب سن کر امیر نے فرمائش کی کہ جب بات ایسی ہے تو آنحضور ایک ایسی کتاب تالیف فرمادیں جس میں احادیث طحاوی کی وسیع پیمانے پر تخریج ہو۔

قاضی صاحب نے کثرت کار ومصروفیت کے باعث معذرت کرلی، اور یہ ذمہ داری امام عبدالقادر قرشی حنفی کو سپرد کی۔

امام عبدالقادر حنفی نے استاذ کے حکم کی تعمیل اور حمیت حنفیت کا حق ادا کیا۔ اور ایک لاجواب کتاب بنام "الحاوی فی بیان آثار الطحاوی" تصنیف فرمائی۔ امام بیہقی نے "معرفة السنن والآثار" میں جگہ جگہ جو امام طحاوی پر حملہ کیا تھا موصوف نے ان سب کو ہوا ہوا کردیا۔

ان کے بعد حضرت امام بدر عینی (۸۵۵ھ) نہایت جاہ وجلال کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور آپ نے شرح معانی الآثار کی حسب ذیل شرحیں تیار کیں:

۱۔ نخب الاخبار شرح معانی الآثار۔ ۲۔ مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار۔ ۳۔ مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار۔

ان کے بعد امام قاسم قطلو بغا نے قلم سنبھالا، اور ایک پانچویں شرح "الایثار برجال معانی الآثار" معرض وجود میں آئی۔

افسوس کی بات ہے کہ شرح طحاوی جیسی عظیم کتاب لوگوں کے درس وتدریس اور مطالعہ میں رہی، مگر اس کی یہ پانچ پانچ شرحیں جو انتہائی ضروری تھیں طباعت سے دور، لائبریریوں میں مخطوطات کے کالم کی زینت بنی رہیں۔ کئی صدیاں گزر گئیں ائمہ احناف نے کوئی توجہ نہ دی۔ لگاتار کئی سو سال تک مکمل خموشی رہی۔ زمانہ گزرتا گیا، تا آنکہ چودہویں صدی آ گئی، اور مجدد اعظم امام احمد رضا علم وفن کا آفتاب بن کر آفاق عالم پر طلوع ہوئے۔ علمی دنیا میں انقلاب آیا، نئے نئے موضوعات پر نادر وانوکھی تحقیقات سے دنیا متعارف ہوئی۔ علمائے اسلام، فقہائے کرام کو حوصلہ وشوق اور عمل کی نئی نئی جہتیں ملیں۔

انقلابِ رضا کے دور میں دو شخصیتوں نے طحاوی شریف کو مرکز توجہ بنایا۔ ایک محدث سورتی اور دوسرے صدر الشریعہ۔

چونکہ طحاوی شریف بغیر حاشیہ چھپ رہی تھی، اس کے مغلق مقامات کی توضیح وتشریح ضروری تھی۔ لہٰذا حضرت محدث سورتی نے جگہ جگہ حاشیہ قلمبند فرمایا، اس طرح یہ ضرورت پوری ہوگئی۔ لیکن علمائے ہند وپاک اور طلبائے علوم حدیث مزید شرح وبسط کے طالب تھے۔ کیونکہ طحاوی فقہ وحدیث، مقارنہ ومناظرہ سب کا مجموعہ تھی۔ جس کے مباحث کا سمجھنا بہت مشکل تھا۔ اور یہ مختصر نوٹ ازالہ مشکلات کے لیے ناکافی تھا۔ نیز امام بیہقی کے اعتراضات طالبِ جوابات تھے۔ جبکہ وہ تمام شرحیں عام علماء کے دسترس سے بعید تھیں، جن میں ہر کچھ موجود تھا۔

حضور صدر الشریعہ نے اس ضرورت کو محسوس کیا، اور تفصیلی شرح کے ارادے سے قلم اٹھایا۔ مکمل کتاب کی شرح نہ سہی، تاہم جتنا لکھا اس طرح لکھا کہ پچھلی ساری شرحوں کی کمی کا احساس ختم کردیا۔ امام بدر عینی، امام عبدالقادر قرشی، امام قاسم قطلوبغا نے جن مسائل ومباحث کو تھوڑا پھیلا کے لکھا تھا صدر الشریعہ نے اسے اجمال کے ساتھ بیان کیا، حالانکہ مذکورہ پانچ شرحوں میں سے کوئی بھی آپ کے پیش نظر نہ تھی، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جس طرح آپ نے دوسری متعدد کتابوں سے اقتباسات نقل کیا ہے ان سے نہ کرتے۔ اگر ان میں سے کوئی شرح ہوتی تو یہ کہا جاتا کہ آپ نے ان سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ مگر ایسا کچھ نہیں۔ پھر بھی ضرورت کی ساری چیزیں بیان کردینا کس خوبی وکمال پر دلیل اہل علم بخوبی جان سکتے ہیں۔

فقیہ اعظم، خلیفہ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی الشاہ امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان نے "کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار" میں جس فضل وکمال، وسعت مطالعہ، دقت نظر، نکتہ شناسی، سخن فہمی، لغات کی معلومات، فقہی جولانی، نقد ونظر، معرفت حدیث، اسماء الرجال کی جانکاری، جرح وتعدیل کی باریکی وغیرہ کا اظہار فرمایا ہے مجھ جیسا کم مایۂ اسے بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

چونکہ کشف الاستار کی دوسری جلد کے چند اوراق پیش نظر ہیں ان کی روشنی میں اس حاشیہ کی وہ خصوصیات پیش کرنا چاہتا ہوں جو پوری کتاب میں روح رواں کا درجہ رکھتی ہیں۔

مذاہب کی صراحت

شرح معانی الآثار دیگر کتب حدیث سے جداگانہ انداز میں ابواب فقہ پر مرتب ہے اور ہر باب کے تحت ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مذاہب کے نظریات اور دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں مگر اصحاب مذاہب کے اسماء کی صراحت نہیں، بلکہ مصنف ''ذہب قوم'' و''خالف قوم'' کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ قوم سے کون لوگ مراد ہیں؟ انہیں سمجھنا ایک بڑا مشکل امر ہے۔ کیونکہ فقہی مذاہب صرف چار ہی نہیں، جن کی کتابوں کی طرف مراجعت کر کے ان کے نظریات معلوم کر لیے جائیں۔ بلکہ ایک درجن سے زائد فقہی مذاہب اور اصحاب مذاہب گزرے ہیں، جن کی نہ تو مستقل تصنیفات موجود ہیں اور نہ ہی پیروکار۔ پھر انہیں قید نام کے ساتھ بیان کرنا کتنی اہم بات ہے، اور کتنی وسیع مطالعہ کا متقاضی ہے حیطۂ بیان میں نہیں آسکتا۔ مگر صدر الشریعہ انتہائی سرعت کے ساتھ اس طرح بیان کر جاتے ہیں گویا سب کچھ سامنے موجود ہے۔

مثال کے طور پر حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں:

''فذهب قوم الى هذا الحديث فكرهوا للرجل ان يركع ركعتي الفجر في المسجد والامام في صلاة الفجر''.

قوم سے کیا مراد ہے صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

''منهم الشافعي وأحمد واسحاق وأبوثور وكذلك روي ذلك عن ابن عمرو وأبي هريرة وسعيد بن جبير وعروة وابن سيرين وابراهيم وعطاء''.

(باب الرجل يدخل المسجد والامام في صلوة الفجر)

احادیث طحاوی کی تخریج

یہ خصوصیت صرف حاشیہ کو ہی معیاری نہیں بناتی بلکہ معانی الآثار کی اہمیت کو بھی دوبالا کرتی، اور امام بیہقی کے اعتراضات کی قلعی کھول کر رکھ دیتی ہے۔

امام طحاوی نے اپنی سند میں حسب ذیل حدیث پیش کی ہے:

''عن جابر قال جاء سليك الغطفاني في يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه على المنبر فقعد سليك قبل أن يصلي فقال له النبي صلى الله عليه وسلم أركعت ركعتين قال ''لا'' قال قم فاركعهما''.

(باب الرجل يدخل المسجد يوم الجمعة)

اس باب کی تخریج میں صدر الشریعہ نے نو کتابوں کی نشاندہی کی اور ساتھ ہی ساتھ ان کی سندوں کی بھی صراحت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱. اخرجه البخاری: عن عمرو بن دينار عن جابر بن عبدالله.

۲. اخرجه مسلم: عن ابى بكر بن ابى شيبة. ويعقوب الذورقي وعن أبي الربيع وقتيبة ومحمد بن بشار. ومحمد بن رافع ومحمد بن رمح واسحاق بن ابراهيم وعلى بن خشرم. ۳. اخرجه ابو داود: عن سليمان بن حرب عن حماد عن عمروبن دينار.

۴. اخرجه الترمذي: عن قتيبة عن حماد بن

زید عن عمروبن دینار.

۵. اخرجه ابن ماجة: عن هشام بن عمار عن سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار.

٦. اخرجه البيهقي: ٧. اخرجه الدارقطني:

٨. اخرجه ابن حبان: ٩. أخرجه النسائي:

تحقیق رواۃ

دوسرے محدثین وشارحین کی طرح آپ نے بھی حسب ضرورت اسماء رواۃ کی تشریح فرمائی ہے، اور ثقاہت وضعف بیان کیا ہے۔ دونوں کی مثال ملاحظہ کریں۔ صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"قوله عبد الله بن بسر. بضم الموحدة وسكون المهملة المازني القيسي ابو بسر ويقال ابو صفوان، له ولابيه صحبة سكن حمص

(کشف الاستار ج ۲ ص ۴۴۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

" قوله ابو الزاهرية: اسمه حدير بن كريب كلاهما مصغران الحضرمي ويقال الحميري قال ابن معين والعجلي ويعقوب بن سفيان والنسائي ثقة وقال ابو حاتم لا بأس به. وقال الدارقطني لابأس به اذا روى عنه ثقة"

(کشف الاستار ج ۲ ص ۴۵۱)

ان تینوں چیزوں کے علاوہ کچھ اور بھی چیزیں ہیں جن سے صرف نظر ممکن نہیں۔ مثلا احادیث کریمہ میں مشکل الفاظ کی توضیح وتنقیح، حنفی مسلک پر مخالفین کے اعتراض کا باحسن وجوہ جواب، حنفی مسلک کی موئد حدیثوں کی شان رفعت ثابت کرنے کے لیے نفیس اہتمام، دوسروں کی مستدل حدیثوں پر صحت وعدم صحت کے تعلق سے بھر پور کلام۔ یہ ساری چیزیں حضور صدر الشریعہ کے بس کی بات تھی۔ خدا کا فضل خاص ہے کہ یہ کام حضرت کے مقدس ہاتھوں سرانجام پایا۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ادھر بیس سالوں کے اندر صحیحین کی کئی شرحیں تیار ہوئیں۔ علمائے شوافع تو تمام کام کرتے ہی ہیں۔ علمائے احناف بھی خدمت بخاری ومسلم میں جی کھول کر مشغول ہیں۔ مگر طحاوی شریف سے نہ جانے کیوں صرف نظر کیا جاتا رہا سمجھ سے بالاتر ہے۔

ایسے حالات میں کشف الاستار کی طباعت واشاعت بہر حال بہت اہم ہے۔ پوری امت کی طرف سے قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جنھوں نے قلمی نسخے کو زیور طباعت سے آراستہ وپیراستہ کرنے کی ہمت فرمائی۔

خصوصیت کے ساتھ ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اس عظیم ہستی کی بارگاہ میں جنھیں دنیا محدث کبیر کہتی ہے، جنھوں نے اس کی سرپرستی واہتمام بلیغ فرمائی، نیز حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ امجدی صاحب کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے، جن کی محنت شاقہ، سعی پیہم، جہد مسلسل کشف الاستار کے سطر سطر سے ظاہر وباہر ہے۔ مولیٰ تعالیٰ انھیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

❖❖❖

کشف الاستار اور تراجم رجال

از قلم: کوثر امام قادری سیوانی
دار العلوم قدوسیہ مہراج گنج

غیر منقسم ہندوستان میں پٹنہ عظیم آباد سے اجمیر القدس تک، گھوسی سے بریلی تک، دادوں سے پیلی بھیت تک اور بنگال سے لاہور تک جتنے بھی مشاہیر علما و مفتیان کرام، مصنفین عظام اور قائدین ملت و اساطین امت تھے، باتفاق تمامی حضرات حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ، فقیہ اسلام، محدث اعظم شاہ مفتی امجد علی اعظمی گھوسوی کے فضل و کمال، تدریسی شان و شوکت، تبحر علمی، وسعت نظری، فکری استقامت وصلابت کے نہ صرف یہ کہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے معترف تھے، بلکہ اپنی نجی مجلسوں اور عام جلسہ گاہوں میں اس کا اعتراف بھی کرتے تھے۔

☆ کسی نے آپ کو اعلیٰ قسم کا بے نظیر مدرس کہا۔ کیوں کہ پورے برصغیر میں آپ کی تدریس کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ آپ کی درس گاہ سے فیض پانے والے سیکڑوں علما، فضلا، مدرسین، فقہا، مناظرین، خطبا نے زمانے سے اپنی علمی لیاقتوں کا لوہا منوایا۔

☆ کسی نے آپ کو فقیہ اعظم کہا۔ کیوں کہ آپ نے فقہ و فتاویٰ کی تربیت مجدد اسلام احمد رضا محدث بریلوی سے حاصل کی اور فتاویٰ امجدیہ و بہار شریعت جیسی عظیم و جلیل تصنیفات و فقہ حنفی کی جزئیات کا بحر زخار سے قوم کو نوازا۔

☆ کسی نے آپ کو پیر طریقت، صوفی شریعت، صاحب تقویٰ، عابد شب زندہ دار تسلیم کیا۔ کیوں کہ آپ کی مکمل زندگی سنت مصطفیٰ کی روشنی سے جگمگا رہی تھی۔

☆ کسی نے آپ کو مشفق استاذ و مربی کہا۔ کیوں کہ طالبانِ علوم نبویہ کو تعلیم و تربیت، تہذیب نفوس، تطہیر باطن، تزکیۂ قلوب، رنگ ظاہری، حسن باطنی سے آراستہ کرنا آپ کا خصوصی شیوہ تھا۔

☆ کسی نے آپ کو امام عینی و امام عسقلانی کی یادگار تصور کیا۔ کیوں کہ آپ نے اپنی کتاب ''کشف الاستار'' حاشیہ شرح معانی الآثار میں فقہ حنفی کی تائید، استدلال مخالف کا جواب، سندوں کی تحقیق، متون کی تخریج، احادیث کی دل نشیں تشریح، مقصود طحاوی و نظر طحاوی کی مخلصانہ توضیح فرمائی ہے۔

یقیناً آپ ایسے ہی تھے، جیسا کہ علمائے دہر، فضلائے زمانہ، ناقدین وقت نے آپ کے بارے میں اظہار خیال کیا۔

اس وقت مطالعہ کے میز پر صدر الشریعہ کی مایہ ناز تصنیف ''کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار'' ہے، جس میں علوم شیبانی کی تابش، استدلالِ یوسفی کا جمال، کمالاتِ طحاوی کے دل کش نظارے، ابن حجر کا کمال، بدر عینی کی دقت نظری، ذہبی کی جلوہ سامانی، سخاوی کا انداز و منہج، غزالی کی تعمق نگاہی، رازی کی فکری جولانی، بوصیری کا خلوص، قاضی عیاض کا

لہجہ، محقق دہلوی کی سرعت قلمی، امام احمد رضا کی ہمہ گیری وہمہ جہتی، امام ابوحنیفہ کی کامل اتباع وتقلید، امام مالک کا احترام، امام شافعی کی محبت، امام احمد بن حنبل کا صبر واستقامت، فقہی جزئیات کا استحضار، اشباہ ونظائر پر گرفت، ضوابط فقیہ پر دسترس، اقوال مرجحہ وغیر مرجحہ میں امتیاز۔ روایت، درایت، متون، اسناد پر وسیع مطالعہ سب کچھ ہے اور ہر گوشے پر بھر پور لکھا جاسکتا ہے اور حق عنوان ادا کرتے ہوئے سیر حاصل گفتگو کی جاسکتی ہے۔ لیکن ناچیز راقم الحروف کے حصے میں جو عنوان آیا، وہ ''کشف الاستار اور تراجم رجال'' ہے۔

رجال حدیث پر گفتگو کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے وسیع معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے نااہلی کے باوجود تحقیق رجال کی جرأت کی، وہ راہِ صواب سے بھٹک گئے اور ان کے حصے میں صرف نامرادی آئی۔ ہاں جن کو توفیق ملی، علم وآگہی کا وافر ذخیرہ عطا کیا گیا، انھوں نے بحسن وخوبی یہ فریضہ انجام دیا اور کامیاب رہے۔ ان ہی فیروز مندوں میں حضور صدر الشریعہ کی ذات والاصفات بھی ہے۔

ترجمۂ رجال، فن اسماء الرجال اور علم جرح وتعدیل دونوں کو شامل ہے۔ رجال حدیث وسند حدیث پر گفتگو کرنے والا دونوں علوم کا جامع ہوتا ہے، کیوں کہ اسے راوی حدیث کی پوری زندگی سے بحث کرنی پڑتی ہے۔ راوی کا اصل نام، عرفی نام، کنیت، القاب، تاریخ ولادت، جائے پیدائش، کس ماحول میں پروان چڑھا، کن کن مقامات کا سفر کیا، کس سے کس جگہ علم حاصل کیا، اس کے اساتذہ کون ہیں، اس سے کن لوگوں نے شرف تلمذ پایا، سیرت وسلوک میں کیسا تھا، زہد وتقویٰ کا معیار کیا تھا؟؟؟

جرح وتعدیل کے اعتبار سے اس کی حیثیت کیا تھی، کس کس نے اس کے بارے میں کیا کہا وغیرہا صدہا امور کی معلومات رکھنا۔ پھر ان ہی معلومات کی روشنی میں ثقاہت و ضعف کا نتیجہ اخذ کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

مذکورہ تمام چیزوں کی معرفت کے لیے حسب ذیل قسم کی کتب پر نظر رکھنا ضروری ہے۔

کتب الاسئلۃ:

کتب الاسئلۃ، اس فن کی اہم کتابیں مانی جاتی ہیں، یہ حجم میں تو مختصر ہیں، مگر افادیت میں بہت خوب ہیں، یہ کتابیں سوال وجواب کے اسلوب میں بغیر خاص ترتیب کے تالیف شدہ ہیں۔

"سوالات محمد بن عثمان لعلی بن المدینی"

اس کتاب میں دوسو ساٹھ تراجم موجود ہیں۔

"سوالات حمزة السهمی للدار قطنی فی الجرح والتعدیل"

یہ کتاب چار سو تیرہ تراجم پر مشتمل ہے۔

"سوالات البرقانی للدار قطنی"

یہ کتاب چھ سو اکیس تراجم کو شامل ہے۔

کتب طبقات

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں راویوں کا تذکرہ، احوال، واقعات اور روایات کا بیان طبقہ در طبقہ زمانۂ مؤلف تک ہوتا ہے۔

"سیر اعلام النبلاء". (حافظ ذہبی)

"تذکرة الحفاظ". (حافظ ذہبی)

"طبقات الحفاظ". (امام سیوطی)

"الطبقات الکبری". (محمد بن سعد)

"طبقات خلیفه بن خیاط".

"طبقات امام مسلم".

"طبقات الحنابلة". (قاضی محمد بن ابی لیلیٰ)

"الجواهر المضیئة". (عبدالقادر قریشی وغیرہ)

کتب تواریخ:

کتب طبقات ہی کی طرح کتب تواریخ بھی ہیں، مگر یہ زیادہ مباحث کو شامل ہوتی ہیں، ان میں سے مشہور یہ تین کتب ہیں:

"المنتظم فی تاریخ الملوک والامم"۔ (امام ابن جوزی)

"تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام"۔ (امام ذہبی)

"البدایۃ والنہایۃ"۔ (حافظ ابن کثیر)

الکامل فی التاریخ" (امام ابن اثیر جزری)

کتب ضعفائے رجال:

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں ضعیف و متکلم فیہ راویوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ مثلاً:

"الضعفاء الصغیر". (امام بخاری)

"احوال الرجال". (امام جوزجانی)

"الضعفاء". (امام ابوزرعہ رازی)

"الضعفاء والمتروکین". (امام نسائی)

"الکامل فی ضعفاء الرجال". (ابن عدی)

"الضعفاء الکبیر". (ابوجعفر عقیلی)

کتب ثقات رجال:

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں صرف ثقہ راویوں کے احوال قلم بند ہوتے ہیں۔ مثلاً:

"معرفة الثقات". (امام عجلی)

"کتاب الثقات". (ابن حبان)

"تاریخ اسماء الثقات". (ابن شاہین)

"الثقات عمن لم یقع فی الکتب الستة".

(امام ابن قطلوبغا)

کتب کنیٰ:

راویوں کی ایک بڑی جماعت اپنے ناموں کے بجائے اپنی کنیت مجردہ یا کنیت مقیدہ سے معروف ہے۔ ان کی معرفت کے لیے مشہور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً:

"الاسامی والکنی". (امام احمد بن حنبل)

"الکنی". (امام بخاری)

"الکنی والاسماء". (امام مسلم)

"الکنی والاسماء". (امام دولابی)

"الکنی". (امام نسائی)

"الاستغناء فی معرفة الکنی". (ابن عبدالبر قرطبی)

کتب مؤتلف ومختلف:

پچھلے زمانے میں جب برقی طباعت و پریس کا انتظام نہ تھا، بلکہ قلمی تحریر ہی پر اکتفا کیا جاتا تھا اور عمومی طور پر نقطوں کا بھی اہتمام نہ ہوتا تھا، جس کے باعث منقوط اور غیر منقوط کلمات مخلوط ہو جاتے تھے اور امتیاز مشکل ہوتا نتیجے بکثرت تحریف وتصحیف پیدا ہونا امر واقعہ بن گیا، تو اس مشکل کو حل کرنے کے لیے متعدد کتابیں تالیف ہوئیں، جن میں بعض یہ ہیں:

"تصحیف العلماء". (علامہ ابن قتیبہ)

"الشبیه علی حدوث التصحیف".

(حمزہ بن حسن اصبہانی)

"تصحیفات المحدثین". (امام دارقطنی)

"مشارق الانوار". (قاضی عیاض)

"الموتلف والمختلف فی اسماء نقلة الحدیث".

(علامہ عبدالغنی ازدی)

کتب جرح وتعدیل:

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ راویوں کے بارے میں کلمات جرح وتعدیل نقل کیے گئے ہیں اور مصنفین نے ان ہی چیزوں کے جمع وذکر کا زیادہ اہتمام کیا ہے۔

رجال صحاحِ ستہ پر لکھی جانے والی کتب جرح وتعدیل، مثلاً:

"الکمال فی اسماء الرجال" (حافظ عبدالغنی مقدسی)

"تھذیب الکمال فی اسماء الرجال".

(حافظ ابو حجاج مزی)

پھر ان کتابوں کی فروعات، مثلاً حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی کی تصنیفات لیں۔

ان کے علاوہ کتب القاب، کتب انساب، نیز مذکورہ کتابوں پر لکھی جانے والی تنقیدی کتب بھی بکثرت ہیں، رجال پر گفتگو کرنے والے کے لیے مذکورہ اقسام کی کتب پر گہری نگاہ رکھنا ضروری ہے، تاکہ بآسانی مقاماتِ تراجم تک رسائی ہو سکے۔ نیز انتخابِ اقوال وترتیب معلومات کے وقت چند دیگر امور بھی ہیں جن سے صَرفِ نظر ممکن نہیں، بلکہ انھیں نظر انداز کرنا حق ودیانت اور صدق وانصاف کے دامن کو چھوڑنے کے مترادف ہے۔ مثلاً زیر بحث راوی اور ناقد کے درمیان باہمی تعلقات کیسے ہیں، مذہبی، مشربی منافرت تو نہیں، اگر ایسی کوئی چیز ہے تو ناقد کا کلام نہیں لیا جائے گا، اگرچہ وہ کسی کتاب میں مرقوم ہو۔

زیر بحث راوی کی ثقاہت وعدالت، متفقہ ہے تو اس کے خلاف جرح مبہم کے اقوال نہیں لیے جائیں گے، خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں۔

کلمات جرح وتعدیل لیتے وقت یہ دیکھنا ہے کہ ناقد کی حیثیت کیا ہے، کہیں وہ خود ہی مجروح تو نہیں۔

کلمات جرح وتعدیل میں تعارض ہو تو دفع تعارض کی جتنی صورتیں ہیں وہ سب پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ناقدین کے درجات، اعتدال، تعنت، تساہل کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

کتب مختصرات پر کب اعتماد کرنا ہے اور کب نہیں، تعدیل کے مراتب اور جرح کے درجات کی جانکاری یہ سب چیزیں ناقل تراجم کے لیے لازمی چیزیں ہیں، اگر ان سب چیزوں سے متصف ہے تب تو وہ رجال پر گفتگو کرنے کا حق رکھتا ہے، ورنہ تو اس کے لیے اس فن میں لب کشائی کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ فیصلہ کے وقت تقاضۂ انصاف کو پورا نہ کر سکے گا۔

اس زاویہ سے جب ہم صدر الشریعہ کو دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ مذکورہ تمام اوصاف سے بدرجۂ اتم متصف ہیں۔ اس کی وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

تصحیفات وخطائے کتابت کی نشان دہی:

شرح معانی الآثار میں ایک روایت یوں تخریج کی گئی ہے:

☆ حدثنا بن ابی عمران قال ثنا ابو خیثمه قال ثنا یحیی بن حماد عن شعبة عن الحسن عن ابن عمران عن ابن عبد الرحمن عن ابیه اله صلی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فکان لا یتم التکبیر.

(شرح معانی الآثار مع کشف الاستار، ج:۲/ص:۵)

اس پر صدر الشریعہ رقم طراز ہیں:

"قوله. عن الحسن عن ابن عمران، هٰذا تصحيف والصواب عن الحسن بن عمران كما فى رواية ابى داؤد، قال ابو دؤد ابو عبد الله العسقلانى الى الحسن هٰذا هو ابو عبد الله ويقال له الشامى ايضا، كما هو فى حديث ابى داؤد عن محمد بن بشار عن ابى داؤد حدثنا شعبة عن الحسن بن عمران". (كشف الاستار، ج:۲/ص:۵)

ترجمہ:۔ ان کا قول "عن حسن عن ابن عمران" یہ تصحیف ہے اور صحیح "عن حسن ابن عمران" ہے، جیسا کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے، ابوداؤد نے فرمایا ابوعبداللہ عسقلانی، ابوالحسن یہ وہی ابوعبداللہ ہے اور اسے شامی بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث میں از محمد بن بشار از ابو داؤد ہم سے حدیث بیان کی امام شعبہ نے از حسن بن عمران۔

شرح معانی الآثار میں ایک سند یوں ذکر کی گئی ہے:

☆ حدثنا ابو بكرة قال ثنا وهب بن جرير قال ثنا هشام بن حسان عن محمد بن عبد الله بن شقيق عن عائشة رضى الله عنها، الخ.

اس پر صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"قوله عن محمد بن عبد الله بن شقيق هٰذا غلط على الكاتب، والصواب عن محمد عن عبد الله بن شقيق، ومحمد هٰذا هو ابن سيرين، هٰكذا رواه مسلم فى صحيحه عن هشام بن حسان عن ابن سيرين عن عبد الله بن شقيق".

(كشف الاستار، ج:۲/ص:۳۶۵)

ترجمہ:۔ ان کا قول از محمد بن عبداللہ بن شقیق یہ سہو کتابت ہے اور صحیح از محمد از عبداللہ بن شقیق ہے، اور محمد یہ ابن سیرین ہیں جیسا کہ اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں از ہشام از ابن سیرین از عبداللہ بن شقیق روایت کیا ہے۔

شرح معانی الآثار میں ایک سند یوں آتی ہے:

☆ حدثنا ابو بكرة قال ثنا ابو عمر الضرير قال انا ابو عوانة عن سليمان الاعمش عن سعيد بن عبيدة عن المستور ومن الاحنف.

اس کے تحت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"قوله سعيد بن عبيدة الصواب سعد بن عبيدة كما هو فى رواية النسائى، قال فى تهذيب التهذيب سعد بن عبيدة السلمى ابو ضرة الكوفى، الخ". (كشف الاستار، ج:۲/ص:۳۸۸)

ترجمہ:۔ ان کا قول سعید بن عبیدہ، صحیح سعد بن عبیدہ ہے، جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے، تہذیب التہذیب میں کہا سعد بن عبیدۃ سلمی ابوضرۃ کوفی۔

شرح معانی الآثار میں ایک سند یوں آئی:

☆ حدثنا ربيع الجيزى قال ثنا ابو الاسود قال ثنا ابن لهيعة عن العلاء بن كثير عن الحارث بن سعيد الكندى عن عبد الله بن نمير اليحصبى، الخ.

اس کے تحت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"قوله عبد الله بن نمير، هٰذا غلط من الكاتب، والصواب عبد الله بن منين بنونين مصغرا". (كشف الاستار، ج:۲/ص:۴۳۴)

ترجمہ:۔ ان کا قول عبداللہ بن نمیر یہ کاتب کی غلطی ہے

اور صحیح عبد اللہ بن منین دونوں نون کے ساتھ مصغر ہے۔

اس طرح بہت سارے مقامات ہیں، جہاں آپ نے تصحیفات اور کتابت کی غلطی کی نشان دہی فرما کر دلائل کی روشنی میں تصحیح کا فریضہ انجام دیا ہے۔

اجمال و تفصیل:

اہل علم پر مخفی نہیں کہ محدث مصادر اصلیہ میں حدیث کی روایت ذکر کرتے وقت راوی کے نام میں اختصار سے کام لیتا ہے اور اسمائے رجال کے اختصار کے باعث پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے، مثلاً "حدثنا عبد الله" یا "عن عبد الله" کہہ کر آگے بڑھ گیا، اب محقق سند کو طے کرنا ہے کہ یہ عبد اللہ کون ہے؟ کیوں کہ عبد اللہ نام کے سیکڑوں راوی ہیں، بعض صحابی، بعض تابعی، بعض تبع تابعی، بعض ثقہ، بعض ضعیف۔ اب جب تک یہ متعین نہیں ہوجاتا، اس وقت تک حکم حجت و ضعف لگانا مشکل ہے۔

بکثرت مقامات پر ہم نامی کے باعث پیدا ہونے والی دشواری کو بڑی آسانی کے ساتھ صدر الشریعہ نے حل فرما دیا ہے۔

شرح معانی الآثار میں ایک سند یوں آئی:

حدثنا احمد بن داؤد قال ثنا مسدد قال ثنا خالد بن عبد الله قال ثنا حصين عن عمرو بن مرة، الخ.

مذکورہ سند میں عمرو بن مرۃ سے کون مراد ہے؟ ابو عبد اللہ کوفی یا ابو طلحہ؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

قوله عن عمرو بن مرة، هذا هو عمرو بن مرة بن عبد الله بن طارق بن الحارث بن سلمة بن كعب بن وائل بن جمل بن كنانة بن ناجية بن مراد الجملي المرادي ابو عبد الله الكوفي الاعمى.

ومن ظن انه عمرو بن مرة الجهني ابو طلحة، فقد اخطأ لان هذا صحابي اسلم قديما وشهد المشاهد ووجه الخطاء ظاهر.

(كشف الاستار، ج:۲/ص:۱۹)

کبھی کبھی سند میں راوی کے اسم صریح کے بجائے کوئی وصف ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً ثقہ نے کہا یا شیخ نے حدیث بیان کی یا ایک آدمی نے روایت کی وغیرہ۔ ایسے مقام پر دشواری مزید بڑھ جاتی ہے اور یہ طے کرنا مشکل تر ہوجاتا ہے کہ اس راوی کا اصل نام کیا ہے؟ لیکن صدر الشریعہ بڑی آسانی کے ساتھ اسے حل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جرح و تعدیل:

صدر الشریعہ نے کشف الاستار میں دو سو سے زائد راویوں پر کہیں مختصر اور کہیں تفصیلی روشنی ڈالی ہے، لیکن جب کسی راوی کی ثقاہت یا ضعف سے بحث کرتے ہیں تو وہ منظر ہی کچھ اور ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تمام ناقدین فن کے اقوال آپ کے پیش نگاہ ہیں اور کتب جرح و تعدیل قوت حافظہ کی گرفت میں ہیں۔

راقم الحروف ان سبھی راویوں کو الگ ایک رسالہ میں جمع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تا کہ فن حدیث کے طلبا کے لیے صدر الشریعہ کی تحقیق سے استفادہ کرنا آسان ہوسکے۔ آنے والے رمضان المبارک میں اس پر کام کا آغاز کیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بہرحال فن جرح و تعدیل میں صدر الشریعہ کی وسعت

نگاہی کے بیان کے لیے صرف تین مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد:

هو عبد الرحمن بن ابى الزناد بن عبد الله بن ذكوان القرشى مولٰهم المدنى.

وہ عبدالرحمٰن بن ابی زناد بن عبداللہ بن ذکوان قرشی مدنی ہیں۔

قال ابو داؤد وعن ابن معين:

اثبت الناس فى هشام بن عروة "عبد الرحمن بن ابى الزناد".

ابوداؤد نے از ابن معین فرمایا:

ہشام ابن عروہ کی روایت ہی لوگوں میں سب سے پختہ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد ہے۔

وقال ابن محرز عن يحيى بن معين:

ليس ممن يحتج به اصحاب الحديث، ليس بشىء وقال معاوية بن صالح وغيره عن ابن معين ضعيف.

ابن محرز نے از ابن معین فرمایا:

عبدالرحمٰن ان راویوں میں سے نہیں ہے جن اصحاب حدیث احتجاج کرتے ہیں وہ کوئی چیز نہیں، اور معاویہ بن صالح نے ام ابن معین کہا: وہ ضعیف ہے۔

وقال الدورى عن ابن معين:

لا يحتج بحديثه، وهو دون الدراوردى

اور دوری نے از ابن معین کہا:

اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جاتا اور وہ دراوردی سے نیچے درجہ کا ہے۔

وقال صالح بن احمد عن ابيه:

مضطرب الحديث.

امام احمد نے فرمایا:

وہ مضطرب الحدیث ہے۔

وقال محمد بن عثمان عن ابن المدينى:

كان عند اصحابنا ضعيفا.

ابن مدینی نے فرمایا:

ہمارے اصحاب کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔

وقال عبد الله بن على بن المدينى عن ابيه:

ما حدث بالمدينة فهو صحيح وما حدث ببغداد افسده البغداديون، ورأيت عبد الرحمن بن مهدى يخط على احاديثه، وكان يقول فى حديثه عن شيختهم فلان وفلان وفلان، قال ولقنه البغداديديون عن فقهاء هم.

علی بن مدینی نے فرمایا:

اس نے جو حدیث مدینہ میں بیان کی وہ صحیح ہے اور جو کچھ بغداد میں بیان کیا اسے اہل بغداد نے بگاڑ دیا اور میں نے دیکھا ابن مہدی کو وہ اس کی حدیثوں پر نشان لگاتے تھے، اور اس کے مشائخ حدیث کے بارے میں فرماتے: یہ فلاں ہے، وہ فلاں ہے، وہ فلاں ہے۔ اور فرمایا کہ اہل بغداد نے اپنے فقہا کی باتوں کو اسے تلقین کیا تھا۔

وقال صالح بن محمد:

روى عن ابيه اشياء لم يروها غيره، وتكلم فيه مالك لروايته عن ابيه، كتاب السبعة يعنى الفقهاء وقال اين كنا عن هٰذا.

صالح بن محمد نے فرمایا:

اس نے اپنے والد سے ایسی چیزیں روایت کی جسے اس کے غیر نے نہیں روایت کی اور اس نے اپنے والد سے کتاب سبعہ یعنی کتاب الفقہا روایت کی، اس کی وجہ سے امام مالک نے اس پر تنقید کی اور کہا: کہاں ہم کہاں یہ؟

وقال يعقوب بن شيبة:

ثقة، صدوق، وفى حديثه ضعيف، سمعت على بن المدينى يقول حديثه بالمدينة مقارب، وما حدث به بالعراق فهو مضطرب.

یعقوب بن شیبہ نے کہا:

وہ ثقہ صدوق ہے، اور اس کی حدیث میں ضعف ہے۔ میں نے ابن مدینی کو فرماتے ہوئے سنا، اس کی مدینہ منورہ کی حدیثیں متوسط ہیں اور جو عراق میں بیان کیا وہ مضطرب ہیں۔

قال علی:

وقد نظرت فى ما روى عنه سليمان بن داؤد الهاشمى فرأيتها مقاربة.

علی نے کہا:

میں نے ان روایتوں میں غور کیا جن کو سلیمان ہاشمی نے اس سے لی ہے تو میں نے ان کو متوسط درجہ کا پایا۔

وقال عمرو بن علی:

فيه ضعيف، فما حدث بالمدينة اهم مما حدث ببغداد، كان عبد الرحمن يخط على حديثه.

اور عمرو بن علی نے فرمایا:

اس میں ضعف ہے، اس نے جو حدیثیں مدینہ میں بیان کی وہ اس سے زیادہ صحیح ہیں جو اس نے بغداد میں بیان کی ہے۔ ابن مہدی اس کی حدیثوں پر نشان لگایا کرتے تھے۔

وقال فى موضع آخر:

تركه عبد الرحمن.

اور دوسری جگہ فرمایا:

ابن مہدی نے اسے چھوڑ دیا تھا

وقال الساجى:

فيه ضعف وما حدث بالمدينة اصح مما حدث ببغداد.

ساجی نے فرمایا:

اس میں ضعف ہے، اور جو اس نے مدینہ میں بیان کی وہ زیادہ صحیح ہیں اس سے جو اس نے بغداد میں بیان کیا۔

وقال ابن ابى حاتم:

سألت ابا زرعة عنه وعن ورقاء وشعب والمغيرة ايهم احب اليک فى ابى الزناد؟ قال كلهم احب الى من عبد الرحمن بن ابى الزناد.

ابن ابو حاتم نے فرمایا:

میں نے امام ابوزرعہ رازی سے اس کے بارے میں اور ورقا وشعیب اور مغیرہ کے بارے میں پوچھا کہ ابوزناد کے بارے میں ان میں سے کون زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ سب مجھے ابوزناد سے زیادہ پسند ہیں۔

وقال النسائى:

لا يحتج بحديثه.

نسائی نے فرمایا:

اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔

وقال ابن سعد:

قدم فی جامعه فسمع منه البغدادیون و کان کثیر الحدیث، و کان یضعف لروایته عن ابیه مات ببغداد ستة اربع وسبعین ومائة ومولده سنة مائة.

اورابن سعد نے فرمایا:

وہ اپنی جامع میں آتے تو اہل بغداد نے ان سے سماعت کی اور کثیر الحدیث ہیں اور اپنے والد سے روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف قرار دیے جاتے ہیں ۱۷۴ھ میں بغداد میں وفات پائی اور ان کی ولادت ۱۰۰ھ میں ہوئی تھی۔

وقال الشافعی:

کان ابن ابی الزناد یکاد یجاوز القصد فیذم مذهب مالک.

امام شافعی نے فرمایا:

ابن ابی الزناد مذہب امام مالک کی بُرائی بیان کرنے میں تقریباً حد سے بڑھا ہوا تھا۔ (کشف الاستار، ج:۲رص:۱۱)

ابوبکر بن عیاش:

ابوبکر بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی المقرئ الحفاظ بمهملةونون مشهور بکنیة والاصح انها اسمه وقیل اسمه محمد او عبد الله او سالم او شعبة او روبة او مسلم او خداش او مطرق او حماد او حبیب عشر اقوال.

ثقة عابد الا انه لما کبر ساء حفظه وکتابه صحیح من السابقة ومائة سنة اربع وسبعین وقیل قبل ذلک بسنة او سنة او سنتین وقد قارب المائة وروایته فی مقدمة مسلم کذا فی التقریب.

ابوبکر بن عیاش بن سالم الاسدی کوفی مقری حفاظ ہائے مہملہ اور نون کے ساتھ اپنی کنیت سے مشہور ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہی ان کا نام ہے، اور کہا گیا ہے کہ ان کا نام محمد یا عبداللہ یا سالم یا شعبہ یا روبہ یا مسلم یا خداش یا مطرف، حماد یا حبیب دس اقوال ہیں۔

ثقہ عادل ہیں، مگر بُڑھاپے میں حافظہ بگڑ گیا تھا اور ان کی کتاب صحیح ہے، ساتویں طبقہ سے آتے ہیں ۱۹۴ھ میں وفات پائی، اور کہا گیا اس سے ایک یا دو سال قبل وہ تقریباً سو سال کے تھے، ان کی روایت مقدمہ مسلم میں ہے جیسا کہ تقریب میں ہے۔

وقال فی تهذیب التهذیب:

قال الحسن ابن عیسی ذکر ابن المبارک ابا بکر ابن عیاش فاثنی علیه.

اور تہذیب التہذیب میں فرمایا:

حسن ابن عیسی نے کہا امام عبداللہ بن مبارک نے ابوبکر بن عیاش کا ذکر کیا تو ان کی تعریف کی۔

وقال صالح ابن احمد عن ابیه:

صدوق صالح صاحب قرآن وخبر.

امام احمد نے فرمایا:

سچا، صالح، صاحب کتاب وحدیث ہیں۔

وقال عبد الله ابن احمد عن ابیه:

ثقة وربما غلط.

امام احمد نے فرمایا:

ثقہ ہیں کبھی کبھار غلطی کر بیٹھتے ہیں۔

وقال عثمان الدارمی:

قلت لابن معین فابوالاحوص احب الیک

فی ابی اسحاق او ابوبکر ابن عیاش قال ما اقرب هما قلت الحسن ابن عیاش اخو ابی بکر کیف وریحه؟ قال هو ثقة.

عثمان دارمی نے کہا:

میں نے ابن معین سے عرض کیا ابواسحاق کی روایتوں میں ابوالاحوص آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا ابوبکر بن عیاش؟ تو فرمایا: تقریباً دونوں ہی، میں نے کہا: ابوبکر کا بھائی حسن بن عیاش کی حدیثیں کیسی ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہے۔

قال عثمان:

هما من اهل الصدق والامانة وليس بذاک فی الحديث.

عثمان نے کہا:

وہ دونوں اہل صدق وامانت ہیں اور ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں۔

وقال ابن ابی حاتم:

سالت ابی عن ابی بکر بن عیاش وابی الاحوص فقال ما اقربهما، لا ابالی بايهما بدأت. قال وسئل ابی ابی عن شریک وابی بکر بن عیاش ايهما احفظ؟ فقال هما فی الحفظ سواء غير ان ابا بكر اصح كتابا، قلت لابی ابو بکر او عبد الله ابن بشر الرفی؟ قال ابو بکر احفظ منه واوثق، وذكره ابن حبان فی الثقات.

ابن ابوحاتم نے کہا:

میں والد گرامی سے ابوبکر اور ابوالاحوص کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ دونوں قریب قریب ہیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں ان دونوں میں سے کس سے شروع کروں؟ فرمایا: والد گرامی سے۔ شریک اور ابن عیاش کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان میں کون زیادہ یاد داشت والا ہے؟ فرمایا: یادداشت میں دونوں برابر ہیں، ہاں ابوبکر کتاب کی وجہ سے زیادہ صحیح ہے۔ میں نے والد گرامی سے ابوبکر اور رفی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ابوبکر اس سے احفظ اور اوثق ہے۔ اور اسے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

وقال ابن عدی:

ابو بكر هذا كوفى مشهور وهو يروى عن اجلة الناس وحديثه ستذكره وهو من مشهور مشائخ كوفة وقراهم وعن عاصم بن بهدلة احد القراء وفى كل رواياته عن كل من روى عنه لا بأس به وذالک ان لم اجد له حديثا منكرا اذا روى عنه ثقة الا ان يروى عن ضعيف.

اور ابن عدی نے فرمایا:

ابوبکر یہ کوفی مشہور ہے، لہٰذا وہ بزرگ لوگوں سے روایت کرتا ہے اور ان کی حدیثوں کو ذکر کرتا ہے، اور وہ کوفہ کے مشہور مشائخ اور قراء میں سے ہے، اور عاصم نے جو قرا میں سے ایک ہیں نے فرمایا: میں نے اس کی حدیثوں کو منکر نہیں پایا، جب کہ وہ ثقہ سے روایت کرے مگر یہ کہ جب ضعفا سے روایت کرے۔

قال ابراهيم بن شماس:

سمعت ابراهيم بن ابی بكر ابن عياش قال مما نزل بابی الاموت، قالت يا ابت ما اسمک؟

قال يا بنى ان اباک لم یکن له اسم وان اباک اکبر من سفیان باربع سنین وانه لم یأت فاحشة قط وانه یختم القرآن من ثلثین سنة کل یوم مرة.

وقال ابن حبان:

مولده سنة خمس او ست تسعین.

وقال ابن ابی داؤد قال احمد بن حنبل:

احسب ان مولده سنة مائة وکان یقول انا نصف الاسلام وکان جلیلا.

وکان شریک یقول:

رأیت ابا بکر عند ابی اسحاق یأمر وینهی کانه رب البیت مات هو هارون الرشید فی شهر واحد سنة ثلاث وتسعین ومائة وکان قد صام سبعین سنة وقامها وکان لا یعلم له باللیل نوم.

وقال العجلی:

کان ثقة قدیما صاحب سنة وعبادة وکان یخطی بعض الخطاء تعبد سبعین سنة.

وقال ابن سعد:

عمر حتی کتب عنه الاحداث وکان من العباد نزل بالکوفة فی جمادی الاولی فی الشهر الذی مات فیه رشید وکان ثقة صدوقا عارفا بالحدیث والعلم الا انه کثیر غلط.

وقال ابن الجوزی فی کتاب صفوة الصفوة:

وقال یحیی الحمانی:

سمعت ابا بکر بن عیاش یقول اتیت زمزم فاستسقیت عسلا واتیتها فاستسقیت منها لبنا واتیتها فاستسقیت منها ماء.

قال محمد بن الحجاج بن جفر بن ایاس بن نذیر الضبی.

کان ابو بکر بن عیاش یقوم اللیل فی قباء صوف وسراویل وعکازة یضعها فی صدره فیتکئ علیها حین کبر فیجئ لیلته.

وقال اسحاق ابن الحسن:

کان ابو بکر ابن عیاش لما کبر یأخذ اقطاره ثم یغمسه فی الماء فی جر کان له بیت مظلم ثم یقول یا ملئکتی، طالت صحبتی لکما فان کان لکما عند الله شفاعة فاشفعا لی.

وقال یزید ابن هارون:

وذکر عنده ابو بکر بن عیاش فقال کان ابوبکر بن عیاش خیرا فاضلا لم یضع جنبه الی الارض اربعین سنة.

وقال ابو عیسی النخعی:

لم یفرش لابی بکر ابن عیاش فراش خمسین سنة.

وقال احمد بن محمد بن مسروق:

سمعت الحمانی یقول:

لما حضرت ابا بکر بن عیاش الوفاة بکت اخته فقال لها ما یبکیک؟ انظری الی تلک الزاویة التی فی البیت قد ختم اخوک فی الزاویة ثمانیة عشر الف ختمة.

وقال الهیثم بن فارجة:

رأیت ابا بکر بن عیاش فی النوم قدامه طبق رطب سکر فقلت له یا ابا بکر علی تدعونا الیه وقد کنت سخیا علی الطعام فقال لی یا ھیثم ھٰذا طعام اھل الجنة لا یأکله اھل الدنیا.

قال، قلت وبما نلت؟

قال: تسألنی عن ھٰذا وقد مضت علی ست وثمانون سنة، اختم فی کل لیلة منھا القرآن.

(کشف الاستار، ج: ۲/ص: ۲۲/۲۳)

اسماعیل بن عیاش:

قال مسلم فی خطبة صحیحة:

حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن الدارمی قال انا زکریا بن عدی قال قال لی ابو اسحاق الفرازی،

اکتب عن بقیة ما روی عن المعروفین، ولا تکتب عنه ما روی عن غیر المعروفین، ولا تکتب عن اسماعیل بن عیاش ما روی عن معروفین ولا عن غیرھم، اھ

وروی الترمذی فی سته بھٰذا السند خذوا عن بقیة ما حدثکم عن الثقات، ولا تاخذوا عن اسماعیل بن عیاش ما حدثکم عن الثقات، ولاعن غیر الثقات، اھ

امام مسلم نے اپنے صحیح کے خطبہ میں فرمایا:

مجھ سے عبداللہ دارمی نے کہا کہ مجھے زکریا بن عدی نے خبر دی انھوں نے کہا کہ مجھ سے ابواسحاق فرازی نے کہا۔

بقیہ کی ان روایتوں کو لکھو جو اس نے معروفین سے روایت کی ہے اور ان روایتوں کو نہ لکھو جو اس نے غیر معروفین سے حاصل کی ہے، اور اسماعیل بن عیاش کی روایتوں کو نہ لکھو چاہے وہ معروفین سے روایت کی ہو یا غیر معروفین سے،اور ترمذی نے اپنی سنن میں اسی سند سے ذکر کیا ہے کہ تم لوگ بقیہ کی روایتوں کو لو جو اس نے تم سے از ثقات بیان کیا ہے اور اسماعیل کی روایتوں کو نہ لو خواہ از ثقات یا از غیر ثقات بیان کرے۔

وقال فی تھذیب التھذیب.

قال یعقوب بن سفیان:

تکلم قوم فی اسماعیل، واسماعیل ثقة عدل، اعلم الناس مجدیت الشام، واکثر ما قالوا یقرب عن ثقات المدنیین والمکیین.

اور تہذیب التہذیب میں فرمایا،

یعقوب بن سفیان نے کہا:

ناقدین کی ایک جماعت نے اسماعیل کے بارے میں کلام کیا ہے اور اسماعیل ثقہ وعادل ہے، اہل شام کی حدیثوں کو وہ زیادہ جاننے والا ہے۔

وسئل یحیی بن معین عن اسماعیل بن عیاش فقال لیس به فی اھل الشام بأس، والعراقیون یکرھون حدیثه.

اور یحیٰی بن معین سے اسماعیل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

اہل شام کی حدیثوں کے بارے میں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اہل عراق اس کی حدیثوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

وقال محمد بن عثمان بن ابی شیبة عنه:

ثقة فیما روی عن المشایین واما روایته عن اھل

الحجاز فان كتابه ضاع فخلط فی حفظه عنهم.

اور ابن شیبہ نے از یحیٰ بن معین بیان کیا ہے:

شامیوں سے روایت میں وہ ثقہ ہے، لیکن اہل حجاز سے اس کی روایتیں ٹھیک نہیں، کیوں کہ اس کی کتاب ضائع ہوگئی تھی تو اس نے ان لوگوں سے روایت کرنے میں خلط ملط کر دیا

وقال مضر بن محمد الاسدی عنه:

اذا حدث عنی الشامیین، وذکر الخبر فحدیثه مستقیم واذا حدث عن الحجازیین والعراقیین خلط.

مضر بن محمد اسدی نے از یحیٰ کہا:

جب وہ شامیین سے روایت کرے اور حدیثیں ذکر کرے تو اس کی حدیث ٹھوس ہے اور جب وہ اہل حجاز وعراق سے روایت کرے تو گڈمڈ کر دیتا ہے۔

وقال ابو بکر المروزی:

سألته یعنی احمد فحسن روایته عن الشامیین، وقال هو فیهم احسن حالا مما روی عن المدنیین وغیرهم وقال ابو داؤد عنه. ما حدث عن مشائخهم، قلت الشامیین، قال نعم فاما ما احدث عن غیرهم فعنده مناکیر. وفی المصنف یعنی مصنف اسماعیل احادیث مضطربة.

اور ابو بکر مروزی نے کہا:

میں نے احمد سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے شامین سے اس کی روایتوں کی تحسین کی اور فرمایا وہ شامین کے بارے میں زیادہ بہتر ہے حال والا ہے، مدنی وغیرہ راویوں سے روایت کرنے کے اعتبار سے، اور ابو داؤد نے ان ہی سے نقل فرمایا وہی جوان کے مشائخ نے ذکر کیا، میں نے کہا: اہل شام؟ تو فرمایا: ہاں، لیکن جوان کے مشائخ کے علاوہ سے روایت کرے تو ان کے نزدیک وہ روایتیں منکر ہیں، اور مصنف اسماعیل میں حدیثیں مضطرب ہیں۔

وقال محمد بن عثمان بن ابی شیبة عن علی بن المدینی:

کان یوثق فیما روی عن اصحابه اهل الشام. فاما ما روی عن غیر اهل الشام، ففیه ضعف وقال الفلاس نحو ذالک.

اور ابن مدینی نے کہا:

اس کی توثیق کی جاتی ہے اس میں جو اس نے اصحاب اہل شام سے روایت کی ہے۔ لیکن غیر اہل الشام کی روایتیں تو ان میں ضعف ہے، اور فلاس نے ایسا ہی کہا۔

وقال ایضا:

کان عبد الرحمن لا یحدث عنه.

نیز فرمایا:

ابن مہدی اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔

وقال عبد الله بن علی بن المدینی عن ابیه:

ما کان ما کان احد اعلم مجدیث اهل الشام من اسماعیل لو ثبت علی حدیث اهل الشام ولکنه خلط وفی حدیثه عن اهل العراق، وحدثنا عنه عبد الرحمن قدیما وترکه.

ابن مدینی نے فرمایا:

اہل شام کی حدیثوں کو اسماعیل سے زیادہ جاننے والا

کوئی نہیں، لیکن اہل عراق سے اپنی روایتوں میں گڈمڈ کردیا ہے اور ہم سے عبدالرحمٰن نے اس کی اہل عراق کی حدیثیں قدیم زمانے میں بیان کیں اور اس کو چھوڑ دیا۔

وقال رحیم:

اسماعیل فی الشامیین غایة، وخلط عن المدنیین وکذا قال البخاری والدولابی ویعقوب بن شیبة.

رحیم نے کہا:

اسماعیل شامیوں کے بارے میں مرکز نگاہ ہے، حالاں کہ مدنیین کی روایتوں میں خلط ملط کردیا ہے، ایسا بخاری ودولابی وابن شیبہ نے فرمایا۔

وقال ابن عدی:

اذا روی عن الحجازیین فلا یخلو من غلط، اما یکون حدیثا برأسه او مرسلا یرسله او موقوفا یرفعه و حدیثه عن الشامیین اذا روی عنه ثقة فهو مستقیم.

ابن عدی نے کہا:

جب حجازیین سے روایت کرے تو غلطی سے محفوظ نہیں، یا تو حدیثیں اصل صورت میں ہوتیں یا مرسل ہوتیں جسے ارسال کرتا یا موقوف ہوتیں، جنھیں مرفوع بنا دیتا، اور اس کی شامیین کی حدیثیں جب اس سے ثقہ لوگوں نے روایت کیں ہیں تو وہ ٹھیک ہیں۔

وقال وکیع:

اخذ منی اطرافا لاسماعیل بن ابی خالد، فرأیته یخلط فی اخذه.

امام وکیع نے فرمایا:

اس نے مجھ سے ابن ابو خالد کے اطراف حدیث کو لیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے اخذ کرنے میں گڈمڈ کردیا۔

وقال الجوزجانی:

سألت ابا مسهر عن اسماعیل بن عیاش وبقیة فقال: کل منهما کان یأخذ عن غیر ثقة فاذا اخذت حدیثهم عن الثقات فهو ثقة.

اور جوزجانی نے کہا:

میں نے ابو مسہر سے اسماعیل بن عیاش اور بقیہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ان میں سے ہر ایک غیر ثقہ سے اخذ کرتا ہے تو جب تم ثقات سے ان لوگوں کی حدیثیں لو تو وہ ثقہ ہے۔

وقال الجوزجانی:

اما اسماعیل فما اشبه حدیثه بثیاب نیسا بور، یرقم علی الثوب المائة، واقل وشراء ه دون عشرة، وکان اروی الناس عن الکذابین وهو فی حدیث الثقات من الشامیین احمد منه فی حدیث غیرهم.

جوزجانی نے کہا:

لیکن اسماعیل تو اس کی حدیثیں نیشاپوری کپڑوں کے مانند ہیں اور وہ دیگر لوگوں سے زیادہ کاذبین سے روایت کرنے والا ہے، اور وہ شامی ثقات کی حدیثوں میں زیادہ قابل تعریف ہے، بہ نسبت غیر کی حدیثوں میں۔

وقال محمد بن المثنی:

ما سمعت عبد الرحمن یحدث عن اسماعیل بن عیاش قط.

محمد بن مثنیٰ نے فرمایا:

میں نے کبھی بھی اسماعیل بن عیاش کی حدیثوں کو بیان

کرتا ہوا ابن مہدی کو نہیں سنا۔

وقال ابن خزيمة:

لا يحتج به.

ابن خزیمہ نے کہا:

وہ قابل احتجاج نہیں۔

وقال ابن المبارک:

لا استحل حديثه وضعف روايته عن غير الشاميين ايضا.

ابن مبارک نے فرمایا:

میں اس کی حدیث کو جائز نہیں سمجھتا اور غیر مشائین سے بھی اس کی روایت نہیں ہے۔

وقال الحاكم:

هو مع جلالته اذا انفرد محديت لم يقبل منه لسوء فضله. وروى عن على بن حجر انه قال: ابن عياش حجة لو لا كثرة وهمه.

حاکم نے کہا:

وہ اپنی بزرگی کے باوجود جب حدیث میں منفرد ہو تو وہ بد حافظہ کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ اور انھوں نے علی بن حجر سے روایت کی کہ انھوں نے کہا ابن عیاش اگر کثرتِ وہم میں مبتلا نہ ہو تو حجت ہے۔

وقال ابن حبان:

وكان اسماعيل من الحفاظ المتقنين فى حديثهم فلما كبر تغير حفظه فما حفظه فى صباه وحداثته اتى به على جهته وما حفظ على الكبر من حديث الغرباء خلط فيه، وادخل الاسناد فى الاسناد والزق المتن بالمتن وهو لا يعلم، فمن كان هٰذا نعته، حتى صار الخطأ فى حديثه يكثر خرج عن حد الاحتجاج به.

ابن حبان نے کہا:

اسماعیل حفاظ متقنین میں سے تھا ان کی حدیثوں کے بارے میں، پھر بڑھاپے میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تو جو اس نے بچپنے اور جوانی میں یاد کیا تھا اسے اسی جہت سے بیان کرتا، اور جو بڑھاپے میں غیر معروف راویوں سے یاد کیا اس میں اختلاط کر دیا، ایک سند کو دوسری سند میں داخل کر دیتا اور ایک متن کو دوسرے متن سے ملا دیتا اور جان نہیں پاتا، یہ اس کی حالت تھی، یہاں تک کہ حدیثوں میں بکثرت خطا واقع ہونے کے باعث دائرۂ احتجاج سے نکل گیا۔

(کشف الاستار، ج:۲/ص:۲۸/۲۹)

ذرا غور کیجیے! صدر الشریعہ ایک ایک راوی پر کتنے ائمہ کے اور کتنے طرح کے اقوال بیک جنبش قلم لکھتے چلے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدر الشریعہ نہ صرف یہ کہ میدانِ فقہ و فتاویٰ کے عظیم شہسوار تھے، بلکہ علومِ حدیث میں بھی امام احمد رضا محدث بریلوی کے جانشین و وارث تھے۔

فقط

کوثر امام قادری

۱۵/ شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ

خادم دار العلوم قدوسیہ اہل سنت فخر العلوم

پرسونی بازار، مہراج گنج یوپی

☆☆☆

کشف الاستار
اور حضور صدر الشریعہ کے افادات

مفتی ابوالحسن قادری

فقیہ اعظم ہند، قاضی ہندوستان، صدرالشریعہ، بدر الطریقہ علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ اپنے زمانے میں عبقری حیثیت کے مالک تھے۔ علم وفضل، تقوی، طہارت نفسی، خدمت مذہب وملت، تائید مسلک، تصلب فی الدین اور خلوص عمل، تدریس وافتا، تحقیق وتصنیف میں بے مثال تھے۔ یقیناً وہ فضل وکمال کا ایک پیکر تھے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وعمل کے واضح نمونہ تھے۔

ان کا تفقہ سکہ رائج الوقت تھا، خود مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ وتعالی عنہ کو ان کے تفقہ پر اعتماد کامل تھا اسی لیے "صدر الشریعہ" کا اعزازی لقب عطا فرمایا اور علی رؤس الاشہاد اعلانیہ فرمایا:

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا"۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کی صداقت پر سترہ حصوں پر مشتمل بہار شریعت اور چار جلدوں پر آپ کے فتاویٰ برہان ہیں۔

آج ہزاروں، لاکھوں علما وعوام اہل سنت ان سے استفادہ کرتے ہیں اور فقہی تشنگی بجھاتے ہیں۔ اسی طرح علم حدیث پر بھی آپ کو دستگاہ ومضبوط گرفت حاصل تھی۔ امام طحاوی کی نہایت معرکۃ الآرا کتاب شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی شریف پر گراں قدر حاشیہ کشف الاستار روشن آئینہ ہے۔ علاوہ ازیں آپ سے درس حدیث لے کر پوری دنیائے سنت کو علم حدیث کی خوشبو سے مہکانے والے محدثین مثلاً جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پور، استاذ العلما حضرت علامہ مفتی سردار احمد گورداس پوری محدث اعظم پاکستان، رئیس التارکین مجاہد ملت حضرت علامہ مفتی محمد حبیب الرحمان محدث اڑیسہ، رئیس العلما حضرت علامہ مفتی مبین الہدیٰ محدث امروہوی، صدر العلما حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی، شیر بیشۂ اہل سنت اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی خان محدث پیلی بھیت وغیرہم آپ کی شان محدثانہ کا روشن ثبوت ہیں اور شک نہیں کہ کم ہی افراد ایسے پائے جاتے ہیں جو فقہ اور حدیث دونو ں میں مہارت تامہ رکھتے ہوں اور دونوں کے اندر تحریر و تقریر کے نقوش چھوڑے ہوں۔

بفضل رب تعالیٰ فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات گرامی اس اعتبار سے بھی قابل فخر ورشک ہے کہ آپ نے فقہ کے میدان میں جہاں زریں کارنامہ انجام دیا ہے وہیں علم حدیث کی خدمت بھی اعلیٰ پیمانے پر کی ہے۔ حاشیہ

طحاوی شریف معروف بہ ''کشف الاستار'' علم حدیث میں آپ کی وہ عظیم خدمت ہے کہ رہتی دنیا تک طالبان علم حدیث اس سے متمتع ہوتے رہیں گے، اور اس کی خوشبو سے مشام جاں معطر کرتے رہیں گے۔ آپ کا یہ حاشیہ اگرچہ اپنے نام کے اعتبار سے حاشیہ ہے مگر اپنی جامع بحثوں، لغات واسما کی تشریح، مسائل واحکام کی تفصیل، احادیث واسناد کی تخریج، تعارض کی تطبیق، اشکال وایرادات کا دفاع، ضروری بسط و شرح، افادات وتحقیقات کی کثرت کے لحاظ سے ایک شاندار اور جامع شرح ہے۔

آپ نے اپنی خدا داد اعلیٰ صلاحیت سے اس حاشیہ کو سیکڑوں علمی، فقہی، لغوی، فکری افادات سے معمور کر کے علوم و معارف کا موجزن سمندر بنا دیا ہے۔ اس علمی وتحقیقی سمندر میں آپ کے خصوصی افادات، ذاتی تحقیقات کے بے شمار جواہر پارے ہیں۔ ان سب کا احاطہ مجھ کوتاہ علم کے بس سے باہر ہے۔ البتہ ذیل کے سطور میں چند افادات پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

گر قبول افتدز ہے عزوشرف

تخریج احادیث:

کشف الاستار حدیث کی متداول معرکۃ الآرا نہایت معتبر ومستند کتاب کا حاشیہ ہے۔ کتب حدیث کی شرح یا حاشیہ کا لازمہ ہے کہ اس میں متن حدیث کی تخریج ہو، اس کے تمام مصادر کا تذکرہ ہو، تاکہ اس کی قوت واضح واجاگر ہو۔ فقیہ اعظم صدر الشریعہ قدس سرہ نے اسی لیے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے کہ کشف الاستار میں متون حدیث کی تخریج کرتے، ان کے مصادر کو مفصلا ذکر فرماتے ہیں۔ ساتھ ہی سارے راویوں کے اسما کی صراحت فرماتے ہیں۔

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''باب المستحاضة كيف تتطهر للصلوٰة'' کے تحت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ذکر کی۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ حدیث عائشہ کی یوں تخریج وتفصیل کرتے ہیں۔

حديث عائشه: ان ام حبيبة استحيضت اخرجته الستة

اخرجه البخارى عن الزهرى عن عروة و عمرة عن عائشة

واخرجه مسلم فى الطهارة عن قتيبة عن محمد بن رمح

و اخرجه ابو دائود عن يزيد بن خالد بن موهب ثلاثتهم عن ليث

و اخرجه الترمذى و النسائى جميعا عن قتيبة و قال الاوزاعى عن الزهرى عن عروة و عمرة عن عائشة.

اخرجه ابو دائود ايضا عن عطاء عن محمد بن اسحاق المسمى عن ابيه عن ابن أبى ذئب و قال ابو الحسن بن العبد و ابو بكر بن داسة و غير واحد عن أبى دائود باسناده عن عروة عن عمرة عن عائشة.

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور صدر الشریعہ قدس سرہ نے ہر حدیث کی تحقیق یہاں تک کی ہے کہ وہ حدیث کن راویوں سے مروی ہے اور حدیث کی کن کن کتابوں میں منقول

ہے۔اس سے حدیث کی اسنادی حیثیت مستحکم ہو جاتی ہے اور وضع حدیث کا الزام بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔

طرق احادیث کا احاطہ:

کبھی حدیث ایک ہی ہوتی ہے مگر اس کی روایت متعدد سندوں کے ساتھ ہوتی ہے تو اس طرح وہ حدیث مزید قوی اور قابل قبول ہوتی ہے۔اس لیے حدیث کے تمام طرق کا احاطہ نہایت عظیم کام ہے۔حضور صدر الشریعہ قدس سرہ نے حاشیہ کشف الاستار میں اس اعتبار سے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی اور متعدد طرق کی احادیث کی ساری اسناد و طرق کو بڑی جانفشانی کے ساتھ جمع فرمایا۔یہاں صرف ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

شرح معانی الآثار میں حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے:

"نہیت أن أقرأ و انا راکع او ساجد".

اس حدیث کے سات طرق ہیں۔حضور صدر الشریعہ ان کا احاطہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث علی رضی اللہ عنہ:

هذا اخرجه مسلم فی صحیحه بطرق عدیدة.

اولها: عن ابن شهاب عن ابن ابراهیم ابن عبد الله بن حنین أن أباه حدثه أنه سمع علی بن أبی طالب قال نهانی رسول الله صلی الله علیه و سلم أن أقرأ راکعااو ساجد.

والثانی: عن الولید بن کثیر قال حدثنی ابراهیم بن عبد الله الی اٰخر السند.

و الثالث: عن زید بن اسلم عن ابراهیم (الی اخر السند)

والرابع: عن دائود بن قیس قال حدثنی ابراهیم بن عبد الله بن حنین عن أبیه عن ابن عباس عن علی قال نهانی حتیٰ أن اقرارا کعا او ساجدا.

والخامس: عن الضحاک بن عثمان و عن نافع و عن یزید بن أبی حبیب و عن جلان و عن أسامة بن زید و رن محمد بن عمرو و عن محمد بن اسحاق کل هولاء عن ابراهیم بن عبد الله عن حنین عن أبیه عن علی الا الضحاک و ابن عجلان فانها زادا عن ابن عباس عن علی.

و السادس: عن جعفر بن محمد عن محمد بن المنکدر عن عبد الله بن حنین عن علی.

و السابع : عن شعبه عن ابی بکر بن حفص عن عبد الله بن حنین.

(کشف الاستار، ج:۲ ، ص: ۵۱،۵۲)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بالا چند طرق سے مروی ہے:

(۱) ابن شهاب عن ابراهیم بن عبد الله بن حنین بن أبیه عن علی رضی الله تعالیٰ عنه

(۲) ولید بن کثیر عن ابراهیم بن عبدالله.

(۳) زید بن اسلم عن ابراهیم بن عبد الله.

(۴) دائود بن قیس عن ابراهیم بن عبد الله بن حنین عن أبیه عن ابن عباس عن علی.

(۵)ضحاک بن عثمان عن نافع عن یزید بن أبی حبیب عن ابراهیم.

(۶) عجلان عن أسامةبن زیدعن ابراهیم.

(۷) محمد بن عمرو عن ابراهيم بن عبدالله.

(۸) محمد بن اسحاق عن ابراهيم بن عبدالله.

(۹) شعبه عن ابی بکر بن حفص عن عبد الله بن حنین عن ابن عباس.

حضور صدر الشریعہ مذکورہ بالا طرق صرف مسلم شریف سے نقل فرما کر دوسری کتب حدیث پر نگاہ التفات ڈالتے ہیں تو فرماتے ہیں:

وحدیثه هذا رواه الترمذی والنسائی بطرق کثیرة و البیهقی.

کہ یہی حدیث ترمذی ونسائی اور بیہقی میں بہت سے طرق کے ساتھ مذکور ہے۔

اسی طرح "باب مقدار الرکوع و السجود الذی لا یجزی اقل منه" میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے، جس کے متعدد طرق ہیں۔ صدر الشریعہ اس کو نقل کرنے کے بعد اس کے مزید طرق کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں:

و للحدیث طرق اخری من غیر روایة اخرجها ابو داؤد و النسائی من روایة اسحق بن ابی طلحة و محمد بن اسحق و محمد بن عمر بن عجلان داؤد بن قیس کلهم عن علی بن یحیٰ بن خلاد بن رافع الزرقی رن ابیه عن عمه رفاعه بن رافع. (کشف الاستار، ج: ۴۸/۲)

معلوم ہوا کہ حضور صدر الشریعہ قدس سرہ علم حدیث میں ایسے ماہر تھے کہ ہر حدیث کے جملہ مصادر پر واقف وآگاہ تھے۔

محاورات عرب کی تشریح وتفہیم:

ہر زبان کے کچھ مخصوص محاورے ہوتے ہیں جن کا سمجھنا لازم ہوتا ہے، ورنہ اس زبان سے کامل انتفاع نہ ہو سکے گا۔ احادیث کریمہ عربی زبان کی اصل واساس کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں محاورات بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ طحاوی شریف کے اندر "باب الجمع بین الصلاتین کیف هو" میں حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے محاوراتی کلمہ "لا ام لک" استعمال کیا۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اس کا معنی کیا ہوتا ہے اور یہ کب استعمال ہوتا ہے؟۔ وضاحت طلب ہے۔

حضور صدر الشریعہ قدس سرہ نے بحیثیت محشی اس کی تشریح کرتے ہوئے اس کا محل استعمال اور مراد بیان فرمایا۔ چنانچہ صدر الشریعہ رقمطراز ہیں:

هی کلمة تقولها العرب عند الزجر. وکذا ثکلتک امک وحاملیه اان یفتد امه او ان تفقده امه لکنهم قد یطلقون ذلک و لا یریدون حقیقته وقال ابن الاثیر هو ذم و سب ای انت لقیط لا تعرف لک ام. (کشف الاستار، ج: ۱، ص: ۳۵۵)

یہ ایسا کلمہ ہے جس کو اہل عرب زجر وتوبیخ کے وقت استعمال کرتے ہیں، اور یوں ہی "ثکلتک امک" بھی ہے، "جو اپنی ماں کو فدیہ دے کر چھڑائے یا جس کو اس کی ماں کھودے"، مگر کبھی کبھی اہل عرب اس کو استعمال کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت مراد نہیں لیتے۔ اور ابن اثیر نے کہا کہ یہ کلمہ

مذمت اور گالی کا ہوتا ہے جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ تو لقیط ہے، تیری ماں معلوم ومشہور نہیں۔

اس طرح متعدد نظائر کشف الاستار میں موجود ہیں۔

الفاظ ولغات کی تشریح:

حاشیہ یا شرح میں پیچیدہ الفاظ کی توضیح، صورت صیغہ کی تعیین امر لابدّی ہے۔ حضور صدر الشریعہ قدس سرہ نے اپنے کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار میں اس کا باقاعدہ التزام واہتمام فرمایا۔ چنانچہ دو نظائر ملاحظہ فرمائیں:

(۱) لفظ تیمّم کیا ہے؟

آپ لکھتے ہیں:

قوله التيمم وهو مصدر تيمم من باب التفعل و اصله من الام هو القصد يقول امه يؤمه اما اذا قصد. و ذكر ابو محمد فى الكتاب الواعى يقال، ام و تامم و يمم و تيمم بمعنىٰ واحد والتيمم اصله من ذلک لامه يقصد التراب فيمسح به و فى الجامع عن الخليل التيمم يجرى مجرى التوقى تقول تيمم اطيب ما عندک فاطعمنا منه اى توخاه و اجاز ان يكون التيمم العمد و القصد . وهذا الاسم كثر حتىٰ صار اسما للتمسح بالتراب .

(کشف الاستار، ج: ۱، ۲۴۸)

اسی طرح لفظ وتر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۲) قوله باب الوتر هو بالكسر الفرد خلاف الشفع كما جاء فى الحديث ان الله تعالىٰ وتر يحب الوتر اى الله تعالىٰ واحد فى ذاته لا يقبل الانقسام و واحد فى صفاته لا شبه له ولا مثل له فى افعاله فلا معين له و يحب الوتر اى يثيب عليه و يقبله من عامله "اوتروا" امر بصلوٰة الوتر و الوتر بالفتح الدخل هذه لغة اهل العالية و اما لغة اهل الحجاز فبالضد منهم و اما تيمم فبالكسر فيها.

(کشف الاستار، ج:۲، ۱۸۲)

کہ "وِتر" واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہے، اس کا معنی طاق۔ یہ جفت کے خلاف ہے۔ حدیث میں آیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تنہا ہے، ایک ہے، تقسیم کو قبول نہیں کرتا اور اپنی صفات میں بھی یکتا ہے، اس کے جیسا کوئی نہیں، وہ اپنے افعال میں اکیلا ہے تو اس کا کوئی مددگار نہیں اور اللہ وتر پر ثواب عطا فرماتا ہے اور وتر کے حکم پر عمل کرنے والے سے قبول فرماتا ہے۔

"وَتر" واؤ کے فتحہ کے ساتھ دخل کے معنی میں اہل عالیہ کا لغت ہے، لیکن اہل حجاز کے یہاں اس کے برخلاف ہے، یعنی وتر فرد وطاق کے معنی میں فتحہ کے ساتھ اور دخل کے معنی میں کسرہ کے ساتھ ہے۔ جبکہ تمیم کے لوگ دونوں صورتوں میں کسرہ کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔

اسی طرح لفظ "نبل" کی ساخت اور صورت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

النبل بفتح النون وسكون الباء الموحدة السهام العربية وهى مؤنثة وقال ابن سيدة لا واحد له من لفظه وقيل واحدها نبلة مثل تمر و تمرة.

(کشف الاستار، ج: ۱، ص: ۳۹۲)

اسی طرح سیکڑوں الفاظ کی تشریح ایسی ہے جس سے صدر الشریعہ کی علم لغت میں وسعت وکثرتِ مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

اصحاب مذہب کی تعیین:

شرح معانی الآثار کی ترتیب وتدوین فقہ کے اسلوب پر ہے اور باب کی احادیث سے فقہی احکام ومسائل کے ساتھ اصحاب مذہب کے اختلافات اور ان کے نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔ مگر احادیث مذہب کے اسما بالتصریح ذکر نہ کیے گئے، بلکہ "ذھب الیہ قوم" اور "خالفھم قوم" وغیرہ کہہ کر ان کے مشاہدہ ودلائل بیان کر دیے گئے۔

مذاہب متعدد ہیں، اسمائے گرامی مختلف ہیں، علی العموم کتب سلفمیں صراحت مفقود ہے۔ اب مذاہب کی تعیین، اصحاب مذہب کی تحدید بے انتہا مشکل کام ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ کے فیض یافتہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جلالت علمی اور وفرت مطالعہ کا عالم یہ ہے کہ آپ نے جملہ مذاہب بیان فرما دیا اور ارباب مذہب کی ان کے ناموں کے ساتھ تعیین بھی فرما دی ہے۔ آپ کا یہ زریں کارنامہ کشف الاستار کے دونوں جلدوں میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

چنانچہ "باب مس الفرج ھل یجب فیہ الوضوء ام لا" میں امام جعفر طحاوی نے "ثذھب قوم" فرمایا اور آگے بڑھ گئے۔

صدر الشریعہ قدس سرہ اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و ھو مروی عن ابن عمر و ابی ایوب الانصاری و زید بن خالد و ابی ھریرہ و عبد اللہ بن عمر وبن العاص و جابر و عائشہ رضی اللہ تعالی عنھم و ھو مذھب مالک و الشافعی و احمد و اسحاق و الاوزاعی و الزھری. (کشف الاستار، ج: ۱۶۰/۱)

کہ وجوبِ وضو بمس الفرج کی حدیث ابن عمر اور ایوب انصاری، زید بن خالد، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، جابر اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی (مس فرج سے وضو واجب ہے) امام شافعی، امام مالک، امام محمد، امام اسحاق، امام اوزاعی اور امام زہری کا مذہب ہے۔

اس کے بعد اسی میں "خالفھم فی ذلک اخرون" کی تفصیل بتاتے ہوئے صدر الشریعہ رقمطراز ہیں:

وھم علی بن ابی طالب و عمار بن یاسر و عبد اللہ بن مسعود و حذیفۃ الیمان و عمران بن حصین و ابن عباس و ابو درداء و سعد بن ابی وقاص فی احدی الروایتین و سعد بن المسیب و حسن البصری و سعیدبن جبر و ابراھیم النخعی و ربیعۃ بن عبد الرحمٰن و سفیان الثوری و اصحابہ و یحیٰ بن معین و اھل الکوفۃ رضی اللہ تعالی عنھم. (کشف الاستار، ج: ۱۶۰/۲)

کہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفۃ الیمان، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عباس، حضرت ابو درداء، حضرت سعد بن ابی وقاص (ایک روایت میں) حضرت سعید بن میتب، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن جبیر، حضرت

ابرہیم نخعی، حضرت سفیان ثوری (ان کے متبعین) حضرت یحییٰ بن معین اور اہل کوفہ مخالفت کی ہے۔

مقام غور وفکر ہے کہ صحابہ وتابعین سے لے کر اصحاب مذہب تک، ارباب اجتہاد سے لے کر اصحاب جرح وتعدیل تک کس کا مذہب کیا ہے، کس نے کس حکم میں اختلاف کیا اور کس سے اختلاف کیا ہے؟ ان سب باتوں کا علم رکھنا محض فضل ربانی ہے۔

"مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا".

افادات مسائل:

حضور صدر الشریعہ اپنے وقت کے فقیہ اعظم تھے۔ پورے ہندوستان کے مرجع عوام وخواص مفتی تھے۔ احادیث و قرآن سے مسائل کا استخراج ان کا مشغلہ تھا۔ اسی لیے کشف الاستار میں ہر باب کی احادیث سے استنباط واستخراج کردہ احکام کی کثرت نظر آتی ہے۔

عصر کی نماز کے بعد نماز نفل پڑھنا محض رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، امت کے لیے ناجائز ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد عصر نفل پڑھتے دیکھ کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک بچی کو اس بارے میں استفسار کے لیے بھیجا۔ الفاظ حدیث حسب ذیل ہیں:

فارسلت اليه الجارية فقلت قومى الى جنبه فقولى تقول لک ام سلمة يا رسول الله صلى الله عليه و سلم الم اسمعک تنهى عن هاتين الركعتين و اراک تصليهما فان اشار بيده فاستاخرى عنه ففعلت الا جارية فاشار بيده فاستاخرى عنه فلما انصرف فقال يا بنت ابى امية سالت عن الركعتين بعد العصر و انه اتانى اناس من عبد القيس بالسلام من قوم فشغلونى عن الركعتين اللتين بعد الظهر فهما هاتان. (كشف الاستار، ج: ۲/۲۴۶، ۲۴۷)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی کو بھیجا تو کہہ دیا تھا رسول پاک کے پہلو میں کھڑی ہو کر عرض کرنا کہ ام سلمہ دریافت کر رہی ہیں کہ کیا میں نے آپ کو ان دو رکعتوں (نماز بعد عصر) سے منع کرتے نہ سنا؟ جب کہ آپ خود پڑھتے ہیں۔ تو اگر اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ جانا، تو لونڈی نے ویسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے ہٹنے کے لیے کہا، وہ ہٹ گئی۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے ابوامیہ کی بیٹی! تو نے ان دو رکعتوں کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا ہے۔ میرے پاس عبد القیس کے کچھ لوگ آئے اور ایمان لائے تو ظہر کی فرض کے بعد دو رکعتیں چھوٹ گئی تھیں، یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔

اس حدیث سے صدر الشریعہ نے ۱۱ر مسائل کا استخراج و افادہ فرمایا۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

وفى هذا الحديث فوائد اخر غير ما ذكر مسابقا منها جواز استماع المصلى الى كلام غيره و فهمه له لا يضر ذلک صلوته و منها قبول خبر الواحد و المرأة مع القدرة رلى اليقين بالسماع و مثنها لا بأس للانسان أن يذكر نفسه بالكنية اذا لم يعرف الا بها و منها اذا تعارضت المصاع و المهمات بدأ باهمها و لهذا بدأ النبى صلى الله

تعالی علیه و سلم بحدیث القوم فی الاسلام و ترک سنة الظهر حتی فات وقتها لو أن الاشتغال بارشادهم وبهدایتهم أهم ومنها أن الأدب اذا سأل المصلی أن یقوم الی جنبه لا خلفه و لا أمامه لئلا یشوش علیه بأن لا تمکنه الاشارة الیه الا بالمشقة، ومنها الدلالة علی فطنة ام سلمة و حسن تأنیها بملاطفة سؤالها و اهتمامها بامر الدین ومنها اکرام الضیف حیث لم تأمر ام سلمة امرأة من النسوة اللاتی کن عندها ولم تترکن وتباشر السوال بنفسها ومنها زیارة النساء المرأة ولو کان زوجها عندها ومنها جواز التنفل فی البیت ومنها کراهیة القرب من المصلی لغیر ضرورة ومنها المبادرة الی معرفة الحکم المشکل فرارا من الوسوسة. (کشف الاستار، ج:۲/۲۴۸)

(صدر الشریعہ فرماتے ہیں) اس حدیث میں کچھ دوسرے (فقہی) فائدے ہیں:

(۱) نمازی کا دوسرے کی بات کا سننا اور سمجھنا جائز ہے، اس سے نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا۔

(۲) مرد اور عورت کی خبر مقبول ہے، جب کہ سن کر یقین ہو سکے۔

(۳) انسان کسی کو خود سے کنیت کے ساتھ ذکر کر سکتا ہے، جبکہ کنیت ہی معلوم ہو۔

(۴) جب کوئی نمازی سے کچھ پوچھے تو ادب یہ ہے کہ اس کے پہلو میں کھڑا ہو، آگے یا پیچھے نہ کھڑا ہو، تا کہ اشارہ کرنے میں اس کو پریشانی نہ ہو۔

جب مصلحت اور ضرورت متعارض ہوں تو ان میں اہم کو ترجیح دے، اسی لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو اسلام کی بات بتانا شروع کر دیا اور ظہر کی سنت چھوڑ دی۔

(۶) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیرکی اور دانش مندی اور ان کے اہتمام دین اور سوال نرمی کے ساتھ کرنے پر دلالت ہو رہی ہے۔

(۷) مہمان کی ضیافت کرنی چاہیے۔

عورتیں کسی عورت کی زیارت کو جا سکتی ہیں، اگر چہ اس کا شوہر اس کے پاس ہو۔

(۹) گھر میں نفل پڑھنا جائز ہے۔

(۱۰) بے ضرورت نمازی کے قریب ہونا مکروہ ہے۔

(۱۱) مشکل حکم کے معرفت حاصل کرنے میں عجلت کرنا چاہیے تا کہ تشویش نہ ہو اور وسوسہ سے نجات حاصل ہو جائے۔

یہ آپ کے افادات کے چند نظائر پیش کیے گئے، ایسے سیکڑوں زریں افادات پورے حاشیہ میں موجود ہیں۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حاشیہ کشف الاستار کو قبول عام عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبه سید المرسلین صلی الله تعالی علیه و علی اله و صحبه اجمعین.

محمد ابو الحسن قادری غفرلہ

خادم جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۱۱؍ رمضان ۱۴۴۴ھ

☆☆☆

کشف الاستار
ایک تحقیقی مطالعہ

مولانا عبدالرحمٰن قادری مصباحی امجدی
ردولی شریف

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا حاشیہ طحاوی پیش نظر ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد قلب کو سرور حاصل ہوا۔ اور معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ واقعی یہ علمی تحقیقات کا خزانہ ہے۔ اس میں فقہ وحدیث کے مسائل پر بڑی تحقیقی بحثیں پیش کی گئی ہیں۔ کچھ مقامات سے چند مثالیں قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

کشف الاستار اور فن اسماء الرجال:

کشف الاستار اسماء الرجال کی حیثیت سے ایک محقق ومدقق کے لیے بھرپور معاون ومددگار ہے، جس کے ذریعہ حضور صدر الشریعہ نے راویوں کی حقیقت وواقعیت کو اجاگر فرمایا ہے کہ فلاں راوی قوی ہیں یا اقویٰ، ضعیف ہیں یا اضعف، ثقہ ہیں یا غیر ثقہ، مختلط ہیں یا مدلس، اس تعلق سے یہ نظیر ہدیۂ ناظرین ہے:

امام طحاوی "باب مس الفرج هل يجب فيه الوضوء ام لا" کے تحت ایک حدیث شریف نقل فرماتے ہیں:

''حدثنا یونس قال ثنا معن بن عیسیٰ القزاز عن یزید بن عبد الملک عن المقبری عن ابی هریرة أن النبی صلی الله علیه وسلم قال من أفضیٰ بیده الی ذکره لیس بینهما ستر ولا حجاب فلیتوضا''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کا ہاتھ اس کی شرمگاہ تک بغیر کسی ستر وحجاب کے پہنچ جائے تو اسے وضو کر لینا چاہیے۔

اس حدیث پاک میں ایک راوی یزید بن عبد الملک ہیں حضور صدر الشریعہ ان کے تعلق سے فن اسماء الرجال پر اپنی دسترس کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''قوله یزید بن عبد الملک بن مغیرة بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم النوفلی ابوالمغیرة. قال ابو حاتم عن أحمد ضعیف الحدیث، وقال البخاری لینه یحییٰ وقال أحمد عنده مناکیر، وقال معاویة عن ابن معین لیس حدیثه بذاک، وقال عثمان الدارمی عن ابن معین ما کان به بأس، وقال أحمد بن صالح المصری لیس حدیثه بشیئ، وقال أبو ذرعة ضعیف الحدیث، وقال مرة واهی الحدیث وغلط القول جدا، وقال ابو حاتم ضعیف الحدیث، منکر الحدیث جداً، وقال البخاری أحادیثه شبه لا بشیئ

وضعفه جدا، وقال النسائی متروک الحدیث، وقال فی موضع أخر لیس بثقة، وقال ابن عدی لیس حدیثه بالکثیر وعامة ما یرویه غیر محفوظة، وقال ابن سعد کان جلداً صارماً ثقة وله احادیث، وتوفی بالمدینة سنة سبع وستین ومائة".

(کشف الاستار ج ۱ ص ۱۶۸)

ترجمہ:۔ یزید بن عبدالملک بن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم نوفلی ابومغیرہ۔ ابوحاتم نے احمد سے روایت کرتے ہوئے یزید بن عبدالملک کو ضعیف الحدیث کہا، امام بخاری فرماتے ہیں کہ یحییٰ نے انہیں لین (نرم الفاظ جرح سے ہے) کہا، امام احمد کے نزدیک وہ منکر الاحادیث ہیں، اور معاویہ نے ابن معین سے روایت کر کے کہا کہ ان کی حدیث درجۂ قبول کی نہیں، عثمان دارمی نے ابن معین سے روایت کر کے کہا کہ ان میں کوئی حرج نہیں، احمد بن صالح مصری نے کہا کہ ان کی حدیث کچھ بھی نہیں، ابوزرعہ نے انہیں کبھی تو ضعیف الحدیث کہا اور کبھی واہی الحدیث اور زیادہ غلط قول کرنے والا کہا، ابوحاتم نے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہا، امام بخاری نے فرمایا کہ ان کی احادیث شبہ کی وجہ سے کچھ بھی نہیں اور ان کی کافی تضعیف کی، امام نسائی نے انہیں متروک الحدیث کہا اور ایک دوسری جگہ فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہیں، اور ابن عدی نے کہا کہ ان کی حدیث زیادہ نہیں اور عام طور پر جن کی روایت انہوں نے کی ہیں وہ محفوظ نہیں ہیں اور ابن سعد نے کہا کہ وہ مضبوط اور بہادر ہیں (تعدیل کے الفاظ سے ہیں) ثقہ ہیں اور ان کی احادیث ہیں۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔

اسی باب کے تحت ایک راوی حضرت قیس بن طلق پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"قوله قیس بن طلق بن علی بن المنذر الحنفی الیمامی، قال عثمان الدارمی سالت ابن معین قلت عبد الله بن نعمان عن قیس بن طلق قال شیوخ یمایمة ثقات، وقال العجلی یمامی تابعی ثقة وأبوه صحابی وذکره ابن حبان فی الثقات، فاما قول الامام الشافعی لا یعرفه فغیر قادح لان الذین یعرفونه یعدلونه ویقولون انه ثقة فقول هولاء راجح مقبول". (کشف الاستار ج ۱ ص ۱۷۲)

ترجمہ:۔ قیس بن طلق بن علی بن منذر حنفی یمامی۔ عثمان دارمی نے کہا کہ میں نے ابن معین سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ عبداللہ بن نعمان بن قیس بن طلق سے روایت کریں تو آپ کا کیا خیال ہے تو ابن معین نے جواباً فرمایا کہ یمامیہ کے شیوخ ثقہ ہیں اور عجلی نے کہا کہ قیس بن طلق تابعی ہیں ثقہ ہیں اور ان کے والد محترم صحابی ہیں۔ اور ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقہ لوگوں میں کیا ہے۔ تو امام شافعی کا یہ قول کہ وہ انہیں پہچانتے نہیں یہ مضر نہیں کیوں کہ جو حضرات انہیں پہچانتے ہیں ان کی تعدیل کرتے ہیں اور انہیں ثقہ کہتے ہیں تو ان حضرات کا قول راجح ومقبول ہوگا۔

ایسے ہی اور نظیروں کے مطالعہ کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ کشف الاستار فن اسماء الرجال کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے تو بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ حق ودرست ہے جسے کوئی صاحب ذوق انکار نہیں کر سکتا۔

کشف الاستار اور متعارض حدیثوں کے مابین تطبیق:

جب دو حدیثوں کے درمیان تعارض ہو جائے کہ ایک حدیث سے کسی شی کا اثبات ہو اور دوسری حدیث سے اس شی کی نفی ہو اس وقت دفع تعارض کے لیے اولاً یہ اصول حدیث میں سے ہے کہ ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے دونوں حدیثوں پر عمل بھی ہو اور تعارض بھی ختم ہو جائے۔ یہ خصوصیت کشف الاستار میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ چنانچہ شرح معانی الآثار میں ایک حدیث ہے:

"عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رجع من المسجد صلى ما شاء الله ثم مال الى فراشه والى اهله فان كانت له حاجة قضاها ثم ينام كهيأته ولا يمس الماء" وفى رواية اخرىٰ ايضا عن عائشة عن النبى صلى الله عليه وسلم انه كان ينام وهو جنب ولا يمس الماء"

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۷۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے واپس تشریف لاتے تو اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا آپ نماز پڑھتے پھر بستر استراحت اور اپنی اہل کی طرف مائل ہوتے پس اگر آپ کو جماع کی حاجت ہوتی تو اسے پوری کرتے پھر اسی ہیئت پر سو جاتے اور پانی کو چھوتے تک نہیں۔ اور ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ جنابت کی حالت میں سو جاتے اور پانی کو چھوتے بھی نہیں۔

پھر دوسری حدیث میں ہے:

"عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا أراد أن ينام وهو جنب توضا وضوء ه للصلوٰة وفى رواية اخرىٰ ايضا عن عائشة انها كانت تقول اذا أصاب احدكم المرأ ة ثم أراد أن ينام فلا ينام حتى يتوضا وضوء ه للصلوٰة".

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز جیسا وضو فرماتے اور ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ ہی سے روایت ہے آپ فرماتی تھیں کہ تم میں سے جب کوئی بیوی سے جماع کرے پھر سونا چاہے تو جب تک نماز جیسا وضو نہ کر لے اس وقت تک نہ سوئے۔

مذکورہ بالا پہلی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مرد اگر جماع کے بعد سونا چاہے تو بغیر وضو کیے سو سکتا ہے، جب کہ دوسری حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جنبی ہونے کے بعد سونے سے پہلے نماز جیسا وضو کرے۔ ان دونوں حدیثوں کے درمیان ظاہراً تعارض پیدا ہو رہا ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ان کے مابین اس طرح تطبیق دیتے اور تعارض ختم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ويمكن الجمع بين الحديثين بان المراد من عدم مس الماء الغسل أو أن المراد كان يترك الوضوء فى بعض الاحوال لبيان الجواز".

(کشف الاستار ج ۱ ص ۲۸۲)

یعنی دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ عدم مس ماء سے مراد غسل ہے یا یہ مراد ہے کہ بسا اوقات وضو کو بیان جواز کے لیے ترک فرما دیتے۔

اس قسم کی نظیریں کشف الاستار کے اندر اکثر مقامات پر ملیں گی جو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی علوم دینیہ میں بصیرت پر دلالت کرتی ہیں۔

کشف الاستار و توضیح المذاہب:

سیدنا امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمہ کا حدیث اثبات ونفی کے سلسلے میں طرز بیان یہ ہے کہ ایک جماعت کا مذہب "فذهب قوم" سے اور دوسرے فریق کا مذہب "وخالفهم اخرون" سے بیان فرماتے ہیں۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس پر دونوں مذہب کے قائلین وائمہ دین کے اسماء کا ذکر فرمایا جس سے بلا تکلف مذاہب کی توضیح ہو جاتی ہے اور فریقین کا مطمح نظر کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

مثال کے طور پر مس ذکر سے وجوب وضو کے قائلین پر امام ابو جعفر طحاوی کے قول "فذهب قوم" پر تحریر فرماتے ہیں:

"وهو مروی عن ابن عمر وأبی ایوب الانصاری وزید بن خالد وأبی هريرة وعبد الله بن عمرو بن العاص وجابر و عائشة رضی الله عنهم وهو مالك والشافعی واحمد واسحق والاوزاعی و الزهری". (كشف الاستار ج ۱ ص ۱۶۰)

مس ذکر سے وجوبِ وضو کے تعلق سے احادیث حضرت ابن عمر، ابو ایوب انصاری زید بن خالد، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن عاص، جابر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحٰق اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا۔

اور مس ذکر سے عدمِ وجوبِ وضو کے قائلین پر امام طحاوی کے قول "وخالفهم اخرون" کے تحت رقم فرماتے ہیں:

"وهو علی بن أبی طالب وعمار بن یاسر وعبد الله بن مسعود وحذيفة اليمان وعمران بن حصين وابن عباس وأبو درداء وسعد بن أبی وقاص فی إحدى الروايتين وسعيد بن المسيب وحسن البصری وسعيد بن جبير وابراهيم النخعی وربيعة بن عبد الرحمن وسفيان الثوری واصحابه ويحيیٰ بن معين وأهل الكوفة رضی الله تعالیٰ عنهم". (كشف الاستار ج ۱ ص ۱۶۰)

ترجمہ:۔ مس ذکر سے عدمِ وجوبِ وضو کے تعلق سے احادیث حضرت علی بن ابی طالب عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ یمانی، عمران بن حصین، ابن عباس، ابودرداء، ایک روایت میں سعد بن ابی وقاص، سعید بن مسیّب، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، سفیان ثوری اور ان کے اصحاب، یحییٰ بن معین اور اہل کوفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی ان کا مذہب ہے۔

کشف الاستار اور فوائد فقہیہ:

کسی حدیث پاک کی تشریح کرنے کے بعد اگر اس سے چند ضروری چیزیں متعلق ہیں تو ایسے موقع پر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ "فی هذا الحديث فوائد" یا "فيه فوائد" یا "يستفاد من هذا الحديث" کہہ کر ان فائدوں کو ذکر فرماتے ہیں ۔ مثلاً امام طحاوی علیہ الرحمہ "باب المستحاضة كيف تتطهر للصلوٰة" کے تحت ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں:

"عن عائشة ان فاطمة ابنة ابی جیش جاء

ت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت تستحاض فقالت یا رسول اللہ انی واللہ ما اطھر أفادع الصلوٰۃ ابدا ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ذٰلک عرق ولیست بالحیضۃ ، فاذا أقبلت الحیضۃ فاترکی الصلوٰۃ واذا ذھب قدرھا فاغسلی عنک الدم ثم صلی"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی جیش رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئیں اس حال میں کہ آپ حائضہ تھیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! بخدا میں پاک ہی نہیں ہوتی (مسلسل خون آتا ہے) تو کیا میں مسلسل نماز چھوڑتی رہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نس کا خون ہے حیض کا نہیں تو جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض کی مقدار گذر جائے تو خون دھل کر نماز پڑھ لو۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اس حدیث کے تحت رقم طراز ہیں:

"فی ھذا الحدیث فوائد، الاولیٰ: جواز استفتاء المراءۃ بنفسھا ومشافتھا الرجال فی ما یتعلق بامر من امور الدین .الثانیۃ: جواز استماع صوت المراءۃ عند الحاجۃ الشرعیۃ . الثالثۃ: نھی للمستحاضۃ عن الصلوٰۃ فی زمن الحیض وھو نھی تحریم ویقتضی فساد الصلوٰۃ ھنا باجماع المسلمین ویستوی فیھا الفرض والنفل لظاھر الحدیث ویتبعھا الطواف وصلوٰۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ وسجدۃ الشکر. الرابعۃ: فیہ دلیل علی نجاسۃ الدم .الخامسۃ: ان الصلوٰۃ تجب بمجرد انقطاع دم الحیض، واعلم انھا اذا مضیٰ زمن حیضھا وجب علیھا ان تغتسل فی الحال لأول صلوٰۃ تدرکھا ولا یجوز لھا بعد ذٰلک ان تترک صلوٰۃ أو صوما فیکون حکمھا حکم الطاھرات فلا تستظھر بشیئ أصلا وبہ قال الشافعی. السادسۃ: استدل بعض أصحابنا فی ایجاب الوضوء من خروج الدم من غیر السبیلین لأنہ صلی اللہ علیہ وسلم علل نقض الطھارۃ بخروج الدم من العرق وکل دم یبرز من البدن فانما یبرز من عرق لأن العروق ھی مجاری الدم من الجسد"۔

(کشف الاستار، ج: ۱ ص: ۲۳۵/ ۲۳۶)

اس حدیث پاک میں چند فائدے ہیں:

(۱) فی نفسہٖ عورتوں کا استفتا کرنا اور امور دین میں سے کسی امر کے متعلق عورت کا مردوں سے براہ راست بات کرنا جائز ہے۔ (۲) حاجتِ شرعیہ کے وقت عورت کی آواز سننا جائز ہے۔ (۳) مستحاضہ عورتوں کو ایام حیض میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اور یہ منع، منع تحریم ہے اور ایسی حالت میں (یعنی اگر کوئی حیض کے ایام میں نماز پڑھے تو) باجماع مسلمین فساد صلوٰۃ کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس حکم میں فرض ونفل برابر ہیں ظاہر حدیث کی وجہ سے اور اسی کے تابع طواف، نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر بھی ہے۔ (۴) اس حدیث میں خون کی نجاست پر دلیل ہے (۵) نماز محض دم حیض کے انقطاع سے واجب ہوجاتی ہے۔ آپ اس بات کو خوب یاد رکھیں کہ جب عورت کے حیض کا زمانہ گذر جائے تو

فوراً اس پر اس اول صلوٰۃ کے لیے غسل کرنا واجب ہوجاتا ہے جسے وہ پائے، اس کے بعد اسے جائز نہیں ہے کہ کوئی نماز یا روزہ چھوڑے ایسی صورت میں اس کا حکم پاک عورتوں جیسا حکم ہوگا، تو وہ بالکل غفلت نہ برتے اور یہی قول امام شافعی کا ہے (۶) اس حدیث سے ہمارے بعض فقہائے احناف نے یہ استدلال فرمایا کہ سبیلین کے علاوہ سے بھی خون نکلنے سے وضو واجب ہوجاتا ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نقض طہارت کی علت نس سے خود نکلنے کو قرار دیا، اور ہر خون جو بدن سے ظاہر ہوتا ہے وہ نس ہی کا ہوتا ہے اس لیے کہ نس ہی جسم میں خون کی جگہ ہے۔

اسی طرح "باب مواقیت الصلوۃ" میں حدیث تعلیم صلوٰۃ کے تحت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"ویستفاد من هذا الحديث ان تاخير البيان الى وقت الحاجة جائز وهو مذهب اهل السنة ولم يخالف فى ذٰلک الا المبتدعة وذٰلک لان السائل لما ساله صلى الله عليه وسلم فقال له صل معنا فأخر له البيان الى وقت الحاجة الى الفعل وهو عند وجوب الصلوٰة بدخول الوقت ، اما بيانه صلى الله عليه وسلم بالفعل فلانه يعم السائل وغيره من يحضر الصلوٰة ولو بين بالقول فما علم الاالسائل وحده او احاد معه". (كشف الاستار ج ۱ ص ۳۳۱/۳۳۲)

اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ وقت حاجت تک کسی سوال کے جواب کو مؤخر کرنا جائز ہے یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے بدمذہبوں کے سوا اس کا کوئی مخالف نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سائل نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے اس سے ارشاد فرمایا "ہمارے ساتھ نماز پڑھو" اور بیان کو وقت حاجت یعنی فعل تک مؤخر فرمایا اور وہ دخول وقت کے ذریعہ وجوب صلوٰۃ کا وقت تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بالفعل بیان کرنا اس وجہ سے تھا تاکہ سائل کے علاوہ ان تمام لوگوں کے لیے عام ہوجائے جو نماز میں حاضر تھے اگر بالقول بیان فرماتے تو یا تو صرف سائل ہی جانتا یا اس کے ساتھ صرف چند لوگ۔

اس قسم کی بہت نظیریں کشف الاستار کے مطالعہ کے وقت ملیں گی اور کہیں کہیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اصل بحث کو ذکر کرنے کے بعد "اقول" کہہ کر تحقیق وتدقیق کے جوہر لٹاتے ہیں۔

مثلاً اذان کا جواب دینا واجب ہے یا مستحب؟ بعض فقہا وجوب کے قائل ہیں اور بعض صرف استحباب کا قول کرتے ہیں۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دونوں گروہ کی مستدل بہ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

أقول: ههنا امران من النبى صلى الله عليه وسلم أحدهما "فقولوا مثل ما يقول المؤذن" وثانيهما: "إذا سمعت داعى الله فأحب" فالامر الاول هو الاجابة باللسان وهى ليست بواجبة وهذا ما ذكره الامام الطحاوى رحمه الله تعالىٰ والثانى الامر بالاجابة أى الحضور لصلوٰة الجماعة ويقال لها الاجابة بالقدم وهى واجبة على ما قاله الامام الحلوانى وليست لهذا الامر قرينة صارفة عن الوجوب . فالحق عندى أن الاجابة باللسان مستحبة والاجابة بالقدم واجبة بحيث لا

تفوته الجماعة من غير عذر لكن هذا الوجوب ليس على الفور بأن يترك جميع مشاغله حين سمع ا لنداء بل له رخصة إلى أن يحضر وقت الجماعة" (كشف الاستار، ج: ١ ص: ٣٢٤)

یہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے دو حکم ہے۔ایک یہ کہ "مؤذن کے کہنے کی طرح کہو" دوسرا یہ کہ "جب اللہ کے منادی کی ندا سنو تو جواب دو" تو امر اول سے مراد اجابت باللسان یعنی زبان سے جواب دینا ہے اور یہ واجب نہیں ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ حدیث کا یہی مطلب ہے۔ اور امر ثانی سے مراد یہ ہے کہ جماعت کے لیے حاضر ہو جاؤ جسے اجابت بالقدم کہتے ہیں اور یہ واجب ہے جیسا کہ امام حلوانی نے فرمایا ہے اور امر کے لیے کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں جو وجوب سے پھیر دے۔ تو میری تحقیق یہ ہے کہ اجابت باللسان مستحب ہے اور اجابت بالقدم واجب ہے اس طرح کہ بغیر کسی عذر کے جماعت فوت نہ ہو، لیکن یہ وجوب فوراً عائد نہیں ہوتا ہے کہ اذان سننے کے وقت اپنے سارے کام کاج چھوڑ دے بلکہ اسے اس قدر رخصت ہے کہ جماعت کے وقت حاضر ہو جائے۔

اسی طرح آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھا کر وضو سے متعلق فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں بعض وضو کے قائل ہیں اور بعض عدم وضو کے۔ حضو صدر الشریعہ دونوں گروپ کی دلیلوں پر تبصرہ کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

أقول: قول ابی داؤد هذا من غير دليل لان وضوئه صلى الله عليه وسلم بعد اكل الخبز واللحم لم يثبت انه كان لأجل الاكل ليقال أن الوضوء من الاكل كان اولا وترك الوضوء كان اخرا، بل يحتمل أن وضوء ه صلى الله عليه وسلم كان اولا لوجود حدث اخر او لتحصيل الفضيلة. وقد ثبت من كبار الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم كابى بكر وعثمان وعلى واب بن كعب رضى الله عنهم انهم لم يتوضوا بعد أكل ما مسته النار فثبت من فعل الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم ان الوضوء مما مسته النار لو حمل على المعنى الشرعى كان منسوخاً". (كشف الاستار ج ١ ص ١٤٩)

میں کہتا ہوں کہ ابو داؤد کا قول بغیر دلیل کے ہے کیوں کہ روٹی اور گوشت کھانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ وضو کھانے ہی کی وجہ سے تھا اس قول کی وجہ سے کہ کھانے کے بعد وضو کرنا پہلے تھا اور بعد میں وضو کو ترک فرمادیا، بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کرنا دوسرے حدث کی وجہ سے تھا یا تحصیل فضیلت کے لیے کبار صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر، عثمان، علی، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ یہ حضرات آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو نہ فرماتے تو فعل صحابہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ "الوضوء مما مسته النار" کو اگر معنی شرعی پر محمول کیا جائے تو یہ حکم منسوخ ہوگا۔

اسی طرح کشف الاستار کے ص ۴۲، ۱۷۵، ۹۵/اور ۷۶/اور اس کے علاوہ متعدد مقامات پر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے "أقول" کے تحت تحقیق وتدقیق کے بکھرے ہوئے سمندر کو ایک کوزے میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اشاعتی خدمات

مولانا نوید اختر قادری امجدی
بھیونڈی

گذشتہ سے پیوستہ:

زیر نظر موضوع پر اس سے قبل جون ۲۰۲۱ء میں فقیر قادری نے کچھ خامہ فرسائی کی جسارت کی تھی (ماہنامہ پیغام شریعت دہلی جون ۲۰۲۱ء کا شمارہ) یہاں جسارت کا لفظ اتفاقی نہیں ہے بلکہ حقیقت بیانی ہے، چونکہ جس ذات کی اشاعتی خدمات کو بیان کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اس کا حق ادا کرنے کے لیے علمی لیاقت، فنی بصارت کے ساتھ، اشاعتی خدمات کے پس منظر و پیش منظر کا تاریخی علم ہونا انتہائی ضروری ہے۔ قیام کولمبو سری لنکا کے زمانہ میں استاذی الکریم مفتی آل مصطفیٰ مصباحی نور اللہ مرقدہ سے فون پر دوران گفتگو اس بات کا علم ہوا تھا کہ امجدی لائبریری (جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی) میں امام اہل سنت کے تقریباً ۳۲ رسائل موجود ہیں جو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے اہتمام سے ''مطبع اہل سنت بریلی'' سے شائع کیے ہیں۔ اسی وقت سے مسلسل یہ تمنا رہی کہ ان رسائل کو ایک بار دیکھ سکوں، آج سے ایک سال قبل عرس حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے موقعہ پر یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ اللہ ہمارے ناظم اعلی علامہ علاء المصطفیٰ قادری (شہزادہ محدث کبیر دام ظلہ) پر اپنے خاص فضل و کرم کی بارشیں برسائے جنھوں نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے تبرکات، نوادرات، اور یادرفتگاں سے متعلق ہر ہر چیز کی حفاظت و صیانت میں بڑی کوششیں کی ہیں، فقیر نے اجازت طلب کی اور لائبریری کی چابیاں عطا کی گئیں۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی شخصیت اسلاف کی آئینہ دار تھی، ان کی سیرت میں امام اہل سنت کا عکس جمیل نظر آتا تھا، وہ کتنے علوم کے ماہر تھے فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے، ان کی تصانیف پر حق و صداقت ناز کرتے ہیں، ان کے اعمال و کردار سے خاندانی شرافت و بزرگی کا پتا چلتا ہے، شرافت نفس ایسی کہ سوائے اعلائے کلمۃ الحق کے ان کی آواز کبھی بلند نا ہوئی، تقوی اور طہارت طبع میں ہمیشہ عزیمت کا پہلو نمایاں نظر آیا، آپ کے امتیازات و خصوصیات، اور آپ کی خدمات و اثرات کا ایک جہاں آباد ہے، بلکہ آپ نے ایک خوبصورت باغ سینچا ہوا ہے، جس کی خوشبو سے خوشہ چین باغ امجدی کی مشام جاں معطر ہو رہی ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کام کی ایک مشین تھے، ان کے کاموں کی مکمل فہرست میں اشاعتی خدمات کو بیان کرنا اس وقت مقصود ہے، اور اس میں بھی صرف مطبع اہل سنت بریلی شریف کی خدمات کے بیان پر اکتفا کیا جائے گا۔ اس سے پہلے کہ اصل موضوع پر گفتگو کا آغاز کیا جائے، اشاعت

کے فوائد اور مطبع اہل سنت میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے خلوص اور آپ کی مطبع سے محبت کس درجہ والہانہ تھی، اسے بھی دیکھ لیا جائے۔

اشاعتی اداروں کے فوائد:

مختلف ضرورتیں مختلف اداروں کو جنم دیتی ہیں، اشاعتی ادارے بھی خاص ضرورتوں کے پیش نظر ہی وجود میں آتے ہیں ،سرسری طور سے اگر ملاحظہ کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اشاعت کے فوائد میں سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ، معاشرے کی مثبت تشکیل میں کتب و رسائل کی اشاعتیں کافی مددگار ثابت ہوئی ہیں، فکری استحکام ،تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی ہم آہنگی، تعلیم و تربیت، اصلاح و تبلیغ ،اچھے اور برے کے درمیان امتیازی فرق کے ساتھ ہی ساتھ اشاعتیں ایک زمانے کو دوسرے زمانے سے مربوط کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔

اشاعتی اداروں کے فوائد اور ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے کے لیے مطبع اہل سنت کے ۱۵ دفعات پر مشتمل دستور العمل کی پہلی ہی دفعہ کو پڑھ لینا کافی ہوگا۔اس میں صاف الفاظ میں یہ عبارت موجود ہے کہ:

”یہ مطبع واسطے طبع واشاعت کتب ورسائل مؤیدہ مذہب اہل سنت وترویج مسائل نافعہ وفضائل اخلاقیہ ونصائح ومصالح دینیہ ودنیویہ کے حسب صوابدید مجلس علمائے اہل سنت ماہ محرم ۱۳۱۴ھ سے قائم ہوا۔“

زیر نظر عبارت کا بین السطور کسی عظیم حادثے کی جانب اشارہ کر رہا ہے، یقیناً مذہب اہل سنت والجماعت کے بنیادی عقائد سے چھیڑ خانی کی گئی ہوگی، یقیناً قرآن وحدیث کی عبارتوں کی غلط تشریحات بیان کی گئی ہوں گی، یقیناً اخلاقی اقدار کو مجروح کرنے کی ناپاک کوششیں حرکت میں آئی ہوں گیں، یقیناً ناموس رسالت کے قرآنی اصول وضوابط کے مقابلہ میں حکومت وقت کے ساتھ سمجھوتا کیا گیا ہوگا، اگر ایسا نہیں تھا تو دفعہ کی عبارت میں ”مؤیدہ مذہب اہل سنت“ کی قید بے معنی ہے۔ تاریخ بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ مجلس علمائے اہل سنت کے قیام کی وجہ یہی تھی کہ عوام الناس کو راہ راست ،صراط مستقیم سے دور کرنے کے لیے تخریب کارانہ تنظیمیں، اسلامی لباس میں ملبوس دین کو لوٹ لینے والے انسان نما بھیڑیے آبادی میں گھس آئے تھے۔ایسے میں ایک ایسی تنظیم جو احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کرے، بہت ضروری تھی۔اسی مجلس کے تحت ایک مطبع، مطبع اہل سنت بریلی شریف کا قیام عمل میں آیا۔اس مطبع کے مہتممین اور منتظمین کی فہرست میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا نام جلی حروف میں لکھا گیا ہے۔اس لیے کہ آپ نے اس مطبع کے مقاصد کا نا صرف یہ کہ حق ادا کر دیا تھا بلکہ رہتی دنیا تک کے لیے اشاعتی اداروں کو ایک خوبصورت عملی نصاب اور دستور عمل دے گئے۔ یقیناً کسی بھی اسلامی مطبع یا اشاعتی ادارہ کا اصل مقصد اسلامی اقدار و روایات اور بنیادی اصول وضوابط کے فرخندہ فال پرچم کی حقانیت کو کسی بھی طرح کے وار سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔

اشاعت کا ایک اور بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ الفاظ کے جامہ میں نظریات ،اعتقادیات، افادات یا پھر کم از کم اقوال ہمیشہ کے لیے ایک آہنی حصار میں محفوظ ہو جایا کرتے ہیں۔اس حفاظت کا دونوں پہلو دلچسپ ہے، اب چاہے وہ باطل عقائد و نظریات ہوں یا پھر فاسد خیالات کو خوبصورت الفاظ میں نظم کرنے کی کوشش کی گئی ہو، بہر حال اہل حق کے لیے آسانیاں

پیدا ہوگئیں کہ ایسے ناسوروں کی گرفت اب بحوالہ کی جاسکتی ہیں، یا پھر دوسرا پہلو کہ اشاعت کی دہلیز پر حق وصداقت کے چشمۂ شیریں میں غسل دی ہوئی عبارت کندہ کر دی گئی ہو تو صدیاں ان نگینوں کی دودھیا روشنی سے منور ہوتی رہیں گیں۔

آج اس پرفتن دور میں علمائے حق اگر کسی اشاعی نگینے کو اپنے سینوں سے لگا کر رکھے ہیں تو وہ ہے امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ کی فتاوی رضویہ شریف، قرآن پاک کی صحیح ترجمانی کرتا ہوا کنز الایمان اشاعت کی اہمیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، اور اگر نعت نبی گنگنانے کی طبیعت ہو تو حدائق بخشش کی صورت میں اشاعتی دنیا کا بے مثال نمونہ موجود ہے۔

اب ذرا حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی مطبع اہل سنت بریلی شریف سے محبت اور مطبع کے مقاصد کی حفاظت میں دلچسپی و دلجمعی کا نظارہ بھی کرتے چلیں۔ مندرجہ ذیل عبارت سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ کی اشاعتی خدمات کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی، اس سلسلہ میں فقیر اپنے ہی ایک مضمون کا ایک پیراگراف من وعن نقل کرتا ہے ملاحظہ ہو:

۱۳۲۹ھ کا زمانہ ہے جب حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کا خط لے کر بریلی شریف پہنچے، امام اہل سنت کا حکم تھا کہ ”یہیں رہیے اور جب تک میں نا کہوں واپس نا جایئے“ ابتداءً کچھ تراجم کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا، امام اہل سنت کے بارگاہ میں دو ماہ رہے، اور اس شرط پر واپسی کی اجازت ملی کہ ”جب بھی میں بلاوں تو فوراً چلے آیئے گا“ پانچ چھ ماہ کے بعد امام اہل سنت کی جانب سے حکم ہوا تو بریلی شریف پہنچے، اس مرتبہ تدریس کا کام سونپا گیا اور کچھ دن بعد مطبع اہل سنت بریلی شریف کا کام سونپ دیا گیا، جب تک آپ کا قیام بریلی شریف میں رہا مطبع اہل سنت بریلی شریف کا کام جاری رہا، اور اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کی تصانیف اور وقتی اشتہارات وغیرہ اسی پریس سے شائع ہوتے رہے۔ پریس کی اہمیت آپ کے روبرو تھی، ساتھ ہی مطبع اہل سنت بریلی شریف کے قیام کا مقصد بھی پیش نظر تھا، لہذا اپنی تنخواہ کا ایک جزء مطبع اہل سنت بریلی شریف کے نذر کر دیا کرتے، کیوں کہ جس زمانہ میں آپ نے مطبع کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت مطبع اہل سنت کی آمدنی بہت قلیل تھی، اور اخراجات آمدنی کے لحاظ سے بہت زائد، مگر دھیرے دھیرے مطبع کے حالات میں سدھار آیا اور ایسا کہ اجمیر شریف جاتے وقت (امام اہل سنت کے وصال کے بعد ۱۳۴۳ھ میں) کتابوں کا سرمایہ دس ہزار سے زائد تھا، اس ترقی کی خاص وجہ یہی نظر آتی ہے کہ امام اہل سنت کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو تراش کر ایک انمول ہیرا بنا دیا تھا۔ آپ نے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۳ھ تک مسلسل چودہ سال مطبع اہل سنت بریلی شریف کی ذمہ داری سنبھالی۔ (ملخصاً ص ۳۰ و ۳۱ از ”حیات صدر الشریعہ“ از بحر العلوم مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ مطبع رضا اکیڈمی لاہور پاکستان، بحوالہ ماہنامہ پیغام شریعت دہلی شمارہ جون ۲۰۲۱ء)

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اپنی تنخواہ کا ایک حصہ مطبع پر خرچ کر دینا، سینے میں دھڑکتا ہوا دل اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اس ایثار کے پیچھے محض مطبع اہل سنت کے اصول ومقاصد کی حفاظت اور مذہب اہل سنت و الجماعت کے پانی جیسے صاف وشفاف حقائق کی صیانت کا جذبہ کارفرما رہا ہوگا۔ اس قربانی کے پیچھے مذہب اہل سنت والجماعت سے منسلک افراد کے عقائد ونظریات کی حفاظت کی فکر سرگرداں ہوگی۔ اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اللہ نے ایسا ہی دل عطا فرمایا تھا۔

آپ کے زیر اہتمام چھپنے (شائع ہونے)

والی کتب کی یہ خاص بات ہوا کرتی تھی کہ، اس میں کتابت اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں تقریباناکے برابر رہتی تھیں، کیونکہ آپ خود ہی بڑی مہارت اور باریک بینی کے ساتھ اس کی پروف ریڈنگ کیا کرتے تھے۔ آپ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتب کی فہرست بہت طویل ہے، اور اس کے باقاعدہ جمع کرنے کو اچھا خاصہ وقت درکار ہے، ان تمام خدمات میں فتاوی رضویہ شریف کی پہلی جلد کی اشاعت سرفہرست ہے۔

فتاوی رضویہ جلد اول و دوم کی اشاعت:

آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے اتنی اہم خدمت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے سپرد کی، یہ امر اس جانب اشارہ ہے کہ آپ اس کام میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور جس پر امام اہل سنت کو بھروسہ ہو، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا پانا انتہائی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رضا اکیڈمی ممبئی اور پاکستان کے کتب خانوں نے فتاوی رضویہ شریف کی اشاعت کا جب ارادہ کیا تو ابتدا حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی شائع کردہ فتاوی رضویہ سے ہی کی۔ فتاوی رضویہ شریف کی پہلی جلد امام اہل سنت کی حیات ہی میں ۱۳۳۵ھ میں، اور جلد ثانی امام اہل سنت کے وصال کے بعد ۱۳۴۴ھ میں مطبع اہل سنت بریلی شریف سے باہتمام حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ شائع ہوئیں۔

گذشتہ مضمون میں فقیر قادری نے یہ دعوی کیا تھا کہ امام اہل سنت کے تقریبا ۳۲ رسائل اور بھی ہیں جو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی شائع ہوئے۔ اب اس دعوی پر دلیل پیش کرنے کا وقت ہے، لہٰذا ایک بعد دگرے ان رسائل کا ذکر مختصر سے تعارف کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، اس کے بعد کچھ دگر اور بھی رسائل جو حضور صدر الشریعہ نے اپنے اہتمام سے شائع کیے ان کا ذکر کیا جائے گا۔

مطبع اہل سنت میں آپ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی پہلی کتاب:

آپ نے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۳ھ تک مسلسل چودہ سال مطبع اہل سنت بریلی شریف کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور سب سے پہلے امام اہل سنت کے جس رسالہ کی اشاعت فرمائی وہ ہے ''کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم'' امام اہل سنت نے یہ رسالہ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر ۱۳۲۴ھ میں تحریر فرمایا تھا، جب آپ دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ رسالہ امام اہل سنت کی ایک کرامت ہے، یہ رسالہ مکہ المکرمہ کے بڑے بڑے علما کے سوالوں کے جواب میں عرب کی سرزمین پر عربی زبان میں لکھا گیا تھا، اور ہندوستان میں اس کا اردو ترجمہ ۱۳۲۹ھ میں خود امام اہل سنت نے فرمایا، جس کا تاریخی نام ''نوٹ کے متعلق سب مسائل'' ۱۳۲۹ھ رکھا۔

فقیر قادری کے پچھلے مضمون کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو:

''اور حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ کی ترتیب دی ہوئی ''حیات صدر الشریعہ'' (اس کتاب کی پہلی اشاعت کراچی پاکستان میں باہتمام علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ ہوئی) میں یہ بھی ہے کہ اس رسالہ (کفل الفقیہ) کے ساتھ ایک رسالہ اور (شائع ہوا) تھا، جس میں مولوی عبد الحی لکھنوی کے شبہات کا جواب اور عبارتوں کا رد

بلغ بھی کیا گیا تھا''۔ (حیات صدر الشریعہ از: مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ ص ۳۴)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جس دوسرے رسالہ کا تذکرہ فرمایا ہے، جب اس کی جستجو میں ہم نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی لائبریری کی سیر کی تو معلوم ہوا کہ وہ دوسرا رسالہ ''کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم'' ہے۔ یہ رسالہ بھی ۱۳۲۹ھ میں عربی میں تصنیف کیا گیا جس کا اردو ترجمہ مسمی بنام تاریخی ''الذیل المنوط لرسالۃ النوط'' ۱۳۲۹ھ ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام ایک ساتھ شائع ہونے والے ان رسائل کا پہلا صفحہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اور پہلے صفحہ پر جو عبارتیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے لکھی ہیں میں ان عبارات کو من وعن نقل کرتا ہوں، مندرجہ ذیل حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی عبارت میں آپ کئی ایک چیز پائیں گے مثلا، ان رسائل کا تعارف مختصر الفاظ کے ساتھ بڑے ہی خوبصورت لب ولہجہ میں کیا گیا ہے، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی امام اہل سنت سے محبت، عقیدت، آپ کا احترام، آپ کے علمی قد وقامت کا اظہار اور ساتھ ہی عوام پر امام اہل سنت کے اس احسان کا نظارہ بھی آپ کو دیکھنے ملے گا۔

''الحمد للہ امام اہل سنت قامع بدعت، ناصر ملت، مجدد مأۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، جناب مولانا مولوی مفتی احمد رضا خان صاحب نے جو مکہ معظمہ میں چار رسالے تصنیف فرمائے اون میں کا تیسرا رسالہ مسمی بنام تاریخی ''کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم'' مع ترجمہ مسمے بنام تاریخی ''نوٹ کے متعلق سب مسائل'' اس رسالہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے سود چھوٹ جائے، اسمیں وہ شرعی صورتیں بتائی ہین کہ نفع خاطر خواہ بے دقت لو، اور سود نہو، بڑا بد نصیب ہوگا وہ جو اسکے بعد بھی سود لینے کا نام لے، آخر میں رسالہ مسمی بنام تاریخی ''کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم'' کا ترجمہ مسمی بنام تاریخی ''الذیل المنوط لرسالۃ النوط'' اس میں مولوی گنگوہی اور جناب مولوی لکھنوی صاحب (مولوی عبد الحی لکھنوی) کے فتوون کا مفصل جواب ہے۔ باہتمام واشاعت جناب مولنا مولوی محمد امجد علیصاحب اعظمی قادری۔ مطبع اہل سنت و جماعت واقع بریلی میں طبع ہوا۔ بار دوم یک ہزار جلد''۔

انفس الفکر فی قربان البقر:

امام اہل سنت نے یہ رسالہ ۱۲۹۸ھ میں تحریر فرمایا، اور شائع بھی ہوا، لیکن اس رسالہ عظیمہ کی اشاعت بار دوم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت بریلی سے فرمائی۔

ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری:

۱۳۳۱ھ میں امام اہل سنت نے یہ رسالہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے منہدم کرنے کے بارے مولوی عبد الباری کے ایک فیصلہ کے رد میں لکھا تھا، امام کے اس رسالہ کو بھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے زیر اہتمام شائع کیا۔ اور رسالہ ''ابانۃ المتواری'' کے ساتھ ہی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے خود اپنی تحقیقات پر مشتمل ایک ذیلی رسالہ بنام ''قامع الواھیات من جامع الجزئیات'' بھی شائع کیا۔ یہ رسالہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا عربی میں تحریر کیا ہوا ہے، مذکورہ رسالہ کے مضمون کا تعلق بھی کانپور کی اسی مسجد سے ہے، مولوی عبد الباری لکھنوی نے مسجد کے انہدام کے

جواز پر فقہ کے جزئیات پیش کر کے حکومت کے کام کو آسان کیا تو دوسری جانب امت مسلمہ کو حکومت کی بغاوت سے باز رکھنے کی کوشش کی اور یہ بہت بڑا جرم تھا، جہاں امام اہل سنت نے ابانۃ الباری میں (مولوی) عبد الباری کی خبر لی تو وہیں امام کے پروردہ حضور صدر الشریعہ علیہ لرحمہ نے بھی اپنی علمی جولانیت کا مظاہرہ فرمایا۔

اب میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جانب سے شائع شدہ نسخہ کے صدر ورق پر موجود عبارت نقل کرتا ہوں جو امام اہل سنت اور خود صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے رسالوں کا تعارف اور خلاصہ دونوں ایک ساتھ دیکھنے کو ملے گا۔ پہلے امام اہل سنت کے رسالہ ''ابانۃ المتواری'' کا تعارف حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے الفاظ میں:

''مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتویٰ جسکا سوال لکھنو فرنگی محل سے آیا، اور دار الافتا نے جواب دیا، اور بکمال وضوح ثابت کیا کہ مولوی صاحب نے جو فیصلہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے متعلق کیا وہ سراسر مخالف احکام اسلام ہے اس پر مسلمانون کو مطمئن ہونا سخت گناہ وحرام ہے، ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ در بارہ حفظ حقوق مذہبی گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی سے نفع لین، اور اپنے اپنے منصب کے لائق جائز چارہ جوئی میں پوری کوشش کرین، مولویصاحاب کی یہ شخصی کاروائی اگر مقبول ٹھہر گئی تو ہمیشہ کے لیے مساجد ہند پر اسکا بہت برا اثر پڑے گا، اور ہر مسلمان کہ جائز کوشش کرسکتا تھا اور نہ کی اسکے وبال میں ماخوذ رہے گا'' ''مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر'' کا بھی اس میں رد بلیغ ہے، مسمی بنام تاریخی ''ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری'' ۱۳۳۱ھ مصنفہ امام اہل سنت قامع بدعت، ناصر ملت، مجدد مأۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، جناب مولانا مولوی مفتی احمد رضا خانصاحب قادری برکاتی مع اللہ المسلمین بطول بقائہم''۔

اس تفصیلی و تعارفی ابتدائیہ تحریر کے بعد حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ ''قامع الواہیات من جامع الجزئیات ۱۳۳۱ھ'' کا تعارف مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمایا:

''مولوی صاحب فیصلہ کنندہ نے جو ایک چھ ۶ ورق عربی تحریر ''جامع جزئیات فقہ'' اس بارہ میں چھاپی اور اس کاروائی کو مطابق شرع بنانے کی سعی بیسود فرمائی اس رسالہ مین اسپر محققانہ بحث ہے، جس میں واضح کیا ہے کہ ہرگز کسی طرح وہ کاروائی قانون شرع میں نہیں آسکتی، نہ ہرگز کسی روایت کا یہ مطلب ہے نہ ہوسکتا ہے کہ مسجد توڑ کر راستہ بنالینا روا ہے، امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح اس کی نسبت محض نافہمی یا صریح افتراء ہے''۔

ذیل المدعا لاحسن الوعاء:

رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان علیہ الرحمہ الرضوان کا رسالہ بنام'' احسن الوعا لآداب الدعا'' کی شرح ہے جو امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے ہی فرمائی اور اس کا نام رکھا ''ذیل المدعا لاحسن الوعاء'' مذکورہ دونوں رسالے ایک ساتھ (یعنی متن وشرح) حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع ہوے، پھر اسی رسالہ کو ''فضائل دعا'' کے نام سے رضا اکیڈمی ممبئی اور سنی باب الاشاعت کراچی وغیرہ نے بھی شائع کیا۔ (فہرست رسائل فتاوی رضویہ از مولانا ندیم احمد ندیم قادری ص ۸۴، مطبع والضحیٰ پبلی کیشنز لاہور پاکستان)

نوٹ: الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور یوپی میں ہرسال یوم مفتی اعظم کے موقعہ پر جماعت سابعہ کی جانب سے ایک کتاب منظر عام پر آتی ہے، مفتی فیضان المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم العالیہ چیف ایڈیٹر ماہنامہ پیغام شریعت دہلی نے بھی اپنے طالب علمی کے زمانہ میں اس رسالہ کو شائع کیا، اور اپنے جد کریم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے لائق وفائق سبط نبیل ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ رسالہ فضائل دعا پر ہے، گویا حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فضائل دعا کو شائع کرکے امام اہل سنت سے دعا لی، اور مفتی فیضان المصطفیٰ قادری قبلہ نے ''فضائل دعا'' کو شائع کرکے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے دعا لے کر فیضان امام اہل سنت کے بہتے ہوئے دریا میں خود بھی غوطہ زن ہوئے اور اپنے ساتھ عاشقان امام اہل سنت کو بھی باریابی کا موقعہ عنایت کردیا۔ (نوید اختر ۱۲)

مناسب ہوگا کہ احسن الوعاء کے تعارف میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے نوک قلم سے نکلنے والے جواہر پارے بھی نقل کردیے جائیں، اشاعتی ورق کے پیشانی پر جو عبارت موجود ہے وہ من وعن مطالعہ کی دہلیز پر حاضر ہے:

''الحمد للہ بحث دعا میں یہ عجیب وغریب جامع ونافع کتاب مستطاب، جس میں دعا کے فوائد وقواعد وآداب، اجابت کے اوقات و اماکن و اسباب، اسم اعظم رب الارباب، قضائے حاجت کی ترکیبیں لاجواب، وغیرہا جملہ مسائل متعلقۂ دعا بکمال شرح وبسط سلیس وعام فہم زبان میں مندرج ہیں'' (احسن الوعا لآداب الدعا مطبع اہل سنت و جماعت باردوم کا پہلا صفحہ)

الجام الصاد عن سنن الضاد:

۱۳۱۷ھ میں تحریر کیا گیا یہ رسالہ عربی حرف ''ض'' کے صحیح مخرج اور متجانس حرف کے مخرج اور دونوں کے حکم شرع کو بیان کرتا ہوا امام اہل سنت کا ایک تحقیقی رسالہ ہے جسے ہم امام کی ایک کرامت کہہ سکتے ہیں۔ شروع ہی میں فقیر قادری نے بیان کیا کہ مطبع اہل سنت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی ۱۳۲۹ھ میں آیا، یعنی مذکورہ رسالہ کے وجود میں آنے کے تقریباً بارہ سال بعد آپ کے زیر دست مطبع اہل سنت کی کاروائی آئی۔ کہنا یہ ہے کہ ''الجام الصاد'' کی بار اول کی اشاعت کہاں ہوئی نہیں معلوم، یہ تحقیق پھر کبھی پیش کرنے کی کوشش کروں گا، اس وقت ہماری میز پر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی شائع ہونے والا نسخہ موجود ہے، اور صفحہ اول کے بالکل آخر میں ''بار چہارم ۵۰۰'' لکھا ہوا ہے، یعنی اس سے قبل تین مرتبہ یہ رسالہ شائع ہو چکا تھا، وہ نسخے ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ چلتے چلتے زیر نظر رسالہ پر موجود تعارفی کلمات بھی دیکھتے ہیں:

''رسالہ مبارکہ جس میں نفیس بیان سے واضح کیا کہ ''ضاد'' کو قصداً ''ظا'' پڑھنا حرام قطعی ہے، ایسے لوگوں کی نماز باطل ہوتی ہے، ''دال'' پڑھنے میں یہ تفصیل حق ومرضی ہے مشابہت سے بچنے کی یہ سبیل جلی ہے ''ضاد'' کے مخرج کی واضح تحقیق اوس کے ادا کا روشن طریق اس کے تلفظ میں غلطی سے بچنے کی تدبیر، جن باتوں کی رعایت درکار ہے ان کی تنویر، اس مسئلے میں دار الافتاندوہ کے اغلاط، اہل زمانہ کی تفریط وافراط، اس خوبی واجمال سے ہر بات بیان میں آئی جسکی نظیر نظر نے نہ پائی، مسمی بنام تاریخی ''الجام الصاد عن سنن الضاد''۔

عبارت مذکورہ ببانگ دہل اس بات کا اعلان کررہی ہے کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع کے ان مقاصد کی پوری

پوری حفاظت کی جو مطبع کے قیام کا سبب بنے تھے، اگر گھر کے کسی فرد سے کوئی لغزش سرزد ہوئی تو اسے بھی شائع کیا گیا اور اگر کسی نے اہل سنت و جماعت کے نشیمن پر شب خون مارنے کی کوشش کی تو اس کے بھی تعاقب میں کسی طرح کی کسر نا اٹھا رکھی۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حرف ''ضاد'' کے صحیح مخرج پر ندوہ کی گرفت کی گئی، اس مسئلہ میں محض کسی کو زیر کرنے کی سعی کا پہلو نہیں تھا، بلکہ ایک حرف ''ضاد'' کے صحیح مخرج سے لوگوں کو آگاہ کر کے ان کی نمازوں کی حفاظت کرنے کا جذبہ موجزن تھا۔ امام اہل سنت لکھ رہے تھے اور حضور صدر الشریعہ پوری دلجمعی کے ساتھ وقت کے مجدد کی تحقیقات کو عام کر رہے تھے۔

تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون:

امام اہل سنت نے اس رسالہ کو ۱۳۲۵ھ میں تحریر فرمایا۔

اس رسالہ کی اشاعت ثانیہ (بار دوم) حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام مطبع اہل سنت و جماعت بریلی سے ہوئی۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی شائع شدہ نسخہ کا پہلا ورق اس وقت ہماری میز پر ہے، اور پہلے ورق پر موجود عبارت اس رسالہ کا خلاصہ بیان کر رہی ہے، اس خلاصہ کو دیکھنے کے بعد مطبع اہل سنت و جماعت بریلی کے دستور العمل کی پہلی دفعہ پھر سے ذہن میں گردش کر رہی ہے۔ جس کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہ مطبع جہاں اہل سنت و جماعت کی مؤیدہ کتب و رسائل کی اشاعت کرے گا وہیں مسائل شریعہ حقہ اور نصیحت پر محمول کتابچے اور رسالے بھی یہاں سے شائع ہوں گے۔ یقیناً طاعون سے بھاگنا اسلام کی نگاہ میں ایک جرم عظیم ہے، اگر بھاگنے والا ایسا ہو جس کے پیچھے لوگ نمازیں ادا کرتے ہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہوگا؟ ملاحظہ ہو۔

''الحمد للہ کہ اس رسالہ ھدایت مقالہ میں دلائل قاہرہ و براہین ظاہرہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ طاعون سے بھاگنا حرام ہے اگر چہ شہر کے ایک حصہ سے دوسرے میں ہو، اور بھاگنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی''۔ (رسالہ تیسیر الماعون مطبع اہل سنت و جماعت بریلی کا پہلا صفحہ)

رد وھابیہ میں اشاعت رسائل امام اھل سنت:

ابن عبد الوہاب نجدی جو فرقہ وہابیہ کا بانی ہے، بارہویں صدی ہجری کی ابتداء ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا، یہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ میں افتراق و انتشار کی فضا پیدا ہوئی، اس کے متبعین اور پیروکاروں نے انگریزوں کی مدد سے غیر منقسم ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں ہلچل مچا کر رکھ دی، اور اہل اسلام کے درمیان جو معمولات قرآن و سنت کے مطابق صدیوں سے رائج تھے، ان تمام مقدس و متبرک معمولات کی بابت کفر و شرک کے فتوی جاری کرنے شروع کر دیے، تقلید شخصی کا نا صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ اسے مشرکانہ فعل کہا، مجلس میلاد شریف کو بدعت، اور قیام کو مشرکانہ عقائد سے تعبیر کیا، نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی عظمت کے انکار میں کسی طرح کی کسر باقی نا رکھی، جس کی بنیاد پر عوام الناس میں ایک بے چینی کا ماحول پیدا ہوا، کچھ ضعیف الایمان افراد ان کے جھانسے میں بھی آئے، ضرورت تھی کہ ایسے خطرناک مجرمانہ عقائد کے حاملین اور مبلغین کی سرکوبی کا فریضہ ادا کیا جائے، پاکیزہ ماحول کے شیرازہ کی مضبوط بندش کو تار تار کرنے والوں کے دام فریب سے لوگوں کو محفوظ کیا جائے، جور و ستم اور بدبختیوں کے گھنے اندھیرے کی تاریکی کو بڑھنے سے روکا جائے، علمائے

اہل سنت نے اس فرقہ کا تعاقب کیا اور بھرپور کیا، بالخصوص امام اہل سنت سیدی سرکار اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے مستقل رسائل تصنیف فرمائے۔

فقیر قادری یہاں صرف ان رسائل کا ذکر کرتا ہے جن رسائل کی اشاعت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے اہتمام سے مطبع اہل سنت بریلی شریف سے فرمائی ہے۔

الفضل الموھبی کے ساتھ مزید دو رسائل:

ان تمام رسائل میں "الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی" (تاریخی نام "اعز النکات بجواب سوال ارکات ۱۳۱۳ھ") خاص قابل ذکر ہے، امام اہل سنت کے اس رسالہ کے تین نسخے اس وقت ہمارے سامنے ہے، اور یہ تینوں نسخے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے شائع فرمائے، مذکورہ رسالہ ۱۳۱۳ھ میں لکھا گیا ہے، بار اول اور بار دوم کا فقیر کو علم نہیں کہ کس مطبع سے شائع ہوئے، لیکن بار سوم، بار چہارم، اور پنجم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع ہوا، ان تینوں نسخوں کا پہلا صفحہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ مذکورہ رسالہ کی کم از کم پانچ مرتبہ اشاعت اس بات کی جانب کھلا اشارہ ہے کہ وہابیہ کے رد میں امام اہل سنت نے کس قدر توجہ فرمائی ہے۔ "الفضل الموھبی" کی اشاعت بار سوم میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے امام اہل سنت کے مزید دو رسالوں کو بھی شامل اشاعت فرمایا، غیر مقلدوں کی تدلیس اور تقلید کو بیان کرتا ہوا رسالہ بنام "النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی ۱۳۰۹ھ" اور مولوی رحیم بخش لاہوری کی کتاب "اسلام کی پہلی کتاب، اسلام کی دوسری کتاب، اسلام کی تیسری کتاب" کے رد و ابطال اور اس میں موجود عبارتوں کی حقیقت کا تانا بانا الگ الگ بیان کرتا رسالہ بنام "السھم الشھابی علی خداع الوھابی ۱۳۲۵ھ"۔

رد وہابیہ میں امام اہل سنت کے مزید کچھ رسائل کی اشاعت:

مذکورہ تین رسالوں کے علاوہ امام اہل سنت سیدی سرکار اعلی حضرت کا رسالہ بنام "الکوکبۃ الشھابیہ فی کفریات ابی الوھابیہ ۱۳۲۱ھ" جس میں وہابیہ ہی کی کتب کے حوالہ اور کتب علما سے ان کی ضلالت و گمرہی کا واضح بیان موجود ہے، اس رسالہ کی بار سوم کی اشاعت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت بریلی شریف سے فرمائی۔

☆ اس کے علاوہ امام کا رسالہ "بریق المنار بشموع المزار ۱۳۳۱ھ" جس میں مزارات اولیا اللہ پر چراغاں کرنے کے جواز پر روشن دلیلیں جو اہل سنت والجماعت کے دلوں کی ٹھنڈک کا سامان پیدا کر رہا ہے تو اہل حدیث غیر مقلدوں پر قہر الہی بن کر برسا۔ اس رسالہ عظیمہ کی بار سوم کی اشاعت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام مطبع اہل سنت بریلی شریف سے ہوئی۔

زیر بحث رسالہ (بریق المنار) میں مزارات پر چراغاں کے سلسلہ میں گفتگو ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزارات سے متعلق کچھ اور بھی رسائل کا تذکرہ کرتا چلوں۔ مثلا بعد دفن میت قبر پر اذان کا جواز، سماع موتی سے متعلق رسائل، محبوبان خدا سے استمداد وغیرہ۔

☆ "ایذان الاجر فی اذان القبر ۱۳۰۷ھ" میں تحریر کیا گیا، اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کو مطبع اہل سنت و

جماعت سے اپنے اہتمام سے شائع فرمایا، اس وقت جس نسخے کا پہلا ورق ہمارے سامنے موجود ہے اس کے آخیر میں "بار سوم یک ہزار جلد" رقم ہے، زیر بحث رسالہ میں امام نے اس بات کا ثبوت واضح انداز بیان اور مضبوط دلائل و براہان سے فرمایا کہ میت کو دفن کردینے کے بعد قبر پر اذان کہنا جائز ہے۔

☆ "حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات" اوائل رجب ۱۳۰۵ھ میں تحریر کیا گیا، سماع موتی کے موضوع پر اس رسالہ کی خاصیت یہ ہے کہ امام اہل سنت نے ساڑھے چار سو نصوص سے ثابت کیا کہ تمام اموات زائروں کو دیکھتی ہیں، ان کے کلام کو سنتی ہیں، سمجھتی ہیں۔ اور اولیا اللہ مزارات عالیہ سے تصرفات، فیض و امداد، مشکل کشائی و حاجت روائی فرماتے ہیں، دور و نزدیک سے انہیں اپنی حاجت میں پکارنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ امام نے ۵۰ سے زائد دلیلوں شاہدوں جوابوں اور ۱۱۰ سے زائد قاہر اعتراضوں سے منکران سماع موتی کے شبہات کو رنگ بطلان دیا ہے۔ (تلخیص از تعارف: حیاۃ الموات مطبع اہل سنت و جماعت باہتمام صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

☆ "الوفاق المتین بین سماع الدفین و جواب الیمین" ۱۳۱۶ھ میں تحریر کیا گیا یہ رسالہ بھی سماع موتی کے موضوع پر امام اہل سنت کی ایک کرامت ہی ہے، سماع موتی کے حق ہونے پر ایسے دلائل پیش فرمائے کہ جس کی نظیر نظر آسمان سے نہ گذری۔ مذکورہ دونوں رسائل ایک ساتھ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت و جماعت سے اپنے اہتمام سے شائع فرمائے، اور پہلے صفحہ کے بالکل آخیر میں "تعداد یک ہزار جلد بار دوم" رقم ہے۔

☆ "برکات الامداد لاھل الاستمداد" ۱۳۱۱ھ محبوبان خدا سے استمداد کے جواز اور دلائل جواز پر مشتمل یہ نفیس رسالہ رد وہابیہ و دیابنہ میں ہے، امام اہل سنت کا یہ رسالہ نثر میں ہے، اس کے علاوہ ایک رسالہ نظم میں بھی ہے۔ جس کا ذکر آتا ہے۔

☆ "الاستمداد علی اجیاد الارتداد ۱۳۳۷ھ" امام اہل سنت کا یہ رسالہ ۳۶۰ راشعار کا مبارکہ قصیدہ جو کہ آسان اور سلیس اردو زبان و بیان میں ہے، اس رسالہ میں وہابیہ و دیابنہ کے ۲۳۰ (دوسوتیس) اقوال کفر و ضلال کو واضح انداز اور خوبصورت دلائل سے مبرہن بیان میں پیش کیا، اس رسالہ کی شرح شہزادہ امام اہل سنت سیدی سرکار مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۳۷ھ ہی میں فرمائی اور اس رسالہ کا نام رکھا "کشف ضلال دیوبند" سرکار مفتی اعظم ہند نے شرح کرتے ہوئے وہابیہ و دیوبندیہ کی کتابوں سے بحوالہ صفحات ان کفریات و ہذیانات کی جانب اشارہ فرمایا۔

نوٹ: یہ کل تین رسالے ہوئے، پہلا "برکات الامداد" جو نثر میں ہے، دوسرا رسالہ "الاستمداد" جو نظم میں ہے، اور "الاستمداد کی شرح کشف ضلال دیوبند از مفتی اعظم" ان تینوں رسالوں میں برکات الامداد کی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ایک مرتبہ تنہا مطبع اہل سنت سے اشاعت فرمائی، پھر مذکورہ تینوں رسائل کی ایک ساتھ اپنے اہتمام سے مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف سے شائع کیا۔

☆ "اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تھامۃ ۱۲۹۹ھ" یہ رسالہ بھی وہابیہ کے عقیدہ "قیام تعظیمی حرام ہے

''کے ردو ابطال میں ہے، اس رسالہ میں مجلس میلاد شریف میں خاص وقت ذکر ولادت اقدس قیام تعظیمی مستحب و مستحسن ہونے بیان ہے، اور اس کے ضمن میں دیگر اصول و فروع وہابیت کا بھی استیصال ہے'' (از: اقامۃ القیامۃ مطبع اہل سنت وجماعت باہتمام صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

☆ مذکورہ رسالہ ''اقامۃ القیامۃ'' کے ساتھ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے امام اہل سنت کا ایک اور رسالہ بنام ''الجزاء المھیا لغلمۃ کنھیا ۱۳۲۰ھ'' بھی شائع فرمایا ''الجزاء المھیا'' کے تعارف میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جو دوسطری تحریر رقم فرمائی ہے میں اسے یہاں نقل کرتا ہوں'' پہلا رسالہ (اقامۃ القیامۃ) مسئلہ قیام میں پرانی وہابیت کے خیالات باطلہ کا رد تھا، یہ (الجزاء المھیا) اس میں جدید گنگوہی نزاکتوں، ضلالتوں کا رد ہے'' (از: اقامۃ القیامۃ مطبع اہل سنت و جماعت باہتمام صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

اقول: آخر الذکر دونوں رسالے بالترتیب امام اہل سنت نے ۱۲۹۹ھ اور ۱۳۲۰ھ میں تحریر فرمائے ہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جس وقت مطبع اہل سنت و جماعت کی ذمہ داری سنبھالی (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۴۳ھ) اس سے تقریبا بالترتیب ۳۰/اور ۹/سال قبل یہ دونوں رسالے ضبط تحریر میں آچکے تھے، یقیناً اسی وقت کسی مطبع سے شائع بھی ہوئے ہوں گے، لیکن اس کے باوجود جب حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مذکورہ دونوں رسالوں کی اشاعت فرمائی تو پہلے صفحہ کے بالکل نیچے ''باراول ۵۰۰'' تحریر فرمایا، اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ مطبع اہل سنت و جماعت سے یہ رسالہ پہلی بار شائع ہو رہا تھا یا پھر یہ مطلب ہے کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس رسالہ کو پہلی مرتبہ شائع فرمایا تھا۔ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ گذشتہ سطروں میں ''الفضل الموہبی'' سے متعلق جو بھی بحث باراول و دوم سے متعلق گذری وہ یا تو مطبع اہل سنت و جماعت سے پہلی دوسری اور تیسری بار شائع ہوئے ہیں یا پھر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے پہلی دوسری یا تیسری مرتبہ شائع فرمائے۔ بہر صورت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اور مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف کی خدمات کا یہ روشن بیان ہیں۔ واللہ اعلم

☆ ''نھج السلامۃ فی حکم تقبیل الابھامین فی الاقامۃ ۱۳۳۳ھ'' یہ رسالہ نافعہ اوہام مخالفین کا دافعہ، خیالات خام وہابیہ کا نافیہ، مریض قلبوں کے لیے شافیہ، اطمینان قلب اہل سنت کے لیے کافیہ، دربارہ ثبوت استحباب تقبیل ابہامین دراذان واقامہ'' (رسالہ نہج السلامہ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی باہتمام حضور صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)۔

☆ ''السنیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ'' امام اہل سنت کے فتاوی و رسائل میں فتاوی افریقہ ایک مشہور رسالہ ہے، اس رسالہ کے وجود میں آنے کا سبب خود حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کچھ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ: حامی سنت ماحی بدعت حاجی اسمٰعیل میاں ابن حاجی امیر میاں صاحب ساکن راجکوٹ کاٹھیاوار نے افریقہ سے ایک سو گیارہ استفتا دارالافتا میں بھیجے، اس کتاب مستطاب میں ان سوالوں کے نہایت تحقیق و تدقیق کے جواب ہیں'' (السنیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ مطبع اہل سنت بریلی شریف باہتمام حضور صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ: ضروری مسائل بکمال آب وتاب اور بہت عظیم فوائد تو روز ازل سے اس کتاب کے لیے انتخاب ہیں، جو اس کے سوا دوسری جگہ قطعا نایاب ہیں، جا بجا رد وہابیت کے بھی فوائد لاجواب ہیں"۔ (السنیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ مطبع اہل سنت بریلی شریف باہتمام حضور صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

☆"خالص الاعتقاد ۱۳۲۸ھ" اور" رماح الکفار علی کفر الکفار ۱۳۲۸ھ" امام اہل سنت کے یہ دونوں رسالہ یک بعد دگرے ضبط تحریر میں آئے، بالخصوص" خالص الاعتقاد" میں نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام کے علم غیب پر مدلل کلام فرمایا، اور اس کے علاوہ ایک سو بیس عبارات ائمہ وعلمائے معتمدین سے ان امور کا روشن ثبوت پیش کیا گیا کہ انبیا تو انبیا اولیا کو بھی علم غیب عطا کیا گیا، عرش سے فرش اور شرق سے غرب تک روز اول سے آخر تک سب کچھ ان پر روشن کیا گیا ہے، جن آیات میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان آیات سے کیا مراد ہیں؟، اس کے علاوہ وہابیہ کی افتراؤں کا رد بلیغ کیا گیا۔ یہ تو تھے" خالص الاعتقاد" کے خواص" رماح الکفار علی کفر الکفار" کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ایک جانب تو واہبیہ کا رد ہے اور ساتھ ہی" سیف النقی" کی بے حیائیوں کا بھی ذکر ہے، اور ایسا بیان کہ ہر عاقل اور منصف طبیعت انسان وہابیہ کے دام فریب اور ان کی گستاخیوں کو خوب اچھے سے پہچان سکے گا۔ مذکورہ دونوں رسالے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے اہتمام سے مطبع اہل سنت و جماعت سے ایک ساتھ شائع فرمائے۔

مسئلہ علم غیب پر امام کے بعض رسائل کی صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام اشاعت:

☆الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ :علم غیب مصطفیٰ ﷺ پر امام اہل سنت کا لاجواب رسالہ، جس کی شہرت پوری دنیا میں ہے، اس پر امام اہل سنت کے حواشی بھی ہیں، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زبانی اس کی اشاعت کی کہانی سنیں:

"الدولۃ المکیۃ بڑی ضخیم کتاب ہے، اور اس پر اعلی حضرت کے حواشی قدیمہ و جدیدہ بھی ہیں، ان حواشی کی وجہ سے اس ضخامت بہت زیادہ ہوگئی، اس کو چھپوانا شروع کیا تھا، چند اوراق اصل کتاب کے چھپے اس کے بعد جو حواشی کا سلسلہ شروع ہوا تو غالبا دو سو آٹھ صفحے تک چھپے، اور بعض وجوہ سے اعلی حضرت کے زمانہ ہی میں اس کی طبع کا سلسلہ منقطع ہوگیا" (حیات صدر الشریعہ از: مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ ص ۳۴)

☆"انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفی" ۱۳۱۸ھ میں تحریر کیا گیا یہ رسالہ علم غیب مصطفیٰ ﷺ کے موضوع پر نایاب اور اپنی نظیر آپ ہے، زیر بحث رسالہ میں "بدلائل قاہرہ ثابت کیا گیا ہے کہ از روز اول تا روز آخر تمام ماکان وما یکون اللہ تعالی کی دین سے حضور سید کائنات وباعث ایجادات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات پر روشن ہیں بلکہ حضور کے علم کا یہ ایک چھوٹا حصہ ہے، اور (ساتھ ہی) گنگوہی اور اسماعیل دہلوی کا رد ہے"۔ (رسالہ انباء المصطفیٰ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی باہتمام حضور صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

نوٹ: اس وقت جو نسخہ ہمارے پیش نظر اور مطالعہ کی میز پر ہے، اس میں امام اہل سنت کے دو رسالے ایک ساتھ شائع

کیے گئے ہیں، پہلا ''انباء المصطفی'' اور دوسرا ندائے یا رسول اللہ کے جواز میں تحریر کیا گیا بنام تاریخی ''انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ'' جسے ۱۳۰۴ھ میں بدست امام اہل سنت تحریر کیا گیا۔ ''انوار الانتباہ'' میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو وسیلہ کرنا اور نزدیک و دور سے حضور کو پکارنا اور حضور کا مدد فرمانا، اور حاجات میں مشکل کشائی فرمانا، بدلائل قاطعہ بیان کیا گیا ہے۔

زیر بحث دونوں رسالے بھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمات اشاعت کا حصہ ہیں۔ اب دو رسالے مزید پیش خدمت ہیں جسے سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے یکے بعد دگرے تحریر فرمایا تھا اور دونوں کی اشاعت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام مطبع اہل سنت و جماعت بریلی سے ہوئی۔

☆ ''وقعات السنان الی حلق المسماۃ بسط البنان'' ۱۳۳۰ھ میں تحریر کیا گیا رسالہ درحقیقت اشرفعلی تھانوی سے علمی و دینی مکالمات کا مجموعہ ہے، زیر بحث رسالہ میں نانوتوی کی ''تحذیر الناس'' اور تھانوی کی دو ورقی تحریر بنام ''بسط البنان'' کا رد بلیغ فرمایا گیا ہے، اور ان پر ایسے ایرادات قائم فرمائے کہ اگر مخالف انصاف کی عینک سے اس تحریر سراپا تنویر کو دیکھے تو یقیناً اس کے بھی دل کے نہاں خانہ سے آواز آئے کہ واقعی ''تحذیر الناس'' اور ''حفظ الایمان'' قطعاً کفریات کا مجموعہ ہیں، اور ''بسط البنان'' محض جہل و خرافات کا اجتماع ہے۔

☆ ''ادخال السنان الی حنک الحلقی بسط البنان'' ۱۳۳۱ھ میں تحریر کیا گیا، سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا یہ رسالہ درحقیقت ''بسط البنان'' کی آخری ۱۴ سطروں کا رد ہے، یہ ۱۴ سطریں مسئلہ علم غیب میں تھیں، زیر بحث رسالہ (ادخال السنان) انہیں ۱۴ سطروں کا رد بلیغ ہے۔ آخر الذکر دونوں رسالے (وقعات السنان اور ادخال السنان) بھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اشاعتی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہیں، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت و جماعت سے اپنے اہتمام سے شائع فرما کر عوام اہل سنت پر بڑا احسان فرمایا۔

رد قادیانیت میں امام اہل سنت کے رسائل کی اشاعت زیر اہتمام صدر الشریعہ:

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ دنیائے کفر والحاد نے اسلام و مسلمین کو مٹانے کی خاطر ہر طرح کے حربے استعمال کیے ہیں، ۱۸۵۷ء وہ سال ہے جب کفر کو علمائے ملت اسلامیہ کی حمیت دینی کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا، وہ سمجھ چکے تھے کہ موجودہ مسلمانوں کو تلوار یا قید و بند کی صعوبتوں سے ہرگز ڈرایا نہیں جا سکتا، اور علما ہی عوام کی کشت ویراں کو آباد کرنے کا عزم و حوصلہ بھی رکھتے ہیں، عوام الناس علما ہی کو اپنا رہبر و رہنما سمجھتی ہے، انگریز یہ سمجھ چکے تھے کہ جب تک مسلمانوں میں ان کے بنیادی اور ضروری عقائد میں اختلاف ناپیدا کیا جائے ہمارے اقتدار پر زوال کی تیز دھار تلوار لٹکتی رہے گی۔ ذرا سی کوششوں کے بعد انگریزوں کو ایسے افراد بھی مل گئے جو ان کے مشن کو کامیاب بنا سکتے تھے، مرزا غلام احمد قادیانی انہیں میں سے ایک دجال ہے، آج بھی انگریزوں کے زیر سایہ تحریک قادیان دن بدن پروان چڑھ رہی ہے، اور ان کے باطل عقائد و نظریات کی تشہیر ٹیلی ویژن اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے مسلسل ہو رہی ہے، علما نے ہر زمانہ میں ان کا تعاقب فرمایا اور

اب بھی کر رہے ہیں، امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فہرست رسائل میں ایک سے زائد رسائل ان کے تعاقب میں موجود ہیں، یادرکھیں کہ جہاد فی سبیل اللہ میں مجاہدین اسلام کو پانی پلانے والا دستہ بھی مجاہدین کی صف میں شمار کیا جاتا ہے، اگر امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت نے اس فرقہ ضالہ و جاہلہ کے رد و ابطال میں کتب تحریر فرمائیں تو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ان میں سے کچھ کتب کی اشاعت اپنے اہتمام سے مطبع اہل سنت و جماعت سے کی، اور عوام اہل سنت پر امام اہل سنت کے فیوض واحسان کو دراز کر دیا۔ امام اہل سنت کے وہ رسائل جسے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے شائع کیے ہیں اس فہرست میں فی الحال صرف دو رسالے موجود ہیں جس میں ایک امام کا اور ایک حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہے۔ یقین ہے کہ اگر بساط تحقیق بچھائی جائے تو مزید رسائل نکل کر باہر آئیں گے۔ اس کام کو کسی اور وقت پر باقی رکھتے ہیں۔

☆"السوء و العقاب علی المسیح الکذاب"

۱۳۲۰ھ: "یہ مبارک فتوے جس میں روشن دلائل سے ثبوت دیا ہے کہ مرزا کادیانی کہ اپنے آپ کو نبی ورسول کہتا اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرتا اور بکثرت ضرورت دین کا انکار رکھتا، کافر مرتد ہے اور اس کے گروہ کے ساری مرزائی کافر مرتد ہیں، ان پر نکاح اور میل جول وغیرہ جملہ امور میں وہی احکام ہیں جو مرتد پر ہیں"۔ (السوء والعقاب مطبع اہل سنت و جماعت باہتمام حضور صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

☆"الصارم الربانی علی اسراف القادیانی"

۱۳۱۵ھ میں لکھا گیا یہ رسالہ حجۃ الاسلام شہزادہ امام اہل سنت علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے نوک قلم سے نکلے ہوئے جواہر پارے کا مجموعہ ہے، اس رسالہ بالغہ کے تعارف میں حضور صدر الشریعہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: "فتاوی لاثانی بنخکن مزخرفات و ہذیانات ووساوس شیطانی قادیانی مدلل بآیات قرآنی واحادیث نبوی" (الصارم الربانی مطبع اہل سنت و جماعت باہتمام حضور صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

حضور نبی کریم علیہ السلام کی شان رفیع میں کچھ رسائل امام اہل سنت:

☆"ھدی الحیران فی نفی الفیٔ عن سید الاکوان": ۱۲۹۹ھ میں تحریر کیا گیا یہ رسالہ ایک طرف حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جسم منور کا بے سایہ ہونے کی دلیلوں سے منور ہے تو دوسری جانب خیمہ وہابیت پر بجلی گرانے کا کام بھی کیا، ان کے شبہات اور ایرادات کے بھرپور اور مسکت جواب سے لبریز یہ رسالہ اپنی مثال آپ ہے، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت و جماعت بریلی سے اسے شائع کیا اور پہلے صفحہ کے بالکل آخیر میں "بار اول ۵۰۰ جلد" بھی لکھا ہوا ہے۔

☆"تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین"

۱۳۰۵ھ: نبی کریم ﷺ کی شان میں یہ رسالہ بزم علما، محققین میں مشہور و معروف ہے، نبی پاک ﷺ افضل الخلق اور سید المرسلین ہیں، اس عقیدہ کو امام اہل سنت نے دس آیات قرآنیہ اور ۱۲۵ سے زیادہ احادیث مبارکہ سے ثابت فرمایا، نصوص کی تعداد رسالہ کی اہمیت کی جانب کھلم کھلا اشارہ کرتا ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت و جماعت سے اس رسالہ کی اپنے زیر اہتمام شائع کیا۔

بعض دگر رسائل امام اہل سنت:

اطائب الصَّیِّب علی ارض الطیب (۱۳۱۹ھ): یہ رسالہ امام اہل سنت اور مولانا طیب عرب صاحب کے مابین عربی زبان میں خط وکتابت (مراسلت) کا مجموعہ ہے، یہ عربی رسالہ اوراس کا ترجمہ بھی حضور صدررالشریعہ علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی طباعت کی منزلوں سے گذر کر کتب خانوں کی زینت بنا، حضور صدررالشریعہ کے زیراہتمام اس رسالہ کے سرورق کا عکس ڈاکٹر غلام جابر شمس کی تالیف کردہ کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' جلد دوم کے صفحہ نمبر ۳۵۵ پر شائع کیا گیا ہے، جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ کے مولف و مترجم حضرت علامہ حافظ وقاری سید محمد عبدالکریم قادری مجیدی علیہ الرحمہ ہیں۔ (فہرست رسائل فتاوی رضویہ از مولانا ندیم احمد ندیم قادری ص ۸۴، مطبع والضحیٰ پبلی کیشنز لاہور پاکستان)

اس وقت ہماری میز پر حضور صدرالشریعہ کے زیراہتمام شائع ہونے والے نسخے کی بھی ایک کاپی موجود ہے، سوال و جواب کی شکل میں اس مکالمہ جاتی رسالے کے تعارف میں حضور صدرالشریعہ حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''عرب صاحب رامپوری کے رد میں پہلا رسالہ، جس میں مولوی طیب صاحب عربی الانتساب ہندی الاکتساب آزادی نصاب کے بعض مستفیضانہ خطوط بنام نامی خدام گرامی اعلی حضرت عالم اہل سنت مدظلہ اور ان کے جواب میں حضرت ممدوح کے ارشادنامے عربی زبان میں بعینہا مع ترجمہ سلیس اردو منقول و ماثور ہیں، عرب صاحب نے اولاً دربارہ تقلید سوال کیا، جواب عطا ہوا، عرب صاحب نے مان لیا، پھر تصرفات اولیا کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو پوچھا جواب ملا عرب صاحب نے اس پر سکوت کیا، ارشادناموں میں عرب صاحب سے سوالات تھے ان کے جواب میں عرب صاحب کی مہینوں خموشی، پھر تقاضائے جواب پر بکمال غصہ، گرمجوشی وغیرہا فوائد مذکور ہیں'' (رسالہ مذکورہ کا پہلا صفحہ مطبع اہل سنت وجماعت باہتمام حضور صدرالشریعہ)

''لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ'' داڑھی رکھنے، منڈانے، بڑھانے، یا مقدار شرع سے زیادہ کتروانے کی حرمت میں مزید برآں شبہات منکرین کے مکمل ابطال کا منہ بولتا ثبوت یہ رسالہ امام اہل سنت نے ۱۳۱۵ھ میں تحریر فرمایا، اس رسالہ کو امام اہل سنت نے اٹھارہ آیات قرآنیہ، ۱۲۷ احادیث مبارکہ، اور ۶۰ ارشادات علما سے مزین فرمایا ہے، اور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت و جماعت سے اپنے اہتمام سے شائع فرمایا۔

''انوار البشارة فی مسائل الحج و الزیارة'' ۱۳۲۹ھ: مسائل حج وزیارت میں بہترین نافع، وافی کافی شافی رسالہ جس میں ارادہ حج سے لے کر واپسی سفر تک کے تمام مسائل، ارکان حج وعمرہ، اقسام حج، اور کہاں کس جگہ کون سے دعائیں پڑھی جائیں اس کے تفصیلی تذکرے سے مزین ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے صدرالشریعہ کی اشاعت والا جو نسخہ موجود ہے اس کے پہلے صفحہ کی عبارت بہت ہی زیادہ دھندھلی ہے اور صاف نظر نہیں آتی، عذر قبول فرمائیں ورنہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے تعارفی جملوں کی سیر کرائی جاتی۔

''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' ۱۳۰۷ھ رسالہ مذکورہ کے تعارف میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہو گا، چونکہ کذب باری تعالی کے رد میں امام اہل سنت کے اس

رسالہ کی اہمیت وضرورت ہر خاص وعام پر عیاں ہے۔ کہ امام نے سینکڑوں دلائل سے ثابت کیا کہ کذب باری تعالی محال ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا خارج از اسلام۔

"الدلائل القاهره على الكفرة النياشرة"

۱۳۳۵ھ میں تحریر کیا گیا یہ رسالہ کاٹھیاروار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت، یا اس کے منتظمین کی اعانت وامداد کرنے سے متعلق ہے، اس رسالہ میں بیان کیا گیا کہ اس کانفرنس میں شرکت اور کسی بھی طرح کی امداد حرام سخت حرام ہے۔ (الدلائل القاہرہ مطبع اہل سنت وجماعت بریلی باہتمام صدر الشریعہ کا پہلا صفحہ)

☆"فتاوی الحرمین برجف ندوة المین ۱۳۱۷ھ" یہ رسالہ جلسہ ندوہ کے ردوابطال اور اراکین ندوہ کے اثبات گمرہی وضلال میں علمائے حرمین شریفین کے مبارک فتوی ہیں" (فتاوی الحرمین مطبع اہل سنت وجماعت بریلی باہتمام صدر الشریعہ کا سرورق)

☆فتاوی الامام الغزی: یہ رسالہ صاحب تنویر الابصار حضرت علامہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم الغزی تمرتاشی (۹۳۹ھ تا ۱۰۰۴ھ) کے فتاوی کا مجموعہ ہے، حضرت علامہ تمرتاشی، صاحب بحر الرائق حضرت علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ کے شاگرد خاص ہیں، اور حضرت علامہ تمرتاشی علیہ الرحمہ نے تنویر الابصار کے علاوہ "معین المفتی علی جواب المستفتی" "مسعف الحکام علی الاحکام" بھی تحریر فرمائی ہیں، اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک مایہ ناز کتابوں کے مصنف ہیں انہیں میں "فتاوی امام غزی" بھی ہے تقریبا ۱۵۰ صفحات پر مشتمل اس رسالہ کو ہندوستان میں سب سے پہلے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت بریلی شریف سے ۱۳۳۲ھ میں اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ اس وقت مطبع اہل سنت بریلی شریف کے نسخہ کا پہلا ورق ہمارے سامنے ہے، اور ورق کے پیشانی پر" وهو احد المجددين للدين المتين في الالف الثاني" لکھا ہوا ہے، یعنی علامہ تمرتاشی ان مجددین میں سے ہیں جو "الف ثانی" یعنی دوسرے ہزاریہ میں پیدا ہوئے۔ امام اہل سنت نے بھی انہیں مجددین کے صف میں شامل فرمایا ہے۔

ماہ نامہ الرضا:

آج اس بھری دنیا میں رسالوں کی کمی نہیں ہے، اور نہ لکھنے والوں کی کمی ہے، رسالوں نے دین کے شجر کو ہرا ابھرا رکھنے کا کام کیا، تو دوسری جانب کچھ رسالے ایسے بھی تھے جنہوں نے دین متین کی پھیلی ہوئی مضبوط جڑوں میں گرم پانی ڈالنے کا کام بھی کیا، انہی تخریب کاریوں کے سد باب کے لیے ماہنامہ الرضا کی بنیاد ڈالی گئی، علامہ ذوالفقار خان نعیمی کے االفاظ دیکھیں:

"محرم ۱۳۳۸ھ میں خانقاہ رضویہ سے امام اہل سنت کی سرپرستی میں "ماہنامہ الرضا" جاری ہوا، جس کے مدیر امام اہل سنت کے لائق فائق بھتیجے، استاذ زمن کے ہونہار صاحبزادے علامہ حسنین رضا خان علیہم الرحمہ (مقرر) ہوئے، مطبع اہل سنت بریلی شریف سے حضور صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام ہر ماہ بلا تعیین تاریخ طبع ہوکر شائع ہوتا تھا ہیڈ کوارٹر محلّہ سوداگران بریلی شریف تھا"۔ (مرکز اہل سنت بریلی شریف کی صحافتی خدمات ص ۲/ر)

بہار شریعت:

حضور صدر الشریعہ ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۳ھ تک بریلی شریف میں مقیم رہے، اور مطبع اہل سنت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اسی درمیان فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب "بہار شریعت" کا کام شروع ہوا، اور ساتھ طباعت بھی ہوتی گئی، بہار شریعت حصہ اول سے حصہ ہفتم تک کے تمام حصص مطبع اہل سنت بریلی شریف سے باہتمام حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ شائع ہوئے، بہار شریعت حصہ ہفتم کی پہلی اشاعت کے سرورق پر ۱۳۴۲ھ رقم ہے۔

کنز الایمان کا مسودہ آپ کے ہاتھ کا:

اشاعت کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کتاب کا مسودہ یا مبیضہ تیار کیا جائے، اب جتنے رسائل کا ذکر ہوا یا جتنی بھی کتب حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے شائع کی ہیں، اس کے مسودہ ومبیضہ کی تیاری میں آپ کا پورا پورا حصہ ہوتا تھا، امام اہل سنت کے علمی خزانہ سے کنز الایمان جیسی نعمت امت کے حوالہ کرنے کا سہرا بھی آپ کے سر ہے، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس عظیم خدمت کی کہانی خود آپ کی زبانی سننے سے قبل ذہن میں یہ تصور ضرور بٹھالیں کہ برسات کا موسم ہے، لالٹین کا زمانہ ہے، پتنگے اور کیڑے مکوڑوں کا ہجوم ہے اور ترجمہ کنز الایمان کا مسودہ تیار کیا جارہا ہے، فرماتے ہیں:

"ایک طرف برسات کی گرمی، اور بالکل قریب لالٹین، اوران پر کیڑوں اور پتنگوں کا ہجوم، کبھی ہاتھ پر، کبھی آستین کے اندر، کبھی پاجامے میں، بہت مرتبہ کاغذ اور قلم میں پتنگے اس طرح مجتمع ہوجاتے تھے کہ لکھنا بہت دشوار ہوجاتا تھا، پھر بھی کئی کئی گھنٹہ اسی حالت میں گذارنا پڑتا تھا اور بحمدہ تعالی اس کام کو انجام دیا جاتا" (حوالہ سابق ص ۴۳)

آج کے زمانہ میں لکھنے والوں کی کیفیات کیا ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، سکون کا ماحول ہو، کسی طرح کی کوئی فکر نا ہو، کمرے میں بالکل تنہا، کوئی ڈسٹرب نا کرے، ساتھ موسم کے اعتبار سے گرمی وٹھنڈی کا انتظام ہوتب جا کرکہیں کوئی کتاب معرض وجود میں آتی ہے، اور شاید ہی کوئی کتاب آج کے زمانہ میں لالٹین میں پتنگوں کی صحبت میں لکھی گئی ہو۔

☆ **نگارستان لطافت:** زیر بحث رسالہ استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تحریر کردہ ہے، اور یہ رسالہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں ہے، اس کی اشاعت چہارم کا سہرا حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے سر پر ہے۔ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف ہی سے آپ نے اسے بھی شائع فرمایا۔

سرکار مفتی اعظم ہند و حجۃ الاسلام کے بعض رسائل کی اشاعت:

اب بڑے ہی اختصار کے ساتھ ان تمام رسائل کا ذکر کرتے ہیں جنہیں سرکار مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان رضی اللہ تعالی عنہم نے تحریر فرمائے۔

مسئلہ اذان ثانی:

اس سلسلہ میں ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ مسئلہ اذان ثانی میں مفتی اعظم ہند اور سرکار حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہما الرحمہ کے سامنے دو فریق تھے، ایک دیوبندی اور دوسرے علمائے اہل بدایوں۔ دیوبندی تو اس لیے تھے کہ انہیں اسی بات کا انتظار تھا کہ کوئی مسئلہ ایسا ہاتھ آئے جسے اچھالا جائے، مسئلہ اذان ثانی پر ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی ایک جامع اور مفصل

تحریر بنام ''مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی پس منظر'' منظر عام پر آچکی ہے، اس کی ایک کاپی اس وقت فقیر کی میز پر موجود ہے۔ اور مسئلہ اذان ثانی کی پوری تاریخ بحوالہ خطوط و کتب و مقدمات سے بھری ہوئی ہے۔ اس تحریر کی تلخیص ان شاء اللہ کبھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ فی الوقت صرف ان رسائل کا ذکر کرتے ہیں جنہیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت سے اپنے اہتمام سے شائع کیے ہیں:

سرکار حجة الاسلام نے پہلے ''مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ'' ۱۳۳۲ھ میں رامپوریوں کے رد میں تحریر فرمایا، پھر ''سلامة الله لا هل السنة من سبيل العناد والفتنة ۱۳۳۲ھ'' میں سلامت اللہ رامپوری کے دوسرے فتوے کا رد بلیغ فرمایا، پھر اس کے بعد ''اجلی انوار الرضا ۱۳۳۴ھ'' میں تحریر کیا، آخر الذکر رسالہ درحقیقت مولوی انوار اللہ خان صوبہ دکن کی کتاب ''القول الاظہر'' کا رد بلیغ ہے۔

سرکار مفتی اعظم ہند کے مسئلہ اذان ثانی پر رسائل:

سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ المولی تعالی عنہ کے اکثر رسائل ۱۳۳۲ھ میں لکھے ہوئے ہیں۔ یکے بعد دگرے دیکھتے جائیں، ممکن ہے ترتیب خلاف اشاعت ہو۔

☆ ''وقاية اهل السنة عن مكر ديوبند و الفتنة ۱۳۳۲ھ'' یہ رسالہ مسئلہ اذان ثانی پر دیوبندی جہالتوں کے رد میں لکھی گئی تحریر کا پہلا حصہ ہے۔ اس رسالہ کا اگر چند سطروں میں خلاصہ کیا جائے تو وہی ہوگا جو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے لکھا:

''جس میں اپنے بھائیوں اہل سنت سے خطاب، اور کانپوری تحریر کی اصل بنیادوں کی بیخ کنی، اور اس امر کا روشن اظہار ہے کہ وہ عیار تحریر اہل سنت کے صحاح ستہ وائمہ اربعہ و مذہب حنفی سب کو باطل و بے اعتبار کر دینے کی خواستگار ہے''

(وقایۃ اہل السنۃ مطبع اہل سنت وجماعت کا سرورق)

☆ نفى العار من معايب المولوى عبد الغفار ۱۳۳۲ھ: اس رسالہ کی تصنیف حضرت قاضی عطا علی صاحب بیسلپوری اور حضرت مولانا سید ظہیر حسن صاحب الہ بادی نے فرمائی اس رسالہ تالیف وترصیف سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالی عنہم نے فرمائی۔ اس رسالہ میں دیوبندیوں کے مولوی عبد الغفار رامپوری کی مسئلہ اذان ثانی کے سلسلہ میں تیسری تحریر کا رد فرمایا گیا ہے۔

☆ مقتل كذب و كيد ۱۳۳۲ھ: سرکار مفتی اعظم ہند کی یہ تحریر دراصل ایک سے زائد حصوں پر محیط ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جو نسخہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے سرورق کی پیشانی پر رقم ہے: ''مقتل کذب وکید'' کا پہلا حصہ ملقب بلقب تاریخی ''ہزار ضرب اقوی'' اور یہ رسالہ (مقتل کذب وکید کا پہلا حصہ) دیوبندی مولوی عبد الغفار کی چوتھی تحریر کے رد میں ہے۔

☆ مقتل اكذب اجهل ۱۳۳۲ھ: سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ رسالہ دیوبندی مولوی عبد الغفار رامپوری کی پانچویں تحریر کے رد میں ہے، اور اس رسالہ کا نام ''مقتل اکذب اجہل'' رکھنے کی وجہ سرورق کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا ہے کہ: ''مولوی صاحب کی یہ تحریر پہلیوں سے بھی اکذب و اجہل ہے لہذا رد کا تاریخی نام مقتل اکذب اجہل'' (مقتل اکذب مطبع اہل سنت وجماعت باہتمام صدر الشریعہ کا سرورق)

☆ضروریات اسلام کا پہلا حصہ در بیان عقائد: اس رسالہ کے مصنف کا نام ''حضرت مولانا عبدالکریم چتوڑی'' ہے اور اس رسالہ کو انہوں نے اودے پور میواڑ کے مدرسہ نظامیہ اسلامیہ کے طلبا کے لیے لکھا تھا، جسے انہوں نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف سے شائع کروایا۔

آخری بات:

چلتے چلتے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی حیات کا ایک روشن باب ضرور دیکھنا چاہیے جو اشاعت کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''کاموں کی تقسیم اوقات پر تھی، بعد نماز فجر ضروری وظائف (یعنی وظائف بھی ضروری ہیں) و تلاوت قرآن پاک کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یا کچھ کم و بیش، پریس کا کام انجام دیتا، پھر فوراً مدرسہ جا کر اخیر وقت مدرسہ تک تعلیم دیتا، وہاں سے واپس ہو کر کھانا کھاتا، کھانے کے بعد مستقلاً دو یا تین بجے یعنی وقت نماز ظہر پھر پریس کا کام انجام دیتا، ظہر کے بعد مدرسہ جاتا، اور دو گھنٹہ مکمل یعنی وقت عصر تک تعلیم دیتا، بعد نماز عصر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مغرب تک بیٹھتا، بعد مغرب عشا تک اور عشا کے بعد بارہ ایک بجے شب تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں فتویٰ وغیرہ جو کوئی کام ہوتا انجام دیتا، اس کے بعد مکان واپس آتا، کھانا کھانے کے بعد کچھ ضروری کام تحریر کا کرنے کے بعد تقریباً دو بجے شب میں سوتا، اعلیٰ حضرت کے اخیر زمانہ حیات تک تقریباً یہی روزمرہ کا معمول رہا''۔

(حیات صدر الشریعہ از مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ ص ۳۲)

اب ہماری باری: مذکورہ پیراگراف میں پورے چوبیس گھنٹہ کی تفصیل آپ نے ذکر کر دی، ظاہر ہے ہم اس زمانہ میں نہیں ہیں، جب پریس اور اشاعتی امور کو مشکلات کا سامنا تھا، آج تقریباً ہر گھر میں کمپیوٹر اور پرنٹرس ہیں، نا حسن کتابت کی فکر ہے، نا فونٹ کی مشق کرنا ہے، نا ہی بہترین اور موزوں کاغذات کے انتخاب کے ہنر کی ضرورت ہے، کرونا کے درمیان لاک ڈاون نے سکھا دیا کہ آپ گھر بیٹھے بھی اپنا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں، لیپ ٹاپ کی اسکرین آپ کا بہترین کاغذ ہے، کی بورڈ بہترین قلم ہیں، اور کمپیوٹر کا سسٹم آپ کا معاون ہے، جیسا چاہیں ویسا فونٹ استعمال کریں، جتنا حسن تزئین کاری میں پیدا کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ساتھ پی ڈی ایف نے آپ کا کام آسان کر دیا ہے، سرچ آپشن کے ساتھ کتابوں کے طرح طرح کے ایپلکشنز موجود ہیں، آپ کو کسی لائبریری میں جانے کی ضرورت نہیں، کسی عبارت کو تلاش کرنے میں وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ لوگوں نے آج انٹرنیٹ کو پڑھا لکھا کر بڑا کر دیا ہے، وہ آپ کی مدد کو تیار ہے، بس وقت کا صحیح استعمال اور موضوع کا صحیح انتخاب، امت مسلمہ کو بہت سے چھپے ہوئے خزانے سے آشنا کر سکتا ہے۔

نوید اختر قادری امجدی بھیونڈی

رابطہ: +917976241974

+ 91 7385775257

email:

naveedamjadi92@gmail.com

☆☆☆

صدر الشریعہ اور خانوادۂ صدر الشریعہ کی تحریری و تصنیفی خدمات

مفتی حسان المصطفیٰ قادری امجدی
جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

ہم نے قادری منزل میں آنکھ کھولی۔ صدر الشریعہ کا زمانہ تو نہ پایا، ہاں آپ کا فیض اور دادی جان کی شفقتیں ضرور پائیں۔ ہماری عمر جب دو یا تین برس کی ہوئی تو وہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں: ''ہماری اماں جی علیہا الرحمہ حضور صدر الشریعہ کی ذاتی کتابوں کی بہت حفاظت فرماتیں، دیمک سے بچانے کے لیے ہر سال انھیں سورج کی شعاعوں میں چند گھنٹوں کے لیے رکھ چھوڑنے کی ذمہ داری ہم سب کے سروں پر ڈال دیتیں، جب ہم کچھ بڑے ہوئے تو اکثر ان کتابوں کی طرف اشارہ کر کے ہم بھائیوں سے فرماتیں کہ دیکھو یہ سب تمہارے ابا جی کی کتابیں ہیں، یہ ساری کتابیں تمہیں پڑھنی ہوں گی''۔

دادی جان کی تربیت کا یہ انداز تھا۔ دادی جان کی تربیت اور صدر الشریعہ کی نسبت نے خانوادۂ صدر الشریعہ کی دینی خدمات کو متنوع بنا دیا۔ خانقاہی شان بان اور خانقاہی مزاج سے دور صدر الشریعہ اور خاندان صدر الشریعہ نے صرف مذہب و مسلک کا کام کیا اور اپنی نسلوں کو اسی پر گامزن کیا۔ حضور محدث کبیر مدظلہ العالی اسی پر عمل پیرا ہیں۔ صدر الشریعہ کا مشن، اور مسلک اعلیٰ حضرت کا فروغ ہی اس خاندان کا مقصد حیات ہے۔ صدر الشریعہ کی ذات، ان کے کارنامہ، ان کے کام کی ترتیب اور مستقل مزاجی، دین و مسلک کی خدمت کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے، بالخصوص خاندان صدر الشریعہ کے تمام افراد کے لیے نمونۂ عمل ہے۔

دینی خدمات کے حوالے سے اس خاندان نے ہر میدان میں شہسواری کی ہے۔ دین و مسلک کی مختلف جہات سے خدمات انجام دی ہے۔ تدریسی خدمات ہو یا تصنیفی خدمات، تحقیقی خدمات ہو یا تبلیغی اور تقریری خدمات، تعمیری خدمات ہو، یا اشاعتی اور سیاسی خدمات، فتویٰ نویسی ہو کہ تعویذ نویسی، شعر و ادب کی زلف ہو یا قیام مدارس و مساجد کی مشکلات، ہر راہ پر صدر الشریعہ کے جیالوں نے آبلہ پائی کی ہے، اور سرخ روئی مقدر ہوئی ہے۔ خانوادۂ صدر الشریعہ کی ان تمام خدمات پر مستقل کام کی ضرورت ہے۔ واللہ الموفق

یہاں پر ہم صرف اپنے موضوع ''تحریری و تصنیفی خدمات'' پر اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

حکیم مولانا جمال الدین علیہ الرحمہ:

آپ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے والد گرامی ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت تحقیقی طور پر معلوم نہ ہو سکی۔ ۱۰ر صفر ۱۳۳۰ھ

آپ کی تاریخ وفات ہے۔ آپ طب وحکمت کے حوالے سے زیادہ مشہور ہیں، اس فن میں امتیازی خصوصیت حاصل ہونے کی وجہ سے عظمت گڑھ کے راجہ کے خاص طبیب تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد حضرت مولانا خدا بخش علیہ الرحمہ سے حاصل کرنے کے بعد، جملہ معقولات ومنقولات کی تعلیم جامع معقول ومنقول حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحئی صاحب فرنگی محلی سے حاصل کی۔ آپ جہاں ایک ماہر طبیب ہیں، وہیں ایک جلیل القدر عالم، قادرالکلام شاعر اور مصنف بھی ہیں۔ شاعری کی دنیا میں آپ نے اپنا تخلص ''عروج'' منتخب فرمایا۔ آپ کا شعر ہے:

یا نبی ہم سے نہ چھوٹے گا تمہارا دامن
حشر کی دھوپ میں سایہ ہے تمہارا دامن

آپ کی یادگار تصنیف میں ''میلاد عروج'' کا نام ملتا ہے۔ یہ کتاب میلاد مصطفیٰ کے موضوع پر لکھی گئی، بڑی مدلل، مفصل اور مقبول کتاب ہے۔ استاذ گرامی مفتی ابوالحسن قادری لکھتے ہیں: ''میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز پر ایک مدلل ومفصل کتاب بھی آپ نے تصنیف فرمائی، اس کا نام ''میلاد عروج'' رکھا۔ اس زمانے میں بہت مقبول ہوئی تھی، اب تو نایاب ہوچکی ہے، ورنہ منظر عام پر آتی اور لوگ اس سے مستفید ہوتے۔'' (حیات محدث کبیر، ص۶۶)

حضور صدر الشریعہ ابوالعلاء
حکیم مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ کی ولادت ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ جائے پیدائش محلہ کریم الدین پور قصبہ گھوسی، ضلع مئو یوپی۔ تاریخ وصال: ۲رذی قعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۶رستمبر ۱۹۴۸ء بروز دوشنبہ۔

آپ کے اساتذہ میں آپ کے جد امجد حضرت مولانا خدا بخش، چچازاد بھائی حضرت مولانا صدیق، حضرت مولانا الٰہی بخش مدرس مدرسہ ناصر العلوم کوپاگنج، مولانا ہادی حسن استاذ مدرسہ حنفیہ جونپور، استاذ الاساتذہ علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری، محدث زمانہ علامہ وصی احمد محدث سورتی۔

آپ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اور پروردہ ہیں، باقاعدہ کسی کتاب کا درس تو نہ لیا، مگر فقہ وفتاوے کے سلسلے میں آپ کے تربیت یافتہ اور معتمد ہیں، دیگر علوم وفنون میں بھی آپ سے استفادہ کیا۔

تحریری و تصنیفی خدمات

﴿۱﴾ بہار شریعت سترہ حصے
﴿۲﴾ فتاویٰ امجدیہ چار جلد
﴿۳﴾ کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار
﴿۴﴾ قامع الواہیات من جامع الجزئیات
﴿۵﴾ اتمام حجت تامہ
﴿۶﴾ اسلامی قاعدہ
﴿۷﴾ ایصال ثواب

بہار شریعت سترہ حصے:

سترہ حصوں پر مشتمل یہ کتاب ''فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا'' ہے۔ بہار شریعت کے کل بیس حصے ہیں، بقیہ تین حصے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے شاگردوں نے لکھے۔ بہار شریعت کی مدت تصنیف تقریباً ستائیس سالوں پر محیط ہے۔ بظاہر یہ ایک لمبی مدت معلوم ہوتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ چوں کہ صدر الشریعہ ان ستائیس سالوں میں عموماً رمضان المبارک میں ہی بہار شریعت پر کام کرتے تھے۔ اور یہ تصنیفی کام اس وقت

ہوتا جب دوسرے کاموں سے فارغ ہوجاتے۔ آپ خود لکھتے ہیں: اس کی تصنیف میں عموماً یہی ہوا کہ ماہ رمضان مبارک کی تعطیلات میں جو کچھ دوسرے کاموں سے وقت بچتا، اس میں کچھ لکھ لیا جاتا" (بہارشریعت عرض حال حصہ سترہ)

اس اعتبار سے اگر ستائیس سال کے صرف ماہ رمضان کے پورے تیس، انتیس دن بہارشریعت کی تصنیف کے شمار کیے جائیں، تو بہارشریعت کا عرصہ تصنیف پورے دوسال تین ماہ ہوتا ہے، یعنی آپ نے کل ستائیس ماہ میں بہارشریعت تصنیف فرمادی۔

بہارشریعت عقائد و عبادات سے لے کر نصائح و معاملات تک کے انسانی حیات کے تمام گوشوں پر محیط ہے۔ بہارشریعت کی جامعیت دیکھ کر اہل علم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ فقہ حنفی کی کوئی کتاب کسی بھی زبان میں ایسی نہ ہوگی جو بیک وقت ان تمام اوصاف کی جامع ہو۔ برادر گرامی مفتی فیضان المصطفیٰ قادری فرماتے ہیں: "کہ میں نے ایک مرتبہ دبئی میں اپنی ایک تقریر کے دوران یہ کہہ دیا کہ صدرالشریعہ کی بہارشریعت فقہ حنفی کی ایک ایسی کتاب ہے کہ اردو میں اس کے مقابل کوئی دوسری کتاب نہیں"۔ فرماتے ہیں: "وہیں ایک عرب صاحب تشریف فرما تھے، وہ کہنے لگے کہ میں تو کہتا ہوں کہ عربی زبان میں بھی کوئی ایسی کتاب نہیں جو اس کے مقابل ہو"۔ بلاشبہ یہی حقیقت ہے، چوں کہ فتاوی ہندیہ میں کچھ ایسے جزئیات ہیں جو آپ کو فتاوی شامی میں نہ ملیں گے۔ بعض تصریحات کے لیے فتاویٰ ہندیہ سے کام نہ چلے گا، فتاوی شامی کی طرف مراجعت ضروری ہوگی۔ کچھ مسائل کے لیے آپ کو امام قاضی خان کی فتاویٰ خانیہ یا امام بزازی کی فتاویٰ بزازیہ دیکھنی ہوگی۔ کبھی علامہ ابن الہمام کی فتح القدیر یا علامہ ابن نجیم کی البحر الرائق کی ورق گردانی کرنی ہوگی، لیکن بہارشریعت اٹھایئے تو آپ کو فقہ حنفی کے تمام مفتی بہ، صحیح، منقح اور راجح مسائل بآسانی مل جائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کو فقہ حنفی کی مستدل آیات واحادیث کے لیے بھی کسی اور کتاب کی حاجت درپیش نہ ہوگی۔ شاید اسی لیے علما اسے فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا، اور عالم بنانے والی کتاب کہتے ہیں۔

فتاویٰ امجدیہ:

یہ آپ کے تحریری فتاوے کا مجموعہ ہے، جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ آپ کے تمام فتاوے کا مجموعہ نہیں، چوں کہ اس مجموعہ میں آپ کے انھیں فتاوں کو شامل اشاعت کیا گیا ہے، جن کی نقول دستیاب ہوسکیں۔ زیادہ تر فتاوے زمانہ کی نذر ہوگئے، یوں ہی خطوط کے ذریعہ جو استفتے کیے جاتے تھے، ان کے جوابات کی نقل بھی موجود نہیں۔ اعلیٰ حضرت کے دور میں آپ نے جو کچھ فتاوے تحریر کیے تھے، ان کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ اسی طرح دوسری جنگ عظیم کے دوران کاغذ کی کمی کی وجہ سے بیشتر فتاوے کی نقلیں بھی تیار نہ ہوسکیں۔ شیخ حضور محدث کبیر فرماتے ہیں: "ہمارے پاس آپ کے فتاوے کی جو نقول ہیں وہ ۷؍ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ سے شروع ہوتی ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے دور میں آپ نے منصب افتا پر جو کچھ کارنامے انجام دیے، ان کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب کاغذ ناپید ہورہا تھا اس دور میں بھی کاغذ نہ ہونے کی بنا پر بیشتر فتاویٰ کی نقول تیار نہ ہوسکیں۔ یعنی ہمارے پاس فتاویٰ امجدیہ کی جو نقول ہیں انھیں صدرالشریعہ

کے تمام فتاوے کا مجموعہ کسی طرح نہیں قرار دیا جاسکتا، لیکن جو ہے وہ بھی ایک عظیم فقہی سرمایہ ہے۔" (مقدمہ فتاویٰ امجدیہ جلد اول) مفتی آل مصطفیٰ لکھتے ہیں: "خطوط کے ذریعہ استفتا کے جوابات کی نقل موجود نہیں۔ بعض خطوط جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئے ہیں، ان میں بعض استفتے بڑے اہم ہیں۔ اگر ان کے جوابات کا ریکارڈ مل جائے تو بڑا علمی سرمایہ ہاتھ آجائے۔" (مختصر سوانح صدر الشریعہ، ص ۴۷)

کشف الاستار:

امام ابو جعفر کی شہرہ آفاق کتاب شرح معانی الاثار المعروف بطحاوی شریف کا یہ عربی حاشیہ ہے۔ طحاوی شریف پر اب تک کسی طرح کا کوئی کام نہ ہوا تھا۔ شاگردوں کی خواہش پر آپ نے محرم ۱۳۶۲ھ میں یہ کام شروع کیا۔ اور شعبان ۱۳۶۲ھ تک نصف اول کا عربی حاشیہ تقریباً پانچ سو صفحات تک پہنچ گیا۔ صدر الشریعہ کے تلمیذ علامہ مبین الدین امروہوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "تحشیہ کا کام محرم سے شروع ہو کر شعبان تک چند مہینے ہوا۔ اس کام کے لیے ۲۔۳ گھنٹے مقرر تھے۔ اور جمعہ کو صبح سے گیارہ یا درمیان سال کی تعطیلات میں یہ کام انجام پاتا۔ اس مختصر مدت میں باریک قلم سے کچھ کم پانچ سو صفحات لکھے گئے"۔ (بحوالہ سوانح صدر الشریعہ)

قامع الواہیات من جامع الجزئیات:

یہ پچپن صفحات پر مشتمل ایک عربی رسالہ ہے۔ یہ رسالہ علمی، فقہی اور تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کا شاہکار ہے۔ مقابل کی عبارات پر بھرپور نقد و جرح بھی ہے اور فقہی جزئیات کی روشنی میں اپنے موقف کا واضح بیان بھی، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ رسالہ کو دیکھ کر مخالف رجوع الی الحق پر عمل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ دراصل صدر الشریعہ نے اس رسالہ کو مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے اس چھ ورقی عربی کتابچہ کے رد میں لکھا تھا، جس میں مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی نے مسجد کانپور کے انہدام کو فقہی جزئیات کی روشنی میں جائز قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ معاملہ یہ تھا کہ ۱۳۳۱ھ کو مچھلی بازار کانپور کی مسجد کا ایک حصہ برٹش حکومت کے حکام نے منہدم کرادیا۔ جس کی وجہ سے وہاں فساد برپا ہوگیا، گولی چلی اور بہت سے مسلمان شہید کردیے گئے، کچھ نے قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ بالآخر حکومت نے معاملہ کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور مصالحت کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی طرف سے صلح کے لیے مولانا عبد الباری اور دیگر حضرات تھے۔ حکومت نے صلح کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ "مسجد کا جو حصہ منہدم ہو چکا ہے اسے عام لوگوں کے لیے گزرگاہ بنادیا جائے اور اس کے اوپر ایک چھت ڈال کر چھت پر مسلمانوں کو قبضہ دے دیا جائے"۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی صاحب نے حکومت کی اس تجویز کو قبول کرلیا اور صلح پر راضی ہوگئے۔ اعلیٰ حضرت کے پاس استفتاء کیا گیا کہ کیا مولانا کی یہ مصالحت درست ہے؟ اعلیٰ حضرت نے اس مصالحت کے رد میں ایک رسالہ "ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری" لکھا، جسے خود صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع کیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس رسالہ میں کثیر دلائل کے ذریعہ اس مصالحت کا رد کیا۔ مولانا عبد الباری نے پھر ایک چھ ورقی کتابچہ لکھا، جس میں چند فقہی جزئیات کی روشنی میں اپنے موقف کو ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی۔ اس چھ ورقی عربی کتابچہ کے رد میں اس بار اعلیٰ حضرت کے خلیفہ صدر الشریعہ نے قلم اٹھایا اور پچپن صفحات پر پھیلا ہوا عربی رسالہ بنام

"قامع الواہیات من جامع الجزئیات" تحریر فرمادیا۔آپ نے اس رسالہ میں روز روشن کی طرح یہ عیاں فرمادیا کہ مولانا عبدالباری نے مسجد کے تعلق سے جو مصالحت کی ہے،وہ بالکل غلط ہے۔ الحمدللہ صدرالشریعہ کے اس رسالہ کو دیکھ کر مولانا عبدالباری صاحب نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کرلیا اور رجوع نامہ کی ایک کاپی صدرالشریعہ کی بارگاہ میں بھی ارسال کی۔ اس رجوع نامہ کو قامع الواہیات من جامع الجزئیات کے ساتھ آخر میں شائع کیا گیا ہے۔یہ رسالہ فتاویٰ امجدیہ کتاب الوقف کی تیسری جلد میں ہے۔

اتمام حجت تامہ:

ستر سوالات پر مشتمل یہ کتابچہ حضور صدرالشریعہ نے تحریر فرمایا تھا، جسے ۱۹۲۰ء میں "اتمام حجت تامہ" کے نام سے جماعت رضائے مصطفیٰ نے اس وقت شائع کیا تھا،جب ۱۹۲۰ء میں ابوالکلام آزاد اور گاندھی نے تحریک خلافت،تحریک ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کی تحریک شروع کی تھی۔اس وقت خلافت کمیٹی کے لیڈروں نے ابوالکلام آزاد کی صدارت میں بریلی شریف میں ایک بڑے جلسہ کا انعقاد کیا،جس کا مقصد تھا تحریک خلافت ،تحریک ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کی حمایت اور مخالفین کا رد اور ان پر حجت قائم کرنا۔اس وقت حضور صدرالشریعہ نے اس تحریک خلافت،تحریک ترک موالات سے متعلق ستر سوالات پر مشتمل "اتمام حجت تامہ" تحریر کیا،جسے طویل اشتہار کی شکل میں چھاپ کر جلسہ کرانے والوں کے پاس بھیج کر، ابوالکلام آزاد اور اس کے معاونین سے اس کا جواب مانگا گیا،مگر ان سے اس کا جواب نہ بن سکا۔

اعلیٰ حضرت کے تلمیذ وخلیفہ علامہ برہان الحق جبلپوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت کے موقف کے مطابق مولانا امجد علی صاحب کے مرتب کردہ ستر سوالات کا مجموعہ مسمی بہ اتمام حجت تامہ طویل اشتہار کی شکل میں چھپ چکا تھا،اور وفد کے جانے سے پہلے اجلاس عام کے منتظمین کو بھیجا جاچکا تھا تاکہ وہ ان سوالات کا جواب تیار رکھیں۔(اکرام امام احمد رضاص ۱۰۶،لاہور)

اسلامی قاعدہ:

صدرالشریعہ نے بچوں کی ذہنی تربیت کا خیال فرماتے ہوئے، ان کے لیے اسلامی قاعدہ کے نام سے ایک قاعدہ مرتب فرمایا۔جس میں ہر ہر لفظ کے اعتبار سے غیر جاندار تصویروں کے انتخاب کے ساتھ ساتھ الفاظ وحروف کی بڑی عمدہ ترتیب رکھی ۔مقصد یہ تھا کہ ان غیر جاندار تصاویر کے ذریعہ بچوں کو آسانی سے سمجھایا جاسکےاور حروف کے نقوش ان کے ذہن میں بیٹھایا جاسکے۔حضور شیخ العلما نے اپنے بچپن میں وہی اسلامی قاعدہ پڑھا تھا اور اسے پڑھنے کے بعد فورا اردو کی دوسری کتاب شروع کی تھی۔

حضور شیخ العلما فرماتے ہیں:"ایک زمانے میں جب باتصویر قاعدے جاری ہوئے اور ان میں جانوروں کی تصویر کی وجہ سے اسلامی مدارس ایسے قاعدوں سے استفادہ حاصل نہ کرسکے تو مسلمان دیندار بچوں کے لیے آپ نے اسلامی قاعدہ نامی قاعدہ تصنیف فرمایا تھا،جس میں تصویریں تھیں ،لیکن جاندار کی کوئی صورت نہ تھی۔اور ترتیب ایسی نفیس رکھی تھی کہ اس قاعدہ سے تعلیم پانے والا بہت جلد اردو پر قادر ہوجاتا تھا۔ میں نے یہ قاعدہ پڑھنے کے بعد فوراہی اردو کی دوسری

کتاب پڑھی تھی، درمیان میں کوئی دوسرا قاعدہ یا کوئی اور کتاب نہ پڑھی"۔ (بحوالہ مختصر سوانح صدر الشریعہ، ص ۷۳)

مفسر قرآن

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ

نام: عبدالمصطفیٰ، نسب: عبدالمصطفیٰ اعظمی بن صدرالشریعہ حکیم امجد علی بن حکیم مولانا جمال الدین

آپ کی ولادت ۱۰/محرم الحرام ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۸ء محلہ کریم الدین پور گھوسی میں ہوئی۔ اور ۶/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۹ء بروز بدھ کراچی پاکستان میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے اپنے والد گرمی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے اکثر کتابوں کا درس لیا۔ دورہ حدیث کی تکمیل سے پہلے صدر الشریعہ نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ ازہر مصر بھیج دیا۔ ۱۹۳۷ء میں جامعہ ازہر مصر سے فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد صدر الشریعہ کے پاس دورہ حدیث کی تکمیل کے ساتھ ساتھ تدریس سے بھی منسلک ہوگئے۔ دارالعلوم سعیدیہ دادوں، علی گڑھ۔ جامعہ منظر اسلام بریلی شریف۔ جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔ دارالعلوم محمدی شریف، ضلع جھنگ، پاکستان۔ دارالعلوم امجدیہ کراچی پاکستان میں آپ نے تدریس کے فرائض انجام دیے۔

اعلیٰ حضرت سے بیعت کا شرف، اور صدر الشریعہ، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند، قطب مدینہ علامہ ضیاء الدین مدنی علیہم الرحمہ سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔ درس وتدریس، تقریر و تبلیغ، مذہبی اور ملی خدمات میں زیادہ مصروف رہا کرتے۔ مذہبی اور ملی خدمات کے حوالے سے ڈاکٹر شوکت علی صدیقی لکھتے ہیں: آپ جمعیۃ العلما پاکستان صوبہ سندھ کے صدر رہے، کراچی کے حلقہ نمبر ایک سے پاکستانی پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہوئے قومی اسمبلی جمعیۃ کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر کی حیثیت سے علامہ شاہ احمد نورانی کے دست راست رہے، جنرل ضیاء الحق عہد مارشل لا میں فیڈرل کونسل آف مجلس شوریٰ کے رکن مقرر ہوئے اور قصاص ودیت کے مسودے کی تیاری کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی، آپ اس کے بھی ممبر رہے۔ (سالانہ صدائے اہل سنت کلکتہ ۲۰۰۷ء، ص ۴۲، ۴۳، ملخصا)

تصنیفی خدمات:

پاکستان کے اس وقت کے حالات اور دیگر مصروفیات نے آپ کو تصنیف وتالیف کا زیادہ موقع نہ دیا، پھر بھی بے پناہ مصروفیات کے باوجود کبھی کبھی تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوتے۔ آپ کی یادگار میں "احسن البیان فی تفسیر القرآن" نامی تفسیر اور متعدد مقالات ومضامین ہیں۔

احسن البیان فی تفسیر القرآن:

"احسن البیان فی تفسیر القرآن" نام سے آپ نے ایک بڑی جامع تفسیر قلمبند فرمائی، جو فن تفسیر میں آپ کی کمال مہارت پر دال ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق یہ تفسیر پانچ پاروں پر مشتمل ہے۔ البتہ حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "علامہ صاحب (ازہری صاحب) فرماتے تھے کہ میں نے ستائیس پاروں کی تفسیر لکھی، جس میں سے صرف پانچ پارے چھپے ہیں، جو تفسیر ازہری کے نام سے ہیں"۔ (شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، مذہبی وملی خدمات، ص ۴۷)

مقالات ومضامین:

ماہنامہ مصلح الدین جو کہ کراچی سے شائع ہوتا تھا، اس رسالہ میں آپ کے متعدد مضامین و مقالات شائع ہوتے

رہے، اس کے علاوہ دیگر رسائل میں بھی آپ کے مضامین وقتاً فوقتاً لوگوں کو شرفیاب کرتے تھے۔

چند مضامین جو ہمیں نبیرۂ قاری رضاء المصطفیٰ مولانا احمد رضا اعظمی کے توسط سے دستیاب ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

عقائد اہل سنت (مطبوعہ) چند قسطیں

محبت رسول (مطبوعہ)

اجماع امت (مطبوعہ)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان (مطبوعہ)

انسان چاند پر (مطبوعہ) چند قسطیں

ہمدم ودمساز (مطبوعہ)

صدر الشریعہ اور اولاد کی تعلیم و تربیت (مطبوعہ)

علامہ عبد المصطفیٰ ازہری بقلم خود (مطبوعہ) یہ ۲۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔

شعر وادب:

آپ شعر وادب کا بھی ذوق رکھتے تھے، تخلص ماجد منتخب فرمایا تھا۔ کبھی کبھی اپنے شوق کی تکمیل کے لیے غزل، نعت، منقبت اور مناجات وغیرہ میں طبع آزمائی کرتے۔ آپ کی نعت کے چند شعر حاضر ہیں:

توقیر بڑھ کے کعبہ سے مولیٰ کے گھر کی ہے
عرش نگاہ خاک ترے رہ گذر کی ہے
سرمایۂ حیات ابد عشق مصطفیٰ
یہ ہو تو پھر فضول ہوس سیم و زر کی ہے
رحمت کی بارشوں سے گنہ دور ہوگئے
یہ قدر ومنزلت میرے دامان تر کی ہے
محشر میں پردہ پوش ہیں دامان مصطفیٰ
رحمت کو خود تلاش سگ بے ہنر کی ہے
ماجدؔ ہے فضل نعت رسالت مآب کا
اشعار آپ کے ہیں کہ جنت نظر کی ہے

حضرت علامہ
قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ

نام: رضاء المصطفیٰ اعظمی، نسب: رضاء المصطفیٰ بن صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین

آپ کی ولادت ۱۹۲۴ء میں اجمیر شریف میں ہوئی۔ اس وقت آپ کے والد صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اجمیر شریف میں صدر المدرسین تھے۔ دار العلوم سعیدیہ داروں علی گڑھ میں اپنے والد اور دیگر اساتذہ سے ۱۹۴۹ء میں درس نظامیہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ۱۹۵۰ء میں ایک سال کے لیے علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ سے حدیث کا خصوصی درس لیا۔

ہندستان میں آپ یوپی کے ایک معروف ضلع دیوریا میں مدرس رہے، پھر دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا ضلع بلرامپور میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۵۶/۱۹۵۷ء سے پاکستان میں مستقل قیام پذیر ہوگئے۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۸۳ء تک پاکستان میں دار العلوم امجدیہ کراچی کے شعبہ تجوید وقرات سے منسلک رہے۔ عالم، فاضل، حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ فن قرات پر آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ اسی وجہ سے نیومیمن مسجد کراچی میں خطیب وامام کی حیثیت سے مستقل آپ کا تقرر ہوگیا۔

تحریری وتصنیفی خدمات:

آپ کے متعدد مقالات ومضامین اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے۔ چند مضامین راقم نے خود ملاحظہ کیے۔

آپ کی مشہور تحریری خدمات یہ ہیں:

(۱) مجموعہ وظائف: یہ اوراد ووظائف پر مشتمل بڑی مشہور ومعروف کتاب ہے۔ ہندوپاک میں اس مجموعہ کی بڑی مقبولیت ہے۔

(۲) قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی: اس رسالہ میں آپ نے وہابیوں، دیوبندیوں اور دیگر افراد کے تراجم قرآن کی غلطیوں کو واشگاف کیا ہے۔

(۳) تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ: اس رسالہ میں آپ نے کنزالایمان کی خوبیوں کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور دیگر تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ دونوں رسالے آپ نے کنزالایمان کے ساتھ شائع فرمائے ہیں۔

(۴) مدنی قاعدہ: یہ قاعدہ آپ نے تجوید کی رعایت کے ساتھ دو حصوں پر مرتب کیا ہے۔

تصنیف کے علاوہ آپ اشاعتی سرگرمیوں میں زیادہ مصروف رہے، کنزالایمان کے ہزاروں نسخے آپ نے شائع فرما کر مفت لوگوں میں تقسیم کروائے۔ بہار شریعت کے آخر کے تین حصے آپ اور علامہ ازہری علیہما الرحمہ کی تحریک پر وجود میں آئے۔ بعد میں آپ نے بہار شریعت کی مکمل بیس جلدیں اپنے ادارہ سے شائع فرمائیں۔

حضور محدث کبیر

حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی

نام: ضیاء المصطفیٰ۔ نسب: ضیاء المصطفیٰ قادری بن صدرالشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین۔

آپ کی ولادت ۲ رشوال المکرم ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۷ راکتوبر ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء کو قادری منزل میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم حضور صدرالشریعہ اور والدہ مکرمہ ہاجرہ بی بی علیہما الرحمہ سے حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں فیض العارفین حضرت مولانا غلام آسی پیا، حضور حافظ ملت، حضرت سید سلیمان اشرف بھاگلپوری، حضرت علامہ عبدالرؤف بلیاوی، شیخ العلما علامہ غلام جیلانی، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہم الرحمہ کے نام آتے ہیں۔ شوال ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں آپ جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں داخل ہوئے اور ۱۳۷۷ھ میں آپ نے درس نظامیہ کی تکمیل فرمائی۔ فراغت کے بعد دوسال مزید حافظ ملت کے سائے میں رہ کر خصوصی تعلیم حاصل کی اور معاون استاذ کی حیثیت سے تدریس کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ جامعہ اشرفیہ میں ۱۹۷۲ء سے ۲۰۰۳ء تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیے۔ مفتی اعظم ہند سے آپ کو شرف بیعت اور انہیں سے سند اجازت وخلافت کے ساتھ مکمل اوراد ووظائف کی بلاشرط اجازت حاصل ہے۔ حضور حافظ ملت نے آپ پر خصوصی فیضان کے ساتھ ساتھ اجازت وخلافت سے بھی نوازا ہے۔

تحریری وتصنیفی خدمات:

آپ کے قلم سے ہزاروں فتاوے وجود میں آئے۔ سیکڑوں فتاوے کی تصدیق وتصویب فرمائی، ان میں سے بعض پر تصدیقی کلمات بھی ثبت فرمائے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

آپ کے تحریری فتاوے رسالہ سہ امجدیہ گھوسی کے شروع کے شماروں میں شائع ہوچکے ہیں۔ آپ کے بیشتر فتاوے دستیاب نہیں۔ بعض ضائع ہوگئے بعض کی نقلیں تیار نہ ہوسکیں۔ ہم نے ایک مرتبہ پوچھ لیا کہ حضور! آپ نے اپنے فتووں کی نقول کیوں نہیں تیار کروائی۔ فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم

تھا کہ میری تحریر کی بھی اہمیت ہوگی۔ اس لیے جو سوالات آتے اسی کاغذ پر اس کا جواب لکھ کر بھیج دیتا۔ ہم نے سمجھ لیا کہ یہ حضرت کی عاجزی تھی۔ اپنے بڑے بڑے قابل قدر کارناموں کو اہمیت نہ دینا آپ جیسے بزرگوں کا ہی طرہ امتیاز ہے، ورنہ آج کے طلبہ تو مشق افتا کے سوالات اور ان کے جوابات بھی بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں اور جب توفیق ہوتی ہے، اسے شائع کرتے ہیں۔ کاش کہ اسی طرح حضور محدث کبیر کی تحریر اور فتاوے کی نقول بھی تیار ہوتیں، اور انھیں محفوظ رکھا جاتا تو ایک علمی اور تحقیقی خزانہ اہل سنت و جماعت کے پاس ہوتا، تاہم جو فتاوے موجود ہیں وہ تحقیق و تنقیح اور تفقہ کی اعلیٰ مثال ہیں۔

آپ نے فتویٰ نویسی کے علاوہ متعدد تحقیقی و علمی مضامین سپرد قرطاس کیے ہیں جو مختلف رسائل کی زینت بنے۔ علامہ ارشد القادری کے زیر ادارت کلکتہ سے شائع ہونے والا رسالہ جام نور، جامعہ اشرفیہ کا ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اور اسی طرح دیگر رسائل کے خصوصی شماروں میں آپ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ آپ نے بے شمار کتابوں پر تقریظات تحریر فرمائی۔ کتابوں پر مقدمات اور تقریظات لکھے۔ جو کتابیں آپ کے زیر درس ہوتیں، ان کتابوں پر جا بجا حاشیہ تحریر فرماتے۔ تفسیر کشاف پر سورۂ آل عمران کا مکمل حاشیہ مع بین السطور آپ نے قلمبند فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت نے مجھ سے فرمایا: ''میرا شروع سے یہ طریقہ رہا کہ جس کتاب کا بھی مطالعہ کرتا، اس پر ضرور حاشیہ لگا دیتا، اب تو ہاتھ کانپنے کی وجہ سے کم ہی لکھتا ہوں (مسکرا کر فرماتے ہیں) 'ح' لکھتا ہوں تو 'ص' بن جاتا ہے 'ص' لکھتا ہوں تو کچھ اور بن جاتا ہے''۔ (ہم نے دیکھا کہ ابھی بھی حضور محدث کبیر تصدیقات کے لیے آنے والے فتوں پر خود اپنے ہاتھوں سے ہی تصدیقی کلمات تحریر فرماتے ہیں، اگرچہ دس پندرہ سطر لکھنے کی حاجت ہو) اسی وقت یہ بھی فرمایا: ''فرفرہ میں تھا تو ایک مرتبہ تفسیر کشاف پڑھانے کو مل گئی، کشاف پر ایک حاشیہ علامہ تفتازانی کا ہے، اور ایک حاشیہ علامہ میر سید شریف جرجانی کا، لیکن یہ دونوں حاشیہ لائبریری میں نہ ملا، پھر کلکتہ میں تلاش کروایا وہاں بھی نہیں ملا۔ پھر میں نے اسی کتاب پر سورۂ آل عمران کا مکمل حاشیہ مع بین السطور لکھ دیا'' ہم نے عرض کیا: کیا وہ حاشیہ موجود ہے؟ فرمایا: ''نہیں، میری غیر موجودگی میں کسی طالب علم نے اس کتاب کو اٹھا لیا، پھر وہ غائب ہوگئی''۔

فراغت کے بعد تخصص فی الفقہ میں فقہ کی مایہ ناز کتاب الاشباہ والنظائر کی ہماری گھنٹی آپ کے پاس تھی۔ ہم نے دوران درس خود دیکھا کہ آپ کے پاس جو نسخہ موجود ہوتا، اس پر آپ کے ہاتھوں متعدد مقامات پر عربی حاشیہ نگاری ہوتی۔ برادر گرامی مفتی فیضان المصطفیٰ قادری فرماتے ہیں: ''کہ بیضاوی شریف کے درس کے دوران بھی آپ نے اس کا حاشیہ تحریر کیا تھا، بعد میں وہ بھی ضائع ہوگیا''۔

حضور محدث کبیر کی تحریر بڑی عمدہ اور انداز بیان انتہائی شاندار ہوتا ہے۔ آپ کی تحریری مہارت کا زمانہ قائل ہے۔

مفتی معراج القادری استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور فرماتے ہیں: علامہ صاحب قبلہ کا قلم بھی بہت پختہ ہے اور ان کے تحریری جملے اور الفاظ بڑے باوزن ہوتے ہیں''۔

(بحوالہ حیات محدث کبیر، ص ۳۵۷)

علامہ بدر القادری ہالینڈ لکھتے ہیں: ''گو تحریری کام کا

آپ کو مختلف مصروفیات کی وجہ سے موقع نہیں ملا، تاہم آپ تحریری صلاحیت کے بھی مالک ہیں، ملک کے موقر جرائد میں آپ کے متعدد مقالات ومضامین شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔(حیات حافظ ملت، ص۱۶۶)

ہم نے کہیں پڑھا ہے کہ تقریر، تدریس اور تحریر میں سب سے آسان کام تقریر کرنا ہے، اس سے مشکل تدریس اور سب سے مشکل تحریری کام ہے۔ جب کہ فقہا فرماتے ہیں: فن تحریر میں سب سے مشکل ترین کام فتویٰ نویسی ہے۔ اس مشکل ترین کام فن فتویٰ نویسی میں بھی حضور محدث کبیر کو کمال کا ملکہ حاصل ہے۔ اس حوالے سے خود راقم کا مشاہدہ ہے کہ جس فتوے کو استاذ گرامی مفتی ابوالحسن صاحب قبلہ قادری یا میں نے بڑی محنتوں سے لکھا ہوتا اس میں کبھی کبھی چند سطروں میں کچھ ایسا اضافہ فرماتے کہ حضرت کا وہ اضافہ ہی فتوے کی جان ہوتا۔ اور یہ تصدیقی کلمات آپ فی البدیہہ لکھتے۔ فتویٰ نویسی میں ایسی برجستگی ہم نے کہیں اور نہ دیکھی۔ مفتیان کرام کے نزدیک فتوے کا ایک ایک لفظ فقہ وافتا کے لحاظ سے صحیح ودرست اور برمحل ہونا لازم ہے۔ مستفتی، استفتا کے الفاظ، حالات، زمانہ اور عرف وغیرہ ہر چیز کا پاس ولحاظ فتوے کے ہر ہر جملے اور ہر ہر لفظ میں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ان ساری چیزوں کی رعایت بلکہ سب سے بہتر رعایت ہم نے حضور محدث کبیر کے تصدیقی کلمات میں بدرجہ اتم دیکھے۔ حالاں کہ آپ کے یہ تصدیقی کلمات بلا تامل اور برجستہ وجود میں آئے ہوتے۔

آپ کی قلمی خدمات ہدیہ ناظرین ہے:

(۱) اختیارات مصطفیٰ (مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور۔ ۳۲صفحات پر مشتمل)

(۲) معراج شریف ایک معجزہ (مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۲۷صفحات پر مشتمل)

(۳) ہزار سے زائد فتاوے (متعدد فتاوے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اور سہ ماہی امجدیہ میں شائع ہو چکے)

(۴) رسالہ مشینی ذبیحہ: یہ رسالہ آپ کی محققانہ تحریر کا بین ثبوت ہے، اب تک اردو اور انگلش زبان میں یہ رسالہ شائع ہو چکا ہے۔

(۵) درس حدیث ۲ جلد (بخاری شریف کے دروس کی تقریر)

(٦) خطبات حضور محدث کبیر ۲ جلد (مطبوعہ)

(۷) جامع ترمذی کی شرح (سہ ماہی امجدیہ کے شروع کے رسائل میں شائع کیا گیا)

(۸) درجنوں فتاوے پر آپ کے تصدیقی کلمات

(۹) فقہی سیمیناروں کے درجنوں خطبہائے صدارت

(۱۰) بجر ڈیہہ کا تحریری مناظرہ

(۱۱) متعدد تحقیقی مضامین

جن میں چند یہ ہیں:

معراج جسمانی پر عقلی دلائل (ماہنامہ جام نور کلکتہ)

معراج جسمانی اور فلسفہ طبعیات (جام کوثر جدید کلکتہ)

اسلام میں اختلافات کی حیثیت قسط اول (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور)

اسلام میں اختلافات کی حیثیت قسط دوم (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور)

کلمہ لا الہ الا اللہ کے تعلق سے ایک تحقیقی فتویٰ (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور)

حافظ ملت کی قربانیاں الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے (ماہنامہ

اشرفیہ مبارک پور)

پندرہویں صدی ہجری کا آغاز آئندہ سال سے (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور)

سیدین مارہرہ مطہرہ (ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور)

مجاہد ملت اور حافظ ملت کو صدر الشریعہ کا دیدار (مجاہد ملت نمبر)

شارح بخارح کا وصال ایک ناقابل تلافی نقصان (شارح بخاری نمبر)

غوث اعظم کی سیادت (مطبوعہ)

احقاق حق وابطال باطل فیمن قال نسبۃ الصہر والختن الیٰ رسول اللہ کفر (مطبوعہ)

مفتی اعظم مغربی بنگال
مفتی ثناء المصطفیٰ قادری

نام: ثناء المصطفیٰ قادری نسب: ثناء المصطفیٰ قادری بن صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین

آپ کی ولادت ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں قادر منزل گھوسی مئو میں ہوئی۔ والدین کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوگئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں داخل ہوئے اور وہیں پر ۱۹۶۴ء میں ۲۲ سال کی عمر میں دستار وسند سے نوازے گئے۔ فراغت کے بعد حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور ان سے علم حدیث وتفسیر، علم تصوف وتکسیر حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ میں حضور حافظ ملت، فیض العارفین علامہ آسی پیا، علامہ ارشد القادری، علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہم الرحمہ اور حضور محدث کبیر مدظلہ العالی سرفہرست ہیں۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۰ء تک ملک کے مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دی۔ ۱۹۷۱ء سے تاحیات دار العلوم ضیاء الاسلام کلکتہ میں صدر المدرسین اور مہتمم کی حیثیت سے تدریس وافتا کے علاوہ انتظامی امور سے وابستہ رہے۔ مفتی اعظم ہند سے بیعت اور اجازت وخلافت حاصل ہے۔ یکم ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۰/مارچ ۱۹۹۹ء بروز سنیچر اس دنیاے فانی کو الوداع کہہ دیا۔ کلکتہ میں آپ کا وصال ہوا، وہیں آپ کا مدفن ہے۔ محدث کبیر مدظلہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

تحریری خدمات:

درس و تدریس کے علاوہ تقریری، تبلیغی، مناظراتی دوروں کی کثرت، تعویذ نویسی اور سماجی خدمات کے باوجود آپ نے مقالات ومضامین اور فتویٰ نویسی کے ذریعہ دین ومسلک کی خدمات انجام دی۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے چہلم کے موقع پر آپ نے "معراج حیات" کے عنوان سے سات صفحات پر مشتمل مضمون قلمبند فرمایا۔ آپ کا وہ مضمون سالنامہ صدائے اہل سنت کولکاتا کے حیات وخدمات نمبر میں ہم نے ملاحظہ کیا۔ آپ نے سیکڑوں فتاوے تحریر فرمائے۔ ابتدائی ایام کے فتاوے محفوظ نہ کیے جا سکے۔ الحمد للہ بعد میں آپ کے فتاوے ضبط تحریر میں آنے کی وجہ سے محفوظ ہوگئے۔ متعدد رجسٹروں میں محفوظ آپ کے فتاوے اب بھی منتظر طباعت ہیں۔

مفتی دلدار عالم مصباحی صدر شعبۂ افتا دار العلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ بنگال لکھتے ہیں: "مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے فتاوے کی صحیح تعداد کا مجھے اب تک علم نہیں ہوسکا۔ کیوں کہ آپ کے فتاویٰ جن رجسٹروں میں مندرج ہیں وہ سارے کے سارے مجھے دستیاب نہیں ہوئے، صرف لمبی تختی متوسط

ضخامت والے دو رجسٹر میری نگاہوں سے گزرے۔ آپ کے فرزند اوسط حضرت مولانا مفتی وفاء المصطفیٰ امجدی کی زبانی معلوم ہوا کہ والد صاحب علیہ الرحمہ کے فتاویٰ اور بھی کئی رجسٹر میں مندرج ہیں، والد صاحب علیہ الرحمہ کے ابتدائی ایام کے فتاویٰ کسی وجہ سے ضبط تحریر میں نہیں آسکے، اس لیے وہ ریکارڈ میں محفوظ نہیں ہیں۔" (حیات وخدمات، ص ۱۹۸)

ان سیکڑوں فتاوے کی ترتیب واشاعت کی طرف اگر آپ کے صاحبزادے مفتی وفاء المصطفیٰ امجدی توجہ دیں تو ایک علمی سرمایہ سے قوم بہرہ مند ہو۔ واللہ الموفق

حضرت علامہ
مفتی بہاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی

نام: بہاء المصطفیٰ قادری، نسب: بہاء المصطفیٰ قادری بن صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین

ولادت باسعادت ۱۳۶۰ھ میں قادری منزل گھوسی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں ابتدائی درجات کی تکمیل کی۔ پھر جامعہ اشرفیہ حاضر ہوئے اور حضور حافظ ملت کے زیر سایہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ حضور حافظ ملت محدث مرادآبادی ،علامہ عبدالرؤف بلیاوی، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، بحر العلوم مفتی عبدالمنان علیہم الرحمہ اور حضور محدث کبیر دام ظلہ آپ کے اساتذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے بیعت اور انھیں سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔ جامعہ اشرفیہ سے تدریس کا آغاز کیا۔ اور ۱۹۶۸ء میں دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف چلے آئے، اور چار سال تک تدریس وافتا کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دینے کے بعد دار العلوم منظر اسلام منتقل ہو گئے اور ریٹائرمنٹ کے بعد سے اب تک جامعۃ الرضا بریلی شریف میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ فقہی سیمیناروں میں آپ کی شرکت ہوتی ہے، مباحثوں میں حصہ لیتے ہیں۔

تحریری وتصنیفی خدمات:

آپ کی تحریری خدمات میں سیکڑوں فتاوے ہیں، جو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی نگرانی میں آپ کے قلم سے صادر ہوئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میرے بیشتر فتاوے پر حضور مفتی اعظم ہند کی تصدیق ہوتی تھی۔ ہم نے عرض کیا: کہ آپ کے وہ سارے فتاوے کہاں سے دستیاب ہوسکتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ میں نے ان فتوں کی نقول تیار نہ کروائی، اس لیے ان کا ملنا مشکل ہی ہے۔

آپ نے متعدد کتابوں پر تقریظات اور عرض احوال رقم فرمائے۔ آپ کی تقریظات کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اپنی تقریظ میں کتاب کا تعارف، مقصد اشاعت، اور عنوان سے متعلق ضروری چیزوں کو بیان کردیتے ہیں۔ آپ کی متعدد تحریریں ماہنامہ جام نور دہلی میں شائع ہوئیں۔

نشریاتی مصروفیت کی وجہ سے آپ کی تحریری وتصنیفی خدمات متاثر ہوئیں ہیں، تاہم آپ نے نشریاتی ذمہ داریوں کا حق ادا کردیا۔ کتب اہل سنت کی طباعت پر خاص توجہ دینا، بہار شریعت کی کتابت کی غلطیوں کو دور کرکے اسے صحیح شائع کرنا آپ کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری "الملفوظ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "شہزادہ صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا بہاء المصطفیٰ قبلہ قادری نے اکابر اہل سنت کی تصانیف کی صحیح طباعت کے تعلق سے بڑی

توجہ فرمائی ہے۔اور ان کی نگرانی میں قادری کتاب گھر بریلی شریف نے اس سلسلے میں خاصی پیش قدمی کی ہے، خصوصا بہارشریعت کو کتابت کی غلطیوں سے پاک کر کے صحیح طبع کرانا ایک اہم کارنامہ ہے۔انھیں کی توجہ اور عنایت سے ''الملفوظ کا سب سے صحیح، سب سے مفیداور دیدہ زیب ایڈیشن پیش کیا جارہاہے۔'' (الملفوظ، مقدمہ ص ۳۳)

حضرت علامہ
مولانا فداء المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی

نام: فداء المصطفیٰ قادری، نسب: فداء المصطفیٰ قادری بن صدرالشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین

آپ کی ولادت جولائی ۱۹۴۳ء میں دادوں علی گڑھ میں ہوئی، اس وقت حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ وہیں اپنا علمی فیضان تقسیم فرمارہے تھے۔ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے گھر پر حاصل کی۔آپ کی اعلی تعلیم مدرسہ اہل سنت شمس العوم گھوسی، جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس، جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں ہوئی۔عالمیت کے بعد عصری علوم کی تحصیل شروع کردی۔فقہ وحدیث منطق وفلسفہ اور دیگر کتابوں کا درس گھر پر ہی محدث کبیر سے لیا۔آپ کے اساتذہ میں قابل ذکر نام یہ ہیں: آپ کی والدہ مکرمہ علیہا الرحمہ، حضرت قاضی شمس الدین جونپوری ، حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری، حضرت مولانا سعید احمد علیہم الرحمہ اور حضور محدث کبیر اطال اللہ عمرہ۔آپ حضور مفتی اعظم ہند سے مرید ہیں اور خلافت واجازت حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ سے حاصل ہے۔۱۹۷۲ء میں ہاشمیہ ہائی اسکول ممبئی میں ٹیچر مقرر ہوئے، پھر محدث کبیر کے حکم پر مدرسہ اہل سنت شمس العلوم گھوسی تشریف لائے۔ریٹائرمنٹ کے بعد مدرسہ رضویہ بدرالعلوم میں شیخ الحدیث اور سربراہ اعلی کی حیثیت سے آپ کو مدعو کیا گیا۔درس نظامیہ کے علاوہ انگلش ،جغرافیہ،میتھ پر آپ کو عبور حاصل ہے۔

تحریری وتصنیفی خدمات:

موصوف درس وتدریس ،تقریر وتبلیغ ،سماجی اور ملی خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف اور شعروشاعری کا بھی ذوق وشوق رکھتے ہیں۔تحریری ملکہ آپ کو وراثت میں ملا ہے۔جب ممبئی میں آپ ہاشمیہ انٹر کالج میں ٹیچر کے عہدہ پر مقرر تھے، تو اس وقت وہاں پر اکثر کالج لیول پر تقریری مقابلہ کا انعقاد کیا جاتا۔ہاشمیہ انٹر کالج کے طلبہ کو آپ ہی تقاریر اور مکالمات لکھ کر دیتے اور پھر ان طلبہ کو تقریر اور مکالمات کی مشق بھی کراتے۔اکثر وبیشتر آپ کی لکھی ہوئی تقریریں اور آپ کے تربیت یافتہ بچے مقابلہ میں اول آتے۔ابتدا میں وہاں کے ایک پروفیسر صاحب جو کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فارغ تھے، پروفیسرانہ خمار میں سرشار آپ سے ترش روئی سے پیش آتے، لیکن جب آپ کی تحریری صلاحیت اور شعروادب پر آپ کی مہارت کو ملاحظہ کیا تو بڑے نادم ہوئے، اور پھر آپ کے ساتھ بڑے حسن سلوک سے پیش آتے۔جب بھی سامنا ہوتا ادب بجالاتے۔اپنی تحریرات اور اشعار پر آپ سے نظر ثانی کرواتے اور مشورے بھی لیتے۔

تحریری صلاحیت کی وجہ سے کسی شخص نے بھی آپ سے کسی فن پر لکھنے کی فرمائش کی، تو آپ اس کی تعمیل کی کوشش کرتے۔ہم بھائی بہنوں میں سے اگر کسی نے والد صاحب سے نعت کی فرمائش کردی، تو اس کے لیے آپ نعتیہ اشعار قلم بند فرمادیتے۔کسی نے کہہ دیا کہ ابو مجھے جلسے یا بزم میں تقریر

کرنی ہے، تو اس کے لیے حسب عمر تقریر لکھ کر دیتے۔ جب میں مدرسہ اہل سنت شمس العلوم میں شعبۂ پرائمری کے درجہ پنجم میں زیر تعلیم تھا، اس وقت تقریری بزم میں میرا نام بھی شامل کر دیا گیا۔ ہم نے والد صاحب سے عرض کی کہ اگلے ہفتہ کی تقریری بزم میں ہمارا نام ہے، اس لیے ہمارے لیے آپ ایک عمدہ تقریر لکھ دیں۔ اس وقت والد صاحب وہاں پر درجہ عالیہ کے مدرس تھے۔ والد صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے، لکھ دوں گا۔ اگلے ہی دن والد صاحب نے ''قل ہو اللہ احد'' کے عنوان پر تین صفحہ کی ایک شاندار تقریر لکھ کر درسگاہ ہی میں ہمارے حوالے کر دی۔

ہماری بڑی بہن کلیۃ البنات الامجدیہ میں جب جماعت ثانیہ کی طالبہ تھیں، اس وقت انھوں نے کہہ دیا کہ ''کبریٰ'' بڑی مشکل کتاب ہے، اس کا نام کبریٰ نہیں ''کبڑی'' ہونا چاہیے تھا۔ والد صاحب نے یہ بات سن لی، آپ کے دل پر یہ بات اثر کر گئی، فوراً آپ نے کبریٰ کا سلیس انداز میں ترجمہ اور عام فہم انداز میں تشریح کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ کلیۃ البنات الامجدیہ کے ابتدائی جلسوں میں آپ ہی طالبات کے لیے تقریریں لکھتے، اصلاح معاشرہ یا عورتوں کے مسائل پر مکالمات تحریر کرتے اور نظامت کے نوٹ تیار کرواتے۔ آپ کی لکھی ہوئی تقریریں، مکالمات آج بھی مقبول ہیں۔ والد صاحب ہماری بہنوں کو درسی کتابوں کا درس بھی دیتے تھے اور ان کے نوٹ بھی تیار کروادیتے تھے۔ آپ نے بیشتر نعتیں اپنی بیٹیوں کے لیے قلمبند فرمائے۔ ایک مرتبہ آپ نے پوربی زبان میں قادری منزل کا روڈ میپ تیار کیا تھا، جس کے چند بول آج بھی گھر والوں کی زبان زد ہیں۔ اس کا ایک مصرع تھا۔ ہمرات گھر باٹے بڑے گاؤں بجریا۔ اسی طرح آپ کا شہرہ آفاق ترانہ' ترانہ امجدی آج بھی بہت مقبول ہے۔ مطلع میں آپ فرماتے ہیں:

امجدیہ ہمارا گلشن ہے، ہم اس گلشن کے دیوانے
یہ علم و ہنر کا گہوارہ، یہ شمع ہے، ہم پروانے

آپ کی نعت کا ایک شعر ہدیہ قارئین ہے:

خوب ہے رازی و شیرازی و جامی کا کلام
انھیں مداحوں میں آتا ہے رضا خان کا نام
حق توصیف مگر کر نہ سکا کوئی رقم
میرے آقا میرے داتا اے میرے شاہ امم

کچھ سال پیشتر برادر گرامی مولانا حافظ ریحان المصطفیٰ قادری کی خواہش پر نحو میر کی شرح تصنیف فرمادی، انھیں کی فرمائش پر آپ نے اپنی تقریروں کو سلیس انداز میں قلمبند کروادیا، جسے ''ولولہ انگیز تقریریں'' کے نام سے شائع بھی کیا گیا، کتاب مقبول ہوئی، دیکھتے ہی دیکھتے اس کے کئی ایڈیشن نکل گئے۔ غرض آپ کے تمام تحریری کارنامے کسی کی خواہش یا فرمائش پر وجود میں آئے۔ متعدد کتابوں پر آپ کی تقریظات اور تاثرات اشاعت پذیر ہیں۔ متعدد مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی درج ذیل تصنیفات منصۂ شہود پر جلوہ گر ہیں:

(۱) تنویر الآثار (مطبوعہ)
(۲) تفہیمات شرح مرقات (مطبوعہ)
(۳) تفہیم الکبریٰ شرح کبریٰ (مطبوعہ)
(۴) مصباح التنویر شرح نحو میر (مطبوعہ)
(۵) ائمہ اربعہ (زیر طباعت)
(۶) ولولہ انگیز تقریریں حصہ اول (مطبوعہ)

(۷) ولولہ انگیز تقریریں حصہ دوم (زیر طباعت)

(۸) تقریظات وتاثرات، عرض احوال اور چند مضامین جو مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے۔

یہاں تک شہزادگان صدرالشریعہ کی تحریری خدمات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔اب یہاں سے صدرالشریعہ کے پوتوں اور نواسوں کی تحریری خدمات کا سرسری تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔ان شاء اللہ خانوادۂ صدرالشریعہ کی تحریری خدمات کے حوالے سے ہم ایک تفصیلی مقالہ تحریر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔واللہ الموفق والمستعان

نواسۂ صدرالشریعہ
محمودالعلما مفتی محمود اختر القادری

نام: محمود اختر القادری۔

نسب: مفتی محمود اختر القادری بن عالمہ سعیدہ خاتون بنت صدرالشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین۔

ولادت: ۲؍جنوری ۱۹۶۰ء

تعلیم: جامعہ اشرفیہ مبارکپور

تحریری وتصنیفی خدمات

(۱) ہزاروں فتاوے جو زیر ترتیب ہیں۔

(۲) فقہ مخدومی: فقہ شافعی پر مخدوم ماہمی علیہ الرحمہ کی کتاب کا ترجمہ (مطبوعہ)

(۳) تذکرہ مخدوم ماہمی (مطبوعہ)

(۴) بہار حج (مطبوعہ)

(۵) آثار وتبرکات کی شرعی حیثیت (مطبوعہ)

(۶) ننھے میاں کی نقاب کشائی (مطبوعہ)

نبیرۂ صدرالشریعہ
حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری

نام: علاء المصطفیٰ قادری

نسب: مولانا علاء المصطفیٰ قادری بن محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بن صدرالشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین قدس سرہ

ولادت: ۸؍مارچ ۱۹۶۲ء

تعلیم: مدرسہ شمس العلوم گھوسی، جامعہ اشرفیہ مبارکپور

شہزادگان محدث کبیر میں حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ امجدیہ رضویہ نے زیادہ تر اشاعتی خدمات انجام دی، تاہم جو کتابیں شائع کرتے، ان میں بیشتر پر عرض حال اور پیش لفظ خود ہی لکھتے، یوں ہی طلبۂ جامعہ امجدیہ کی متعدد کتابوں پر تقریظات تحریر فرماتے۔

نبیرۂ صدرالشریعہ
مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی

نام: عطاء المصطفیٰ اعظمی۔

نسب: مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی بن محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بن صدرالشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین قدس سرہ

تعلیم: مدرسہ شمس العلوم گھوسی، جامعہ اشرفیہ مبارکپور

تحریری وتصنیفی خدمات

﴿۱﴾ ضیاء النحو

﴿۲﴾ ضیاء الصرف

﴿۳﴾ ضیائے اصول حدیث

﴿۴﴾ ضیائے اصول فقہ

﴿۵﴾ ضیائے فارسی

﴿۶﴾ ضیاء المنطق

﴿۷﴾ ترجمہ صرف میر

﴿۸﴾ ترجمہ مشکات

﴿۹﴾ بہار اعتکاف

﴿۱۰﴾ ترجمہ منیۃ المصلی

﴿۱۱﴾ فضائل مسنون دعائیں

﴿۱۲﴾ بہار نحو

﴿۱۳﴾ فضائل شعبان واعمال

﴿۱۴﴾ سفینۂ نجات

﴿۱۵﴾ فضائل ومسائل رمضان المبارک

﴿۱۶﴾ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا حکم

﴿۱۷﴾ قربانی کے فضائل ومسائل

﴿۱۸﴾ سلام کی اہمیت وافادیت

﴿۱۹﴾ حرمت مصاہرت

﴿۲۰﴾ ترجمان رضا چار اہم فتاوے

﴿۲۱﴾ حسن قرات

﴿۲۲﴾ مسئلہ کف ثوب

﴿۲۳﴾ تذکرۂ رئیس التحریر

﴿۲۴﴾ راحت القلوب

﴿۲۵﴾ نماز کا آسان طریقہ

﴿۲۶﴾ سوانح حیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

﴿۲۷﴾ برتھ کنٹرول کی شرعی حیثیت

﴿۲۸﴾ عید میلادالنبی کی شرعی حیثیت

﴿۲۹﴾ حج وعمرہ ایک نظر میں

﴿۳۰﴾ ترجمہ دلائل الخیرات مع حزب البحر شریف

﴿۳۱﴾ ضیاء السراجی

﴿۳۲﴾ فضائل ومسائل زکات مع زکات نکالنے کا فرضی خاکہ

﴿۳۳﴾ تحفہ عید غوثیہ

﴿۳۴﴾ ترجمہ لقط المرجان فی احکام الجان

﴿۳۵﴾ ترجمہ منہاج العابدین المعروف ضیاء العارفین

﴿۳۶﴾ بہار ایصال ثواب

﴿۳۷﴾ سیکڑوں فتاوے

نبیرۂ صدرالشریعہ
مفتی جمال مصطفیٰ قادری

نام: جمال مصطفیٰ قادری۔

نسب: مفتی جمال مصطفیٰ قادری بن محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بن صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین قدس سرہ

تعلیم: مدرسہ شمس العلوم گھوسی، مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد، جامعہ اشرفیہ مبارکپور

حضرت مفتی جمال مصطفیٰ قادری صدر المدرسین جامعہ امجدیہ رضویہ بھی تحریری کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ آپ کے قلم سے متعدد رسائل معرض وجود میں آچکے ہیں۔ جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) تعزیرات (۲) تقلید کی شرعی حیثیت

(۳) غیر صحابہ کے لیے رضی اللہ عنہ ناجائز کیوں

(۴) عہد نامہ کی شرعی حیثیت

ان رسائل کے علاوہ آپ نے سیکڑوں فتاوے تحریر فرمائے جن پر محدث کبیر اور شارح بخاری کی تصدیقات ثبت ہیں۔

نبیرہ صدرالشریعہ
حضرت مولانا ابو یوسف محمد قادری ازہری

نام: ابو یوسف محمد قادری۔

نسب: حضرت مولانا ابو یوسف محمد قادری بن محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بن صدرالشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین قدس سرہ

تعلیم: مدرسہ شمس العلوم گھوسی، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، جامعہ ازہر مصر

حضور محدث کبیر کے سب سے چھوٹے صاحب زادے وولی عہد حضرت مولانا ابو یوسف محمد قادری ازہری، استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ تحریری ذوق وشوق رکھتے ہیں۔ آپ کے چند مضامین رسالہ سہ ماہی امجدیہ میں شائع ہوکر مقبول ہوچکے ہیں۔ حال ہی میں ایک تحقیقی مضمون بنام ''باب رویت ہلال میں قواعد علم فلکیات معتبر یا غیر معتبر؟'' سوشل میڈیا پر خوب وائرل ہوا۔ چند سالوں سے بریلی شریف کے فقہی سیمینار کے کسی ایک موضوع پر مقالات کی تلخیص آپ ہی تیار فرماتے ہیں۔

نبیرۂ صدرالشریعہ
مفتی وفاء المصطفیٰ قادری امجدی

نبیرۂ صدرالشریعہ مفتی وفاء المصطفیٰ قادری امجدی مفتی اعظم مغربی بنگال مفتی ثناء المصطفیٰ قادری علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں۔آپ نے درجن بھر فتاوے رقم فرمائے ۔آپ کے متعدد فتاوے فتاویٰ کی مشہور ومعروف کتاب ''فتاویٰ فقیہ ملت'' میں شامل اشاعت ہیں۔ آپ کا ایک رسالہ ''انکشاف حقیقت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

نبیرہ صدرالشریعہ
مفتی فیضان المصطفیٰ قادری

نام: فیضان المصطفیٰ قادری۔

نسب: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری بن حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری بن صدرالشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین

ولادت: ۲۵/اگست ۱۹۷۵ء

تعلیم: جامعہ شمس العلوم گھوسی، جامعہ اشرفیہ مبارکپور ،جامعہ نظام الدین اولیا دہلی (ایک سال)

تحریری و تصنیفی خدمات:

(۱) کشف الاستار دو جلد: شرح معانی الآثار پر صدرالشریعہ کا یہ حاشیہ تقریبا ۷۰ رسالوں سے مخطوطہ کی شکل میں تھا۔ مرتب نے پانچ سال سخت محنت ومشقت اور استقلال کے ساتھ اس مخطوطہ پر کام کیا، جس کے نتیجہ میں صدرالشریعہ کا یہ حاشیہ کشف الاستار کے نام سے وجود میں آسکا۔

(۲) تحقیقات صدرالشریعہ (مطبوعہ)

(۳) امام احمد رضا اور علم کلام (الٰہیات) (مطبوعہ)

(۴) اشتراکی عمل کے تعلق سے اہل سنت وجماعت کا موقف (مطبوعہ)

(۵) قضیہ کلمۃ النانوتوی: عربی زبان میں آپ کا یہ تحقیقی رسالہ ہے، جو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ (مطبوعہ)

(۶) تذکرۂ تاج الشریعہ (مطبوعہ)

(۷) کتاب الحج (مطبوعہ)

(۸) فدیہ کے احکام (مطبوعہ)

(۹) انوار اعتکاف (مطبوعہ)

(۱۰) بہار شریعت پر ایرادات کا تجزیہ: (زیر تصنیف)

اس کتاب میں بہار شریعت پر اپنوں اور غیروں کے اعتراضات کا تجزیہ اور ان کا تحقیقی جواب ہے۔ حضرت کی یہ تحقیقی و علمی کاوش گذشتہ سال سے رسالہ سہ ماہی امجدیہ میں قسط وار شائع ہو رہی ہے۔

(۱۱) امام احمد رضا اور اکابر امت کا دفاع (زیر ترتیب): اس کی چند قسطیں ماہنامہ پیغام شریعت میں شائع ہو چکی ہیں۔

(۱۲) الملفوظ: الملفوظ کے موجودہ نسخہ کی ترتیب آپ ہی کی محنت کا ثمرہ ہے۔ یہ نسخہ سات مختلف نسخوں سے تیار کیا گیا ہے۔ اس پر آپ کا ایک معلوماتی مقدمہ ہے جو تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ (مطبوعہ)

(۱۳) صدر الشریعہ حیات و خدمات: یہ کتاب ۱۹۹۷ء میں صدر الشریعہ سیمینار کے موقع پر پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ ہے، جسے آپ نے مرتب کیا ہے۔ گذشتہ سال ۷۶ ویں عرس امجدی کے موقع پر اس کتاب کی جدید ترتیب بھی آپ ہی کے مرہون منت ہے۔ اس مجموعہ میں موصوف کا مقدمہ اور متعدد مضامین شامل ہیں۔ (مطبوعہ)

(۱۴) تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا امریکی نو مسلم اسکالر نوح حامیم کیلر کے رد میں انگریزی زبان میں لکھے گئے رسالہ کا اردو خلاصہ، جو تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس خلاصہ کو خود حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے شائع کروایا۔ (مطبوعہ)

(۱۵) امام احمد رضا اور علم کلام (نبوات) (زیر تصنیف)

(۱۶) امام احمد رضا اور علم کلام (سمعیات) (زیر تصنیف)

(۱۷) تعلیقات بخاری (زیر تصنیف)

(۱۸) شرح عقود رسم المفتی پر عربی زبان میں حاشیہ (زیر تصنیف)

(۱۹) حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ (زیر طباعت)

(۲۰) تحقیقات امام علم و فن کی ترتیب جدید (زیر طباعت)

(۲۱) فتاویٰ امجدیہ کی جدید ترتیب (زیر ترتیب)

(۲۲) رسالہ سہ ماہی امجدیہ میں لکھے گئے تقریباً ساٹھ مضامین

(۲۳) ماہنامہ پیغام شریعت کے لیے لکھے گئے تقریباً پچاس مضامین

(۲۴) دیگر رسائل اور خصوصی نمبرات کے لیے لکھے گئے تقریباً پچاس مضامین

(۲۵) مختلف فقہی، ادبی، شخصی سیمیناروں کے لیے لکھے گئے درجنوں مقالات

(۲۶) متعدد کتب و رسائل پر عربی، اردو اور انگلش زبان میں مقدمات و تاثرات

(۲۷) سیکڑوں سوالات کے جوابات، جن میں سے درجنوں پر محدث کبیر کی تصدیقات

نبیرہ صدر الشریعہ
مولانا عرفان المصطفیٰ قادری ازہری

نام: عرفان المصطفیٰ قادری۔

نسب: حضرت مولانا عرفان المصطفیٰ قادری بن حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری بن صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین

تعلیم: جامعہ شمس العلوم گھوسی، جامعہ نظام الدین اولیا دہلی، جامعہ ازہر مصر

موصوف طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ میں تدریس سے منسلک ہیں۔ تحریری ملکہ رکھتے ہیں۔ عربی ادب پر عبور حاصل ہے۔ موصوف نے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا رسالہ "التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل" کی تعریب فرمائی جو منتظر طباعت ہے۔ یوں ہی مکی اور مدنی آیات کے عنوان سے قسط وار مضامین رسالہ سہ ماہی امجدیہ کے لیے قلمبند فرمائے۔

مفتی انعام المصطفیٰ اعظمی

نبیرۂ صدر الشریعہ مفتی انعام المصطفیٰ اعظمی (پاکستان)

بن علامہ انوار المصطفیٰ اعظمی بن مفسر قرآن حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری

آپ کی تحریر بڑی عمدہ اور سلیس ہوتی ہے۔ آپ کے چند مضامین سوشل میڈیا پر باصرہ نواز ہوئے۔ موصوف نے ایک رسالہ ''مرتد کی سزا'' تصنیف فرمایا ہے۔

مولانا احمد رضا اعظمی

حافظ مولانا احمد رضا اعظمی بن مولانا حافظ مصطفیٰ سرور اعظمی بن علامہ قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی بن صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی قدس سرہ

مولانا حافظ احمد رضا اعظمی علمی اور تحریری کاموں سے حد درجہ شغف رکھتے ہیں۔ خاندان کے تحریری کاموں کو تلاش کرنا، اپنے بڑوں سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا آپ کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری قدس سرہ کے مقالات اور آپ کے اشعار کی نقلیں کافی تعداد میں آپ کے پاس محفوظ ہیں۔ فی الحال دار العلوم امجدیہ کراچی کے پروردہ علما و مدرسین کی تحریری کاوشوں پر آپ کام کر رہے ہیں، جس کا عنوان ہے: ''علمائے امجدیہ کی تصنیفی خدمات'' یہ رسالہ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے جدید طرز پر خانوادۂ صدر الشریعہ کا شجرہ مرتب کیا ہے، جو صدر الشریعہ کے اصول و فروع کا اعتبار کرتے ہوئے کل ۱۰ ارپشتوں پر مشتمل ہے۔ خانوادۂ صدر الشریعہ کا ایسا جامع شجرہ اب تک ہم نے نہ دیکھا۔

مولانا ریاض المصطفیٰ اعظمی

پاکستان میں قیام پذیر حضور محدث کبیر کے پوتے نبیرۂ صدر الشریعہ مولانا ریاض المصطفیٰ اعظمی بن مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی قدیم رسائل و مخطوطات جمع کرنے کے شوقین ہیں۔ تحفہ حنفیہ پٹنہ کے اکثر شماروں کی نقلیں آپ کے لیپ ٹاپ میں موجود ملیں گی۔ ہمہ وقت خانوادۂ صدر الشریعہ کی تحریری کاوشوں کے متلاشی اور درسی ریکارڈنگ کی جستجو میں ہوتے ہیں۔ تدریسی، تعلیمی اور خانگی مصروفیات کے باوجود آپ نے اعلیٰ حضرت کے چند رسائل کی تعریب و تحقیق فرمائی۔

مفتی نوید اختر قادری (بھیونڈی)

آپ عالی جناب سعید اختر قادری بن عالمہ سعیدہ خاتون بنت صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی کے شہزادے ہیں۔ آپ کی ادبی ،فکری اور علمی تحریر سے اہل علم وادب واقف ہیں۔ ماہ رمضان المبارک میں آپ نے اپنی تحریروں کی چاشنی سے سوشل میڈیا پر موجود قارئین کو شاد کام کیا تھا۔ آپ ہی کی کاوش سے حضور، بحر العلوم مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ کی ''حیات صدر الشریعہ'' ہند میں پہلی بار شائع ہوئی۔ موصوف ماہنامہ پیغام شریعت کے مستقل قلمکار ہیں، اب تک درجن بھر مضامین قلمبند فرما چکے ہیں۔

مفتی مقصود اختر قادری (ممبئی)

مفتی مقصود اختر قادری بن محمود العلما مفتی محمود اختر القادری بن عالمہ سعیدہ خاتون بنت صدر الشریعہ حکیم امجد علی اعظمی

آپ نے اپنے والد صاحب کے زیر نگرانی درجنوں فتاوے تحریر فرمائے۔ چند سالوں سے سوشل میڈیا پر سیکڑوں سوالات کے جوابات رومن اردو میں تحریر فرما کر ارسال فرماتے ہیں۔

عالمہ مفتیہ ام سلیم امجدی

عالمہ مفتیہ ام رمان امجدی، عالمہ مفتیہ ام الخیر امجدی

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی پوتیاں اور حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری کی صاحبزادیاں ہیں۔کلیۃ البنات الامجدیہ میں تینوں نے امتیازی نمبرات سے درجہ فضیلت اور درجہ تخصص میں کامیابی حاصل کی ۔آپ تینوں نے درجنوں فتاوے تحریر فرمائے جن کی تصویب وتصحیح حضور محدث کبیر نے فرمائی۔ثانی الذکر عربی اور انگلش زبان پر عبور رکھتی ہیں۔ہندستان کی مشہور و معروف یونیورسٹی جے این یو دہلی سے عربی اور انگلش زبان وادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔عربی اور انگلش زبان میں تحریر کی صلاحیت رکھتی ہیں۔محترمہ نے دہلی یونیورسٹی کے لیے عربی زبان میں ایک مضمون قلمبند فرمایا جو وہاں عام ہوا اور پروفیسران نے پسند کی نظر سے دیکھا۔جامعہ امجدیہ میں داخل نصاب فقہ کی اہم کتاب "الختار" کا بقدر نصاب ترجمہ اور مشکل عبارات کی تشریح بھی رقم فرمایا،لیکن الختار کا یہ ترجمہ اور تشریح اب تک شائع نہ ہوسکا۔اسی طرح آپ کی چھوٹی بہن عالمہ ام الخیر امجدی کی سبق آموز تحریریں بھی گاہے گاہے واٹس اپ پر نظر نواز ہوتی ہیں۔اللہ کریم انھیں مزید ذوق وشوق عطا فرمائے۔

حسان المصطفیٰ قادری بن حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری بن حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان

راقم السطور (حسان المصطفیٰ قادری) کی کل دنیا قادری منزل اور جامعہ امجدیہ رضویہ کی چہار دیواری ہے۔والدین کریمین، شیخ حضور محدث کبیر، برادر گرامی مفتی فیضان المصطفیٰ قادری، اور اساتذہ جامعہ امجدیہ رضویہ کے زیر سایہ رہا۔انھیں سے سیکھا، پڑھا ،انھیں کی آغوش میں پروان چڑھا، انھیں سے تربیت حاصل کی،اور انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش ہے۔تحریر کے حوالے سے ہماری جھولی میں پیر و مرشد حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے وصال کے موقع پر خراج عقیدت کے طور پر لکھا گیا ایک مضمون اور ماہنامہ پیغام شریعت کے لیے لکھے گئے چند مقالات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ہاں آخرت میں بخشش کے لیے کچھ فتاوے بھی رکھے ہیں، جو حضور محدث کبیر مدظلہ العالی اور استاذ گرامی مفتی ابوالحسن قادری صدر شعبۂ افتا کے زیر نگرانی معرض وجود میں آئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ خاندان صدر الشریعہ کی تمام تصنیفی اور تحریری خدمات قبول فرمائے۔اور مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ہم نے اپنے اس مضمون میں صرف صدر الشریعہ اور خانوادۂ صدر الشریعہ کے تحریری کارناموں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ہاں اگر اس مضمون کو مزید وسعت دے کر یہ سلسلہ حضور صدر الشریعہ کے جد امجد حضرت مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ سے چلایا جائے اور ان سے نیچے والی تمام نسلوں کے تحریری وتصنیفی کاموں کو ضبط تحریر میں لایا جائے تو ایک مبسوط مقالہ وجود میں آجائے ۔حضرت شیخ العلما علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ، حضرت خیر الاذکیا علامہ غلام یزدانی علیہ الرحمہ، حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، حضرت علامہ غلام ربانی فائق الاعظمی علیہ الرحمہ یہ وہ شخصیات ہیں جو تحریر وتصنیف اور شعر وادب کے حوالے سے محتاج تعارف نہیں۔اسی طرح نبیران شیخ العلما مولانا احمد رضا جیلانی، مولانا اشرف رضا جیلانی ،مولانا معین اختر جیلانی کی قلمی کاوشیں بھی لوگوں سے پوشیدہ نہیں ۔یہ تمام حضرات اوپر جا کر خاندان صدر الشریعہ کے سلسلے میں ہی شامل ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت تمام لوگوں کی کاوشات قبول فرمائے۔آمین

☆☆☆

صدر الشریعہ کی
فقہی بصیرت بہار شریعت کے آئینے میں

مفتی مشتاق احمد اویسی امجدی
ازہری دار الافتا، ناسک

فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ کی باکمال وبافیض شخصیت درس وتدریس، افتا وقضا، جدل ومناظرہ، حدیث وفقہ کی گونا گوں خدمات کے سبب دنیا کے کونے کونے میں محتاج تعارف نہیں، پروردگار عالم جلا جلالہ وعم نوالہ نے آپ کو علم وفضل میں وہ غیر معمولی بصیرت اور حیرت انگیز تعمق نظری سے نوازا تھا کہ آپ کے بعد دور دور تک آپ کی مثال نظر نہیں آتی۔

یوں تو آپ کی پوری زندگی مروجہ علوم وفنون کی تدریس اور باطل وگمراہ فرقوں کے عقائد ونظریات کے رد وطرد اور زبان وقلم سے احقاق حق وابطال باطل سے عبارت تھی مگر فقہ وفتاویٰ آپ کا خصوصی میدان تھا، جس قدر آپ کو فقہ وفتاویٰ سے دلچسپی تھی وہ کسی اور علم وفن میں نہیں یہی وجہ ہے کہ امام الفقہا والمفتیین سیدی امام احمد رضا قدس سرہ کی بارگاہ میں آپ کی ممتاز ترین خوبی ''وصفِ تفقہ فی الدین'' کی خصوصی پذیرائی ہوئی اور بارگاہ امام سے آپ کی فقہی بصیرت پر بطور سند یہ تمغۂ صد افتخار حاصل ہوا، چناں چہ ایک بار امام اہل سنت فرمایا:

''آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں طبیعت اخاذ ہے طرز سے واقفیت ہو چلی ہے''۔

(الملفوظ اول، ص ۷۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ)

امام اہل سنت کا مذکورہ بالا فرمان اپنے آپ میں صدر الشریعہ کی فقہی ژرف نگاہی پر بین اور روشن ثبوت ہے اسی لیے صدر الشریعہ نہ صرف ایک فقیہ تھے بلکہ وہ تو ''فقیہ اعظم'' تھے، چناں چہ آج بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''فقیہ اعظم ہند'' کے عظیم لقب سے زبان زد عوام وخواص ہیں جس سے ہماری رائے کی مزید کھل کر تائید وحمایت ہوتی ہے۔

صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت کے جلووں کا ایک نمایاں حصہ آپ کے نوک قلم سے جاری شدہ فتاویٰ میں پایا جاتا ہے، آپ کے کچھ فتاویٰ چار جلدوں میں مطبوعہ دنیا بھر کے دار الافتاؤں کی زینت ہیں، آپ کے ان گراں قدر اور بیش قیمت فتاویٰ سے دار الافتا کے مفتیان کرام بخوبی استفادہ کرتے ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ کے فتاویٰ اگر چہ مختصر اور کمیت میں تھوڑے سہی مگر جس قدر ہیں مفتیانِ زمانہ ان سے مستغنی وبے نیاز نہیں۔

صدرالشریعہ کی فقیہانہ شان وعظمت کا دوسرا ممتاز اور منفرد پہلو ۱۷ رحصوں پر مشتمل فقہی انسائیکلو پیڈیا "بہار شریعت" ہے، جسے "عالم بنانے والی کتاب" بھی کہا جاتا ہے، بہارشریعت کی عظمت وجلالت کیا ہے اوراس کے آئینے میں صدرالشریعہ کی جامع کمالات اور حاوی فقہ وفتاویٰ عظیم عبقری شخصیت کس قدر نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے اس پر آپ کے ایک جلیل القدر تلمیذ رشید علامہ سید ظہیرالدین احمد زیدی کا ایک والہانہ تبصرہ ملاحظہ کریں، آپ رقم طراز ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم فقہ اور علوم شرعیہ میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز فرمایا اور اپنے دین وشریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی وہ خدمت کی جو دوسروں کا مقسوم نہ تھی آپ اس پر سختی سے عامل بھی تھے۔ آپ کی نگاہ فقہی جزئیات پر حاوی تھی، کتب فقہیہ پر آپ کا مطالعہ نہایت درجہ وسیع تھا نہ صرف فقہ بلکہ احادیث مبارکہ پر بھی آپ کی نظر وسیع تھی اور قرآن کریم کی آیات احکام ودیگر آیات اور ان کے مفاہیم ومستنباط پر بھی آپ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ بہارشریعت کے سترہ حصے مرتب فرمائے اوران میں سے فقہ کے ۳۸۱/ تین سوا کیاسی عنوانات کے تحت آپ نے نو ہزار نو سو ترانوے یعنی تقریبا دس ہزار مسائل و جزئیات بیان فرمائے۔ فتاویٰ امجدیہ کے مسائل اس کے علاوہ ہیں۔ یہ دس ہزار مسائل وجزئیات آپ نے پینتالیس معتبر ومستند اور معتمد علیہا کتب فقہیہ کے حوالوں سے بیان فرمائے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کے مطالعہ میں مجتہدین فی الشرع، مجتہدین فی المذہب، مجتہدین فی المسائل اور اصحاب التخریج واصحاب الترجیح وغیرہ جملہ علمائے حنفیہ کی تصانیف رہیں۔ اس کے علاوہ اہل فتویٰ مفتیان کرام کی جملہ کتب فتاویٰ بھی آپ کے پیش نظر رہیں۔ یقیناً آپ نہایت عظیم المرتبت فقیہ تھے۔ اور ضعیف ومردود اور صحیح وقوی واقوی اقوال کا علم رکھتے تھے۔ نیز راجح مرجوح، مفتی بہ وغیرہ۔ مفتی بہ اقوال ومسائل پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا۔ بہارشریعت میں آپ نے ابواب فقہ کے عنوانات کے ماتحت ۳۹۵/ آیات قرآنیہ سے استنباط کیا ہے جو احکام شرعیہ اوامر ونواہی، جائز و مستحبات سے متعلق ہیں اس سے آپ کے علم تفسیر واصول تفسیر وطریق استنباط سے متعلق عظیم مطالعہ کا ثبوت ملتا ہے۔ یقیناً تمام آیات احکام آپ کے وسیع مطالعہ میں تھیں اور قرآن پاک کے دیگر علوم سے بھی آپ کثیر معلومات رکھتے تھے۔

بہارشریعت میں ہی آپ نے فقہی ابواب وعنوانات سے متعلق دو ہزار دو سو تیس ۲۲۳۰ راحادیث کریمہ تحریر فرمائی ہیں، اُن کے علاوہ طحاوی شریف کی شرح میں آپ نے کثیر احادیث کا استخراج فرمایا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آثار وسنن نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں آپ کس درجہ کمال رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے بشمول صحاح ستہ بیالیس کتب احادیث کا حوالہ دیا ہے جن میں سے ہر مجموعہ حدیث معتبر ومستند ہے۔ اگر ہم احادیث شریفہ سے متعلق آپ کے علم کا کچھ اندازہ لگانا چاہیں تو یہ امر نگاہ میں رکھیں کہ آپ نے زائد از چالیس سال مسلسل درس حدیث دیا اور صحاح ستہ کی تعلیم دی اوران کی تفہیم وتدریس اور تشریح کے لیے آپ نے محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف وشروح کا مطالعہ جاری رکھا، یہ امور ہمیں اس یقین تک پہنچاتے ہیں کہ علوم احادیث پر بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔ اللہ ارحم الراحمین آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور مقام

قرب خاص میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامی الکریم علیہ الوف التحیۃ والتسلیم۔

مذکورہ بالا امور یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے صدقہ وطفیل میں آپ کو تفقہ فی الدین کے مقام پر فائز فرمایا تھا اور آپ فقیہ اعظم ہیں۔ (حضور صدرالشریعہ حیات وخدمات، ص ۱۳۵-۱۳۶)

صدرالشریعہ کی فقہی زرف نگاہی اور علم الفقہ والفتویٰ میں آپ کی تعمق نظری کو اجمالا سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا اقتباس سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے۔

صدرالشریعہ نے اپنے ماسبق اہل فقہ وفتاویٰ کی قدیم وجدید عربی کتب کو اردو قالب میں ڈھالا اور ان میں مفتی بہا، منقحہ اور مرجحہ فقہی مسائل واحکام کا عمدہ انتخاب فرمایا جو اس امر پر بین ثبوت ہے کہ فقہ حنفی کی متون وشروح اور فتاویٰ کی تمام کتب متداولہ پر صدرالشریعہ کو بہت گہری نظر تھی اور آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا مگر اس حقیقت کے ساتھ ایک اور حقیقت سے بھی پردہ اٹھانا از حد ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ صدرالشریعہ نے بہار شریعت میں متعدد مقامات پر مختلف مسائل کی توضیح وتشریح میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ فقہ حنفی کا بیش بہا فقہی خزانہ اور صدرالشریعہ کی فقہی بصیرت ومعرفت کا حسین جلوہ ہے، بہار شریعت کے ان فقہی افادات کے آئینے میں صدرالشریعہ کا فقیہانہ رخ تاباں چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔

صدرالشریعہ کے ان فقہی افادات میں بہت سے افادات ایسے بھی آئیں گے جن میں صدرالشریعہ نے اپنے دیار کے عرف کے سبب نفس مسئلہ سے مختلف حکم بیان فرمایا ہے جس سے اپنے دیار کے عرف سے صدرالشریعہ کی گہری واقفیت کا پتہ ملتا ہے اور ہو بھی کیوں نہ کہ صدرالشریعہ فقیہ اعظم ہند تھے اور اپنے زمان ومکان کے عرف اور اہل زمانہ کے احوال سے باخبر ہونا ایک فقیہ ومفتی کے لیے لازمی جز ہے حتی کہ علامہ شامی نے صراحت فرمائی ہے "من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل وعبارۃ بعضھم: من جھل باھل زمانہ فھو جاھل" یعنی جو اپنے اہل زمانہ کے احوال اور عرف سے بے خبر ہو وہ جاہل ہے۔ ایک فقیہ ومفتی کے لیے عرف کی معرفت کس قدر ضروری ہے علامہ شامی کا یہ تبصرہ پڑھیں اور اس کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

فقد ظھرلک ان جمود المفتی اوالقاضی علی ظاھر المنقول مع ترک العرف والقرائن الواضحۃ والجھل باحوال الناس یلزم منہ تضییع حقوق کثیرۃ وظلم خلق کثیرین. (شرح العقود، ص ۱۸۲، زکریا)

بہار شریعت میں مذکور صدرالشریعہ کے اس قسم کے فقہی افادات مستقل ایک کتاب کا مواد ہیں تاہم یہاں مشتے نمونہ از خروارے چند امثال ونظائر سپرد قرطاس کیے جاتے ہیں، جن سے میری رائے کی تائید وتقویت مثل شمس وامس واضح وآشکارا ہوگی اور اپنے دیار کے بہت سے مسائل عرفیہ سے اطلاع بھی، نیچے پہلے نفس مسئلہ بعدہ اس پر صدرالشریعہ کا فقہی افادہ تحریر کیا جاتا ہے۔

شہر میں متعدد جگہ جمعہ کا قیام جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ:۔ شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو سکتا ہے، خواہ وہ شہر

چھوٹا ہو یا بڑا اور جمعہ دو مسجدوں میں ہو یا زیادہ۔

افادہ:۔ مگر بلا ضرورت بہت سی جگہ جمعہ قائم نہ کیا جائے کہ جمعہ شعائر اسلام سے ہے اور جامع جماعات ہے اور بہت سی مسجدوں میں ہونے سے وہ شوکت اسلامی باقی نہیں رہتی جو اجتماع میں ہوتی، نیز دفع حرج کے لیے تعدد جائز رکھا گیا ہے تو خواہ مخواہ جماعت پراگندہ کرنا اور محلہ محلہ جمعہ قائم کرنا نہ چاہیے۔ نیز ایک بہت ضروری امر جس کی طرف عوام کو بالکل توجہ نہیں، یہ ہے کہ جمعہ کو اور نمازوں کی طرح سمجھ رکھا ہے کہ جس نے چاہا نیا جمعہ قائم کر لیا اور جس نے چاہا پڑھا دیا یہ نا جائز ہے، اس لیے کہ جمعہ قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے، اس کا بیان آگے آتا ہے اور جہاں اسلامی سلطنت نہ ہو وہاں جو سب سے بڑا فقیہ سنی صحیح العقیدہ ہو، احکام شرعیہ جاری کرنے میں سلطان اسلام کے قائم مقام ہے، لہٰذا وہی جمعہ قائم کرے بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہو سکتا اور یہ بھی نہ ہو تو عام لوگ جس کو امام بنائیں، عالم کے ہوتے ہوئے عوام بطور خود کسی کو امام نہیں بنا سکتے نہ یہ ہو سکتا ہے کہ دو چار شخص کسی کو امام مقرر کر لیں ایسا جمعہ کہیں سے ثابت نہیں۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، اول، ص ۷۶۴)

جنازہ کی جانماز کا شرعی حکم:

مسئلہ:۔ اگر مردہ کو جانور کھا گیا اور کفن پڑا ملا اگر میت کے مال سے دیا گیا ہے ترکہ شمار ہوگا اور کسی اور نے دیا ہے اجنبی یا رشتہ دار نے تو دینے والا مالک ہے جو چاہے کرے۔

افادہ:۔ ہندوستان میں عام رواج ہے کہ کفن مسنون کے علاوہ اوپر سے ایک چادر اڑھاتے ہیں وہ تکیہ دار یا کسی مسکین پر تصدق کرتے ہیں اور ایک جانماز ہوتی ہے جس پر امام جنازہ کی نماز پڑھاتا ہے وہ بھی تصدق کر دیتے ہیں، اگر یہ چادر و جانماز میت کے مال سے نہ ہوں بلکہ کسی نے اپنی طرف سے دیا ہے (اور عادۃً وہی دیتا ہے جس نے کفن دیا بلکہ کفن کے لیے جو کپڑا لایا جاتا ہے وہ اسی انداز سے لایا جاتا ہے جس میں یہ دونوں بھی ہو جائیں) جب تو ظاہر ہے کہ اس کی اجازت ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر میت کے مال سے ہے تو دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ورثہ سب بالغ ہوں اور سب کی اجازت سے ہو، جب بھی جائز ہے اور اگر اجازت نہ دی تو جس نے میت کے مال سے منگایا اور تصدق کیا اس کے ذمہ یہ دونوں چیزیں ہیں یعنی ان میں جو قیمت صرف ہوئی ترکہ میں شمار کی جائے گی اور وہ قیمت خرچ کرنے والا اپنے پاس سے دے گا، دوسری صورت یہ کہ ورثہ میں کل یا بعض نابالغ ہیں تو اب وہ دونوں چیزیں ترکہ سے ہرگز نہیں دی جا سکتیں، اگرچہ اس نابالغ نے اجازت بھی دیدی ہو کہ نابالغ کے مال کو صرف کر لینا حرام ہے۔ لوٹے گھڑے ہوتے ہوئے خاص میت کے نہلانے کے لیے خریدے تو اس میں یہی تفصیل ہے۔ تیجہ، دسواں، چالیسواں، ششماہی، برسی کے مصارف میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اپنے مال سے جو چاہے خرچ کرے اور میت کو ثواب پہنچائے اور میت کے مال سے یہ مصارف اسی وقت کیے جائیں کہ سب وارث بالغ ہوں اور سب کی اجازت ہو ورنہ نہیں مگر جو بالغ ہو اپنے حصہ سے کر سکتا ہے۔ ایک صورت اور بھی ہے کہ میت نے وصیت کی ہو تو دین ادا کرنے کے بعد جو بچے اس کی

تہائی میں وصیت جاری ہوگی۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں یا نا واقف کہ اس قسم کے تمام مصارف کر لینے کے بعد اب جو باقی رہتا ہے اسے ترکہ سمجھتے ہیں۔ ان مصارف میں نہ وارث سے اجازت لیتے ہیں، نہ نابالغ وارث ہونا مضر جانتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تیجہ وغیرہ کو منع کیا جاتا ہے کہ یہ تو ایصال ثواب ہے، اسے کون منع کریگا منع وہ کرے جو وہابی ہو بلکہ ناجائز طور پر جو ان میں صرف کیا جاتا ہے اس سے منع کیا جاتا ہے، کوئی اپنے مال سے کرے یا ورثہ بالغین ہی ہوں، ان سے اجازت لے کر کرے تو ممانعت نہیں۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، اول، ص ۸۲۱)

جوتا یا چپل پہن کر نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ:۔ نماز جنازہ میں دو طرح کی شرطیں ہیں، ایک مصلی کے متعلق دوسری میت کے متعلق مصلی کے لحاظ سے تو وہی شرطیں ہیں جو مطلق نماز کی ہیں یعنی (1) مصلی کا نجاست حکمیہ وحقیقیہ سے پاک ہونا، نیز اس کے کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا (۲) ستر عورت (۳) قبلہ منہ ہونا (۴) نیت، اس میں وقت شرط نہیں اور تکبیر تحریمہ رکن ہے شرط نہیں جیسا پہلے ذکر ہوا۔

افادہ:۔ بعض لوگ جوتا پہنے اور بہت لوگ جوتے پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں، اگر جوتا پہنے پڑھی تو جوتا اور اس کے نیچے کی زمین دونوں کا پاک ہونا ضروری ہے، بقدر مانع نجاست ہوگی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور جوتے پر کھڑے ہو کر پڑھی تو جوتے کا پاک ہونا ضروری ہے۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، اول، ص ۸۲۵)

حالت روزہ میں کچھ چکھنے کا معنی کیا ہے؟

مسئلہ:۔ روزہ دار کو بلا عذر کسی چیز کا چکھنا یا چبانا مکروہ ہے۔ چکھنے کے لیے عذر یہ ہے کہ مثلاً عورت کا شوہر یا باندی غلام کا آقا بد مزاج ہے کہ نمک کم وبیش ہوگا تو اس کی ناراضی کا باعث ہوگا اس وجہ سے چکھنے میں حرج نہیں، چبانے کے لیے یہ عذر ہے کہ اتنا چھوٹا بچہ ہے کہ روٹی نہیں کھا سکتا اور کوئی نرم غذا نہیں جو اُسے کھلائی جائے، نہ حیض ونفاس والی یا کوئی اور بے روزہ ایسا ہے جو اسے چبا کر دیدے، تو بچہ کے کھلانے کے لیے روٹی وغیرہ چبانا مکروہ نہیں۔

افادہ:۔ چکھنے کے وہ معنی نہیں جو آج کل عام محاورہ ہے یعنی کسی چیز کا مزہ دریافت کرنے کے لیے اس میں سے تھوڑا کھا لینا کہ یوں ہو تو کراہت کیسی روزہ ہی جاتا رہے گا، بلکہ کفارہ کے شرائط پائے جائیں تو کفارہ بھی لازم ہوگا۔ بلکہ چکھنے سے مراد یہ ہے کہ زبان پر رکھ کر مزہ دریافت کرلیں اور اسے تھوک دیں اس میں سے حلق میں کچھ نہ جانے پائے۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، اول، ص ۹۹۶)

ہندوستان میں تعزیر کی صورت کیا ہوگی؟

مسئلہ:۔ کسی گناہ پر بغرض تادیب جو سزا دی جاتی ہے اوس کو تعزیر کہتے ہیں شارع نے اس کے لیے کوئی مقدار معین نہیں کی ہے بلکہ اس کو قاضی کی رائے پر چھوڑا ہے جیسا موقع ہو اوس کے مطابق عمل کرے تعزیر کا اختیار صرف بادشاہ اسلام ہی کو نہیں بلکہ شوہر بی بی کو آقا غلام کو ماں باپ اپنی اولاد کو اُستاذ شاگرد کو تعزیر کر سکتا ہے۔

افادہ:۔ اس زمانہ میں کہ ہندوستان میں اسلامی

حکومت نہیں اور لوگ بے دھڑک بلا خوف وخطر معاصی کرتے اور ان پر اصرار کرتے ہیں اور کوئی منع کرے تو باز نہیں آتے۔ اگر مسلمان متفق ہو کر ایسی سزائیں تجویز کریں جن سے عبرت ہو اور یہ بے باکی اور جرأت کا سلسلہ بند ہو جائے تو نہایت مناسب وانسب ہوگا۔ بعض قوموں میں بعض معاصی پر ایسی سزائیں دی جاتی ہیں مثلاً حقہ پانی اس کا بند کر دیتے اور نہ اس کے یہاں کھاتے نہ اپنے یہاں اس کو کھلاتے ہیں جب تک توبہ نہ کرلے اور اس کی وجہ سے ان لوگوں میں ایسی باتیں کم پائی جاتی ہیں جن پر ان کے یہاں سزا ہوا کرتی ہے مگر کاش وہ تمام معاصی کے انسداد میں ایسی ہی کوشش کرتے اور اپنے پنچائتی قانون کو چھوڑ کر شرع مطہر کے موافق فیصلے دیتے اور احکام سناتے تو بہت بہتر ہوتا۔ نیز دوسری قومیں بھی اگر ان لوگوں سے سبق حاصل کریں اور یہ بھی اپنے اپنے مواقع اقتدار میں ایسا ہی کریں تو بہت ممکن ہے کہ مسلمانوں کی حالت درست ہو جائے بلکہ ایک یہی کیا اگر اپنے دیگر معاملات ومنازعات میں بھی شرع مطہر کا دامن پکڑیں اور روزمرہ کی تباہ کن مقدمہ بازیوں سے دست برداری کریں تو دینی فائدہ کے علاوہ ان کی دنیوی حالت بھی سنبھل جائے اور بڑے بڑے فوائد حاصل کریں۔ مقدمہ بازی کے مصارف سے زیر بار بھی نہ ہوں اور اس سلسلہ کے دراز ہونے سے بغض وعداوت جو دلوں میں گھر کر جاتی ہے اس سے بھی محفوظ رہیں۔ (بہار شریعت تخریج شدہ، دوم، ص ۴۰۳)

قاضی اجلاس قضا کہاں قائم کرے؟

مسئلہ:۔ اگر اپنے مکان میں اجلاس کرے درست ہے مگر اذن عام ہونا چاہیے یعنی ارباب حاجت کے لیے روک ٹوک نہ ہو۔

افادہ:۔ یہ اس زمانہ کی باتیں ہیں جب کہ دار القضا نہ تھا مسجد یا اپنے مکان میں قاضی اجلاس کیا کرتے تھے اور اب دار القضا موجود ہیں عام طور پر لوگوں کے علم میں یہی بات ہے کہ قاضی کا اجلاس دار القضا میں ہوتا ہے لہٰذا قاضی کے لیے یہ مناسب جگہ ہے۔ (بہار شریعت تخریج شدہ، دوم، ص ۸۹۹)

چھیج کسے کہتے ہیں اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

مسئلہ:۔ پن چکی میں جب آٹا پیتا ہے کچھ اڑ جاتا ہے پھر وہ زمین پر جمع ہو جاتا ہے صحیح یہ ہے کہ یہ آٹا جو اٹھا لے اسی کا ہے۔

افادہ:۔ آج کل عموماً چکی والوں نے قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جو آٹا پسوانے آتا ہے اسے فی من آدھ سیر یا سیر بھر کم دیتے ہیں کہتے ہیں یہ چھیج ہے اکثر اس سے بہت کم اڑتا ہے اور یہ چھیج کی مقدار بہت زیادہ روزانہ جمع ہو جاتی ہے جس کو وہ بیچتے ہیں یہ ناجائز ہے کہ ملک غیر پر بلا وجہ قبضہ وتصرف ہے صرف اتنا ہی کم ہونا چاہیے جو اڑ گیا اور کچھ دیر کے بعد دیوار وزمین پر جمع ہو جاتا ہے جس کو جھاڑ کر اکٹھا کر لیتے ہیں۔ (بہار شریعت تخریج شدہ، دوم، ص ۱۰۶۴)

نابالغ بچوں کو ہبہ کی ہوئی چیز سے والدین کو کھانا کیسا؟

مسئلہ:۔ ختنہ کی تقریب میں رشتہ داروں کے یہاں سے جوڑے وغیرہ آتے ہیں سہرے پر روپے دیے جاتے ہیں اور جوڑے بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں ان میں سے جن چیزوں کی نسبت معلوم ہو کہ بچہ کے لیے ہیں۔ مثلاً چھوٹے کپڑے جو

بچہ کے مناسب ہیں یہ اسی بچہ کے لیے ہیں ورنہ والدین کے لیے ہیں اگر باپ کے اقربا نے ہدیہ کیا ہے تو باپ کے لیے ہیں ماں کے رشتہ داروں نے ہدیہ کیا ہے تو ماں کے لیے ہیں۔

افادہ:۔ مگر یہاں ہندوستان کا یہ عرف ہے کہ باپ کے کنبہ کے لوگ بھی زنانہ جوڑا بھیجتے ہیں جو ماں کے لیے ہوتا ہے اور نانہال سے بھی مردانہ جوڑا بھیجا جاتا ہے جس کا صاف یہی مقصد ہے کہ مرد کے لیے مردانہ جوڑا ہے اور عورت کے لیے زنانہ اگرچہ کہیں سے آیا ہو، دیگر تقریبات مثلاً بسم اللہ کے موقع پر اور شادی کے موقع پر طرح طرح کے ہدایا آتے ہیں اور وہ چیزیں کس کے لیے ہیں اس کے متعلق جو عرف ہو اُس پر عمل کیا جائے اور اگر بھیجنے والے نے تصریح کردی ہے تو یہ سب سے بڑھ کر ہے چنانچہ تقریبات میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ نام بنام سارے گھر کے لیے جوڑے بھیجے جاتے ہیں بلکہ ملازمین کے لیے بھی جوڑے آتے ہیں اس صورت میں جس کے لیے جو آیا ہے وہی لے سکتا ہے دوسرا نہیں لے سکتا۔ شادی وغیرہ تمام تقریبات میں طرح طرح کی چیزیں بھیجی جاتی ہیں اس کے متعلق ہندوستان میں مختلف قسم کی رسمیں ہر شہر میں ہر قوم میں جدا جدا رسوم ہیں ان کے متعلق ہدیہ اور ہبہ کا حکم ہے یا قرض کا عموماً رواج سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دینے والے یہ چیزیں بطور قرض دیتے ہیں اسی وجہ سے شادیوں میں اور ہر تقریب میں جب روپے دیے جاتے ہیں تو ہر ایک شخص کا نام اور رقم تحریر کرلیتے ہیں جب اس دینے والے کے یہاں تقریب ہوتی ہے تو یہ شخص جس کے یہاں دیا جاچکا ہے فہرست نکالتا ہے اور اتنے روپے ضرور دیتا ہے جو اس نے دیے تھے اور اس کے خلاف کرنے میں سخت بدنامی ہوتی ہے اور موقع پاکر کہتے بھی ہیں کہ نیوتے کا روپیہ نہیں دیا اگر یہ قرض نہ سمجھتے ہوتے تو ایسا عرف نہ ہوتا جو عموماً ہندوستان میں ہے۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص ۷۹)

نابالغ اپنا مال صدقہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ:۔ باپ کو یہ جائز نہیں کہ نابالغ لڑکے کا مال دوسرے لوگوں کو ہبہ کردے اگرچہ معاوضہ لے کر ہبہ کرے کہ یہ بھی ناجائز ہے اور خود بچہ بھی اپنا مال ہبہ کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا یعنی اس نے ہبہ کردیا اور موہوب لہ کو دے دیا اُس سے واپس لیا جائے گا کہ ہبہ جائز ہی نہیں۔

افادہ:۔ یہی حکم صدقہ کا ہے کہ نابالغ اپنا مال نہ خود صدقہ کرسکتا ہے نہ اُس کا باپ۔ یہ بات نہایت یاد رکھنے کی ہے اکثر لوگ نابالغ سے چیز لے کر استعمال کرلیتے ہیں سمجھتے ہیں کہ اس نے دے دی حالانکہ یہ دینا نہ دینے کے حکم میں ہے بعض لوگ دوسرے کے بچہ سے پانی بھروا کر پیتے یا وضو کرتے ہیں یا دوسری طرح استعمال کرتے ہیں یہ ناجائز ہے کہ اُس پانی کا وہ بچہ مالک ہوجاتا ہے اور ہبہ نہیں کرسکتا پھر دوسرے کو اس کا استعمال کیوں کر جائز ہوگا۔ اگر والدین بچہ کو اس لیے چیز دیں کہ یہ لوگوں کو ہبہ کردے یا فقیروں کو صدقہ کردے تاکہ دینے اور صدقہ کرنے کی عادت ہو اور مال و دنیا کی محبت کم ہو تو یہ ہبہ وصدقہ جائز ہے کہ یہاں نابالغ کے مال کا ہبہ وصدقہ نہیں بلکہ باپ کا مال ہے اور بچہ دینے کے لیے وکیل ہے۔ جس طرح عموماً دروازوں پر سائل جب سوال کرتے ہیں تو بچوں ہی سے بھیک دلواتے ہیں۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص ۸۱)

کسی نے اپنے برتن میں کسی کے گھر کچھ بھیجا تو موہوب لہ کو اس برتن سے فائدہ اٹھانا کیسا؟

مسئلہ:۔ کسی کے پاس برتن میں کھانا بھیجا یہ شخص اس برتن میں کھا سکتا ہے یا نہیں اگر وہ کھانا ایسا ہے کہ دوسرے برتن میں لوٹنے سے لذت جاتی رہے گی جیسے ثرید تو اس برتن میں کھا سکتا ہے، اسی طرح ہمارے یہاں شیر برنج ہے کہ دوسرے برتن میں لوٹنے سے اس کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے اور اگر دوسرے برتن میں کرنے سے کھانا بدمزہ نہ ہو تو اگر دونوں میں انبساط (میل) ہو تو اُس میں کھا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ (درمختار) اور اگر عرف یہ ہو کہ وہ ظرف بھی واپس نہ لیا جاتا ہو تو ظرف بھی ہدیہ ہے مثلاً میوے یا مٹھائیاں ٹوکریوں میں بھیجتے ہیں، یہ ٹوکریاں واپس نہیں لی جاتیں یہ بھی ہدیہ ہیں اور جن ظروف کے واپس دینے کا رواج ہو اگر ان کو واپس نہیں کیا ہے تو اس کے پاس امانت کے طور پر ہیں یعنی اُن کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، صرف اتنا کر سکتا ہے کہ ہدیہ کی چیز اس میں کھا سکتا ہے جبکہ دونوں کے مابین انبساط ہو یا اس ہدیہ کو دوسرے برتن میں لوٹنے سے چیز بدمزہ ہو جاتی ہو۔

افادہ:۔ آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت لوگ دوسرے کے برتنوں کو جن میں کوئی چیز آئی اور اُس وقت برتن کسی وجہ سے واپس نہ گئے اپنے گھر کے کام میں لاتے ہیں ان کو اس سے احتراز چاہیے۔ ہمارے ملک میں یہ بھی رواج ہے کہ مٹی کے پیالے میں کھیر بھیجا کرتے ہیں اور میلاد شریف اور فاتحہ یا کسی تقریب میں مٹھائی کے حصے مٹی کی طشتریوں میں بھیجتے ہیں اس میں تمام ملک کا یہی رواج ہے کہ وہ پیالے اور طشتریاں بھی دینا مقصود ہوتا ہے واپس نہیں لیتے لہذا موہوب لہ مالک ہے بلکہ بعض لوگ چینی یا تانبے کی طشتریوں میں حصے بانٹتے ہیں یعنی حصہ مع برتن کے دیدیتے ہیں مگر اس کا رواج نہیں ہے جب تک موہوب لہ سے کہا نہ جائے اس برتن کو نہیں لے سکتا ہے۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص ۱۰۲ تا ۱۰۳)

کس قسم کی بیماری کا علاج نہ کرنے سے مریض گنہگار نہیں؟

مسئلہ:۔ دست آتے ہیں یا آنکھیں دکھتی ہیں یا کوئی دوسری بیماری ہے اس میں علاج نہیں کیا اور مر گیا گنہگار نہیں ہے۔

افادہ:۔ یعنی علاج کرانا ضروری نہیں کہ اگر دوا نہ کرے اور مر جائے تو گنہگار ہوا اور بھوک پیاس میں کھانے پینے کی چیز دستیاب ہو اور نہ کھائے پیے یہاں تک کہ مر جائے تو گنہگار ہے کہ یہاں یقیناً معلوم ہے کہ کھانے پینے سے وہ بات جاتی رہے گی۔ (بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ۵۰۶)

کیا کسی کے مونھ پر برائی کرنا حرام نہیں؟

مسئلہ:۔ کسی کی برائی اس کے سامنے کرنا اگر غیبت میں داخل نہ بھی ہو جبکہ غیبت میں پیٹھ پیچھے برائی کرنا معتبر ہو مگر یہ اس سے بڑھ کر حرام ہے کیونکہ غیبت میں جو وجہ ہے وہ یہ ہے کہ ایذائے مسلم ہے وہ یہاں بدرجۂ اولیٰ پائی جاتی ہے، غیبت میں تو یہ احتمال ہے کہ اسے اطلاع ملے یا نہ ملے، اگر اسے اطلاع نہ ہوئی تو ایذا بھی نہ ہوئی، مگر احتمال ایذا کو یہاں ایذا قرار دے کر شرع مطہر نے حرام کیا اور مونھ پر اس کی مذمت

کرنا توحقیقۃً ایذا ہے پھر یہ کیوں حرام نہ ہو۔

افادہ:۔ بعض لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ تم فلاں کی غیبت کیوں کرتے ہو؟ وہ نہایت دلیری کے ساتھ یہ کہتے ہیں مجھے اس کا ڈرا پڑا ہے چلو میں اس کے منہ پر یہ باتیں کہہ دوں گا ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا غیبت و حرام ہے اور موںھ پر کہو گے تو یہ دوسرا احرام ہوگا، اگر تم اس کے سامنے کہنے کی جرأت رکھتے ہو تو اس کی وجہ سے غیبت حلال نہیں ہوگی۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص ۵۳۷)

داڑھی میں طرح طرح کی تراش خراش کا شرعی حکم:

مسئلہ:۔ داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے، مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے، ہاں ایک مشت سے زائد ہو جائے تو جتنی زیادہ ہے اس کو کٹوا سکتے ہیں۔

افادہ:۔ داڑھی چڑھانا یا اس میں گرہ لگانا جس طرح سکھ وغیرہ کرتے ہیں ناجائز ہے، اس زمانہ میں داڑھی مونچھ میں طرح طرح کی تراش خراش کی جاتی ہے، بعض داڑھی مونچھ کا بالکل صفایا کرا دیتے ہیں، بعض لوگ مونچھوں کی دونوں جانب مونڈ کر بیچ میں ذرا سی باقی رکھتےہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ ناک کے نیچے دو مکھیاں بیٹھی ہیں، کسی کی داڑھی فرنچ کٹ اور کسی کی کرزن فیشن ہوتی ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب نصاری کے اتباع و تقلید میں ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے جذبات ایمانی اتنے زیادہ کمزور ہوگیکہ وہ اپنے وقار و شعار کو کھوتے ہوئے چلے جاتے ہیں ان کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گیے، جب ان کی بے حسی اس درجہ بڑھ گئی اور حمیت و غیرت ایمانی یہاں تک کم ہوگئی کہ دوسری قوموں میں جذب ہوتے جاتے ہیں، پامردی اور استقلال کے ساتھ اسلامی روایات و احکام کی پابندی نہیں کرتے تو ان سے کیا امید ہوسکتی ہے کہ اسلامی احکام کا احترام کرائیں گے اور حقوق مسلمین کی حفاظت کریں گے۔ مسلم کے ہر فرد کو تعلیمات اسلام کا مجسمہ ہونا چاہیے، اخلاق سلف صالحین کا نمونہ ہونا چاہیے، اسلامی شعار کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ دوسری قوموں پر اس کا اثر پڑے۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص ۵۸۵)

مردوں کو سر کے بال منڈانا ضروری ہے یا کٹوا بھی سکتے ہیں؟

مسئلہ:۔ مرد کو اختیار ہے کہ سر کے بال منڈائے یا بڑھائے اور مانگ نکالے۔

افادہ:۔ حضور اقدس صلی الہ علی علیہ وسلم سے دونوں چیزیں ثابت ہیں۔ اگرچہ منڈانا صرف احرام سے باہر ہونے کے وقت ثابت ہے۔ دیگر اوقات میں مونڈ انا ثابت نہیں۔ ہاں بعض صحابہ سے مونڈانا ثابت ہے مثلاً حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالی عنہ بطور عادت مونڈ ایا کرتے تھے، حضور اقدس صلی الہ علی علیہ وسلم کے موئے مبارک کبھی نصف کان تک، کبھی کان کی لو تک ہوتے اور جب بڑھ جاتے تو شانہ مبارک سے چھو جاتے اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بیچ سر میں مانگ نکالتے۔ مرد کو یہ جائز نہیں کہ عورتوں کی طرح بال بڑھائے بعض صوفی بننے والے لمبی لمبی لٹیں بڑھا لیتے ہیں جو ان کے سینہ پر سانپ کی طرح لہراتی ہیں اور بعض چوٹیاں گوندتے ہیں

یا جوڑے بنا لیتے ہیں، یہ سب ناجائز کام اور خلاف شرع ہیں، تصوف بالوں کے بڑھانے اور رنگے ہوئے کپڑے پہننے کا نام نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی پوری پیروی کرنے اور خواہشات نفس کو مٹانے کا نام ہے۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص ۵۸۶)

گردن کے بال مونڈنا کب مکروہ ہے؟

مسئلہ:۔ گردن کے بال مونڈنا مکروہ ہے۔

افادہ:۔ یعنی جب سر کے بال نہ مونڈائیں صرف گردن ہی کے مونڈائیں، جیسا کہ بہت سے لوگ خط بنوانے میں گردن کے بال بھی مونڈاتے ہیں اور اگر پورے سر کے بال مونڈا دیے تو اس کے ساتھ گردن کے بال بھی مونڈ دیے جائیں۔ آج کل سر پر گھارر کھنے کا رواج بہت زیادہ ہو گیا ہے کہ سب طرف سے بال نہایت چھوٹے چھوٹے اور بیچ میں بڑے بال ہوتے ہیں، یہ بھی نصاری کی تقلید میں ہے اور ناجائز ہے پھر ان بالوں میں بعض داہنے یا بائیں جانب مانگ نکالتے ہیں یہ بھی سنت کے خلاف ہے، سنت یہ ہے کہ بال ہوں تو بیچ میں مانگ نکالی جائے اور بعض مانگ نہیں نکالتے سیدھے رکھتے ہیں یہ بھی سنت منسوخہ اور یہود و نصاری کا طریقہ ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نہ پورے بال رکھتے ہیں نہ مونڈاتے ہیں بلکہ قینچی یا مشین سے بال کترواتے ہیں یہ ناجائز نہیں مگر افضل و بہتر وہی ہے کہ مونڈائے یا بال رکھے۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص ۵۸۷)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مختلف مراتب:

مسئلہ:۔ امرا کے ذمہ امر بالمعروف ہاتھ سے ہے کہ اپنی قوت وسطوت سے اس کام کو روک دیں اور علما کے ذمہ زبان سے ہے کہ اچھی بات کرنے کو اور بری بات سے باز رہنے کو زبان سے کہہ دیں اور عوام الناس کے ذمہ دل سے برا جاننا ہے۔

افادہ:۔ اس کا مقصد وہی ہے جو حدیث میں فرمایا کہ جو بری بات دیکھے، اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ہاتھ سے بدلنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے بدل دے یعنی زبان سے اس کا برا ہونا ظاہر کر دے اور منع کر دے اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور مرتبہ ہے، یہاں عوام سے مراد وہ لوگ ہیں کہ ان میں نہ ہاتھ سے روکنے کی ہمت ہے اور نہ زبان سے منع کرنے کی جرات۔ قوم کے چودھری اور زمیندار وغیرہ بہت سے عوام ایسی حیثیت رکھتے ہیں کہ ہاتھ سے روک سکتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ روکیں ایسوں کے لیے فقط دل سے برا جاننا کافی نہیں۔ (بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص ۶۱۵ تا ۶۱۶)

قرض لے کر اپنا مکان قرض دینے والے کو رہنے کے لیے دینا کیسا؟

مسئلہ:۔ ایک شخص سے روپیہ قرض لیا اور اس نے اپنا مکان رہنے کو دے دیا کہ جب تک قرض ادا نہ کر دوں تم اس میں رہو یا کھیت اسی طرح دیا مثلاً ۱۰۰ سو روپے قرض لے کر کھیت دے دیا کہ قرض دینے والا کھیت جوتے بوئے گا اور نفع اٹھائے گا یہ صورت رہن میں داخل نہیں بلکہ یہ بمنزلہ

اجارہ فاسدہ ہے۔ اس شخص پر اجرت مثل لازم ہے کیونکہ مکان یا کھیت اسے مفت نہیں دے رہا ہے بلکہ قرض کی وجہ سے دے رہا ہے اور چونکہ قرض سے انتفاع حرام ہے لہذا اجرت مثل دینی ہوئی۔

افادہ:۔ بعض لوگ قرض لے کر مکان یا کھیت رہن رکھ دیتے ہیں کہ مرتہن مکان میں رہے اور کھیت کو جوتے بوئے اور مکان یا کھیت کی کچھ اجرت مقرر کر دیتے ہیں مثلاً مکان کا کرایہ پانچ روپے ماہوار یا کھیت کا پٹہ دس روپے سال ہونا چاہیے اور طے یہ پاتا ہے کہ یہ رقم زر قرض سے مجرا ہوتی رہے گی جب کل رقم ادا ہو جائے گی اس وقت مکان یا کھیت واپس ہو جائے گا اس صورت میں بظاہر کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی اگر چہ کرایہ یا پٹہ واجبی اجرت سے کم طے پایا ہو اور یہ صورت اجارہ میں داخل ہے یعنی اتنے زمانہ کے لیے مکان یا کھیت اجرت پر دیا اور زر اجرت پیشگی لے لیا۔ (بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص۷۰۳)

کوئی چیز اسلامی قانون میں منع ہو اور انگریزی قانون اس کی اجازت دے تو اسے کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ:۔ مرتہن نے بغیر اجازت راہن رہن کو اجارہ پر سال بھر کے لیے دیا اور سال پورا ہونے کے بعد راہن نے اجازت دی یہ اجازت صحیح نہیں لہذا مرتہن رہن کو واپس لے سکتا ہے اور چھ ماہ گزرنے کے بعد اجازت دی تو اجازت صحیح ہے۔ پہلی صورت میں پوری اجرت مرتہن کی ہے جس کو صدقہ کرے اور دوسری صورت میں نصف اجرت راہن کی ہے اور نصف مرتہن کی، مرتہن کو جو ملی صدقہ کر دے اور اس دوسری صورت میں چیز کو مرتہن رہن میں واپس نہیں لے سکتا۔

افادہ:۔ اس زمانہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کھیت یا مکان رہن رکھ لیتے ہیں پھر مرتہن مکان کو کرایہ پر اُٹھا دیتا ہے اور کھیت کو لگان اور پٹے پر دے دیا کرتا ہے اور اس کرایہ یا لگان کو خود کھاتا ہے اس کا سود ہونا تو ظاہر ہے کہ قرض کے ذریعہ سے نفع اٹھاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بتانا بھی ہے کہ اگر راہن سے اجازت حاصل نہیں کی ہے تو اس کی ملک میں ایک ناجائز تصرف ہے اور یہ بھی گناہ ہے اور اگر اجازت لے لی ہے تو رہن ہی ختم ہو گیا اس کے بعد مرتہن کا اس چیز پر قبضہ ناجائز قبضہ اور غاصبانہ قبضہ ہے، یہ بھی حرام ہے۔ مرتہن پر لازم ہے کہ ایسے گناہ کے کاموں سے پرہیز کرے یہ نہ دیکھے کہ انگریزی قانون ہمیں اس قسم کی اجازت دے رہا ہے بلکہ مسلمان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ شریعت کا قانون ہمیں اجازت دیتا ہے یا نہیں، قانون شریعت تمہارے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ نافع ہے انگریزی قانون سے اگر تمہیں کچھ نفع پہنچ سکتا ہے تو صرف دنیا ہی میں اور اگر وہ خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہے تو سخت ٹوٹا اور نقصان ہے۔

(بہار شریعت تخریج شدہ، سوم، ص۷۳۱ تا ۷۳۲)

عقیدت کیش

مشتاق احمد امجدی غفرلہ

خادم فقہ وفتاویٰ: ازہری دارالافتا، ناسک

پرنسپل: امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر، ناسک

8830789911

صدر الشریعہ کی
علم حدیث میں مہارت
کشف الاستار کے حوالے سے

علامہ عارف اللہ صاحب
شیخ الادب مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ مئو

''کشف الاستار'' احادیث احکام کی مشہور و معروف کتاب ''شرح معانی الآثار'' کا ایک ایسا جامع حاشیہ ہے جس کے محشی حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس میں بے جا تطویل اور حاشیے کو ضخیم بنا کر علمی حلقوں میں اپنا رعب و دبدبہ قائم کرنے کے جذبے سے مکمل احتراز کرتے ہوئے انتہائی اختصار و جامعیت کے ساتھ وہ سارے امور ذکر کر دیے ہیں جو ایک تحقیقی وتنقیدی حاشیے کے لوازم گردانے جاسکتے ہیں۔ اس میں شرح معانی الآثار میں وارد احادیث کی دوسری کتب احادیث سے تخریج، درجات حدیث کی تعیین، راوی حدیث کی توثیق یا تضعیف، دو متعارض حدیثوں کے درمیان تطبیق، احادیث صحیحہ کی روشنی میں اپنے مذہب کی تائید و توثیق، ضرورت ہونے پر حدیث کے مفہوم و مطلب کی دل نشین اور قابل فہم توضیح، شراح حدیث کی لغزشوں پر تنبیہ، حدیث سے مستفاد فوائد و مسائل کا بیان، امام طحاوی کی کسی مغلق اور پیچیدہ عبارت کی آسان تشریح و تفہیم، یا ان کے کسی قول کی مناسب اور معقول توجیہ، مذہب حنفی پر وارد ہونے والے اعتراضات کے تحقیقی جوابات، فقہی مسائل میں راجح قول کی نشان دہی اور اس کی دلائل منقول و معقول سے تائید و تقویت، اپنی تحقیقات کا ذکر اور انھیں جیسی اور بہت سی قیمتی اور گراں قدر معلومات کا ذخیرہ سمو دیا گیا ہے۔

میں اپنی بے مائیگی علم کا اعتراف کرتے ہوئے یہاں صرف چند امور کے ذکر پر اکتفا کروں گا، اہل علم و نظر سے گزارش ہے کہ وہ بھرپور استفادے کے لیے بذات خود اس کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔

تخریج احادیث، ان کے مراتب کا بیان، روایتوں میں اختلاف الفاظ ہونے کی صورت میں ان مختلف الفاظ کا بیان۔

شرح معانی الآثار کے باب الوضوء للصلوة مرة مرة و ثلثا ثلثا میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِوُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرةً مرة أَوْ قَالَ تَوَضَّأَ مَرَّةً کی تخریج ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الحديث مما تفرد به البخاری عن مسلم و اخرجه الاربعة فأبو داؤد عن مُسَدَّد عَنْ يَحيىٰ عن سفيان عن زيد بن

أسلم عن عطاء بن يَسَار عن ابن عباس، والترمذی عن محمد بن بَشَّار عن یحییٰ به، وعن قتيبةَ وَهَنَّاد وأبی كُرَيْبٍ وَثَلَاثَتِهِمْ عن وكيع عن سفيان به، والنسائی عن محمد بن مُثَنّٰی عن یحییٰ به، وابن ماجةَ عن أبی بكر بن خَلَّادِ الباهلیّ عن یحییٰ بإسناده، وأيضا. الكُلُّ أَخْرَجُوه فی كتاب الطهارة وقال الترمذی عقِيبَ إخراجِهِ وفی الباب عن عمر وجابر و بريدةَ وأبی رافع وابن الفاكهة وحديث ابن عباس أحسن شئی فی الباب قلت: لاجرَمَ اقتصر عليه البخاري.

ترجمہ:۔ یہ حدیث بھی شیخین میں سے تنہا امام بخاری نے روایت کی، امام مسلم نے روایت نہیں کی، ہاں چاروں ائمہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تخریج کی ہے، چنانچہ ابوداؤد نے سدد سے، مسدد نے یحییٰ سے، یحییٰ نے سفیان ثوری سے، سفیان نے زید بن اسلم سے، زید نے عطاء بن یسار سے اور عطاء نے حضرت ابن عباس سے۔ ترمذی نے محمد بن بشار سے، محمد بن بشار نے یحییٰ سے ان کی سند کے ساتھ اور انھیں ترمذی نے قتیبہ، ہناد اور ابوکریب سے، پھر ان تینوں نے وکیع بن الجراح سے اور وکیع نے سفیان سے ان کی سند کے ساتھ۔ نسائی نے محمد بن مثنیٰ سے اور محمد بن مثنیٰ نے یحییٰ سے ان کی اسناد کے ساتھ۔ اور ابن ماجہ نے ابوبکر بن خلاد باہلی سے اور ابوبکر بن خلاد نے یحییٰ سے ان کی اسناد کے ساتھ تخریج کی، پھر ان سبھی حضرات نے اس حدیث کو کتاب الطہارۃ میں تخریج کیا، اور بعد تخریج امام ترمذی نے فرمایا: اس باب میں حضرت عمر، حضرت جابر، حضرت بریدہ، حضرت ابورافع اور حضرت ابن الفاکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی احادیث بھی ہیں، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث اس باب کی احسن حدیث ہے۔

میں کہتا ہوں: "امام بخاری نے یقیناً اسی وجہ سے حدیث عبداللہ بن عباس پر اکتفا کیا"

(حاشیہ نمبر ۸، ص ۵۷، ۵۸۔ کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار، اول)

☆"باب حكم الأذنين فی وضوء الصلوة"

میں حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء کی حدیث إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَأ عِنْدَهَا فَمَسَحَ رَأسَه علىٰ مَجَارِى الشَّعْرِ وَمَسَحَ صُدْغَيْه وَأذنَيْهِ ظَاهِرَهُمَا وَبَاطِنَهُمَا" کی تخریج ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی کے حوالے سے اس کا حسن ہونا بھی ذکر فرمادیا ہے۔

لکھتے ہیں:

رَوَاه ابن مَاجةَ وَأَبُوْدَاوُدَ بِطُرُقٍ كَثِيْرةٍ، وَالطَّبَرَانِي وَالتِّرْمِذِیُ وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْث حسن

اس حدیث کو ابن ماجہ و ترمذی نے بطرق کثیرہ اور طبرانی و ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

☆"باب فرض الرجلين فی وضوء الصلوة" ص ۷۱ پر مذکور حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث انه كان جالسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم ألخ کا درجہ علامہ عینی کے حوالے سے متعین

کرتے ہوئے لکھتے ہیں: هذا الحديث حَسَّنَه أبوعلی الطوسی الحافظ، وأبوعيسى الترمذی وأبوبكر البزار، وصَحَّحَه الحافظ، وابن حبان وابن حزم، اس حدیث کو حافظ حدیث ابوعلی طوسی، ابوعیسیٰ ترمذی اور ابوبکر بزار نے حسن قرار دیا اور حافظ ابن حجر اور ابن حبان وابن حزم نے اس کو صحیح کہا، پھر امام عینی نے کہا: ابن قطان نے کہا کہ اس کی اسناد میں یحییٰ بن علی بن خلاد مجہول ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ ابن قطان کے اس دعوے کو ان لوگوں کا قول مخدوش کر رہا ہے جنھوں نے اس حدیث کو صحیح یا حسن کہا ہے اور ابن حبان نے یحییٰ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

☆حضرت مقدام بن معدی کرب کی حدیث رأيت رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يتوضأ فلما بلغ مسحَ رأسه ،الخ کی تخریج ذکر کرنے کے بعد اسی حدیث کی دوسری روایت میں آئی ہوئی زیادتی سے آگاہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: وقال أبوداؤد وزاد هِشام وأدخلَ أَصَابِعَه فی صِمَاخِ أذنَيْه. ابوداؤد نے کہا: ہشام نے اس حدیث میں "وأدخل أصابعه فی صماخ أذنيه" کا اضافہ فرمایا ہے یعنی حضور نے اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں اپنی انگلیاں داخل فرمائیں۔

☆"باب الرجل يخرج مِنْ ذَكره المذى كيف يَفْعَلُ؟" میں حضرت رافع بن خدیج کی حدیث أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ عَمَّارً أَنْ يَّسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،الخ کے مختلف طرق میں موجود اختلاف الفاظ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: هذا الحديث رواه الجماعة فی بعض طرقه مذاكره وفی بعضها ذكره وانثييه وفی بعضها ذكره وفی بعضها فيه الوضوء وفی بعضها توضأ واغسله وفی بعضها توضأ وانضح فرجک" اس حدیث کو جماعت محدثین نے روایت کی۔

اس کے بعض طرق میں "مذاكيره" بعض میں "ذكره وانثييه" مذی نکلنے پر اپنے ذکر اور دونوں خصیوں کو دھوئیے۔ بعض میں "ذكره" اپنے ذکر کو دھوئیے، بعض میں "فيه الوضوء" اس میں (یعنی مذی نکلنے کی صورت میں) وضو ہے، بعض میں "توضأ واغسله" وضو کر اور ذکر کو دھولے، اور بعض میں "توضأ وانضح فرجک" ہے، یعنی وضو کر لے اور اپنی شرم گاہ (ذکر) پر پانی چھڑک لے۔

حدیثی اصول کے مطابق، حدیث کے موقوف ہونے پر اس کے مرفوع ہونے کو ترجیح اور دوسرے ائمہ کا رد۔

☆شہر بن حوشب سے مروی، حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ أذنَيْهِ مَعَ الرأس" کے آخری ٹکڑے "وقال: الأذنان مِنَ الرأس" کے متعلق امام ترمذی نے قتیبہ کا یہ قول نقل کیا کہ حماد کا کہنا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے یا ابوامامہ باہلی کا۔ بیہقی نے کہا: حماد سے قتیبہ کی جو روایت ہے اس میں حماد کو اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے، اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے یا حضرت ابوامامہ کا۔ سلیمان بن حرب اسے حماد سے روایت کرتے اور کہتے کہ یہ ابوامامہ کا قول ہے۔ اور شہر بن حوشب کو ضعیف بھی قرار دیا گیا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

حماد سے یہ مرفوعاً بھی مروی ہے اور موقوفاً بھی۔

چنانچہ ابوالربیع نے حماد سے اسے مرفوعاً روایت کیا اور کہا: میں نے اپنی دانست کے مطابق جن جن لوگوں سے اس کا سماع کیا انھوں نے اسے مرفوعاً روایت کیا، اسی طرح حماد سے مسدد کی روایت بھی مختلف ہے، ایک روایت مرفوع ہے تو دوسری موقوف۔ اور ضابطہ ہے کہ جب کوئی ثقہ راوی ایک حدیث کو مرفوعاً روایت کرے اور دوسرا ثقہ روی اسے موقوف قرار دے، یا ایک ہی ثقہ راوی ایک ہی حدیث کو مرفوع اور موقوف دونوں طرق سے روایت کرے تو رفع کو تقدیم وترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ یہ ایک ''زیادت'' ہے۔

(باب حکم الأذنین فی وضوء الصلوۃ، ص ۷۶۶)

راوی کی تعیین، یا غلطی پر تنبیہ:

☆ ''تخریج احادیث'' کے تحت درج حدیث عبداللہ بن عباس کے سلسلہ رواۃ میں ''سفیان'' مطلقاً مذکور ہے جس سے علم الحدیث سے تعلق رکھنے والے شخص کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس سے کون متعین راوی مراد ہیں، سفیان ثوری یا سفیان بن عیینہ۔ اسی لیے حضرت صدر الشریعہ نے تصریح فرمائی کہ اس سے مراد سفیان ثوری ہیں۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

سفیان وھو الثوری فإن الترمذی صرح بروایة الثوری عن زید بن اسلم عن عطاء عن ابن عباس، وکذلک صرح الحافظ فی فتح الباری، وصرح ابوداؤد والاسمعیلی فی روایتھما لسماع سفیان له من زید بن اسلم، وقال العینی سفیان اما ابن عیینة وإما الثوری لکن الراجح أنه الثوری لأن أبانعیم صرح به فی کتابه،

ترجمہ: یہاں سفیان سے مراد سفیان ثوری ہیں، کیوں کہ ترمذی نے اس حدیث کی اپنی تخریج میں یہ صراحت فرمادی ہے کہ سفیان ثوری نے زید بن اسلم سے، زید نے عطا سے اور عطا نے حضرت ابن عباس سے یہ حدیث روایت کی۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس کی تصریح فرمائی ہے، ابوداؤد اور اسماعیلی نے اپنی اپنی روایتوں میں صاف صاف بیان کیا ہے کہ سفیان ثوری کو زید بن اسلم سے اس حدیث کا سماع حاصل ہے، امام عینی نے فرمایا: یہاں سفیان سے مراد یا تو سفیان بن عیینہ ہیں یا سفیان ثوری۔ لیکن راجح یہ ہے کہ مراد سفیان ثوری ہیں کیوں کہ ابونعیم نے اپنی کتاب میں اس کی تصریح کی ہے۔

(ص ۵۷، حاشیہ نمبر ۶، اول)

☆ دو انصاری صحابی ایسے ہیں جن کے نام اور جن کے باپوں کے نام ایک ہونے کے ساتھ دونوں کا قبیلہ بھی ایک ہے، مگر دونوں اپنے اپنے دادا اور قبیلے کے بطن میں باہم جدا ہیں، ایک قبیلۂ خزرج کی شاخ مازن سے جب کہ دوسرے اسی قبیلے کی ایک اور شاخ حارث سے تعلق رکھتے ہیں۔ شرح معانی الآثار کے "باب فرض مسح الرأس فی الوضوء" میں حدیث اَنَّهُ أخذ بِيَدِهٖ فِیْ وُضُوْءٍ ہ لِلصَّلٰوۃِ مَاءً فَبَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَاسِهٖ، الخ کے راوی حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب مازنی ہیں جب کہ دوسرے صحابی کا نام حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ حارثی ہے۔

مگر حضرت سفیان بن عیینہ جیسے حافظ حدیث کو وہم ہوگیا اور انھوں نے دونوں کو ایک ہی ذات سمجھ لیا اس لیے حضرت صدرالشریعہ نے اس چوک پر تنبیہ فرمائی تا کہ کوئی طالب حدیث نبوی غلطی میں نہ پڑے۔ فرماتے ہیں:

عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ زَیْدِ بْنِ عَاصِمٍ ھُوَ غَیرُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنُ زَیْد بن عبدر به الذی أری الاذان فی المنام ووھم من قال باتمادھما قال النوی! عبداللّٰہ بن زید بن عاصم ھُوَ غیر عبداللّٰہ بن زید بن عبد ربه صاحب الأذان کذا قاله الحفاظ مِنَ المتأخرین والمتقدمین، وَغلّطُوا سفیان بن عُیَیْنَۃَ فِی قَوْله ھُوَ ھُوَ فِیْمَنْ نصّ علیٰ غَلطهٖ فِی ذٰلک البخاری فی کتاب الإستسقاءِ مِن صحیحه وقد قِیْلَ إنَّ صَاحِبَ الأذان لا یُعْرَفُ لَه غیرُ حدیثِ الأذانِ وَاللّٰہُ أعلم.

ترجمہ: یہاں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے مراد حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ نہیں جنھیں خواب میں کلمات اذان سے باخبر کیا گیا۔ اور جس نے یہ کہا کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اسے وہم ہوا، علامہ نووی نے کہا: حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم اور حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ صاحب اذان، دونوں جداگانہ شخصیتیں ہیں، یہی متاخرین و متقدمین حفاظ کا قول ہے، اسی لیے انھوں نے سفیان بن عیینہ کی اس بات کو غلط قرار دیا کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں اور ان کو غلط قرار دینے والوں میں امام بخاری بھی ہیں جنھوں نے اپنی صحیح کی کتاب الاستسقاء میں ان کی اس غلطی کا ذکر کیا، کہا گیا کہ صاحب اذان حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے حدیث اذان کے علاوہ اور کوئی حدیث مروی نہیں۔

اس کے لیے حضرت نے علامہ عینی کا ایک تفصیلی و تحقیقی حوالہ بھی درج فرمایا ہے جس سے بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ دونوں دو الگ شخصیتیں ہیں۔ (ص ۵۹، حاشیہ نمبر ۲، اول)

☆ حضرت معاویہ کی حدیث أَنَّه أَرَاھُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إلخ، کے ایک راوی کا نام، امام طحاوی نے ''ابوالولید بن مسلم'' ذکر کیا ہے جو صحیح نہیں بلکہ ان کا صحیح نام ''ولید بن مسلم'' ہے، اس پر تنبیہ کرتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے ہیں: ''وَفِی رِوَایَۃِ أَبِی دَاوٗدَ الولیدُ بن مُسلم، وھٰذا ھو الصَّوَابُ'' ابوداؤد کی روایت میں ولید بن مسلم ہے، اور یہی درست ہے۔

☆ ص: ۶۵ پر ایک راوی حریز بن عثمان کا ذکر ہے، کاتب نے غلطی سے ان کا نام جیم کے ساتھ جریر لکھ دیا، آپ نے اس کی غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے لکھا ''جریر بالجیم خطأ مِن الکاتب'' جریر جیم کے ساتھ کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہے۔

<u>درجۂ راوی کی تعیین:</u>

☆ پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ شہر بن حوشب کے ضعیف ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ حضرت صدرالشریعہ نے اس بے جا جرح کا زور دار جواب دیا ہے۔ لکھتے ہیں: جہاں تک شہر بن حوشب کی تضعیف کا تعلق ہے تو یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں، ابوزرعہ،

امام احمد بن حنبل، یحییٰ، عجلی، یعقوب بن شیبہ اور سنان بن ربیعہ جیسے نامور اور معتمد ناقدین حدیث ورجال نے انھیں ثقہ کہا۔امام مسلم نے ان کی روایات کی تخریج دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر فرمائی۔امام ترمذی نے بھی حضرت ام سلمہ سے ان کی روایت کردہ یہ حدیث تخریج کی اور اسے حسن صحیح قرار دیا:

عَنْ اُم سلمۃَ اَنَّ النَبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَّلَ الحسَنَ، والحُسَیْنَ، وَعَلِیًّا، وَفَاطِمَۃَ رضی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمْ کِسَاءً ثُمَّ قَالَ: اَللّٰھُمَ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِی، الخ.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین اور علی و فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک چادر سے ڈھانکنے کے بعد فرمایا: اے اللہ یہ مرے اہل بیت ہیں۔

انھیں امام ترمذی نے "باب ما جاء لا وصیۃ لوارث" میں اشہر بن حوشب کی یہ حدیث بھی تخریج کی اور اسے بھی حسن صحیح قرار دیا۔

"عَن عمرو بن خارجۃَ اِنَّ النبیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطَبَ عَلیٰ نَاقَتِہٖ وَاَنَا تَحْتَ جِرَانِھَا وَھی تَقْصَعُ بِجِرَّتِھَا، وَاِنَّ لُعَابَھَا یَسِیْلُ بَیْنَ کُتِفَیَّ فَسِمعتہ یقولُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اَعْطیٰ کُلَّ ذِی حَقٍ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ، والولدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاھِرِ الحَجَرُ. ھٰذا حَدِیْث حسن صحیح".

حضرت عمرو بن خارجہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کی پشت سے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، میں اس وقت اونٹنی کی گردن کے نیچے تھا، وہ جگالی کر رہی تھی اور اس کی رال میرے دونوں شانوں کے درمیان بہ رہی تھی، میں نے حضور کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ بزرگ و برتر نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے اس لیے قریب مرگ شخص کا کسی وارث کے لیے اپنے مال میں وصیت کرنی جائز نہیں، بچہ شوہر کا ہوگا اور زنا کار کے لیے پتھر کے سوا کچھ نہیں۔

ابن القطان نے کہا: میں نے ضعیف قرار دینے والوں سے ان کے ضعیف ہونے کی کوئی حجت اور دلیل نہیں سنی، ان سے متعلق جو بھی باتیں ان لوگوں نے ذکر کیں یا تو وہ صحیح نہیں یا وہ مخرج حدیث کے خلاف پڑتی ہیں جو ان کے لیے بالکل ضرر رساں نہیں، رہا یہ الزام کہ انھوں نے کسی کا تھیلا رکھ لیا تھا تو یہ محض جھوٹ اور ایک شاعر کی افترا پردازی ہے جس نے لوگوں کی نگاہوں میں انھیں معیوب بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

(ص ٦٦، حاشیہ نمبر ٩، جلد اول)

☆طلحہ بن مصرف بن عمرو ہمدانی یامی کی توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ابن معین، ابوحاتم اور عجلی نے کہ: ثقہ ہیں، ابومعشر نے کہ: انھوں نے اپنے بعد اپنا کوئی ثانی نہ چھوڑا اور ان کی تعریف کی، عبداللہ بن ادریس نے کہا: میں نے اعمش کو طلحہ کے علاوہ کسی بھی ایسے شخص کی تعریف کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس سے انھوں نے ملاقات کی ہو، ابن ادریس نے کہا: لوگ انھیں سرآمد قرا کہتے تھے۔عجلی نے کہا: وہ عثمانی تھے او راہل کوفہ میں سب سے بڑے قاریوں اور سب سے نیک لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے، حکم بن عتبہ کے گھر پر قرا کا اجتماع ہوا اور ان سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ وہ تمام باشندگان کوفہ میں سب سے بڑے قاری ہیں۔لیکن جب یہ بات طلحہ تک پہنچی تو وہ آئندہ صبح اعمش سے اکتساب علم کے

لیےان کے پاس جا پہنچے تا کہ یہ نام ان کی ذات کے ساتھ باقی نہ رہے۔(ص ۶۰،حاشیہ نمبر۵،اول)

☆لیث بن ابی سلیم کی تضعیف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:وَأَمَّا لَيْثُ بْنُ أَبِىْ سليم فِى هٰذا السَّنَد فهو أيضاً ضَعِيْف. قَالَ النووى: ضَعَّفَه الجماهير، قالوا اخْتَلَطَ وَاضْطَرَبَتْ أَحَادِيْثُهٗ.

اس سند میں مذکور لیث بن ابی سلیم بھی ضعیف ہیں۔ نووی نے کہا انھیں جمہور اصحاب جرح وتعدیل نے ضعیف کہا، اور کہا کہ ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا اور ان کی احادیث میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔(ص ۶۱،حاشیہ نمبر۶،اول)

دو متعارض حدیثوں میں تطبیق:

"باب التسمية على الوضوء" میں حضرت مہاجر بن قنفذ کا بیان ہے:

أَنَّه سَلَّمَ عَلىٰ رَسُوْلِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَوَضَّأ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْه، فلما فَرَغَ مِنْ وُضُوْئِهٖ قَالَ إِنَّه لَمْ يَمْنَعْنِىْ أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ إِلَّا أَنِّىْ كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللهَ إِلَّا عَلىٰ طَهَارَةٍ"

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے وضو کرنے کے دوران سلام عرض کیا تو آپ نے اس کا جواب نہ دیا، پھر جب وضو سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے صرف یہ بات مانع ہوئی کہ میں نے بے طہارت اللہ کا ذکر کرنے کو ناپسند کیا۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بے طہارت دعا کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔اس کے برخلاف صدر الشریعہ نے اپنے حاشیہ نمبر۸ ص ۵۱،۵۲ پر مندرجہ ذیل دو ایسی حدیثیں بھی ذکر فرمائی ہیں جن سے حضور کا بے طہارت بھی دعا کرنا ثابت ہے۔

☆حضرت عائشہ کہتی ہیں: إِنَّه كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلاءِ يَقُوْلُ غُفْرَانَكَ، أخرجه أبوداؤد وصححه الحاكم وأبوحاتم، وابن خزيمة وابن حبان. حضور جب بیت الخلا سے باہر آتے تو کہتے: خدایا ہمیں تیری مغفرت درکار ہے۔

☆حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ "كَانَ يَقُوْلُ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلاء "أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ أَذْهَبَ عَنِّىَ الْأَذٰى وَعَافَانِىْ" حضور جب بیت الخلا سے نکلتے تو کہتے "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے بول و براز کو دور فرمایا اور مجھ کو صحت و عافیت عطا فرمائی۔

حضرت صدر الشریعہ ان احادیث کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قُلْتُ: الذِكْرُ عَلىٰ نَوْعَيْنِ مختص بِوَقْتٍ ، وغير مختص، فالذكرُ المختص يأتى به فى وقته سَوَاءٌ كَانَ مُحْدِثًا أَوْ طَاهِرًا، وَأَمَّا السَّلَامُ فَلَيْسَ له وَقْت مختص فَلَوْ أَخَّرَ إِلَى الطَّهَارَةِ بِشرطِ أَنْ لَا يَفُوْتَ فَهُوَ أَفْضَلُ.

میں کہتا ہوں: ذکر کی دو قسمیں ہیں(۱)وہ ذکر جو کسی وقت کے ساتھ خاص ہو،(۲)وہ ذکر جو کسی وقت کے ساتھ مختص نہ ہو، پہلی قسم کا ذکر، ذاکر اس کے خاص وقت میں ہی کرے گا، خواہ وہ محدث ہو یا طاہر، لیکن چونکہ سلام ایسا ذکر ہے جس کا کوئی وقت مخصوص نہیں اس لیے اس کے فوت نہ

ہونے کی شرط کے ساتھ اگر اسے پاک ہونے تک مؤخر کردے تو یہ افضل ہے"۔

تائید مذہب:

"باب فرض مسح الرأس فی الوضوء" میں امام طحاوی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث تخریج فرمائی "إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَعَلَيْهِ عَمَامَةٌ، فَمَسَحَ عَلیٰ عمامته، وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ" حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر پر عمامہ پہنے ہوئے وضو فرمایا تو چہرہ اور ہاتھ کو دھونے کے بعد اپنے عمامہ پر مسح فرمایا اور اپنے سر کے چوتھائی حصے کا مسح فرمایا:

اس حدیث میں "فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ" کی بنیاد پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اے حنفیو! آپ لوگوں نے اسی حدیث کو اس بات کی دلیل بنایا ہے کہ سر کا مسح، چوتھائی سر کی مقدار ہے لیکن حدیث کے باقی حصہ یعنی "مَسح عمامه" پر عمل کو آپ لوگوں نے ترک کردیا۔

اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر ہم پوری حدیث پر عمل کریں گے تو خبر واحد سے نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں، رہا مسح سر کا مسئلہ تو یہ کتاب یعنی قرآن کریم سے ثابت ہے اس لیے خبر واحد سے نص قرآن پر زیادتی لازم نہ آئے گی، اور جہاں تک حضور کے اپنے عمامے پر مسح فرمانے کا سوال ہے تو بعض علمانے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ "فَمَسَحَ عَلیٰ عِمَامَتِهٖ" سے مراد سر ہے جو زیر عمامہ ہوتا ہے۔

اس طور پر یہ محل پر اسم حال کا اطلاق کیے جانے کی قبیل سے ہوگا، بعض دوسرے علما نے یہ تاویل فرمائی کہ راوی چوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دوری پر تھا اس لیے جب حضور نے عمامے کو اتارے بغیر اپنے سر کا مسح فرمایا تو اس نے یہ گمان کرلیا کہ حضور نے عمامہ پر مسح فرمایا۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: ہمارے اصحاب نے حدیث "مَسَحَ عَلیٰ العِمَامَةِ" کو سب سے بہتر جس بات پر محمول فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ شاید حضور کو کوئی مرض تھا جو سر کھولنے سے مانع تھا، اس لیے عمامہ اس کپھی کی طرح ہوگیا جس پر ضرورتاً مسح کیا جاتا ہے۔ (کذا فی العینی)

امام محمد بن حسن نے موطا میں فرمایا: ہمیں مالک نے خبر دیتے ہوئے بتایا کہ مجھے جابر بن عبد اللہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ ان سے عمامہ پر مسح کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا: یہ مسح جائز نہیں جب تک کہ تری بالوں سے نہ چھو جائے، امام محمد نے ہی فرمایا: ہمیں مالک نے خبر دی، مالک نے کہا ہمیں نافع نے بتایا: میں نے اپنی صغرسنی میں حضرت صفیہ بنت ابی عبید کو وضو کے دوران دیکھا کہ وہ اپنا دوپٹہ اپنے سر سے اتار کر سر کا مسح کر رہی ہیں۔ امام محمد نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، مسح نہ تو دوپٹے پر کیا جائے گا اور نہ عمامے پر۔ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ عمامے پر مسح پہلے کیا جاتا تھا، پھر ترک کردیا گیا، یہی امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ (تفصیل کتاب میں دیکھیں) (ص ۶۲، حاشیہ نمبر ۱۱، اول)

دوسرا اعتراض: اگر تم اعتراض کرو کہ مسح ناصیہ والی حدیث، خبر واحد ہے اس لیے آپ لوگ کیسے اس حدیث سے مقدار ناصیہ کا مسح فرض ہونے کا اثبات کرتے ہیں۔

جواب دوں گا: ہم فرضیت کا اثبات آیت کریمہ "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ" سے کرتے ہیں جو مجمل ہے اور فعل نبی (مقدار ناصیہ کا مسح) اس کا بیان ہے جو اسی آیت کے ساتھ لاحق ہے۔ (ص ۶۲، حاشیہ نمبر ۱۱، اول)

☆مسواک کے بارے میں ہمارے اور شافعیہ کے درمیان اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ دونوں روایتوں (وضو کے وقت اور نماز کے وقت مسواک کرنے کی روایتوں) کے درمیان تطبیق دینے کے لیے ہر وضو اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے۔ ہم کہتے ہیں: مسوک کرنا وضو کے وقت یا منہ سے بدبو زائل کرنے کے لیے مستحب ہے، اور جس روایت میں "عِنْدَ کُلِّ صَلوٰۃٍ" وارد ہے وہ عِنْدَ وُضُوْءِ کُلِّ صَلوٰۃٍ کی تقدیر پر ہے یعنی "لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ وُضُوْءِ کُلِّ صَلوٰۃٍ" اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔ اور ایسی تقدیر کلام عرب میں شائع و عام ہے یوں مسواک کرنا وضو کی سنت ہوگی نہ کہ نماز کی۔ کیوں کہ مسواک کرنے میں مسوڑھے کے زخمی ہونے اور خون نکلنے کا ظن ہوتا ہے جو ناقض وضو ہے تو یہ حرج کا باعث ہوگا اور شریعت نے حرج کو دفع فرمادیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ مروی نہیں کہ آپ نے نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت مسواک فرمایا ہو اس لیے حضور کے قول "عند کل صلوۃ" کو "عند وضوء کل صلوۃ" پر حمل کیا جائے گا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر مسواک کرنا ہر نماز کے وقت مستحب ہوتا تو خلفائے اربعہ نے مسواک کیا ہوتا اور ان سے یہ عمل منقول ہوتا۔ (ص ۹۵، حاشیہ نمبر ۳۰، اول) (مسواک کے سلسلے میں احادیث اسی صفحے پر دیکھیں)

☆ہمارے نزدیک ایک بار پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے، جب کہ شافعیہ کے نزدیک تین بار پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے۔ اس پر شافعیہ کی دو دلیلیں ہیں۔ (۱) یہ لوگ سر کے مسح کو "غَسْلِ اَعْضَا" (اعضائے وضو کو دھونے) پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح وضو میں اعضائے وضو کو تین بار دھویا جاتا ہے اسی طرح تین بار سر کا مسح بھی کیا جائے گا۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو کیا یعنی چہرہ، ہاتھوں اور پیروں کو تین تین بار دھویا اور تین بار سر کا مسح فرمایا۔

حضرت صدر الشریعہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام عینی نے کہا کہ ابن بطال نے کہا: امام شافعی کے خلاف حجت یہی ہے کہ کسی امر مسنون کے ثبوت کے لیے شرع کی حاجت ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں۔ اور حدیث عثمان میں اگرچہ "تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا" ہے، لیکن اس میں یہ بھی تو ہے کہ "حضور نے ایک بار اپنے سر کا مسح فرمایا"۔

کرمانی نے کہا: تین بار مسح کے مسنون ہونے میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ "حضور نے تین بار مسح فرمایا"۔ لیکن حضرت عثمان سے مروی ایک جماعت محدثین کی حدیث میں صرف ایک بار مسح کا ذکر ہے۔ اسی لیے ابوداؤد نے اپنی سنن میں کہا، حضرت عثمان سے

مروی صحیح احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ مسح راس ایک بار ہے۔ کیوں کہ ان احادیث میں ان محدثین نے یہ تو ذکر کیا کہ حضور کا وضو تین تین بار تھا اور یہ بھی کہا کہ حضور نے اپنے سر کا مسح فرمایا لیکن انھوں نے اس میں عدد کا ذکر نہ کیا جس طرح انھوں نے غیر مسح راس میں کیا۔ حضرت عبداللہ بن زید کی ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن زید نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وَ مَسَحَ بِرَأسِهٖ مَرَّةً" "حضور نے ایک بار سر کا مسح فرمایا"۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ، حضرت ابن عباس، حضرت سلمہ بن الاکوع اور ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور کے وضو کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وَمَسَحَ بِرَأسِهٖ مَرَّةً" ان کی احادیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو تکرار مسح راس میں صریح ہو۔ بیہقی نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بوجوہ غریبہ، مسح راس کی تکرار کا ذکر مروی ہے، مگر یہ تمام وجوہ، ثقہ حفاظ حدیث کی روایتوں کے برخلاف ہونے کے سبب اہل معرفت کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔

مسح راس کا باقی اعضا پر قیاس اس سے مسترد ہو جاتا ہے کہ مسح، غُسل کے برخلاف، تخفیف پر مبنی ہے تو اگر اس میں تکرار مشروع قرار دے دی جائے تو یہ بالکل غُسل کی طرح ہو جائے گا اور مسح راس کے بدلے غُسل راس کے مکروہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اگر چہ یہ غُسلِ راس کافی ہو جائے گا۔

(ص ۵۹، ۶۰ حاشیہ نمبر ۵، اول۔ تفصیل حاشیے میں دیکھیں)

توضیح معنی حدیث:

☆ محمد بن یحییٰ بن حبان کی حدیث "قلتُ رأیتَ تَوَضُّأَ ابنِ عمرَ لِکُلِّ صلوۃٍ طاهراً کَانَ او غیرَ طَاهرٍ، عَمَّ ذَاکَ" میں عَمَّ ذَاکَ کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت صدرالشریعہ لکھتے ہیں: امام احمد کی روایت میں عَمَّ ذَاکَ کی جگہ عَمَّنْ أَخذَه ہے۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں: "عَمَّنْ أَخذَه أَرَأَيْتَ" کے معنی سے متعلق ہے اور "أَخذَه" کی ضمیر منصوب متصل اسم اشارہ "هٰذَا" کے معنی میں ہے اور مشار الیہ وضوئے مخصوص ہے، یعنی مجھے بتائیے کہ انھوں نے یہ وضوئے مخصوص کس سے اخذ کیا؟ شرح معانی الآثار کے لفظ "عم ذاک" کی خود تشریح و توضیح فرمائی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: "وَعَلیٰ رَوَایَة الکتاب معناه أخبرنی عن سببِ ذلک، وما وجهه؟"۔ کتاب کی روایت کے مطابق معنی ہے۔ مجھے اس کا سبب بتائیے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ بتائیے۔

(ص ۹۳، حاشیہ نمبر ۲۱، اول)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث "وَیْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" میں "اعقاب" کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قوله للأعقاب ای أصحاب الأعقاب الذین قصروا فی غسله، کما فی قوله تعالی: واسْأَلِ الْقَرْیَةَ ای اَهْلَ الْقَرْیَةِ"۔ یہاں أعقاب سے پہلے أصحاب مقدر ہے تو معنی ہوگا، ہلاکت ہے ان ایڑی والوں کے لیے جنھوں نے انھیں دھونے میں کوتاہی کی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول "واسأل القریة" میں "قریہ" سے پہلے "أهل" مقدر ہے۔ اب معنی ہوگا، بستی والوں سے دریافت کرو۔ (ص ۸۲، ج اول)

☆ حضرت عمرو بن عبسہ کی حدیث میں "اغْتَسَلْتُ

مِنْ عَامَّةِ خَطَايَاکَ" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "أی تَطَهَّرْتَ أَنْتَ وَغُفِرَتْ ذُنُوْبُکَ" تو گناہوں سے پاک ہوجائے گا اور تیرے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

امام طحاوی کی عبارت کی توضیح یا اس کی توجیہ:

امام طحاوی کے قول "وظهور الناصية دليل علىٰ أن بقية الرأس، الخ" کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: یہ ایک دخلِ مقدر کا رد ہے۔ دخل مقدر کی تقریر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر کے کھلے ہوئے حصے یعنی ناصیہ کا مسح فرمایا، پھر اپنے عمامے کا بھی مسح فرمایا، اس لیے عمامے کا مسح باقی سر کا قائم مقام ہوگیا اور دونوں یعنی ناصیہ اور عمامے کے مجموعے سے مسح راس کا استیعاب پالیا گیا۔ لہٰذا یہ ثابت نہیں ہوا کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں بلکہ بعض سر کا مسح ہی فرض ہے۔ حضرت مصنف کتاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضور کے ناصیہ پر مسح فرمانے سے معلوم ہوگیا کہ سر کے مسح میں ناصیہ ہی مقدار مفروض ہے، کیوں کہ یہ ثابت ہی نہیں کہ حضور نے ناصیہ سے کم کا مسح فرمایا ہو۔

جہاں تک مسح عمامہ کا تعلق ہے تو یہ باقی ماندہ سر کے مسح کا قائم مقام نہیں ہے، کیوں کہ اگر ایسا ہو تو یہ مسح، موزوں پر مسح جیسا ہوگا اور موزوں پر مسح اسی وقت جائز ہے جب دونوں پیر، موزوں کے اندر چھپے ہوئے ہوں اور ان کا کوئی بھی حصہ کھلا ہوا اور نکلا ہوا ہو تو ان پر مسح جائز ہی نہیں ہوگا بلکہ اس صورت میں دونوں پیروں کے دھونے کا حکم ہے، یوں پیروں کا جتنا حصہ موزوں کے اندر ہے اس کا حکم وہی ہے جو ان پیروں کے نکلے ہوئے حصے کا ہے۔ اور جب نکلے ہوئے حصے کا دھونا فرض تو موزے کے اندر کے حصے کا دھونا بھی فرض ہوگا، تو اگر پورے سر کا مسح فرض ہو تو نکلے ہوئے اور چھپے ہوئے دونوں حصوں کا مسح فرض ہوگا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب سر میں مقدار ناصیہ کے مسح پر ہی اکتفا فرمالیا تو معلوم ہوگیا کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں، اور جن روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے پورے سر کا مسح فرمایا تو یہ تحصیل فضیلت کی غرض سے ہے نہ کہ فرض ہونے کی وجہ سے۔ (ص ۶۲، ۶۳، ج اول)

☆امام طحاوی نے "باب فرض الرِّجْلَيْنِ فِیْ وُضُوْءِ الصَّلٰوةِ" میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی یہ حدیث روایت فرمائی:

قال تَخَلَّفَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا صَلٰوةُ الْعَصْرِ، وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلىٰ أَرْجُلِنَا، فَنَادىٰ بِلَال "وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ، مَرَّتَيْنِ أو ثَلَاثًا.

"حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سے پیچھے تشریف لا رہے تھے اور جب ہم سے آکر ملے تو ہماری حالت یہ تھی کہ ہمیں نماز عصر نے برانگیختہ کر رکھا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے اور اپنے پیروں پر مسح کر رہے تھے تو حضرت بلال نے حضور کے حکم سے دو یا تین بار آواز لگائی "ان ایڑی والوں کے لیے آتش دوزخ سے ہلاکت ہے"۔

اس پر امام طحاوی نے لکھا: اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو نے بتایا کہ صحابۂ کرام وضو میں پہلے پیروں کا

مسح کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں کامل وضو کرنے کا حکم دیا اور ایسا نہ کرنے پر انھیں ڈراتے ہوئے فرمائے: ''ان ایڑی والوں کے لیے آتش جہنم سے ہلاکت ہے''۔

لہٰذا یہ قول اس بات پر دلیل ہ کہ صحابۂ کرام کا پیروں پر مسح کرنا منسوخ ہوگیا، کیوں کہ یہ قول زبانِ رسالت مآب سے بعد میں صادر رہوا۔

امام طحاوی کے اس قول نسخ پر امام عینی نے کہا: ''فیہ نظر'' یہ محل نظر ہے۔ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے قول ''نَمْسَحُ عَلیٰ أَرْجُلِنَا'' میں یہ احتمال ہے کہ اس کا معنی ''نَغْسِلُ غَسْلاً خَفِيفاً مُبَقَّعًا'' ہو، ہم خفیف طور پر پیروں کو اس طرح دھو رہے تھے کہ کہیں ان کا کچھ حصہ بے دھوئے رہ گیا۔ اس پر دلیل بعض روایتوں میں آیا ہوا یہ قول ہے کہ ''رَأَى قَوْمًا تَوَضَّأُوا كَأَنَّهُمْ تَرَكُوا مِنْ أَرْجُلِهِمْ شَيْئًا'' حضور نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے اس طرح وضو کیا کہ یوں لگ رہا تھا جیسے انھوں نے اپنے پیروں کا کوئی حصہ چھوڑ دیا ہو۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابۂ کرام وضو میں پیروں کو دھوتے تو تھے لیکن یہ غسل (دھونا) مسح سے قریب ہوتا اسی لیے حضور نے ''أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ'' فرمایا یعنی کامل وضو کرو۔ مزید لکھتے ہیں: وعید تو فرض کو چھوڑنے پر ہوتی ہے اس لیے اگر غسل (پیروں کا دھونا) ان کے نزدیک پہلے سے فرض نہ ہوتا تو اس وعید کا رخ ان کی طرف نہ ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر مسح ان کے درمیان عام اور معمول بہ ہوتا تو حضور بغیر وعید کے انھیں مسح ارجل کو ترک کرنے اور غسل ارجل کی طرف منتقل ہونے کا حکم دیتے۔

حضرت صدر الشریعہ نے امام طحاوی کے مندرجہ بالا قول کی ایسی عمدہ اور قابل قبول توجیہ فرمائی کہ اس سے امام عینی کا فیہ نظر فرمانا بے محل ہوگیا۔

فرماتے ہیں: امام طحاوی کے قول کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ صحابۂ کرام نے آیت وضو یعنی اللہ تعالیٰ کے قول ''وَأَرْجُلَكُمْ'' کے بارے میں یہ سمجھا کہ یہ ''رُؤُسِكُمْ'' پر معطوف ہے، اس تقدیر پر آیت کریمہ کا معنی ہوگا ''تم اپنے پیروں اور سروں کا مسح کرو''۔ یوں سر کی طرح پیروں کا وظیفہ بھی مسح ہوگا، اس لیے صحابۂ کرام نے اپنے پیروں کا مسح فرمایا اور ان سے معنی آیت کے فہم میں خطا سرزد ہوگی۔ لیکن جب حضور نے ان کا یہ فعل دیکھا تو انھیں اس خطا پر متنبہ فرمایا اور حکم دیا کہ اس طرح پیروں کو دھویا کرو کہ ان کا کوئی جز ایسا باقی نہ رہے جس پر پانی نہ بہے۔ اسی کو حضرت امام طحاوی نے نسخ سے تعبیر فرمایا۔

اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ کے کہنے کے مطابق صحابۂ کرام نے غلطی سے پیروں کا مسح فرض سمجھ لیا ورنہ حقیقت میں اس کا دھونا ہی فرض تھا، تو پھر حضور نے انھیں نماز کے اعادے کا حکم کیوں نہیں دیا کیوں کہ ایسا وضو باطل و نادرست ہوگا جس میں پیروں کو دھویا نہ گیا ہو، حضرت نے اس کا یہ جواب دیا کہ اعادہ کا حکم نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ معنی آیت کے فہم میں ان سے جو خطا سرزد ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھی اور ایسی خطا، بطلان عمل کا موجب نہیں اس لیے انھیں اعادے کا حکم نہیں دیا۔

ایک اعتراض یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ اگر بعض روایتوں میں ''مَسْحِ اَرْجُل'' مذکور ہے تو دوسری روایتوں

میں "غَسل ارجل" (پیروں کا دھونا) بھی تو مذکور ہے اس لیے آپ کا یہ کہنا درست نہیں کہ صحابۂ کرام نے آیت کریمہ سے غلطی سے مسح ارجل (پیروں کا مسح کرنا) سمجھ لیا تھا، لہٰذا امام عینی کا "فیہ نظر" کہنا اپنی جگہ باقی ہے اور مسح سے وہی غسل خفیف مراد لیا جائے گا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: صحابۂ کرام کے حالات مختلف تھے، چنانچہ بعض صحابۂ کرام نے پیروں کو دھویا مگر نماز میں تاخیر ہو جانے کے سبب ہونے والی عجلت کے باعث ان کے پیروں میں کہیں کچھ حصہ پر پانی نہ بہ سکا تھا، جب کہ بعض دوسرے صحابۂ کرام نے پیروں کو نہ دھو کر صرف ان کا مسح فرمایا کیوں کہ ان کا گمان تھا کہ پیروں کا وظیفہ مسح ہے غسل نہیں۔ اس طرح حضور کا ارشاد "أَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ" دونوں فریقوں کے لیے ہوگا کہ وہ اپنے پیر اس طرح نہ دھوئیں کہ کہیں کچھ حصہ دھونے سے رہ جائے اور نہ ہی غسل (دھونے) کے بدلے اپنے پیروں پر مسح ہی کریں۔ آخر میں فرماتے ہیں: "هٰذا مَا سَنَحَ لِیُ أَوَانَ تَحْرِیْرِ هٰذِهِ الْأَسْطُرِ" ان سُطور کی تحریر کے دوران میرے ذہن میں یہ بات آئی۔

اپنی تحقیق:

☆ تائید مذہب کے ذیلی عنوان میں ہم نے حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی کی یہ توجیہ حضرت صدر الشریعہ کے حوالے سے نقل کی۔ رہیں وہ احادیث جن میں تین بار مسح راس کا ذکر آیا ہے تو ادلہ کے درمیان تطبیق کے نقطۂ نظر سے ان احادیث کے صحیح ہونے کی شرط پر انھیں مسح راس میں استیعاب کرنے کے ارادے پر حمل کیا جائے گا، پورے سر کے تین مستقل مسح مراد نہیں ہوں گے۔

اس توجیہ کو علامہ عینی نے فیہ نظر (یہ محل نظر ہے) کہہ کر رد فرما دیا، ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں "ثلث" (تین بار) منصوص و مصرح ہ اور مسح کا استیعاب عدد پر موقوف نہیں۔ درست یہ ہے کہ کہا جائے جس حدیث میں تین بار مسح کا ذکر ہے وہ ان احادیث کا مقابل نہیں ہو سکتی جن میں صرف ایک بار مسح کا ذکر ہے اسی لیے ترمذی نے کہا: اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے اکثر اہل علم کا ایک بار کے مسح پر عمل ہے۔

حضرت صدر الشریعہ اس نظر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علامہ عینی کی نظر اس توجیہ پر وارد نہیں ہوتی اس لیے کہ علامہ ابن حجر نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ استیعاب عدد پر موقوف ہے بلکہ انھوں نے تطبیق کی راہ اختیار فرماتے ہوئے لکھا "ممکن ہے کہ حضور نے استیعاب کے قصد سے اپنے سر کا تین بار مسح اس طرح فرمایا ہو کہ پہلی بار اپنے سر کے بعض حصے کا، دوسری بر دوسرے بعض حصے کا اور تیسری بار باقی ماندہ حصے کا مسح فرمایا ہو لیکن راوی نے گمان کر لیا کہ یہ تین مسح ہیں، جیسے احادیث میں ہے کہ حضور اپنے ہاتھ کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے یعنی (مسح راس میں) ہاتھ کو آگے لاتے ہوئے سر کے بعض حصے کا اور پیچھے لے جاتے ہوئے سر کے بعض حصے کا مسح فرمایا۔ یہی صورت حال یہاں بھی ہے۔

☆ علما میں اس بابت اختلاف ہے کہ اعضائے وضو کو تین بار دھونا سنت ہے یا اس میں تفصیل ہے، ہدایہ میں ہے "وَتَكْرَارُ الغَسْلِ إِلیَ الثَّلٰثِ سُنَّة" تین بار دھونا سنت ہے۔ فتح القدیر میں ہے، پہلا غسل (دھونا) فرض، دوسرا سنت اور تیسرا اکمال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دوسرا اور تیسرا سنت

ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ دوسرا سنت اور تیسرا انفل ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دوسرا انفل اور تیسرا سنت ہے۔ علامہ ابوبکر اِسْکاف سے مروی ہے کہ تینوں فرض واقع ہوں گے جس طرح نماز میں قیام اور رکوع کو چاہے جس قدر طویل کیا جائے وہ فرض ہی ہوں گے۔

اس پر حضرت صدرالشریعہ اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: میرے نزدیک قول ثانی کا معنی اگر یہ ہے کہ غسل ثانی سنت ہونے کے لیے غسل ثالث (تیسری بار دھونا) کی طرف مضاف ہے یعنی دونوں مل کر سنت ہوں گے تو یہ حق ہے۔ لہٰذا غسل ثانی (دوسری بار دھونا) **فی حدّ ذاته وصف** ''سنیت'' سے متصف نہ ہوگا، اس لیے اگر کوئی شخص وضو میں غسل ثانی پر ہی اکتفا کرلے تو یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ ''سنت'' کو بجالایا، کیونکہ بعض شے، شے نہیں، اسی طرح غسل ثالث کو بھی اس وقت تک وصف سنیت سے متصف نہیں کیا جائے گا جب تک اس کا اس کے ماقبل کے ساتھ لحاظ نہ کیا جائے۔

☆ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ہر نماز کے لیے وضو فرماتے تھے، اس پر امام طحاوی نے ایک تاویل یہ ذکر فرمائی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ پہلے واجب تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ اس کے متعلق علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا: طحاوی نے کہا کہ یہ احتمال ہے کہ یہ خاص حضور پر فرض رہا ہو، پھر حضرت بریدہ کی اس حدیث سے منسوخ ہوگیا، جسے امام مسلم نے تخریج کی کہ حضور نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں، جب حضرت عمر نے دریافت کیا تو فرمایا: میں نے ایسا بھول کر نہیں بلکہ دانستہ کیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں: طحاوی نے یہ احتمال بھی ذکر کیا کہ حضور ایسا بطور استحباب کیا کرتے تھے، پھر آپ کو اندیشہ ہوا کہ اس کے فرض ہونے کا گمان نہ کرلیا جائے اس لیے بیان جواز کے لیے اسے ترک فرمادیا۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر کہتے ہیں: ''**هٰذا أَقْرَبُ، وَعَلىٰ تَقْدِيْرِ الأَوَّلِ فَالنَّسْخُ كَانَ قَبْلَ الفَتْحِ بِدَلِيْلِ حَدِيْثِ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ فَإِنَّه كَانَ فِيْ خَيْبَرَ، وَهِيَ قَبْلَ الفَتْحِ بِزَمَانٍ، أهـ**'' میں کہتا ہوں یہ احتمال قریب تر ہے، اور احتمال اول کی تقدیر پر (عرض ہے کہ) نسخ فتح مکہ سے پہلے ہوا ہے نہ کہ فتح مکہ کے دن۔ اس کی دلیل حضرت سوید بن نعمان کی حدیث ہے۔ کیونکہ کہ وہ خیبر کی مہم میں شریک تھے جو فتح مکہ سے ایک زمانہ پہلے پیش آئی اور اس میں انھوں نے نسخ کا بیان فرمایا ہے۔ یوں علامہ ابن حجر نے پہلے احتمال کو رد کردیا۔ لیکن حضرت صدرالشریعہ اس رد کا رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**أَقُوْلُ: الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ. مَاادَّعىٰ فِيْ كِتَابِهٖ هٰذَا أَنَّ الوُضُوْءَ لِكُلِّ صَلوٰةٍ نُسِخَ بِحَدِيْثِ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ، إلخ**'' یعنی میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو حدیث بریدہ سے منسوخ ہوا ہے بلکہ انھوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ اگر کہا جائے کہ ہر نماز کے لیے وضو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب تھا تو یہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ حدیث عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جو اس طرح ہے۔ ''**إن رسول الله امر بالوضوء لكل صلوة طاهرا كان او غير طاهر فلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عليه أُمِرَ بِالسِّوَاكِ لِكُلِّ صَلوٰةٍ**'' ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے

لیے وضو کرنے کا حکم پہلے دیا گیا تھا خواہ با وضو ہوں یا بے وضو۔ لیکن جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہوا تو آپ کو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیا گیا"۔ اس لیے علامہ ابن حجر کا یہ قول کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منزل صہبا میں ایک وضو سے دو نمازیں پڑھیں اور یہ فتح مکہ سے ایک زمانہ پہلے کا واقعہ ہے، حضرت امام طحاوی کے ذکر کردہ احتمال اول پر وارد نہ ہوگا۔ آگے لکھتے ہیں: علامہ ابن حجر کیسے کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث بریدہ سے منسوخ ہے حالانکہ خصم نے ہر نماز کے لیے وضو کے فرض ہونے پر حدیث بریدہ کو حجت قرار دیا ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ ان کی یہ حدیث ناسخ ہے تو لازم آئے گا کہ یہی ایک حدیث بیک وقت ناسخ بھی ہو اور منسوخ بھی۔

علامہ ابن حجر کا "وعلی تقدیر الأول فالنسخ ،إلخ" فرمانا بھی درست نہیں، اس لیے کہ ہر نماز کے لیے وضو کی فرضیت کے قائلین حدیث کو مقیم کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔ وہ مسافروں پر بھی اس کے فرض ہونے کے قائل نہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث بریدہ جس طرح مسافر کے لیے ایک وضو سے کئی نمازوں کی ادا کا افادہ کر رہی ہے، اسی طرح حدیث سوید بن نعمان بھی، تو نسخ کی تقدیر پر نہ یہ ناسخ ہے اور نہ وہ۔

علامہ ابن حجر کا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ احتمال یہ ہے کہ یہ "خاص حضور پر واجب تھا" اس لیے کہ امام طحاوی نے اپنے کلام میں لفظ خاص کا نہ ذکر فرمایا اور نہ یہ ان کے کلام سے مستفاد ہی ہوتا ہے، بلکہ ان کے قول کا حاصل صرف یہ ہے کہ اگر یہ حضور پر واجب ہو تو یہ منسوخ ہوگا۔

(ص ۹۲، ۹۳۔ ج اول)

احادیث سے ثابت فوائد و مسائل کا بیان:

☆ "امام طحاوی کی عبارت کی توضیح" کے تحت جو حدیث میں نے ذکر کی ہے، اس کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں چند فوائد ہیں:

(۱) ایسی جلد بازی مذموم ہے جس سے کسی امر شرعی کا ترک ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "اَلتَّاَنِّیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ، والعُجْلَۃُ مِنَ الشَّیْطٰنِ" جلد بازی نہ کرنا رحمان کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی جانب سے۔

(۲) علم کو بلند آواز سے بتانا جب دوری، یا کثرت مجمع یا کسی اور وجہ سے اس کی حاجت ہو، پند و موعظت کے وقت آواز بلند کرنے کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، جیسا کہ یہ اس حدیث جابر سے ثابت ہے۔

"کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ وَذَکَرَ السَّاعَۃَ اشْتَدَّ غَضبہ، وَعَلَاصُوْتُہ. الحدیث أخْرَجہ مسلم. وَلِأحْمَدَ مِنْ حدیثِ النُّعْمَانِ فِیْ مَعْنَاہُ، وزَادَ حَتّٰی لَوْ أَنَّ رَجُلًا بِالسُّوْقِ لَسَمِعَہ".

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے اور اس میں قیامت کا ذکر فرماتے تو چہرۂ نور سے سخت غضب ظاہر ہوتا اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی (مسلم) امام احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے، آواز اس قدر بلند ہوتی کہ اگر بازار میں کوئی شخص ہوتا تو وہ سن لیتا۔

(۳) منکر (برائی) کو دیکھنے پر اس سے منع کرنا۔

(۴) بات کو دو تین بار دہرانا تاکہ مخاطب اسے سمجھ لے۔

(۵) جہنم میں جسم کو عذاب ہوگا۔

☆"باب الوضوء هل يجب لكل صلوة أم لا؟" کے صفحہ ۹۰ پر حضرت جابر بن عبداللہ کی یہ حدیث ہے:

قالَ ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى امْرَأَةٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَه أَصْحَابُه فَقَرَّبَتْ لَهُمْ شَاةً مَصْلِيَّةً فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا ثُمَّ حَانَتِ الظُّهْرُ فَتَوَضَّأَ وَصَلّٰى ثُمَّ رَجَعَ إِلىٰ فَضْلِ طَعَامِه فَأَكَلَ ثُمَّ حَانَتِ الْعَصْرُ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ".

حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ایک انصاری خاتون کے یہاں تشریف لے گئے، ان خاتون محترمہ نے ایک بھنی ہوئی بکری، ان لوگوں کے سامنے لاکر رکھ دی جس میں سے حضور نے اور ہم لوگوں نے تناول کیا، پھر نماز ظہر کا وقت آ گیا تو حضور نے وضو فرما کر نماز ادا فرمائی، پھر واپس بچے ہوئے کھانے پر تشریف لائے اور اسے تناول فرمایا، پھر نماز عصر کا وقت نے پر نماز تو ادا فرمائی لیکن وضو نہ فرمایا۔

اس حدیث کے فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی هذا الحديث فوائد. منها: الذهابُ إلَى الأصدِقَاءِ والأحِبَّاءِ لِزِيَارَتِهِمْ، ومنها إِطْعَامُ المزورِ الزائرَ مِمَّا يَتَيَسَّرُ لَه. ومنها: استحبَابُ أَكْلِ الزائرِ مِمَّا قُرِّبَ إِلَيْه إِنِ اشتَهىٰ إِلَيْهِ، ولذا تَعَجَّبَ سَيِّدُنَا إِبْرَاهيم عليه السلام، لَمَّا قَرَّبَ إِلىٰ أضيَافِهِ العِجلَ الحَنِيذَ وخاف مِنهُم، ومنها: أَنَّه لَا يُنْقَضُ الوُضُوْءُ لِكُلِّ شَيْءٍ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ. واللّٰهُ تعالىٰ اعلم.

اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(ا) اپنے دوست احباب سے ملاقات کے لیے ان کے یہاں جانا۔

(۲) جو کچھ بھی میسر ہو اسے ملاقات کے لیے جانے والے کے سامنے کھانے کے لیے پیش کرنا۔

(۳) جو کچھ بھی پیش کیا جائے اسے اگر خواہش ہو تو ملاقات کے لیے جانے والے کا کھالینا مستحب ہونا، اسی لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت تعجب اور خوف ہوا جب انھوں نے اپنے مہمانوں کے سامنے بکری کا بھنا ہوا بچہ رکھا اور ان لوگوں نے اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔

(۴) آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کا نہ ٹوٹنا۔

☆" باب الوضوء هل يجب لكل صلوٰة أم لا؟" میں حضرت بریدہ کی حدیث ہے:

صَلّٰى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يومَ فتح مكة خمس صلوات بوضوء واحد ومسح على خفيه فقال له عمر صنعت شيئا يا رسول الله لم تكن تصنعه فقال عمداً فعلتُه يا عمر"

حضور نے پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھیں اور اپنے موزوں کا مسح فرمایا، حضرت عمر نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کام کیا جو آپ نہیں کرتے تھے؟ جواب دیا، عمر! میں نے یہ کام قصداً کیا۔

اس حدیث سے ثابت ہونے والے مسائل کا ذکر

کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وفی الحدیث أنواع من المسائلِ.

منها: جواز مَسْحِ الخُفِ وجوازُ الصَّلَوَاتِ المفروضات والنوافل بوُضُوءٍ وَاحِدٍ مالم یُحْدِثْ وھذا جائز عندَ الجمھور، بل ادَّعَی النّووی الاجماع. والنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یواظب علیَ الوضوء لکل صلوۃٍ عملاً بالأفضل وصلیّ الصَّلَوَاتِ فی ھذا الیَوْمِ أوْفِیْ مَوَاضِعَ أُخْریٰ بِوُضُوْءٍ وَاحِدٍ بَیَانًا لِلْجواز لِئلّا یَتَوَھَّمَ مُتَوَھِّمٌ أَنَّ تَجْدِیْدَ الوُضُوْءِ لِکُلِّ صَلوٰۃٍ وَاجِب نَظْراً لظَاھرِ فِعْلِہٖ کَمَا قالَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لِعُمَرَ عَمَداً صَنَعْتُہ یَا عُمَرُ. وَمعنی الآیَۃِ إِذَا قُمْتُمْ إِلیَ الصَّلوٰۃ إذا قمتم وأنتم مُحدثون ومنھا جواز سُوال المفضولِ الفاضِلَ عَنْ بَعْضِ أعمَالِہ الّتی فشی ظَاھرھا لِلْعَادَۃِ لِأنَّھَا قَدْ تَکُوْنُ عَنْ نِسْیَانٍ فیرجع عنھا وقد تکون تعمداً لمعنیً خَفِیَ عَلیَ المَفْضُوْلِ فَیَسْتَفِیْدُہ (ص ۸۹، ج اول)

اس حدیث میں کئی نوع کے مسائل ہیں:

(۱) موزوں پر مسح کا جواز۔ (۲) ایک وضو سے کئی فرائض ونوافل کا جواز جب تک حدث لاحق نہ ہو یہ حکم جمہور علما کے نزدیک ہے بلکہ علامہ نووی نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل پر عمل کرنے کے لیے ہمیشہ ہر نماز کے لیے وضو فرماتے، لیکن بیان جواز کے لیے اسی فتح مکہ کے دن یا دوسرے مقامات پر ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں تاکہ کسی کے دل میں یہ وہم پیدا نہ ہو کہ فعل رسول کے پیش نظر ہر نماز کے لیے تجدید وضو واجب ہے۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا اے عمر! میں نے یہ کام قصداً کیا۔ اور آیت کریمہ "إِذَا قُمْتُمْ إِلَی الصَّلوٰۃِ" کا معنی ہے "إذا قُمْتُمْ إِلَی الصَّلوٰۃِ وَأَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ" یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور بے وضو ہو تو...........

(۳) کم فضیلت والے شخص کا اپنے سے افضل شخص سے اس کے کسی ایسے عمل کے بارے میں پوچھنا جو بظاہر اس کے معمول کے خلاف ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ بھول چوک کی وجہ سے ہو تو سوال کرنے پر وہ اس سے رجوع کرلے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ قصداً کسی ایسی وجہ سے ہو جو کم فضیلت والے پر مخفی رہ گئی اس لیے سوال کرنے پر اسے اس کا استفادہ ہوجائے گا۔

لغوی اور نحوی تحقیق:

"امام طحاوی کی عبارت کی توضیح" کے تحت مذکور حدیث کے الفاظ "فأدْرَکْنَا وَقَدْ أرْھَقَتنا صلوۃ العصر" کی لغوی اور نحوی تحقیق فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"أدْرَکْنَا" کاف کے فتحے کے ساتھ ہے جس میں ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور "صلوٰۃ العَصْرِ" تاکے رفع کے ساتھ "أرْھَقَتْنَا" کا فاعل ہے اور جملہ وقد ارھقتنا حال ہے۔

ایک روایت "أرْهَقْنَا"، فعل مذکر کے ساتھ بھی آئی ہے تو اس وقت "صلوۃ" کی ت کا نصب اس بنا پر جائز ہوگا کہ یہ مفعول بہ ہے یعنی ہم نے نماز کو مؤخر کردیا، اور اس تقدیر پر اس کا رفع بھی جائز ہے کہ یہ فاعل ہے اور فعل کو مذکر لانا اس لیے جائز ہے کہ "صلوۃ" مؤنث غیر حقیقی ہے۔

امام عینی نے کہا: "أرْهَقَتْنَا الصلوۃ" کا معنی ہے ہمیں نماز نے ڈھانپ لیا یعنی نماز نے ہمیں ادا پر برانگیختہ کیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ "أرْهَقَتْنَا الصلوۃ" کا معنی ہے: وقت تنگ ہونے کی وجہ سے نماز نے ہمیں عجلت میں ڈال دیا۔

امام قاضی عیاض نے کہا: اسی سے "مواهق" ھا کے فتح کے ساتھ حجر شرعی (صغر سنی یا سفاہت یا جنون کی وجہ سے تصرف سے شرعی ممانعت) میں آتا ہے، اور کسرے کے ساتھ اس کا معنی ہے، وہ شخص جسے تنگی وقت نے طواف کی عجلت میں ڈال دیا ہو۔

موعب میں ہے: ابو زید نے کہا: ہا کے کسرے کے ساتھ "رَهِقَتْنَا الصلوۃ رُهُوْقًا" کا معنی ہے۔ نماز کا وقت ہم سے قریب آ گیا جب کہ "أرْهَقْنَا عَنِ الصلوۃ إرْهَاقًا" کا معنی ہے، ہم نے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کردیا۔

کتاب "العین" کے مصنف نے کہا: اس کا معنی ہے، ہم نے نماز کو اتنا مؤخر کردیا کہ دوسری نماز کا وقت قریب آ گیا، اور "رَهِقْتُ الشئی رَهَقًا" کا معنی ہے، میں شے سے قریب ہوا۔ کتاب الحکم میں ہے: "أرْهَقْنَا اللَّيْلُ" کا معنی ہے، رات ہم سے قریب آئی اور "رَهِقَتْنَا الصلوۃ رَهَقًا" کا معنی ہے، نماز کا وقت ہم سے قریب ہوا، ایک اور کتاب میں ہے (یہاں فی کے مجد کتاب کا نام کمپوز نہیں ہوسکا ہے)

"رَهِقَتْنَا الصلوۃ" کا معنی ہے نماز نے ہمیں ڈھانپ لیا اور ہمیں نماز لاحق ہوئی، رمانی کی کتاب الاشتقاق میں ہے "الرهق" کا اصل معنی "غَشَيَان" یعنی ڈھانپنا ہے زجاج نے بھی ایسا ہی کہا۔

ابوالنصر نے کہا: "رَهِقَنِی" کا معنی ہے: وہ مجھ سے قریب ہوا، ابن اعرابی نے کہا: "رَهِقَتُه" اور "أرْهَقَتُه" دونوں کا معنی ہے: میں اس سے قریب ہوا۔

جوہری نے کہا: ہا کے کسرے کے ساتھ "رَهِقَه رَهَقًا" کا معنی ہے، اس نے اسے ڈھانپ لیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ" ان کے چہروں کو نہ معاشی تنگی ڈھانپنے کی اور نہ ذلت ہی۔

ابوزید نے کہا: "أرْهَقَه عُسْرًا" کا معنی ہے: اس نے اس کو سختی کا مکلّف کردیا یعنی سختی میں مبتلا کردے، کہا جاتا ہے "لَا تُرْهِقْنِیْ لَا أُرْهِقُکَ"، تو مجھے سختی میں نہ ڈال، میں تجھے سختی میں نہ ڈالوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے قول: "لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ أَمْرِیْ عُسْرًا" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اسی کا معنی ہے: میرے ساتھ سخت امر لاحق نہ فرما۔ یہ عربوں کے قول "رَهِقَه الشئی" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے شے نے اسے ڈھانپ لیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: مجھے میرے سخت امر کی عجلت میں نہ ڈال، اور ابوزید کے قول پر معنی ہوگا "لَا تُکَلِّفْنِیْ" یعنی مجھے مکلّف نہ بنا اور اسے میرے اوپر لازم نہ فرما۔ (ص ۸۲، ج اول)

❖❖❖

صدر الشریعہ کا
مرتب کردہ نصاب تعلیم

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
استاذ دار العلوم قادریہ چریاکوٹ مئو یوپی

مولانا عبد العزیز امجدی مبارک پوری ابن جناب عبد الوہاب مبارک پوری علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۱ر ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ، مدفون شاہ کے پنجے محلہ حیدر آباد مبارک پور) محلہ پورہ صوفی قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے باشندہ تھے، جن کو صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ صدر الشریعہ جب مظہر العلوم بنارس میں صدر المدرسین تھے، اس وقت حضرت سے کچھ پڑھا تھا۔ آپ کے ذخیرۂ کتب سے ایک بوسیدہ نصابِ تعلیم دستیاب ہوا، جو حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے، جس کا ثبوت نصاب کے سرے پر لکھی ہوئی اس عبارت سے ہوتا ہے:

"نصابِ تعلیم مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ مرتبہ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مولوی محمد امجد علی صاحب قبلہ مدظلہم الاقدس"۔

صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قیام دادوں میں ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء تک سات سال رہا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نصاب نصف صدی سے زیادہ پرانا ہے۔ فل اسکیپ سائز پر کالی روشنائی سے لکھا ہے، کاغذ پیلا پڑ گیا ہے، ایک جگہ کرم خوردہ ہے اور موڑ پر کہیں کہیں پھٹ بھی گیا ہے، کاتب کا نام کہیں لکھا ہوا نہیں ہے۔ میرا جہاں تک خیال ہے کہ کاتب مولانا عبد العزیز امجدی مبارک پوری صاحب ہی ہیں، اس لیے ان کی دوسری تحریر اسی انداز کی ہیں۔

اس نصاب کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) درجہ اولیٰ سے دورے تک پورے دس سال کا کورس ہے اور آج کے تخصص میں پڑھائی جانے والی بعض کتابیں بھی شامل ہیں۔

(۲) حدیث میں صحاحِ ستہ مکمل شامل نصاب ہے۔

(۳) معقولات کی کتابیں وافر مقدار میں ہیں۔

(۴) ہیئت وریاضی کی کتابیں بھی داخل ہیں۔

(۵) ادب عربی میں دیوانِ علی کی شمولیت خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

(۶) فارسی کی ابتدائی کتابیں اس میں شامل نہیں ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کی معتد بہ تعلیم کے بعد ہی یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ابتدائی فارسی کا نصاب کوئی دوسرا ہوگا۔

(۷) گلستاں، بوستاں کے ساتھ فارسی انشا کا اہتمام ہے۔

(۸) عربی ادب کی کتابیں بھی خاصی تعداد میں ہیں۔

یہ نصاب تبرکاً ماہنامہ اشرفیہ کے صدر الشریعہ نمبر کے لیے پیش ہے، تاکہ یہ تعلیمی نظام کا بیش قیمت سرمایہ محفوظ ہو جائے اور ماہرین تعلیم کے لیے رہنمائی کا کام کرے۔

توضیح کے طور پر نصابِ مذکور میں شامل کتابیں فن وار لکھی جاتی ہیں، تاکہ ہر فن کی کتابوں کی تعداد اور درجہ وار ان کی ترکیب و معیار کا سمجھنا آسان ہو۔

نصابِ تعلیم مدرسہ حافظیہ دادوں ضلع علی گڑھ

مرتبہ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مولوی محمد امجد علی صاحب قبلہ مدظلہم الاقدس

جماعت	فن	صفحہ	میعاد	فن	صفحہ	میعاد	فن	صفحہ	میعاد	فن	صفحہ	میعاد
درجہ اول	میزان منشعب	۵۰	۴ ماہ	گلستاں دو باب	۹۴	۵ ماہ	اردو سے فارسی بنانا		۴ ماہ	بہار شریعت حصہ دوم		۴ ماہ
	پنج گنج ختم باب دوم	۵۴	۳ ماہ	بوستاں دو باب	۱۱۴	۵ ماہ	نحو میر مع مائۃ عامل	۳۶	۶ ماہ	بہار شریعت حصہ سوم		۶ ماہ
	صرف میر ختم	۵۳	۳ ماہ	اردو سے فارسی			مع بحث مستثنیٰ					
درجۂ دوم	علم الصیغہ	۱۰۰	۵ ماہ	کبریٰ از ص ۲۳، ۴۷	۲۵	۴ ماہ	منیۃ المصلی	۱۲۸	۵ ماہ	شرح مائۃ عامل مع ترکیب	۱۰۶	۵ ماہ
	فصول اکبری از خاصیات			ایساغوجی از ص ۴۸، ۴۹	۱۳	۲ ماہ	القراءۃ الراشدہ		۵ ماہ	ہدایۃ النحو کامل	۱۵۰	۵ ماہ
	تا ختم	۸۴	۵ ماہ	مرقاۃ	۴۸	۴ ماہ						
درجہ سوم	قدوری تا ختم کتاب الحج	۷۰	۴ ماہ	شرح تہذیب کامل	۱۷۰	۵ ماہ	کافیہ	۱۱۸	۵ ماہ	قلیوبی ۶ حکایت	۶۱	۳ ماہ
	کنز الدقائق از کتاب البیوع			قطبی تصدیقات	۱۵۱	۵ ماہ	شرح جامی بحث فعل	۹۲	۵ ماہ	نفحۃ الیمن باب اول	۷۲	۴ ماہ
	تا ختم ص ۲۴۷، ۴۴۴	۲۳۵	۶ ماہ	از ص ۶۶، ۲۱۷			و حرف از ص ۲۹۰، ۳۸۲			دیوان علی تا ختم قافیہ را	۶۰	۳ ماہ
درجہ چہارم	شرح وقایہ جلد اول	۳۶۷	۵ ماہ	قطبی تصورات	۶۶	۶ ماہ	شرح جامی بحث اسم	۲۹۰	۱۰ ماہ	تاریخ الخلفا تا خلفائے اربعہ	۱۳۰	۴ ماہ
	شرح وقایہ جلد دوم	۴۱۲	۵ ماہ	مع میر	۱۰۸					سبعہ معلقہ ۴ معلقہ ترجمہ بردہ	۶۰	۳ ماہ
				ہدیہ سعیدیہ ختم فلکیات	۸۰	۴ ماہ				اصول الشاشی	۸۲	۳ ماہ
درجہ پنجم	نور الانوار تا بحث قیاس	۲۲۳	۱۰ ماہ	ملا حسن تصورات	۲۰۵	۱۰ ماہ	تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ	۹۴	۴ ماہ	مختصر معانی کامل	۴۴۴	۱۰ ماہ
							شرح ہدایۃ الحکمۃ از عنصریات					
							تا ختم از ص ۸۲، ۲۲۴	۱۴۲	۶ ماہ			

درجہ	کتاب	صفحات	مدت	کتاب	صفحات	مدت	کتاب	صفحات	مدت	کتاب	صفحات	مدت
درجہ ششم	جلالین شریف	۵۰۸	۱۰ ماہ	میرزاہد رسالہ مع	۸۱	۵ ماہ	ہدایہ اولین باستثناء کتاب		۱۰ ماہ	حماسہ	۱۱۶	۵ ماہ
				غلام یحییٰ	۵۲		العتاق کتاب الحدود کتاب			رشیدیہ	۸۰	۲ ماہ
				ملاجلال مع میرزاہد	۸۳	۵ ماہ	السرقہ کتاب السیر			مشکوٰۃ شریف تاختم کتاب الجنائز	۱۵۴	۳ ماہ
درجہ ہفتم	مشکوٰۃ شریف از کتاب الزکوٰۃ	۴۳۰	۱۰ ماہ	حمد اللہ تاختم شرطیات	۱۴۶	۶ ماہ	مدارک شریف تا سورۂ کہف		۷ ماہ	حسامی	۱۸۴	۵ ماہ
	تاامر			مطول تاختم ماانا قلت	۷۳	۴ ماہ	سراجی کامل	۶۶	۳ ماہ	مقامات حریری ۱۰ مقالے مضمون	۶۶	۵ ماہ
درجہ ہشتم	ہدایہ آخرین باستثناء کتاب ادب		۱۰ ماہ	قاضی مبارک تامفہوم	۱۵۸	۸ ماہ	صدراتاختم	۲۰۶	۷ ماہ	شرح عقائد مع خیالی	۱۲۷	۱۰ ماہ
	القاضی وکتاب الشہادات			نزہۃ النظر	۱۲۱	۲ ماہ	تصریح	۷۶	۳ ماہ	متنبی قافیہ	۱۵۰	
	وکتاب الدعویٰ کتاب المکاتب											
	کتاب الماذون کتاب											
	الحیلیات کتاب المعاقل											
درجہ نہم	بیضاوی شریف ختم سورۂ بقرہ	۱۸۰	۱۰ ماہ	میرزاہد امور عامہ	۱۶۰	۷ ماہ	تلویح تاختم مقدمات اربعہ	۵۲۷	۱۰ ماہ	شمس بازغہ تا حرکۃ شرح	۱۱۰	۵ ماہ
				مسلم الثبوت	۷۶	۳ ماہ				چغمینی تاختم سی	۷۶	۵ ماہ
درجہ دہم	بخاری شریف		۱۰ ماہ	مسلم شریف		۱۰ ماہ	ترمذی شریف		۱۰ ماہ	نسائی		۱۰ ماہ
										ابن ماجہ		
										ابوداؤد		
										شرح معانی الآثار		

نمبر شمار	نمبر کتب فن وار	کتب
		حدیث
۱	۱	مشکوٰۃ شریف درجہ ششم وہفتم
۲	۲	بخاری شریف درجہ دہم
۳	۳	مسلم شریف "
۴	۴	ترمذی شریف "
۵	۵	نسائی شریف "
۶	۶	ابن ماجہ شریف "
۷	۷	ابوداؤد شریف "
۸	۸	شرح معانی الآثار "

تفسیر

۹	۱	جلالین شریف	درجہ ششم
۱۰	۲	مدارک شریف	درجہ ہفتم
۱۱	۳	بیضاوی شریف	درجہ نہم

فقہ

۱۲	۱	بہار شریعت دوم سوم	درجہ اول
۱۳	۲	منیۃ المصلی	درجہ دوم
۱۴	۳	قدوری	درجہ سوم
۱۵	۴	کنز الدقائق	//
۱۶	۵	شرح وقایہ اول	درجہ چہارم
۱۶	۵	شرح وقایہ دوم	//
۱۷	۶	ہدایہ اولین	درجہ ششم
۱۷	۵	ہدایہ آخرین	درجہ ہشتم

اصولِ فقہ

۱۸	۱	اصول الشاشی	درجہ چہارم
۱۹	۲	نور الانوار	درجہ پنجم
۲۰	۳	حسامی	درجہ ہفتم
۲۱	۴	مسلم الثبوت	درجہ نہم

صرف

۲۲	۱	میزان منشعب	درجہ اول
۲۳	۲	پنج گنج	//
۲۴	۳	علم الصیغہ	درجہ دوم
۲۵	۴	فصولِ اکبری	//
۲۶	۵	صرف میر	درجہ اول

نحو

۲۷	۱	نحو میر مع مائۃ عامل و بحث مستثنیٰ	درجہ اول
۲۸	۲	شرح مائۃ عامل مع ترکیب	درجہ دوم
۲۹	۳	ہدایۃ النحو کامل	//
۳۰	۴	کافیہ	درجہ سوم
۳۱	۵	شرح جامی بحث فعل و حرف	//
۳۲	۶	شرح جامی بحث اسم	درجہ چہارم

ادب

۳۳	۱	القراءۃ الرشیدہ	درج ہ دوم
۳۴	۲	قلیوبی	درجہ سوم
۳۵	۳	نفحۃ الیمن	درجہ سوم
۳۶	۴	دیوان علی	//
۳۷	۵	سبعہ معلقہ	درجہ چہارم
۳۸	۶	قصیدہ بردہ	//
۳۹	۷	دیوان حماسہ	درجہ ششم
۴۰	۸	مقامات حریری	درجہ ہفتم

۴۱	۹	دیوان متنبی درجہ ہشتم
۴۲	۱۰	گلستاں درجہ اول
۴۳	۱۱	بوستاں //
۴۴	۱۲	اردو سے فارسی بنانا //

بلاغت

۴۵	۱	مختصر المعانی کامل درجہ پنجم
۴۶	۲	مطول تاختم ما انا قلت درجہ ہفتم

منطق

۴۷	۱	کبریٰ درجہ دوم
۴۸	۲	ایساغوجی //
۴۹	۳	مرقات //
۵۰	۴	شرح تہذیب درجہ سوم
۵۱	۵	قطبی تصدیقات //
۵۱	۵	قطبی تصورات مع میر درجہ چہارم
۵۲	۶	ملاحسن تصورات درجہ پنجم
۵۳	۷	ملاجلال مع میر زاہد درجہ ششم
۵۴	۸	میر زاہد رسالہ //
۵۵	۹	غلام یحییٰ //
۵۶	۱۰	حمد اللہ تاختم شرطیات درجہ ہفتم
۵۷	۱۱	قاضی مبارک درجہ ہشتم

فلسفہ

۵۸	۱	ہدیہ سعیدیہ درجہ چہارم
۵۹	۲	شرح ہدایۃ الحکمۃ درجہ پنجم
۶۰	۳	شمس بازغہ درجہ نہم
۶۱	۴	صدرا درجہ ہشتم

ہیأت واقلیدس

۶۲	۱	تصریح درجہ ہشتم
۶۳	۲	شرح چغمینی درجہ نہم
۶۴	۳	تحریر اقلیدس درجہ پنجم

عقائد

۶۵	۱	شرح عقائد درجہ ہشتم
۶۶	۲	خیالی درجہ ہشتم
۶۷	۳	میر زاہد امور عامہ درجہ نہم

اصول حدیث

۶۸	۱	نزہۃ النظر درجہ ہشتم

مناظرہ

۶۹	۱	مناظرہ رشیدیہ درجہ ششم

میراث

۷۰	۱	سراجی درجہ ہفتم

تاریخ

۷۱	۱	تاریخ الخلفاء درجہ چہارم

☆☆☆

مناقب

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ

عرس امجد علی میں چلے آیئے
مجد امجد کی سوغات لے جایئے
اس قدر پُر کشش ہے یہ رضوی سماں
جلوہ فرما ہیں کیا اعلیٰ حضرت یہاں
بزمِ صدر الشریعہ کی یہ دل کشی
بے خودی دے گئی اور خودی لے گئی
بے خودی میں ہوئے دہر سے بے خبر
بے خودی اپنی ہے دین میں معتبر
گلستانِ رضا ہے یہاں بے گماں
ہے بہار شریعت یہاں بے خزاں
نظم میری وہاں گنگنائی گئی
میں بھی حاضر ہوں یوں غائبانہ سہی
تم کو امجد، رضا سے ملا مے کدا
ایک عالَم ہوا بادہ خوار رضا
رِند تیرے دعا گو رہیں گے سدا
جام و پیمانہ بھر دے میرا ساقیا
اپنے اخترؔ پہ بھی ہو کرم کی نظر
اس کے دامن میں بھی ڈالیے کچھ گہر

☆☆☆

نثار کریمی

کھل گئے ذہن وفکر کے در سب، غم کا اندھیرا دور ہوا
''ان کے ذکر وفکر سے یارو! پیدا دل میں نور ہوا''
فرطِ خوشی میں ہوش ہی کب تھا، شستہ دل کب چور ہوا
پشت پہ تیری دست رضا تھا، ہاتھ میں تیرے سیف قلم تھی
جب بھی ہوا باطل کے صفوں پر، وار تیرا بھرپور ہوا
تو نے بشکل ''بہار شریعت'' دکھلائی وہ زندہ کرامت
کاغذ کے صفحات پہ روشن، اسلامی دستور ہوا
ہم جیسے مجرم ہوں کہ زاہد، ناصح ہوں، واعظ ہوں کہ رند
جام تمہارے ہاتھ سے ساقی جس نے پیا مخمور ہوا
جتنا تیرا لطف زیادہ، اتنی تیری ضرب بھی کاری
رہ گئے سب آئینے حیراں، پتھر چکنا چور ہوا
لہجہ تیرا شبنم شبنم، باتیں تیری خوشبو خوشبو
تیری بزم ناز میں آکر، کون نہیں مسرور ہوا
علم کا تھا بے پایاں سمندر، جس کا کوئی اُور نہ تھا
اتنی بات تو دشمن جاں بھی، کہنے پر مجبور ہوا
یہ تو مرے آقا کا کرم ہے، اور خدا کا فضل نثارؔ
اس در کی نسبت کے حوالے سے تو بھی مشہور ہوا

☆☆☆

﴿اقبال احمد اعظمی﴾

فیض امجد عام ہو ہی جائے گا
جب تو اپنا کام ہو ہی جائے گا

کلب امجد دھوپ کا کچھ غم نہ کر
جلد وقت شام ہو ہی جائے گا

دامن امجد علی کو تھام لو
نفس سرکش رام ہو ہی جائے گا

ان کے در پر پیاس کے مارو چلو
انتظام جام ہو ہی جائے گا

رنج و غم میں نام حضرت لیجیے
قلب کو آرام ہو ہی جائے گا

لاکھ مشکل ہو مگر ان کے طفیل
اک نہ اک دن کام ہو ہی جائے گا

مجد کا پکا کہیں جس کو رضا
جگ میں اس کا نام ہو ہی جائے گا

مرجع عالم ہے ان کی بارگاہ
ذکر امجد عام ہو ہی جائے گا

کوچۂ امجد علی میں بود و باش
میرا خیر انجام ہو ہی جائے گا

ہے غلام اقبالؔ بھی اقبال پر
ایک روز انعام ہو ہی جائے گا

☆☆☆

﴿ڈاکٹر شکیل اعظمی﴾

وہ دور پر فتن میں پاسباں تھا دین وملت کا
اسے فیضان حاصل تھا امام اہل سنت کا

جو کہتے ہیں کہ ہوتا ہے تماشا شرک و بدعت کا
وہ عرس پاک آ کر دیکھ لیں صدر شریعت کا

مرتب کر گیا ایسی کتاب فقہ وہ جس سے
ہمیشہ مسئلہ ہوتا رہے گا حل شریعت کا

نہ جانے کتنے علم دیں کے ماہر کر دئے پیدا
رہے گا حشر تک احسان یہ صدر شریعت کا

اسی کے فیض سے جاری ہیں ہر سو علم کے چشمے
وہ بیشک ایک بحر بیکراں تھا علم و حکمت کا

وہ بیماری کی شدت میں بھی مصروف عبادت تھا
اسے تھا پاس ہر حالت میں احکام شریعت کا

شریعت کا وہ ایسا کر گیا کار اہم جس سے
جہاں میں ہر طرف ہے تذکرہ صدر شریعت کا

اسے حاصل تھا علم ظاہری و باطنی دونوں
حقیقت میں وہ سنگم، تھا شریعت کا طریقت کا

بس اتنا چاہتا ہوں نام مداحوں میں آ جائے
وگرنہ مجھ سے کیا ہوگا ادا حق تیری مدحت کا

نہ جانے کتنے گمراہوں نے ان سے روشنی پائی
شکیلؔ اک نیّر اعظم تھا وہ رشد و ہدایت کا

☆☆☆

﴿مضطر اعظمی گھوسی﴾

بھیک در سے ترے پانے والے
بول اٹھے ہم ہیں خزانے والے
کفر کے شہر میں خطبات تیرے
سب ہیں کہرام مچانے والے
جہل کی شور زمیں پر ہیں آپ
دین کی فصل اگانے والے
دولت آگہی در سے تیرے
آج بھی پاتے ہیں پانے والے
خلد میں پہنچے ترے شیدائی
دیکھتے رہ گئے تھانے والے
تیری آنکھوں کی ضیا کیا کہنا
تھک گئے آنکھ ملانے والے
ہو گئے خود ہی سراپا ذلت
تیری توقیر گھٹانے والے
علم کی بانٹ رہے ہیں دولت
آج بھی تیرے گھرانے والے
کیسے بھولیں گے مسلماں تجھ کو
دین کا علم سکھانے والے
ان شاء اللہ ترے حلقے میں
اِک دن آئیں گے زمانے والے
سب کو ملتا ہے تیری چوکھٹ سے
کیوں کہیں جائیں زمانے والے
پائیں گے عشق رسالت کیسے
تری محفل میں نہ آنے والے
آپ جاتے ہیں مدینہ ہر سال
یہ بتاتے ہیں بتانے والے
اے خوشا برف صفت سینوں میں
عشق کی آگ لگانے نوالے
تیرے بخشے ہوئے فقہی تحفے
حشر تک کام ہیں آنے والے
لکھ کے اقوال رسول عربی
ناؤ کاغذ کی چلانے والے
دے کے تعلیم درود و تسبیح
عاقبت میری بنانے والے
منحرف میں تیری تحریروں سے
جہل کا جشن منانے والے
یا نبی کہہ کے لحد میں اتریں
لاش مضطؔر کی اٹھانے والے

☆☆☆

﴿ماسٹر یعقوب صاحب﴾

معترف تصنیف کا کیسے کہوں عالم نہیں
آپ کا احسان اے صدر شریعت کم نہیں
قاطع بدعت نے کی تصنیف وہ اعلی کتاب
سامنے ہر مسئلہ ہے آئنہ مبہم نہیں
ہادیٔ دین نبی اے سنیت کے تاجدار
آپ کا ہم سر کوئی بھی رہبر اعظم نہیں
رہنما ہے جب ضیا جیسا مجاہد باوقار
سر نگوں ہوگا کبھی اسلام کا پرچم نہیں
ڈال دیں کشکول میں یعقوب کے کچھ شہر یار
آپ کا در چھوڑ کر اب جانے والے ہم نہیں

☆☆☆

﴿شمشاد احمد مصباحی﴾

سحاب علم تو ہے فکر کا سیل رواں تو ہے
حدیث و فقہ میں یکتا، عزیمت کا نشاں تو ہے
قلم بن کر گرے برق تپاں اہل ضلالت پر
ہلا کر قصر باطل کا جو رکھ دے وہ جواں تو ہے
سرے منزل پہنچنے سے ہمیں اب کون روکے گا
ہمارا رہنما تو ہے ہمارا پاسباں تو ہے
تری پرواز فکر وفن کی رفعت کیا کوئی جانے
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
ترے زور بیاں سے نجدیت مٹتی رہی ہر سو
رضا کے فکر کی تلوار اور تیرو سناں تو ہے
تری تحریر پہ اہل یقیں گردن جھکاتے ہیں
حقیقت کی زباں تو ہے صداقت کا بیاں تو ہے
ترے ہی سایے میں رہتا ہے یہ شمشاد خستہ تن
ہمارا آشیاں تو ہے ہمارا سائباں تو ہے

☆☆☆

﴿حافظ خالد حسن﴾

محمد مصطفےٰ کا عشق تھا امجد کے سینے میں
دل و جان و خرد سب کچھ تھا کے میں مدینے میں
رہے مشغول روز و شب مئے وحدت کے پینے میں
رہے مسرور مرنے میں رہے سرشار جینے میں
عمل کی علم کی دولت ہے قصر قادری منزل
کمی کس چیز کی ہے شاہ امجد کے خزینے میں
کیا زیر و زبر سب کو شکست فاش دی ان کو
منافق جو کہ رکھتے تھے نبی سے بغض سینے میں
سفینہ منتظر ہی تھا کہ اتنے میں صدا آئی
مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
امیدیں لے کے آیا ہوں کرم فرمائیے حضرت
گزارے زندگی خالد ادب میں اور قرینے میں

☆☆☆

﴿ایاز محمود قادری﴾

تیرا قطرہ آبروئے بحر و بر ہوتا گیا
تیرا ذرہ روکش شمس و قمر ہوتا گیا
تیری ضو سے ارض گھوسی یوں چمک اٹھی کہ پھر
خاک کا ذرہ بھی صد رشک گہر ہوتا گیا
تو نے بخشی ہے زمانے کو شریعت کی بہار
گلشن اسلام جس کے دم سے تر ہوتا گیا
دامن امجد کی فرحت بخش نسبت کے سبب
غمزدوں کا قصۂ غم مختصر ہوتا گیا
درسگاہ امجدی کا فیض بھی کیا خوب ہے
بے ہنر آکر یہاں پر با ہنر ہوتا گیا
حضرت امجد، امام احمد رضا کے معتمد
جو ہوا منسوب تجھ سے معتبر ہوتا گیا
قادری منزل وہ مسکن ہے کہ اس کی گود میں
پلنے والا ماہر علم و ہنر ہوتا گیا
حاسدین وقت اس کے نام سے جلنے لگے
دہر میں مقبول جب تیرا پسر ہوتا گیا
واصف امجد ہوا جب سے ایاز قادری
دن بہ دن لمحہ بہ لمحہ نامور ہوتا گیا

☆☆☆

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے متعلق
دائرۃ المعارف الامجدیہ کی مطبوعات

کتاب	مصنف	کیفیت
فتاویٰ امجدیہ کامل چار جلدوں میں	از حضور صدر الشریعہ	مطبوع
کشف الاستار حاشیہ طحاوی دو جلدوں میں	از حضور صدر الشریعہ	مطبوع
سوانح صدر الشریعہ	از مفتی آل مصطفیٰ مصباحی	مطبوع
صدر الشریعہ حیات و خدمات	از مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	مطبوع
علم حدیث میں صدر الشریعہ کی خدمات	از مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	مطبوع
علم حدیث میں صدر الشریعہ کی تحقیقات	از مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	مطبوع
بہار شریعت پر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ	از مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	زیر ترتیب

Rs. 1500/-

DAERATUL MA'ARIFIL AMJADIA
Ghosi, Mob.: 85459 50627